انوارِ اولیاء (کامل)

رَحمہُ اللہُ تعالیٰ اجمعین

جس کا پہلا حصّہ تذکرۃ اولیاء مصنّفہ حضرت فریدُ الدین عطار سے ماخوذ ہے اور دوسرے و تیسرے حصّے میں پاکستان و ہندوستان کے تمام مشہور اولیاءاللہؒ و صوفیائے کرام کے حالات و تعلیمات بالتفصیل درج ہیں۔

مرتّبہ و مؤلفہ

(سید) رئیس احمدؐ جعفری (ندوی)

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲، ۵۴۰۰۰

(7274)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

2976992
ل 93 ر
95011

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر
غلام علی پرنٹرز اشرفیہ پارک ۔ لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی ۔ لاہور

Marfat.com

فہرست!

۱ کچھ اس کتاب کے بارے میں ۱۱
۲ اسلام میں تصوّف کی ابتدا ۱۳

حصّہ اوّل

ماخوذ از تذکرۃ اولیا حضرت فریدالدین عطار بہ ترتیب حروف تہجّی

الف

۱ حضرت اویس قرنی رح ۲۹
۲ حضرت ابوبکر شبلی رح ۳۳
۳ حضرت ابراہیم ادھم رح ۳۵
۴ حضرت ابوالحسن خرقانی رح ۴۱
۵ حضرت ابوالعباس نہاوندی رح ۴۵
۶ حضرت احمد مسروق رح ۴۶
۷ حضرت ابوبکر واسطی رح ۴۷
۸ حضرت ابوبکر وراق رح ۴۸
۹ حضرت ابوعبداللہ محمد بن فضل رح ۴۹
۱۰ حضرت ابومحمد مرتعش رح ۵۰
۱۱ حضرت ابواسحاق ابراہیم رح ۵۱

Marfat.com

۱۲ حضرت ابو یعقوب بن اسحٰق رحؒ ۵۲
۱۳ حضرت ابنِ عطار رحؒ ۵۳
۱۴ حضرت ابو عبداللہ جلاّہ رحؒ ۵۴
۱۵ حضرت ابوالحسن نوری رحؒ ۵۵
۱۶ حضرت احمد بن عاصم رحؒ ۵۸
۱۷ حضرت ابو حفص حدّاد رحؒ ۵۹
۱۸ حضرت ابوتراب النخشی رحؒ ۶۱
۱۹ حضرت احمد خضرویہ رحؒ ۶۲
۲۰ حضرت احمد حرب رحؒ ۶۳
۲۱ حضرت ابو سلیمان داؤدی رحؒ ۶۴

ب

۲۲ حضرت بایزید بسطامی رحؒ ۶۵
۲۳ حضرت بشر حافی رحؒ ۷۰

ج

۲۴ حضرت امام جعفر صادق رحؒ ۷۲
۲۵ حضرت جنید بغدادی رحؒ ۷۶

ح

۲۶ حضرت حمدون قصّار رحؒ ۸۰
۲۷ حضرت حاتم اصم رحؒ ۸۱
۲۸ حضرت حارث محاسبی رحؒ ۸۳

د

۲۹ حضرت داؤد طائی رحؒ ۸۴

ذ

۳۰ حضرت ذی النّون مصری رحؒ ۸۶

Marfat.com

س

۳۱ حضرت سرّی سقطی رح .. .. — ۹۱
۳۲ حضرت سہل بن عبداللہ رح .. .. — ۹۴
۳۳ حضرت سفیان ثوری رح .. .. — ۹۵

ش

۳۴ حضرت شاہ شجاع کرمانی رح .. .. — ۹۷
۳۵ حضرت شفیق بلخی رح .. .. — ۹۸

ع

۳۶ حضرت عبداللہ خفیق رح .. .. — ۱۰۰
۳۷ حضرت عبداللہ بن مبارک رح .. .. — ۱۰۱

ف

۳۸ حضرت فضیل بن عیاض رح .. .. — ۱۰۴

م

۳۹ حضرت مالک بن دینار رح .. .. — ۱۰۸
۴۰ حضرت محمد علی حکیم ترمذی رح .. .. — ۱۱۰
۴۱ حضرت منصور عمّار رح .. .. — ۱۱۱
۴۲ حضرت معروف کرخی رح .. .. — ۱۱۳
۴۳ حضرت محمد بن اسلم رح .. .. — ۱۱۵

ن

۴۴ حضرت شیخ نسّاج رح .. .. — ۱۱۶

ی

۴۵ حضرت یحیٰی معاذ رح .. .. — ۱۱۷
۴۶ حضرت یوسف بن حسین رح .. .. — ۱۱۹
۴۷ حضرت یوسف اسباط رح .. .. — ۱۲۰

Marfat.com

حصّہ دوم

الف

۴۸ حضرت حاجی امداداللہ رح .. .. - ۱۲۵

ج

۴۹ حضرت مولانا جلال الدین رومی رح .. .. - ۱۴۲

ح

۵۰ حضرت حسین بن منصور حلّاج رح .. .. - ۱۸۰
۵۱ حضرت حسن بصری رح .. .. - ۱۸۷
۵۲ حضرت رابعہ عدویہ رح .. .. - ۱۹۰

ش

۵۳ حضرت شہاب الدین سہروردی رح .. .. - ۱۹۳

غ

۵۴ حضرت امام غزالی رح .. .. - ۱۹۸
۵۵ حضرت غوث الاعظم رح .. .. - ۲۰۸

ف

۵۶ حضرت فریدالدین گنج شکر رح .. .. - ۲۲۹

ق

۵۷ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح .. .. - ۲۳۸

م

۵۸ حضرت محی الدین عربی رح .. .. - ۲۴۲
۵۹ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح .. .. - ۲۴۶

ن

۶۰ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رح .. .. - ۲۷۷
۶۱ حضرت شاہ نعمت اللہ رح .. .. - ۳۱۵

Marfat.com

و

۶۲ حضرت وارث علی شاہ رح .. .. — ۳۲۴

حصّہ سوم

الف

۶۳ حضرت ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخش رح .. .. — ۳۹۱
۶۴ حضرت احمد عبدالحق رودولوی رح ۴۰۳

ب

۶۵ حضرت بوعلی قلندر رح ۴۰۶
۶۶ حضرت بہاؤالدین زکریا رح ۴۱۴
۶۷ حضرت خواجہ باقی باللہ رح ۴۲۲

پ

۶۸ حضرت شاہ پیر محمد رح ۴۲۴

ج

۶۹ حضرت میر سیّد جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رح ۴۲۵

ح

۷۰ حضرت خواجہ حمیدالدین ناگوری رح ۴۲۸

س

۷۱ حضرت شاہ سلیم چشتی رح ۴۲۹
۷۲ حضرت شیخ سعدالدین خیرآبادی رح ۴۳۲

ش

۷۳ حافظ شمس الدین سیالوی رح ۴۳۳

ص

۷۴ حضرت شیخ صدرالدین عارف رح ۴۳۴

Marfat.com

ع

۷۵ حضرت علاء الدین احمد کلیری رح ۴۴۹
۷۶ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رح ۴۵۳

ف

۷۷ حضرت شیخ فخرالدین عراقی رح ۴۶۱

م

۷۸ حضرت مجدد الف ثانی رح ۴۶۸
۷۹ حضرت شاہ مینا لکھنوی رح ۴۹۵
۸۰ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رح ۴۹۶
۸۱ حافظ محمد علی خیرآبادی رح ۵۳۳

ن

۸۲ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی ۵۴۴
۸۳ حضرت نیاز احمد بریلوی ۵۵۱

Marfat.com

کچھ اِس کتاب کے بارے میں

زمانہ کے ساتھ ساتھ فکر و رجحان، طبع و مذاق، مزاج و نظر، اسلوب، انداز اور اقتدار میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اگرچہ عقیدہ اپنی جگہ اٹل رہتا ہے۔ اسلام پر ہر مسلمان کا آج بھی اتنا ہی مستحکم عقیدہ ہے، جتنا آج سے ۱۴۰۰ برس پہلے تھا۔ بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام سے لوگ آج بھی اتنی ہی اور ویسی ہی عقیدت رکھتے ہیں، جتنی ان کے زمانہ میں رکھتے تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پہلے اگر لوگوں کی نظر میں اہمیت کرامت کو تھی، تو اب سیرت اور کردار کو ہے۔ پہلے اگر کرامت کی داستانیں ایمان اور عقیدت میں ثبات و استحکام پیدا کرتی تھیں، تو اب کردار اور سیرت کے واقعات، زندگی کو بناتے ہیں اور عمل کو سنوارتے ہیں۔ میں نے اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں یہی بات پیش نظر رکھی ہے!

میں آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا۔ لیکن اس کتاب کے بارے میں چند ضروری باتیں ضرور گوش گزار کروں گا تاکہ مطالعہ سے قبل آپ میرا نقطۂ نظر سمجھ لیں پھر کوئی رائے قائم کریں!

۱۔ حضرت فریدالدین عطّار کا تذکرۃ الاولیاء میں نے پیشِ نظر رکھا ہے، بلکہ اس کے مندرجات کو بہ ترتیب حروف تہجّی سب سے مقدم رکھا ہے لیکن میرے خیال میں موجودہ زمانہ کے لحاظ سے دو باتیں اس میں ترمیم طلب تھیں:

ایک تو یہ کہ عبارت بہت گنجلک تھی، طویل تھی میں نے اس کو سہل کر دیا ہے اور طوالت کو مختصر کر دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ جن بزرگوں کا اس میں ذکر تھا، ان کے خوارق، عادات او کرامات کے واقعات کثرت سے بیان کیے گئے تھے۔ میں نے خوارق عادات، اور کرامتوں کا ذکر بہت کم کر دیا ہے اور کردار و سیرت کے واقعات کو زیادہ اجاگر کیا ہے۔ میرے خیال میں پہلی چیز سے زیادہ آخری چیز انسانی سیرت کی تشکیل و تعمیر میں ممد و معاون ہو سکتی ہے!

۲۔ مصر سے ایک کتاب تاریخ تصوّف چھپی ہے جس کا میں ترجمہ کر چکا ہوں اور وہ "کتاب منزل" لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں عہدِ اوّل کے بعض صوفیائے کرام کا تذکرہ زیادہ علمی طور پر تھا، سو اسے میں نے بہ ترمیم خفیف بعینہٖ لے لیا ہے۔

۳۔ عام طور پر بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کے حالات میں تذکرۃ الاولیاء ہی شائع و ذائع ہے، اس کے بعد کے بزرگوں اور صوفیوں کے حالات کسی کتاب میں یکجا نہیں ملتے، میں نے بعد کے صوفیوں اور خاص طور پر پاکستان و بھارت کے مشائخ کا ذکر نسبتہً بسط و تفصیل سے کر دیا ہے، تاکہ لوگ ان سے بھی واقف ہو جائیں اور ان کے عہد کو، کردار کو، سیرت کو اور فلسفہ کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ میں نے امکانی تلاش و تفحص سے کام لیا۔ پھر بھی بعض بزرگوں کے حالات مستند طور پر نہ مل سکے تلاش جاری ہے۔ انشاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں اس کوتاہی کی تلافی کر دی جائے گی۔

Marfat.com

۴۔ اس کتاب کے دو حصّے کر دیئے ہیں۔ پہلا حصّہ صرف تذکرۃ الاولیاء کے خلاصہ پر مشتمل ہے اور دوسرا حصّہ پاکستان و بھارت کے صوفیوں پر مشتمل ہے، یہ میرا فراہم کردہ ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی وقت کے مستند سوانح نویسوں اور مورخوں کی تحقیق سے مَیں نے پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔ البتہ ترمیم اور تلخیص کا حق اپنے لیے محفوظ رکھا ہے۔

۵۔ مَیں نے دونوں حصوں میں بزرگوں کا ذکر حروف تہجّی کے لحاظ سے کیا ہے، زمانی اعتبار سے نہیں، اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ نام تلاش کرتے میں دشواری نہیں پیش آئے گی، دوسرے تقدیم و تاخیر کے باعث لوگوں کے نازک جذبات کو ٹھیس بھی نہیں پہنچے گی۔

۶۔ پہلے حصّہ میں حالات زیادہ تر مختصر ہیں۔ لہذا وہ سب مجتمعاً ایک ہی ترتیب سے لگائے گئے ہیں، دوسرے حصّہ میں حالات زیادہ تر طویل ہیں۔ لہذا ہر شخصیت کے حالات اس طرح درج کیے گئے ہیں کہ وہ اس طرح الگ بھی ہو سکیں کہ علیحدگی سے دوسرا صفحہ خراب نہ ہو۔

۷۔ اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن کتابوں سے لفظاً و معناً میں نے مدد لی ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ تذکرۃ الاولیاء (حضرت فریدالدین عطّار)

۲۔ تذکرہ غوث اعظم

۳۔ حیات وارث رض

۴۔ حیات امدادیہ

۵۔ خواجہ معین الدین چشتی (شرر)

۶۔ نثار خواجہ (مولنا معین الدین اجمیری رح)

۷۔ مسلک تصوّف

۸۔ سوانح مولانا روم

۹۔ الغزالی

۱۰۔ نظامی بنسری (خواجہ حسن نظامی)

۱۱۔ تاریخ تصوّفِ اسلام

اور دوسری بہت سی کتابیں جن کی تفصیل ضروری نہیں!

رئیس احمد جعفری

کراچی

۱۴۔ نومبر ۱۹۵۴ء

Marfat.com

اسلام میں تصوّف کی ابتدا

تاریخ ـــــ مباحث ـــــ مسالک

اسلام میں روحانی زندگی یا تصوّف کا آغاز کس طرح ہُوا؟ یہ ایک سوال ہے، اور بے حد اہم سوال ہے اور اس کا جواب بھی بہت واضح اور صاف ہے۔ اسلام میں روحی زندگی کا آغاز، آنحضرتؐ اور صحابہؓ کرام کے ساتھ ساتھ ہُوا۔ نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب اطہار، حبِّ دنیا سے نفور تھے، دنیا کی چمک دمک سے بے نیاز تھے۔ جاہ اور نمائش کا اُن کی زندگی میں ذرا بھی دخل نہ تھا، وہ صرف خدا کی طرف متوجہ تھے اور زندگی کے ہر مرحلہ پر اس سے لَو لگاتے تھے۔ وہ اللہ کے لیے زندہ رہتے تھے، اللہ کے لیے جہاد کرتے تھے، اللہ کے لیے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوتے تھے۔ ان کا جینا اور مرنا دنیا کے لیے نہ تھا، صرف خدا کے لیے تھا۔ ان میں ایمان کی قوت اور یقین کی حرارت اسی جذبہ، اسی زندگی نے پیدا کی تھی۔

تصوّف صدرِ اوّل میں

رسول اکرمؐ کی حیاتِ طیبہّ پر ایک نظر ڈالیے، آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور کی زندگی کا آغاز اس طرح ہُوا کہ آپ دن اور رات کا بڑا حِصّہ لوگوں سے الگ دنیا سے دُور، غارِ حرا کی تنہائیوں میں بسر کرتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے ابھی آپؐ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی، لیکن روحانی زندگی کا دَور شروع ہو گیا تھا، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ کی زندگی بھی روحانی زندگی تھی، بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ، صہیبؓ رومی کی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے، تو وہ بھی روحانی پرتو سے جلوہ فگن نظر آئے گی۔ ابی بن کعبؓ، تمیم الداریؓ، ابوذر غفاریؓ، حذیفہ بن یمانؓ اور معصبؓ بن عمیرؓ کی زندگی بھی روحانی رنگ میں رنگی ہوئی تھی، ان حضرات کے علاوہ دوسرے صحابہ کی حیاتِ گرامی بھی اسی حقیقت کی شاہد ہے کہ یہ سب خضوع و خشوع سے عبادت کرتے تھے۔ مجاہدۂ نفس کرتے تھے، دنیا کی چمک دمک سے دُور رہتے تھے، شیطان کے دشمن تھے اور جہاد فی سبیل اللہ کے شائق اور جویا۔ غرض یہ زندگی تھی جو رسول سے صحابہ کو ملی۔ پھر اس سے برگ و بار حاصل کیے اور تابعین تک پہنچی۔ تبع تابعین بھی اس سے متاثر ہوئے اور پھر کوئی دَور بھی اسلام میں ایسا نہیں گذرا جو حیاتِ روحی سے خالی ہو۔

حقیقی تصوّف

آنحضرت نے لوگوں سے دُور رہ کر خلوتِ نفس کے بعد کائنات کی علّت غائی پر غور کر کے جو زندگی اختیار فرمائی تھی، اس کا اگر بعد کے زہّاد اور عبّاد کی زندگی سے جو صوفیا کے نام سے مشہور ہوئے، موازنہ کیا جائے تو معلوم آنحضرتؐ کی زندگی میں اور صوفیہ کی زندگی میں ایک قسم کی مماثلت سی ہے۔ اسی سے بہ آسانی آپ صوفیہ کے ریاضات اور مجاہدات کا جو کشف حقائق اور معرفت دقائق کے موجب ہوتے تھے ـــــ اس حیاتِ رُوحی سے پیوند لگا سکتے ہیں، جو قطعاً خالص تھی اور جس کی بہترین مثال حضور آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہّ تھی، جو ہر غلط چیز سے الگ تھی اور جو ہر معاملہ میں سرتاسر حقیقت تھی۔ وہ زندگی کیا تھی بہ تمام

Marfat.com

ایک ہے، وحدانیت بھی نبی کی زندگی کا سرچشمہ تھا۔یہی آپ کی ساری ریاضت اور مجاہدہ کا اصل الاصول تھا، یہی وہ چیز تھی جو اسلام کے نبیؐ نے ہمارے سامنے پیش کی تھی۔ پس جو تصوّف، جو اس روح سے دُور رہا، وہ اسلام سے بھی دور ہے، پھر بعد میں تصوّف مختلف جامے پہنتا گیا، اور اسلام کے علاوہ دوسرے عناصر بھی اس میں جگہ پاتے گئے۔ یہ ہندی تصوف ہے، وہ فارسی، یہ مسیحی تصوّف ہے، وہ یونانی۔ ان اجنبی عناصر کی فراوانی نے تصوف کو ایک ایسا مذہب بنا دیا جو گویا اسلام سے بالکل معارض اور مخالف تھا، ناممکن ہو گیا کہ ان میں سے کسی کو ملّت اسلامیہ کا جز کہا جا سکے۔ حالانکہ اصل تصوّف وہ ہے جو حیاتِ نبی کا پرتو ہو، جو قرآن اور سنت کا تابع ہو۔

ضرورت ہے کہ ہم آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کے اس رُخ پر ایک نظر ڈالیں، جو آپ نے غارِ حرا میں اعتزال وتقدس کے دائرہ میں بسر کی اگر ہم اس زندگی کا عبّاد وزہّاد اور صوفیہ کے ان مختلف طبقات کی زندگی سے موازنہ کریں، جنھوں نے رنگارنگ کے ریاضات اور مجاہدات کو برسرِ عمل لا رکھا ہے تو ان دونوں کی زندگیوں میں مماثلت کا رنگ جھلکتا ہُوا صاف نظر آئے گا۔ کم از کم ایک بات تو یقین تک پہنچ جائے گی کہ غارِ حرا میں آنحضرتؐ نے جو الگ تھلگ زندگی بسر فرمائی تھی، وہی در اصل پہلا بیج ہے تصوّف کا، جس سے زاہدوں کا زہد عبّاد کی عبادت، اور صوفیا کا تصوّف پھل لایا۔

تصوّف کا مقصد و منشا تصوف ایک نہایت جامع نام ہے۔ یہ مختلف عبادت گذار اور دُنیا بیزار گروہوں پر چسپاں ہو سکتا ہے اس کی تعلیم، اس کا مقصد و منشا، اس کے ریاضات و مجاہدات کا محور صرف یہ ہے۔

۱۔ تنقیہ نفس،

۲۔ تصفیہ قلب،

تہذیب نفس، محاسبہ اور مراقبہ سے یہ صوفیہ الہام کی دولت سے سرفراز ہوئے اور کوئی شبہ نہیں یہ دولت اس راستہ پر چل کر حاصل ہوئی، جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اختیار فرمایا تھا، غارِ حرا میں آپ کی خلوت گزینی بالآخر وحی پر منتج ہوئی تھی۔

حیاتِ نبوی اور زہد و تصوّف اس سلسلہ کو اگر زیادہ طوالت دی جائے تو ہزاروں صفحے رنگے جا سکتے ہیں، مختصراً بعض امور ہم پیش کرتے ہیں۔ مثلاً قناعت کو لیجیے۔ آپ لباس بہت سادہ پہنتے تھے۔ اسی طرح آپ کی غذا بھی بہت سادہ ہوتی تھی، عبادت سے آپ کو بہت شغف تھا حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ:۔

"آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، رات رات بھر عبادت فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک وَرم کر آتے تھے میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ آپ اتنی مشقّت کیوں گوارا فرماتے ہیں، جب کہ خدا نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا: "کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"؟ [۱]

اسی طرح حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف میں بسر فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے اس

---

[۱] رواہ البخاری ومسلم۔

Marfat.com

دنیا سے کنارہ کیا[1]

ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ

"مَیں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے، مَیں ہر روز ۰۰ مرتبہ اللہ تم سے توبہ و استغفار کرتا ہوں"[2]

ایک اور حدیث ہے کہ:

"دنیا سے نفرت کرو، اللہ تم سے محبّت کرے گا"[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر لوگوں کو زہد کی ترغیب دی۔ ذکر، توکّل، صبر، توبہ اور نوافل کے ذریعہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کی دعوت دی، ایک موقعہ پر فرمایا:

"اللہ تم جب اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور دنیا کی نفرت اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے اور دنیا کے عیوب اس کے سامنے کھول دیتا ہے"[4]

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو دنیا سے نفرت کرتا ہے تو اس کا قرب حاصل کرو، وہ تمھیں حکمت بتائے گا"[5]

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ مَیں نے جو کچھ فرض کیا ہے اس پر عمل کر کے بندہ مجھ سے قریب ہو سکتا ہے نوافل کی پابندی کر کے بندہ مجھ سے قریب اور میرا محبوب ہو سکتا ہے، جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو جو کچھ وہ سنتا ہے میں سنتا ہوں، جو کچھ وہ دیکھتا ہے مَیں دیکھتا ہوں، میں اس کے ہاتھ سے پکڑتا اور پاؤں سے چلتا ہوں۔ اگر وہ کچھ مجھ سے مانگتا ہے مَیں اسے دیتا ہوں اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے مَیں اسے پناہ دیتا ہوں"[6]

ایک حدیث میں فرمایا:

"صلاۃ نور ہے، صدقہ برہان ہے اور صبر ضبط ہے"[7]

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

"جاننا چاہیئے کہ کامیابی صبر کے ساتھ ہوتی ہے، تکلیف کے بعد فراخی کا دور آتا ہے اور تنگی کے بعد آسانی کا زمانہ آتا ہے"[8]

---

[1] رواہ ابی ہریرہؓ - اپنی روایت میں ابوہریرہؓ نے یہ زیادہ کیا ہے کہ جس سال آپؐ نے وفات پائی اس سال دس دن کے بجائے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

[2] رواہ البخاری [3] اس حدیث کو ابن ماجہ طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ [4] رواہ البیہقی فی شعب الایمان وعن محمد کعب مرسلاً۔

[5] رواہ ابو یعلی فی "الترغیب والترہیب" جامع صبر میں یہ روایت یوں ہے کہ جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو دنیا سے نفرت کرتا ہے اور کم گو ہو تو اس کا قرب حاصل کرو، وہ تمھیں حکمت سکھائے گا" اس حدیث کو ابن ماجہ اور ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیا" اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں درج کیا ہے۔

[6] رواہ البخاری۔ [7] رواہ مسلم عن ابی مالک بن عاصم الاشعری ۱۲۔ [8] ترمذی نے اسے دوسرے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

Marfat.com

ایک اور حدیث میں آیا ہے :

"اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، اور اس سے استغفار کرو، کیونکہ میں خود دن میں سو مرتبہ خدا سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں"۔[1]

اب ہم کچھ وہ دعائیں نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، مثلاً :

" اللّٰھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت "۔

اور فرمایا :

اللّٰھم انی اعوذ بعزتک لا الٰہ الا انت ان تضلنی انت الحی لا تموت، والجن والانس یموتون[2]

ایک اور جگہ فرمایا :

"اللّٰھم اجعلنی شکوراً واجعلنی صبوراً واجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً"[3] — اے اللہ مجھے شکر گذار بندہ بنادے، مجھے صابر و شاکر بندہ بنادے، مجھے میری آنکھوں میں حقیر، اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا بنادے۔

ایک اور موقع پر فرمایا :

اللّٰھم اغنی بالعلم وزینی بالعلم وکرمنی بالتقوٰی واجملنی بالعافیہ[4] — اے اللہ! علم سے میری مدد کر، علم سے مجھے مزین کر، تقویٰ سے مجھے سرفراز کر اور صحت سے مجھے ہمکنار کر

ایک اور موقع پر فرمایا :

اللّٰھم انی اسئالک الصحۃ والعفۃ والامانۃ وحسن الخلق والرضا بالقدر[5] — اے اللہ! مجھے تجھ سے صحت، عافیت، امانت، حسن خلق اور رضا بالقدر طلب کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ عبّاد کی عبادت، زہّاد کا زہد، اور صوفیا کا تصوّف کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ آنحضرتؐ ہی کے اقوال و افعال و احوال سے ماخوذ ہے۔

صحابۂ کرام اور تصوّف

اب اگر ایک نظر ہم صحابہ کرام کی حیات گرامی پر ڈالیں تو معلوم ہوگا وہ بھی آنحضرتؐ کے فیض صحبت سے پورے طور پر متاثر تھے۔ ان میں زہد و ورع، اور تقشف کا مادہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ پورے طور پر اللہ کی طرف متوجہ تھے اور دنیا سے بیزار تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول بھی ہے کہ :

---

[1] رواہ مسلم عن الاغر بن یسار [2] رواہ البخاری و مسلم۔ [3] اخرجہ البزاز، وہو حدیث حسن۔
[4] رواہ الرافعی، عن ابن عمر، کنز العمال جلد اول ۱۲۰ [5] رواہ البزاز والطبرانی عن ابن لم ۱۲۔

Marfat.com

"جس نے معرفتِ الٰہی کا ذائقہ چکھ لیا، وہ ما سوائے اللہ سے بے پرواہو جاتا ہے اور لوگوں سے اسے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

کیا حضرت عمرؓ کی دنیا بیزاری کا اس سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت ہو سکتا ہے کہ خلافت کے منصب پر فائز ہو چکنے کے بعد خطبہ دے رہے تھے، اور حالت یہ تھی کہ آپ کی ازار میں ۱۲ پیوند لگے ہوئے تھے۔ قمیص پر چار پیوند تھے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اکثر وبیشتر حضرت عمرؓ اپنا لباس خود اپنے ہاتھ سے دھو لیا کرتے تھے؟ کیا حضرت عمرؓ ہی کا یہ مقولہ نہیں ہے کہ "زندگی کی بہترین چیز صبر ہے۔"

حضرت عثمانؓ کا زیادہ وقت عبادت اور ریاضت میں بسر ہوتا تھا، آپ کی زندگی سراپا زہد وتقویٰ تھی۔ آپ ہمیشہ یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ قرآن مجید ذوق وشوق سے تلاوت فرمایا کرتے تھے "قرآن میرے رب کی کتاب ہے، غلام کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کے رب کا نامہ آئے تو ہر روز اس پر ایک نظر ڈال لیا کرے تاکہ اس کے احکام کی صحیح صحیح پیروی کر سکے حضرت عثمانؓ کو قرآن مجید سے کس درجہ شغف تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین قتل کے وقت بھی آپ کے سامنے قرآن موجود تھا، اور آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے۔

حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے اجل صحابہ میں تھے، حضرت فاطمہؓ کے شوہر اور نبی آخر الزماںؐ کے برادر، جاں نثار اور سرفروش، حضرت علیؓ کی زندگی سوا تقویٰ اور عبادت کے کچھ نہ تھی۔ آپ کا زہد وورع سب سے بڑھا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کی پیوند لگی ہوئی قمیص دیکھ کر کسی نے سوال کیا۔

"یا امیر المومنین یہ کیوں؟"

آپ نے فرمایا:

"تاکہ دل خدا سے ڈرتا رہے۔"

اصحاب صفّہ

خلفائے اربعہ سے قطع نظر کرکے دوسرے صحابہ کرام کے احوال وحیات گرامی کا اگر بہ نظر امعان استقصا کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بھی دنیا سے نفرت کرتے تھے اور رضائے الٰہی کے طالب رہتے تھے بمثال میں ہم اصحاب صفّہ کو پیش کریں گے۔

اصحابِ صفّہ کی منزلت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کوئی اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اصحابِ صفّہ نے اسلام کی رُوحانی تاریخ پر گہرا اور زبردست اثر ڈالا ہے، جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور خاص کر تصوّف کی تاریخ تو یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "صوفی" کا لفظ اصحابِ صفّہ ہی سے مستعار لیا گیا ہے۔

اہلِ صفّہ کا گروہ مقدس، ان انصار اور مہاجرین پر مشتمل تھا، جو بالکل بے نوا تھے۔ یہ گویا رسول اللہ صلعم کے مہمان تھے۔ ان کے پاس نہ اہل وعیال تھے، نہ مال وزر ——— زن و فرزند، اور مال وزر کے بندھن میں انھوں نے اپنے تئیں پھنسنے ہی نہیں دیا،

Marfat.com

ان لوگوں کی یہ دنیا بیزاری اور اہل دنیا سے بے تعلقی دیکھئے مسجد نبوی کے نزدیک ایک چبوترہ بنا دیا گیا۔ یہ ساری دنیا و ما فیہا سے بے پروا ہو کر یہیں کے مکین بن گئے اور اپنا سارا وقت عبادت، ریاضت اور مجاہدۂ نفس میں صرف کرنے لگے۔ انھوں نے دنیا سے بالکل منہ موڑ لیا اور کوئی واسطہ نہیں رکھا۔ انھوں نے صرف روح کی طرف توجہ کی، اور ماسوا کو یکسر فراموش کر دیا۔ ابو نعیم اصبہانی کا قول ہے کہ:

"یہ وہ لوگ تھے جنھیں اہل و عیال اور مال و زر نے نہ پھنسایا، نہ خدا کے ذکر سے انھیں تجارت اور کاروبار روک سکا۔ دنیا میں اگر یہ کچھ کھوتے تھے تو انھیں ذرا بھی غم نہیں ہوتا تھا۔"

یہ اصحاب صفّہ وہ لوگ تھے، جن سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم محبّت فرماتے تھے، مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے، ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے تھے۔ آنحضرت کی پیروی میں آپ کے اہل بیت بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے اور ان سے گھُلے ملے رہتے تھے اور ان کی صحبت میں اُٹھنا بیٹھنا موجب فلاح و صلاح سمجھتے تھے۔ حضرت حسنؓ بن علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن جعفر وہ بزرگ تھے جو اہلِ صفہ کی محبت کو دین کی محبّت سمجھتے تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھنا باعثِ عزت سمجھتے تھے۔ ان سے اس لیے قرب حاصل کرتے تھے کہ اچھے اخلاق و آداب سیکھیں۔ ابوہریرہؓ کا تعلق اسی مشہور اور مقدس گروہ سے تھا۔ آنحضرت کی زندگی بھر وہ اصحاب صفہ میں شامل رہے۔ کتب طبقات میں ان کے زہد و فقر کی بڑی بڑی تفصیلیں ملتی ہیں۔

خلفائے راشدین اور اصحابِ صفّہ کے علاوہ اگر بنظر تفحص دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام میں بہت سے ایسے بزرگ تھے، جو اپنے زہد و ورع کے لحاظ سے ممتاز اور مشہور تھے، دنیا سے بیزار تھے اور خدا کی یاد میں مست رہتے تھے۔ وقت کا بڑا حصّہ عبادت اور ریاضت میں بسر کرتے تھے۔

حضرت تمیم داری کی کثرت تہجد مشہور رہی ہے۔ ان کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ایک بار ساری رات یہ آئہ مبارک پڑھتے ہوئے گزار دی:

"ام حسب الذین اجترحوا السیّاٰت ان نجعلھم کالذین اٰمنوا و عملوا الصٰت سواء محیاھم و مماتھم ساء ما یحکمون ۝" لہ

حضرت ابوذر غفاری کی دنیا بیزاری اور عبادت و ریاضت کا پایہ تو بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ دن اور رات کا بڑا حصّہ وہ عبادت ریاضت اور مجاہدۂ نفس میں بسر کرتے تھے۔ ایک پیسہ بھی پاس رکھنے کے روادار نہیں تھے۔ مالداروں اور دولت مندوں سے بہت چڑتے تھے۔

یہی حالت حضرت حذیفہ بن الیمان کی تھی۔ ان کے بارے میں ابو نعیم کہتے ہیں تو فقر و فاقہ سے ان کی مستقل رفاقت تھی،

تصوف کا قرآنی ماخذ

صوفیائے کرام اپنے مسلک کی تائید جن قرآنی آیتوں سے کرتے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

لہ حلیۃ الاولیا ۱۲۔

Marfat.com

(۱) اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ط — اپنے رب سے طلب مغفرت کرو، اور اس سے توبہ کرو۔

(۲) وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ — اللہ سے توبہ کرو، اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(۳) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ — اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، توبۂ نصوح۔

(۴) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا — اے ایمان والو، صبر سیکھو، صبر کرو، اللہ سے رشتہ استوار رکھو۔

(۵) اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ — اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیتا ہے۔

(۶) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ — جو شخص صبر کرے اور توبہ کرے تو بیشک یہ عزم امور ہے

(۷) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ۔ — ہم تمہاری آزمائش کریں گے، یہاں تک جان لیں کہ تم میں مجاہدین اور صابرین کون ہیں۔

(۸) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ۔ — اللہ پر بھروسہ کرو، جو زندہ اور جسے موت نہیں آسکتی۔

(۹) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ — اور وہ اللہ ہی ہے جس پر ایمان والے توکل کرتے ہیں۔

(۱۰) فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ — جب ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

(۱۱) اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ — زمین و آسمان کی پیدائش میں، لیل و نہار کے اختلاف میں صاحب عقل کے یہاں نشانیاں ہیں، جو کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش (کے اسرار پر) غور کرتے ہیں۔

(۱۲) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ — اللہ کے نام کا ذکر کرو۔

(۱۳) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ — اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کرو، جب تک موت نہ آجائے۔

(۱۴) اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ۔ — جان لو دنیا کی زندگی لہو و لعب ہے۔

(۱۵) وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ — حیات دنیاوی کی متاع فریب کے سوا کچھ نہیں۔

(۱۶) يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ — اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تمہیں فریب میں مبتلا کردے۔

آنحضرت ﷺ کا تصوف آنحضرت ﷺ نے جو تصوف سکھایا اور جس تصوف کی تعلیم دی وہ خالص تھا، ہر قسم کی آمیزش سے الگ اور جدا

Marfat.com

آپ نے تصفیہ نفس پر زور دیا۔ ریاضت کے اصول اور آئین مقرر کیے، تفکر اور عبادت کے آداب سکھائے اور ان کی ایک خاص ترتیب اور وضع قائم کی۔ اسی اصول پر اسلام کی حیات روحیہ کا آغاز ہوا۔ اسلام نے ایک خدا کی طرف قلوب کو متوجہ کیا۔ اس نے جنت کی دعوت بھی دی اور جہنم سے ڈرایا بھی۔ لیکن خدا کی محبت کو ان کو سب سے بالا رکھا۔ اس نے عمل کو اصل اور اساس قرار دیا۔ اس نے دنیا میں رہ کر دنیا کو برت کر، دنیا سے تعلق قائم رہتے ہوئے، دنیا سے الگ رہنے، اس سے زخارف سے متاثر نہ ہونے، اور اس کی دل کشی کو بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دینے کا گر سکھایا۔ یہ تصوف خالص اسلام کی پیداوار ہے۔ اس میں دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی تصوف اسلام کا شریک نہیں ہے نہ ہنود کی ویدانت، نہ زرتشت کی کہانت، نہ عیسائیوں کی رہبانیت، نہ کسی اور حلقۂ زہد و عبادت کا آئین۔

غلطی یا غلط فہمی

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ فقر و زہد کے جو عناصر صوفیہ میں پائے جاتے ہیں وہ نصرانیت سے ماخوذ ہیں، یہ بالکل بے بنیاد، اور لغو ہے۔ آیاتِ قرآنی اور حدیثِ نبوی سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ فقر و زہد کا اصل مصدر اسلام ہے نہ کہ نصرانیت یا مجوسیت وغیرہ۔

قرآن نے صاف اور واضح الفاظ میں، دنیا سے کم سے کم ربط رکھنے کی تلقین کی ہے، فرمایا ہے۔

واضرب لھم مثل الحیاۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض فاصبح ھشیما تذروہ الریاح، وکان اللہ علی کل شیء مقتدرا۔

(سورہ کہف آیہ ۴۵)

اور آپ ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو، پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہوں، پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجائے کہ اس کو ہوا اڑائے لیے پھرے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:۔

اعلموا انما الحیوٰۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما، وفی الاخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیاۃ الدنیا الا متاع الغرور۔

(سورہ حدید آیہ ۲۰)

تم خوب جان لو کہ دنیوی حیات، محض لہو و لعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے کو اپنے سے زیادہ بتلانا ہے، جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہوجاتی ہے، سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی اور دنیاوی زندگی محض دھوکا کا اسباب ہے۔

Marfat.com

قرآن میں ایک اور جگہ وارد ہوا ہے:

یا ایھا الناس ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیاۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور (سورہ حدید آیتہ ۲۰)

اے لوگو! اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے۔ سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیوی زندگی تم کو دھوکے میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ دھوکہ باز شیطان تم کو اللہ سے دھوکا میں ڈال دے۔

احادیث وارده

قرآن کے بعد حدیث پر ایک نظر ڈالیے، تو اس سے بھی یہی ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایک موقع پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان مما اخاف علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من زھرۃ الدنیا و زینتھا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں خائف ہوں کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:

دنیا میں زہد کی زندگی بسر کر، خدا تجھے محبوب رکھے گا اور اگر تو زہد لوگوں کے لیے اختیار کرے تو لوگ تجھے محبوب رکھیں گے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر (رواہ ابن ماجہ وغیرہ وھو حدیث حسن)

دنیا مومن کے لیے زندان خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔

ذکر و فکر کی دعوت

اسلام نے ذکر و فکر کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔

واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین۔ (سورہ اعراف، ۲۰۵)

اپنے رب کی یاد کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ، اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔

نصرانیت میں سکوت کو ذکر پر ترجیح ہے لیکن اسلام کا تصوف ذکر کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا ہے:

Marfat.com

فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون۔

تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا۔ میرا شکر کرو اور میرا کفر نہ کرو۔

(سورہ بقرہ آئیہ ۱۵۲)

قرآن میں ایک اور جگہ وارد ہوا ہے:

یاایہا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً وسبحوہ بکرۃ واصیلا۔

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

ھوالذی یصلّی علیکم و ملائکتہ لیخرجکم من الظلمٰت الی النّور وکان بالمؤمنین رحیما۔

وہ ایسا ہے کہ وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، تاکہ خدا تم کو تاریکی سے نور کی طرف لے آئے اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔

(سورہ احزاب آیۃ ۴۱-۴۳)

اس کے علاوہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:

یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبد ربی و انا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اپنے دل میں اس کی یاد رکھتا ہوں۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ان تمام تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا تصوّف اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے۔ وہ کسی چیز میں بھی کسی سے متاثر نہیں ہے

تابعین رضؓ اور تبع تابعین رضؓ

آنحضرت صلعم اور صحابہ رضؓ کے بعد تابعین کرام میں جو لوگ زہد و عبادت اور ریاضت و مجاہدہ کے اعتبار سے خاص طور پر نمایاں اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ یہ سب وہ تھے، جو نسک اور تعبد کے رمز آشنا تھے اور دنیاوی زخارف کی طرف ذرا بھی مائل نہ تھے۔ مثلاً:۔

۱۔ اویس بن عامر القرنی۔

۲۔ عامر بن عبداللہ، بن عبد قیس البصری۔

۳۔ مسروق بن عبدالرحمٰن۔ ابو عائشہ، الکوفی۔

۴۔ ربیع بن خیثم،

۵۔ ہرم بن حیّان،

۶۔ الحسن بن ابی الحسن ابوسعید البصری۔

Marfat.com

یہ چند نام ہیں، لیکن اگر طبقات کا معائنہ اور مطالعہ کیا جائے تو ان کے اور ان کے معاصرین کے اخبار و آثار، احوال و کوائف اقوال و اعمال کو بڑی دل نشین تفصیل ملے گی اور ان کے زہد و عبادت کے حالات مکمل طور پر دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یاد رہے یہ سب کے سب تابعی تھے اور ان کے عمل و کردار کا محور آنحضرت ؐ کا اسوہ، اور صحابہ کا نمونہ تھا۔

تابعین کے طبقہ پر ایک نگاہ ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا، یہاں چند گروہ نظر آتے ہیں۔

(۱) ایک وہ گروہ جو نسّاک کے نام سے معروف ہے۔

(۲) دوسرا وہ گروہ، جو زہاد کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) تیسرا وہ گروہ، جو عباد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۴) چوتھا وہ گروہ جو بکّائین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

بہ ظاہر یہ تمام اسماء مختلف اور متعارض ہیں، لیکن درحقیقت یہ سب ایک ہی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی دین کے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ توجہ، اور دنیا کے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ استغنا، ذکر الٰہی کی طرف زیادہ سے زیادہ اعتنا، اس کے اصولِ حیات کا اگر خلاصہ کیا جائے تو یہ ہوگا۔

۱۔ ذکرِ الٰہی کی کثرت،

۲۔ حُبّ دنیا سے بیزاری۔

۳۔ کائنات کے مسائل پر فکر و تامل،

۴۔ اہلِ دنیا سے استغنا،

۵۔ اللہ پر کامل توکّل،

یہ تھے وہ بنیادی عقائد جن پر کردار اور عمل کا سارا دار و مدار تھا اور اسی روشنی میں زہد و تصوّف کا قافلہ آگے بڑھ رہا تھا۔

بصرہ اور کوفہ کے مکاتب تصوّف

یہاں دو مکاتب خیال کا ذکر، جو تصوّف سے متعلق تھے خاص طور پر ضروری ہے:۔

۱۔ مدرسہ کوفہ،

۲۔ مدرسہ بصرہ

ان مدرسوں میں فقہ، حدیث، علوم الفقہ، شعر اور علم کلام کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی۔ یہاں جن چیزوں پر خاص الخاص طریقہ پر زور دیا جاتا تھا، وہ یہ تھے۔

Marfat.com

۳۔ روح کی صفائی اور جلا۔

۱۔ کوفہ کا مدرسہ یمنی مکتب خیال تھا، یہاں نحو و شعر کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔ ظاہر حدیث پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ شیعہ شیوخ کی سربراہی میں کام کر رہا تھا۔ اس میں مرجیہ عقائد کے عناصر بھی شامل تھے، زہد و عبادت میں اس کے جو شیوخ تھے، ان میں حسب ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ الربیع بن خثیم، المتوفی ۶۷ھ

۲۔ جابر بن حیّان،

۳۔ کلیب الصیدادی،

۴۔ منصور بن عمار،

۵۔ ابوالعناہیہ،

۲۔ بصرہ کا مدرسہ تمیمی مکتب خیال کا حامل تھا۔ یہ مدرسہ مذہب اہلِ سنت کے اصول پر تھا، لیکن یہاں معزلی اور قدری عناصر بھی پائے جاتے تھے۔ یہاں کے شیوخ زہد و عبادت میں حسب ذیل اکابر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ،

۲۔ مالک بن دینار، المتوفی ۱۸۱ھ

۳۔ فضل الرقاشی، المتوفی ۱۲۹ھ

۴۔ رباح ابن عمرو القیسی،

۵۔ صالح ابن بشر المری المتوفی ۱۷۲ھ

۶۔ عبدالواحد بن زید المتوفی ۱۷۷ھ

اور عین اس وقت جب کوفہ اور بصرہ کو زہد و نسک کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی، مملکت اسلامیہ کے دوسرے شہروں میں بھی شیوخ زہد پیدا ہو رہے تھے مثلاً بلاد خراسان میں:

۱۔ ابراہیم بن ادہم، المتوفی ۱۶۱ھ

۲۔ شفیق البلخی، المتوفی ۱۹۴ھ

آخرالذکر، اوّل الذکر کے شاگرد تھے۔

یہ تمام زہّاد اور عبّاد، جو پہلی اور دوسری ہجری میں ظاہر ہوئے، ان کے بعد جو لوگ آئے وہ زیادہ تر صوفیہ کے نام سے ملقب ہوئے، لیکن یہ سب کے سب اس شجر مبارک کی شاخیں اور ٹہنیاں تھیں، جن کی مضبوط جڑ حیاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمۂ نور سے سیراب اور مستحکم ہوئی تھی، اس کی شاخیں حیاتِ صحابہ کے چشمۂ فیض سے بار آور ہوئی تھیں، یہ نفوس ذکیہ اور

Marfat.com

قلوبِ نقیہ وہ تھے جنھوں نے ریاضت اور مجاہدہ سے اپنے وجود کی تکمیل کر لی تھی۔ پھر اس شجرِ مبارکہ کی شاخیں بڑھیں، کونپلیں پھوٹیں، پتیاں رنگ لائیں اور پھل پھول نمایاں ہوئے اور فتوحاتِ الٰہیہ کا ایک نیا دَور شروع ہو گیا۔

ان سب کا مسلک ایک ہی تھا، یہ کہ دنیا کی رغبت سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، اللہ تعالیٰ سے لو لگائی جائے، اور یہ وہ اصول ہے جو صدرِ اوّل سے یعنی آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَورِ گرامی سے برابر منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔

اسلامی فتوحات کا دَور

پھر جب اسلامی فتوحات کا دَور شروع ہوا، مسلمانوں کا لشکرِ بیکراں آگے بڑھا اور اسلام کے جھنڈے کے نیچے دنیا کا بہت بڑا حصّہ آگیا۔ اس وقت کیا ہوا؟

اب عربوں کے سامنے تہذیب و مدنیت حضارت اور ثقافت کے رنگارنگ، مختلف اور متنوع نمونے تھے، ایک ایسی زندگی تھی جو سوا خوش حالی، فارغ البالی اور سرود و نشاط کے کچھ نہ تھی۔ اس زندگی سے بالکل مختلف تھی، جو اسلام نے پیش کی تھی۔ جو مسلمانوں کے نبیؐ نے اور نبیؐ کے صحابہؓ نے گزاری تھی۔ اس زندگی میں طرفگی بھی تھی اور دل کشی بھی، جاذبیت بھی، اور سحر آفرینی بھی، لیکن یہ زندگی فکرِ آخرت سے خالی تھی۔ یادِ الٰہی سے بے پروا بھی۔ خوف اور حشر کے ذکر سے محروم تھی۔ اس میں جو نعائم تھے وہ صرف حال کے تھے، جو مسرّت تھی وہ سامنے تھی، جو کیفیت تھی وہ وقتی تھی، اور اس زندگی میں لبھانے اور پرچانے کی بھرپور صلاحیّت بھی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ فاتح عربوں کا بڑا حصّہ اس دلکشی اور سحر طرازی کے آگے سپر انگندہ ہو گیا۔ یہ لوگ بھی دنیا میں لگ گئے، دنیا میں کھو گئے۔ نفس کو پُوجنے لگے اور خواہش کی غلامی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا۔ جدا گانہ اور غیر تھی جس زندگی میں ان کی مذہبیّت اور ان کی تہذیب پروان چڑھی تھی، وہ زندگی ایسی تھی جو دنیا میں رہ کر دنیا کو برت کر، دنیا سے بے تعلق رہنے کا گُر سکھاتی تھی اور یہ موجودہ زندگی صرف ایسی تھی، جو اپنے گرد و پیش کے سوا نہ کچھ اور جانتی تھی، نہ کسی اور طرف راغب ہونے دیتی تھی۔

افساد اور اصلاح

افساد کے دور میں جب نعائمِ حیات، اور زخارفِ دنیاوی نے مسلمانوں کو لبھانا اور پرچانا شروع کر دیا تھا، فوراً ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے پھر اسی دین کا جھنڈا بلند کیا اور اسی کا نعرہ لگایا، جو دنیا کی کایا پلٹنے کے لیے آیا تھا اور آخر کار یہ جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔

غیر اقوام کی تہذیب اور ثقافت سے مقابلہ آرا ہونے کے بعد جب عام طور پر مسلمان دنیا کی طرف جُھکے تو ایک موثر جماعت ایسی بروئے کار آئی جس نے غنا پر پھر فقر کو ترجیح دے کر ایک نیا معیارِ زندگی پیش کیا۔ یہ وہ لوگ تھے، جو بہت کم کماتے تھے، بہت سادہ لباس پہنتے تھے، جو دنیا کی طرف بہت زیادہ راغب نہیں تھے۔ جو دنیا کے پیدا کرنے والے کی یاد میں مستغرق اور منہمک رہتے تھے۔ جو دین کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے، جو حیاتِ مادی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، جو دین کو سب سے ممتاز سمجھتے تھے۔ جن کے پیشِ نظر صرف روح کی بلندیاں، اور پاکیزگی تھی، جو تمام احکامِ ظاہری پر احکامِ دینی کو بالاتر سمجھتے تھے چنانچہ ان لوگوں کا مستقل نام زہّاد، عبّاد اور نسّاک یہیں سے پڑا، اور فقرا کی مستقل اصطلاح کا زور بھی یہیں سے شروع ہوا،

Marfat.com

کچھ عرصہ کے بعد یہ سارے نام ہلکے اور ماند پڑ گئے اور ایک جامع و مانع نام رکھ لیا گیا ——— "صوفیہ"!

———————— رئیس احمد جعفری

Marfat.com

حصّۂ اوّل

Marfat.com

Marfat.com

حضرت اویس قرنیؒ

آپ کی ذات تابعین کی سرتاج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی نسبت ارشاد فرمایا ہے کہ "اویس القرنی خیر التابعین باحسانٍ وعطف" یعنی حضرت اویس قرنی رحؒ احسان اور عطف کی رُو سے تابعین میں بہت اچھے ہیں جس شخص کی تعریف خود رحمۃ اللعالمینؐ اپنی زبان مبارک سے فرمائیں، میں اس کی تعریف کماحقہٗ طور پر بیان نہیں کر سکتا۔

پھر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے حضرت اویس قرنی رضؓ کی شکل کے پیدا کر کے ان کے درمیان حضرت اویس قرنی رحؒ کو بہشت میں داخل کرے گا تاکہ مخلوق ان کو نہ دیکھ سکے۔ سوائے اس شخص کے جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ ان کی زیارت کرلے کیونکہ اویسؒ نے دنیا میں محض اس لیے چھُپ کر خدا کی عبادت کی کہ دنیا کا کوئی آدمی ان کو نیک نہ سمجھے۔ اس لیے قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ اس کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھے گا۔ کیونکہ اولیائی تحت قبائی ولا یعرفھم غیری میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں میرے سوا ان کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک مرد ایسا ہے جس کی سفارش سے اللہ تعالیٰ میری اُمت کے اتنے گنہگاروں کو قیامت کے دن بخش دے گا، جس قدر قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بھیڑوں کے بال ہیں۔" آپؐ کے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "وہ شخص کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟"

آپؐ نے فرمایا کہ اویس اُس کا نام ہے۔ قرن میں (جو علاقہ یمن میں ہے) رہتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے سوال پر آپؐ نے ارشاد فرمایا "کہ میں نے اس کو باطنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

صحابہ نے عرض کی آپ کا ایسا دوست حاضر خدمت کیوں نہیں ہُوا؟

آپؐ نے فرمایا۔ کہ دو وجوہات ہیں۔ غلبہ حال اور تعظیم شریعت۔ اس کی والدہ ضعیف نابینا اور مومنہ ہے۔ وہ شتر بانی کر کے اس کی خدمت بجا لاتا ہے۔

پھر سوال کیا: "کیا ہم اس کی زیارت کر سکتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا۔ "کہ نہیں، البتہ عمرؓ اور علیؓ اس کو دیکھیں گے۔ جب تم اس سے ملو تو میرا سلام کہنا اور میری امت کے حق میں دُعا کے لیے التماس کرنا۔"

منقول ہے کہ جب آنحضرت صلعم کے وصال کا وقت قریب آیا تو صحابہؓ نے عرض کی کہ آپؐ کا مرقع کس کو دیا جائے۔

آپؐ نے فرمایا "اویس قرنی کو۔"

Marfat.com

چنانچہ جب حضرت عمر فاروق رضؓ کی خلافت کے وقت میں جناب فاروقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ میں تشریف لائے، تو اہلِ نجد سے حضرت اویس رضؓ کا پتہ پوچھا۔ ایک شخص نے اُٹھ کر عرض کی کہ میں اس کو جانتا تو نہیں، لیکن ایک دیوانہ سا شتربان ضرور رہتا ہے، جو آبادی میں کبھی نہیں آتا۔ چنانچہ حضرت فاروق رضؓ اور حضرت علی رضؓ اس کے بتائے ہوئے پتہ کے مطابق وہاں تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ جناب اویس رضؓ نماز میں مصروف ہیں۔ پاؤں کی آہٹ محسوس کر کے نماز کو کوتاہ کیا۔ اور السلام علیکم کہا۔

جناب فاروق نے جوابِ سلام عرض کرنے کے بعد آپ سے نام پوچھا۔

آپ نے جواب دیا: "عبد اللہ"۔

حضرت فاروق رضؓ نے فرمایا: "ہم سب عبد اللہ یعنی خدا کے غلام ہیں، اپنا خاص نام ارشاد فرمائیں!

آپ نے جواب دیا۔ "اویس!

پھر حضرت فاروق رضؓ نے فرمایا: "اپنا دایاں ہاتھ دکھائیں"۔

تب آپ نے اپنا دایاں ہاتھ دکھایا۔ جو نشان جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، اس کو دیکھ کر جناب فاروق رضؓ نے فرمایا کہ "جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سلام کہلا بھیجا ہے اور اپنا مرقع ارسال فرمایا ہے اور وصیّت فرمائی ہے کہ میری امت کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر رضؓ تم مجھ سے بہتر دعا کر سکتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "میں بھی یہی کام کرتا ہوں۔ آپ حضورؐ کی وصیّت بجا لائیں"۔

اویس رضؓ نے کہا کہ اے عمر رضؓ شاید کوئی اور اویسؒ ہے جس کو وصیّت دی گئی ہو"۔

فاروق اعظم رضؓ نے فرمایا "نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ہی کا نشان دیا تھا، جو نشان انھوں نے فرمایا تھا، وہ نشان ہم نے دیکھ لیا"۔

اس کے بعد اویس رضؓ نے کہا، اچھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لباس لاؤ تاکہ میں دعا کروں۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلعم کا مرقع لے کر ذرا فاصلے پر جا کر سربسجود ہو گئے اور عرض کیا کہ خدایا میں اس وقت تک تیرے حبیبؐ کا مرقع نہ پہنوں گا جب تک تو ساری امت کو نہ بخش دے کیونکہ رسالت مآب نے اُمت کو میرے حوالے کیا ہے۔ آواز آئی کہ چند آدمیوں کو تیری خاطر بخش دیا۔ آپ نے پھر عرض کی کہ میں سب کو بخشانا چاہتا ہوں۔ اسی قیل و قال میں جب سفارش کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت عمر رضؓ اور جناب مرتضیٰ تشریف لے آئے۔

حضرت اویس رضؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: کاش تم لوگ ذرا صبر کرتے تو میں ساری امت بخشوا لیتا۔ کیونکہ میں نے جنابِ باری میں عرض کی تھی کہ جب تک تو ساری امّت کو نہ بخشے گا میں یہ مرقع نہیں پہنوں گا۔ بعد ازاں اویس رضؓ نے وہ مرقع پہن لیا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے جب آپ کی طرف نگاہ کی تو خلافت سے جی بھر گیا اور فرمایا کہ کوئی ہے جو خلافت کو ایک روٹی کے عوض مجھ سے خرید لے۔

اویس رضؓ نے کہا: "جو عقلمند نہ ہو گا وہی خریدے گا۔ خرید و فروخت کا یہاں کیا ذکر، پھینک دو، جس کا جی چاہے اُٹھا لے"۔ اس کے

Marfat.com

بعد آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرقع پہن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لباس کے طفیل قبیلہ بنی ربیعہ اور بنی مضر کی بھیڑوں کے بال برابر اُمتِ محمدیہ کو بخش دیا۔

اس کے بعد حضرت فاروق رضؓ نے پوچھا "آپ نے جنابِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیوں نہ کی؟"

اویس رضؓ نے پوچھا "تم نے زیارت کی ہے؟"

آپ نے کہا "ہاں"

پھر اویس رضؓ نے پوچھا "اگر یہ درست ہے تو بتاؤ آنحضرتؐ کے ابرو پیوستہ تھے یا نہیں؟"

مگر حضرت فاروق رضؓ اس سوال کا جواب نہ دے سکے۔ ازاں بعد حضرت اویس رضؓ نے سوال کیا؛

"آپ رسول خدا کے دوست ہیں۔ بتائیے اُحد کے دن جب آپؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے تو وہ کون سے دانت تھے"۔ اس کے بعد اویس رضؓ نے اپنا منہ کھول کر دکھایا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کون سے دانت شہید ہوئے ہیں؟ اس لیے میں نے اپنے سب دانت توڑ ڈالے، تب قرار آیا"۔

جناب فاروق رضؓ اور مرتضیٰ رضؓ پر رقت طاری ہوگئی اور کہنے لگے کہ منصبِ ادب کچھ اور ہی شے ہے۔ پھر حضرت فاروق رضؓ نے عرض کی کہ میرے لیے دعا کیجیئے۔

آپ نے فرمایا "میں ہر نماز میں "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤمِنِیْنَ وَالْمُؤمِنَات" پڑھتا ہوں۔ اگر تم قبر میں ایمان سلامت لے جاؤ گے تو میری دعا خود تم کو تلاش کر لے گی، ورنہ میں دعا کو ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

پھر حضرت فاروق رضؓ نے فرمایا "میں آپ کے لیے کچھ پیش کروں؟"

آپ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دو درہم نکالے اور فرمایا: "میں نے شتربانی سے یہ دام کمائے ہیں۔ اگر آپ اس بات کی ذمہ داری لیں کہ میں ان کے خرچ کرنے تک زندہ رہوں گا تو اور دے دیں"۔ پھر فرمایا: "اب آپ تشریف لے جائیے۔ قیامت قریب ہے میں زادِ راہ حاصل کرنے کی فکر میں ہوں"۔

چنانچہ دونوں واپس تشریف لے آئے۔

ربیع کا قول ہے کہ اویس رضؓ کی تلاش میں روانہ ہوا چنانچہ جب میں ان کے پاس پہنچا، وہ صبح کی نماز میں مشغول تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر تسبیح شروع کی، یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔ اسی طرح دو نمازوں کے درمیان تسبیح پڑھنے اور وقت پر نماز ادا فرماتے۔ یہاں تک کہ تین دن کامل گذر گئے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ آرام کیا۔ چوتھی رات میں نے دیکھا کہ یونہی ذرا سی آنکھ لگی۔ مگر فوراً بیدار ہو کر مناجات کرنے لگے۔

"کہ خداوندا میں ایسی آنکھ سے جو زیادہ سوئے اور ایسے پیٹ سے جو زیادہ کھائے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔

میں نے یہ حال دیکھ کر اپنے دل میں کہا۔ میرے لیے اتنی ہی بات کافی ہے۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا۔

Marfat.com

اقوالِ اویسؓ

۱۔ جس شخص نے خدا کو پہچان لیا، اس پر کوئی چیز مخفی نہ رہی ⁂

۲۔ جس شخص نے خدا کو سمجھا، وہ ہر چیز کو سمجھ جاتا ہے ⁂

۳۔ تنہائی میں سلامتی ہے۔

۴۔ دل کو حاضر رکھو تاکہ غیر کو اس میں دخل میسّر نہ ہو ⁂

۵۔ سربلندی عاجزی میں ہے، سرداری سچائی میں ہے، فخر فقر میں ہے، نسبت پرہیزگاری میں ہے۔ بزرگی قناعت میں ہے۔ استغنا توکّل میں ہے۔

Marfat.com

حضرت ابُوبکر شبلیؒ

آپ دنیا میں سرتا سر مست تھے، آپ کی پیدائش بغداد میں ہوئی۔ ریاضت و کرامات اور رموز و اشارات بیحد و حساب ہیں زمانہ کے مشائخ کو دیکھا تھا، ان کی صحبت حاصل کی تھی۔ علومِ طریقت میں عالم بے بدل تھے۔ امام مالک کے مذہب پر تھے۔

آپ کی عمر تقریباً ستتر سال کی تھی اور ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ آپ نے عامۃ النّاس اور جاہل لوگوں کے ہاتھ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ لوگ جس طرح حسین منصور کی ہلاکت کے قصد میں رہا کرتے تھے، اسی طرح آپ کے متعلق رہا کرتے تھے۔

آپ کے واقعہ کی ابتدا یوں مذکور ہے کہ نہاوند میں ایک امیر تھا، جو بغداد میں آیا اور چند لوگوں کے توسط سے دربار شاہی میں پہنچ کر انعام حاصل کیا۔ واپسی کے وقت امیر کو چھینک آئی تو اس نے خلعت سے ناک صاف کر لیا۔ بادشاہ نے یہ حال دیکھ کر اسی وقت خلعت کو واپس لے لیا اور سخت ناراض ہو کر اس کو نکال دیا جب یہ حال شبلی کو معلوم ہوا تو خیال کیا کہ جو شخص ایک انسان کی بخشی ہوئی خلعت کو خراب کرتا ہے، اُس کو اس قدر ذلّت اور رُسوائی اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر جو شخص احکم الحاکمین کی عطا کی ہوئی خلعت کو خراب کرے گا وہ کس قدر عتاب کا مستحق ہو گا۔ آپ اسی وقت بادشاہ کے دربار میں گئے اور کہا:

"اے بادشاہ باوجود مخلوق ہونے کے تو اپنی عطا کی ہوئی خلعت کی بے ادبی گوارا نہیں کرتا، حالانکہ تیری خلعت کی قدر و قیمت سب کو معلوم ہے۔ پس خداوند عالم کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ میں اس کی عطا کی ہوئی خلعت دوستی اور ولائت کو تجھ جیسے کی خدمت سے خراب کروں۔"

یہ کہہ کر باہر نکل آئے اور بادشاہی ملازمت کو ترک کر دیا، توبہ کر لی اور ایک خاص حالت طاری ہو گئی۔

چونکہ آپ شیخ جنیدؒ کے رشتہ داروں میں سے تھے، اس لیے آپ کو انہی کے پاس بھیج دیا، جب آپ ان کی خدمت میں پہنچے تو کہا:۔

"گوہر آشنائی کا پتہ آپ کے پاس دیا گیا ہے۔ یا بخش دیجیے یا بیچ ڈالیے۔"

جنیدؒ نے فرمایا: "اگر بیچتا ہوں تو تم قیمت ادا نہیں کر سکو گے۔ اگر بخشدوں تو بلا مشقّت تمھارے ہاتھ لگ جائے گا اور تم اس کی قدر نہ جان کر خراب کر دو گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ مردانہ وار اس دریائے بے نہایت میں کود پڑو۔ تاکہ مشقت صبر و انتظار سے وہ گوہر تم کو بھی مل جائے۔"

پھر عرض کیا: "کیا کروں؟"

شیخ نے فرمایا: "ایک سال تک گندھک بیچو۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا، سال کے بعد شیخ نے حکم دیا۔

"ایک سال تک دریوزہ گری کرو۔"

چنانچہ آپ ہر ایک دروازے پر گئے، مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔ سال کے بعد واپس آ کر سارا حال عرض کیا۔ شیخ نے فرمایا:۔

"تم نے اپنی قدر و قیمت خلقت کی نگاہ میں دیکھ لی؟" اس کے بعد فرمایا:

Marfat.com

"چونکہ تم نے نہاوند میں شاہی حکومت کے سلسلہ میں حکومت کی ہے، اس لیے وہاں جاکر ہر ایک آدمی سے معافی مانگو، چنانچہ نہاوند میں تشریف لے گئے اور ہر گھر پر جاکر ہر ایک انسان سے معافی مانگی، مگر ایک شخص رہ گیا، وہ نہ مل سکا اس کے عوض میں ایک لاکھ درم صدقہ کیے مگر پھر بھی دل کو قرار نصیب نہ ہُوا۔ چار سال کے بعد جواب ملا کہ ابھی تم سے حکومت کی بُو آتی ہے، ایک سال اور گدائی کرو۔"

فرماتے ہیں "میں ہر روز گدائی کر کے شیخ کے پاس لے جاتا، شیخ وہ سب کچھ فقیروں اور درویشوں میں بانٹ دیتے، مگر مجھ کو بھوکا رکھتے اور کچھ نہ دیتے۔" سال گذر جانے کے بعد فرمایا:

"میں تم کو اس شرط پر اپنی خدمت میں رکھوں گا کہ درویشوں کی خدمت کرو۔"

چنانچہ ایک سال تک خدمت کرتا رہا۔ بعد ایک سال کے پوچھا۔

"ابوبکر! اب تمھاری قیمت تمھارے نفس کے خیال میں کس قدر ہے؟"

عرض کیا۔ "اپنے آپ کو کمترین خلائق دیکھتا ہوں۔"

فرمایا۔ "اب تمھارا ایمان درست ہوا ہے۔"

ایک دفعہ آگ لے کر کعبہ کی طرف چلے اور کہنے لگے "میں جاکر کعبہ کو جلاتا ہوں تاکہ لوگ خداوند کعبہ کی طرف متوجہ ہوں۔" ایک دفعہ کہنے لگے "میں چاہتا ہوں کہ بہشت و دوزخ کو جلا دوں تاکہ لوگ بغیر کسی ڈر یا لالچ کے عبادتِ الٰہی بجا لائیں۔"

محبّت کے معنی پوچھے تو فرمایا "جو کچھ تمھارے پاس ہے، سب محبوب کی راہ میں لٹا دو۔"

فرمایا "جو شخص محبّت کا دعویٰ کرے اور محبوب کی محبّت کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دھیان کرے تو وہ محبوب کا مذاق اُڑاتا ہے۔"

فرماتے ہیں "شریعت یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو۔ طریقت یہ ہے کہ اس کی طلب کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو دیکھو اور سب سے بالاتر ذکر یہ ہے کہ مذکور کے مشاہدہ میں ذکر کو بھی بھول جائے۔"

Marfat.com

حضرت ابراہیم ادھمؒ

دین و دنیا کے بادشاہ ۔ وادیٔ یقین کے شہباز ۔ عالم انتہا کے ماہر اسرار ۔ دولت دنیوی کے سرمایہ دار عظیم الشان ملک کے بادشاہ یعنی حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ متقی اور صدیق تھے ۔ آپ کو بہت سے بزرگانِ عظام سے شرف نیاز حاصل تھا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ گروہ فقراء کے تمام علوم کی کنجی ابراہیم ادھمؒ ہیں ❖

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ امام اعظمؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے لیکن امام صاحب کے دوستوں نے آپ کو بچشم حقارت دیکھا ۔ یہ صورت دیکھ کر امام صاحب نے آپ کو "سیدنا" کے لفظ سے مخاطب فرمایا ۔ چنانچہ امام صاحب کے دوستوں نے شرمندہ ہو کر پوچھا کہ یہ سعادت ان کو کہاں سے حاصل ہوئی ۔ امام صاحب نے فرمایا "یہ ہر وقت خدا کی اطاعت میں مصروف و مشغول رہتے ہیں لیکن ہم دوسرے کاروبار بھی کرتے ہیں ۔"

ابتداء میں آپ بلخ کے بادشاہ تھے ۔ بڑے کرّوفر اور شان و شوکت سے حکومت کرتے تھے ۔ ایک رات اپنے محل میں محوِ خواب تھے آدھی رات کے وقت آنکھ ایک اچانک واقعہ سے کھل گئی ۔ معلوم ہوا کہ ایک آدمی چھت کے اوپر ٹہل رہا ہے ۔ پوچھا :

"تو کون ہے اور یہاں اس وقت کیا کر رہا ہے ؟"

اس نے کہا "آپ کا دوست ہوں ، اور یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہا ہوں ۔"

آپ نے فرمایا "بھلا یہ ممکن ہے کہ شاہی محلات کی چھتوں پر اونٹ آجائیں ۔"

اس آدمی نے جواب دیا "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جامۂ اطلس پہن کر عیش و عشرت میں خدا مل جائے ۔"

یہ جواب سن کر آپ کے دل میں ایک خوف سا پیدا ہو گیا ۔ دوسرے دن دربار عام میں جب آپ بصد شان و شوکت تخت پر تشریف فرما تھے ۔ یکایک ایک بارعب آدمی اندر داخل ہوا ۔ امراء وزراء اور غلام وغیرہ میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس طرح گستاخانہ طور پر اندر آنے کی وجہ پوچھے ۔ چنانچہ وہ بے تحاشا آپ کے تخت تک پہنچ گیا ۔ آپ نے نہایت تعجب سے پوچھا ۔

"تو کون ہے اور یہاں کس طرح آیا ؟"

اس نے کہا "میں اس سرائے میں ذرا ٹھہرنا چاہتا ہوں ۔"

آپ نے فرمایا ۔ "یہ سرائے نہیں شاہی محل اور دربار ہے ۔"

اس آدمی نے کہا "آپ سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا ؟"

فرمایا "میرا باپ !"

Marfat.com

پھر پوچھا "تمھارے باپ سے پہلے کون تھا ؟"

فرمایا "میرا دادا"

اسی طرح کئی پشتوں تک پہنچکر اس نے پوچھا "آپ کے بعد یہاں کون رہے گا ؟"

فرمایا "میری اولاد"

پھر اس آدمی نے کہا "ذرا خیال کرو جس مقام میں اتنے آدمی آئیں اور جائیں لیکن کسی کا مستقل قیام نہ ہو۔ تو پھر وہ مقام سرائے نہیں تو اور کیا ہے ؟"

یہ کہہ کر وہ باہر آگیا۔ آپ تنہا اس کے پیچھے دوڑے اور پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

اس نے جواب دیا "میں خضرؑ ہوں"

یہ سنتے ہی آپ کا درد اور بڑھ گیا۔ چنانچہ واپس آکر لیٹ گئے۔ مگر سکون ندارد۔ ناچار باہر ہواخوری کے لیے گھوڑے پر سوار ہو گئے، اس وقت آپ نے آواز سنی کہ ابراہیمؒ اس وقت سے پہلے جاگو جبکہ تمھیں موت کے ذریعے جگایا جائے۔ چنانچہ آپ نے تختِ حکومت کو لات ماری اور فقیرانہ لباس بدل کر شہر کے باہر نکل گئے۔ اپنے گناہوں پر روتے جاتے تھے اور جنگلوں اور وادیوں میں سے پاپیادہ گذرتے جاتے تھے۔

بادشاہی کو چھوڑا اور فقر کا جامہ اختیار کر کے صحرانوردی کرتے ہوئے آپ نواح نیشاپور میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک غار نظر آیا، جو نہایت مشہور اور بھیانک تھا۔ یہاں تقریباً نو سال تک ریاضت کرتے رہے۔ ہر جمعہ کے جمعہ غار سے باہر نکلتے۔ لکڑیوں کو جنگل سے اکٹھا کر کے نیشاپور میں جا کر فروخت کرتے جو کچھ حاصل ہوتا، اس میں سے نصف راہِ خدا میں دے دیتے اور نصف کی روٹی خرید کر جمعہ کی نماز پڑھتے اور پھر غار میں آجاتے۔

ایک دفعہ سخت سردی کے دوران میں آپ کے وضو کا پانی بھی جم گیا، لیکن آپ نے اسی پانی کو توڑا، وضو کیا۔ صبح کے وقت آپ کو ذرا سردی نے ستانا شروع کیا۔ آپ کے دل میں آگ تاپنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ آپ کو ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے پوستین پہنا دی ہے۔ نماز پڑھ کر وظائف میں مشغول ہو گئے۔ جب فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک اژدہا تھا جس نے آپ کو گرم کر رکھا تھا۔

نقل ہے کہ چالیس سال تک حضرت ادھمؒ پیہم گریہ زاری اور صحرانوردی کرتے رہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کے نزدیک پہنچے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر بزرگانِ حرم کو کسی نہ کسی طرح ہو گئی۔ چنانچہ وہ سب لوگ آپ کے استقبال کو آئے۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا، تو اپنے آپ کو قافلہ سے ذرا آگے بڑھا لیا اور علیحدہ ہو گئے تاکہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ بزرگانِ حرم کے خدمت گاروں نے جو آگے آگے تھے آپ سے پوچھا۔

"ابراہیم ادھمؒ کہاں ہیں؟ کیونکہ بزرگانِ حرم ان کے استقبال کو تشریف لائے ہیں؟"

آپ نے فرمایا "بزرگ لوگ اس زندیق سے کیا چاہتے ہیں؟"

Marfat.com

یہ سُن کر اُن لوگوں نے آپ کو پیٹا اور کہا کہ "تو ایسے بزرگ کو زندیق کہتا ہے، زندیق تو خود ہے"۔

آپ نے فرمایا "میں بھی یہی کہتا ہوں"۔

جب وہ لوگ چلے گئے تو آپ نے اپنے نفس کو مخاطب کیا اور کہا: "تو نے اپنے کیے کی سزا دیکھی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے تجھ کو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیا اور تو مشائخینِ حرم کے استقبال کا لطف نہ اُٹھا سکا"۔ پھر آپ حرم میں مقیم ہو گئے اور ہمیشہ اپنی محنت سے کما کر اپنا اور اپنے یاروں کا پیٹ پالتے رہے کبھی کھیتوں کی رکھوالی کرتے اور کبھی جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹ لاتے اور فروخت کرتے۔

نقل ہے کہ آپ نے ایک درویش کو دیکھا، جو مفلسی کی شکایت کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تو نے درویشی مفت حاصل کی ہے"۔

درویش نے پوچھا "کیا درویشی کو خریدا بھی جا سکتا ہے"؟

فرمایا "ہاں! میں نے درویشی حکومتِ بلخ کے عوض خریدی ہے اور سمجھتا ہوں کہ ارزاں خریدی ہے"۔

نقل ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس ہزار درم لایا اور کہا کہ "قبول فرمایئے"۔

آپ نے فرمایا "میں محتاجوں سے کچھ نہیں لیا کرتا"۔

اس نے کہا "میں محتاج نہیں، دولت مند ہوں"۔

آپ نے فرمایا "کیا تو اپنی دولت میں زیادتی کا خواہش نہیں"؟

اس نے کہا "ضرور ہوں"۔

فرمایا "روپیہ اٹھا لے، کیونکہ محتاجوں کا سردار تو ہی ہے"۔

فرمایا جس شخص کا دل تین حالتوں میں خدا کی طرف حاضر نہ ہو، تو یہ اس امر کی نشانی ہے کہ اس پر دروازہ بند کیا جا چکا ہے۔ اوّل تلاوت قرآن کریم کے وقت، دوئم نماز کے وقت اور سوئم ذکر الٰہی کے وقت۔

پھر فرمایا، عارف کی نشانی یہ ہے "وہ تفکر کرے، اور ہر شئے سے عبرت کا سبق سیکھے اور خداوند کریم کی صفت و ثنا کرتا رہے"۔

فرمایا کہ دو حجابوں کے اُٹھ جانے سے سالک کے دل پر انوار الٰہی کی بارش ہوتی ہے۔ اول یہ کہ دونوں جہان کی حکومت پر بھی راضی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر چھین لیا جائے تو غمگین نہ ہو۔ کیونکہ کسی چیز پر خوش ہونا حریص ہونے کی اور غمگین ہونا غصّے کی نشانی ہے۔

نقل ہے کہ آپ نے بہت سے پا پیادہ حج کیے اور پچاس سال تک حرم شریف کے مجاور رہے۔ لیکن چاہِ زمزم سے پانی نکال کر نہ پیا۔ کیونکہ پانی نکالنے کا ڈول شاہی خرچ سے تیار ہوا کرتا تھا۔

آپ ہر روز مزدوری کرتے اور ساری کمائی مریدوں پر خرچ کر دیتے۔ ایک دن ذرا دیر سے اپنے مریدوں کے پاس پہنچے، لیکن وہ آپ کا انتظار کیے بغیر کھا پی کے سو گئے۔ جب آپ نے واپس آ کر مریدوں کو سوتا پایا تو خیال کیا کہ بچارے بھوکے سو گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے کھانا پکانا شروع کیا۔ لیکن آگ آپ کو بہت تنگ کر رہی تھی۔ کیونکہ خاطر خواہ طور پر نہ جلتی تھی۔ اسی دوران میں ایک مرید کی آنکھ

Marfat.com

کھل گئی۔ اس نے دریافت کیا "کیا کر رہے ہیں آپ؟"

فرمایا: "کھانا تیار کر رہا ہوں تاکہ بیدار ہوتے ہی کھا سکوں"

یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ ہم آپ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں اور آپ کی ہم پر کیسی شفقت

ایک دفعہ خلیفہ معتصم باللہ نے آپ سے پوچھا "آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

فرمایا: "دنیا طالبانِ دنیا کے سپرد کر چکا ہوں اور عاقبت طالبانِ عاقبت کے سپرد کر دی ہے دنیا میں میں نے صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے لیے اختیار کر لیا ہے اور عاقبت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار پسند کیا ہے"

روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے متوکل زاہد سے دریافت کیا "کہ تم کہاں سے کھاتے ہو اور تمہارے گذارے کی کیا صورت ہے"

زاہد نے جواب دیا "مجھے کچھ علم نہیں روزی رساں سے جا کر پوچھو"

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک غلام خریدا اور اس سے اس کا نام پوچھا۔ غلام نے کہا "میرا نام وہی ہے جس نام سے آپ مجھ کو پکاریں گے"

پھر میں نے پوچھا "کیا کھایا کرتے ہو؟"

اس نے جواب دیا "جو کچھ آپ کھلائیں گے"

پھر پوچھا "کیا پہنتے ہو؟"

جواب ملا "جو آپ پہنائیں گے"

پھر پوچھا "تمہاری کیا خواہش ہے؟"

جواب ملا "غلام کو خواہش سے کیا مطلب؟"

فرماتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سن کر اپنے آپ سے میں نے کہا کہ تمام عمر خدا کی ایسی عبادت نصیب نہ ہوئی۔ اب مجھ کو عبادت کا ڈھنگ اس غلام سے سیکھنا چاہیئے۔

لوگوں نے پوچھا۔ "کہ آپ اپنی زندگی کیسے بسر کرتے ہیں"

فرمایا "میرے پاس چار سواریاں ہیں، جب مجھ پر کوئی سختی آتی ہے تو شکر کی سواری پر بیٹھ جاتا ہوں۔ جب کوئی طاعت ظہور میں آتی ہے تو اخلاص کی سواری اختیار کر لیتا ہوں۔ اگر گناہ سرزد ہوتا ہے تو توبہ کی سواری کام میں لاتا ہوں۔ جب کوئی بلا نازل ہوتی ہے تو صبر کی سواری کام آتی ہے"

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے وصیت چاہی۔

فرمایا۔ "بندھے ہوئے کو آزاد کر دے اور آزاد کو بند کر دے"

اس نے عرض کیا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا"

Marfat.com

فرمایا: "کہ بندھی ہوئی مٹھیاں کھول دے اور کھلی ہوئی زبان بند کر دے۔"

روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص سے حالتِ طواف میں کہا کہ تجھ کو صالحین کا درجہ نصیب نہیں ہو سکتا، جب تک تو چار دشوار گزار منزلیں طے نہ کرے۔ اوّل۔ یہ کہ راحت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے اور محنت کا دروازہ کھول دے۔ دوم۔ یہ کہ عزّت کا دروازہ بند کر ذلّت کا دروازہ کھول۔ سوم یہ کہ خواب کا دروازہ بند کر دے۔ بیداری کا دروازہ کھول لے اور چہارم یہ کہ تونگری کا دروازہ بند کر ڈال، درویشی کا دروازہ کھول لے۔

نقل ہے ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا "اے شیخ! میں اپنے آپ پر بہت ظلم کر چکا ہوں۔ مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیے۔"

فرمایا: "اگر تم منظور کرو تو چھ باتیں بتاتا ہوں۔ اوّل یہ کہ جب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرو تو خدا کی دی ہوئی روزی نہ کھاؤ۔"

اس نے کہا: "پھر کہاں سے کھائیں؟"

فرمایا: "زیبا نہیں کہ جس کی روزی کھاؤ اس کی نافرمانی کرو۔" دوم۔ "یہ کہ جب گناہ کرنے کا ارادہ کرو، تو خدا کی بادشاہت سے باہر نکل کر گناہ کرو۔"

عرض کیا کہ "ساری کائنات اسی کی ہے، کوئی کہاں جائے؟"

فرمایا: "یہ نامناسب ہے کہ اس کے ملک میں رہ کر گناہ کیا جائے۔" تیسرے۔ "یہ کہ گناہ ایسی جگہ کیا جائے جہاں وہ دیکھ نہ سکے۔"

کہا: "یہ ناممکن ہے وہ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔"

فرمایا: "جب رزق اس کا کھاؤ اور اس کے ملک میں رہو تو پھر اس کے سامنے گناہ کرنا کہاں تک انصاف پر مبنی ہے؟ چوتھے یہ کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے کہو ذرا توبہ کر لینے کی مہلت دیدے۔"

عرض کیا: "یہ بھی ناممکن ہے وہ میرا کہا نہ مانے گا۔"

فرمایا۔ جب یہ حالت ہے تو اس کے سامنے آنے سے پہلے توبہ کرنی چاہیئے۔ پنجم یہ کہ جب قبر میں منکر نکیر آئیں تو ان کو باہر نکال دینا۔"

کہا: "میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔"

فرمایا: "پھر ان کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار رہو۔ چھٹے یہ کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد گنہگاروں کو دوزخ کی طرف بھیجا جائے گا تم دوزخ میں جانے سے انکار کر دینا۔"

کہا: "یہ بھی ناممکن ہے۔"

فرمایا: "تو پھر گناہ مت کرو۔"

نقل ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا "کیا سبب ہے اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔" ...

Marfat.com

آپ نے فرمایا" تم خدا تعالیٰ کو جانتے ہو، لیکن اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہو، مگر ان کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن کریم پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے۔ جانتے ہو کہ دوزخ گنہگاروں کے لیے ہے مگر اس سے ذرا نہیں ڈرتے۔ شیطان کو دشمن سمجھتے ہو، مگر اس سے نہیں بھاگتے۔ موت کو برحق سمجھتے ہو مگر کوئی سامان نہیں کرتے۔ خویش و اقارب کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کرتے ہو، لیکن عبرت نہیں پکڑتے۔ بھلا جو شخص اس طرح کا ہو اس کی دعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے؟"

ایک دفعہ آپ ایک کشتی میں سوار تھے چنانچہ ایک زبردست لہر کشتی کی طرف آئی۔ آپ نے فوراً قرآن کریم اٹھا کر سامنے کیا اور کہا خداوندا کیا تو ایسی حالت میں ہم کو غرق کرے گا جبکہ تیری کتاب مبارک ہمارے درمیان ہے۔ چنانچہ اسی وقت وہ لہر اور دریا کا جوش مدھم پڑ گیا۔

ایک دفعہ آپ درویشوں کے ایک گروہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک قلعہ کے نزدیک پہنچ کر دیکھا کہ بہت سی لکڑیاں جمع ہیں اور اسی جگہ رات بسر کرنے کا ارادہ کر لیا۔ رات کو خوب آگ جلائی۔ اس وقت ایک درویش نے کہا۔

"کاش حلال گوشت ہمارے پاس ہوتا تو بھون کر کھاتے۔

آپ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ قادر ہے۔" یہ کہہ کر نماز میں مصروف ہو گئے۔ اسی اثناء میں ایک شیر کی آواز آئی جس کے آگے آگے ایک گورخر بھاگ رہا تھا۔ درویشوں نے اس گورخر کو پکڑ کر ذبح کر لیا۔ شیر پاس بیٹھا چپ چاپ دیکھتا رہا۔

Marfat.com

حضرت ابوالحسن خرقانی رح

آپ کی ذات بابرکات مجمع الصفات تھی۔ سلطان المشائخ اور قطب وقت تھے معرفت توحید اور تحقیق میں کامل تھے۔ ہر وقت آپ مشاہدہ الٰہی میں رہا کرتے تھے۔ نہایت عالی ہمت اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ درگاہِ باری تعالیٰ کے نہایت ناز پروردہ تھے۔ آپ کا اصلی نام علی اور کنیت ابوالحسن تھی۔

نقل ہے کہ شیخ بایزید بسطامیؒ ہر سال دھفسان میں تشریف لے جاتے۔ کیونکہ وہ شہیدوں کے مزار تھے۔ جب خرقان پہنچتے تو کھڑے ہو کر سانس بھرتے۔ مریدوں نے عرض کیا:

"یہ کیا ماجرا ہے؟"

فرمایا: "میں اس جگہ میں ایک مردِ خدا کی خوشبو پاتا ہوں، وہ تین درجہ مجھ سے آگے ہیں۔"

فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص حدیث بیان کرتا ہے تو میری آنکھیں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو مبارک پر لگی رہتی ہیں جس حدیث پر آپ ابرو کھینچ لیتے ہیں میں سمجھتا کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔"

آپ کبھی سماع نہ سنا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ابوسعیدؒ نے کہا اگر اجازت ہو تو کچھ پڑھیں۔ آپ نے فرمایا:

"اگرچہ میں سماع نہیں سنتا لیکن ایسے ہی سہی۔"

قوّال نے ایک شعر پڑھا۔ شیخ ابوسعید نے کہا:

"اٹھنے کا وقت ہے۔"

آپ فوراً کھڑے ہوئے تین بار آستین کو ہلایا اور زمین پر پاؤں مارا۔ اسی وقت تمام در و دیوار اور مکان رقص میں آگئے۔ شیخ ابوسعید نے کہا:

"بس کیجیے، ورنہ تمام بنیاد خراب ہو جائے گی۔"

اور پھر کہا "خدا کی قسم بس کیجیے۔ آسمان و زمین آپ کے ساتھ رقص کرنے لگیں گے۔"

شیخ نے فرمایا: "سماع اسی کے درست ہے جو اوپر کی طرف عرش تک اور نیچے تحت الثریٰ تک جگہ کشادہ دیکھے۔"

شیخ بوعلی سینا آپ کا شہرہ سنکر خرقان پہنچے، مگر آپ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ آپ کی بیوی سے پوچھا:

"شیخ کہاں ہیں؟"

اس نے کہا۔ "اس ملحد و زندیق کا کیا پوچھتے ہو؟" ان الفاظ سے بوعلی سیناؒ کا اعتقاد کچھ سست ہو گیا۔ جب بیوی ہی اُن کی منکر ہے تو اوروں کا کیا ذکر؟ غرض باہر چلے گئے۔ دیکھا جنگل میں ایک شیر پر سوار اور کچھ بوجھ رکھے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ بوعلی سینا نے پوچھا:

Marfat.com

"یہ کیا حالت ہے ؟"

فرمایا: "اگر ہم عورت کا بار نہ اٹھائیں تو شیر ہمارا بوجھ کب اُٹھا سکتے ہیں۔"

اس کا قول سُن کر آپ کا اعتقاد پھر بحال ہو گیا۔

محمود غزنوی شیخ کی زیارت کے لیے خرقان پہنچا اور شہر کے باہر سے شیخ کی طرف پیغام بھیجا کہ سلطان غزنی سے یہاں تک پہنچ گیا ہے تم گھر سے نکل کر اس کا استقبال کرو۔ اور اگر وہ انکار کریں اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واُولو الامر منکم پڑھنا۔ قاصد نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے کہا:

"اطیعوا اللہ میں ہی اس قدر محو ہوں کہ اطیعوا الرسول تک نہیں پہنچ سکتا۔ اندریں حالت الوالامر منکم کا کیا ذکر۔ یہ بات سن کر محمود غزنوی نے کہا:

"خدا کی قسم، یہ شخص ان لوگوں میں ہرگز نہیں جن کا ہم گمان کرتے تھے۔" پھر اپنا لباس اور سواری ایاز کو دے دی اور ایاز کا لباس خود پہن کر اپنے آپ کو جنابِ شیخ کے درِ دولت پر پہنچایا اور سلام کیا۔ شیخ نے جواب دیا، مگر تعظیم کو کھڑے نہ ہوئے۔ فرمایا:

"یہ سب تمھارا جال ہے اور میں اس میں نہیں پھنس سکتا۔"

پھر محمود کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا اور باقی سب کو نکال دیا۔ محمود نے کہا:

"بایزید کی نسبت کچھ فرمائیں۔"

آپ نے کہا "بایزید نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھا وہ شفاعت سے بے خوف ہو گیا۔"

محمود نے کہا "کیا بایزید پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بڑھ کر ہیں۔ ابوجہل اور ابولہب نے ان کو دیکھا مگر ان کی شفاعت نہ کی گئی۔"

فرمایا "ادب کرو، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے ان چاروں صحابہ کرام کے اور کسی نے نہ دیکھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ محمود کو یہ بات پسند آئی اور عرض کیا:

"مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیں۔"

فرمایا: "چار باتوں کا خیال رکھو:

۱۔ ممنوعات سے پرہیز کرو۔

۲۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو۔

۳۔ سخاوت کو شیوہ بناؤ۔

۴۔ خلقِ خدا پر شفقت رکھو۔

پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ تمھاری عاقبت کو محمود کرے۔"

اس کے بعد محمود نے اشرفیوں کی تھیلی نذر کی۔ آپ نے فوراً جَو کی روٹی جو خشک تھی سامنے رکھ دی اور کھانے کا حکم دیا۔ محمود جب

Marfat.com

کھانے لگا تو روٹی حلق میں اٹکنے لگی۔ آپ نے فرمایا:

"روٹی حلق میں اٹکتی ہے؟"

محمود نے کہا "جی ہاں!"

فرمایا "تم چاہتے ہو کہ تمھاری طرح یہ اشرفیوں کی تھیلی ہمارے حلق میں اٹکے؟ ہم اس کے خواہش مند نہیں ہیں۔"

پھر محمود نے کہا "اپنی کوئی یادگار عنایت فرمائیے۔"

آپ نے ایک پیراہن دے دیا۔ پھر رخصت کے وقت شیخ نے اٹھ کر تعظیم دی۔ محمود نے پوچھا:

"میرے آنے کے وقت آپ نے تعظیم نہیں کی، اب کیا سبب ہے؟"

فرمایا "اس وقت تم غرورِ شاہی کے ساتھ آئے تھے، مگر اب انکسار اور درویشی کے ساتھ جاتے ہو۔"

جب محمود نے سومنات کے میدان میں اپنی افواج کو کمزور دیکھا اور خوف ہوا کہ شکست نہ ہو جائے تو زمین پر سربسجود گر پڑا۔ اور وہی پیراہن جو ہر وقت ساتھ رکھتا تھا، نکال کر رکھ لیا اور دعا کی کہ خداوندا اسی پیراہن والے کے طفیل فتح و نصرت عطا کر۔ چنانچہ تاریخ شاید ہے کہ اس کے بعد محمود اٹھا تو اس کی فوج کی حالت کچھ سے کچھ ہو چکی تھی۔ دفعتہً حملہ کیا اور میدان کو فتح کر لیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ شیخ فرماتے ہیں "محمود! تم نے ہمارے پیراہن کی آبرو درگاہِ الٰہی میں کھو دی۔ اگر تم چاہتے تو تمام کافر اس کی بدولت مسلمان ہو جاتے۔"

فرماتے ہیں خلقت کے لیے اوّل و آخر ہے۔ جو کچھ اول میں کریں گے، آخر میں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ مگر حق تعالیٰ نے مجھ کو ایسا وقت دیا ہے جو اوّل و آخر کا خواہش مند نہیں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بہشت و دوزخ نہیں ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہاں تک میری رسائی ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں مخلوق ہیں اور جہاں میں ہوں وہاں کسی مخلوق کی رسائی نہیں ہے۔"

فرماتے ہیں "میں خاص لوگوں سے اس لیے بیان نہیں کرتا کہ پردہ دری کریں گے۔ اور عوام سے اس لیے نہیں کہتا کہ ان کو راہ نہ ملے گی۔ اور اپنے آپ سے اس لیے نہیں کہتا کہ اس کو غرور پیدا ہو جائے گا۔"

فرماتے ہیں "عافیت تنہائی میں ہے اور سلامتی خاموشی میں۔"

فرمایا "جس نے مجھ کو پہچان لیا اور دوست رکھا، اس نے حق کو دوست رکھا اور جو شخص مردانِ خدا کی صحبت میں رہا۔ وہ گویا اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہا۔"

فرماتے ہیں "میرا مواخذہ حق تعالیٰ کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے وہ دنیا کو پکڑتا ہے، لیکن میں اس کے دامنِ کبریائی کو پکڑتا ہوں۔"

فرمایا "جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دریائے بے نہایت ہیں۔ اگر اس دریا کا ایک قطرہ بھی باہر نکل آئے تو تمام عالم غرق ہو جائے۔"

فرمایا "جس قافلے میں ہم ہیں، اس قافلے کے آگے خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے، اور آخر میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور درمیان میں کتاب و سنتِ نبوی، پس نہایت مبارک ہیں وہ لوگ جو اس قافلے میں ہیں۔"

Marfat.com

فرماتے ہیں: "خلق کہتی ہے کہ یہاں سے عاقبت ہیں وہ چیز لے جاؤ جو وہاں کے لائق ہو اور حال یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں، جو وہاں لیجائی جاسکتی ہو۔ یہاں سے غریبی اور نیستی ہی لیجائی جاسکتی ہے۔ اہل آسمان وزمین کی اطاعت سے وہاں کیا زیادتی ہوگئی ہے۔ جو تمھاری اطاعت سے ہوجائے گی۔ پس کس لیے اپنی طاعت کی گردن بلند کرتے ہو۔ تم کو صرف اس قدر معاملہ درکار ہے کہ شریعت تمھاری دامن گیر نہ ہو۔ اور صرف اس قدر علم درکار ہے کہ امر ونہی کو پہچان لو۔ یقین صرف اس قدر درکار ہے کہ سمجھ لو، تمھاری روزی تم تک بہرحال پہنچ جائے گی۔

فرماتے ہیں: "روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔ خاموش زیادہ رہو، بات کم کرو۔"

رحلت کے وقت وصیت فرمائی: "میری قبر تیس گز نیچے کھودنا۔ کیونکہ یہ زمین بسطام کی زمین سے نیچی ہے۔ تاکہ بایزیدؒ کی قبر سے میری قبر اونچی نہ ہو اور بے ادبی نہ سمجھی جائے۔"

Marfat.com

حضرت ابُوالعبّاس نہاوندیؒ

یگانہ عہد اور معتبر مشائخ میں سے تھے۔ ورع اور معرفت میں شانِ عظیم رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ابتدائے ریاضت بارہ سال تک سر بگریباں رہا، تب جا کر دل کا ایک گوشہ مجھ کو دکھایا گیا۔

فرماتے ہیں "فقر کی انتہا تصوّف کی ابتدا ہے اور تصوّف کے معنی یہ ہیں کہ حالت کو نہاں رکھا جائے۔"

کسی نے آپ کو دعا کی التجا کی۔

فرمایا "اللہ تجھ کو اچھی موت دے۔"

نقل ہے کہ رُوم کا ایک آتش پرست آپ کا امتحان لینے کی غرض سے آیا۔ مگر اپنا لباس بدل کر مسلمان درویش کی صورت میں آیا۔ جونہی ان کی نگاہ اس پر پڑی، فرمایا:

"اے بیگانے یگانوں کے کوچہ میں تیرا کیا کام؟"

وہاں سے نکل کر وہ شخص سامنے آیا۔ آپ نے اس سے کچھ نہ کہا۔ چار ماہ تک ٹھیرا رہا۔ درویشوں کے ساتھ وضو کرتا، نماز پڑھتا۔ آخر ایک دن چلنے کا ارادہ کیا تو شیخ نے فرمایا:

"جب نان و نمک کا حق ہوگیا تو یہ جوانمردی سے بعید ہے کہ بیگانہ وار رہو اور بیگانہ وار چلے جاؤ۔"

یہ سن کر وہ صدق دل سے مسلمان ہوگیا اور اس قدر ریاضت کی کہ آپ کے بعد وہی آپ کا خلیفہ ہُوا۔

Marfat.com

حضرت احمد مسروق رحؒ

مشائخ خراسان میں سے تھے۔ اصل میں طوس کے رہنے والے تھے۔ مگر بغداد میں اقامت اختیار کر لی تھی۔
تقریباً چالیس بزرگانِ کمال کی خدمت میں رہے اور اُن سے فیض حاصل کیا۔ علوم ظاہری اور باطنی میں تقویٰ اور مجاہدہ میں کامل تھے۔ محاسبیؒ اور سری سقطیؒ کی صحبت پائی۔

فرماتے ہیں: "جس چیز سے عارف ڈرتا ہے وہ قرب حق ہے"۔

فرماتے ہیں: "تقوٰے یہ ہے کہ نہ آنکھوں سے دنیا کی طرف دیکھو اور نہ دل میں اُس کے متعلق فکر کرو"۔

فرماتے ہیں: معرفت کے درخت کو تفکر کا پانی دیا جاتا ہے اور غفلت کے درخت کو جہالت کا پانی ملتا ہے اور توبہ کے درخت کو ندامت کا پانی۔

فرماتے ہیں: "زہد یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالٰے کے کسی چیز کو اپنا بادشاہ تصور نہ کرے"۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر واسطیؒ

اپنے عہد کے تمام مشائخ سے کامل و اکمل اور شیخ الشیوخ تھے۔ حقائق و معارف میں آپ کا قدم سب سے بڑھ کر تھا۔ توحید و تجرید میں فرد تھے۔ رہنے والے فرغانہ کے تھے مگر واسط میں سکونت اختیار کر لی۔ اسی واسطے واسطی کے نام سے موسوم ہوئے۔ آپ انواع علوم میں کامل تھے۔ آپ کے اشارات مشکل۔ معانی عجیب اور کلمات بلند رکھتے تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں بھی اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ توحید کے متعلق آپ سے بہتر گفتگو کسی نے نہیں کی۔

فرماتے ہیں: "مرید اوّل قدم میں مختار ہوتا ہے مگر آگے بڑھ کر اس کو اختیار باقی نہیں رہتا۔ وہ اپنے علم کو جہالت میں دیکھتا ہے ہستی کو نیستی میں مشاہدہ کرتا ہے اور اختیار کو بے اختیاری میں۔"

Marfat.com

حضرت ابُوبکر ورّاقؒ

آپ کا لقب مؤدب الاولیاء ہے۔ بلخ میں رہتے تھے۔ محمد حکیم کی صحبت میں رہے۔ شیخ احمد حضرویہؒ کے یاروں میں سے تھے ریاضت و آداب میں آپ کی بہت سی تصانیف موجود ہیں۔

فرماتے ہیں:" تمام برکات کی کلید مقام ارادت میں صبر ہے۔ اگر ارادت درست ہوگئی، تو پہلی برکت کشادہ ہوگئی"۔

فرماتے ہیں:" آدمی تین طرح کے ہوتے ہیں:۔

۱۔ امراء،

۲۔ علماء،

۳۔ فقراء،

جب امراء تباہ ہوتے ہیں تو خلقت کی معاش تباہ ہو جاتی ہے۔

جب عالم تباہ ہوتے ہیں تو خلقت کا دین تباہ ہو جاتا ہے۔

جب فقرا تباہ ہوتے ہیں تو خلقت کا دل تباہ ہو جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:" اس درویش کا دل بہت ہی اچھا ہے جس سے دنیا میں بادشاہ خراج طلب نہیں کرتا اور آخرت میں خدا اس سے حساب نہ لے۔

زہد کے معنی پوچھے تو فرمایا:" زہد تین حروف سے مرکّب ہے:۔

ز، سے ترکِ زینت،

ہ، سے ترکِ ہوس،

د، سے ترکِ دنیا"۔

Marfat.com

حضرت ابو عبد اللہ محمد بن فضل ؒ

آپ خراسان کے اکابرین سے تھے۔ سب کے ممدوح اور ریاضت میں ممتاز اور بے نظیر، احمد حضرویہؒ کے مرید تھے۔ ترمذیؒ کو آپ نے دیکھا تھا۔ ابو عثمان حیری کو آپ کے حال پر بہت توجہ تھی۔ ایک دفعہ آپ نے ان کو خط لکھا۔
"شقاوت کی علامت کیا ہے؟"

جواب ملا: تین باتیں۔"

۱۔ حق تعالےٰ علم تو عطا کرے، مگر عمل کی توفیق نہ دے۔

۲۔ عمل دے مگر اخلاص سے محروم رکھے۔

۳۔ صالحین کی صحبت بخشے، مگر ان کے ادب کی توفیق نہ دے۔"

فرماتے ہیں: "کہ زاہد کا ایثار بے نیازی کے وقت ظاہر ہوا کرتا ہے۔ جوانمرد لوگوں کا ایثار حاجت کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔"
فرماتے ہیں: "زہد کے معنی دنیا کا ترک ہے۔ اگر ہو سکے تو ایثار کرو، ورنہ دنیا کو خوار سمجھو۔"

Marfat.com

حضرت ابو محمد مرتعش رح

حیرہ علاقہ نیشاپور کے رہنے والے ابو عثمان رح اور جنید رح کی صحبت حاصل تھی۔ ابو حفص رح کو دیکھا تھا۔ بغداد میں آپ نے وفات پائی۔

فرماتے ہیں: "میں نے تیس سال تک محض توکل پر حج کیے۔ لیکن جب غور سے دیکھا۔ تو وہ سب کے سب ہوائے نفس سے تھے۔

پوچھا: یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

فرمایا: میری والدہ نے فرمایا پانی کا گھڑا لے آؤ۔ ان کا یہ حکم مجھ پر ناگوار گذرا جس سے معلوم ہو گیا کہ میرے حج تمام کے تمام خواہشات نفسانی کے ماتحت تھے۔"

Marfat.com

حضرت قطب الاولیا ابی اسحٰق ابراھیم بن شہریار گازرونی رح

جب آپ نے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلعم نے اس مسجد کی بنیاد رکھی ہے۔ دوسرے دن پھر دیکھا کہ جناب سرور کائنات مع صحابہ کرام رض تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے مسجد کو بہت وسیع کر دیا۔

آپ کے دستِ حق پرست پر کئی ہزار غیر مسلم لوگ ایمان لائے۔

فرماتے ہیں "کہ مُردہ وہ ہے جو لے اور دے۔ آدھا مُردہ وہ ہے جو نہ لے اور نہ دے"۔

فرماتے ہیں: "تین قسم کے لوگ کبھی فلاح نہیں پا سکتے: ۱۔ بخیل ۲۔ کاہل ۳۔ ملول"۔

فرمایا: کوشش کرو، اگر تم سابقوں میں سے نہیں ہو سکتے، تو کم از کم ان کے دوست ہی بن جاؤ"۔

فرماتے ہیں: "خدا کا دوست کبھی دنیا کا دوست، اور دنیا کا دوست کبھی خدا کا دوست نہیں ہو سکتا"۔

لوگوں نے پوچھا: "رزق جب مقسوم ہو چکا ہے تو پھر حق تعالیٰ سے اس کی طلب و سوال کیا معنیٰ رکھتی ہے"۔

فرمایا: "تاکہ مومن کا عز و شرف ظاہر ہو"۔

نقل ہے ایک روز شیخ کہیں جا رہے تھے اور لوگ آپ کی زیارت کے لیے جوق در جوق آتے تھے جن میں بچّے بھی تھے۔ کسی نے پوچھا:۔ "حضرت کم عقل بچے آپ کو کیسے پہچانتے ہیں"۔

فرمایا: اس لیے کہ رات کو جب یہ سونے میں محو ہوتے ہیں تو میں ان کے لیے کھڑا ہو کر صلاح و برکت کی دعا مانگتا رہتا ہوں"۔

فرماتے ہیں "۔ ایمان خاص ہے اور اسلام عام"۔

فرماتے ہیں "تم کو ہمیشہ شرعی علم کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جب علم حاصل کر لو تو جو کچھ تم کو معلوم ہے اس کو پوشیدہ مت کرو اور ہمیشہ رضائے الٰہی کے طالب رہو اور علم کو عمل میں لانے کی کوشش کرو، ورنہ بے جان جسم کی مانند رہو گے۔ زنہار اپنے علم و عمل سے طلب دنیا نہ کرنا، جو شخص عمل آخرت سے دنیا کا طالب ہے اس کی آبرو جاتی رہے گی۔ اور جو شخص کارِ دنیا سے آخرت طلب کرتا ہے، آخرت میں اس کا نصیب کچھ کم نہ ہو گا"۔

Marfat.com

حضرت ابو یعقوب بن اسحٰق النہر جوریؒ

اکابر مشائخ میں سے تھے ۔لطفِ عظیم ۔نُور بے نہایت ۔مجاہدہ سخت ۔مراقبہ کامل اور پسندیدہ کلمات رکھتے تھے ۔خدمت ادب میں خصوص اور مقبول اصحاب ہیں ۔اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ مشائخ میں آپ سے بڑھ کر کوئی نورانی نہیں ۔

آپ نے عمر بن عثمانؒ کی صحبت پائی تھی ۔برسوں تک حرم کعبہ میں مجاور رہے اور وہیں وفات بھی ہوئی ۔

فرماتے ہیں :۔

"دنیا ایک دریا ہے جس کا کنارہ آخرت اور کشتی تقویٰ ہے اور انسان اس دریا میں مسافر ہیں"

فرماتے ہیں :۔

۱۔جس کو کھانے سے سیری ہوتی ہے ، وہ ہمیشہ بھوکا رہے گا ۔

۲۔جس کی امیری مال سے ہے وہ ہمیشہ مفلس رہے گا ۔

۳۔جو لوگوں سے سوال کرتا ہے ، وہ ہمیشہ محروم رہے گا ۔

۴۔جو اپنے کام خدا کے سوا کسی اور سے طلب کرتا ہے وہ ہمیشہ نامراد رہے گا ۔

فرماتے ہیں :۔

۱۔جس نعمت کا شکر ادا کرو اس کو زوال نہیں ہوگا ۔

۲۔جس نعمت کا کفران کرو گے اسے پائیداری نہیں ہوگی ۔

Marfat.com

حضرت ابنِ عطارؒ

آپ قطب عالم روحانی اور معدنِ حکمتِ ربّانی ہیں۔ فنون علم میں آئمت اور اصول و فروع کے مفتی تھے۔ آپ سے پہلے کسی نے بھی اسرار تنزیل و معانی و تاویل کی ایسی شرح نہیں اور ایسے لطائف بیان نہیں کیے جیسے آپ نے کیے۔

پوچھا" آپ روز کس قدر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے ہیں؟

فرمایا: پہلے تو ایک دن رات میں ختم کرتا تھا، مگر اب چودہ سال ہونے کو آئے ابھی تک سورہ انفال پر پہنچا ہوں"۔ (مطلب یہ کہ اس سے پہلے غفلت میں پڑھتا تھا)

فرماتے ہیں:" سب سے بہتر وہ گناہ ہے جس کے بعد توبہ کی توفیق مل جائے"۔

فرماتے ہیں:" باطن حق تعالےٰ کی نظر کا مقام ہے اور ظاہر خلق کی نظر کی جگہ ہے"۔

فرماتے ہیں:" جو شخص ہمّت سے ابتدا کرتا ہے۔ وہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ جو شخص ارادت سے ابتداء کرتا ہے وہ آخرت تک پہنچ جاتا ہے جس کی ابتداء زر سے ہوتی ہے وہ دنیا تک پہنچ جاتا ہے"۔

فرماتے ہیں:" جو چیز بندے کو آخرت سے باز رکھنے والی ہے وہ دنیا ہے"۔

فرماتے ہیں:" منافق کی روزی کھانا پینا ہے، مگر مومن کی روزی ذکر و ریاضت ہے"۔

فرماتے ہیں:" پیغمبرانِ خدا کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جو شہدا کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور شہدا کا ادنیٰ مرتبہ وہ جو صلحا کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور صلحا کا ادنیٰ مرتبہ وہ ہے جو مومنوں کا اعلیٰ درجہ ہے"۔

فرماتے ہیں:" جس کی توبہ عمل سے ٹھیک ہوگی، مقبول ہوگی"۔

Marfat.com

حضرت ابوعبداللہ جلاءؒ

آپ شام کے اکابر مشائخین میں سے تھے حقائق معارف و دقائق، لطائف میں بے نظیر تھے۔ ابوتراب ذوالنونؒ کی زیارت کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ جنیدؒ اور نوریؒ کی صحبت حاصل کی تھی۔

فرماتے ہیں:۔ ابتدا میں ہی میں نے والدین کی اجازت سے کام کاج ترک کر دیا اور خدا تعالیٰ کے کام میں لگ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب گھر گیا اور دروازے پر دستک دی تو پوچھا:

"کون ہے؟"

مَیں نے کہا "تمہارا لڑکا!"

انھوں نے جواب دیا: "ہمارا ایک ہی لڑکا تھا، وہ ہم خدا تعالیٰ کو دے چکے ہیں اور ہم دی ہوئی چیز واپس نہیں لیا کرتے۔" چنانچہ دروازہ نہ کھولا۔ اور میں واپس چلا گیا اور ریاضت میں لگا رہا۔

فرماتے ہیں: "ایک دن میں نے ایک آتش پرست جوان کو دیکھا جو نہایت خوب صورت تھا۔ میں اس کے مشاہدہ میں حیران رہ گیا اسی اثنا میں جنیدؒ کا ادھر سے گذر ہوا۔ میں نے کہا:

"ایسا خوبصورت چہرہ دوزخ میں جلے گا۔"

جنیدؒ نے فرمایا: "یہ نفس کا دھوکا ہے، کائنات میں ہزاروں چیزیں اس سے زیادہ خوبصورت ہیں افسوس تم نے عبرت کی نظر سے نہ دیکھا اس کی سزا تم کو بہت جلد ملے گی۔"

چنانچہ اسی وقت قرآن کریم میرے ذہن سے اُتر گیا۔ مدت تک آہ وزاری اور توبہ کرتا رہا۔ آخر اس نے اپنا فضل کیا اور قرآن کریم از سرِ نو یاد ہو گیا۔ اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ موجودات میں سے کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکوں۔

فقر کے بارے میں آپ سے پوچھا تو خاموش ہو گئے اور اٹھ کر باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو لوگوں نے پھر پوچھا:

فرمایا: "میری جیب میں تھوڑی سی چاندی تھی، اس کی موجودگی میں فقر پر گفتگو کرتے ہوئے شرم آتی۔ اب وہ چاندی صدقہ کر آیا ہوں تاکہ فقر کے بارہ میں گفتگو کر سکوں۔

لوگوں نے پوچھا: "آدمی فقر کا مستحق کب ہوتا ہے؟"

فرمایا: "اس وقت جب اس کی کوئی چیز اس کے پاس باقی نہ رہے۔"

فرمایا: "زاہد وہ ہے جس کے نزدیک آدمیوں کی مدح یا ہجو یکساں ہو۔ اور دنیا کو چشمِ زوال سے دیکھے اور حقیر سمجھے۔"

فرمایا: "تصوّف وہ فقر ہے جو اسباب سے علیحدہ ہو۔"

Marfat.com

حضرت ابوالحسن النوریؒ

آپ یگانۂ عہد اور انتخابِ زمانہ تھے۔ ریاضتِ عجیبہ، معاملاتِ پسندیدہ، نظرِ صحیح، فراستِ صادق، کمالِ عشق اور بے انتہا شوق رکھتے تھے۔ تمام مشائخ آپ کی تقدیم پر متفق ہیں۔ آپ کے لقب امیر القلوب اور قمر الصوفیہ ہیں۔ جناب سری سقطیؒ کے مرید تھے اور احمد حواریؒ کی صحبت کے تربیت یافتہ تھے۔ جنیدؒ کے ہمعصر اور طریقت میں صاحب مذہب اور مجتہد تھے۔

نوری آپ کو اس لیے کہتے ہیں کہ اپنے نورِ فراست سے باطن کے اسرار بتا دیا کرتے تھے۔ جنگل میں آپ نے ایک عبادت خانہ بنایا، جب لوگ وہاں زیارت کے لیے آتے تو مکان میں ایک نور دیکھتے۔

ابتدا میں آپ کی یہ حالت تھی کہ روزانہ گھر سے نکل کر دکان پر جاتے۔ روٹی لے کر صدقہ کرتے اور مسجد میں جا کر ظہر تک نماز پڑھتے۔ پھر دکان پر جاتے۔ گھر والے سمجھتے دکان پر روٹی کھا لی ہے۔ چنانچہ بیس سال تک یہی حالت رہی اور کسی کو حال معلوم نہ ہوا۔

نقل ہے کہ جب غلام خلیل مشائخ کی دشمنی پر آمادہ ہوا، بادشاہ سے جا کر شکایت کی۔ بادشاہ نے سب کو بلا بھیجا۔ ان مشائخ میں ابوحمزہؒ، شبلیؒ، جنیدؒ، نوریؒ اور رقامؒ خاص طور پر سربرآوردہ تھے۔ جب جلاد نے رقامؒ کو مارنے کے لیے خنجر اٹھایا تو نوریؒ نے جست کر کے اپنے آپ کو رقامؒ کی جگہ پہنچا دیا۔ امراء وزرا کو تعجب ہوا۔ کہنے لگے:

"اتنی جلدی کیوں کرتے ہو، ابھی تمھاری باری نہیں ہے۔"

آپ نے فرمایا: "میرا طریقہ ایثار کا ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ عزیز چیز جان ہے۔ چنانچہ میں اپنے چند سانسوں کو اپنے بھائیوں پر سے قربان کرنا چاہتا ہوں۔"

خلیفہ کو اس بیان سے تعجب ہوا اور جلاد کو حکم دیا کہ توقف کرے۔ قاضی کو حکم دیا ان لوگوں کی حالت پر غور کرے۔ قاضی جانتا تھا یہ لوگ علوم میں کامل ہیں اس لیے حوصلہ نہ پڑا۔ لیکن شبلیؒ کو دیوانہ سمجھ کر فقہ کی بات پوچھی:

"بیس دینار کی کس قدر زکوٰۃ دینی چاہیئے؟"

شبلیؒ نے جواب دیا: "ساڑھے بیس دینار۔"

قاضی نے پوچھا: "کس طرح؟"

فرمایا: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری جائداد زکوٰۃ میں دے دی اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔"

پھر قاضی نے کہا: "یہ تو پوری کی پوری جائداد ہو گئی، مگر تم نے آدھا دینار زائد کیوں کر دیا؟"

جواب دیا: "اس جرمانہ میں کہ بیس دینار کیوں اپنے پاس رکھے؟"

Marfat.com

پھر نوری سے مسئلہ پوچھا۔ ان کے جواب سے قاضی منسکی کھا کر شرمندہ ہوگیا۔ آخر تنگ آکر قاضی نے بادشاہ سے کہا کہ اگر یہ ملحد و زندیق ہیں تو روئے زمین پر کوئی موحد نہیں۔ تب خلیفہ نے ان سب لوگوں کو عزت کے ساتھ بٹھایا اور کہا:

"کوئی حاجت بیان کرو۔"

فرمایا: "صرف یہ حاجت ہے کہ ہم لوگوں کو بالکل فراموش کردو۔"

چنانچہ خلیفہ بہت رویا اور ان کو عزت کے ساتھ معذرت کر کے واپس کردیا۔

ایک دفعہ چند لوگوں نے جنیدؒ کو خبر دی۔ تین دن رات گذرے۔ نوری ایک اینٹ کے گرد گھوم رہے ہیں اور اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ سوتے ہیں۔ مگر نماز کے وقت نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مریدوں نے کہا:

"وہ ہوشیار ہیں، فانی نہیں ہیں۔ کیونکہ نماز کے وقت کو جانتے اور اس کا ادب کرتے ہیں۔"

جنیدؒ نے جواب دیا: "ایسا نہیں ہے۔"

پھر اُٹھ کر خود نوریؒ کے پاس آئے اور کہا:

"اے نوری! اگر خروش سے کچھ فائدہ سمجھتے ہو تو میں بھی تمھارے ساتھ شریک ہوں۔ اگر رضا کو بہتر جانتے ہو تو پھر اس کو اختیار کرو۔"

یہ سُن کر آپ فوراً ساکن ہوگئے اور کہا: "تم بہت اچھے معلم ہو۔"

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں نوری کے پاس گیا تو اُن کو مراقبہ میں پایا۔ پوچھا:

"تم نے ایسا عمدہ طریقہ مراقبہ کا کہاں سے سیکھا؟"

جواب دیا: "بلّی سے، کیونکہ وہ چوہے کے سوراخ پر مجھ سے زیادہ ساکن تھی۔"

فرماتے ہیں: "ایک دفعہ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جس کو کوڑے مار رہے تھے لیکن وہ فریاد نہیں کرتا تھا جب لوگ اسے قید خانہ میں لے گئے تو میں بھی پیچھے پیچھے گیا۔ اور پوچھا:

"باوجود اس قدر ضعف کے تو نے کیسے صبر کیا؟"

اس نے کہا: "صبر ہمت سے کیا جاتا ہے نہ کہ جسم سے۔"

میں نے پوچھا: "تمھارے نزدیک صبر کیا ہے؟"

کہا: "بلا میں گرفتار ہونے کو ایسا سمجھے جیسا لوگ بلا سے رہائی ملنے کو سمجھتے ہیں۔"

عبودیت کے متعلق آپ سے دریافت کیا تو فرمایا: "مشاہدۂ ربوبیت کا نام ہے۔"

پوچھا: "کہ آدمی اس کا کب مستحق ہوتا ہے کہ خلقت کو نصیحت کرے۔"

فرمایا: جب یہ سمجھ لے کہ یہ قابلیت خدا سے ہے۔

وجد کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا:

Marfat.com

" خدا کی قسم زبان اس کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر ہے اور ادیبوں کی بلاغت اس کی خوبیاں بیان کرنے سے عاجز ہے۔ وجد کی حالت تمام حالتوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ وجد سے زیادہ کوئی درد بے درماں نہیں۔ پوچھا:

"خدا تعالےٰ پر کیا دلیل ہے؟"

فرمایا: خود ذات باری تعالےٰ۔"

فرماتے ہیں:" راہِ اسلام خُلق پر ہے، جب تک اسوۂ حسنہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی نہ کی جائے گی یہ راہ کشادہ نہ ہو گی۔

فرماتے ہیں:" تصوف دُنیا کی دشمنی اور مولیٰ کی دوستی کا نام ہے۔"

Marfat.com

حضرت احمد بن عاصم الانطاکی رحمۃ اللہ علیہ

متقدمین مشائخ اور اکابر اولیاء میں سے تھے۔ انواع علوم ظاہر و باطن میں یگانہ روزگار تھے۔ عمر دراز پائی۔ اکثر اتباع تابعین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ محاسبیؒ کے مرید تھے۔ اکثر اولیاء اللہ تیزی فراست کے باعث آپ کو جاسوس القلب کہا کرتے تھے۔

ایک شخص نے پوچھا: "کیا آپ خدا کے مشتاق ہیں؟"

فرمایا "نہیں۔"

پوچھا: "کیوں؟"

جواب دیا: "شوق غائب کی طرف ہوا کرتا ہے۔ مگر اللہ غائب نہیں۔ بلکہ ہر وقت حاضر ہے اور جب غائب حاضر ہوتا ہے تو شوق جاتا رہتا ہے۔"

فرماتے ہیں: "زہد کی چار علامتیں ہیں: اوّل، خدا پر اعتماد۔ دوم، خلقت سے بیزاری۔ سوم، حق کے لیے اخلاص۔ چہارم، عزتِ دین کے واسطے ظلم برداشت کرنے کی طاقت۔"

فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں دل کی دوا ہیں:۔

۱۔ پیٹ کو خالی رکھنا۔

۲۔ اہلِ اصلاح کی ہم نشینی۔

۳۔ تہجد کی نماز۔

۴۔ گریۂ صباحی۔

۵۔ تلاوت قرآن کریم۔

ایک رات انتالیس مرید اکٹھے ہو گئے۔ دستر خوان بچھایا گیا، لیکن کھانا کم تھا۔ آپ نے چراغ بجھا دیا۔ جب دوبارہ چراغ روشن کیا، تو دیکھا سب ٹکڑے بدستور موجود تھے۔ ازراہِ ایثار کسی نے بھی کھانا نہ کھایا۔ آپ نے اس طور پر مریدوں کی تربیت کی تھی۔

Marfat.com

حضرت ابوحفص حدادؒ

آپ عابد اکمل اور زاہد بے بدل تھے۔ تمام مشائخ کے بادشاہ اور خلیفۂ حق تھے۔ آپ کی زندگی میں کوئی بزرگ آپ کا ہمسر نہ تھا، بغیر واسطہ آپ حق تعالےٰ تک پہنچے تھے۔ ابوعثمان حربی کے مرشد تھے۔ شاہ شجاع کرمان سے آپ کی زیارت کو تشریف لائے۔

آپ غصّہ کی حالت میں خوش خوئی کے متعلق گفتگو کیا کرتے جب تک کہ غصّہ فرو نہ ہو جائے۔

ایک دن ایک شخص کو دیکھا کہ روتا ہوا جا رہا ہے۔ پوچھا:

"کیا ہوا؟"

عرض کیا "میرا گدھا گم ہو گیا ہے۔"

آپ نے اسی وقت دعا کی کہ خدایا مجھے تیری عزت کی قسم، جب تک اس شخص کا گدھا نہ ملے گا میں یہاں سے ایک قدم نہ اٹھاؤں گا چنانچہ اُسی وقت گدھا کسی طرف سے آ گیا۔

ایک دفعہ آپ نے حج کا ارادہ کیا، مگر عربی زبان نہ جانتے تھے۔ کیونکہ عجمی اور عامی تھے۔ بغداد جب پہنچے تو مریدوں نے کہا:

"یہ بڑی مشکل ہے کہ ہمارے شیخ کو ترجمان کی ضرورت ہے۔"

حضرت جنیدؒ نے اپنے مریدوں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ جب آپ خانقاہ پر پہنچے تو اسی وقت عربی بولنی شروع کی اہل بغداد کو آپ کی عربی فصاحت پر بہت تعجب آیا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے چار ماہ تک آپ کو مہمان رکھا۔ ہر وقت نئی قسم کا کھانا پیش کیا جاتا۔ رخصت کے وقت شیخ نے فرمایا:-

"اگر کبھی تم نیشاپور میں آؤ تو میزبانی تم کو سکھا دوں۔"

شبلیؒ نے پوچھا "میں نے کیا کمی کی ہے؟"

فرمایا: تم نے تکلّف کیا اور تکلّف کرنے والا جوانمرد نہیں ہوتا۔ مہمان کو اس طور پر رکھنا چاہیئے۔ جیسے کہ اپنے آپ کو رکھا جاتا ہے۔ تاکہ مہمان کے آنے سے تکلیف اور جانے سے خوشی نہ ہو۔

پوچھا "ایثار کیا ہے؟"

Marfat.com

فرمایا: "اپنے بھائیوں کے حصّے کو اپنے حصّے پر دنیا و دین میں مقدم رکھنا۔"

فرمایا: "اپنے آپ فراست کا دعویٰ نہ کرو۔ لیکن دوسروں کی فراست سے ڈرو۔"

فرمایا: "جو شخص جانتا ہے، میں ایک دن مروں گا اور قیامت کے دن مجھ سے حساب لیا جائے گا۔ پھر بھی گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا۔ وہ اپنے اعمال و اقوال سے اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کا ایمان موت اور حساب کتاب پر نہیں ہے۔"

فرماتے ہیں: "وہ شخص اندھا ہے جو اشیاء سے خدا کو پہچانتا ہے اور بینا وہ ہے جو خدا سے تمام کائنات کو سمجھتا ہے۔"

کسی شخص نے آپ سے وصیّت طلب کی۔

فرمایا: "صرف ایک دروازے کو پکڑلو تاکہ تمام دروازے تم پر کُھل جائیں۔ ایک سردار کی غلامی اختیار کرلو تاکہ تمام سردار تمھارے غلام بن جائیں۔"

Marfat.com

حضرت ابوتراب الخنشیؒ

آپ کا اصول تھا اگر آپ اپنے ساتھیوں سے کسی ناگوار بات کا صادر ہونا دیکھتے ، تو خود توبہ کر کے مجاہدۂ نفس میں مصروف ہو جاتے اور فرماتے کہ یہ بچارے میری شومئ طالع سے ہی ایسا کرتے ہیں۔

آپ کی جائے رہائش کے قریب ایک بھیڑیا رہا کرتا تھا اور کئی آدمیوں کو کھا چکا تھا۔ایک دن آپ سجادہ پر تشریف فرما تھے کہ بھیڑیا آیا اور آپ کا قصد کیا۔لوگوں نے مطلع کیا مگر آپ نے پروانہ کی۔جب بھیڑیئے کی نظر آپ پر پڑی فوراً واپس لوٹ گیا۔

ایک دفعہ مریدوں کے ہمراہ جنگل میں سے گذر رہے تھے۔پیاس کا غلبہ ہُوا ، نماز کا وقت بھی آگیا۔آپ نے اسی وقت زمین پر ایک خط کھینچا جس سے پانی نکل آیا۔سب نے وضو کیا اور سیر ہو کر پی لیا۔

فرماتے ہیں :" تین چیزوں کو تم لوگ دوست رکھتے ہو ، مگر وہ تینوں چیزیں تمھاری نہیں۔

۱۔ نفس ،

۲۔ رُوح ،

۳۔ مال "

فرمایا :" تم دو چیزیں طلب کرتے ہو مگر نہیں پا سکتے ۔

۱۔ خوشی ،

۲۔ راحت "

فرماتے ہیں :" توکل کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو دریائے عبودیّت میں ڈال دو اور خدا پر نظر رکھو۔اگر وہ دے تو شکر کرو ، ورنہ صبر "

فرماتے ہیں : عارف کے دل کو کوئی چیز تاریک نہیں کر سکتی۔بلکہ تمام تاریکیاں اس سے دور ہو جاتی ہیں ۔

Marfat.com

حضرت احمد خضرویہؒ

آپ صاحبِ تصانیف اور ریاضت وکرامات میں مشہور تھے۔ ابتداء میں آپ حاتم اصمؒ کے مرید تھے اور ابوتراب کی صحبت میں رہتے تھے۔

ایک دفعہ ایک چور آپ کے گھر آیا، ہر چند کچھ تلاش کیا، مگر کچھ نہ ملا جب وہ ناامید ہو کر جانے لگا تو فرمایا کہ ڈول لے کر پانی بھر اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جا۔ جو کچھ ملے گا وہ تجھے بخش دیا جائے گا تاکہ تو ہمارے گھر سے نااُمید اور خالی ہاتھ نہ جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا، صبح کو ایک شخص سو دینار لے کر آیا۔ آپ نے وہ دینار چور کو دیتے ہوئے فرمایا یہ تمہاری ایک رات کی نماز کا بدلہ ہے۔ یہ سُن کر چور پر ایک کیفیت طاری ہو گئی فوراً توبہ کر کے آپ کا مُرید بن گیا۔

فرماتے ہیں" جو شخص درویشوں کی خدمت کرے گا۔ اس کو تین خصلتیں ملیں گی۔

۱۔ تواضع،

۲۔ حسنِ ادب،

۳۔ سخاوت "

فرماتے ہیں:" صبر مضطر لوگوں کا توشہ ہے۔ رضا عارفوں کا درجہ ہے اور معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کو دل سے دوست رکھے اور زبان سے یاد کرے۔ ماسوا سے علیحدہ ہو جائے"۔

فرماتے ہیں" خدا سے زیادہ نزدیک وہ ہے جس کا اخلاق زیادہ ہے"۔

آپ سے دریافت کیا گیا: محبّت کی کیا علامت ہے"؟

فرمایا: دونوں عالم میں کوئی چیز محبوب سے زیادہ باعظمت نہ دکھائی دے اور سوا خدمت محبوب کے اور کوئی خواہش دل میں نہ ہو۔"

لوگوں نے پوچھا: کون سا عمل زیادہ افضل ہے؟"

فرمایا: دل کو ماسوا اللہ سے محفوظ رکھنا"۔

ایک دن کسی شخص نے آپ سے وصیّت طلب کی تو فرمایا" نفس کو مار ڈال تاکہ زندہ ہو جائے"۔

Marfat.com

حضرت احمد حرب رح

آپ اکابرین مشائخ سے ہیں۔آپ کے فضائل بے حد حساب ہیں عبادت و ریاضت میں یگانہ روزگار تھے۔تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ آپ کی والدہ نے کباب بنائے اور کہا کہ کھا لو، اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہیں نے اس جانور کو اپنے گھر پالا ہے۔"

آپ نے فرمایا: "یہ جانور ایک دن ہمسایہ کے کوٹھے پر جا کر چند دانے کھا آیا تھا۔ اس لیے میں نہیں کھا سکتا۔"

آپ کے ہمسایہ میں بہرام نام ایک آتش پرست رہا کرتا تھا۔ایک دفعہ اس کے گھر میں چوری ہوگئی۔آپ اپنے چند مریدوں کے ہمراہ اس کی غمخواری کو تشریف لے گئے۔چونکہ قحط کا زمانہ تھا۔آتش پرست نے خیال کیا شاید کچھ کھانے کے لیے آئے ہیں۔اسی خیال میں تھا کہ سامنے کیا چیز رکھے،لیکن آپ نے اس خیال کو سمجھ کر فرمایا۔

"ہم صرف ہمدردی کے لیے آئے ہیں کچھ کھانے کے لیے نہیں۔"

بہرام نے کہا: "فی الحقیقت میرے ہاں چوری ہوگئی،لیکن پھر تین شکر واجب ہیں۔اول: یہ کہ کسی نے میرا مال چرایا۔میں نے کسی کی چوری نہیں کی۔ دوسرے: یہ کہ آدھا مال چوری ہوا۔اور تیسرے: یہ کہ دنیا چوری ہوئی ہے۔میرا دین میرے پاس ہے۔"

آپ نے پوچھا: "تم آگ کیوں پوجتے ہو؟"

اس نے کہا: "تاکہ کل قیامت کے دن مجھ پر خدا عذاب نہ کرے۔"

آپ نے فرمایا: "یہ خیال بالکل غلط ہے۔جو چیز اس قدر ضعیف ہو کہ اگر ایک لڑکا اس پر پانی ڈال دے تو بجھ جائے وہ کل کو خدا کے عذاب سے کیسے نجات دلا سکتی ہے؛ اگرچہ تم نے ستر سال تک اس کی پوجا کی ہے اور میں نے اس کی پوجا نہیں کی۔آؤ ہم دونوں آگ میں ہاتھ رکھیں،دیکھیں وہ تمھارا خیال کس قدر کرتی ہے۔"

اس بات نے بہرام کے دل پر اثر کیا اور کہا:

"پہلے چار باتوں کا جواب دیجیے۔اوّل کہ اللہ تعالےٰ نے خلقت کیوں پیدا کی۔(۲) اگر پیدا کیا تو رزق کیوں دیا (۳) اگر رزق دیا تو موت کیوں دی؟ (۴) اگر موت دی تھی تو پھر قیامت کے دن کس لیے زندہ کرے گا؟"

آپ نے فرمایا: "اس نے خالقیت سے کام لے کر خلق کو پیدا کیا تاکہ لوگ اس کو جانیں۔رازقیت سے رزق دیا کہ اس کو پہچانیں۔موت دی کہ قہر الٰہی کو سمجھیں۔دوبارہ زندہ کیا کہ اس کی قدرت کو جانیں۔"

یہ سنکر بہرام نے کہا: "آگ لاؤ تاکہ تجربہ کریں۔"

چنانچہ آپ نے بڑی دیر تک اپنا ہاتھ آگ میں ڈالے رکھا لیکن اس نے کچھ اثر نہ کیا۔بہرام نے یہ حالت دیکھ کر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

Marfat.com

حضرت ابو سلیمان داؤدیؒ

غائت لُطف کے باعث آپ کو ریحان القلوب کہتے ہیں۔ بُھوک پر بہت صبر کرتے اور شکر الٰہی بجالا کر زیادہ شوق سے ریاضت اور مجاہدہ کیا کرتے تھے۔ موضع دارا کے رہنے والے تھے جو ملک شام میں واقع ہے۔

فرماتے ہیں "جب تم اپنے دل کو شوق میں ڈالو تو اس کے بعد خوف میں ڈالو، تاکہ اس شوق کو وہ خوف کو دور کر دے"

فرماتے ہیں: "جو شخص سیر ہو کر کھاتا ہے، اس سے چھ باتیں ظاہر ہوتی ہیں:۔

۱۔ عبادت میں مزا نہیں آتا۔

۲۔ قوت حافظہ کمزور ہو جائے گی۔

۳۔ خلقت پر شفقت کرنے سے محروم ہو جائے گا۔

۴۔ شہوت زیادہ ہوتی جائے گی۔

۵۔ عبادت گراں گزرے گی۔

۶۔ بھوکا رہنا خداوند کریم کے نزدیک ایک خزانہ ہے جسے وہ اسی کو دیتا ہے جو دوست ہو۔ جب آدمی سیر ہو جاتے ہیں تو تمام اعضا شہوت کے بھوکے ہوتے ہیں اور جب تمام اعضا بھوکے ہوتے ہیں تو شہوت سیر ہوتی ہے یعنی جب تک پیٹ نہ بھرے گا کسی شہوت کی آرزو نہ ہو گی"

فرمایا: "بھوک آخرت کی کنجی ہے اور سیر شکمی دنیا کی کنجی ہے"

فرمایا: "بھوکے رہو، کیونکہ بھوک نفس کو ذلیل اور دل کو رقیق بناتی ہے"

فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے اگر تو مجھ سے شرم کرے گا تو میں تیرے گناہوں کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دوں گا اور لوح محفوظ سے بھی مٹا دوں گا اور قیامت کے دن تجھ پر سختی نہ کروں گا"

ایک روز آپ نے سفید کپڑے پہنے۔ تو فرمایا کاش! میرا دل ان سب لوگوں میں ایسا ہوتا جیسے یہ کپڑے ہیں۔

وفات کے بعد بعض بزرگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا"

فرمایا: "اس نے رحمت و عنایت سے کام لیا"

Marfat.com

حضرت بایزید بسطامیؒ

علامۂ اجل خلیفۂ ربّ عزّوجل مشائخین اکابرین میں سے تھے۔ بے شمار کرامات رکھتے تھے۔ اسرار و حقائق کے ماہر بے بدل تھے۔ قربِ الٰہی کے مقام پر رہا کرتے تھے۔ محبّت الٰہی کی آگ میں سوختہ اور بدن کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ کے متعلق آپ کی روایات نہایت اعلیٰ تھیں۔ آپ سے پہلے جتنے بھی اولیاء گذرے ہیں، کسی کو بھی طریقت میں اس قدر ملکہ نہیں تھا جتنا کو تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات بابرکات ہم میں ایسی ہے جیسے جبرائیل علیہ السّلام فرشتوں میں نیز تمام سالکان راہِ توحید کی انتہا آپ کی ابتداء ہے۔

بعض لوگوں نے پوچھا"انسان کے لیے راہِ طریقت میں کیا چیز بہتر ہے؟"

فرمایا: "مادر زاد دوست"۔

پوچھا: "اگر یہ حاصل نہ ہو؟"

فرمایا: "چشم بینا"۔

پوچھا: "اگر یہ بھی حاصل نہ ہو؟"

فرمایا: "پھر سُننے والے کان"۔

عرض کیا: "اگر یہ بھی نہ ہوں"؟

فرمایا: "پھر مرگِ مفاجات"۔

روایت ہے کہ ایک دن آپ امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ حضرت امام نے فرمایا:

"بایزید کتاب طاق سے اُٹھا کر دے دو"۔

آپ نے فرمایا: "کون سے طاق سے؟"

حضرت امام نے فرمایا: "عرصہ سے تم یہاں رہتے ہو اور ابھی تک تم کو طاق کا پتہ نہیں"۔

آپ نے عرض کیا: "مجھے اس سے کیا کام۔ آپ کی موجودگی میں سر اٹھاؤں"۔

حضرت امام نے فرمایا: "اگر ایسا معاملہ ہے تو بُسطام واپس جاؤ، تمھارا کام ختم ہوگیا ہے"۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ فلاں جگہ ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔ آپ زیارت کو تشریف لے گئے۔ اتفاقاً اس نے قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوکا۔ یہ حال دیکھ کر آپ فوراً واپس تشریف لے آئے اور فرمایا: اگر یہ شخص

Marfat.com

ذرّہ بھر بھی طریقت جانتا ہوتا، تو شریعت کے خلاف عمل نہ کرتا۔

فرماتے ہیں: "جس کام کو میں سب کاموں سے مؤخر جانتا تھا، وہ مقدّم کام تھا۔ یعنی والدہ کی رضامندی۔"

فرمایا: "جس چیز کو میں مجاہدات و ریاضاتِ شاقہ میں تلاش کرتا پھرتا تھا۔ وہ میں نے گھر میں آسانی سے حاصل کر لی۔ یعنی ایک والدہ نے پانی طلب کیا۔ میں کوزہ میں پانی لینے گیا۔ مگر نہ ملا۔ پھر صراحی کو دیکھا، مگر وہاں بھی نہ تھا۔ چنانچہ نہر پر جا کر پانی لایا میری واپسی تک والدہ سو گئی تھیں۔ میں اسی طرح کوزہ لیے کھڑا رہا۔ سخت سردی کے باعث کوزہ میں پانی جم گیا۔ جب والدہ بی ہوئیں تو انھوں نے مجھ کو یوں کھڑے دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ میں نے عرض کی کہ شاید آپ بیدار ہوں اور پانی طلب کر لیکن میں حاضر نہ ہوں۔ اس ڈر کی وجہ سے کھڑا رہا۔ یہ سن کر والدہ نے پانی پیا اور میرے حق میں دعا کی۔

آپ فرماتے ہیں: میں بارہ سال جنگلوں میں اپنے نفس کے حق میں لوہار بنا رہا۔ اور نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر کی آگ سے گرم کر کے ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا۔ آخر کار میں نے اسے آئینہ بنا لیا۔ پانچ سال آئینہ بنانے میں صرف ہو طرح طرح کی عبادات و ریاضات سے اس آئینے کو صیقل کیا۔ پھر ایک سال اس کو اغیار کی نظر سے دیکھا۔ پھر بھی اس کو غرو کے بھروسے اور عمل کی خود پسندی میں مبتلا دیکھا۔ پانچ سال اور کوشش کی۔ پھر جب دیکھا تو مُردہ تھا چنانچہ چار تکبیریں جنازہ کی کر فارغ ہُوا۔"

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ کو عبادت میں کچھ لطف نہ آیا، آپ نے خادم سے فرمایا:
دیکھ گھر میں کیا چیز ہے؟"
اس نے دیکھا تو ایک انگور کا خوشہ نظر آیا۔ فرمایا "یہ کسی کو دے دے، کیونکہ ہمارا گھر بنئیے کی دکان نہیں"۔
اس کے بعد آپ کو عبادت میں مزہ آنے لگا۔

نقل ہے کہ آپ کا ایک آتش پرست ہمسایہ تھا جس کا ایک شیر خوار بچّہ تھا۔ تمام رات وہ تاریکی کی وجہ سے روتا رہتا تھا آپ روز چراغ اٹھا کر اس کے گھر کی طرف لے جاتے۔ بچّہ خاموش ہو جاتا۔ جب وہ آتش پرست اپنے سفر سے واپس آیا تو کی ماں نے شیخ کی نسبت سارا حال عرض کیا۔

اس نے کہا "افسوس ہے جب شیخ کی طرف سے روشنی پہنچ گئی تو پھر ہم اپنے آپ کو غفلت کی تاریکی میں کیوں رکھیں
اس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے ایک آتش پرست سے کہا "مسلمان ہو جا"۔

اس نے جواب دیا: "اگر مسلمانی یہی ہے جو بایزید کی ہے تو مجھ میں مسلمان ہونے کی طاقت نہیں۔ اگر مسلمانی وہ ہے جو لوگوں کی ہے تو افسوس میں اس کا یقین نہیں کر سکتا"۔

شیخ احمد حضرت خضرویہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ کہ سب لوگ مجھ سے

Marfat.com

طلب کرتے ہیں لیکن بایزید مجھ سے مجھ ہی کو طلب کرتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد امام نے پوچھا:

"آپ نہ تو کوئی کام کرتے ہیں نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں، پھر کھاتے کہاں سے ہیں؟"

فرمایا: "پہلے مجھے نماز کی قضا ادا کر لینے دو، ایسے شخص کی اقتدا میں نماز جائز نہیں جو روزی دینے والے کو نہیں جانتا۔"

فرماتے ہیں: "جب پہلی مرتبہ میں حج کو گیا تو خانہ کعبہ دیکھا۔ دوسری بار گیا تو صاحب خانہ کو دیکھا۔ تیسری بار جب گیا تو خانہ کعبہ نظر آیا اور نہ صاحب خانہ۔" مطلب یہ کہ ذاتِ حق میں اس درجہ گم ہو گئے تھے کہ سوائے حق کے اور کچھ دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کے دولت خانہ پر جا کر آپ کو آواز دی۔ آپ نے پوچھا:

"کس کو بلاتے ہو؟"

اس نے کہا: "بایزید کو"

"فرمایا": "تیس سال ہونے کو آئے، میں خود بایزید کی تلاش میں ہوں مگر اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔"

یہ بات کسی نے ذوالنون مصری سے بیان کی۔ انھوں نے فرمایا:

"اللہ تبارک و تعالیٰ میرے بھائی بایزید کو بخشے۔ ایک جماعت ایسی ہے جو حق تعالیٰ کی ذات میں گم ہو گئی ہے اور وہ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔"

لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں آ کر دعا کا سائل ہوتا تو آپ فرماتے:

"الٰہی تو ان کا خالق ہے اور یہ تیری مخلوق۔ میں کون ہوں جو تیرے اور تیری خلقت کے درمیان واسطہ بنوں۔" پھر اپنے آپ سے کہتے، وہ واقفِ اسرار ہے مجھ کو اس فضول بات سے کیا کام۔

ایک دفعہ آپ نے ایک شوریدہ سر کو کہتے سُنا:

"خداوندا! میری طرف دیکھ۔"

آپ نے نہایت جوش سے کہا کہ "تو بڑا اچھا منہ رکھتا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھے۔"

اس نے کہا: "اے شیخ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ میری طرف دیکھے تاکہ میرا منہ عمدہ ہو جائے۔"

یہ بات آپ کو بہت پسند آئی اور کہا "تو سچ کہتا ہے۔"

فرماتے ہیں کہ میں نے تمام ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈا۔ مگر جب تک مصیبت کے ہاتھ سے نہ ڈھونڈا نہ ملا۔ تمام قدموں سے اس کی راہ میں گیا، مگر جب تک دل کے قدموں سے نہ گیا منزل پر نہ پہنچ سکا۔

فرماتے ہیں: "مدت تک کعبہ کا طواف کرتا رہا۔ لیکن جب خدا تک پہنچ گیا تو خانہ کعبہ میرا طواف کرنے لگا۔"

فرماتے ہیں: "کہ مرد وہ نہیں ہے جو کسی چیز کے پیچھے چلے۔ بلکہ مرد وہ ہے، جو جہاں کہیں بھی ہو چیزیں اس کے گرد دوڑیں۔"

Marfat.com

اور جس چیز سے خطاب کرے، اسی سے جواب سنے۔"

فرماتے ہیں کہ سچا عابد اور سچا عامل وہ شخص ہے جو کوشش کی تلوار سے اپنی تمام مرادوں کو قتل کر دے اور تمام خواہشوں اور تمناؤں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں تباہ کر دے اور خداوند کریم کی رضا پر راضی رہے اور محض اس بات کی خواہش کرے جس کا حق تعالیٰ شاہد ہو۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک ذرہ بہشت کے ہزارہا قصور و محلات سے بدرجہا بہتر ہے۔

لوگوں نے عرض کیا: "کیا اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنی رضامندی سے بہشت میں نہیں لے جاتا؟"

فرمایا: "جب وہ کسی کو اپنی رضا دیتا ہے، تو بہشت کو لے کر وہ کیا کرے گا؟" (اس کی رضا کے مقابلے میں بہشت بے معنی ہے)

فرماتے ہیں: "کوئی گناہ تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچا سکتا جس قدر کہ ایک مسلم بھائی کو بے عزت کرنا۔"

فرماتے ہیں: "دنیا اہلِ دنیا کے لیے غرور، آخرت اہلِ آخرت کے لیے سرور اور اللہ تعالیٰ کی دوستی اہلِ معرفت کے لیے سراسر نور ہے۔"

فرماتے ہیں: "جب عارف چپ ہو جاتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا سے بات کرے جب آنکھوں کو بند کرتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے دیدارِ حق کا جلوہ دیکھے اور سر بزانو ہونے کے وقت اس کی خواہش ہوتی ہے صور پھونکنے تک سر نہ اٹھائے۔"

فرماتے ہیں: "ایک بندے کے واسطے بجز اس کے کہ ہیچ ہو (یعنی زہد، علم، عمل وغیرہ کا کوئی غرور نہ ہو) اور کوئی بات بہتر نہیں ہے۔ بے ہمہ ہو کر باہمہ بن جائے گا۔"

فرماتے ہیں: جس کسی کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست بناتا ہے اس کو اپنی تین خصلتیں عطا کر دیتا ہے۔ دریا جیسی سخاوت۔ زمین جیسی عاجزی اور آفتاب کی طرح شفقت عوام۔"

فرماتے ہیں: "دوزخ اس شخص کے لیے عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا۔ اور خداشناس لوگ دوزخ کے لیے عذاب ہیں۔"

فرماتے ہیں: "عارف وصالِ الٰہی کے سوا اور کسی بات سے خوش نہیں ہوتا۔"

فرماتے ہیں: "یا تو تم اپنے ..... آپ کو ایسا ظاہر کرو جیسے کہ تم ہو اور یا ایسے بن جاؤ جیسا اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہو۔"

ایک دفعہ لوگوں نے سوال کیا۔

"فرض کیا ہے اور سنت کیا ہے؟"

فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی محبت فرض اور دنیا کا ترک کرنا سنت ہے۔"

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک مرید نے رختِ سفر باندھا اور روانگی کے وقت آپ سے وصیت طلب کی۔

فرمایا: "تین خصلتوں کا خیال رکھنا:

Marfat.com

اوّل: کسی بداخلاق سے واسطہ پڑے تو اس کی بدخلقی کو اپنی خوش خلقی میں تبدیل کرلینا۔
دوم: یہ کہ اگر کوئی احسان کرے تو اوّل خدا کا شکر ادا کرنا اور پھر محسن کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے دل کو مہربان کیا ہے
سوم: یہ کہ اگر کوئی مصیبت پیش آجائے تو فوراً اپنی عاجزی کا اقرار کرنا۔"
آپ سے سوال کیا گیا۔ کہ "بندہ اپنے کمال کو کس وقت پہنچتا ہے۔"
فرمایا: "وہ اپنے عیبوں کو پہچان لے اور مخلوقات سے کسی قسم کی طمع نہ رکھے۔"
سوال کیا گیا: "حق تک پہنچنے کی سبیل کیا ہے۔"
فرمایا: "گونگے، بہرے اور اندھے بن جاؤ۔"
کسی نے عرض کیا: "کچھ وصیّت فرمائیے۔"
فرمایا: "آسمان کی طرف دیکھو۔" جب اس نے اوپر نظر اُٹھائی تو پوچھا: "کیا تو جانتا ہے آسمان کو کس نے پیدا کیا؟"
عرض کیا "جانتا ہوں۔"
فرمایا: "جس نے آسمان کو پیدا کیا ہے وہ ہر جگہ تیرے حال سے واقف ہے۔ بس اس سے ڈر۔"
سوال کیا گیا کہ متکبّر کون ہوتا ہے؟
فرمایا: "جس کو تمام کائنات میں اپنا نفس زیادہ اچھا نظر آئے۔"
پھر پوچھا: "آپ پانی پر چلتے ہیں؟"
فرمایا: "لکڑی کا ٹکڑا بھی پانی پر تیرتا ہے۔"
پھر پوچھا: "آپ ہوا میں اڑتے ہیں؟"
فرمایا: "پرندے بھی ہوا میں اُڑتے ہیں۔"
پھر پوچھا۔ "آپ ایک رات میں کعبہ مکرمہ جا پہنچتے ہیں؟"
فرمایا: "جادوگر بھی ایک رات میں ہند سے دماوند پہنچ جاتا ہے۔"
سوال کیا "پھر مردوں کا آخر کون سا کام ہے۔"
فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے دل نہ لگائیں۔"

Marfat.com

حضرت بشر حافی رح

آپ اپنے ماموں علی حشرم کے مرید تھے اور علم دین، اصول اور فرع کے عالم تھے۔ آپ شہر مرو میں پیدا ہوئے۔ لیکن آپ نے اپنی عمر کا زیادہ حصّہ شہر بغداد میں بسر کیا۔

حضرت امام احمد حنبل رح اکثر آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ آپ کے شاگرد کہتے "کہ آپ باوجود علم فقہ، حدیث اور اجتہاد میں بینظیر عالم ہونے کے ایک دیوانہ کے پاس جاتے ہیں، یہ امر آپ کی شان کے خلاف ہے۔"

حضرت امام احمد رح نے فرمایا: "میں تمھاری نسبت اپنے علم کو بہتر جانتا ہوں لیکن حضرت بشر حافی رح اللہ تعالیٰ کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کی میرے پاس دو ہزار درم حلال کی کمائی کے ہیں اور میں حج کو جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو سیر کرنے کے لیے جانا چاہتا ہے۔ اگر خدا کی رضا کے لیے جاتا ہے تو یہی درم کسی درویش یا محتاج عیالدار حاجت مند کا قرض ادا کرنے میں خرچ کر دے، یا یتیم کی مدد کر۔ کیونکہ جو خوشی اس کو ہو گی وہ حج سے بہتر ہو گی۔

آپ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے "کہ سیاحت کرو۔ کیونکہ بہتا پانی صاف اور ستھرا رہتا ہے لیکن بند پانی خراب ہو جاتا ہے۔"

فرمایا: "اگر کسی کو دنیا میں محبوب خلائق ہونے کی آرزو ہے تو اس سے کہہ دو کہ وہ تین باتوں سے پرہیز کرے۔ اوّل یہ کہ خلقت سے کچھ نہ مانگے۔ دوسرے کسی کو بُرا نہ کہے۔ تیسرے کسی کے ساتھ مہمان نہ جائے۔"

فرمایا: "جو شخص نام و نمود اور شہرت کا طالب ہے وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔"

فرمایا: "سب سے بہتر چیز جو بندوں کو دی گئی معرفتِ الٰہی ہے اور فقیروں کے لیے صبر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے کوئی خاص بندے ہیں تو وہ عارف ہیں جن کو اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور نہ خدا کے سوا کوئی ان کی عزّت کرتا ہے۔ صوفی وہ ہے جس کا خدا کے ساتھ دل پاک و صاف ہو۔"

فرمایا: "اہلِ دنیا کو سلام کرو، لیکن اُن سے سلام کی توقع نہ رکھو۔"

Marfat.com

فرمایا ”بخیل کو دیکھنے سے دل سخت ہو جاتا ہے“۔

فرمایا ”اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طاقت نہیں تو پھر گناہ بھی نہ کرو“۔

وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا ”اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟“

فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عتاب کیا اور کہا کیوں تو اس قدر مجھ سے ڈرتا تھا۔ کیا تجھ کو میرے رحم و کرم کی صفت معلوم نہ تھی؟“

ایک اور شخص نے خواب میں دیکھ کر یہی سوال کیا، تو فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے رحم و کرم سے مجھ کو بخش دیا اور وہ چیز پہنائی جو میں نے پہنی نہ تھی، وہ چیز کھلائی پلائی جو نہ کھائی تھی نہ پی تھی“۔

Marfat.com

حضرت امام جعفر صادق رضؓ

آپ اولادِ علیؓ وارثِ نبیؐ عارف عاشق ہیں آپ کا نام ابو محمد امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

چونکہ آپ اہل البیت میں سے تھے۔ اس لیے طریقت کے بیان میں آپ کے ارشاداتِ عالیہ کثرت سے ہیں اور روا بھی کثرت کے ساتھ مروی ہیں۔ میری زبان تعریف و توصیف کی طاقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آپ تمام علوم و فنون کے عالم آپ تمام مشائخ کے سردار ہیں اور ہر فرد و بشر آپ پر کامل اعتقاد رکھتا ہے۔ آپ مقتدائے مطلق خدا پرستوں کے ا پیروانِ رسول کے پیشوا ہیں۔ اہلِ ذوق آپ کے دلدادہ اور اہلِ تحقیق آپ کے شیدا ہیں۔ سب عابدوں سے بڑھ کر اور زاہدوں کے سرتاج ہیں حقائق کے مصنف اور لطائف و تفسیر اور تنزیل میں لاثانی تھے۔ امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ نے بہت سی باتیں روایت فرمائی ہیں۔

مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے، جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت آپ سے سوئے ظن رکھتے ہیں حقیقت ہے کہ اہل السنت ہی اہل البیت ہے۔ میں حیران ہوں کہ کون ایسا شخص ہوگا جو جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو ایمان ہے، لیکن آپ کے فرزندوں سے محبت نہیں رکھتا، حضرت امام شافعیؒ کو اہل البیت سے اس قدر محبت تھی کہ لوگ ان کو خیال کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کو قید بھی کیا گیا چنانچہ ان کا ایک شعر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آلِ محمد صلی اللہ علیہ و آ کی محبت و دوستی رفض ہے تو تمام جن و انسان کو چاہیئے کہ میرے رفض کی گواہی دیں۔ جب تم رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بادشاہِ دوجہاں تصور کرتے ہو تو آپ کے وزراء اور صحابہ کو بھی درجہ بدرجہ جاننا لازم ہے۔ اور آپ کی اولاد کا رتبہ پہچاننا چاہیئے جو کہ بادشاہت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ وابستگانِ دامن حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سب سے افضل کون ہے آپ نے فرمایا کہ بوڑھوں میں سے صدیق اکبرؓ اور فاروق رضؓ جوانوں میں سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔ عورتوں میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور لڑکیوں میں سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ۔

نقل ہے کہ خلیفہ منصور نے ایک رات اپنے وزیر سے کہا کہ جاؤ اور حضرت امام جعفر صادقؓ کو پکڑ لاؤ تاکہ ان کو قتل کردوں۔ وزیر نے کہا کہ کیا وہ صادق جو گوشہ نشین ہے، عبادت الٰہی میں مصروف ہے اور بادشاہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا؟" بادشاہ ناراض ہوا اور کہا ہاں اسی کو لے آ، تاکہ قتل کردوں۔ اگرچہ وزیر نے ہرچند منع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ اور مجبور ہو کر وزیر حضرت امام جعفر صادق رضؓ کو بلانے کے لیے چلا گیا۔ بادشاہ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جب امام جعفر صا

Marfat.com

تشریف لائیں اور مَیں اپنے سر سے ٹوپی اُتار دوں، تو تم اس وقت اُن کو قتل کر دینا۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو خلیفہ تعظیم کے لیے اٹھا اور بڑی عزّت کے ساتھ استقبال کے لیے دوڑا اور صدر پر بٹھا کر غلاموں کی طرح دست بستہ بیٹھ گیا۔ غلاموں نے بڑا تعجب کیا۔ منصور نے آپ سے خدمت دریافت کی۔ آپ نے فرمایا: دوبارہ مجھے مت بلاؤ تاکہ عبادتِ الٰہی میں مصروف رہوں۔ چنانچہ خلیفہ نے بصد عزّت و اکرام آپ کو رخصت کیا۔ اور اسی وقت بادشاہ پر لرزہ طاری ہُوا اور بے ہوش ہو گیا اور تین دن تک بدستور بے ہوش رہا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا کہ اے رسول اللہ ؐ کے بیٹے مجھ کو کچھ نصیحت کیجیے کیونکہ میرا دل سیاہ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"تو زاہدِ زمانہ ہے، تجھ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟"

انھوں نے عرض کیا: "اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم سب پر بزرگی بخشی ہے اور نصیحت کرنا آپ پر فرض کیا ہے۔"

آپ نے فرمایا: "میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے جدِّ بزرگوار ؐ مجھ سے یہ سوال نہ کریں کہ کیوں تم نے میرا حق ادا نہ کیا۔ نجات نسبت پر مبنی نہیں ہے بلکہ نیک اعمال پر منحصر ہے۔"

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو سُن کر بہت روئے اور کہا کہ الٰہی جس شخص کا گوشت پوست، لہُو اور ہڈیاں نبوّت سے ظہور میں آیا ہو، جس کا نانا رسولِ کریم ؐ جس کی ماں فاطمۃ الزہرا رضی ہو وہ اس قدر خوفِ قیامت سے ہراساں ہے تو داؤد کس شمار و قطار میں ہے اور کس بات پر ناز کر سکتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک دن آپ اپنے غلاموں میں بیٹھے تھے کہ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: "آؤ ہم سب آپس میں اُس بات کا عہد کریں کہ ہم میں قیامت کے دن جو شخص نجات حاصل کرے وہ دوسروں کی نجات کی سفارش درگاہِ الٰہی میں کرے۔" غلاموں نے حیرانی کے ساتھ عرض کیا۔ اے جگر گوشۂ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آپ کو ہم غریبوں کی سفارش کی کیا حاجت ہے، جبکہ آپ کا نانا شفیعِ روزِ جزا ہے۔

آپ نے فرمایا: کہ مجھے اپنے افعال سے شرم آتی ہے کہ کس طرح قیامت کے دن اپنے نانا کے چہرہ کی طرف دیکھ سکوں گا۔

نقل ہے کہ جب آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور باہر تشریف نہ لائے تو حضرت سفیان ثوری رح آپ کے پاس آئے اور عرض کی کہ اے ابنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق آپ کے ارشاداتِ عالیہ سننے کے لیے بے چین ہو رہی ہے۔ آپ نے کیوں گوشۂ عزلت اختیار کر لیا ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب میرا حال ایسا ہی ہے اور یہ دو شعر پڑھے:-

(۱) وفا جانے والے کی طرح چلی گئی لوگ اپنے خیالات اور امیدوں میں محو ہیں، اگرچہ ظاہر میں باہم دوستی اور وفاداری کا دم بھرتے ہیں

(۲) لیکن ان کے دلوں میں دغا، فریب اور کھوٹ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

Marfat.com

منقول ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کو اعلیٰ لباس زیب تن کیے ہوئے دیکھ کر عرض کی: یا ابنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ آپ کے خاندان کی عادت نہیں چنانچہ آپ نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین سے لگا کر بتایا کہ دیکھ اندر کی طرف موٹا کپڑا پہنے ہوئے ہوں جو جسم کو گراں گزرتا ہے اور فرمایا عمدہ کپڑا لوگوں کے لیے ہے اور موٹا کپڑا احق کے لیے ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ سے دریافت کیا کہ عقل مند کون ہے؟

انھوں نے عرض کی کہ "جو شخص نیک اور بد میں تمیز کر سکے"۔

آپ نے فرمایا کہ چوپائے بھی تمیز کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے دشمن اور خیر خواہ کو پہچانتے ہیں۔

تب امام ابو حنیفہ رحؒ نے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک عقلمند کون ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے اور زیادہ اچھی نیکی اختیار کر لے اور بشرط ضرورت کم بدی کو اختیار کرے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ کسی نے آ کر عرض کیا کہ یا ابنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے خدا دکھا دیجئے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصّہ نہیں سُنا۔

اس نے عرض کی سُنا تو ہے۔ لیکن یہ امّتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔

آپ نے غلاموں سے فرمایا کہ اس شخص کو باندھ کر دریائے دجلہ میں پھینک دو۔

چنانچہ آپ کے غلاموں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب اس کو دریا میں پھینک دیا گیا اور پانی نے اس کو اوپر کی طرف اچھالا، تو آپ نے دریا کو مخاطب کر کے کہا کہ اس کو نیچے اوپر خوب غوطے دے۔ چنانچہ ہر بار جب وہ آدمی پانی کے زور سے اوپر آتا، تو کہتا یا ابنِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے بچانا۔ لیکن ہر بار آپ دریا سے کہتے رہے کہ اس کو نیچے اور اوپر اچھال جب اس کی حالت غیر ہوئی تو اس نے کہا خداوندا بچانا۔ جونہی آپ نے یہ لفظ سنے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے فوراً نکال لو۔ جب اس کو ہوش آیا تو آپ نے پوچھا:

"کیا تو نے خداوند کریم کو دیکھا؟"

اس نے عرض کی "یا ابنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تک خدا کے سوا غیر سے امداد کا طالب رہا۔ ایک حجاب سا دل میں محسوس کرتا رہا۔ لیکن جب خدا پر بھروسہ کیا تو دل میں روشنی سی محسوس ہوئی جس کی وجہ سے بالکل اطمینان ہو گیا اور اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ پر ایمان لے آیا۔

آپ نے فرمایا کہ جب تک تو صادق (امام جعفر صادق رضؓ) کو پکارتا رہا تو کاذب تھا۔ اب تو اپنے دل کی حفاظت کر۔ اور فرمایا کہ وہ شخص جو کہے کہ خدا کس چیز پر ہے، یا کس چیز سے ہے۔ وہ کافر ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ جس گناہ کا آغاز خوف اور انجام عذر ہو۔ اس گناہ کی بدولت انسان خدا تعالیٰ سے زیادہ نزدیک ہو جاتا ہے۔ لیکن جس عبادت کا آغاز امن اور انجام خود پسندی ہو، بندہ اس اطاعت کی بدولت خدا سے دور ہو جاتا ہے خود پسند اطاعت گذار گنہگار ہے۔

Marfat.com

ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ درویش صابر فاضل تر ہے یا شکر گذار دولت مند ؟

آپ نے فرمایا صبر کرنے والا درویش افضل تر ہے کیونکہ اس کا دل خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور شکر گذار دولت مند کا دل اپنی دولت کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اور فرمایا کہ عبادت بغیر توبہ کے فضول ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت پر توبہ کو مقدم کیا ہے ۔ جیسا کہ قرآن میں وارد ہُوا ہے ، التائبون العابدون اور فرمایا خدا کو یاد کرنے کے وقت خدا کے سوا اور سب کچھ بھول جانا اصلی ذکر خدا ہے کیونکہ ہر چیز کا عوض اللہ تعالیٰ کی ذات ہو سکتی ہے اور پھر آیت کریم وَیَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کا مطلب بیان فرماتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ بغیر واسطے اور وسیلے کے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے ۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عطاء محض ہے اور پھر فرمایا مومن وہ شخص ہوتا ہے جو نفس کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے ۔ اور عارف وہ ہے جو اپنے خداوند کریم کے پاس کھڑا ہو ۔ اور فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کے ساتھ خدا تعالےٰ کے لیے مجاہدہ کرتا ہے ۔ وہ خداوند کریم تک پہنچ جاتا ہے ۔

فرمایا کہ آدمی کی نیک بختی میں سے یہ بھی ایک نیک بختی ہے کہ اس کا دشمن دانا ہو ۔

فرمایا کہ پانچ آدمیوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیئے :

اوّل : جھوٹا ، کیونکہ اس کی صحبت سے غرور پیدا ہوگا ۔

دوسرے : احمق ، کیونکہ جس قدر وہ بھلائی کرے گا اسی قدر نقصان پہنچے گا ۔

تیسرے : بخیل ، جس کی صحبت میں اچھا وقت ضائع ہوگا ۔

چوتھے : بُزدل ، جو ضرورت کے وقت پیٹھ دکھا جاتا ہے ۔

پانچویں : فاسق کی صحبت کیونکہ وہ ایک لقمہ کے عوض تجھ کو بیچ دے گا ۔ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی بھی طمع کرے گا ۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت دوزخ کو دنیا ہی میں بنا دیا ہے ۔ بہشت عافیت ہے اور مصیبت دوزخ ۔

Marfat.com

حضرت جُنید بغدادیؒ

آپ قطب وقت، منبع اسرار، مرقع انوار، سلطانِ طریقت، بادشاہِ حقیقت تھے۔ انواع علوم وفنون میں کامل دستگاہ اور معاملات وریاضات میں مفتی کامل تھے۔ کلمات لطیف اور اشارات عالی میں سب پر سبقت رکھتے تھے۔ تمام فرقوں میں مقبول تھے۔ سب کا آپ کی امامت پر اتفاق ہے۔ سیّد الطائفہ آپ کا لقب اور مقتدائے اہلِ تصوّف ہیں۔ طریقت اور حقیقت میں انتہا پر پہنچے ہوئے تھے۔ عشق وزہد میں بے نظیر تھے اور مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے تمام مشائخ کے مرجع تھے۔ آپ کی تصانیف بے شمار ہیں علم اشارات سب سے پہلے آپ ہی نے پھیلایا۔ اگرچہ بار بار دشمنوں اور حاسد لوگوں نے آپ پر کفر اور زندقہ کا فتویٰ لگایا۔ سرّی سقطیؒ کے خواہرزادہ اور مرید تھے۔ آپ کا درجہ اپنے مرشد سے بھی بڑھ کر تھا جس کا اعتراف خود سرّی سقطیؒ نے بارہا فرمایا۔ ہمہ تن درد وعشق تھے۔

فرماتے ہیں: "جب تک ایک ہاتھ سے قرآن اور دوسرے سے سنّتِ رسولؐ نہ پکڑلو۔ اس راستہ پر نہ چلو تاکہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرو اور نہ بدعت کی تاریکی میں مبتلا ہوسکو۔"

فرماتے ہیں کہ "قیل وقال اور جنگ وپیکار سے یہ درجہ مجھ کو نہیں ملا۔ بلکہ بھوک، پیاس، نیند اور ترکِ دنیا سے ملا ہے۔"

ایک دفعہ آپ کی آنکھ میں شکایت پیدا ہوئی۔ ایک آتش پرست طبیب نے کہا۔

"اگر آنکھ کی صحت درکار ہے تو آنکھ پر پانی نہ ڈالو۔"

آپ نے کہا۔ "وضو کیسے کروں؟"

طبیب نے پھر وہی کہا اور چلا گیا۔ جب نماز کا وقت آیا تو آپ نے وضو کیا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو آنکھ اچھی ہوگئی تھی۔ اسی وقت آواز آئی "جنیدؒ تم نے میری رضا کے لیے آنکھ کا نقصان گوارا کیا۔ اگر اس کے اجر میں تمام اہلِ دوزخ کی بخشش چاہتے ہو تو ہم تیار ہیں۔" جب دوسری دفعہ طبیب آیا تو آنکھ کو درست پایا۔ دیکھ کر قصّہ پوچھا۔ آپ نے سب کچھ بیان کردیا۔ وہ طبیب اسی وقت مسلمان ہوگیا اور کہا:

"یہاں انسان کا کیا کام۔ یہ خالق کا علاج ہے۔"

ایک شخص ایک دفعہ پانچسو دینار لے کر آیا۔ پوچھا:

"اس کے سوا تیرے پاس کچھ اور بھی ہے؟"

کہا "بہت ہے۔"

Marfat.com

فرمایا:"کچھ اور بھی چاہتا ہے؟"

کہا:"ہاں، کیوں نہیں؟"

فرمایا:"پھر یہ اُٹھا لے۔ اس کا مستحق تو ہی ہے کیونکہ میں باوجود کچھ بھی نہ رکھنے کے کچھ نہیں چاہتا۔"

فرماتے ہیں: اخلاص میں نے ایک حجّام سے سیکھا۔ مکّہ میں ایک حجّام کسی شخص کے بال درست کر رہا تھا۔ میں نے کہا:

"خدا کی راہ پر میرے بال بھی درست کر دو۔"

حجام نے اس آدمی سے جس کی وہ حجامت بنا رہا تھا کہا:

"تم ذرا علیحدہ ہو جاؤ۔ جب خدا کا نام آ گیا تو پھر سب سے پہلے اسی کا کام کرنا چاہیئے۔"

پھر مجھے بٹھا کر پہلے میرے سر کو بوسہ دیا۔ پھر حجامت بنا کے ایک کاغذ دیا جس میں چاندی کے ٹکڑے تھے اور کہا:

"اسے اپنی حاجتوں پر صرف کرو۔"

میں نے اس دن سے عہد کر لیا کہ اوّل فتوح جو مجھ کو ہو گی تو اس کے ساتھ سلوک کرونگا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد بصرہ سے اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے پاس آئی۔ میں اس کو حجّام کے پاس لے گیا۔ اس نے پوچھا:

"یہ کیا ہے؟"

میں نے اپنی نیّت اور عہد کرنے کا ذکر کیا۔ اس نے کہا۔

"مردِ خدا تم کو شرم نہیں آتی۔ خدا کے نام پر کام کرنے کے عوض مجھ کو دیتے ہو۔"

ایک رات آپ کے گھر ایک چور آیا، مگر ایک کرتے کے سوا کچھ نہ ملا۔ دوسرے دن آپ نے اپنا کرتہ بازار میں بکتے دیکھا۔ خریدار کہہ رہا تھا:۔

"اگر کوئی گواہی دے یہ کرتہ تیرا ہی ہے تو میں خرید لوں گا۔"

آپ نے کہا:"میں گواہی دیتا ہوں یہ کرتہ اسی کا ہے"۔ تب اس شخص نے خرید لیا۔

ایک مرید پر آپ ہمیشہ زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ دوسرے مریدوں نے شکایت کی تو فرمایا:

"تمھاری نسبت اس کی فہم و فراست زیادہ ہے۔"

امتحان کے طور پر آپ نے سب مریدوں کو ایک ایک جانور اور چھری دے کر فرمایا:

"ایسی جگہ جا کر ذبح کرو جہاں کوئی نہ دیکھے۔"

سب مرید ذبح کر کے لے آئے مگر وہ مرید جانور کو زندہ واپس لے آیا۔ پوچھا:

"تم نے کیوں ذبح نہ کیا؟"

عرض کیا:"جہاں جاتا ہوں خدا حاضر و ناظر ہے۔"

Marfat.com

یہ سُن کر آپ نے دوسرے مریدوں کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"اس کی فراست دیکھ لی۔"

یہ سُن کر سب نے توبہ کی۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک سیّد نے حج کا ارادہ کیا۔ جب بغداد پہنچا تو آپ کی زیارت کے لیے آیا۔ آپ نے پوچھا:

"تم کون ہو؟ کس کی اولاد ہو؟ اور کہاں کے رہنے والے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "سیّد ہوں، گیلان کا رہنے والا ہوں۔"

آپ نے فرمایا: تمھارے دادا یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہٗ دو تلواریں چلایا کرتے تھے۔ ایک کافروں پر اور دوسری اپنے نفس پر۔ تم ان کی اولاد ہو کون سی تلوار چلاتے ہو۔"

یہ سُن کر وہ بے تاب ہو کر گر پڑا اور رو کر کہنے لگا:۔

"میرا حج یہیں ہو گیا۔ مجھ کو خدا کی راہ بتائیے۔"

آپ نے فرمایا: "تمھارا سینہ خدا تعالیٰ کا حرم خاص ہے اس میں اس کے غیر کو جگہ نہ دو۔"

فرماتے ہیں: عالم لوگوں کا علم "حرفوں میں ہے۔ تصحیح مِلّت اور تجرید خدمت۔"

فرماتے ہیں: "جس کی زندگی نفس سے ہے اس کی موت جان نکلنے سے ہوتی ہے مگر جس کی زندگی خدا تعالیٰ سے ہے وہ طبعی زندگی سے اصلی زندگی کی طرف انتقال کرتا ہے۔

فرماتے ہیں۔ جو آنکھ حق تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کو نہ دیکھے اس کا اندھا ہونا بہتر ہے اور جو زبان ذکرِ حق میں مصروف نہ ہو اس کا گونگا ہونا اچھا ہے اور جو کان حق بات نہ سنے اس کا بہرہ ہونا اچھا ہے اور جو بدن اس کی خدمت نہ کرے اس کا مر جانا بہتر ہے۔

فرماتے ہیں" جس شخص نے اپنے عمل پر اعتبار کیا اس کا پاؤں ڈگمگا جاتا ہے جس نے اپنے مال پر بھروسہ کیا وہ نقصان میں پڑا جس نے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کیا وہ عزّت اور بزرگی والا بن گیا۔

لوگوں نے سوال کیا "مراقبہ اور حیا میں کیا فرق ہے؟"

فرمایا: مراقبہ غائب کا انتظار ہے اور حیا حاضر سے ندامت کا نام ہے۔"

فرماتے ہیں" عبودیت کی دو خصلتیں ہیں۔

۱۔ ظاہر و باطن میں ہر طرح خدا کی رضا پر راضی رہنا۔

۲۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پوری محبّت کے ساتھ اقتدا کرنا۔

فرماتے ہیں" فتوت یہ ہے کہ درویشوں کا امتحان نہ لیا جائے اور امیروں سے جھگڑا نہ کیا جائے۔"

"جوانمردی یہ ہے کہ اپنا بوجھ دوسرے پر نہ رکھو اور جو کچھ پاس ہو اس کو خرچ کر دو۔"

Marfat.com

تواضع یہ ہے کہ دونوں جہاں والوں پر تکبّر نہ کرو اور حق تعالیٰ پر مطمئن رہ کر سب سے مستغنی ہو جاؤ۔

فرماتے ہیں خلق چار چیزوں کا نام ہے:

۱۔ سخاوت۔

۲۔ الفت۔

۳۔ نصیحت

۴۔ شفقت۔"

فرماتے ہیں: "نیک عادت فاسق کی صحبت بدخو عالم کی صحبت سے اچھی ہے۔"

فرماتے ہیں: "روزہ نصف طریقت ہے۔"

Marfat.com

حضرت حمدون قصّارؒ

آپ اکابر مشائخ میں سے تھے۔ ورع اور تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ فقہ و حدیث میں بھی بے مثال تھے۔ مجاہدۂ نفس میں کامل تھے۔ آپ کا کلام دلوں پر اثر کرتا تھا۔ سفیان ثوریؒ کے مذہب پر تھے۔ ابو ترابؒ کے مرید اور عبداللہ مبارکؒ کے مرشد تھے۔ تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ اپنے دوست کی نزع کے وقت حاضر تھے۔ وفات کے بعد فوراً چراغ گل کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا:۔

"یہ کیوں؟"

فرمایا: "جب تک دوست زندہ تھا۔ اس کا مال تھا۔ مگر اب یہ تیل اور چراغ یتیموں کا مال ہے۔"

فرماتے ہیں: "جس میں کوئی نیک خصلت دیکھو۔ اس سے جدا نہ ہو۔"

فرماتے ہیں۔" عالموں کی محبت۔ جاہلوں کی برداشت اور صوفیوں کی صحبت رکھو۔"

فرماتے ہیں۔" میں سخی کے سوا کسی کو نیک خو اور بخیل کے سوا کسی کو بد خو نہیں سمجھتا۔"

عبداللہ مبارکؒ نے آپ سے وصیّت چاہی تو فرمایا: "جہاں تک ممکن ہو، دنیا کے لیے کبھی غصّہ نہ کرو۔"

آپ سے دریافت کیا گیا:۔

"بندہ کون ہے؟"

فرمایا: "جو حق کی پرستش اس خیال سے نہ کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار سمجھیں۔"

Marfat.com

حضرت حاتم اصم رح

آپ زاہدِ زمانہ اور بزرگانِ یگانہ میں سے تھے۔ آپ شیخ خضرویہ کے مرشد اور شفیق کے مرید تھے حضرت جنید رح بغدادی فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم اصم رح ہمارے زمانے کے صدیق ہیں۔ اصمّ یعنی بہرہ آپ کا لقب تھا۔ حقیقت میں آپ کانوں سے بہرے نہ تھے۔ لیکن ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک عورت آپ کے پاس ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئی۔ اتفاق سے عورت کی ریح زوردار آواز میں نکل گئی جس سے وہ شرمندہ ہو گئی۔ عورت کی شرمندگی دیکھ کر آپ نے فرمایا:

"اونچی آواز سے کہو، میں نے کچھ نہیں سُنا تم نے کیا پوچھا ہے؟ کیونکہ میں کانوں سے بہرہ ہوں۔"

یہ سن کر عورت کی شرمندگی جاتی رہی اور اس کی ندامت مٹانے کے لیے آپ اس وقت تک بہرے بنے رہے جب تک وہ عورت زندہ رہی۔

فرماتے ہیں: "ہر روز صبح کو ابلیس مجھے وسوسہ میں ڈالتا ہے پوچھتا ہے:

"کیا کھاؤ گے؟"

میں کہتا ہوں "موت!"

پھر پوچھتا ہے: "کیا پہنو گے؟"

جواب دیتا ہوں: "کفن!"

پھر سوال کرتا ہے: "کہاں رہو گے؟"

میں کہتا ہوں: "قبر میں۔"

پھر وہ یہ کہہ کر "تم بہت بُرے شخص ہو۔" مجھ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

آپ نے بیوی سے فرمایا: "میں جہاد پر جاتا ہوں۔ چار مہینے کے لیے کس قدر خرچ درکار ہو گا؟"

بیوی نے کہا: "جس قدر میری زندگی ہے۔"

فرمایا: "تمھاری زندگی میرے ہاتھ میں نہیں۔"

بیوی نے کہا: "پھر میری روزی بھی تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے۔"

چنانچہ آپ جہاد پر چلے گئے۔ آپ کی عدم موجودگی میں ایک بڑھیا نے آپ کی بیوی سے پوچھا:

"حاتم تمھارے لیے کس قدر روزی چھوڑ گیا ہے؟"

Marfat.com

وہ بولیں: "وہ روزی کھانے والا تھا، چلا گیا۔ روزی دینے والا نہیں تھا، روزی دینے والا تو کہیں نہیں گیا۔"

ایک شخص سفر پر جا رہا تھا، اس نے آپ سے وصیت چاہی۔ فرمایا:

"اگر دوست مطلوب ہے تو خدا تیرے لیے کافی ہے۔ اگر ہمراہی چاہتا ہے تو کراماً کاتبین تیرے ہمراہ ہیں۔ اگر عبرت درکار ہے تو دنیا بہت ہے۔ مونس چاہتا ہے تو قرآن کافی ہے۔ اگر کام درکار ہے تو عبادت کر۔ واعظ درکار ہے تو موت سے بڑھ کر کوئی اور واعظ نہیں۔ اگر یہ باتیں کافی نہیں پھر دوزخ بہت کافی ہے۔"

ایک شخص نے دریافت کیا: "آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں؟"

فرمایا: جب نماز کا وقت آتا ہے تو پانی سے ظاہر کا وضو اور توبہ سے باطن کا وضو کرتا ہوں۔ پھر مسجد میں جا کر مسجد الحرام کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ اور مقام ابراہیم کو دونوں ابرؤں کے درمیان تصوّر کرتا ہوں۔ بہشت کو دائیں ہاتھ اور دوزخ کو بائیں ہاتھ دیکھتا ہوں۔ پل صراط کو زیر قدم سمجھتا ہوں۔ ملک الموت کو پُشت پر۔ پھر دل خدا کے سپرد کر کے تعظیم کے ساتھ تکبیر، حرمت سے قیام ہیبت سے قرأت۔ تواضع سے رکوع، تضرّع سے سجدہ، حکم سے قعود اور شکر سے سلام کرتا ہوں۔"

فرماتے ہیں: "اگر اس زمانہ کے عالموں اور زاہدوں کے غرور کا وزن کیا جائے تو امراء اور بادشاہوں کے تکبّر سے بہت زیادہ ہوگا۔"

فرماتے ہیں: تین وقت نفس کی حفاظت کرو:۔ (۱) کام کے وقت اس بات کی کہ خدا تم کو دیکھتا ہے۔ (۲) بات کرو تو سمجھو کہ خدا سنتا ہے۔ (۳) خاموش رہو تو یاد رکھو خدا جانتا ہے۔"

فرماتے ہیں: "جہاد تین ہیں۔ ۱۔ پوشیدہ جہاد شیطان سے مرتے وقت تک جاری رکھو۔ (۲) جہاد اعلانیہ ادائے فرائض کا ہے آخر وقت تک ادائے فرض کرو۔ (۳) دشمن دین سے یہاں تک لڑو کہ یا خود مر جاؤ یا دشمنِ خدا و رسول کو نیست و نابود کر دو۔"

نقل ہے آپ کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

"لینے میں اس کی عزّت اور اپنی ذلّت سمجھتا ہوں اور نہ لینے میں اپنی عزت اور اس کی ذلّت تصوّر کرتا ہوں۔"

Marfat.com

حضرت حارث محاسبیؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار تھے۔ انواع علوم میں آپ کی بہت سی تصانیف موجود ہیں عالی ہمت، حب اور رضا مروت تھے۔ فراست و سخاوت میں بے نظیر تھے اور اپنے وقت کے شیخ المشائخین تھے اور مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی پیدائش خواجہ حسن بصریؒ کے زمانے میں ہوئی۔ وفات بغداد میں ہوئی۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن حارث محاسبیؒ میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے ان کو قیافہ سے بھوکا سمجھ کر عرض کیا:۔

"کھانا لاؤں؟"

فرمایا۔"بہتر لے آؤ۔"

میں کھانا لینے گیا۔ رات کسی کے ہاں سے کچھ آیا تھا۔ وہ لاکر ان کے سامنے رکھ دیا۔ لیکن کھانے کے وقت ہاتھ نے ان کی متابعت نہ کی اور اُٹھ کر چلے گئے۔ میں نے پوچھا تو فرمایا:

"میں بھوکا تھا لیکن نہ کھا سکا۔ کیونکہ وہ کھانا مشتبہ تھا۔ وہ کہاں سے آیا تھا؟"

نفس کا محاسبہ کرنے میں نہایت مبالغہ کیا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کو محاسبی کہتے ہیں۔

فرماتے ہیں"قسم ہرگز نہ کھاؤ۔ خواہ سچ ہو یا جھوٹ۔ جھوٹ سے قطعی پرہیز کرو۔ اگر وعدہ وفا کرسکتے ہو تو وعدہ کے خلاف نہ کرو۔ اور جہاں تک ہوسکے کوئی وعدہ ہی نہ کرو۔ کسی پر لعنت نہ بھیجو، خواہ ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ کسی قسم کی بُری دعا نہ مانگو۔ بدلہ نہ چاہو۔ بلکہ خدا کے لیے برداشت کرو۔ کسی کی گواہی سچّی ہو یا جھوٹی نہ دو۔ ظاہر و باطن میں کسی قسم کے گناہ کا ارادہ نہ کرو۔ اپنے اعضا کو گناہ سے دُور رکھو۔ کسی کو تکلیف نہ دو۔ اپنا سارا بوجھ خود اُٹھاؤ۔ دنیا کے لوگوں سے کسی قسم کی طمع نہ رکھو اور سب سے نااُمید ہوجاؤ۔ عزّت و بلندی کی تلاش کرو۔ ہر انسان کو بلکہ ہر مخلوق شئے کو اپنے آپ سے بہتر جانو۔

فرماتے ہیں"تین چیزیں اگر مل جائیں تو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے:۔

۱۔ باوفا دوست۔ ۲۔ باوفا امانت۔ ۳۔ باوفا شفقت۔

Marfat.com

حضرت داؤد طائی

اکابر مشائخین میں سے تھے۔ ورع میں آپ درجہ کمال کا رکھتے تھے اور ہر قسم کے علوم میں بہرہ کامل حاصل تھا۔ بیس سال کی عمر میں حضرت امام ابوحنیفہ رح کی شاگردی کی۔ فضیل رح اور ابراہیم ادھم رح کو آپ نے دیکھا تھا۔ ابتدائے عمر سے خوفِ خدا غالب تھا۔ ہمیشہ اہلِ دنیا سے بھاگتے تھے۔ آپ کی توبہ کا قصّہ یوں ہے کہ ایک دفعہ ایک نوحہ گر کی زبان سے ایک شعر سُنا جس کا مطلب یہ ہے:۔

"وہ کونسا چہرہ ہے جو خاک میں نہیں ملا اور کونسی آنکھ ہے جو زمین میں دفن نہیں ہوئی"۔

یہ سننے ہی آپ کے دل میں ایک خاص خوف اور درد پیدا ہوا اور بے قراری غالب ہوگئی۔

آپ کا گھر بہت وسیع تھا۔ جب ایک کوٹھڑی خراب ہوجاتی تو دوسری میں قیام کرتے۔ لوگوں نے پوچھا:

"گھر کی مرمّت کیوں نہیں کرانے؟"

فرمایا: خدا سے عہد کرچکا ہوں کہ دنیا کو نہیں بناؤں گا۔" اسی طرح سے سارا مکان گر گیا۔ صرف دہلیز باقی تھی۔ وفات کے وقت وہ دہلیز بھی گر گئی۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کے پاس جاکر کہا:

"آپ کے مکان کی چھت ٹوٹ گئی ہے، گر پڑے گی"۔

فرمایا: "تیس سال ہوئے میں نے چھت کو نہیں دیکھا"۔

پھر آپ سے پوچھا گیا: "خلقت سے کیوں نہیں ملتے؟"

فرمایا: "اگر اپنے آپ سے فراغت ہو تو دوسرے کے پاس بیٹھوں"۔

ایک دفعہ آپ کی والدہ نے دیکھا کہ آپ دھوپ میں بیٹھے ہیں اور پسینہ بہ رہا ہے۔ والدہ نے کہا۔

"گرمی زیادہ ہے، تم روزہ رکھتے ہو۔ اگر سایہ میں بیٹھو تو کیا ہرج ہے؟"

فرمایا: "مجھ کو خدا سے شرم آتی ہے کہ اپنے نفس کی خاطر آرام اُٹھاؤں"۔

کسی شخص نے آپ سے وصیّت چاہی تو فرمایا: "دنیا سے روزہ رکھو اور آخرت سے افطار کرو۔ موت کو عید سمجھو اور آدمیوں سے اس طرح بھاگو جیسے درندوں سے ڈر کر بھاگتے ہیں"۔

فضیل بن عیاض نے دو دفعہ آپ کو دیکھا۔ اور فخر کیا کرتے تھے کہ میں نے داؤد طائی کی زیارت کی ہے۔ حضرت معروف کرخی رح

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ داؤد طائیؒ سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہ دیکھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں، ایک حجام نے آپ کی حجامت بنائی، تو اس کو ایک دینار دیا۔ لوگوں نے کہا:

"آپ نے اسراف سے کام لیا"

فرمایا: "جس میں مروّت نہیں، اس کی عبادت بھی نہیں"۔

امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ آپ کے زمانہ میں تھے۔ اگر ان دونوں میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہوتا تو وہ آپ کو حکم یعنی منصف مقرر فرماتے اور جب وہ دونوں عالم آپ کے پاس آتے تو ابو یوسفؒ کی طرف پُشت کرکے اور محمدؒ کی طرف منہ کرکے بات کرتے۔ اگر امام محمد کا قول درست ہوتا تو فرماتے کہ حقیقت یہ ہے جو امام محمدؒ فرماتے ہیں۔ اگر امام ابو یوسف کا قول درست ہوتا تو فرماتے کہ اصل مسئلہ یوں ہے جیسے یہ کہتے ہیں۔ یعنی امام ابو یوسف کا نام نہ لیتے۔ لوگوں نے پوچھا:

"دونوں عالم اور بزرگ ہیں۔ مگر ابو یوسفؒ کی طرف آپ پشت کیوں کر لیتے ہیں اور ان کا نام کیوں نہیں لیتے"؟

فرمایا: امام محمدؒ نے نعمت کی حالت میں علم حاصل کیا، اور ابو یوسفؒ نے مسکنت میں علم حاصل کیا۔ امام محمدؒ نے علم کو دین کی عزّت کا سبب سمجھا اور ابو یوسف نے دنیا کی عزّت کا سبب سمجھا۔ کیونکہ جب ابو حنیفہؒ کے سامنے منصب قضا پیش کیا گیا تو باوجود تازیانے کے انھوں نے اس منصب کو قبول نہ کیا۔ لیکن ابو یوسفؒ نے قبول کر لیا۔ جو شخص اپنے استاد کے طریقہ کے خلاف عمل کرتا ہے ہم اس سے بات نہیں کرتے ہیں"۔

آپ کی والدہ فرماتی ہیں: وفات کی شب داؤد ساری رات نماز میں مشغول رہا۔ آخر ایک دفعہ سجدے میں گیا تو مدت تک سر نہ اُٹھایا حتیٰ کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ میں نے کہا: "بیٹا نماز کا وقت ہو گیا ہے"۔ مگر جواب نہ ملا۔ جب پاس جا کر دیکھا تو وفات ہو چکی تھی۔

ایک شخص نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اس کو فرمایا کہ میں زندان سے رہائی کر چکا ہوں۔ آپ کی وفات کے بعد غیب سے آواز آئی کہ داؤد طائی اپنے مقصد کو پہنچ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہُوا۔

Marfat.com

حضرت ذُوالنّون مصریؒ

آپ کی ذات بابرکات پیشوائے اہلِ ہدایت تھی۔ درویش کامل اور ریاضات و کرامات کے عامل تھے۔ اہلِ مصر آپ کو زندیق کے لقب سے پکارتے تھے۔ مگر بعض لوگ آپ کی کرامات پر متحیر بھی ہُوا کرتے تھے۔ چونکہ آپ نے اپنے آپ کو خلقت سے پوشیدہ رکھنے میں سعئ بلیغ سے کام لیا۔ اس لیے جب تک زندہ رہے لوگ آپ کے منکر رہے اور جب تک وفات نہ پا گئے، کوئی شخص آپ کے حالات سے واقف نہ ہوسکا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک لوگوں کو دعوتِ حق دی۔ مگر اس عرصہ میں بس ایک شخص جیسا کہ چاہیئے ملا۔ وہ ایک شہزادہ تھا۔ جو شان و شوکت کے ساتھ میری مسجد کے نزدیک سے گذرا۔ میں اس وقت یہ کہہ رہا تھا کہ اس کمزور آدمی سے بڑھ کر اور کوئی شخص احمق نہیں ہے جو ایک طاقتور کے ساتھ لڑتا ہے۔ یہ بات سنکر شہزادہ مسجد کے اندر آ گیا اور پوچھنے لگا۔

"اس کا مطلب کیا ہے؟"

میں نے کہا: "انسان محض ایک کمزور ہستی ہے، جو خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ برسرِ جنگ ہے۔"

ان الفاظ کے سنتے ہی شہزادے کا رنگ فق ہوگیا اور مسجد سے نکل کر چلا گیا۔ دوسرے دن وہ پھر آیا اور مجھ سے خدا کا راستہ پوچھا۔

میں نے کہا: "ایک راستہ لمبا ہے اور ایک چھوٹا۔ اگر چھوٹے راستے سے جانا چاہتے ہو تو دنیا ترک کردو۔ گناہ چھوڑ دو۔ اور خواہشات نفسانی کو ترک کردو۔ اگر لمبے راستے سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہو تو سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے اور سب کچھ ترک کردو۔"

شہزادے نے کہا: "لمبا اور طویل راستہ اختیار کرتا ہوں۔"

دوسرے دن وہ پشمینہ پہن کر آیا اور ریاضت میں مشغول ہوگیا اور آخرکار ابدال کے مرتبے کو پہنچا۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ میں مقروض ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں کہ میں قرض ادا کرسکوں۔ آپ نے ایک پتھر اُٹھا کر اس کو دے دیا جس کو وہ آدمی بازار میں لے گیا۔ قدرتِ الٰہی سے وہ پتھر زمرّد بن گیا تھا جس کو چار سو درم کے عوض اس نے فروخت کرکے اپنا قرض ادا کیا۔

روایت ہے کہ ایک نوجوان کو جو صوفیائے کرام کا منکر تھا۔ آپ نے ایک انگشتری دی اور فرمایا اسے ایک دینار کے عوض گرو رکھ کر کچھ کھانے پینے کو لے آ۔ نانبائی نے کہا: "صرف ایک درم کے عوض اس کو رکھ سکتا ہوں۔" نوجوان انگوٹھی واپس آپ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے اس سے کہا: "اب تم یہ انگوٹھی کسی صراف کے پاس لے جا کر اس کی قیمت دریافت کرو۔ صراف نے اس کی قیمت ایک ہزار دینار بتائی۔ وہ نوجوان تعجب کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا۔

آپ نے فرمایا: "صوفیائے عظام کے متعلق تیرا علم صرف نانبائی جتنا ہے۔"

Marfat.com

جب آپ کا مرتبہ درگاہِ الٰہی میں بڑھ گیا، تو کوئی شخص آپ کی طرف توجہ بھی نہ کرتا تھا۔ مصری لوگ آپ کو زندیق کہنے لگے اور سب نے متفق ہو کر خلیفۂ وقت متوکل عبّاس کو حالات سے مطلع کیا۔ خلیفہ نے آپ کو پابہ زنجیر دربارِ خلافت میں بلوایا۔ راہ میں ایک عورت نے آپ کو دیکھا اور کہا۔ "خبردار اس مردِ خلیفہ سے ہرگز نہ ڈرنا۔ وہ بھی تمھاری طرح کا ایک بندہ ہے جب تک خدا کی طرف سے حکم نہ ہو کوئی بندہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

جب خلیفہ کے سامنے پہنچے تو اس نے آپ کو زندان میں بھیج دیا۔ چالیس دن تک آپ قید رہے۔ اس اثناء میں حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ آپ کو ہر روز ایک روٹی کھانے کے لیے پہنچا دیتیں۔ جب آپ کو زندان سے نکالا گیا تو وہ چالیس روٹیاں بدستور پڑی تھیں۔ ہمشیرہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"آپ جانتے تھے کہ یہ روٹی حلال کمائی کی ہے، پھر بھی آپ نے نہیں کھائی؟"

آپ نے فرمایا: ان روٹیوں میں داروغۂ جیل کا ہاتھ لگ جایا کرتا تھا، اس لیے ان کی طبیعت پاک نہ رہتی تھی۔"

قید خانے سے باہر آنے کے بعد کمزوری کی وجہ سے آپ گر پڑے اور پیشانی پر زخم آیا اور خون بہنے لگا۔ پھر آپ کو خلیفہ کے سامنے لایا گیا۔ خلیفہ کے سوالات کا جواب آپ نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دیا۔ تمام حاضرین رونے لگے۔ آخر خلیفہ نے معذرت کی اور نہایت عزّت و احترام کے ساتھ واپس مصر بھیج دیا۔

جب آپ نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تو کہتے "اے الٰہی میں کن قدموں سے تیری درگاہ میں حاضر ہوں اور کن آنکھوں سے تیرے کعبہ کو دیکھوں اور کس زبان سے تیرا راز کہوں اور کس نعمت سے تیرا نام لوں۔ جب کہ محض بے مائیگی کا سرمایہ لے کر تیری درگاہ میں حاضر ہوا ہوں"۔

آپ کے اقوال بے شمار ہیں۔

فرماتے ہیں: "وہ ذاتِ اقدس پاک و برتر ہے جس نے حجابِ آخرت میں اپنے عارفوں کو چھپا لیا اور اصحابِ آخرت کو حجابِ دنیا سے پردہ پوش کیا۔

فرماتے ہیں: "بدترین حجاب نفس پسندی کا ہے۔"

فرماتے ہیں: "جو معدہ کھانے سے بھرا ہوا ہے اس میں حکمت نہیں آسکتی۔"

فرماتے ہیں: "صحت تھوڑا کھانے میں ہے اور روح کی صحت تھوڑے گناہ کرنے میں۔"

فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص بلا میں مبتلا ہو اور صبر کرے تو تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بلا میں مبتلا ہو اور راضی ہو۔"

فرماتے ہیں: "جب تک آدمی اللہ تعالےٰ سے ڈریں گے کام کے رہیں گے۔ اور جب خوفِ خدا ان کے دل سے جاتا رہے گا۔ گمراہ ہو جائیں گے۔"

فرماتے ہیں: "راہِ راست پر وہ شخص ہے جو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہے جب خوف دل سے نکل جائے۔ گمراہ ہوگا۔"

Marfat.com

فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اخلاق، افعال، بجاآوری، امرونہی اور سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہر طرح حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ کا تابع ہو۔"

فرماتے ہیں: "کہ صحبت نہ رکھ، مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت میں خلق کے ساتھ نصیحت لینے میں۔ نفس کے ساتھ مخالفت میں۔ دشمن کے ساتھ عداوت میں۔"

فرماتے ہیں: "کہ میں نے اس طبیب سے زیادہ جاہل کسی طبیب کو نہیں دیکھا جو مستوں کا علاج ان کی مستی کے وقت کرتا ہے۔"

فرماتے ہیں: "کہ صوفی وہ ہے کہ جب وہ باتیں کرے، تو اس کی گفتگو اس حال کے مطابق ہو اور کوئی ایسی بات نہ کرے۔ جو خود اس میں نہ ہو۔ اور خاموشی کی حالت میں اس کا معاملہ اس کے حال سے تعبیر ہو۔ تمام علائق دنیوی کے قطع کرنے میں اس کا حال ناطق ہو۔"

فرماتے ہیں: "عارفِ الٰہی کا ہر گھڑی خوف زیادہ بڑھتا رہتا ہے۔ کیونکہ ہر گھڑی وہ زیادہ نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اور عارف وہ ہے جو مخلوق میں رہ کر مخلوق سے جُدا رہتا ہے۔"

فرماتے ہیں: "عارف کو خائف ہونا چاہیئے نہ کہ واصف۔ واصف کو عارف نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ عارف وہی ہوتا ہے جو خوف کھاتا ہے۔ اور عارف کے لیے ایک حالت لازم نہیں ہوتی۔ ہر گھڑی عالم غیب سے اس پر نئی حالت طاری ہوتی رہتی ہے۔ تاکہ وہ صاحبِ حالات رہ سکے۔"

فرماتے ہیں: "معرفت تین قسم کی ہے۔

اوّل: معرفت توحید کی جو عام مومنین کو حاصل ہے۔

دوسری: معرفت صحبت و بیان کی۔ جو کہ حکماء اور علماء کے لیے مخصوص ہے۔

تیسری معرفت صفات وحدانیت کی۔ جو کہ صرف اولیاء اللہ کو حاصل ہے، جو دیدۂ باطن سے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسرار ان کو نظر آتے ہیں۔"

فرماتے ہیں: "ہرگز ہرگز معرفت کا مدعی نہ بننا، ورنہ جھوٹے قرار دیئے جاؤ گے۔"

لوگوں نے پوچھا، عارف کے کیا صفات ہوتے ہیں۔

فرمایا: "عارف بغیر علم، چشم، مشاہدہ، کشف اور حجاب وغیرہ کے دیکھتا ہے۔ کیونکہ وہ قریب رہتا ہے۔ بلکہ ذاتِ حق تعالےٰ میں واصل ہو جاتا ہے۔ اس کی گردش اللہ تعالےٰ کی گردش۔ اس کی باتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں۔ اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی نظر ہوتی ہے حضور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندے کو اپنا دوست بناتا ہوں، تو میں اس کے کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ بن جاتا ہوں۔ تاکہ وہ مجھ سے سنے، دیکھے، بولے اور چلے، پھرے۔ فرمایا کہ زاہد لوگ آخرت کے بادشاہ ہیں۔ مگر عارف لوگ زاہدوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی محبت کی نشانی یہ ہے کہ ہر وہ چیز ترک کردی

Marfat.com

جائے، جو حق تعالیٰ سے ذرّہ بھر بھی روکتی ہو۔ یہاں تک کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات رہ جائے۔ اور اسی کا ذکر و شغل جاری و ساری ہو۔"

فرماتے ہیں "کہ توکل کے معنی بہت سے خداؤں کی اطاعت سے نکل کر ایک خدا کی اطاعت میں آجانے کے ہیں اور تمام وسائل کو ترک کر کے حق تعالیٰ کی عبادت میں شاغل ہو جانے کا نام توکّل ہے اور اپنے آپ کو اس کا بندہ حقیقی معنوں میں سمجھنا اوّل توکّل ہے۔

فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنے والوں کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اگر ان کو آگ میں بھی ڈال دیا جائے تو اُن لوگوں کی ہمت میں ذرہ بھر کمی نہ ہو۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے مونس ہیں۔"

لوگوں نے دریافت کیا" کہ دنیا کیا ہے؟"

فرمایا: "جو چیز حق تعالیٰ سے غافل کر دے، وہ دنیا ہے۔"

پھر پوچھا: "کمینہ انسان کون ہے؟"

فرمایا: "جو خدا تک پہنچنے کا راستہ نہ جانتا ہو، اور نہ کسی سے راستہ پوچھے۔"

یوسف بن حسین نے دریافت کیا: "میں کن لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کروں۔"

فرمایا: نفس کی دشمنی میں خدا کا دوست بن جا۔ کسی کو اپنے سے حقیر نہ سمجھ۔" خواہ وہ کتنا ہی کمتر درجے کا کیوں نہ ہو۔ کیا معلوم اس کی عاقبت کیسی ہے۔"

ایک اور شخص نے عرض کیا: "مجھے کچھ وصیّت فرمائیں۔"

فرمایا: "اپنے باطن کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر۔ اور ظاہر کو لوگوں کے ساتھ مشغول رکھو۔ حق تعالیٰ کا محبوب بن، "تاکہ تجھ کو سب سے بے نیاز کر دے۔"

کسی اور شخص نے آپ سے وصیّت چاہی۔

فرمایا: "گذشتہ اور آئندہ کے خیالات میں اپنے آپ کو مت الجھاؤ اور ہر حال پر راضی رہو۔"

نقل ہے کہ مرض الموت میں آپ سے سوال کیا گیا: "آپ کی خواہش کیا ہے۔"

فرمایا: قبل اس کے مروں، خواہ ایک ہی لمحہ کے لیے کیوں نہ ہو، مگر اس کو جان لوں۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

الخوف امرضنی والشوق احرقنی   والحب اضنانی واللہ احیانی

جس کا مطلب یہ ہے کہ خوف نے مجھ کو بیمار بنا دیا، اور شوق نے جلا دیا۔ محبّت نے دُبلا کر دیا اور خدا نے زندہ کر دیا۔

شعر پڑھ کر آپ بے ہوش ہو گئے اور ایک دن بے ہوش رہے۔

جب ہوش میں آئے تو یوسف بن حسین نے وصیت چاہی۔

Marfat.com

فرمایا: "اس وقت کسی دوسری طرف مجھ کو مشغول نہ کرو۔ میں اللہ تعالیٰ کے احسانات دیکھ کر متعجب ہو رہا ہوں۔ اس کے بعد انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کی پیشانی پر بخطِ سبز لکھا ہوا دیکھا۔ "یہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور اس کی محبت میں فوت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور عشقِ الٰہی کی تلوار سے فوت ہوئے ہیں۔"

جب آپ کا جنازہ اٹھایا تو سورج نہایت تیزی کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اسی وقت پرندوں کا ہجوم آ گیا جس نے پروں سے پر ملا کر آپ کے جنازے پر سایہ کیا۔ راہ میں جب کہ آپ جنازہ لے جا رہے تھے۔ موذن کی اذان سنائی دی اور کلمہ شہادت پر آپ نے انگلی اٹھائی۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر شور کیا کہ شاید آپ زندہ ہیں، چنانچہ جنازہ رکھ دیا گیا۔ لیکن آپ کی انگلی اسی طرح تھی۔ پوری کوشش کی گئی کہ انگلی کو نیچے کیا جائے، مگر نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ کو دفن کر دیا گیا۔ مصر کے لوگوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی ان ناروا حرکات پر جو آپ کے ساتھ انھوں نے کی تھیں نہایت پشیمان ہوئے اور توبہ کی۔

Marfat.com

حضرت سرّی سقطی رح

آپ حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں اور حضرت معروف کرخیؒ کے مرید تھے۔

شروع شروع میں بغداد میں آپ کی دکان تھی۔ روزانہ ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ دکان کے آگے پردہ ڈال لیا تھا اور خرید و فروخت کے ساتھ ہی خدا کا معاملہ جاری تھا۔ آپ نے وعدہ کر لیا تھا کہ پانچ فی صدی سے زیادہ منافع نہ کماؤں گا۔ ایک دفعہ بادام کا نرخ بہت چڑھ گیا۔ آپ کے پاس یہ جنس بہت تھی دلّال نے آ کر کہا:

"بیچو"

آپ نے فرمایا: "کس نرخ پر"

دلال نے کہا: "سات فی صد پر"

"آپ نے فرمایا: "نہیں میرا وعدہ ہے کہ میں پانچ فی صد سے زیادہ نفع نہ لوں گا"

ایک دفعہ بغداد کا بازار جل گیا۔ خدا کی قدرت آپ کی دکان کے سوا باقی سب دکانیں جل گئیں۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے اپنا سب مال خدا تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا۔ اور تصوّف اختیار کر لیا۔

ریاضت و مجاہدہ میں آپ نے وہ مبالغہ کیا کہ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سریؒ کے برابر کسی کو میں نے عبادت میں کامل نہ دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے میرا نفس شہد مانگتا ہے۔ مگر میں نے اس کو شہد نہیں دیا اور دن میں کئی کئی بار شیشہ دیکھتا ہوں، کہ شامتِ اعمال سے میرا منہ سیاہ تو نہیں ہو گیا۔

ایک دفعہ آپ کی مجلس گرم تھی، اتنے میں خلیفۂ وقت کا ایک مصاحب احمد نام بڑی شان و شوکت کے ساتھ اُدھر سے گذرا۔ اس وقت آپ فرما رہے تھے کہ "تمام کائنات میں انسان سے زیادہ ضعیف و کمزور کوئی شے نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی گناہگار بھی نہیں"۔ یہ بات تیر کی طرح احمد مصاحب کے جان و جگر پر لگی اور روتا ہُوا گھر چلا گیا۔

دوسرے دن پھر آیا مگر وہ شان و شوکت نہ تھی۔ تیسرے دن درویشوں کا لباس پہنے آیا اور کہا:

"آپ کی بات نے میرے دل پر نشتر کا کام کیا ہے اور دنیا سے دل کو سرد کر دیا ہے، میں خدا کی طرف جانا چاہتا ہوں"۔

آپ نے فرمایا: "دو راستے ہیں ایک عام اور دوسرا خاص"۔

احمد نے کہا: "دونوں راستے بیان کیجیے"۔

فرمایا: "عام راہ شریعت کی ہے، شریعت حقّہ کی پابندی کرو۔ اور خاص راہ طریقت کی ہے۔ پابندی شریعت کے علاوہ

Marfat.com

دنیا کو بھی ترک کر دو۔" یہ سن کر مصاحب جنگل کو نکل گیا۔

تھوڑے دنوں کے بعد ایک بوڑھی عورت نہایت غمزدہ آپ کے پاس آئی اور کہا۔

"میرا نوجوان خوب صورت بیٹا کچھ دنوں سے غائب ہے۔"

آپ نے فرمایا: "غم نہ کرو سوائے خیر کے اور کچھ نہیں، جب وہ آئے گا تو میں تم کو اطلاع دوں گا۔"

کچھ عرصہ کے بعد احمد درویشانہ حالت میں آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کی والدہ کو اطلاع دی۔ تھوڑے عرصے میں اس کی والدہ، بیوی اور بچے آ گئے۔ احمد نے کہا:

"یا شیخ! آپ نے ان کو اطلاع کیوں دی؟"

فرمایا: "میں وعدہ کر چکا تھا۔"

ماں نے ہر چند گھر لے جانا چاہا، مگر نہ گئے اور سب کو روتا چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے۔ چند سال کے بعد عشاء کی نماز کے وقت ایک شخص آیا اور کہا:

"مجھ کو احمد نے بھیجا ہے۔"

آپ گئے تو دیکھا کہ احمد کا اخیر وقت ہے۔ احمد نے آنکھ کھول کر دیکھا اور کہا:

"شیخ! آپ وقت پر آئے۔" پھر انتقال کر گئے۔

آپ روتے ہوئے جنگل سے آئے تاکہ کفن دفن کا سامان کریں۔ شہر میں آواز آئی کہ جو شخص خدا کے خاص ولی کی نماز جنازہ پڑھنا چاہے وہ قبرستان شونیزیہ کی طرف جائے۔

فرماتے ہیں: "جو گناہ شہوت کی وجہ سے ہوگا اس کی بخشش کی امید ہے۔ لیکن جو گناہ غرور و تکبّر کے باعث ہوگا اس کی کوئی امید نہیں کہ وہ بخشا جائے۔"

فرماتے ہیں "حیا اور اُنس دل کی طرف آتے ہیں۔ اگر دل میں زہد اور ورع دیکھتے ہیں، تو ٹھہر جاتے ہیں، ورنہ واپس چلے جاتے ہیں۔"

فرماتے ہیں: "عارف وہ ہے جس کا کھانا بیماروں کی طرح اور سونا مارگزیدہ کی طرح اور عیش غرق شدہ کی طرح ہو۔"

فرماتے ہیں: "عارف آفتاب کی طرح ہے کہ سب پر روشنی ڈالتا ہے اور زمین کی مانند ہے کہ تمام موجودات کا بوجھ اُٹھاتا ہے۔ پانی کی طرح ہے کہ اس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے۔"

فرماتے ہیں: "تصوّف تین باتوں کا نام ہے:۔

۱۔ یہ کہ معرفت الٰہی نورِ ورع کو نہ بجھائے۔

۲۔ یہ کہ علم باطن کی کوئی ایسی بات نہ کہے جو شریعت کے خلاف ہو۔

Marfat.com

۳- یہ کہ کرامات محض اس لیے دکھائے کہ لوگ حرام سے باز رہیں۔"

فرماتے ہیں"۔ دنیا میں سب سے زیادہ طاقت ور ہے جو اپنے غصّے پر غالب آجائے۔"

ایک دن صبر کے متعلق آپ وعظ فرما رہے تھے۔ اس اثناء میں ایک بچھّو نے جو آپ کے کپڑوں میں آگیا تھا کئی بار ڈنگ مارا۔ لوگوں نے پوچھا:

"آپ نے اسے ہٹایا کیوں نہیں؟

فرمایا:" مجھے شرم آگئی کہ صبر کے متعلق تو بیان کر رہا ہوں اور عمل اس کے خلاف کروں۔"

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ آپ چاہتے تھے کہ میں بغداد میں نہ مروں، ایسا نہ ہو کہ زمین مجھ کو قبول نہ کرے اور میں رُسوا ہوجاؤں۔ کیونکہ لوگوں کو میرے ساتھ نیک گمان ہے وہ باطل ہوجائے گا۔"

Marfat.com

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اکابر اہلِ تصوّف میں سے تھے۔ اپنے وقت کے سلطان طریقت تھے۔ بھوکا رہنے اور جاگنے میں شانِ عظیم سمجھتے تھے۔ مشائخین کبار میں سے تھے۔ ریاضات وکرامات میں آپ کا درجہ بلند تر ہے۔ شریعت و حقیقت کے جامع تھے۔ حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔

فرمایا "جو شخص مدّعی ہوگا، وہ خائف نہیں۔ جو خائف نہیں وہ امین نہیں اور جو امین نہیں اس کو بادشاہ کے خزانوں پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔"

فرماتے ہیں: "اللہ تعالےٰ نے خلقت کو پیدا کر کے فرمایا۔ راز مجھ سے کہو، اگر راز نہ کہو تو مجھ پر نظر رکھو۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو حاجت مجھ سے طلب کرو۔"

فرماتے ہیں: "جب تک نفس مردہ نہ ہو، دل زندہ نہیں ہو سکتا۔"

فرماتے ہیں: "جو اپنے نفس کا مالک ہو گیا اس نے عزّت پائی اور دوسروں کا مالک بن گیا۔"

لوگوں نے پوچھا:

"نفس پر سب سے زیادہ گراں کیا چیز ہے۔"

فرمایا: "اخلاص، کیونکہ اخلاص میں کچھ نصیب نہیں ہوتا۔"

پوچھا:

"مشاہدہ کیا چیز ہے؟"

فرمایا: "عبودیت۔"

کسی شخص نے آپ سے وصیت طلب کی۔

فرمایا: "تیری نجات چار باتوں میں ہے: (۱) کم کھانا۔ (۲) تنہائی (۳) بے خوابی۔ (۴) خاموشی۔"

Marfat.com

حضرت سفیان ثوریؒ

آپ بزرگانِ کبار میں سے ہیں۔ لوگ عام طور پر آپ کو امیرالمومنین کہا کرتے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں صاحبِ کمال تھے تقویٰ میں آپ انتہائی درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ ادب اور تواضع بھی بے حد وحساب تھی۔ بہت سے مشائخ کبار کی صحبت میں رہے۔ آپ مادرزاد صاحبِ تقویٰ تھے۔

فرماتے ہیں: "میں نے کوئی ایسی حدیث نہ سُنی جس پر عمل نہ کیا ہو۔"

فرماتے ہیں: "لوگو، حدیث کی زکوٰۃ ادا کرو۔"

پوچھا گیا: "حدیث کی زکوٰۃ کیا ہے؟"

فرمایا: "عمل"۔

نقل ہے ایک روز آپ کھانا کھا رہے تھے اور ایک کُتّے کو بھی جو پاس بیٹھا تھا، دیتے جاتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا: "اہل وعیال میں بیٹھ کر کیوں نہیں کھاتے؟"

فرمایا: اگر کتّے کو دوں تو دن بھر پاسبانی کرے گا اور میں آرام سے عبادتِ خدا کروں گا۔ اگر اہل وعیال کو دوں تو وہ مجھ کو اطاعت سے باز رکھیں گے۔"

فرمایا: "سب سے بہتر پانچ آدمی ہیں وہ زاہد جو عالم ہو۔ وہ صوفی جو فقیہ ہو۔ وہ دولت مند جو متواضع ہو۔ وہ درویش جو صابر و شاکر ہو۔ اور پانچواں وہ جو مسلک اہل السنت والجماعت پر عامل ہو۔"

یقین کے متعلق لوگوں نے پوچھا تو فرمایا: "یقین دل کا فعل ہے۔ یقین درست ہو تو معرفت درست ہو جاتی ہے۔"

نقل ہے کہ جب آپ کسی مرید کے ہمراہ سفر کو جاتے تو فرماتے کہ اگر کہیں سے موت ملے تو میرے لیے خرید لینا، لیکن جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو رو کر فرمایا: "میں موت کی خواہش کیا کرتا تھا۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ دراصل موت بڑی سخت ہے۔ کاش! سارا سفر اس قسم کا ہوتا جیسا کہ عصا لے کر گلی میں پھرا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کے پاس جانا آسان کام نہیں۔"

نقل ہے کہ جب آپ کبھی موت کا ذکر سنتے، تو چند دن بے خود سے رہتے۔ جو ملتا اس کو کہہ دیتے موت کے واسطے تیار ہو جاؤ۔ پیشتر اس کے کہ تجھ کو پکڑا جائے۔ باوجودیکہ آپ موت سے بہت ڈرتے تھے، پھر بھی موت کی خواہش کرتے تھے۔

وفات کے وقت لوگوں نے عرض کی: "آپ کو بہشت مبارک ہو۔"

سر ہلا کر فرمایا: "تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھ کو بہشت ہرگز نہیں مل سکتا۔ اور نہ ہی میرے خون کے عوض کسی کو مل سکتا ہے۔"

Marfat.com

عبداللہ مہدی کہتے ہیں کہ موت کے وقت آپ نے فرمایا کہ "میرا منہ زمین کی طرف رکھو۔"
چنانچہ تعمیل کے بعد میں باہر نکلا تاکہ لوگوں کو خبر کروں۔ واپس آنے پر دیکھا کہ سب لوگ جمع ہیں۔ آپ نے سرہانے سے روپوں کی تھیلی نکالی اور فرمایا:

"اسے صدقہ کر دو۔"

لوگوں نے کہا: "آپ تو فرمایا کرتے تھے کہ دنیا جمع نہیں کرنی چاہیئے اور خود اس قدر مال جمع کر رکھا ہے۔"
فرمایا: "یہ میرے ایمان کا نگہبان تھا۔ اس سے میں نے اپنے ایمان کو سلامت رکھا۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں شیطان مجھ پر غلبہ نہ پا سکا۔ کیونکہ اگر وہ کہتا کہ آج کیا کھاؤ گے اور کیا پہنو گے تو میں کہتا کہ میرے پاس زر ہے۔ اگر کہتا تیرے پاس کفن نہیں تو میں اس کو یہ روپے دکھا دیا کرتا تھا اور اس کے وسواس کو رفع کر دیتا تھا۔ اگرچہ مجھ کو اس کی ضرورت نہ تھی۔"
یہ کہہ کر کلمۂ شہادت پڑھا اور رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ؕ

Marfat.com

حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ

آپ چشم بصیرت کے آفتاب، صورت و سیرت کے شاہباز، معرفت کے صدیق تھے۔ اپنے عہد کے مشاہیر شائخین میں سے تھے صاحب تدبیر و فراست تھے۔ خاندان شاہی سے تعلق رکھتے تھے اور صاحب علم و تصنیف تھے۔ اکثر قبا پہنا کرتے تھے۔ جب نیشاپور میں گئے تو ابوحفص تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں نے قبا میں کچھ دیکھ لیا، جو عبا میں نہیں دیکھا تھا۔

فرماتے ہیں: "فقر اللہ تعالیٰ کا بندے کے پاس ایک راز ہے، جب تک وہ پوشیدہ رکھے گا، امین ہے، جب ظاہر کر دے گا تو فقر کا نام اُٹھ جائے گا۔"

فرماتے ہیں: "صدق کی تین علامات ہیں:-

۱۔ دنیا کی قدر قطعی طور پر دل سے اُٹھ جائے۔ سونا اور مٹی یکساں نظر آئے۔ جب زر و سیم ہاتھ میں آئے تو اس طرح جھاڑ دو، جیسے خاک کو جھاڑ دیا جاتا ہے۔

۲۔ خلقت کی تعریف اور مذمت تمہاری نظروں میں یکساں ہو۔

۳۔ شہوت کا پورا کرنا دل سے اس طرح گر جائے، جیسے کہ اہل دنیا شہوت پوری کرنے کے بعد خوش ہوتے ہیں۔"

فرمایا: "سب سے اچھا خوف یہ ہے کہ خلق خدا میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ تقصیروار سمجھو۔"

فرمایا: "صبر کی علامت یہ ہے کہ تین باتیں صابر کو حاصل ہوں:-

۱۔ ترکِ شکایت۔

۲۔ صدق رضا۔

۳۔ خوشی کے ساتھ قبولِ قضا۔"

فرماتے ہیں: "تقویٰ کی علامت ورع اور ورع کی علامت شکوک و شبہات سے دور رہنا ہے۔"

ایک دن آپ نے مریدوں سے فرمایا: "جھوٹ، غیبت اور خیانت سے بچو اور جو چاہے کام کرو۔"

Marfat.com

حضرت شفیق بلخیؒ

آپ شیخ زمان تھے۔ زہد و عبادت میں یکتائے روزگار۔ مجاہدہ اور ریاضت کا یہ عالم کہ قائم اللیل اور صائم النہار۔ ہر قسم کے علوم و فنون میں ماہر کامل۔ بہت سی تصانیف اب بھی موجود ہیں۔ حاتم اصمؒ کے استاد تھے۔

فرماتے ہیں کہ "تمام علوم و فنون سے میں نے یہ حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی چار چیزوں میں ہے۔ روزی میں امن۔ کام میں خلوص۔ شیطان سے دشمنی اور موت کی تیاری۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے کہا۔ تم خواہ مخواہ تکلیف اُٹھاتے ہو۔ آؤ میں تم کو کچھ اپنے پاس سے دوں۔ فرمایا:

"اے شخص اگر تجھ میں پانچ عیب نہ ہوتے تو میں ایسا کر لیتا۔ اوّل یہ کہ تیرا مال کم ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ ممکن ہے تیرا مال چور لے جائیں، تیسرے یہ کہ شاید تو بعد میں پشیمان ہو۔ چوتھے یہ کہ اگر مجھ میں کوئی عیب دیکھے گا تو مجھ سے دی ہوئی چیز واپس مانگ لے گا۔ پانچویں یہ کہ تجھ کو ایک دن مرنا بھی ہے۔ پھر میں بے سروسامان رہ جاؤں گا۔ لیکن میرا خدا ایسا ہے جو ان تمام عیبوں سے پاک ہے۔"

ایک دفعہ آپ بغرض حج مکّہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ جب بغداد میں پہنچے تو خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو بلایا۔ جب آپ خلیفہ کے پاس گئے تو اس نے کہا:

"کچھ نصیحت فرمائیے۔"

آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تجھ کو صدیقؓ کا جانشین کیا ہے۔ تجھ سے صدق طلب کرے گا۔ فاروقؓ کی جگہ بخشی ہے۔ تجھ سے حق و باطل کی تمیز مانگے گا۔ ذوالنورینؓ کی گدّی پر بٹھایا ہے۔ تجھ سے حیا اور کرم کا مطالبہ کرے گا۔ حیدرؓ کی جگہ عطا کی ہے تجھ سے عدل اور علم طلب کرے گا۔"

ہارون نے کہا: "کچھ اور فرمائیے۔"

آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے دوزخ بنا کر تجھ کو اس کا دربان مقرر کیا ہے۔ مال شمشیر اور تازیانہ دے کر تجھ کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو دوزخ کی طرف مت آنے دے۔ اس لیے جو حاجتمند تیرے پاس آئے اس کو مال دے، جو حکم خدا کے خلاف کرے اس کو تازیانہ سے سزا دے اور جو کسی کو قتل کرے اس کا قصاص لے اگر ایسا نہ کرے تو دوزخیوں کا سردار تو ہی ہوگا۔"

ہارون نے کہا: "کچھ اور فرمائیے۔"

آپ نے کہا: "تو چشمہ ہے اور تیری رعایا کے اعمال نہریں۔ اگر چشمہ صاف ہے تو نہروں کے میلا ہونے سے کوئی حرج نہیں لیکن اگر چشمہ ہی گدلا ہوگا۔ تو نہروں کے صاف ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔"

پھر خلیفہ نے کہا: "کچھ اور فرمائیے۔"

Marfat.com

آپ نے کہا: "اگر تو جنگل میں اس قدر پیاسا ہو جائے کہ قریب مرنے کے پہنچ جائے اور کوئی شخص ایک گھونٹ پانی آدھی سلطنت کے عوض بیچے، تو کیا تو خرید لے گا؟"

ہارون الرشید نے کہا: "ضرور خرید دوں گا!"

پھر فرمایا: "اگر تیرا پیشاب بند ہو جائے اور کوئی شخص کہے اگر آدھی سلطنت دے تو تیرا علاج کرتا ہوں، پھر کیا کرے گا؟"

ہارون نے کہا: "آدھی سلطنت دے دوں گا۔"

پھر آپ نے فرمایا: "ایسی حکومت پر کیا ناز ہے جس کی قیمت پانی کا ایک گھونٹ ہو۔" ہارون الرشید رونے لگا اور احترام کے ساتھ آپ کو واپس کیا۔

جب آپ مکّہ معظمہ پہنچے حضرت ابراہیم ادھمؒ سے ملاقات فرمائی۔ آپ نے پوچھا:

"ابراہیم معاش کے بارہ میں تم کیا کرتے ہو؟"

حضرت ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا: "اگر مل جاتی ہے تو شکر کرتے ہیں، نہیں ملتی تو صبر کرتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "یہ حالت تو ہمارے شہر کے کتّوں کی بھی ہے۔"

ابراہیم نے پوچھا: "تم کیا کرتے ہو؟"

آپ نے فرمایا: اگر مل جاتا ہے تو خیرات کرتے ہیں۔ اگر نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں۔"

یہ سن کر ابراہیم نے کہا "تم میرے استاد ہو۔"

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک بوڑھا آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔

"میں نے بہت سے گناہ کیے ہیں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔"

فرمایا: "تو دیر سے آیا ہے۔"

اس نے کہا: "میں جلدی آیا ہوں۔ کیونکہ جو شخص موت سے پہلے آ جائے اسے جلدی آیا سمجھیے۔"

آپ نے فرمایا: "اے مرد خدا تو نے خوب کہا اور خوب آیا۔"

Marfat.com

حضرت عبداللہ خبیق رحؒ

آپ غوّاص دریائے یقین اور دُر دریائے دین تھے۔ سنتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے امام زہاد کبار اور متوکّلین کے سردار تھے۔ حلال کھانے میں بہت مبالغہ اور احتیاط سے کام لیا کرتے تھے۔ رہنے والے کوفہ کے تھے مگر انطاکیہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

فتح موصلی فرماتے ہیں جب میں نے اوّل مرتبہ آپ کو دیکھا تو مجھ سے فرمایا: "دنیا میں چار چیزوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۱۔ آنکھ۔

۲۔ زبان۔

۳۔ دل۔

۴۔ خواہش۔

آنکھ سے ایسی جگہ نہ دیکھو جو شایانِ شان نہ ہو۔ زبان سے کوئی ایسی بات نہ کرو جو حکم خدا کے خلاف ہو۔ دل کو خیانت اور تکبّر سے محفوظ رکھو۔ حرص کی نظر سے کسی قسم کی خواہش نہ کرو۔ اگر یہ چیزیں صفاتِ مندرجہ کے ساتھ حاصل نہ ہوں تو لعنت بھیجو، کیونکہ سراسر شقاوت ہے۔"

فرماتے ہیں: "سب سے زیادہ نافع وہ خوف ہے جو گناہ سے باز رکھے اور سب سے زیادہ نافع وہ امید ہے جو کام کو آسان کر دے۔"

فرماتے ہیں: رجا تین قسم کی ہے:

۱۔ نیکی کر کے قبولیت کی اُمید کم ہو۔

۲۔ گناہ سے توبہ کر کے بخشش کی امید ہو۔

۳۔ ہمیشہ گناہ کر کے بخشش کی امید ہو۔

فرماتے ہیں: "عمل میں اخلاص عمل کی نسبت زیادہ سخت ہے اور عمل ایک ایسی چیز ہے جس کے ادا کرنے سے لوگ عاجز ہیں۔ اخلاص تو اس کے بعد ہے۔"

فرماتے ہیں: صدق سے کسی حال میں استغنا نہیں۔ لیکن صدق تمام احوال سے خود مستغنی ہے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مُبارک رح

آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی تھی علم و شجاعت میں بے نظیر تھے۔ امام شریعت و طریقت تھے۔ علوم و فنون میں لاثانی تھے آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔

آپ کی توبہ کا قصّہ یوں مذکور ہے کہ آپ ایک عورت پر اس قدر فریفتہ تھے کہ کسی پہلو چین نہ آتا تھا۔ جاڑے کے موسم میں ایک رات محبُوبہ کی دیوار کے ساتھ صبح تک لگے کھڑے رہے۔ اپنے آپ سے کہنے لگے کہ مبارک کے بیٹے شرم کر ہوائے نفسانی کی خاطر تو نے ساری رات گذار دی، اگر نماز میں ساری رات کھڑا رہتا تو کیا نہ ہوتا۔ فوراً توبہ کی اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور یہاں تک درجہ حاصل کیا کہ ایک روز آپ کی والدہ نے دیکھا کہ آپ ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے ہیں اور ایک سانپ نرگس کی شاخ منہ میں لیے آپ کی مگس رانی کر رہا ہے۔

نقل ہے کہ آپ ایک سال حج کرتے اور ایک سال جہاد اور ایک سال تجارت میں بسر کرتے اور نفع اپنے دوستوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

آپ کا تقویٰ اس حد تک تھا کہ ایک مرتبہ محض ایک قلم واپس کرنے کی غرض سے جو کسی سے عاریتاً لیا تھا۔ مرو سے شام تک کا سفر کیا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حج سے فارغ ہو کر آپ حرم میں ہی سو گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ دو فرشتے آسمان سے آئے ایک نے دوسرے سے پوچھا:

"اس سال کتنی خلقت حج کے لیے آئی؟"

دوسرے نے کہا: "چھ لاکھ"

پھر پوچھا: "کتنے لوگوں کا حج قبول ہُوا؟"

دوسرے نے جواب دیا: "کسی کا بھی حج قبول نہیں ہُوا۔"

یہ سن کر آپ گھبرائے کہ اس قدر خلقت کی تمام سفر کی تکلیفیں اور اخراجات سب اکارت گئے۔ اس کے بعد دوسرے فرشتے نے کہا:

"دمشق میں ایک شخص علی بن موفق نام ایک موچی رہتا ہے۔ اگرچہ وہ حج کو نہیں آیا لیکن اس کا حج قبول ہو گیا اور یہ ساری خلقت محض اس کے طفیل بخشی گئی۔ یہ خواب دیکھ کر آپ جاگے اور دمشق میں جا کر علی بن موفق موچی کی زیارت کا ارادہ کر کے چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر اس کے گھر

Marfat.com

جا کر پکارا۔ علیک سلیک کے بعد فرمایا:

"مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

اس نے کہا: "فرمائیے۔"

تب آپ نے سارا خواب کا واقعہ بیان کیا۔ علی نے پوچھا:

"تمھارا نام کیا ہے؟"

آپ نے کہا: "عبداللہ بن مبارک۔"

نام سُن کر وہ شخص نعرہ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ جب کچھ عرصہ کے بعد ہوش آیا، تو کہا:

"مَیں نے حج کے ارادے سے ساری عمر میں چھڑا سی کر تین ہزار درم جمع کیے۔ مَیں حج کے لیے بالکل تیار تھا کہ ایک دن میری بیوی نے کہا کہ ہمسائے کے گھر سے گوشت پکنے کی خوشبو آ رہی ہے، ذرا سا لے آؤ۔ چنانچہ میں ان کے گھر گیا اور تھوڑا سا سالن طلب کیا۔ اس نے کہا یہ گوشت تم پر حلال نہیں ہے کیونکہ سات دن کے فاقہ کے بعد بچوں کی بھوک سے بے تاب ہو کر آج تھوڑا سا مُردار پکایا ہے۔ یہ سُن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ فوراً آکر تین ہزار درم لیے اور ہمسایہ کو دے دیئے تاکہ وہ اپنے بال بچّوں پر صرف کرے۔"

یہ واقعہ سُن کر آپ نے کہا: "واقعی فرشتوں نے سچ کہا تھا۔"

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ جہاد میں ایک کافر سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں کافر کی نماز کا وقت آیا۔ اس نے آپ سے مہلت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ جب وہ بُت کی عبادت میں مصروف ہو گیا، تو آپ کے دل میں خیال آیا کہ اب موقع ہے فوراً تلوار سونت لی اور وار کرنا چاہتے ہی تھے کہ غیب سے آواز آئی: "یا عبداللہ! اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولاً۔" اقرار کو پورا کرو بے شک اقرار کی بابت پوچھا جائے گا۔ یہ آواز سنکر آپ رو پڑے۔ کافر نے اپنی عبادت سے فارغ ہو کر رونے کا مطلب پوچھا۔

"فرمایا: تم کو عبادت میں مصروف دیکھ کر خیال آیا کہ اب قتل کرنے کا موقع اچھا ہے۔ چنانچہ تلوار سونت کر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ درگاہِ الٰہی سے عتاب ہوا۔" یہ سنکر اس نے نعرہ مارا اور کہا:

"ایسے خدا کا نافرمانبردار ہونا جو دشمن کی خاطر دوست کو عتاب کرتا ہے جوانمردی کے خلاف ہے۔" اور فوراً مسلمان ہو گیا۔

ایک دفعہ موسم سرما میں آپ نیشاپور کے بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک غلام کو دیکھا جو صرف ایک کرتہ پہنے ہوئے تھا اور سردی سے کانپ رہا تھا۔ آپ نے کہا:

"تو اپنے آقا سے کیوں نہیں کہتا کہ سردی سے بچنے کے لیے کپڑے سلا دے۔"

اس نے کہا، جب آقا دیکھتا ہے تو میں اس سے کیا کہوں؟

یہ سن کر آپ نے کہا: "طریقت اس غلام سے سیکھنی چاہیئے۔"

Marfat.com

آپ سے پوچھا "آدمی کے لیے سب سے بہتر کون سی خصلت ہے"

آپ نے کہا: "عقل وافر"

پوچھا: "اگر یہ نہ ہو"

فرمایا: "ادب"

پوچھا: "اگر یہ بھی نہ ہو"

فرمایا: "مشفق بھائی"

عرض کیا: "اگر یہ بھی نہ ہو"

تو پھر فرمایا: "مرگ مفاجات"

ایک دفعہ ایک نوجوان آپ کے قدموں پر آگر پڑا اور کہنے لگا۔

"میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جس کے اظہار میں شرم آتی ہے"

پوچھا: "گناہ کیا ہے؟"

عرض کیا: "زنا کا جرم سرزد ہوا ہے"

آپ نے فرمایا: "میں تو ڈر گیا تھا شاید تم نے غیبت کا گناہ کیا ہے"

Marfat.com

حضرت فضیل بن عیاض رح

نقل ہے کہ آپ بڑے صاحبِ مروّت تھے۔ اگرچہ ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ کمزوروں، ضعیفوں اور عورتوں پر ہمیشہ رحم کرتے اور حتی الامکان ان کی کچھ خدمت کرتے۔ محتاجوں پر خاص شفقت کرتے۔ ابتدا میں آپ ایک عورت پر عاشق تھے۔ تمام مال جو آپ کے حصے میں آتا، اس کو دے دیتے۔

آپ کے توبہ کرنے کا قصہ یوں ہے کہ ایک رات "قافلہ لوٹنے کی غرض سے آپ کے ساتھی گئے ہوئے تھے۔ جب وہ قافلہ آپ کے نزدیک سے گذرا، تو ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوا جا رہا تھا۔ سنتے ہی آپ کے دل پر چوٹ لگی اور کہنے لگے۔ فضیل تو کب تک راہزنی کرتا رہے گا۔ چنانچہ اسی وقت سچی توبہ کی اور دوڑ کر قافلے کے قریب پہنچے اور کہا کہ تم سب کو بشارت دیتا ہوں کہ بے خوف و خطر چلے جاؤ۔ فضیل ڈاکو نے آج سے توبہ کر لی ہے۔ پھر آپ ہر اس شخص کے پاس گئے، جس کو آپ سے رنج پہنچا تھا اور اس سے معافی مانگی یا اس کی تلافی کر دی۔ لیکن ایک یہودی نے معافی نہ دی اور کہا میں تم کو اس وقت معاف کروں گا اگر اس ریت کے ٹیلے کو اُٹھا دو۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر آپ سارا دن ریت اُٹھا کر دریا میں ڈالتے رہے۔ رات کو خدا کی قدرت سے ایسی ہوا چلی جس نے ساری ریت کو اُڑا کر دریا میں بہا دیا اور میدان صاف کر دیا۔ پھر یہودی نے کہا کہ جب تک تو میرا مال نہ دیگا۔ میں معاف نہیں کروں گا۔ لیکن چونکہ تو نے شرط پوری کر دی ہے۔ اس لیے یہ شرط بھی پوری کرنے کے لیے میرے سرہانے سے سونے کی تھیلی اٹھا کر مجھے دے دے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ تھیلی پکڑ کر یہودی کو دیدی۔ پھر یہودی نے کہا کہ جانے سے پہلے مجھے مسلمان کرو، پھر معاف کروں گا۔ چنانچہ آپ نے اس کو کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کیا۔ اور اس نے آپ کو معاف کر دیا۔ پھر یہودی نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو میں کیوں مسلمان ہوا؟

آپ نے فرمایا "نہیں"۔

یہودی نے کہا۔ کہ میں نے توراۃ میں پڑھا ہے کہ جو شخص سچی توبہ کرتا ہے وہ اگر مٹی پر ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ خدا کی قسم! میرے سرہانے مٹی کی تھیلی بھری ہوئی تھی۔ لیکن جب تم نے وہ تھیلی مجھے دی تو وہ سب کی سب سونے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ میں نے آزمائش کرنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ مجھ کو معلوم ہو گیا کہ تمہارا مذہب حق ہے۔

جب آپ اپنے دروازے پر پہنچے تو آواز دی۔ آپ کی بیوی نے آپ کی آواز میں تغیر دیکھ کر خیال کیا کہ شاید کہیں زخم آیا ہے۔ پوچھا:

"کہاں زخم لگا ہے؟"

Marfat.com

فرمایا: "دل اور جان پر۔"

اس کے بعد اپنی توبہ کا سارا ذکر سنا کر کہا: "کہ میں مکّہ معظّمہ کی طرف جاتا ہوں۔ اگر چاہو تو تم کو آزاد کر دوں۔"

آپ کی بیوی نے کہا: "میں ہر حال میں آپ کی خدمت کروں گی۔"

چنانچہ اہل و عیال سمیت آپ مکّہ معظّمہ آ گئے اور مجاور بن گئے۔ تمام اولیاء کبار سے فیض حاصل کیا۔ ایک عرصہ تک حضرت امام ابوحنیفہ رح کی خدمت میں رہ کر کامل ہوئے۔

نقل ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر فضیل برمکی سے ایک رات کہا کہ مجھے کسی صاحبِ دل مردِ خدا کے پاس لے چل کیونکہ میری طبیعت اس شان و شوکت سے اکتا گئی ہے، میں کچھ روحانی آرام اور سکون حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ فضیل خلیفہ کو ہمراہ لے کر سفیان عیینہ کے در دولت پر حاضر ہوا، اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

آواز آئی "کون ہے؟"

جواب ملا: "امیر المومنین!"

سفیان نے کہا: "تم نے مجھے پہلے کیوں نہ خبر دی، تاکہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوتا؟"

خلیفہ نے یہ سنتے ہی کہا کہ "جس صاحبِ دل کی مجھے تلاش ہے یہ اُن میں سے نہیں"۔ پھر خلیفہ اور وزیر دونوں نے فضیل بن عیاض کا دروازہ آ کر کھٹکھٹایا۔

اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

جواب ملا: "امیر المومنین!"

آپ نے کہا: "امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام ہے اور مجھے امیر المومنین سے کیا مطلب؟"

فضیل برمکی نے کہا: "اجازت سے اندر آئیں یا حکم سے؟"

آپ نے کہا: "اگر حکم سے آنا چاہتے ہیں تو مرضی"۔

چنانچہ امیر المومنین اندر داخل ہوئے۔ لیکن آپ نے فوراً شمع کو گل کر دیا تاکہ اُن کا چہرہ نظر نہ آئے۔ اسی اثناء میں خلیفہ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چھو گیا۔ آپ نے فرمایا: "ہاتھ کیسا نرم ہے، بشرطیکہ دوزخ سے بچا رہے۔" یہ کہہ کر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو امیر المومنین نے کہا۔

"کچھ بات تو کیجئے۔"

آپ نے فرمایا: "تمھارا باپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اس نے درخواست کی کہ مجھے کسی قوم پر حاکم کر دیجئے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے تم کو تمھارے نفس پر امیر کیا۔ کیونکہ حکومت قیامت کے دن ندامت کا موجب ہوگی۔"

Marfat.com

خلیفہ نے کہا" کچھ اور ارشاد فرمائیے"۔

آپ نے کہا" حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تختِ خلافت پر بٹھایا گیا۔ تو آپ نے چند اکابر کو بلا کر کہا کہ مجھے اس بوجھ کے نیچے دبا دیا گیا ہے۔ اب میری رہائی کی کیا تدبیر ہے" ایک نے کہا" اگر تم کل قیامت کو مخلصی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہر ضعیف العمر مسلمان کو اپنا باپ، جوانوں کو اپنا بھائی اور چھوٹوں کو اپنا بیٹا تصور کرو۔ عورتوں کو ماں بہن اور بیٹی سمجھو"۔

یہ سن کر خلیفہ نے کہا" کچھ اور ارشاد ہو"۔

آپ نے فرمایا" تمام اسلامی علاقہ تمہارا گھر ہے اور رعایا اولاد۔ والدین کے ساتھ احسان، بھائیوں کے ساتھ محبت اور اولاد کے ساتھ نیکی کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہارا خوبصورت جسم دوزخ کی آگ میں نہ جلے"۔

آپ نے فرمایا" خدا سے ڈرو، اور قیامت کی جواب دہی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرو۔ ایک ایک آدمی کے متعلق حساب لیا جائے گا۔ اگر کسی گھر میں کوئی عاجز عورت رات کو بھوکی سوئی تو قیامت کے روز تمہارا دامن پکڑے گی"۔

خلیفہ ان باتوں کو سن کر روتا رہا، یہاں تک کہ بیہوش ہوگیا۔ یہ حالت دیکھ کر فضیل برمکی نے کہا۔

" اب بس کرو، تم نے تو امیر المومنین کو مار ہی ڈالا"۔

آپ نے فرمایا" اے ہامان! چپ رہ۔ میں نے اس کو نہیں مارا بلکہ تُو نے اور تیری قوم نے اس کو مارا ہے"۔

یہ بات سن کر خلیفہ کی گریہ وزاری اور بڑھ گئی اور اپنے وزیر سے کہا۔

" مجھے فرعون سمجھتے ہیں اس لیے تجھ کو ہامان کے نام سے مخاطب کیا گیا"۔

پھر خلیفہ نے آپ سے پوچھا" کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟"

آپ نے فرمایا" ہاں خدا تعالیٰ کا مقروض ہوں"۔

خلیفہ نے کہا" میرا مطلب مخلوق کے متعلق تھا"۔

آپ نے فرمایا" خدا کا شکر ہے"۔

اس کے بعد خلیفہ نے ایک ہزار درہم کی تھیلی نذر کی اور کہا کہ" یہ نقدی وجہ حلال سے ہے قبول فرمائیں"۔

آپ نے جواب دیا" افسوس میری ساری نصیحت بیکار گئی اور تجھ پر ذرا بھر اثر نہیں ہوا۔ میں تجھے نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تو مجھے ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ سب کچھ حقداروں کو دینا چاہیئے"۔

اس کے بعد خلیفہ وہاں سے واپس ہوا اور کہا۔" فضیل حقیقت میں نیک مرد ہے"۔

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت فضیل کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دنیوی امارت کا خواہشمند خوار ہوتا ہے"۔ پھر میں نے کہا کچھ وصیت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا" تابع بنو، متبوع رہو۔ کیونکہ یہ پسندیدہ ہے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے پوچھا کہ زہد بہتر ہے

Marfat.com

یا رضا۔ فرمایا" رضا بہتر ہے کیونکہ رضا کا طالب اپنے اصل مرتبہ سے زیادہ کا طالب نہیں ہوتا۔"

فرمایا: "دنیا کی کوئی چیز کسی انسان کو نہیں دی جاتی، جب تک کہ آخرت کے توشے میں سے کچھ کم نہیں کرلیا جاتا۔"

فرمایا" نرم کپڑے اور لذیذ کھانے کی عادت نہ ڈالو۔ کیونکہ کل کو اس کی لذت اور عادت سے محروم کیے جاؤ گے۔

فرمایا: تین چیزوں کی تلاش نہ کرو۔ کیونکہ مل نہیں سکتیں۔ ایسا عالم جس کا علم میزان میں پورا اُترے۔ اگر تم ایسا عالم تلاش کرتے رہو گے تو بے علم رہ جاؤ گے۔ دوسرے ایسا عامل مت ڈھونڈو۔ جو مخلص ہو، ورنہ بے عمل رہ جاؤ گے۔ تیسرے بے عیب بھائی کی تلاش نہ کرو، ورنہ بغیر بھائی کے رہ جاؤ گے۔

فرمایا: جوانمردی یہ ہے کہ کسی سے کسی قسم کی مدد کا طالب نہ ہو، توکل یہ ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے امید نہ رکھے اور نہ کسی سے ڈرے۔ متوکل وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ پر یقین اور اعتبار کامل ہو۔

فرمایا۔ اگر حق تعالیٰ کہے کہ تیری ایک دعا قبول کروں گا تو میں صرف بادشاہ کے حق میں دعا کروں گا۔ کیونکہ بادشاہ کی اصلاح سے خلق خدا کی اصلاح ہوگی اور اپنی اصلاح سے صرف میں ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہوں۔

فرمایا کہ دو خصلتیں انسان کے دل کو سیاہ کردیتی ہیں۔ بہت کھانا اور بہت سونا۔

فرمایا: مجھے پیغمبروں پر رشک نہیں۔ کیونکہ ان کو بھی موت۔ قبر۔ دوزخ۔ بہشت اور پلصراط وغیرہ کے مرحلے طے کرنے ہوں گے اور نفسی نفسی پکاریں گے۔ فرشتوں پر بھی رشک نہیں۔ ان کے لیے انسانوں سے بھی زیادہ خوف ہے۔ مجھے صرف اس پر رشک ہے۔ جو ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہی نہیں ہوا۔

Marfat.com

حضرت مالک بن دینار رح

مذکور ہے کہ آپ دمشق میں رہتے تھے۔ خوبصورتی اور مالداری میں شہرۂ آفاق تھے۔ جامع دمشق میں جس کو حضرت معاویہؓ نے تعمیر کرایا تھا اس خیال سے معتکف تھے کہ مسجد مذکور کی تولیت مل جائے۔ چنانچہ ایک سال تک عبادت کرتے رہے۔ جس کسی نے آپ کو دیکھا ہر وقت نماز ہی میں مصروف پایا۔ ایک سال کے بعد ایک رات مسجد سے باہر نکلے، تو آواز سنائی دی۔ کہ اے مالکؒ تو کیوں توبہ نہیں کرتا۔ آپ نے جب اس آواز کو سُنا، تو حیران ہو کر مسجد میں واپس آگئے اور تولیت کے خیال کو دل سے نکال کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے اور ایک سال کی عبادتِ ریائی پر نہایت شرمندہ تھے۔ صبح کو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ مسجد کے ایک متولی کی ضرورت ہے اور آپ سے بڑھ کر کوئی بہتر شخص ہمیں نظر نہیں آتا حضرت مالک نے دل ہی دل میں کہا۔ خداوندا ایک سال تک سخت ریاضت کے باوجود کسی نے پوچھا تک نہیں، اب کہ میں نے اپنے یقین کو درست کر لیا ہے، تو تُو نے اتنے آدمیوں کو بھیج دیا کہ یہ کام میرے گلے منڈھ دیں۔ خدا کی قسم اب میں مسجد سے باہر نکلنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک دہریہ سے آپ کا مناظرہ ہوا اور بہت دیر ہو گئی۔ وہ کہتا تھا کہ میں حق پر ہوں۔ آخر فیصلہ اس امر پر ہوا کہ اپنے اپنے ہاتھ آگ میں ڈالیں جس کا ہاتھ جل جائے وہ باطل پر سمجھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگر دونوں میں سے کسی کے ہاتھ کو آگ نے کوئی نقصان نہ دیا۔ لوگ کہنے لگے کہ دونوں حق پر ہیں۔ اس بات سے دلگیر ہو کر آپ گھر میں گئے اور سرِ نیاز زمین پر رکھ کر درگاہ الٰہی میں مناجات کی کہ ستر سال کی عبادت کے بعد ایک دہریہ کے برابر ہو سکا۔ غیب سے آواز آئی کہ تمھیں معلوم نہیں۔ محض تمھارے ہاتھ کی برکت سے دہریے کا ہاتھ نہ جلنے پایا۔ اگر وہ تنہا اپنا ہاتھ آگ میں ڈالتا تو فی الفور جل جاتا۔

ایک دفعہ آپ نے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ آپ کا ہمسایہ ایک یہودی تھا۔ مکان کی محراب یہودی کے دروازے پر تھی۔ جہاں اس نے اپنا پاخانہ بنایا اور روز نجاست آپ کے مکان میں ڈال دیتا۔ کچھ عرصہ تک یہی حال رہا۔ آپ نے اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کیا۔ ایک دن یہودی آکر کہنے لگا کہ آپ کو میرے پاخانہ سے کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوتی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک برتن اور جھاڑو رکھ لی ہے کوئی تکلیف نہیں روز صاف کر لیتا ہوں۔ یہودی نے اسلام قبول کر لیا۔

ایک مرتبہ بصرہ میں آگ لگ گئی۔ آپ اپنا عصا اور جوتیاں لے کر کوٹھے پر چڑھ گئے اور دیکھنے لگے کوئی اسباب نکال رہا ہے، کوئی جل رہا ہے۔ کوئی بھاگ رہا ہے۔ آپ نے منظر دیکھ کر فرمایا "یہی حال قیامت کے دن ہوگا"

جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں حضرت مالک بن دینارؒ کے ساتھ مکہ معظمہ میں تھا جب انھوں نے لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہا، تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو میں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ مجھے ڈر تھا کہ میرے لَبَّیْکَ کا جواب لَا لَبَّیْکَ نہ آئے۔

Marfat.com

نقل ہے کہ آپ جب آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر پہنچتے، تو زار و زار روتے۔ اور فرماتے کہ اگر یہ قرآن کریم کی آیت نہ ہوتی، میں ہرگز نہ پڑھتا۔ اور نہ اس کا حکم مانتا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا: "ہم منہ سے تو اس کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ لیکن حال یہ ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں میں دوسرے پر امید اور سہارا رکھتے ہیں۔"

ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے حضرت مالک بن دینارؒ اور محمد واسعؒ کو جنت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اس بزرگ نے کہا دیکھوں پہلے کون جنت میں جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مالک بن دینارؒ کو جنت میں داخل کیا گیا اور پھر حضرت محمد واسعؒ کو۔ تب اسی بزرگ نے تعجب سے پوچھا کہ محمد واسع زیادہ کامل اور عالم تھے۔ جواب ملا کہ یہ تفاوت محض اسی وجہ سے ہے کہ دنیا میں حضرت مالک بن دینار کا ایک ہی پیراہن تھا (یعنی خدا پر توکل) اور محمد واسعؒ کے دو پیراہن تھے (یعنی وہ دنیا میں ذاتی کوشش اور اسباب کو بھی مدِنظر رکھتے تھے۔)

Marfat.com

حضرت محمد علی حکیم الترمذی رح

نوعمری میں دو طالب علموں کے ہمراہ آپ نے باہر جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کی والدہ نے کہا "میں ضعیف ہوں مجھ کو اس عالم میں چھوڑ کر کہاں جاتا ہے۔" چنانچہ رک گئے اور دوسرے دونوں ساتھی چلے گئے۔ پانچ ماہ کے بعد ایک دن گورستان میں بیٹھ کر رونے لگے کہ میں یہاں بیکار ہوں اور میرے ساتھی کل عالم ہو کر آئیں گے۔ آپ ابھی رو ہی رہے تھے کہ ایک طرف سے ایک نورانی شکل کے بزرگ نمودار ہوئے۔ اور آپ کے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے سارا حال سنا دیا۔ اس بزرگ نے فرمایا:

"کوئی غم نہ کرو، اگر چاہو تو میں روزانہ سبق پڑھا دیا کروں گا۔ تاکہ اپنے ساتھیوں سے بڑھ جاؤ۔"

تین سال تک وہ بزرگ آپ کو روز سبق پڑھاتے رہے۔ بعد میں معلوم ہوا وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

فرماتے ہیں: کہ "میں نے یہ دولت والدہ کی رضامندی سے حاصل کی۔"

آپ کے اہل وعیال سے لوگوں نے پوچھا جب شیخ کو غصہ آتا ہے تو کیا کرتے ہیں۔ فرمایا:

"غصے کی حالت میں ہم سے زیادہ نرمی کا سلوک کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ الٰہی مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا۔ کہ ان سب کو میرے خلاف کر دیا۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ ان کو صلاحیت دے دے۔ چنانچہ ہم سمجھ جاتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔"

تقویٰ اور جوانمردی کے معنے پوچھے تو فرمایا "تقوےٰ یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی تمھارا دامن گیر نہ ہو اور جوانمردی یہ ہے کہ تم کسی کا دامن نہ پکڑو۔"

فرماتے ہیں کہ "جو شخص کسی سے ڈرتا ہے وہ اس سے نفرت کرتا اور بھاگتا ہے لیکن جو خدا سے ڈرتا ہے وہ خدا ہی کی طرف بھاگتا ہے۔"

فرماتے ہیں "جس کی ہمت دین کی طرف مصروف ہو گی اس کے سب کام اس کی برکت سے درست ہو جائیں گے اور جس کی ہمت دنیا کی طرف ہو گی۔ اس کے سب کام اس کی شامت سے تباہ ہو جائیں گے۔"

Marfat.com

حضرت منصور عمار ؒ

آپ نگین خاتم ولایت اور امینِ عالم ولایت ہیں۔ اکابر حکماء اور سادات مشائخ میں سے تھے۔ وعظ کہنے میں بے نظیر تھے۔ بعض لوگ آپ کے متعلق بہت مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ رہنے والے بُوشنج کے تھے مگر بصرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

آپ کی توبہ کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ راہ میں ایک کاغذ گرا ہوا دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہُوا تھا۔ آپ نے اٹھا لیا، جب کوئی پاک جگہ رکھنے کو نہ ملی تو کھا لیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں۔ تو نے ہمارے نام کی عزّت کی ہے۔ ہم نے تجھ پر حکمت کا دروازہ کشادہ کر دیا ہے۔

مدت تک آپ ریاضت و مجاہدۂ نفس میں لگے رہے۔ آخر وعظ بیان کرنے لگے۔

ایک دن ایک نوجوان مجلسِ شراب میں مشغول تھا۔ اس نے چار درم غلام کو دیے کہ بازار سے کچھ کھانا خرید لائے۔ غلام کا گذر آپ کی مجلس وعظ کی طرف ہوا۔ اشتیاق کے باعث وہ تھوڑی دیر کے لیے مجلس وعظ میں بیٹھ گیا۔ دورانِ وعظ میں آپ نے فرمایا:۔

"کون ہے جو چار درم کے عوض چار دعائیں خدا سے منظور کرائے؟"

اس وقت آپ کو ایک درویش کے لیے چار درموں کی ضرورت تھی۔ غلام نے اسی وقت چار درم پیش کر دیئے۔ آپ نے فرمایا:۔

"مانگ کیا مانگتا ہے؟"

غلام نے عرض کیا:

۱۔ خدا تعالٰی مجھ کو آزاد کر دے۔

۲۔ میرے مالک کو توفیق توبہ نصیب ہو۔

۳۔ ان چار درموں کا اللہ تعالٰی مجھ کو اجر عطا فرمائے۔

۴۔ یہ کہ اللہ تعالٰی مجھ پر، میرے مالک پر، آپ پر اور تمام حاضرین مجلس پر رحم کرے۔

آپ نے چاروں درم لے کر دعا دی اور غلام واپس اپنے مالک کے پاس آیا۔ مالک نے دیر کی وجہ پوچھی، تو غلام نے سارا قصّہ بیان کر دیا۔

Marfat.com

سنتے ہی مالک نے کہا:

"میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اور خدا سے توبہ کرتا ہوں اور آیندہ بندہ بننے کا عہد کرتا ہوں اور چار درم کے عوض تجھ کو سو درم دیتا ہوں۔ پس جو کچھ میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کر دیا۔ لیکن جس بات پر میں قادر نہیں ہوں وہ میں نہیں کر سکتا۔"

اسی رات اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ ہاتف نے کہا:

"اے جوان جو کچھ تو اپنی ہمت کے موافق کر سکتا تھا تو نے کیا۔ اب ہماری باری ہے۔ ہم بھی اپنی شانِ کریمی کے مطابق تجھ پر۔ تیرے غلام پر۔ منصور پر اور حاضرینِ مجلس پر رحمت کرتے ہیں۔"

Marfat.com

حضرت معروف کرخیؒ

آپ صدر طریقت، رہنمائے راہِ حقیقت اور عارفِ اسرار تھے، اپنے زمانہ کے قطب تھے۔ آپ کی ریاضتیں اور کرامتیں بے حد و حساب ہیں۔ آپ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور کچھ عرصہ بعد گھر واپس آئے۔ دروازے پر دستک دی گئی تو اندر سے آواز آئی:

"کون ہے؟"

آپ نے کہا: "معروف"

پوچھا: "کس دین پر ہو؟"

فرمایا: "دین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر"

یہ سن کر ماں باپ باہر نکل آئے اور خود بھی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد آپ حضرت داؤد طائیؒ کی خدمت میں پہنچے اور طاعت و ریاضت کرنے لگے۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں، میں نے عید کے دن معروف کو خرما کی گٹھلیاں اکٹھے کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"کیا کرو گے؟"

فرمایا: ایک بچے کو روتا دیکھ کر میں نے پوچھا تو اس نے کہا میں یتیم ہوں، دوسرے لڑکوں کے پاس نئے کپڑے ہیں میرے پاس نہیں۔ میں نے چاہا کہ یہ دانے اکٹھے کر کے فروخت کروں اور اس کو اخروٹ خرید دوں، تاکہ کھیلے اور نہ روئے۔"

میں نے کہا: "یہ کام میرے ذمے رہنے دیجئے"

چنانچہ لڑکے کو نئے کپڑے خرید کر پہنائے اور اخروٹ کھیلنے کے لیے دئیے۔ اسی دن سے میرے دل میں نورِ خدا جلوہ گر ہو گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔

فرماتے ہیں: "دنیا کی محبت دل سے نکال ڈالو کیونکہ اس حالت میں جو سجدہ بھی کرو گے۔ اسی کو کرو گے۔"

جب آپ کی وفات ہو گئی تو یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں نے آپ کی لاش کے متعلق دعویٰ کیا کہ شیخ ہم میں سے تھے

Marfat.com

آپ کے ایک خادم نے کہا کہ شیخ نے وصیّت کی تھی کہ جو لوگ میرا جنازہ اٹھائیں میں انہی میں سے ہوں۔

چنانچہ یہودی اور عیسائی لوگوں نے آپ کے جنازہ کو اُٹھانا چاہا، مگر نہ اٹھا سکے۔ آخر مسلمانوں نے اُٹھایا اور دفن کیا۔

ایک دن آپ بازار میں جا رہے تھے اور روزہ کی حالت میں تھے۔ ایک ماشکی نے کہا "رحم اللہ من شرب" یعنی جو شخص پانی پیئے، اللہ تعالےٰ اس پر رحم کرے۔ چنانچہ آپ نے پانی لے کر پی لیا۔ لوگوں نے پوچھا:

"آپ تو روزہ دار تھے؟"

فرمایا: "بیشک! لیکن میں نے اس کی دعا کی طرف رغبت کی۔"

وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا۔

"اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟"

فرمایا: "ایک ماشکی کی دعا کے طفیل بخش دیا۔"

Marfat.com

حضرت محمدؒ بن اسلم طوسیؒ

اتباعِ سنّت میں آپ اپنے وقت کے سب لوگوں سے بڑھ کر تھے۔ تمام عمر مطابق سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آپ نے بسر فرمائی۔ امام علی بن موسیٰ الرضا کے ہمراہ نیشاپور میں آئے جب شہر میں داخل ہوئے تو اسحٰق بن زاہری اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ بالوں کا کُرتہ اور نمدہ کی ٹوپی سر پر اور کتاب الٰہی کا خریطہ کاندھے پر تھا۔ آپ بہت اچھے واعظ بھی تھے۔ تقریباً پچاس ہزار آدمی آپ کے وعظ کی بدولت راہِ راست پر آئے۔

معتزلہ نے دو سال تک آپ کو قید رکھا کہ قرآن کریم کو مخلوق کہو۔ مگر آپ نے نہ کہا۔

ہر جمعہ کے روز قید خانہ میں غسل فرماتے اور جا نماز کاندھے پر ڈال کر دروازے تک آتے۔ جب پاسبان منع کرتے تو واپس لوٹتے ہوئے فرماتے "الٰہی میں نے اپنا حق ادا کر دیا، اب تو جانے اور تیرا کام"

قید سے رہائی کے بعد حاکم نیشاپور آپ کے شہر میں آیا جس کا رؤسا نے استقبال کیا اور تین دن تک تمام شہر کے لوگ قدمبوسی کو آتے رہے۔ تیسرے دن پوچھا:

کیا کوئی ایسا شخص شہر میں رہ گیا ہے، جو میرے سلام کو نہیں آیا؟

لوگوں نے کہا" صرف دو شخص احمد حربؒ اور محمد بن اسلم طوسیؒ نہیں آئے۔"

پوچھا: "کیوں؟"

تو لوگوں نے کہا: "وہ عالمِ ربّانی ہیں، بادشاہوں کے سلام کو نہیں آتے"

عبداللہ بن طاہر حاکم نیشاپور نے کہا: "اگر وہ ہمارے سلام کو نہیں آتے، تو ہم ان کے سلام کو جاتے ہیں"

پس پہلے وہ احمد حربؒ کی خدمت میں گیا۔ دیکھا کہ احمد حربؒ سر نیچا کیے بیٹھے ہیں۔ دیر تک حاکم بیٹھا رہا جب شیخ نے سر اٹھایا تو فرمایا" میں نے سنا تھا تُو بہت خوبصورت ہے ویسا ہی پایا۔ اے عبداللہ ایسے منہ کو معصیت اور حکمِ خدا کی مخالفت سے بدصورت نہ بنانا"

پھر وہ آپ کی خدمت میں آیا، لیکن آپ نے ملاقات کی اجازت نہ دی۔ وہ دروازے پر کھڑا رہا کہ جب نماز کے وقت باہر نکلیں گے تو سلام کروں گا۔ جب آپ نماز کے لیے باہر آئے تو وہ گھوڑے پر سے کود پڑا اور آپ کے پاؤں پر بوسہ دے کر کہا۔

خداوندا تیرے دوست اس وجہ سے مجھ کو دشمن سمجھتے ہیں کہ میں بُرا ہوں۔ لیکن میں ان لوگوں کو ان کے اچھا ہونے کی وجہ سے دوست رکھتا ہوں۔ تو اپنے فضل سے مجھ بُرے کو ان اچھے لوگوں کا طفیلی بنا دے۔

Marfat.com

حضرت شیخ نسّاج رح

خُلق وحلم، ورع ومجاہدہ میں کامل تھے شبلیؒ اور ابراہیم خواص دونوں نے آپ کی مجلس میں توبہ کی تھی۔ سری سقطیؒ کے مرید تھے جنیدؒ آپ کی عزّت کرتے تھے۔

آپ کو نسّاج اس لیے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حج کے لیے جارہے تھے۔ چونکہ آپ کا رنگ ظاہری سیاہ تھا اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھے۔ ایک شخص نے اس حال میں دیکھ کر خیال کیا، شاید کسی کا بھاگا ہُوا غلام ہے اس سے پوچھا:

"کیا تو غلام ہے؟"

آپ نے کہا:"ہاں!"

پوچھا:"کیا بھاگا ہوا ہے؟"

فرمایا:"ہاں!"

اس نے کہا:"میں تم کو حفاظت کے ساتھ مالک کے پاس پہنچا دوں گا۔"

آپ نے فرمایا:"میں مدّت سے اسی کوشش میں ہوں کہ مالک تک پہنچ جاؤں یا کوئی مجھ کو پہنچا دے۔"

اس شخص نے کہا۔"اب تم میرے غلام ہو اور خیر تمھارا نام ہے۔"

غرض آپ اس کے ہمراہ ہو لیے اور اس کے گھر جا کر کپڑا بُننا سیکھا۔ سارا دن کپڑا بنتے۔ جب وہ شخص خیر کہہ کر بلاتا تو آپ لبّیک کہتے۔ کچھ دنوں بعد وہ شخص آپ کی فراست ادب، صدق اور عبادت کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔ اور معافی مانگ کر رخصت کیا اس شخص سے رخصت ہو کر مکّہ تشریف لائے اور اس مرتبہ تک پہنچ گئے کہ شیخ جنیدؒ نے آپ کے حق میں فرمایا:

"خیرو خیرنا" (یعنی خیر ہم سب میں بہتر ہے)

آپ خیر کے نام سے پکارا جانا پسند فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک مسلمان کا رکھا ہوا نام میں بدلنا نہیں چاہتا۔

آپ کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی۔ جب وفات کا وقت آیا۔ تو مغرب کی نماز کا وقت تھا۔ عزرائیل علیہ السلام پہنچے تو آپ نے سر اٹھا کر کہا۔

"تم بھی مامور ہو اور میں بھی مامور ہوں۔ تم کو حق نے حکم دیا ہے کہ اس کی جان قبض کرو اور مجھے حکم دیا ہے کہ فریضۂ مغرب ادا کرو۔ جو حکم تم کو دیا گیا ہے وہ فوت نہیں ہو سکتا۔ مجھ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ فوت ہو سکتا ہے۔ پس اس قدر صبر کرو کہ میں وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جاؤں۔" چنانچہ آپ وضو کر کے نماز میں مصروف ہوئے اور جان بحق تسلیم ہوئے۔

Marfat.com

حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ

آپ چشمۂ روضۂ رضا، نقطۂ کعبہ رجا، ناطق حقائق، واعظ خلائق ہیں۔ آپ کا خلق عظیم تھا بسط و قبض اور رجا کا غلبہ رہا کرتا تھا۔ آپ کا وعظ نہایت مؤثر ہوا کرتا تھا۔ اسی لیے واعظ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ عمل و علم میں آپ کا قدم نہایت استوار تھا۔ صاحبِ تصنیف و تالیف بھی ہیں۔

ایک دفعہ آپ نے اپنے دوست کو خط لکھا کہ دنیا کو خواب اور آخرت کو بیداری سمجھو۔ جو شخص خواب میں روتا ہے وہ بیداری میں شاد ہوتا ہے۔ پس تم دنیا میں روؤ، تاکہ آخرت میں شادکام ہو۔

فرماتے ہیں: "جس قدر تم خدا کو دوست رکھو گے۔ اُسی قدر خلقت تم کو عزیز سمجھے گی جس قدر تم خدا سے ڈرو گے اسی قدر خلقت تم سے ڈرے گی۔ جس قدر تم خدا کے کام میں مشغول ہو گے اسی قدر خلقت تمہاری خدمت میں مصروف رہے گی۔"

فرماتے ہیں: "خدا کے ساتھ ہمیشہ نیک گمان رکھو۔ یہ سب گمانوں سے بہتر گمان ہے۔"

فرماتے ہیں: "اگر موت کو بازار میں فروخت کیا جاتا تو اہلِ آخرت موت کے سوا اور کوئی چیز خرید نہ کرتے۔"

فرماتے ہیں: "جب تک کسی آدمی میں تین صفات نہ ہوں وہ حکیم نہیں کہلا سکتا۔

۱۔ امیروں کو نصیحت کرنے کے خیال سے دیکھے نہ کہ حسد کی رو سے۔

۲۔ عورتوں کو شفقت اور مہربانی کی نظر سے دیکھے نہ کہ شہوت کی نظر سے۔

۳۔ درویشوں کو تواضع کی نظر سے دیکھے نہ کہ تکبّر کی نظر سے۔"

فرماتے ہیں: بندہ کے لیے دو ایسی مصیبتیں ہیں جن سے زیادہ اور کوئی مصیبت دنیا و آخرت میں نہیں ہے۔ پُوچھا: "وہ کیا؟"

فرمایا: اول یہ کہ بندہ جو مال جمع کرتا ہے، اس سے وہ چھین لیا جاتا ہے اور دوسرے اس سے ذرّہ ذرّہ کا حساب لیا جاتا ہے۔

فرمایا: صوف پہن لینا دکانداری ہے۔ زُہد کی باتیں کرنا پیشہ ہے۔ جو شخص اطاعت کا زیادہ اظہار کرتا ہے وہ ریاکار ہے اور توکل پر طعن کرنے والا ایمان پر طعن کرتا ہے اور جو شخص مال پر تکبّر کرتا ہے اس کے سامنے تکبر سے پیش آنا عین تواضع ہے۔"

فرماتے ہیں: "ایمان تین چیزوں کا نام ہے۔ ۱۔ خوف۔ ۲۔ رجا۔ ۳۔ محبّت۔ خوف سے ترکِ گناہ ہوتا ہے۔ رضا کے ضمن میں عبادت کرنے کو دل چاہتا ہے۔ محبّت کے ضمن میں رضائے حق حاصل ہوتی ہے۔"

فرمایا: "عارف وہ ہے، جس کے نزدیک ذکرِ الٰہی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہو۔"

Marfat.com

فرماتے ہیں" : توبہ کی تین علامات ہیں :-

۱۔ روزہ کی وجہ سے کم کھانا۔

۲۔ نماز کی وجہ سے کم سونا۔

۳۔ خدا تعالیٰ کے لیے کم بولنا۔"

پوچھا" قیامت کے دن سب سے زیادہ بےخوف کون ہوگا؟"

فرمایا" : جو آج سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔"

پوچھا : آدمی کب توکل پر پہنچ جاتا ہے؟"

فرمایا" : جب خدا کو اپنا کارساز بنالے۔

پوچھا" : محبّت کا کیا نشان ہے؟"

فرمایا" : جو وفا سے زیادہ نہ ہو اور جفا سے کم نہ ہو۔"

کسی شخص نے عرض کیا" : وصیّت فرمایئے۔"

فرمایا : میرا نفس میری بات نہیں مانتا، تو دوسرا کب مان سکتا ہے۔"

Marfat.com

حضرت یوسف بن الحسینؒ

انواع علوم ظاہر و باطن میں کمال کا درجہ رکھتے تھے۔ اہالیانِ رَے اور کوہستان کے امام و پیشوا تھے۔ ذوالنّون مصریؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ آپ کی عمر بہت زیادہ تھی۔ ہمّت بلند، ریاضت و کرامت بے شمار تھی۔

ذوالنّون نے فرمایا: "میں تم کو تین باتیں بتاتا ہوں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جو کچھ تم نے لکھا پڑھا ہے۔ سب کچھ بھلا دو دوم یہ کہ میرا نام کسی سے نہ لو۔ بلکہ مجھ کو بھول جاؤ۔ اور تیسری یہ کہ خلقت کو خدا کی طرف بلاؤ۔ مگر اپنے آپ کو درمیان میں نہ سمجھنا۔"

چنانچہ آپ وعدہ کر کے واپس وطن تشریف لائے اور خلقت کو خدا کی جانب بلانے لگے۔ مگر اکثر لوگ جو اہلِ ظاہر تھے، آکر آپ کے مقابلے پر کھڑے ہو گئے اور آخر نوبت یہ پہنچی کہ کوئی شخص بھی آپ کی مجلس میں نہ آتا تھا۔

ایک دن مجلس میں پہنچے، کچھ بیان کرنا ہی چاہتے تھے کہ لوگ چلے گئے۔ لوٹ کر واپس جانا چاہا، تو ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جو کہہ رہی تھی۔

" تُو نے ذوالنّون سے عہد نہ کیا تھا کہ خلقِ خدا کو ہدایت کی طرف بلاؤں گا مگر اپنے آپ کو درمیان میں نہ سمجھوں گا۔ اب کیوں واپس جاتا ہے؟"

یہ سُن کر آپ بہت حیران ہوئے۔ پھر یہ دستور اختیار کر لیا کوئی سُنے یا نہ سُنے آپ بیان کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ پچاس سال اسی طرح گذر گئے۔

آپ کی آنکھوں میں ہر وقت سُرخی رہتی تھی، آپ کی ہمشیرہ سے لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب ملا۔

" ساری رات قیام میں رہتے ہیں۔"

لوگوں نے آپ سے پوچھا: "قیام میں رہنا بھی کوئی عبادت ہے جبکہ رکوع و سجود نہیں کرتے؟"

فرمایا: "نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں مگر عظمتِ الٰہی کو مشاہدہ کر کے حیران رہ جاتا ہوں۔ اسی حیرانی میں رات گذر جاتی ہے اور صبح فرض ادا کرتا ہوں۔"

Marfat.com

حضرت یوسف اسباطؒ

آپ اکابر زہاد اور عباد میں سے تھے۔ تابعین میں آپ جیسا کوئی بلند مرتبہ نہیں ہوا۔ مراقبہ اور محاسبہ میں کمال حاصل تھا۔ دنیا سے بالکل ہی علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ آپ نے بہت سے مشائخ کبار کی زیارت کی اور ان سے فیض حاصل کیا۔

روایت ہے آپ کو میراث میں ستر ہزار درم ملے تھے۔ لیکن کچھ خرچ نہ کیا۔ بلکہ خود مزدوری کر کے کماتے اور کھاتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ چالیس سال تک ایسی حالت رہی۔ سوائے ایک پرانے خرقہ کے کوئی نیا کپڑا نہ تھا۔

شبلیؒ فرماتے ہیں "آپ سے تواضع کے متعلق پوچھا گیا" جواب دیا: "گھر سے باہر نکل کر جس کسی کو بھی دیکھو اپنے آپ سے بہتر دیکھو۔ پھر فرمایا تھوڑے سے ورع کے عوض میں بہت سا عمل ملتا ہے اور تھوڑی سی تواضع کے بدلے میں بہت سی کوشش ملتی ہے۔ اور تواضع یہ ہے کہ جو کوئی حق بات کہے اس کو فوراً قبول کر لو جو تم سے ادنیٰ ہو اس کے ساتھ نرمی کرو اور جو اعلیٰ ہو اس کی تعظیم کرو۔ اگر کسی سے لغزش دیکھو تو برداشت کرو۔ اپنی حالت پر جیسی بھی ہو، شکر کرو۔ غصّے کو پی لو۔ جہاں کہیں بھی ہو خدا کی طرف رجوع رکھو اور امیروں کے ساتھ تکبّر کرو۔

فرماتے ہیں: "توبہ کے دس مقام ہیں:۔

۱۔ جاہلوں سے دُور رہنا۔

۲۔ خراب لوگوں سے بچنا۔

۳۔ متکبّروں سے الگ رہنا۔

۴۔ اچھی باتوں میں مصروف رہنا۔

۵۔ نیک کاموں میں جلدی کرنا۔

۶۔ توبہ کا درست کرنا۔

۷۔ توبہ پر قائم رہنا۔

۸۔ حقوق العباد کا درست کرنا۔

۹۔ غنیمت کو طلب کرو۔

۱۰۔ قوّت کا ضائع کر دینا۔"

فرماتے ہیں" انس کی پانچ علامات ہیں:۔

Marfat.com

۱۔ ہمیشہ خلوت میں رہنا۔

۲۔ لوگوں سے وحشت رکھنا۔

۳۔ ذکر سے راحت پانا۔

۴۔ مجاہدہ میں لذّت پانا۔

۵۔ طاعت کی رسّی مضبوطی سے تھامنا۔"

رماتے ہیں: "شوق کی علامات حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ راحت کے عالم میں موت کو یاد کرنا۔

۲۔ صحت وخوشی کے وقت زندگی کو دشمن سمجھنا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رغبت اور اُنس رکھنا۔"

فرمایا ہے: "نماز باجماعت تم لوگوں پر فرض نہیں مگر طلبِ حلال فرض ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

حِصّۂ دُوم

Marfat.com

Marfat.com

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح

تاریخی حالات ولادت باسعادت حضرتِ والا بتاریخ ۲۲ ماہ صفر المظفر بروز دوشنبہ ۱۲۳۳ھ مقدسہ بمقام نانوتہ ضلع سہارنپور ہوئی قصبہ مذکور وطن اجداد مادری حضرت کا ہے۔ اسم مبارک والد ماجد نے امداد حسین اور تاریخی نام ظفر احمد رکھا اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نواسۂ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہما نے بلقب امداد اللہ ملقب فرمایا۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت حافظ محمد امین تھا۔ اور حضرت صاحب کے دو برادر کلاں و یک برادر و ہمشیرہ خورد بھی تھیں۔ بڑے بھائی ذوالفقار علی و منجھلے فدا حسین نام تھے اور تیسرے خود حضرت اور چھوٹے بھائی بہادر علی و ہمشیرہ بی بی وزیر النساء نام تھیں ابھی زمانہ سن حضرت کا صرف سات سال کا تھا کہ حضور کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی حسینی بنت حضرت شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی نے انتقال فرمایا۔ وقتِ وفات انھوں نے حضرت کے لیے ان الفاظ میں وصیت فرمائی کہ بعد میری وفات کے میرے اس تیسرے بچّہ کو کسی وقت اور کسی وجہ سے کبھی کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے اور زجر و ضرب نہ کرے۔ چنانچہ ان کی وصیت کی تعمیل میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا کہ ....
کہ آپ کی تعلیم کی طرف کچھ توجہ والتفات نہ ہوا۔ لیکن چونکہ تائید ربانی ابتدائے خلقت سے مربی حضرت کی تھی اس زمانۂ صغرسنی میں بھی باوجود عدم توجہی و مطلق العنانی کبھی لہو و لعب نامشروع میں مشغول نہ ہوتے تھے اور اپنے باطنی شوق سے قرآن مجید حفظ کرنا شروع فرمایا، اور اپنے شوق سے اکثر حفاظ کو استاذ بنایا۔ مگر تقدیرات سے کچھ ایسے مواقع پیش آتے گئے کہ نوبت تکمیل حفظ کی نہ پہنچی یہاں تک کہ بتوفیق الٰہی ۱۲۵۸ھ چند دن میں مکہ معظمہ میں اس کی تکمیل ہوگئی اور سولہ سال کے سن میں وطن شریف سے ہمراہی حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا۔ اسی زمانہ میں چند مختصرات فارسی تحصیل فرمائے اور کچھ صرف و نحو اساتذہ عصر کی خدمت میں حاصل کی اور مولانا رحمت علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ سے تکمیل الایمان شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ کی قرأت اخذ فرمائی۔

ہنوز تکمیل علوم ظاہرہ میسر نہ ہوئی تھی کہ ولولۂ خداطلبی جوش زن ہوا اور نوعمری میں حضرت مولانا نصیرالدین حنفی نقشبندی مجددی کے ہاتھ پر طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور اذکار طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ اخذ فرمائے اور چند دن تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہ کر اجازت و خرقہ سے مشرف ہوئے بعد ازاں بہ الہام مشکوٰۃ شریف کا ایک ربع قراءۃً حضرت مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی پر گذرانا اور حصن حصین و فقہ اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم مرحوم نانوتوی سے اخذ کیا اور یہ ہر دو بزرگوار ارشد تلامذہ عارف مستغرق حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے تھے۔

زیارت رسول ﷺ ایک دن آپ نے خواب دیکھا کہ مجلس اعلیٰ و اقدس حضرت سرور عالم مرشد اتم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ و ازواجہ

Marfat.com

واتباعہ وسلم میں حاضر ہوں ہنایت رعب سے قدم آگے نہیں بڑھتا ہے کہ ناگاہ میرے جدامجد حضرت حافظ بلاقی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضور حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ لے کر حوالہ حضرت میانجیو صاحب چشتی قدس سرہ کے کردیا اور اس وقت تک بعالم ظاہر میانجیو صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ سے کسی طرح کا تعارف نہ تھا، بیان فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہُوا عجیب حیرت وانتشار میں مبتلا ہُوا کہ یا رہے یہ کون بزرگوار ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اور خود مجھ کو ان کے سپرد فرمایا۔ اسی طرح کئی سال گذر گئے کہ ایک دن حضرت استاذی مولانا محمد قلندر محدّث جلال آبادی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے میرے اضطرار کو دیکھ کر بکمال شفقت وعنایت فرمایا کہ تم کیوں پریشان ہوتے ہو موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے وہاں جاؤ اور حضرت میانجیو صاحب سے ملاقات کرو۔ شاید مقصود دلی کو پہنچو اور اس حیض وبیض سے نجات پاؤ۔ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت مولانا سے میں نے یہ سنا متفکر ہوا اور دل میں سوچنے لگا کہ کیا کروں۔ آخر بلا لحاظ سواری وغیرہ میں نے فوراً لوہاری کی راہ لی۔ اور شدّتِ سفر سے حیران وپریشان چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ پیروں میں آبلے پڑ گئے۔ بارے بہ کشش وکوشش آستانہ شریف پر حاضر ہوا اور جیسے ہی دور سے جمال باکمال ملاحظہ کیا صورتِ انور کو کہ خواب میں دیکھا تھا بخوبی پہچانا اور محو خود رفتگی ہوگیا اور آپے سے گذر گیا اور افتاں وخیزاں ان کے حضور میں پہنچکر قدموں پر گر پڑا حضرت میانجیو صاحب قدس اللہ اسرارہ نے میرے سر کو اٹھایا اور اپنے سینہ نور گنجینہ سے لگایا اور بکمال رحمت وعنایت فرمایا کہ تم کو اپنے خواب پر کامل وثوق ویقین ہے۔ یہ پہلی کرامت منجملہ کرامات حضرت میانجیو صاحب کی ظاہر ہوئی اور دل کو بکمال استحکام مائل بخود کیا۔ الحاصل ایک مدّت خدمت بابرکت جناب موصوف میں حلقہ نشین رہے اور تکمیل سلوک سلاسل اربعہ عموماً وطریق چشتیہ صابریہ خصوصاً کیا اور خرقہ وخلافت نامہ واجازتِ خاصہ وعامہ سے مشرف ہوئے بعد عطائے خلافت حضرت میانجیو صاحب نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا جس کی رغبت ہو وہ تم کو بخشوں۔ آپ یہ سُن کر رونے لگے اور عرض کیا کہ دنیا کے واسطے آپ کا دامن نہیں پکڑا ہے۔ خدا کو چاہتا ہوں۔ وہی مجھ کو بس ہے۔ حضرت میانجیو صاحب قدس سرہٗ یہ جواب سُن کر بہت مسرور وخوش مزہ ہوئے اور آپ کو بغلگیر فرما کر علوہمّت پر آفرین کی اور دعاہائے جزیلہ وجمیلہ دیں اور خود حضرت میانجیو صاحب انار اللہ ضریحہ نے ۱۲۵۹ھ میں رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

یادِ الٰہی

بعد ازاں قلب مبارک میں جذبہ آلٰہیہ پیدا ہوا اور آپ آبادی سے ویرانہ کو چلے گئے۔ مخلوق سے نفرت فرماتے تھے اور اکثر دولتِ فاقہ سے کہ سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے مشرف ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آٹھ آٹھ روز اور کبھی زیادہ گذر جاتے اور ذراسی چیز حلق مبارک میں نہ جاتی اور حالت شدّت بھوک میں اسرار وعجائب فاقہ مکشوف ہوتے تھے۔ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن بہت بھوک کی تکلیف میں ایک دوست سے کہ نہایت خلوص دلی رکھتا تھا چند روپے میں نے بطور قرض مانگے، باوجود موجود ہونے کے انکار صاف کردیا۔ اس کی اس نا التفاتی سے تکدّر وملال دل میں پیدا ہوا۔ چند منٹ کے بعد تجلّی توحید افعالی نے استعلاء فرمایا اور معلوم ہوا کہ یہ فعل فاعل حقیقی سے متکون ہوا ہے اس وقت سے خلوص اس دولت کا زائد ہوا اور وہ تکدّر مبدّل بہ لطف ہوگیا۔ اس واقعہ کو چند ماہ گزرے تھے کہ میں مراقبہ تھا۔ سیّدنا جبرئیل علیہ السلام وسیّدنا میکائیل علیہ السلام کو دیکھا محو خود رفتہ ہوگیا۔

Marfat.com

ولذّت کہ حاصل ہوئی احاطۂ بیان میں نہیں آسکتی اور وہ دونوں تبسّم کناں دزدیدہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے اسی طرح چلے گئے اور کچھ نہ کہا۔

سفر حجاز مقدس سیّد کائنات اشرف مخلوقات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آؤ، یہ خواب دیکھ کر خواہش زیارت مدینہ طیبّہ دل میں متمکّن ہوئی۔ یہاں تک کہ بلا فکر زادِ راہ کے آپ نے عزم مدینہ منوّرہ کر دیا اور چل کھڑے ہوئے۔ جب ایک گاؤں میں پہنچے آپ کے بھائیوں نے کچھ زادراحلہ روانہ کیا۔ حضور نے اس کو بخوشی خاطر قبول کیا اور روانہ ہوئے یہاں تک کہ پنجم ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ کو بمقام بندر لیس کہ متصل بندر جدّہ کے ہے جہاز سے اترے اور براہِ راست عرفات کو تشریف لے گئے اور جملہ ارکان حج بجالائے اور مکّہ معظمہ میں حضرت مولانا محمد اسحاق دہلوی قدس سرہ وحضرت عارف باللہ سیّد قدرت اللہ حنفی بنارسی ثم المکی سے کہ کرامات وخرق عادات میں مشہور تھے فیض وفوائد حاصل کیے اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ نے چند وصایا فرمائے۔

شاہ اسحٰق کے وصایا ازاں جملہ یہ کہ اپنے کو کمترین مخلوقات سمجھنا چاہیئے اور یہ کہ تا امکان خود قوت حرام ومشتبہ سے پرہیز واجب جانے کیونکہ لقمۂ مشتبہ وحرام سے برابر نقصان ہے اور مراقبہ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ۔ تعلیم فرمایا۔ تاکہ ملاحظہ معنے صورت رویت حق تعالےٰ خود کو ملاحظہ کرے اور اس پر مواظبت رکھے تاکہ وجدان صورت ملکہ کا ہووے اور دوسری باتیں تعلیم فرمائیں اور اپنے خاندان کے معمولات کی اجازت دی اور فرمایا کہ فی الحال بعد زیارت مدینہ طیبّہ تمہارا ہند کو جانا قرین مصلحت ہے۔ پھر انشاء اللہ تعالےٰ تمام تعلقات منقطع کر کے اور بہمّت تمام یہاں آؤ گے۔ البتہ چندے صبر ضروری ہے۔ اس وقت مدینہ منوّرہ کا راستہ مامون تھا اور کوئی شورش بدوؤں وغیرہ کی نہ تھی اور آپ کے دل کو سخت اضطراب وقلق مدینہ طیبّہ کی حاضری کا تھا کہ علّت غائی اس سفر کی یہی تھی۔ خیال تھا کہ اگر وہاں جانا نہ ہوا تو گویا تمام محنت مفت رائیگاں ہوئی۔ بالآخر آپ نے یہ انتشار بحضور جناب سید قدرت اللہ عرض کیا۔ حضرت سیّد صاحب نے تسکین فرمائی اور چند بدوی مریدان خود کو آپ کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ بحفاظت تمام ان کو مدینہ طیبہ لے جاؤ اور ان کے قلب کو کوئی رنج نہ پہنچنے پاوے کیونکہ ان کے ملال سے تمہاری عاقبت کی خرابی متصوّر ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد

بالجملہ آپ مدینہ منوّرہ کو روانہ ہوئے اور دل میں خیال آیا کہ اگر کوئی عامل کامل وعارف واصل بلا میری طلب کے اجازت پڑھنے درود تنجینا کی دیتا تو بہت اچھا ہوتا۔ بارے بفضلہ تعالےٰ اس جوار پاک شاہ لولاک میں پہنچے اور شرف جواب صلوٰۃ وسلام حضرت خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسّلام سے مشرف ہوئے اور عارفِ خدا حضرت شاہ غلام مرتضیٰ جھنجھانوی ثم المدنی سے ملاقات فرمائی اور اپنے شوق دلی کا نسبت قیام مدینہ منورہ کے اظہار فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ابھی جاؤ چندے صبر کرو پھر انشاءاللہ یہاں بہت جلد آؤگے اور صاحب جذب واحسان حضرت مولانا شاہ گل محمد خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہ متوطن قدیم رامپور تھے

Marfat.com

اور عرصہ بیس سال سے مجاور روضۂ شریف تھے، ملاقات کی اور ان کی خدمت سے بہت فوائد حاصل کیے اور حضرت خانصاحب موصوف نے بلا ذکر وطلب اجازت درود تنجینا کی دی کہ ہر روز اگر ممکن ہو ایک ہزار بار ورنہ تین سو ساٹھ بار پڑھا کرو اور اگر اس قدر بھی دقت ہو تو اکتالیس بار تو ضرور پڑھا کرو اور ہرگز ناغہ نہ ہونے پائے کہ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔

آپ گو ظاہری علم شریعت میں علامۂ دوران اور مشہور زماں مولوی نہ تھے مگر علم لدنی کے جامہ سے آراستہ اور نور عرفان والقان کے زیورات سے سرتا پا پیراستہ۔ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کو مہبط انوار وبرکات اور فیوض وتجلیات بنائے ہوئے تھے۔ خلقتہً ضعیف ونحیف الضعیف اللحم اس پر مجاہدات وریاضات اور تقلیل طعام ومنام اور سب سے بڑھ کر عشق حسن ازلی جو استخوان تک کو گھلا دیتا ہے جس کے باعث آخر میں کروٹ تک بدلنا دشوار تھا۔

ہجرت غدر کے بعد ایام غدر میں فساد والزام بغاوت کے زمانہ میں مکہ معظمہ ہجرت فرمائے ہوئے اور کل چوراسی سال تین مہینہ بیس روز گوشہائے عالم دنیا کو منور فرما کر بارہ تیرہ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ بروز چارشنبہ بوقت اذان صبح اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہوئے اور جنت المعلےٰ (مقبرہ مکہ معظمہ) میں مولوی رحمت اللہ کی قبر کے متصل مدفون ہوئے۔ اَطَابَ اللّٰہُ ثَرَاہُ وَجَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ۔

استغنا اور قناعت اعلیٰحضرت گھر سے خوشحال اور موروثی جائیداد کا معقول حصّہ پائے ہوئے تھے جو بظاہر الحال گذران معیشت کے لیے کافی ووافی سامان تھا۔ مگر آپ کا قلب سلیم چونکہ بالطبع زہد وتوکل کا شیدا تھا اس لیے آپ نے اپنی ساری جائداد سکنی وزرعی اپنے بھائی کے نام منتقل کر دی اور مسجد کے حجرہ کو مسکن بنایا تھا۔ اعلیٰ حضرت زاویہ خمول کی زیست اور گمنامی کے ساتھ ایام گذاری کی جانب بہت راغب تھے اس لیے ہمیشہ اپنے آپ کو چھپایا اور علیحدگی ویکسوئی کو اخفاء وکتمان کا سبب بنایا مگر بقول ؎

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

اپنے چھپائے کب چھپ سکتے تھے خدائی مخلوق نے جبہ سائی کو فخر سمجھا اور جیسا کہ دین کا اپنے زمانۂ ولادت سے حال رہا ہے۔ غربا ومساکین اور عوام الناس طالب دین نیک بندوں کی آمد شروع ہوئی۔ مجبوراً امتثالاً للامر آپ طالبین کو بیعت فرماتے اور اللہ کا نام سیکھنے کے لیے آنے والی خلقت کی دستگیری فرماتے تھے۔ آخرین طالبین کا ہجوم دن بدن بڑھتا گیا اور آپ اسی توکل کے وسیع خوان پر مہمانوں کی بخوشی ضیافت فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کی بھاوج نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ موروثی جائیداد آپ منتقل فرما چکے خود توکل پر بعسرت وفقر گذران ہے پھر اس پر مہمانوں کی کثرت اور نووارد مسافروں کی زیادتی گو آپ کو بار نہ ہو مگر میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس خدمت سے چشم پوشی کروں۔ اس لیے آج سے جتنے مہمان آئیں ان کی اطلاع غریب خانہ پر فرما دیں ان کا کھانا دونوں وقت یہاں سے آئے گا۔ اوّل تو اعلیٰحضرت نے انکار فرمایا کہ نہیں میرے مہمان ہیں ان کی خدمت کا مجھ ہی پر حق ہے مگر آخر بھابی صاحبہ کے اصرار کے سبب جو محض اخلاص کے ساتھ تھا آپ نے قبول

Marfat.com

فرما لیا اور اس روز سے مہمانوں کا کھانا دونوں وقت وہاں سے آنے لگا۔ اعلیٰ حضرت کی بھاوج کا حُسنِ اعتقاد اور مخلصانہ برتاؤ تھا کہ مہمانوں کا کھانا خود پکاتی تھیں اور کسی مہمان کے بے وقت آنے سے بھی کبھی تنگ دل نہ ہوتی تھیں۔

حضرت گنگوہی کی بیعت حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ تھانہ بھون میں داخل ہوتے ہی اوّل پیر محمد والی مسجد میں پہنچے، دیکھا کہ ظہر کی نماز ہو چکی ہے اور اعلیٰ حضرت اپنی سہ دری میں بیٹھے ہوئے تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں۔ حضرت مولانا حاضر خدمت ہوئے اور ختم تلاوت پر سلام مسنون کر کے بیٹھ گئے اس سے قبل غالباً ایک مرتبہ دہلی اور دو مرتبہ گنگوہ اور ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لیے تھانہ بھون میں اعلیٰ حضرت کی زیارت ہوئی تھی۔ یہ پانچویں ملاقات تھی مگر یوں کہنا چاہیے وطن میں اعلیٰ حضرت کے مہمان بن کر حاضری کا عمر بھر میں آپ کو پہلا اتفاق تھا۔ اعلیٰ حضرت نہایت ہی کریمانہ اخلاق سے پیش آئے۔ اور غایت درجہ خاطر و مدارات فرمائی۔ اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے ؟ حضرت امام ربّانی نے (ایک عام کے ساتھ) مناظرہ کا قصد ظاہر کیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہا ہا! ایسا ارادہ نہ کرنا میاں وہ ہمارے بزرگ ہیں بڑے ہیں، مباحثہ کا تو اسی جگہ فیصلہ ہوگیا اور حضرت یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ حضرت آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں اس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور آپ نے موقعہ پا کر بالفاظ مناسب بیعت ہونے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت اطاب اللہ ثراہ نے عادت شریفہ کے موافق بیعت میں نامل ہی نہیں فرمایا بلکہ طلب صادق کو امتحان کی کسوٹی پر کسنے اور اعتقاد و شوق بڑھانے کے لیے صورۃ انکار کے لفظ زبان پر لائے۔ یہاں سوائے اخلاص و شوق کے کیا تھا قطبیت کا جامہ پہننے والا ایک جسم تھا جو سرتا پا طلب بنا ہوا تھا۔ نخوتِ علم و تکبر مولویت نام کو بھی نہ تھی۔ اور جو کچھ تھی وہ پہلی ہی گفتگو پر نکل چکی تھی پس نتیجہ امتحان یہ تھا کہ جتنا ادھر سے انکار تھا اسی قدر ادھر سے اصرار اور جس قدر اس جانب سے استغنا کا برتاؤ تھا اتنا ہی اس طرف سے احتیاج و افتقار کا اظہار۔ چونکہ پیرانِ عظام ہمیشہ طالب صادق اور ہونہار کی تلاش میں رہتے ہیں اس لیے انھیں امتحان والے دو تین دن میں ایک دوسرے بزرگ نے بھی جن سے مناظرہ کرنے تشریف لائے تھے طرح طرح سے آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ۔ صاحبدل کا ایک دل چونکہ ایک کا ہو لیا تھا۔ اس لیے نہ پھرنا تھا نہ پھرا۔ چنانچہ اسی اثناء میں حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ سے آنے کا سبب اور حال دل پوچھنے لگے تو آپ نے بے اختیار فرمایا جدھر دل کا میلان ہے وہ قبول نہیں کرتے، دوسرے اپنی طرف کھینچتے ہیں عجب قصہ ہے۔ جناب حافظ صاحب نے دلاسا دیا اور فرمایا کہ ابھی جلدی کیا ہے چند روز ٹھہرو یہاں کے حالات دیکھو آخر جب آپ کی پختگی ظاہر ہوگئی تو جناب حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں سفارش کا اجر حاصل فرمایا اور تھانہ کی حاضری سے دو تین روز کے بعد آپ کو سلاسل اربعہ میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت حاصل ہوئی حضرت مولانا قدس سرہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب اعلیٰ حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت ہونے کا وقت آیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت ذکر و شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہوسکتا اور نہ رات کو اُٹھا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے تبسّم کے ساتھ فرمایا: اچھا کیا مضائقہ ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ منظوری شرط کے ساتھ بیعت ہوئے۔ اور اعلیٰ حضرت نے آپ کو بارہ تسبیح تلقین فرما دیں۔ شب کے وقت اعلیٰ حضرت نے وہ چارپائی جس پر آپ استراحت فرماتے تھے اپنے پلنگ کے پاس بچھوا لی اور آرام فرمایا۔ آخر شب میں جب اعلیٰ حضرت حسب معمول اُٹھے تو حضرت مولانا کی بھی آنکھ کھل گئی۔ مگر چونکہ

Marfat.com

بیعت کے شرط ہو چکی تھی اس لیے اعلیحضرت نے کچھ نہیں فرمایا کہ اٹھو بیٹھو یا بتلائی ہوئی دوازدہ تسبیح کا ذکر کرلو۔ لیکن شیخ کا فیضان پہلے ہی اپنا اثر کر چکا تھا، بھلا کس طرح ممکن تھا کہ حضرت مخدوم قدس سرہٗ بستر پہ لیٹے رہتے یا نیند آجاتی۔ دو چار کروٹیں آپ نے ضرور بدلیں اور کسی درجہ میں چاہا بھی کہ نیند آجائے مگر حق تعالیٰ کو آپ سے جو کام چند ہی روز بعد لینا منظور تھا اس کے اسباب قریبہ اسی پہلی رات سے پیدا ہونے مقدر تھے پس نہ آپ کی آنکھ لگی اور نہ آپ اس ناگوار و مضطرب حالت کے متحمل ہو سکے، آخر خود ہی اُٹھے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے ایک گوشہ میں اعلیٰ حضرت اپنے کام میں مشغول تھے، دوسرے گوشہ میں آپ جا کھڑے ہوئے بہ نیت تہجد نوافل ادا کیے اور ذکر نفی و اثبات بالجہر شروع کر دیا۔ حضرت قدس سرہ نے جس وقت اس قصہ کا خود تذکرہ فرمایا تو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آخر کار میں نے ذکر بالجہر شروع کیا گلا اچھا تھا بدن میں قوت تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت فرمانے لگے کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو اس دن سے ذکر جہر کے ساتھ مجھے محبت ہو گئی۔ پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی۔

ہندوستان کا غدر اور ہجرت کی تفصیل

مولانا قاسم العلوم کو (زمانۂ غدر میں) املیا، گھنہلہ، لاڈوہ، پنجلاسہ اور جمنا پار کئی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا اور امام ربانی (مولانا گنگوہی) قدس سرہٗ نے قیام زیادہ تر گنگوہ یا رام پور میں کیا مگر اپنے ہادیٔ برحق کی ہندوستان میں آخری زیارت کے شوق سے بیتاب ہو کر انبالہ نگری اور پنجلاسہ کے سفر کو اُٹھے اور مخفی طور پر اس حق کو ادا فرما کر واپس وطن ہوئے۔ اس زمانہ کی کیفیات ایسی عجیب غریب گذری ہیں کہ اگر کھلی کرامتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جائے تو کئی ورق چاہئیں اس لیے ان کو تفصیلاً چھوڑتا ہوں اور ضروری مضمون پر اکتفا کرتا ہوں۔ تینوں حضرت کے نام چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لیے صلہ تجویز ہو چکا تھا اس لیے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے وطن کو خیرباد کہی اور بہ نیت حرمین گھر سے باہر نکلے چونکہ مولانا گنگوہی سے زیادہ تعلق تھا اس لیے آخری ملاقات ہند کے لیے گنگوہ تشریف لائے اس وقت حضرت مولانا قدس سرہٗ کی صاحبزادی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب کی والدہ ماجدہ کی عمر دو سال کی تھی جس وقت پنجلاسہ ضلع انبالہ میں پہنچے ہیں تو راؤ عبداللہ خاں رئیس کے اصطبل اسپاں کی ویران و تاریک کوٹھری میں مقیم تھے ایک روز اسی کوٹھری میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلیٰ بچھایا اور جان نثار حضار جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں میں نفلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبداللہ خاں اعلیٰ حضرت کے بڑے جان نثار خادم اور مشہور مرید تھے۔ گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک باوجاہت شخص سمجھے جاتے۔ سمجھتے تھے کہ اعلیٰ حضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے اس کے قائم ہوتے اپنا مکان کھول دینا دنیاوی حیثیت سے کس درجہ خطرناک ہے کیونکہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے مگر اس کے ساتھ ہی حب دین اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ نہ مال کی پروا تھی نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جس وقت راؤ عبداللہ خاں اعلیٰ حضرت کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھری سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطبل کے دروازے کے قریب پہنچے ہیں تو سامنے سے دو شخص کو آتے دیکھا اور ہکا بکا ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ خدا جانے مخبر کون تھا اور کس بلا کا پتلا تھا جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھری تک معین کر دی تھی۔ چنانچہ دونوں اصطبل کے پاس پہنچے اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں

Marfat.com

شروع کردیں گویا اپنے ناوقت آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ و تجربہ کار راؤ صاحب دُور ہی سے تاڑ گئے تھے کہ اِیں گل دیگر شگفت، مگر نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن اپنی جان یا عزت کے جانے ریاست و زمینداری کے ملیا میٹ ہونے اور ہتھکڑیاں پڑ کر جیل خانہ پہنچنے یا پھانسی پر چڑھ کر عالمِ آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پروا نہ تھی اگر فکر و رنج یا حزن و افسوس تھا تو یہ کہ ہائے غلام کے گھر سے اور آقا گرفتار ہو اور عبداللہ خاں کی نظر کے سامنے اس کا جان سے زیادہ عزیز شیخ پا بہ زنجیر کیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی راؤ صاحب ایک جوانمرد مستقل مزاج نہایت دلیر اور قوی القلب راجپوت تھے۔ تشویش کو دل میں دابا اور چہرہ یا اعضا پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا۔ مسکرا کر جواب دیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ دِوِیژن کا افسر گھوڑے سے اُترا، اور یہ کہہ کر کہ میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سُنی ہے اس لیے بلا اطلاع یکایک آنے کا اتفاق ہوا، اصطبل کی جانب قدم اُٹھائے۔ راؤ صاحب بہت اچھا کہہ کر ساتھ ساتھ ہو لیے اور نہایت اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا اور اس درجہ مطمئن پا کر کبھی مخبر کی دروغ گوئی کا غصہ اور گاہے اپنی ناکامی و تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا۔ یہاں تک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہُوا حاکم اس حجرہ کی طرف بڑھا جس میں اعلیٰ حضرت کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا اور یہ کہہ کر کہ اس کوٹھری میں کیا گھاس بھری جاتی ہے؟ اس کے پٹ کھول دیجئے۔ راؤ عبداللہ کی جو اس وقت حالت ہوئی ہوگی وہ انہیں کے دل سے پوچھا چاہیئے۔ سمجھتے تھے کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آگیا اور اپنا پیمانۂ حیات لبریز ہو کر اچھلا چاہتا ہے اس لیے راضی برضا ہو کر حکمِ گرفتاری کے منتظر کھڑے ہوگئے۔

حضرت کی کرامت خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھیئے کہ جس وقت کوٹھری کا دروازہ کھلا ہے تخت پر مصلّے ضرور بچھا ہُوا لوٹا رکھا ہُوا اور نیچے وضو کا پانی البتہ بکھرا ہوا پڑا تھا مگر اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر متحیر و حیران اور راؤ عبداللہ خاں دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحاں و شاداں۔ کچھ عجیب سماں تھا کہ حاکم نہ کچھ اور دریافت کرتا ہے نہ استفسار، کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر۔ مخبر کی دھوکہ دہی سمجھ کر بات کو ٹالا اور کہا خانصاحب یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے راؤ صاحب بولے جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو میں منہ ہاتھ دھویا کرتے ہیں۔ چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اسی کی طیاری تھی۔ افسر نے ہنس کر کہا، آپ لوگوں کی نماز کے لیے تو مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھری۔ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جناب مسجد فرض نماز کے لیے ہے اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے، جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔ لاجواب جواب سُن کر افسر نے پٹ بند کر دیئے اور اصطبل کے چاروں طرف غائر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ کلمات کہہ کر رخصت ہوا، راؤ صاحب معاف کیجیے۔ آپ کو اس وقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اُٹھانا پڑی اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند نہ آیا۔ راؤ عبداللہ صاحب کی نظر سے دِوِیژن کے سوار جب اوجھل ہوگئے تو واپس ہوئے اور کوٹھری کھول دی دیکھا اعلیٰحضرت نماز سے سلام پھیر چکے اور مصلّے پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔

مولانا گنگوہی کی بیقراری سب سے زیادہ مولانا گنگوہی کو اعلیٰ حضرت کی مفارقت کا غم تھا جو آپ کو کسی کروٹ چین نہ لینے

Marfat.com

دیتا تھا۔ راتوں آپ کو رنج میں نیند نہ آتی اور دنوں آپ اس دُھن میں رہتے کہ کسی طرح اعلیٰ حضرت کی ایک دفعہ اور زیارت کروں، مگر جائیں تو کہاں جائیں اور ملیں تو کس طرح ملیں نہ اعلیٰ حضرت کی کوئی جائے قیام معین، نہ بحالتِ روپوشی کسی جگہ کا تعین۔ آخر شدہ شدہ آپ کو پنجلاسہ کا پتہ چلا اور آپ بسم اللہ کہہ کر گنگوہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ راتوں چلتے دنوں چھپتے خاردار جنگل پیدل قطع کرتے تگری پہنچے اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے مکان پر مقیم ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبدالرحیم کو طفولیت میں حضرت امام ربانی کی زیارت ہوئی اور آفتابِ عالم کو اپنے گھر کا مہمان بنا دیکھا۔ حضرت مولانا نے نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دُعا پڑھ کر دم فرمائی۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ کے والد ماجد راؤ اشرف علی خاں تگری کے خوشحال زمیندار اور نہایت نیک خیال دیندار شخص تھے۔ راؤ صاحب کا حضرت مولانا سے کوئی تعارف نہ تھا، مگر حسنِ اتفاق تھا کہ راؤ صاحب کو بے امول جواہرات گھر بیٹھے بلا طلب حاصل ہوئے۔ اس وقت مولانا عبدالرحیم صاحب کی عمر تین یا چار سال کی تھی۔ راؤ صاحب نے کچھ عجیب اخلاص کے ساتھ مسافر مہمان کی مدارت کی۔ اور شب کو بیعت کی درخواست کرنے لگے۔ حضرت مولانا نے انکار کیا اور کہا کہ اعلیٰ حضرت ابھی تشریف فرما ہیں اگر یہ قصد ہے تو وقت کو غنیمت سمجھیئے۔ غرض راؤ صاحب نے آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر رکھا اور ساتھ ہی چلنے کے متمنی و عازم ہوئے۔ حضرت مولانا نے اپنی بے سر و سامانی اور اندیشناک حالت ظاہر فرما کر سمجھایا کہ معیت قرین مصلحت نہیں۔ البتہ اگلے دن آپ آئیں اعلیٰ حضرت سے سفارش کا میں ذمہ وار ہوں۔ چنانچہ ایک شب قیام فرما کر مولانا چل دیئے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اگلے دن راؤ صاحب بھی حاضر آستانہ ہوئے اور حضرت مولانا کی تقریب سے ایسی حالت میں بیعت ہوئے جس کو سراسیمگی اور چل چلاؤ کی حالت کہا جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی نے ہر چند اصرار کیا کہ بندہ کو ہمرکاب لے چلیں مگر اعلیٰ حضرت نے نہ مانا اور یہ فرمایا کہ اسی طرح خدا کا حکم ہے۔ جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا۔ آپ کو وہاں سے رخصت فرما دیا۔ حضرت مولانا با دلِ ناخواستہ الفراق الفراق کہتے ہوئے روانہ ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اعلیٰ حضرت نے تسلی و تشفی دی اور فرمایا میاں رشید احمد تم سے تو حق تعالیٰ کو ابھی بہتیرے کام لینے ہیں گھبراؤ مت۔ ہندوستان سے نکلتے وقت تم سے ضرور مل کر جاؤں گا۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے اور مراتب میں ترقی دے۔ اس کے بعد دیر تک چھاتی سے لگائے رکھا۔ اور آخر کار پدرانہ شفقت اور مربیانہ محبت کے انداز پر خود بھی چشم نم ہوئے اور مولانا کو بھی رُلایا۔

ہجرت مکہ معظمہ و نکاح

ایام غدر ہندوستان میں بوجہ بے نظمی دین و تغلب معاندانِ دین قیام ہند گراں خاطر ہوا۔ اور ارادۂ ہجرت و اشتیاق زیارت روضۂ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جوش و خروش میں آیا۔ اور ۱۲۷۶ھ میں براہِ پنجاب روانہ ہوئے اور اثنائے راہ میں پاک پٹن و حیدرآباد سندھ وغیرہ مواضع میں زیاراتِ بزرگان مقامات مذکور سے مشرف اور فیوض و برکات سے مالامال ہوتے ہوئے کراچی بندر پہنچے۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہوئے اور انوار و برکات ہجرت ابتدائے سفر سے مشاہدہ فرمانے لگے۔ بعد طے منازل خیر البلاد مکہ معظمہ پہنچے اور انوار و برکات اس مقام متبرک سے فیض یاب ہوئے اور اس مقام مقدس کو مسکن و ماوی اپنا بنا لیا۔ اولاً چند سال تک جبل صفا پر اسمٰعیل

Marfat.com

سیٹھ کے رباط کے ایک خلوہ میں معتکف رہے اور مشغول حضرتِ حق جل وعلا مہلت نہ دیتی تھی کہ جو دوسرے سے مخاطب ہوں ناچار مخلوق سے کم ملتے تھے لیکن مشاہیر علماء و شیوخ کے ساتھ کبھی کبھی خلوت و جلوت میں اکٹھا ہوتے تھے اور کلماتِ رمز و اسرار و حق و اسنہ ق درمیان میں آتے تھے اور باہم رسم دوستی مستحکم رکھتے تھے اور یہ حضرات کمال تعظیم و احترام حضرت فرماتے تھے۔

اشارتِ غیبی پچاس سال کے قریب حضرت نے تجرد میں بسر کیے اور مشغولی حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ میں مصروف رہے بعد ازاں اشارت غیبی پہنچی کہ عارف کو نہ چاہیئے کہ کوئی ایک سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری اختیار کرے کہ اس میں نقصان ہوگا اور منجملہ سنن موکدہ کے نکاح ہے اس کو بجالاؤ اور انوار برکات اس سنت کے حاصل کرو۔ جب یہ اشارت غیبی صادر ہوئی۔ ارباب اخلاص و ارادت نے بھی الحاح و خواہش کی اور مبالغہ حد سے زیادہ کیا، یہاں تک کہ مرحومہ مہاجرہ بی بی نورن صاحبہ کلکتوبیہ زوجہ سید حیدر علی مہاجر بنارسی مرحوم نے مسترشدہ خاص تھیں باصرار تمام ۱۲۸۲ھ میں اکیسویں رمضان کو اپنی نواسی حضرت بی بی خدیجہ صاحبہ بنت مرحوم حاجی شفاعت رامپوری کو بے مادر پدر تھیں اور انھیں نانی نے پرورش کیا تھا حبالۂ نکاح میں بعوض مہر ساٹھ ریال فرانسیسی کہ مبلغ ایک سو چھبیس روپیہ کچھ زیادہ سکہ سے ہوتے ہیں۔

اقوالِ حکمت

۱۔ ایک شخص نے معنی تصوّف کے پوچھے۔ فرمایا کہ تصوف کے معنی میں بسبب احوال مشائخ مختلف اقوال ہیں ہر کوئی اپنے مقام یا حال کے موافق مسائل کا جواب دیتا ہے یعنی مبتدی سائل کو از روئے معاملات مذہب ظاہر اور متوسط کو از روئے احوال و منتہی کو از روئے حقیقت البتہ تمام اقوال میں اظہر قول یہ ہے کہ اوّل ابتداء تصوف علم ہے اور اوسط عمل و آخر عطا و بخشش و جذبۂ الٰہی ہے اور علم مراد مرید کی کشایش کرتا ہے اور عمل اس کی توفیق و طلب پر مدد کرتا ہے اور بخشش مرتبہ غایت رجا کو کہ احاطۂ بیان سے باہر ہے پہنچاتی ہے اور حق سبحانہٗ کے ساتھ واصل کرتی ہے اور اہل تصوف تین قسم کے ہیں یعنی تین مراتب رکھتے ہیں۔ اوّل مرید کہ اپنی مراد طلب کرتا ہے۔ دوم متوسط کہ طلبگار آخرت ہے سوم منتہی کہ واصل مطلوب تک پہنچ گئے ہیں اور انتقالات احوال سے محفوظ ہیں۔

۲۔ پھر ارشاد ہوا کہ طالب طریق تصوّف کو چاہیئے کہ ادب ظاہری و باطنی کو نگاہ میں رکھے۔ ادب ظاہر یہ ہے کہ خلق کے ساتھ بحسن ادب و کمال تواضع و اخلاق پیش آئے اور ادب باطنی یہ ہے کہ تمام اوقات و احوال و مقامات میں با حق سبحانہٗ رہے حسن ادب ظاہر سرنامۂ ادب باطن کا ہے اور حسن ادب ترجمان عقل ہے بلکہ التصوّف کلّہ ادبٌ دیکھو حق تعالیٰ اہلِ ادب کی بزرگی کی مدح فرماتے اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ جو کوئی کہ ادب سے محروم ہے وہ تمام خیرات و مبرّات سے محروم ہے اور جو کہ محروم از ادب ہے وہ قرب حق سے بھی محروم ہے۔

Marfat.com

از ادب پُر نُور گشت است ایں فلک   و از ادب معصوم پاک آمد ملک

۳- ایک شخص نے حاضرین سے عرض کیا کہ صوفی کون ہے اور ملامتی کون ؟ فرمایا صوفی وہ ہے کہ سوائے اللہ کے دنیا و خلق سے مشغول نہ ہوا ور ردّ و قبول مخلوق کی پروا نہ رکھے اور مدح و ذم اس کے نزدیک برابر ہو اور ملامتی وہ ہے کہ نیکی کو چھپاوے اور بدی کو ظاہر کرے۔

۴- ایک آدمی نے فقیر کے معنی دریافت کیے فرمایا فقر دو طرح پر ہے اختیاری و اضطراری فقر اختیاری کہ واسطے رضائے حق کے ہو، دولت مندی سے بدرجہا افضل ہے کہ حدیث الفقر فخری میں اسی فقر کی طرف اشارہ ہے اور فقر اضطراری عوام کو ہلاکت کفر تک پہنچاتا ہے کہ حدیث کا د الفقر ان یکون کفراً سے یہی مراد ہے اور معنی فقر کے محتاجی ہیں اور فقیر حقیقی وہ ہے کہ اپنے نفس سے بھی محتاج ہو یعنی مالک اپنے نفس کا بھی نہ رہے کیونکہ جس قدر فقیر کا ہاتھ ہر چیز سے خالی ہوگا اسی قدر اس کا دل ماسوائے اللہ سے خالی ہوگا اور فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو جائے گا۔

۵- ایک دن بطور نصیحت کے بیان فرمایا کہ ہرگز ہرگز دنیا کے نہ جاؤ اور دل کو اس کا گرویدہ نہ بناؤ کیونکہ دنیا کی مثال آدمی کے سایہ کے ہے اگر کوئی سایہ کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کے آگے بھاگتا نظر آئے اور اگر سایہ کو پس پشت کرے وہ خود پیچھا نہ چھوڑے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ جو کوئی دنیا کو ترک کرتا ہے دنیا اس کا پیچھا کرتی ہے اور جو کوئی طلب دنیا میں کوشش کرتا ہے اس سے کوسوں دور رہتی ہے اور ترک کرنے والے کو تلاش کرتی ہے۔

۶ ایک دن ایک شخص نے سوال کیا کہ طالب راہِ حق کو کیا کیا ضرور ہے۔ فرمایا۔ اول طالب شئے کو لازم ہے کہ حقیقت و ماہیت شئے مطلوبہ کی دریافت کرے تاکہ رغبت اس کے حاصل کرنے کی دل میں پیدا ہو پس جو شخص کہ ارادہ کرے کہ صوفیوں کے طریق (راہِ حق) پر چلے اوّلاً ماہیت و حقیقت و غایت تصوف (کہ راہ حق ہے) معلوم کرے بعد ازاں ان کے اعتقادات و آداب ظاہری و باطنی کو سمجھے خصوصاً اطلاقات کو کہ ان کے حال و قال و تصنیفات میں آتے ہیں جانے اور خاص خاص اصطلاحات کہ ان کے کلمات میں پائی جاتی ہیں ان سے واقف ہو تاکہ تابعداری ان کے افعال و اقوال و احوال کی کر سکے۔

۷- ایک دن ایک شخص نے مسئلہ وحدتِ وجود کا سوال کیا۔ فرمایا کہ مسئلہ حق و صحیح[1] مطابق الواقع ہے اس مسئلہ میں کچھ شک و شبہ نہیں معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے مگر قال و قرار نہیں ہے، البتہ حال و تصدیق ہے یعنی اس مسئلہ میں تیقّن اور تصدیق قلبی کافی ہے اور استتار اس کا لازم اور افشا ناجائز ہے کیونکہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ نازک ہیں بلکہ بحدّے دقیق کہ فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر میں کہ اصطلاح عرفاء سے عاری ہیں نہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دوسرے کو سمجھانا کب ممکن ہے۔ بلکہ جن صوفیوں کا سلوک ناتمام ہے اور مقام نفس سے ترقی کر کے مرتبۂ قلب تک نہیں پہنچتے ہیں اس مسئلہ سے ضرر شدید پاتے ہیں اور مکر نفس سے چاہ الحاد و قعر ضلالت میں پڑ جاتے ہیں نعوذ باللہ منہا اس جگہ زبان روکنا واجب ہے۔

---

[1] عقلی و نقلی و کشفی تینوں طرح سے ہے۔

Marfat.com

۸۔ فرمایا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ طریقت شریعت سے جدا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اقرار باللسان اشارہ طرف شریعت کے ہے اور تصدیق بالجنان سے مطلب طریقت ہے۔ پس ایک بغیر دوسرے کے کام کا نہیں۔ اقرار بدون تصدیق نفاق ہے اور تصدیق بلا اقرار بے کار۔

۹۔ فرمایا کہ ایک روز دو آدمی آپس میں بحث کرتے تھے ایک کہتا تھا کہ حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمت اللہ علیہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہ سے افضل ہیں اور دوسرا حضرت غوث پاک کو شیخ پر فضیلت دیتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم کو نہ چاہیئے کہ بزرگوں کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کریں اگرچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فضلنا بعضھم علیٰ بعض جس سے معلوم ہوا کہ واقع میں تو تفاضل ہے لیکن ہم دیدۂ بصارت نہیں رکھتے اس واسطے مناسب شان ہمارے نہیں ہے کہ محض رائے سے ایسی جرأت کریں۔ البتہ مرشد کو تمامی اس کے معاصرین پر فضیلت باعتبار محبت کے دینا مضائقہ نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ باپ کی محبّت چچا سے زیادہ ہوتی ہے اور اس میں آدمی معذور ہے۔ اس نے یعنی قادری نے دلیل پیش کی کہ جس وقت حضرت غوث پاکؒ نے قدمی علیٰ رقاب اولیاء اللہ فرمایا تو حضرت معین الدین نے فرمایا بل علیٰ عینی۔ یہ ثبوت افضلیت حضرت غوث کا ہے۔ میں نے کہا کہ اس سے تو فضیلت حضرت معین الدین صاحب کی حضرت غوث پر ثابت ہوسکتی ہے نہ برخلاف اس کے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غوث اس وقت مرتبہ الوہیت یعنی عروج میں تھے اور حضرت شیخ مرتبہ عبدیت یعنی نزول میں اور نزول کا افضل ہونا عروج سے مسلّم ہے۔

۱۰۔ فرمایا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے باعتبار مراتب مردمان کے تین معنی ہیں لا معبود، لا مطلوب، لا موجود الا اللہ اور یہ سب مراتب سے اعلیٰ ہے۔

۱۱۔ فرمایا سیر تین طرح پر ہے۔ سیر الی اللہ و فی اللہ و من اللہ۔

۱۲۔ فرمایا کہ ایمان رجا اور خوف میں ہے ہم لوگ رجا پر بھروسہ اور غرور کر رہے ہیں اور خوف کو بھول بیٹھے ہیں۔

۱۳۔ فرمایا عاشق دو طرح پر ہے عاشق ذاتی و عاشق صفاتی اور مرتبہ عاشق ذاتی کا عاشق صفاتی سے زیادہ ہے کیونکہ عاشق ذاتی پر جو کچھ وارد ہوتا ہے اس کو ذاتِ الٰہی سے جانتا ہے۔ پس اس وجہ سے رضا و تسلیم میں مرتبہ عالی پاتا ہے۔ ایک دن حضرت غوث الاعظمؒ سات اولیاء اللہ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ نظر بصیرت سے ملاحظہ فرمایا کہ ایک جہاز قریب غرق ہونے کے ہے۔ آپ نے ہمّت و توجہ باطنی سے اس کو غرق ہونے سے بچالیا وہ ساتوں آدمی کہ عاشق ذات اور مرتبۂ رضا و تسلیم میں ثابت قدم تھے اس امر حضرت غوث کو خلاف خیال کرکے آپ سے ناخوش ہوئے اور اپنی مجلس سے علیحدہ کردیا۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ سات ڈھانچے ہڈیوں کے مسلّم رکھے ہیں۔ دریافت ہُوا کہ ایک درندے نے خدا سے دُعا مانگی کہ مجھ کو اپنے دوستوں کا گوشت کھلا۔ وہ ساتوں آدمی پیش کیے گئے اور اس درندے نے گوشت ان مردانِ خدا کا کھانا شروع کیا جس وقت درندہ دانت مارتا تھا وہ لوگ ہرگز دم نہ مارتے تھے یہاں تک کہ تمام گوشت اپنا راہ مولیٰ میں نثار کردیا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں۔

۱۴۔ فرمایا انّما الاعمال بالنّیات تصوف کی جڑ ہے۔

Marfat.com

۱۶۔ فرمایا: ایک آدمی نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت کی۔ آپ نے ایک طبق دینار کا اس کو ہدیتہً دیا لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسا الٹا معاملہ ہے امام صاحب نے فرمایا ھل جزاء الاحسان الا الاحسان اس شخص نے مجھ کو نعمت اخروی تو کیا میں اس کو دنیا کی نعمت بھی نہ دوں۔

۱۷۔ فرمایا کہ تواضع نفاق کے ساتھ ممنوع ہے۔

۱۸۔ فرمایا کہ مولد شریف تمامی اہل حرمین کرتے ہیں اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے اور حضرت رسالت پناہ کا ذکر کیسے مذموم ہوسکتا ہے۔ البتہ جو زیادتیاں لوگوں نے اختراع کی ہیں نہ چاہئیں اور قیام کے بارے میں میں کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے۔

۱۹۔ فرمایا واسطے تقویت حافظہ کے یا علیم علمنی مالم اکن اعلم یا علیم اکتالیس بار بعد نماز عصر پڑھنا چاہیئے اور سورۂ فاتحہ بعد نماز فجر گیارہ بار پڑھنا چاہیئے یا روٹی پر لکھ کر کھائیں۔

۲۰۔ فرمایا ؎

یک زمانے صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

۲۱۔ فرمایا کہ وظائف میں عدد طاق عمدہ ہیں نو ہوں یا گیارہ

۲۲۔ فرمایا اصل ذوق شوق محبت ہے کشف و کرامات ثمرات زائدہ ہیں ہوئے ہوئے نہ ہوئے۔ عارف اس کو ایک جو کی برابر نہیں سمجھتے بلکہ اکثر حجاب ہوتا ہے۔

۲۳۔ فرمایا صورت نیکوں کی اختیار کرنا چاہیئے سیرت اللہ تعالیٰ درست کردے گا کیونکہ وہ واہب و فیاض ہے۔ دریافت کیا گیا کہ ساحران موسیٰ علیہ السلام مشرف بہ ایمان ہوئے اور فرعونیاں کافر رہے اس کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا کہ ساحروں نے صورت موسوی اختیار کی تھی اس کے طفیل میں وہ نیک ہوئے۔

۲۴ فرمایا کہ مراتب (عرفا) چار ہیں مجذوب، سالک، مجذوب سالک، سالک مجذوب اور یہ سب سے بڑا مرتبہ ہے۔ ایک آدمی قوم ہنود ناتھو نامی حالت جذب میں تھا۔ ایک دن مجھ سے کہا کہ اولے گریں گے ایسا ہی ہوا۔ اگر کافر سے ایسا ظاہر ہو تو اسے استدراج کہتے ہیں اور ایسے آدمی حالت کفر میں مرتے ہیں۔

۲۵۔ فرمایا کہ عذاب و ثواب اس جسم پر نہیں ہے بلکہ جسم مثالی پر کہ خواب میں نظر آتا ہے ہوگا و نیز روح اعظم انسانی پر کہ ایک تجلی حق ہے عذاب نہ ہوگا وہ مثل آفتاب کے ہے اور روح حیوانی مانند چراغ۔

۲۶۔ فرمایا کہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب نے مجھ کو چار چیزیں تلقین فرمائیں (۱) طلب رزق حلال (۲) تمام عالم سے اپنے کو بدتر سمجھنا۔ (۳) مراقبہ احسان (۴) ترک اختلاط غیر جنس۔

۲۷۔ فرمایا کہ مولانا فخر الدین و شاہ ولی اللہ و خواجہ میر درد و مرزا مظہر جانجاناں رحمہم اللہ تعالیٰ کی کسی نے ضیافت کی اور اپنے گھر

Marfat.com

بٹھا کر خود غائب ہو گیا اور بہت دیر کے بعد یہاں تک کہ وقت نماز کا آ گیا، آ کر دو دو پیسے سب کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ مولانا صاحب، پر چونکہ اخلاق رحمت، وانکسار غالب تھا آپ نے اس کی تعظیم اور پیسوں کو سر و چشم سے لگا کر قبول کیا اور مرزا صاحب چونکہ بہت نازک طبیعت اور لطیف مزاج تھے (یہاں تک کہ زمانہ بچپن میں بصورت دایہ کی گود میں نہ جاتے تھے) کہنے لگے کہ میاں اگر یہی ارادہ تھا تو خواہ مخواہ اتنی دیر کی اور دوسرے حضرات نے کچھ نہیں کہا۔

۲۸۔ فرمایا کہ شہزادہ صاحب خلیفہ حضرت میانجی شاہ نور محمد صاحب قدس سرہٗ میرے برادر شادی جب قریب رحلت ہوئے وقت نزع لوگوں نے تلقین کلمہ شروع کیا اور وہ منہ پھیر لیتے تھے سب کو تعجب تھا کہ ایسے بزرگ کی یہ حالت ہے کہ جس سے سوئے خاتمہ کا خیال ہوتا ہے جب حضرت مرشد تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا حال ہے فرمایا الحمدللہ، لیکن یہ لوگ مجھ کو پریشان کرتے ہیں اور مسمی سے طرف اسم کے لاتے ہیں پس مراتب لوگوں کے مختلف ہیں اعراض کلمہ سے سوء خاتمہ پر استدلال نہ کرنا چاہیئے ممکن ہے اس میں کوئی وجہ خاص ہو جیسے ذکر ہوا (اقوال) پس وہ شخص معذور ہو گا لیکن اس سے زیادہ کمال جامعیت ہے کہ با وجود مشاہدہ مسمی کے اسم کا حق بھی ادا کرے۔

۲۹۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور ایک کتاب پڑھی جاتی ہے جس کو حضور کمال توجہ سے سن رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ یہ کون کتاب ہے۔ کہا گیا احیاء العلوم حجۃ الاسلام امام غزالی ہے۔ فرمایا یہ لقب عطیہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۳۰۔ فرمایا کہ کوئی مہم پیش آئے سورہ یٰسین پڑھیں اور ہر مبین پر پہنچ کر سات بار سورہ فاتحہ مع تسمیہ پڑھیں اور اوّل و آخر سورۃ کے درود شریف پڑھیں۔ درود مثل صندوق کے ہے کہ اپنے اندر لپیٹ کر وظیفہ و دعا کو لے جاتا ہے۔ یا سورۂ مزمل سات بار پڑھیں کہ معمولات مشائخ سے اور مجرب ہے اور سورہ فاتحہ اکتالیس بار جو میں نے اپنے آدمیوں (مریدوں) پر لازم کیا ہے اس سے بہتر امور دینی و دنیاوی کے لیے کچھ نہیں ہے فقط۔

۳۱۔ فقیر کو چاہیے کہ نہ طمع کرے نہ منع کرے۔

۳۲۔ مومن خاں (دہلوی) مجھ سے بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مثنوی کی نظم سست ہے۔ جواب دیا کہ کوئی جاہل کہتا ہو گا اساتذہ کے نزدیک مثنوی سند ہے۔ بعد انتقال خاں صاحب کے لوگ حسب وصیت ان کی قبر پر گئے ان کا حال عمدہ پایا۔

۳۳۔ فرمایا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے پوچھا کہ میں نوکری چھوڑ دوں، میں نے (حضرت نے) جواب دیا کہ جب ایسی حالت ہو کہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے تب چھوڑیو۔

۳۴۔ دعا میں درود مثل صندوق کے ہے۔

۳۵۔ فرمایا کہ جو مزہ میں نے فقر و فاقہ میں دیکھا اور اس میں میرے مراتب کی ترقی ہوئی اور انبیاء علیہم السلام و ملائکہ مقربین کی

Marfat.com

زیارت ہوئی اور انوار و تجلیات مجھ پر نازل ہوئے وہ امور پھر فراغت میں میسر نہ ہوئے ۔ فرمایا فقر و فاقہ بڑی نعمت ہے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الفقر وفخری۔

۳۶۔ فرمایا کہ مومن خاں صاحب دہلوی فرماتے تھے کہ ایک بار چند حضرات شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث شریف پڑھ رہے تھے شاہ صاحب نے تذکرہ اکابرین دین کا کیا ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اب بھی کوئی ایسا ہے ؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ پرسوں ہمارے پاس فلاں حلیہ کا ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے آوے گا وہ مرد کامل ہے اور سمت و وقت بھی معین کر دیا۔ ہم لوگ روز موعود میں زینت المساجد میں کہ کنارے جمنا کے واقع ہے ان کے اشتیاق میں بیٹھے تھے ۔ وقت مقررہ پر دریا کے کنارے اُسی حلیہ کے ایک بزرگ صاحب نمودار ہوئے ہم لوگ دوڑے اور زیارت سے مشرف ہوئے وہ شاہ عبدالرحیم صاحب تھے ۔ مومن خاں صاحب اس واقعہ کی وجہ سے مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔

۳۷۔ فرمایا کہ دہلی میں چند مشائخ کامل ہمعصر تھے چشتیہ نظامیہ میں حضرت فخرالدین صاحب اور قادریہ میں حضرت میر درد صاحب نقشبندیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ۔ اور صابریہ میں حضرت غلام سادات صاحب ۔ فرمایا کہ حضرت غلام سادات صاحب کے تھانہ بھون میں اکثر لوگ مرید تھے ۔ اس وجہ سے وہ اکثر یہاں تشریف لاتے تھے ۔ ایک مرتبہ آپ آئے تو تمام لوگ ملاقات کو گئے مگر حافظ ضامن صاحب کے دادا میر عبدالغنی حاضر نہ ہوئے ۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ میر عبدالغنی کیوں نہیں آئے لوگوں نے عرض کیا کہ ان کا ایک حسین وجمیل جوان لڑکا انتقال کر گیا ہے اس وجہ سے مخبوط الحواس ہو گئے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ ایک بار انھیں میرے پاس لاؤ، مگر وہ نہ گئے ۔ اتفاقیہ راستہ میں حضرت غلام سادات کو مل گئے ۔ آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا عشق بر مُردہ نباشد پائیدار ۔ اسی وقت ان کا خبط جاتا رہا اور عشق حق غالب آگیا مسجد میں بیٹھے رہے اور خدا کی یاد میں راہی ملک بقا ہوئے ۔

۳۸۔ فرمایا کہ عذاب اُخروی اس عالم میں بھی بعض اشخاص کو معلوم ہو جاتا ہے ۔ جلال آباد میں (جو ہمارے قصبہ کے قریب ایک بستی ہے) ایک رئیس نے بطمع دنیوی ہنود کو اپنی زمین بتخانہ بنانے کو دے دی جب ان کا وقت اخیر آیا حکیم غلام حسین ان کے معالج نبض دیکھ رہے تھے مریض نے پکار کے کہا کہ حکیم جیو مجھے اس پنجرۂ آہنی آتشین سے بچاؤ ۔ مجھ کو اس پنجرے میں ڈالے دیتے ہیں لوگ متعجب تھے اور کچھ تدارک نہیں کر سکتے تھے ۔ آخر اسی فریاد و زاری میں اس کی رُوح پرواز کر گئی ۔

۳۹۔ فرمایا کہ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری جب حافظ عبدالکریم تاجر میرٹھ کے ملازم تھے ۔ یہاں مع حافظ عبدالکریم کے زیارت حرمین شریف کو آئے ۔ میں نے کہا کہ مولانا مملوک علی صاحب نے میرا سبق گلستان آپ کے سپرد کیا تھا اس وجہ سے آپ میرے استاد ہیں مگر میں ایک بات عرض کروں گا اگر ناگوار نہ ہو ۔ انھوں نے فرمایا کہ میں آپ کو اپنا بزرگ جانتا ہوں جو فرمائیے بسروچشم منظور ہے ۔ میں نے کہا کہ آپ کا یہ منصب نہیں ہے کہ حافظ عبدالکریم وغیرہ آپ کو کام کا حکم دیں بلکہ ان کو آپ کا محکوم ہونا چاہیئے لیکن نوکری میں بجز محکومی کے چارہ نہیں ۔ اب آپ اپنے مکان پر درس احادیث نبویہ صلی اللہ علی صاحبہا کا فرمایا کریں تاکہ خلق کو فیض ہو ۔ مولانا صاحب نے قبول کر کے فرمایا کہ آپ حرم محترم میں میرے لیے دعا کریں ۔ چنانچہ یہاں سے جا کر ترک تعلق کر کے

Marfat.com

درسِ حدیث کا شغل اختیار کیا اور صدہا طلبہ کو محدّث بنا دیا اور حافظ عبدالکریم نے میرے سامنے بہت کچھ معذرت کی کہ مولانا کو ہم لوگ اپنا مخدوم جانتے ہیں۔ میں نے کہا سچ ہے مگر نوکر درحقیقت خادم ہی ہوتا ہے چاہے اس کا آقا اسے اپنا مخدوم بھی تصوّر فرمائے اور لفظ خادمی کا زبان پر نہ لائے۔

۴۰۔ حضرت حاجی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ حضرت میں اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں، مگر کچھ نفع نہیں ہوتا حضرت نے فرمایا کہ یہ تھوڑا نفع ہے کہ نام لیتے ہو۔ یہ تمہارا نام لینا ہی نفع ہے اور کیا چاہتے ہو ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست　　　　وین نیاز و سوز و دردت پیک ماست

۴۱۔ حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ حضرت حاجی صاحبؒ کی حکایت بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ آخر جب بہت دیر ہوئی تو میں اُٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا۔ حضرت فرمانے لگے کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا، کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں۔

۴۲۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت ہی کہا، لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔

حضرت کی کرامتیں

(۱)

مولانا گنگوہی سے ایک مرتبہ کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ "اطمینان رکھو میں عرب روانہ ہونے وقت تم سے مل کر جاؤں گا مگر آپ گرفتاری و حوالات میں رہے، آپ کی رہائی سے قبل ہی اعلیٰ حضرت نے بیت اللہ کی جانب ہجرت فرمائی" گویا سائل کا مطلب یہ تھا کہ ملاقات کے خوش کُن الفاظ محض تسلّی کے لیے تھے جس کا وقوع نہیں ہوا حضرت نے بہت ہی ہلکی آواز سے فرمایا: "اعلیٰ حضرت وعدہ خلاف نہ تھے" چنانچہ دوسرے طریق سے معلوم ہُوا کہ باوجود سنگین پہرہ کے اعلیٰ حضرت نے جیل خانہ کے اندر قدم رکھا اور کئی گھنٹہ باتیں کر کے شب ہی میں واپس ہوئے اور عرب کو روانہ ہوئے۔ مولوی ولایت حسین صاحب کی روایت ہے کہ حکیم صاحب جو اعلیٰ حضرت کے مرید انبالہ کے رہنے والے بندہ کے ساتھ سفرِ حج میں شریک تھے کہ جس زمانہ میں مولانا گنگوہی جیل خانہ میں تھے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ میاں کچھ سُنا کیا مولوی رشید احمد کو پھانسی کا حکم ہو گیا۔ خدام نے عرض کیا حضرت کچھ پتہ نہیں ابھی تک تو کوئی خبر نہیں آئی۔ فرمایا ہاں حکم ہو گیا چلو، یہ فرما کر اُٹھ کھڑے ہوئے حکیم صاحب کا بیان تھا کہ برسات کا زمانہ تھا مغرب کے بعد اعلیحضرت اور میں اور غالباً مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی غرض تین آدمی چلے شہر سے نکل کر تھوڑی دور جا کر اعلیٰ حضرت زمین کی گھاس کے قدرتی سبز مخملی فرش پر بیٹھ گئے اور کچھ دیر سکوت فرما کر گردن اوپر اُٹھائی اور فرمایا پھر چلو مولوی رشید احمد کو کوئی شخص پھانسی نہیں دے سکتا۔ خدائے تعالیٰ کو ان سے ابھی بہت کچھ کام لینا ہے۔ چنانچہ چند روز بعد اس کا ظہور ہو گیا والحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۲)

ہنگام قیام رباط اسمٰعیل سیٹھ اس کے لڑکے سے بعض باتیں خلاف طبع مبارک ہوئیں اس وجہ سے آپ نے وہاں کا قیام

Marfat.com

ترک کرکے رُخ توجہ بحضور باری تعالیٰ کیا اسی بارے میں بلا کسی کی تحریک کے ایک حکم نامہ تاکید ریاست حیدر آباد سے وہاں کے وکلا کے نام پہنچا کہ منجملہ دو مکانات ریاست کے جو مکان و جگہ آپ پسند فرمائیں اس کی کنجی خدام حضرت کے سپرد کر دی جائے چنانچہ وکلائے ریاست نے بڑی التجا سے بہ کیفیت حضوری میں عرض کی اور ایک مکان کی کنجی حوالۂ ملازمانِ عالی کر دی۔

(۳)

اسی زمانہ میں ایک مہندس نے آپ کے قرب میں ایک مکان تعمیر کیا اور اس میں ایک غرفہ رکھا جس سے حضرت کے دولتخانہ کی بے پردگی ہوتی تھی اور انواع و اقسام کے ظلم و جبر خدمت شریف میں کرتا تھا اور آپ کی طرف سے اپنے دل میں عناد رکھتا تھا۔ حضرت نے ایک شخص کے ذریعہ سے کلمۂ الخیر تبلیغ فرمایا لیکن اس نے کچھ خیال نہ کیا بلکہ کلمات بیہودہ زبان پر لایا۔ لوگوں نے یہ واقعہ حضرت سے عرض کیا اور اکثر احباب کی رائے ہوئی کہ حاکم وقت کے یہاں استغاثہ کیا جائے۔ بجواب اس کے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا استغاثہ حاکم حقیقی کے یہاں ہے حکام مجازی کے آگے درخواست کرنا درست نہیں۔ ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ تیغ برہنہ اہلِ چشت نے اس پر گذر کیا اور باوجود اعزاز بلیغ و اعتبار عظیم بلا وجہ ظاہری اپنے منصب و عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا اور ایسی ذلت و خواری میں مبتلا ہوا کہ اللہ کسی کو نہ دکھائے۔

(۴)

میاں امیر احمد رام پوری کا واقعہ میرے سامنے کا ہے۔ امیر احمد بار بار حضرت سے دریافت کرتے تھے کہ یا حضرت میں ہندوستان جاؤں اور حضرت فرماتے تھے کہ ہاں جاؤ، مگر امیر احمد کو اپنے اور مقدمات کا قوی خطرہ تھا اس واسطے شبہ ہوتا تھا کہ ضرور گرفتار اور سزایاب ہوں گا۔ اس واسطے باوجود حضرت کے فرماد ینے کے امیر احمد کو اطمینان نہیں ہوتا تھا اور بار بار دریافت کرتے تھے۔

ایک روز حضرت نے چیں بجبیں ہو کر فرمایا کہ تمہارا جی گرفتار ہونے کو چاہتا ہے۔ میاں جاؤ۔ تب میں نے ان سے کہا کہ اب تم شک شبہ چھوڑ دو اور حضرت نے خود ارشاد فرمایا ہے خدا کا نام لے کر چلو اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا چنانچہ وہ میرے ساتھ ہندوستان آئے اور چند روز دہلی ایک مسجد میں رہ کر حاضر عدالت ہو گئے چنانچہ گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے اور بالآخر تمام مقدمات سے بری ہو کر اپنے گھر بخیریت تمام پہنچ گئے۔

(۵)

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں مہمان بہت سے آ گئے کھانا کم تھا حضرت نے اپنا رومال بھیج دیا کہ اس کو ڈھانک دو کھانے میں ایسی برکت ہوئی کہ سب نے کھا لیا اور کھانا بچ گیا۔ حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کو خبر ہوئی تو عرض کیا کہ حضرت آپ کا رومال سلامت چاہیئے اب تو قحط کیوں پڑے گا۔ حضرت شرمندہ ہو گئے اور فرمایا کہ واقعی خطا ہو گئی توبہ کرتا ہوں پھر ایسا نہ ہو گا۔

(۶)

ایک دن مولوی امیر شاہ خاں صاحب نے حضرت (گنگوہی) قدس سرہٗ سے ایک قصہ بیان کیا کہ میں ایک روز مسجد حرام

Marfat.com

...ں ایک بزرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اُن کے پاس ایک نو عمر درویش آئے اور بیٹھ گئے: وہ بزرگ جن کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بھائی تمھارے قلب میں بڑی اچھی چیز ہے۔ ان بیچاروں نے اپنا حال چھپانا چاہا مگر انھوں نے پردہ ہی فاش کر دیا، کہنے لگے کہ تمھارے قلب میں ایک عورت کی شبیہ ہے اس کی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے ہیں غرض تمام حلیہ بیان کر دیا۔ اُس وقت وہ درویش بہت نادم ہوئے اور اقرار کیا کہ بے شک آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابتدا جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا ہر وقت اس کے دھیان میں رہنے سے اس کی شبیہ میرے قلب میں آگئی اب جب کبھی طبیعت بیقرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اس کو دیکھ لیتا ہوں کچھ سکون ہو جاتا ہے اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے۔ مولوی امیر شاہ خانصاحب یہ قصہ بیان کر کے منتظر رہے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں گے مگر امام ربانی قدس سرہٗ نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ سُن کر خاموش ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ مولوی صاحب نے بات اُٹھائی تب حضرت نے ارشاد فرمایا: بھائی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں ہے کیونکہ ان کو آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت پہنچتی تھی میرا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا ہے کہ بغیر آپ کے مشورہ کے میری نشست و برخاست نہیں ہوتی۔ حالانکہ حاجی صاحب مکہ میں تھے اور اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی تعلق برسوں رہا ہے اس کے بعد اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ کچھ نہ فرمایا اور دیر تک ساکت و سرنگوں رہے۔

صورت و سیرت | سر مقدس کلاں و بزرگ ہے اور پیشانی کشادہ و بلند ہے اور انوار حقانی پیشانی مبارک سے واضح و لائح ہیں۔ ابرو وسیع خمدار چشمان مبارک کلاں ہیں اور ہمیشہ خمار ذوقیہ ربانیہ میں سرشار رہتی ہیں۔ رنگ شریف گندم گوں ہے نحیف الجسم معتدل القامت۔ گو نہ مائل بطوالت لیکن نہ اتنا طویل کہنے کے قابل بلکہ جیسا قامت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آیا ہے خفیف العارضین طویل اصابع الیدین گویا حجازی ہیں فصیح البیان عذب الکلام کثیر المروت عظیم الاخلاق جس کسی سے بات کرتے ہیں بکمال بشاشت و خوشی تبسم فرماتے ہیں اور افضل ترین اخلاق حضرت ایشاں تخلق با اخلاق قرآن ہے کما ورد عن عائشۃ رضی اللہ عنہا فی وصف خلقہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جمیع اخلاق حسنہ کہ قرآن شریف میں ان کی مدح ہے ذات مبارک میں جمع ہیں اور جتنے اخلاق رذیلہ کہ قرآن شریف میں ان کی برائی ہے بالطبع ان سے متنفر۔ اتباع سنت سنیہ و اجتناب بدعات قبیحہ عادات جبلیہ ہے اور استقامت بہ شریعت غرا و طریقت بیضا اخلاق لازمہ رضیہ سے ہے کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ والکرامۃ تحصل بعد الاستقامۃ خمیر شریف آپ کا ہے ذات پاک صاحب اشارات علمیہ و حقائق قدسیہ جامع انوار محمدیہ و منازل عرشیہ ہے۔ دال علی اللہ السبحان و علی سبیل الجنان و داعی الی العلم والعرفان ہے اور حامل لواء عارفان و ضیاء قلوب انا قصاں و مبین اسرار و کاشف و مظہر عوارف معارف منزل علم و حال صاحب ہمت و مقال ہے۔ طریقہ شریفہ آپ کا متضمن جذب و مجاہدہ و عنایت ہے۔ سکر آپ کا ادب کو پہنچا تا ہے اور صحو مقامات حجاب سے ترقی کو پہنچاتا ہے حقائق توحید سامی با شریعت و مسانہ ہیں و اسرار مجاہدات گرامی معرفت سے ہمراز۔ اولیاء عصر آپ کی ولایت پر اجماع رکھتے ہیں اور علمائے زماں آپ کے علو منزل کا اعتراف کرتے ہیں بحضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے علوم اسماء و صفات سے آپ کو مخصوص فرمایا ہے اور معارف خاص و خصوصیات علوم اعلیٰ سے مقامات مرحمت فرمائے ہیں اور مقام اکبر و مدد اکثر و عطائے انفع و نوال اوسع پر ممتاز فرمایا ہے۔ (شمائم امدادیہ صـ۳۵)

Marfat.com

مولانا جلال الدین رومی رح

نام ونسب ولادت وتعلیم وتربیت محمد نام، جلال الدین لقب، عرف مولانائے روم۔ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد میں تھے حسین بلخی مولانا کے پردادا بہت بڑے صوفی اور صاحب کمال تھے، سلاطین وقت اس قدر ان کی عزت کرتے تھے کہ محمد خوارزم شاہ[۱] نے اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دی تھی، بہاء الدین اسی کے بطن سے پیدا ہوئے، اسی لحاظ سے سلطان محمد خوارزم شاہ بہاؤ الدین کا ماموں اور مولانا کا نانا تھا[۲]۔

مولانا کے والد شیخ بہاؤالدین مولانا کے والد کا لقب بہاؤ الدین اور بلخ وطن تھا۔ علم وفضل میں یکتائے روزگار گنے جاتے تھے، خراسان کے تمام دور دراز مقامات سے ان ہی کے یہاں فتوے آتے تھے۔ بیت المال سے کچھ روزینہ مقرر تھا، اسی پر گذرا وقات تھی، وقف کی آمدنی سے مطلقاً متمتع نہیں ہوتے تھے۔ معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک علوم درسیہ کا درس دیتے، ظہر کے بعد حقائق اور اسرار بیان کرتے، پیر اور جمعہ کا دن وعظ کے لیے خاص تھا۔

یہ خوارزم شاہیوں کی حکومت کا دور تھا اور محمد خوارزم شاہ جو اس سلسلہ کا گل سر سبد تھا، مسند آرا تھا، وہ بہاؤ الدین کے حلقہ بگوشوں میں تھا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اسی زمانہ میں امام فخر الدین رازی بھی تھے اور خوارزم شاہ کو ان سے بھی خاص عقیدت تھی، اکثر ایسا ہوتا کہ جب محمد خوارزم شاہ بہاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوتا تو امام صاحب بھی ہمرکاب ہوتے۔

مولانا کی ولادت مولانا روم ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ بہاؤ الدین سے حاصل کی شیخ بہاؤ الدین کے مریدوں میں سید برہان الدین محقق بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ مولانا کے والد نے مولانا کو ان کی آغوش تربیت میں دیا۔ وہ مولانا کے اتالیق بھی تھے اور استاد بھی، مولانا نے اکثر علوم وفنون ان ہی سے حاصل کیے، ۱۸ یا ۱۹ برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ قونیہ میں آئے۔ جب ان کے والد نے انتقال کیا تو اس کے دوسرے سال یعنی ۶۲۹ھ میں جب ان کی عمر ۲۵ سال کی تھی تکمیل فن کے لیے شام کا قصد کیا[۳] اس زمانہ میں دمشق اور حلب علوم وفنون کے مرکز تھے۔ ابن جبیر نے ۵۷۸ھ میں جب دمشق کا سفر کیا تو خاص شہر میں ۲۰ بڑے بڑے دار العلوم موجود[۴] تھے، حلب میں سلطان صلاح الدین کے بیٹے الملک الظاہر

---

[۱] مدینۃ العلم ابن بیہقی۔ [۲] محمد خوارزم شاہ سلسلۂ خوارزم کا بہت بڑا با اقتدار فرماں روا تھا، خراسان سے لے کر تمام ایران، ما وراء النہر، کاشغر اور عراق تک اس کے زیر اثر تھا۔ اخیر عمر میں ارادہ کیا کہ سلطنت عباسیہ کو مٹا کر اس کے بجائے سادات کی سلطنت قائم کرے۔ اس ارادے سے بغداد کو روانہ ہوا لیکن راہ میں اس قدر برف پڑی کہ واپس نہ آیا۔ ۶۱۶ھ میں چنگیز خانیوں سے شکست کھائی اور بالآخر ناکامی کی حالت میں ۶۱۷ھ میں وفات پائی۔ دیکھو تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔ [۳] مناقب العارفین ص۵۲۔ [۴] سفرنامہ ابن جبیر ذکر دمشق۔

Marfat.com

نے قاضی ابوالمحاسن کی تحریک سے ۵۹۱ھ میں بڑے بڑے مدرسے قائم کیے، چنانچہ اس زمانے سے حلب بھی دمشق کی طرح مدینۃ العلوم بن گیا۔[1]

مولانا نے اوّل حلب کا قصد کیا اور مدرسہ حلاویہ کی دارالاقامۃ (بورڈنگ) میں قیام کیا۔[2] اس مدرسہ کے مدرس کمال الدین ابن عدیم حلبی تھے۔ ان کا نام عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ ہے ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ محدّث، حافظ، مورخ، فقیہہ، کاتب مفتی اور ادیب تھے۔ حلب کی تاریخ جو انھوں نے لکھی ہے اس کا ایک ٹکڑا یورپ میں چھپ گیا ہے۔

مولانا نے مدرسہ حلاویہ کے سوا حلب کے اور مدرسوں میں بھی علم کی تحصیل کی۔ طالب العلمی ہی کے زمانہ میں عربیت، فقہ، حدیث اور تفسیر اور معقول میں یہ کمال حاصل کیا کہ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا اور کسی سے حل نہ ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے۔[3]

مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ مولانا نے سات برس تک دمشق میں رہ کر علوم کی تحصیل کی اور اس وقت مولانا کی عمر چالیس برس کی تھی۔[4]

یہ امر قطعی ہے کہ مولانا نے تمام علوم درسیہ میں نہایت اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا کی تھی، جواہر مضیئہ میں لکھا ہے۔ کان عالماً بالمذاھب واسع نفقہ عالماً بالخلاف وانواع العلوم، خود ان کی مثنوی اس کی بہت بڑی شہادت ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے جو کچھ پڑھا تھا اور جن چیزوں میں کمال حاصل کیا تھا۔ وہ اشاعرہ کے علوم تھے، مثنوی میں جو تفسیری روایتیں نقل کی ہیں، اشاعرہ یا ظاہریوں کی روایتیں ہیں۔ انبیا کے قصص وہی نقل کیے ہیں جو عوام میں مشہور تھے، معتزلہ سے ان کو وہی نفرت ہے۔

سید برہان الدین سے استفادہ مولانا کے والد نے جب وفات پائی تو سید برہان الدین اپنے وطن ترمذ میں تھے یہ خبر سن کر ترمذ سے روانہ ہوئے اور قونیہ میں آئے۔ مولانا اس وقت لارند میں تھے سید برہان الدین نے مولانا کو خط لکھا اور اپنے آنے کی اطلاع دی، مولانا اسی وقت روانہ ہوئے اور قونیہ میں شاگرد استاد کی ملاقات ہوئی، دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور دیر تک دونوں میں بے خودی کی کیفیت طاری رہی۔ افاقہ کے بعد سید نے مولانا کا امتحان لیا اور جب تمام علوم میں کامل پایا تو کہا کہ صرف علم باطنی رہ گیا ہے اور یہ تمہارے والد کی امانت ہے، جو میں تم کو دیتا ہوں۔ چنانچہ نو برس تک طریقت اور سلوک کی تعلیم دی۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں مولانا ان کے مرید بھی ہو گئے۔

یہ سب کچھ تھا، لیکن مولانا پر اب تک ظاہری ہی علوم کا رنگ غالب تھا۔ ان کی زندگی کا دوسرا دور درحقیقت شمس تبریز کی ملاقات سے شروع ہوتا ہے جس کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

شمس تبریز کی ملاقات جواہر مضیئہ جو علمائے حنفیہ کے حالات میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مستند کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ ایک دن مولانا گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ تلامذہ آس پاس بیٹھے تھے۔ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اتفاقاً شمس تبریز کسی طرف سے آنکلے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ مولانا کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا (کتابوں کی طرف

---

[1] ابن خلکان ترجمہ قاضی بہاؤ الدین۔ [2] سپہ سالار صفحہ ۳۹۔ [3] سپہ سالار صفحہ ۱۶۔
[4] مناقب العارفین صفحہ ۵۵، ۵۶۔

Marfat.com

اشارہ کرکے) یہ کیا ہے؟ ۔ مولانا نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کو تم نہیں جانتے ۔ یہ کہنا تھا کہ دفعتہً تمام کتابوں میں آگ لگ گئی ۔ مولانا نے کہا یہ کیا ہے ۔ شمس نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کو تم نہیں جانتے ۔ شمس تو یہ کہہ کر چل دیئے، مولانا کا یہ حال ہوا کہ گھر بار، مال اولاد سب چھوڑ چھاڑ کر نکل کھڑے ہوئے، اور ملک بہ ملک خاک چھانتے پھرے، لیکن شمس کا کہیں پتہ نہ لگا ۔ کہتے ہیں کہ مولانا کے مریدوں میں سے کسی نے شمس کو قتل کر ڈالا ۔

شمس تبریز کے والد کا نام علاؤالدین تھا ۔ وہ کیا زرگ کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسمٰعیلیہ کا امام تھا ۔ لیکن انھوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا ۔ شمس نے تبریز میں علم ظاہری کی تحصیل کی پھر بابا کمال جندی کے مرید ہوئے لیکن عام صوفیوں کی طرح پیری مریدی اور بیعت و ارادت کا طریقہ نہیں اختیار کیا ۔ سوداگروں کی وضع میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے ۔ جہاں جاتے کارواں سرا میں اُترتے اور حجرے کا دروازہ بند کرکے مراقبے میں مصروف ہوتے ۔ معاش کا یہ طریقہ رکھا تھا کہ کبھی کبھی ازار بندبُن لیتے اور اسی کو بیچ کر کفاف مہیا کرتے، ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ الٰہی کوئی ایسا بندہ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا ۔ عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کو جاؤ ۔ اسی وقت چل کھڑے ہوئے ۔ قونیہ پہنچے تو رات کا وقت تھا ۔ برنج فروشوں کی سرائے میں اُترے ۔ سرائے کے دروازہ پر ایک بلند چبوترہ تھا ۔ اکثر امراء اور عمائد تفریح کے لیے وہاں آ بیٹھتے تھے ۔ شمس بھی اسی چبوترے پر بیٹھا کرتے تھے ۔ مولانا کو ان کے آنے کا حال معلوم ہُوا، تو ان کی ملاقات کو چلے، راہ میں لوگ قدم بوس ہوتے جاتے تھے اسی شان سے سرائے کے دروازے پر پہنچے ۔ شمس نے سمجھا کہ یہی شخص ہے جس کی نسبت بشارت ہوئی ہے ۔ دونوں بزرگوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور دیر تک زبان حال میں باتیں ہوتی رہیں ۔ شمس نے مولانا سے پوچھا کہ حضرت بایزید بسطامی کے ان دو واقعات میں کیوں کر تطبیق ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو یہ حال تھا کہ تمام عمر خربوزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اس کو کس طرح کھایا ہے؟ دوسری طرف اپنی نسبت یوں فرماتے ہیں کہ سبحانی ما اعظم شانی، (یعنی اللہ اکبر! میری شان کس قدر بڑی ہے) حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باایں ہمہ جلالت شان فرمایا کرتے تھے کہ میں دن بھر میں ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں ۔ مولانا نے فرمایا کہ بایزید اگرچہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ تھے ۔ لیکن مقام ولایت میں ایک خاص درجے پر ٹھہر گئے تھے اور اس درجہ کی عظمت کی اثر سے ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے ۔ بخلاف اس کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منازل تقرب میں برابر ایک پایہ سے دوسرے پایہ پر چڑھتے جاتے تھے، اس لیے جب بلند پایہ پہ پہنچتے تھے تو پہلا پایہ اس قدر پست نظر آتا تھا کہ اس سے استغفار کرتے تھے ۔

چلّہ کشی سپہ سالار کا بیان ہے کہ چھ مہینے تک برابر دونوں بزرگ صلاح الدین زرکوب کے حجرہ میں چلّہ کش رہے اس مدّت میں آب و غذا قطعاً متروک تھی اور بجز صلاح الدین کے اور کسی کو حجرہ میں آمد و رفت کی مجال نہ تھی ۔ مناقب العارفین اس مدت کو نصف کر دیا ہے اس زمانے سے مولانا کی حالت میں ایک نمایاں تغیر جو پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ اب تک سماع سے محترز تھے اب اس کے بغیر چین نہیں آتا تھا ۔ چونکہ مولانا نے درس و تدریس اور وعظ و پند کے اشغال دفعتہً چھوڑ دیئے اور حضرت شمس کی خدمت سے دم بھر کو جدا نہیں

Marfat.com

ہونے تھے۔ تمام شہر میں ایک شورش مچ گئی، لوگوں کو سخت رنج تھا کہ دیوانۂ بے سرو پا نے مولانا پر ایسا سحر کردیا کہ وہ کسی کام کے نہیں رہے یہ برہمی یہاں تک پھیلی کہ خود مریدانِ خاص اس کی شکایت کرنے لگے۔ شمس کو ڈر ہوا کہ یہ شورش فتنہ انگیزی کی حد تک نہ پہنچ جائے چپکے گھر سے نکل کر دمشق کو چل دیئے۔ مولانا کو ان کے فراق کا ایسا صدمہ ہوا کہ سب لوگوں سے قطع تعلق کرکے عزلت اختیار کی، مریدانِ خاص کو بھی خدمت میں بار نہیں مل سکتا تھا۔ مدت کے بعد شمس نے مولانا کو دمشق سے خط لکھا اس خط نے شوق کی آگ بھڑکا دی۔ مولانا نے اس زمانے میں نہایت رقت آمیز اور پُر اثر اشعار کہے جن لوگوں نے شمس کو آزردہ کیا تھا ان کو سخت ندامت ہوئی سب نے مولانا سے آکر معافی کی درخواست کی۔

شمس تبریز کا گم یا قتل ہونا یہ عجیب بات ہے کہ سپہ سالار نے جو بقول خود ۴۰ برس تک مولانا کی خدمت میں رہے شمس تبریز کی نسبت صرف اس قدر لکھا ہے کہ وہ رنجیدہ ہو کر کسی طرف نکل گئے اور پھر ان کا پتہ نہ لگا۔ لیکن اور تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ ان کو اسی زمانہ میں جب کہ وہ مولانا کے پاس مقیم تھے۔ مولانا کے بعض مریدوں نے حسد کی وجہ سے قتل کردیا۔[1]

مولانا کی شاعری کی ابتدا تذکرہ نویسوں نے گو تصریح نہیں کی، لیکن قرائن صاف بتاتے ہیں کہ شمس کی ملاقات سے پہلے مولانا کے شاعرانہ جذبات اسی طرح ان کی [illegible]ت میں پنہاں تھے جس طرح پتھر میں آگ ہوتی ہے شمس کی جدائی گویا چقماق تھی، اور شرارے ان کی پُر جوش غزلیں مثنوی کی ابتدا اسی سے ہوئی۔

مولانا کی کرامت اسی زمانے میں ہلاکو خاں کے سپہ سالار بیجو خان نے قونیہ پر حملہ کیا اور اپنی فوجیں شہر کے چاروں طرف پھیلا دیں۔ اہل شہر محاصرہ سے تنگ آکر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ایک ٹیلے پر جو بیجو خاں کے خیمہ گاہ کے سامنے تھا جاکر مُصلّا بچھا دیا اور نماز پڑھنی شروع کی۔ بیجو خاں کے سپاہیوں نے مولانا کو تاک کر تیر باراں کرنا چاہا، لیکن کمانیں کھنچ نہ سکیں۔ آخر گھوڑے بڑھائے کہ تلوار سے قتل کردیں، لیکن گھوڑے جگہ سے ہل نہ سکے۔ تمام شہر میں غل پڑ گیا۔ لوگوں نے بیجو خاں سے جاکر یہ واقعہ بیان کیا۔ اس نے خود خیمہ سے نکل کر کئی تیر چلائے۔ لیکن پھٹ کر ادھر ادھر نکل گئے۔ جھلّا کر گھوڑے سے اُتر پڑا اور مولانا کی طرف چلا، لیکن پاؤں نہ اُٹھ سکے، آخر محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ پوری روایت مناقب العارفین میں ہے صفحہ ۱۵۳۔

صاحب احوال مدت تک مولانا کو شمس کی جدائی نے بیقرار و بے تاب رکھا، ایک دن اسی جوش و خروش کی حالت میں گھر سے نکلے راہ میں شیخ صلاح الدین زرکوب کی دکان تھی وہ چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے۔ مولانا پر ہتھوڑے کی آواز نے سماع کا اثر پیدا کیا۔ وہیں کھڑے ہوگئے اور وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ شیخ مولانا کی حالت دیکھ کر اسی طرح ورق کوٹتے رہے۔ یہاں تک کہ بہت سی چاندی ضائع ہوگئی۔ لیکن انھوں نے ہاتھ نہ روکا۔ آخر شیخ باہر نکل آئے۔ مولانا نے ان کو آغوش میں لے لیا۔ اور اس جوش و مستی میں دوپہر سے عصر تک یہ شعر گاتے رہے۔

---

[1] جواہر مضیئہ۔

Marfat.com

یکے گنجے پدید آمد ازیں کان زرکوبی
زہے صورت، زہے معنی، زہے خوبی، زہے خوبی۔

شیخ صلاح الدین نے وہیں کھڑے کھڑے دکان لٹوا دی اور دامن جھاڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے۔ وہ ابتدائے صاحب حال تھے، سید برہان الدین محقق سے ان کو بیعت تھی اور اس لحاظ سے مولانا کے ہم استاد اور مولانا کے والد کے شاگرد تھے[1]

حسام الدین چلپی صلاح الدین کی وفات کے بعد مولانا نے حسام الدین چلپی کو جو معتقدانِ خاص میں تھے، ہمدم و ہمراز بنایا اور جب تک کہ زندہ رہے انہی سے دل کو تسکین دیتے رہے۔ مولانا ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ لوگوں کو گمان ہوتا تھا کہ شاید اُن کے مرید ہیں، وہ بھی مولانا کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ پورے دس برس کی مدّت میں ایک دن بھی مولانا کے وضو خانہ میں وضو نہیں کیا۔ شدّت کے جاڑے پڑتے تھے اور برف گرتی ہوتی، لیکن گھر جا کر وضو کر آتے۔

حسام الدین ہی کی درخواست اور استدعا پر مولانا نے مثنوی لکھنی شروع کی۔ چنانچہ تفصیل اس کی مثنوی کے ذکر میں آئے گی۔

سنہ ۶۷۲ھ میں قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا اور مسلسل ۴۰ دن تک قائم رہا۔ تمام لوگ سراسیمہ و حیران پھرتے تھے۔ آخر مولانا کے پاس آئے کہ یہ کیا بلائے آسمانی ہے۔ مولانا نے فرمایا زمین بھوکی ہے لقمۂ تر چاہتی ہے اور انشاء اللہ کامیاب ہوگی۔

انتقالِ پُر ملال چند روز کے بعد مزاج ناساز ہوا، اکمل الدین اور غضنفر کہ اپنے زمانے کے جالینوس تھے علاج میں مشغول ہوئے لیکن نبض کا یہ حال تھا کہ ابھی کچھ ہے ابھی کچھ، آخر تشخیص سے عاجز آئے اور مولانا سے عرض کی کہ آپ خود مزاج کی کیفیت سے مطلع فرمائیں، مولانا مطلق متوجہ نہیں ہوتے تھے، لوگوں نے سمجھا کہ اب کوئی دم کے مہمان ہیں۔

بیماری کی خبر عام ہوئی تو تمام شہر عیادت کے لیے ٹوٹا۔ شیخ صدر الدین جو محی الدین اکبر کے تربیت یافتہ اور روم و شام میں مرجع عام تھے تمام مریدوں کو ساتھ لے کر آئے۔ مولانا کی حالت دیکھ کر بیقرار ہوتے اور یہ دعا کی کہ خدا آپ کو جلد شفا دے۔ مولانا نے فرمایا شفا آپ کو مبارک ہو۔ عاشق اور معشوق میں بس ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے، کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اٹھ جائے اور نور نور میں مل جائے۔ شیخ روتے ہوئے اُٹھے۔ مولانا نے یہ شعر پڑھا۔

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہم نشیں دارم
رُخِ زرّیں من منگر کہ پائے آہنیں دارم

شہر کے تمام امراء علماء مشائخ اور ہر طبقہ و درجہ کے لوگ آتے تھے اور بے اختیار چیخیں مار مار کر روتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کا جانشین کون ہوگا؟ اگرچہ مولانا کے بڑے صاحبزادے سلطان بہاؤ الدین ولد سلوک اور تصوّف میں بڑے پایہ کے شخص تھے، لیکن مولانا نے حسام الدین چلپی کا نام لیا۔ لوگوں نے دوبارہ سہ بارہ پوچھا، پھر یہی جواب ملا۔ چوتھی مرتبہ سلطان ولد کا نام لے کر کہا کہ ان کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ وہ پہلوان ہے اس کو وصیت کی حاجت نہیں۔

مولانا پر ۵۰ دینار قرضہ تھا۔ مریدوں سے فرمایا کہ جو کچھ موجود ہے ادا کر کے باقی قرض خواہ سے بحل کرا لو، لیکن قرض خواہ نے

---

[1] نفحات الانس و رسالہ سپہ سالار حالات شیخ صلاح الدین زرکوب۔

Marfat.com

ہچھ لینا گوارا نہ کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ الحمدللہ اس سخت مرحلے سے رہائی ہوئی چلپی حسام الدین نے پوچھا آپ کے جنازے کی نماز کون پڑھائے گا، فرمایا مولوی صدر الدین۔ یہ وصیتیں کر کے جمادی الثانی ۶۷۲ھ کی پانچویں تاریخ یکشنبہ کے دن غروب آفتاب کے وقت انتقال کیا۔

رات کو تجہیز اور تکفین کا سامان مہیا کیا گیا صبح کو جنازہ اُٹھا۔ بچے، جوان، بوڑھے، امیر، غریب، عالم، جاہل ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے آدمی جنازے کے ساتھ اور چیخیں مار مار کر روتے جاتے تھے، ہزاروں آدمیوں نے کپڑے پھاڑ ڈالے عیسائی اور یہودی تک جنازے کے آگے آگے انجیل اور توریت پڑھتے اور نوحہ کرتے جاتے تھے، بادشاہ وقت جنازے کے ساتھ تھا۔ اس نے ان کو بلا کر کہا کہ تم کو مولانا سے کیا تعلق، بولے کہ یہ شخص اگر تمہارا محمدؐ تھا تو ہمارا عیسیٰؑ اور موسیٰؑ تھا۔ صندوق جس میں تابوت رکھا تھا، راہ میں چند دفعہ بدلا گیا اور اس کے تختے توڑ کر تبرک کے طور پر تقسیم کیے گئے۔ شام ہوتے ہوتے جنازہ قبرستان میں پہنچا شیخ صدر الدین نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے لیکن چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے آخر قاضی سراج الدین نے نماز پڑھائی۔ ۴۰ دن تک لوگ مزار کی زیارت کو آتے رہے۔

مولانا کا مزار مبارک اس وقت سے آج تک بوسہ گاہ خلائق ہے۔ ابن بطوطہ جب قونیہ میں پہنچا ہے تو وہاں کے حالات میں لکھا ہے کہ مولانا کے مزار پر بڑا لنگر خانہ ہے جس سے صادر و وارد کو کھانا ملتا ہے۔

سلسلۂ باطنی

مولانا کا سلسلہ اب تک قائم ہے، ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ان کے فرقے کے لوگ جلالیہ کہلاتے ہیں، چونکہ مولانا کا لقب جلال الدین تھا۔ اس لیے اُن کے انتساب کی وجہ سے یہ نام مشہور ہو گیا، لیکن آج کل ایشیائے کوچک، شام، مصر اور قسطنطنیہ میں اس فرقہ کو مولویہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ نمد کی ٹوپی پہنتے ہیں جس میں جوڑ یا درز نہیں ہوتی۔ مشائخ اس ٹوپی پر عمامہ بھی باندھتے ہیں۔ خرقہ یا کُرتہ کے بجائے ایک چنٹ دار جامہ ہوتا ہے۔ ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں، ایک شخص کھڑا ہو کر ایک ہاتھ سینے پر اور ایک ہاتھ پھیلائے ہوئے رقص شروع کرتا ہے، رقص میں آگے یا پیچھے بڑھنا یا ہٹنا نہیں ہوتا، بلکہ ایک جگہ جم کر متصل چکر لگاتے ہیں۔ سماع کے وقت دف اور نے بھی بجاتے ہیں۔ چونکہ مولانا پر ایک وجد اور سُکر کی حالت طاری رہتی تھی، اور جیسا کہ آگے آئے گا، وہ اکثر جوش کی حالت میں ناچنے لگتے تھے۔ مریدوں نے تقلیداً اس طریقے کو اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں جب کوئی شخص داخل ہونا چاہتا ہے، تو قاعدہ یہ ہے کہ چالیس دن تک چارپایوں کی خدمت کرتا ہے۔ چالیس دن فقرا کے دروازے پر جھاڑو دیتا ہے۔ چالیس دن آب کشی کرتا ہے چالیس دن فراشی۔ چالیس دن ہیزم کشی۔ چالیس دن طباخی۔ چالیس دن بازار سے سودا سلف لانا۔ چالیس دن فقرا کی مجلس کی خدمت گاری۔ چالیس دن داروغہ گیری۔ جب یہ مدت ختم ہو چکتی ہے تو غسل دیا جاتا ہے اور تمام محرمات سے توبہ کرا کے حلقہ میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ خانقاہ سے لباس (دہی جامہ) ملتا ہے اور اسم جلالی کی تلقین کی جاتی ہے۔

Marfat.com

اخلاق وعادات

(۱)

مولانا کے اخلاق وعادات اس تفصیل سے تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھے کہ ترتیب سے الگ الگ عنوان قائم کیے جائیں اس لیے جس باتوں کا پتہ لگ سکا ہے ہم بلا ترتیب لکھتے ہیں۔

(۲)

مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے، ان کی زندگی عالمانہ جاہ وجلال کی شان رکھتی تھی۔ ان کی سواری جب نکلتی تھی، تو امراء اور طلبا بلکہ امراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا، مناظرہ اور مجادلہ جو علما کا عام طریقہ تھا۔ مولانا اس میں اوروں سے چند قدم آگے تھے سلاطین اور امراء کے دربار سے بھی ان کو تعلق تھا، لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالت بدل گئی۔

(۳)

ریاضت اور مجاہدہ حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ سپہ سالار برسوں ساتھ رہے ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی ان کو شب خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا، بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا، قصداً لیٹتے نہ تھے، نیند غالب ہوتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔ ایک غزل میں ... ہیں ؎

چہ آساید بہ ہر پہلو کہ خسپد | کسے کز خار وارد، او نہالیں

(۴)

سماع کے جلسوں میں مریدوں پر جب نیند غالب ہوتی تو ان کے لحاظ سے دیوار سے ٹیک لگا کر زانو پر سر رکھ لیتے کہ وہ بے تکلف ہو کر سو جائیں، وہ لوگ پڑ کر سو جاتے تو خود اُٹھ بیٹھتے اور ذکر و شغل میں مصروف ہوتے، ایک غزل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے

ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد | ہمہ شب دیدۂ من بر فلک استارہ شمرد

خوابم از دیدہ چناں رفت کہ ہرگز باید | خواب من زہر فراقِ تو بنوشید و بمرد

(۵)

روزہ اکثر رکھتے تھے، آج تو لوگوں کو مشکل سے یقین آئے گا، لیکن معتبر رواۃ کا بیان ہے کہ مسلسل دس دس، بیس بیس دن کچھ کھاتے تھے۔

(۶)

نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا، نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا، سپہ سالار کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اوّل عشاء کے وقت نیّت باندھی، اور دو رکعتوں میں صبح ہو گئی، مولانا نے ایک غزل میں اپنی نماز کی کیفیت بیان کی ہے مقطع میں لکھتے ہیں۔

بخدا خبر ندارم چو نماز می گزارم

کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

Marfat.com

(۷)

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے، مولانا نماز میں اس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، جاڑے کی شدت کی وجہ سے آنسو جم کر یخ ہو گئے، لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ حج والد کے ساتھ ابتدائے عمر میں کر چکے تھے۔ اس کے بعد غالباً اتفاق نہیں ہوا۔

(۸)

مزاج میں انتہا درجہ کی قناعت و زہد تھا۔ تمام سلاطین اور امراء نقدی اور ہر قسم کے تحائف بھیجتے تھے، لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ جو چیز آتی تھی اسی طرح صلاح الدین زرکوب یا چلپی حسام الدین کے پاس بھجوا دیتے۔

(۹)

کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر میں نہایت تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اصرار کرتے تو کچھ رکھ لیتے[1]، جس دن گھر میں کھانے کا کچھ سامان نہ ہوتا تو بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ آج ہمارے گھر میں درویشی کی بُو آتی ہے۔

(۱۰)

فیاضی اور ایثار کا یہ حال تھا کہ کوئی سائل سوال کرتا تو عبا یا کُرتہ جو کچھ بدن پر ہوتا اتار کر دے دیتے۔ اسی لحاظ سے کُرتہ عبا کی طرح سامنے سے کھلا ہُوا ہوتا تھا کہ اُتارنے میں زحمت نہ ہو[2]۔

(۱۱)

باوجود عظمت و شان کے نہایت درجہ بے تکلف، متواضع اور خاکسار تھے، ایک دفعہ جاڑوں کے دنوں میں حسام الدین چلپی کے پاس گئے، چونکہ ناوقت ہو چکا تھا۔ اور دروازے بند تھے، وہیں ٹھہر گئے۔ برف گر گر سر پر جمتی جاتی تھی، لیکن اس خیال سے کہ لوگوں کو زحمت نہ ہو، نہ آواز دی نہ دروازہ کھٹکھٹایا۔ صبح کو نوّاب نے دروازہ کھولا تو یہ حالت دیکھی۔ حسام الدین کو خبر ہوئی، وہ آکر پاؤں پر گر پڑے اور رونے لگے۔ مولانا نے گلے سے لگا لیا، اور ان کی تسکین کی۔

(۱۲)

ایک دفعہ بازار میں جا رہے تھے، لڑکوں نے دیکھا تو ہاتھ چومنے کے لیے بڑھے، آپ کھڑے ہوگئے۔ لڑکے ہر طرف سے آتے اور ہاتھ چومتے جاتے۔ مولانا بھی ان کی دل داری کے لیے ان کے ہاتھ چومتے، ایک لڑکا کسی کام میں مشغول تھا اس نے کہا مولانا ذرا ٹھہریئے میں کام سے فارغ ہو لوں۔ مولانا اس وقت تک وہیں کھڑے رہے کہ لڑکا فارغ ہو کر آیا اور دست بوسی کی عزّت حاصل کی۔

(۱۳)

ایک دفعہ سماع کی مجلس تھی، اہل محفل اور خود مولانا پر وجد کی حالت تھی، ایک شخص بیخودی کی حالت میں تڑپتا تو مولانا سے جا کر

---

[1] سپہ سالار ص۲۰، ۲۱ ۔ [2] سپہ سالار ص۵۰

ڈکر کھاتا ہے۔ چند دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ لوگوں نے بزرگ اس کو مولانا کے پاس سے ہٹا کر دور بٹھا دیا، آپ نے ناراض ہو کر فرمایا "شراب اس نے پی ہے اور بدمستی تم کرتے ہو"

(۱۴)

قونیہ میں گرم پانی کا ایک چشمہ تھا، مولانا کبھی کبھی وہاں غسل کے لیے جایا کرتے تھے، ایک دن وہاں جانے کا قصد کیا۔ خدام پہلے سے جا کر ایک خاص جگہ متعین کر آئے لیکن قبل اس کے مولانا پہنچیں چند جذامی پہنچ کر نہانے لگے۔ خدام نے ان کو ہٹانا چاہا، مولانا نے خدام کو ڈانٹا اور چشمے میں اسی جگہ سے پانی لے کر اپنے بدن پر ڈالنا شروع کیا جہاں جذامی نہا رہے تھے۔

(۱۵)

ایک دفعہ معین الدین پروانہ کے گھر میں سماع کی مجلس تھی، کرجی خاتون نے شیرینی کے دو طبق بھیجے، لوگ سماع میں مشغول تھے، اتفاق سے ایک کتے نے آ کر طبق میں منہ ڈال دیا۔ لوگوں نے کتے کو مارنا چاہا، مولانا نے فرمایا کہ اس کی بھوک تم لوگوں سے زیادہ تیز تھی، اس نے کھایا تو اسی کا حق تھا۔

(۱۶)

ایک دفعہ مولانا کی زوجہ کرا خاتون نے اپنی لونڈی کو سزا دی۔ اتفاق سے مولانا بھی اسی وقت آ گئے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر وہ آقا ہوتی اور تم اس کی لونڈی، تو تمھاری کیا حالت ہوتی، پھر فرمایا کہ درحقیقت تمام آدمی ہمارے بھائی بہنیں ہیں، کوئی شخص خدا تعالیٰ کے سوا کسی کا غلام نہیں۔ کرا خاتون نے اسی وقت اس کو آزاد کر دیا، اور جب تک زندہ رہیں غلاموں اور کنیزوں کو اپنے جیسا کھلاتی اور پہناتی رہیں۔

(۱۷)

ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے، ایک تنگ گلی میں ایک کتا سر راہ سو رہا تھا جس سے راستہ رک گیا تھا، مولانا وہیں رک گئے اور دیر تک کھڑے رہے، ادھر سے ایک شخص آ رہا تھا، اس نے کتے کو ہٹایا۔ مولانا نہایت آزردہ ہوئے اور فرمایا ناحق اس کو تکلیف دی۔

(۱۸)

ایک دفعہ دو آدمی سر راہ لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ او لعین تو ایک کہے گا تو دس سنے گا۔ اتفاق سے مولانا کا گذر ادھر ہوا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی جو کچھ کہنا ہے مجھ کو کہہ لو، مجھ کو کہہ لو اگر ہزار کہو گے تو ایک بھی نہ سنو گے۔ دونوں مولانا کے پاؤں پر گر پڑے اور آپس میں صلح کر لی۔

(۱۹)

ایک دفعہ قلعہ کی مسجد میں جمعہ کے دن وعظ کی مجلس تھی، تمام امراء اور صلحا حاضر تھے۔ مولانا نے قرآن مجید کے دقائق

Marfat.com

نکات بیان کرنا شروع کیے، ہر طرف سے بے اختیار واہ واہ اور سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اس زمانے میں وعظ کا یہ طریقہ تھا کہ قاری قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھتا تھا اور واعظ ان ہی آیتوں کی تفسیر بیان کرتا تھا۔ مجمع میں ایک فقیہ صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ ان کو حسد پیدا ہوا، بولے کہ آیتیں پہلے سے مقرر کر لی جاتی ہیں۔ ان کے متعلق بیان کرنا کون سی کمال کی بات ہے۔ مولانا نے ان کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آپ کوئی سورہ پڑھیئے میں اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ انھوں نے الضحیٰ پڑھی۔ مولانا نے اس سورہ کے دقائق اور لطائف بیان کرنے شروع کیے تو صرف والضحیٰ کے واؤ کے متعلق اس قدر شرح وبسط سے بیان کیا کہ شام ہو گئی۔ تمام مجلس پر ایک وجد کی حالت طاری تھی۔ فقیہ صاحب ایسے سرشار ہوئے کہ کپڑے پھاڑ ڈالے اور مولانا کے قدموں پر گر پڑے۔ اس جلسے کے بعد مولانا نے پھر وعظ نہیں کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر میری شہرت بڑھتی جاتی ہے میں بلا میں مبتلا ہوتا جاتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کچھ تدبیر بن نہیں پڑتی۔ مثنوی میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خویش را رنجور سازی زار زار　　تا ترا بیروں کنند از اشتہار

اشتہار خلق بند محکم است　　درہ ایں از بند آہن کی کم است

(۲۰)

سراج الدین قونوی بڑے رتبے کے فاضل تھے، لیکن مولانا سے ملال رکھتے تھے، کسی نے ان سے کہا کہ مولانا کہتے ہیں کہ میں تہتروں مذہبوں سے متفق ہوں، انھوں نے اپنے ایک مستعد شاگرد کو بھیجا کہ مولانا سے پوچھنا کہ کیا واقعی آپ کا یہ قول ہے اور اگر وہ اقرار کریں تو ان کی خوب خبر لینا۔ اس نے بھرے مجمع میں مولانا سے سوال کیا۔ آپ نے کہا ہاں میرا یہ قول ہے۔ اس نے مغلظ گالیاں دینی شروع کیں۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ جو آپ فرماتے ہیں میں اس سے بھی متفق ہوں، وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

معاش معاش کا یہ طریقہ تھا کہ اوقاف کی مدسے پندرہ دینار ماہوار روزینہ[۱] مقرر تھا چونکہ مولانا مفت خوری کو نہایت ناپسند کرتے تھے اس لیے اس کے معاوضے میں فتویٰ لکھا کرتے تھے۔ مریدوں پر تاکید تھی اگر کوئی فتویٰ لائے تو میں گو کسی حالت میں ہوں ضرور خبر کرو تاکہ یہ آمدنی مجھ پر حلال ہو۔ چنانچہ معمول تھا کہ عین وجد اور مستی کی حالت میں بھی مرید دوات اور قلم ہاتھ میں لیے رہتے تھے۔ اس حالت میں کوئی فتویٰ آجاتا تو لوگ مولانا سے عرض کرتے اور مولانا اسی وقت جواب لکھ دیتے۔

ایک دفعہ اسی حالت میں فتویٰ لکھا، شمس الدین ماردینی نے اس کی تغلیط کی۔ مولانا نے سنا تو کہلا بھیجا کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر یہ مسئلہ موجود ہے۔ چنانچہ لوگوں نے تحقیق کی تو مولانا نے جو کہا تھا وہی نکلا۔[۲]

ایک دفعہ کسی نے کہا کہ شیخ صدرالدین کو ہزاروں سو روپے کا وظیفہ ہے اور آپ کو کل پندرہ دینار ماہوار ملتے ہیں۔ مولانا نے کہا شیخ کے مصارف بھی بہت ہیں اور حق یہ ہے کہ ۵ ادینار بھی انہی کو ملنے چاہئیں۔[۳]

امرا کی صحبت سے اجتناب ایک دفعہ ایک امیر نے معذرت کی کہ اشغال سے فرصت نہیں ہوتی، اس لیے کم حاضر ہوتا

[۱] مناقب العارفین ص ۲۹۴۔ [۲] مناقب العارفین ص ۱۹۳۔ [۳] مناقب العارفین ص ۲۶۴

Marfat.com

ہوں، معاف فرمائیگا - فرمایا معذرت کی ضرورت نہیں، میں آنے کی بہ نسبت نہ آنے سے زیادہ ممنون ہوتا ہوں۔

ایک دفعہ معین الدین پروانہ چند امرا کے ساتھ ملاقات کو گیا، مولانا چھپ بیٹھے، معین الدین کے دل میں خیال گذرا کہ سلاطین اور امراء اولا مرہیں اور قرآن مجید کی رُو سے ان کی اطاعت فرض ہے، تھوڑی دیر کے بعد مولانا آئے، سلسلۂ سخن میں فرمایا کہ ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی شیخ ابوالحسن خرقانی کی ملاقات کو گیا، درباریوں نے آگے بڑھ کر شیخ خبر دی، لیکن وہ باخبر نہ ہوئے حسن میمندی جو وزیر تھا اس نے کہا کہ حضرت قرآن مجید میں اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور سلطان تو اولی الامر ہونے کے ساتھ عادل ہونے کے ساتھ عادل اور نیک سیرت بھی ہے شیخ نے فرمایا کہ مجھ کو ابھی اطیعوا اللہ سے فرصت نہیں کہ اطیعوا الرسول میں مشغول ہوں۔ اولی الامر کا کیا ذکر ہے۔

وجد و استغراق مولانا پر اکثر استغراق، وجد اور محویت کی حالت طاری رہتی تھی۔ بیٹھے بیٹھے یکبار گی اٹھ کھڑے ہوتے اور رقص کرنے لگتے۔ کبھی کبھی چپکے کسی طرف نکل جاتے اور ہفتوں غائب رہتے، لوگ ہر طرف ڈھونڈتے پھرتے۔ آخر کسی ویرانہ میں پتہ لگتا، مریدانِ خاص وہاں سے جاکر لاتے، سماع کی مجلسوں میں کئی کئی دن گذر جاتے کہ ہوش میں نہ آتے راہ میں چلے جا رہے ہیں۔ کسی طرف سے کوئی آواز کانوں میں آگئی۔ وہیں کھڑے ہوگئے اور مستانہ رقص کرنے لگے۔ معمول تھا کہ وجد کی حالت میں جو کچھ بدن پر ہوتا، اتار کر قوالوں کو دے ڈالتے۔ مریدوں میں خواجہ مجد الدین نام ایک امیر صاحب مقدرت تھا، وہ ہمیشہ کپڑوں کے کئی کئی صندوق مہیا رکھتا تھا۔ مولانا جب کپڑے اتار کر دے ڈالتے تو وہ فوراً نئے لاکر پہنا دیتا۔

معین الدین پروانہ نے ایک فاضل کو قونیہ کا قاضی مقرر کرنا چاہا۔ انھوں نے تین شرطیں پیش کیں، رُباب رباجہ کا نام ہے سرے سے اُٹھا دیا جائے۔ عدالت کے تمام پُرانے چپراسی نکال دیئے جائیں اور نئے جو مقرر ہوں ان کو حکم دیا جائے کہ کسی سے کچھ لینے نہ پائیں۔ معین الدین نے اور شرطیں منظور کیں، پہلی شرط اس وجہ سے قبول نہ کی کہ خود مولانا رباب سنتے تھے، فاضل مذکور بھی ہٹ کے پورے تھے، قضا کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا نے سنا تو فرمایا کہ رباب کی ایک ادنےٰ کرامت یہ ہے کہ فاضل صاحب کو قضا کی بلا میں پڑنے سے بچا لیا۔

ایک دن سلطان ولد نے شکایت کی کہ تمام صوفیہ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں، لیکن ہمارے حلقے والے رات دن خواہ مخواہ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ مولانا نے کہا ہاں ہزار مرغیاں ایک مکان میں رہ سکتی ہیں، لیکن دو مرغ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

تصنیفات مولانا کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:۔

فیہ ما فیہ۔ یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروانہ کے نام لکھے اور یہ کتاب بالکل نایاب ہے۔

دیوان۔ اس میں قریباً پچاس ہزار شعر ہیں۔

Marfat.com

مثنوی۔ یہی کتاب ہے جس نے مولانا روم کے نام کو آج تک زندہ رکھا ہے اور جس کی شہرت اور مقبولیت نے ایران کی تمام تصنیفات کو دبا لیا ہے اس کے اشعار کی مجموعی تعداد جیسا کہ کشف الظنون میں ہے ۲۶۶۶ ہے۔

سببِ تصنیف ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ حسام الدین چلپی نے مولانا سے درخواست کی کہ منطق الطیر کے طرز پر ایک مثنوی لکھی جائے مولانا نے فرمایا کہ خود مجھ کو بھی رات یہ خیال آیا اور اسی وقت یہ چند شعر موزوں ہوئے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند

مثنوی کی تصنیف میں حسام الدین چلپی کو بہت دخل ہے اور درحقیقت یہ نایاب کتاب انہی کی بدولت وجود میں آئی۔ وہ مولانا کے مریدانِ خاص میں سے تھے اور مولانا اس قدر ان کی عزت کرتے تھے کہ جہاں ان کا ذکر کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پیر طریقت اور استاد کا ذکر ہے۔ مثنوی کے چھ دفتر ہیں اور بجز دفتر اوّل کے ہر دفتر ان کے نام سے مزیّن ہے۔ دفتر دوم میں لکھتے ہیں۔

مدّتے ایں مثنوی تاخیر شد — مہلتے بایست تا خوں شیر شد

چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں — باز گردانید ز اوجِ آسماں

چوں بہ معراجِ حقائق رفتہ بود — بے بہارش غنچہ ہا نشگفتہ بود

مثنوی کی شہرت اور مقبولیت مثنوی کو جس قدر مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی فارسی کی کسی کتاب کو آج تک نہیں ہوئی، صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ ایران میں چار کتابیں جس قدر مقبول ہوئیں کوئی کتاب نہیں ہوئی شاہنامہ گلستان، مثنوی مولانا روم، دیوان حافظ۔ ان چاروں کتابوں کا موازنہ کیا جائے تو مقبولیت کے لحاظ سے مثنوی کو ترجیح ہوگی۔ مقبولیت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ علماء و فضلاء نے مثنوی کے ساتھ جس قدر اعتنا کی اور کسی کتاب کے ساتھ نہیں کی، جس قدر شرحیں لکھی گئیں، ان کا ایک مختصر سا نقشہ ہم اس موقع پر درج کرتے ہیں۔ یہ نقشہ کشف الظنون سے ماخوذ ہے، کشف الظنون کے بعد اور بہت سی شرحیں لکھیں گئیں جن کا ذکر کشف الظنون میں نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا تھا مثلاً شرح محمد افضل الہ آبادی دولی محمد عبد العلی بحر العلوم و محمد رضا وغیرہ وغیرہ۔

نام شارح	سنہ وفات	کیفیت
مولیٰ مصطفےٰ بن شعبان	۹۶۹ھ	۶ جلدوں میں ہے
سعدی	تقریباً ۱۰۰۰ھ	
کمال الدین خوارزمی	۸۴۰ھ	اس کا نام کنوز الحقائق ہے
شیخ اسماعیل القرادی	۱۰۴۲ھ	چھ جلدوں میں ہے
عبد اللہ بن محمد رئیس الکتاب درویش علمی۔		جلد اوّل کی شرح ہے یوسف المتوفی ۹۵۳ھ نے مثنوی کا خلاصہ کیا تھا یہ اس کی شرح ہے۔

Marfat.com

طریفی حسن چلپی		اس کا نام کاشف الاسرار ہے بعض اشعار کی شرح ہے۔
علاؤ الدین مصنفک حسین واعظ	۸۷۵ھ	خلاصۂ مثنوی کی شرح ہے، اس کے دیباچہ میں دس مقالہ ہیں۔ جن میں اصطلاحاتِ تصوف اور فرقۂ مولویہ کے مشائخ کے حالات ہیں
شیخ عبد المجید سیواسی	۱۰۴۹ھ	سلطان احمد کے حکم سے تصنیف کی۔
علائی بن یحییٰ واعظ شیرازی		
اسماعیل دوہ		اس کا نام ازہار مثنوی ہے صرف احادیث و آیات قرآنی والفاظ مشکلہ کی شرح کی ہے۔

مثنوی کی ترکیب

مثنوی سے پہلے جو کتابیں اخلاق و تصوّف میں لکھی گئیں، ان کا یہ انداز تھا کہ اخلاق و تصوّف کے مختلف عنوان قائم کر کے اخلاقی حکایتیں لکھتے تھے اور ان کے نتائج پیدا کرتے تھے منطق الطیر اور بوستان کا یہی انداز ہے۔ حدیقہ میں اکثر مسائل کو مستقل طور پر بھی بیان کیا ہے، مثلاً نفس عقل، عمل، تنزیہ، صفات، معرفت، وجد، توکل، صبر و شکر وغیرہ کے عنوان قائم کیے ہیں اور ان کی حقیقت بیان کی ہے۔ لیکن مثنوی کا یہ انداز نہیں، مثنوی میں کسی قسم کی ترتیب و تبویب نہیں، دفتروں کی جو تقسیم ہے وہ خصوصیت مضمون کے لحاظ سے نہیں، بلکہ جس طرح قرآن مجید کے پارے یا ایک شاعر کے متعدد دیوان ہوتے ہیں۔

مثنوی کی خصوصیات

سب سے بڑی خصوصیت جو مثنوی میں ہے۔ وہ اس کا طرزِ استدلال اور طریقۂ افہام ہے استدلال کے تین طریقے ہیں، قیاس، استقراء، تمثیل۔ چونکہ ارسطو نے بھی ان تینوں میں قیاس کو ترجیح دی تھی اس لیے اس کی تقلید سے حکمائے اسلام میں بھی اسی طریقہ کو زیادہ تر رواج ہوا، علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطق میں ثابت کیا ہے کہ قیاس شمولی کو قیاس تمثیلی پر کوئی ترجیح نہیں، بلکہ بعض وجوہ سے تمثیل کو ترجیح ہے۔ ہم اس موقع پر یہ بحث چھیڑنا نہیں چاہئے بلکہ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ مولانا روم نے زیادہ تر اسی قیاس تمثیلی سے کام لیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عام طبائع کے افہام و تفہیم کا آسان اور اقرب الی الفہم یہی طریقہ ہے۔ استدلال تمثیلی کے لیے تخیّل کی بڑی ضرورت ہے، جو شاعری کی سب سے ضروری تر شرط ہے اس بنا پر مثنوی کے لیے یہی طریقہ زیادہ مناسب تھا۔ مولانا کی شاعری کو جس بنا پر شاعری کہا جاتا ہے، وہ یہی قوتِ تخیل ہے۔ تصوف اور سلوک کے مسائل اور مسلّمات عام ادراک بشری سے خارج ہیں، اس لیے جو شخص خود اس عالم میں نہ آئے وہ ان باتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔ الہیات کے اکثر مسائل بھی عام لوگوں کی فہم سے برتر ہیں، اس لیے ان مسائل کے سمجھانے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے۔ کہ ان کو مثالوں اور تشبیہوں کے ذریعہ سے سمجھایا جائے، ایک اور نکتہ قابل لحاظ یہ ہے کہ الہیات کے مسائل میں اکثر متکلمین امکان کے ثابت کرنے سے کام لیتے ہیں، لیکن امکان کو ایسے دلائل سے ثابت کرتے ہیں جو دل میں جانشین نہیں ہوتے بلکہ ان سے صرف طباعی اور زور آوری کا ثبوت ملتا ہے، حالانکہ امکان کے ثابت کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ مثالوں کے ذریعہ سے ثابت کیا جائے۔ اسی بناء

Marfat.com

بر مولانا نے اس طریقہ استدلال کو اختیار کیا، وہ ان دقیق مسائل کو ایسی نادر اور قریب الفہم تمثیلوں سے سمجھاتے ہیں جن سے بقدر امکان ان کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے یا کم از کم ان کے امکان کا یقین ہوجاتا ہے، مثلاً یہ مسئلہ کہ خدا کا تعلق عالم سے اور روح کا تعلق جسم سے اس طرح ہے کہ نہ اس کو متصل کہہ سکتے ہیں۔ نہ منفصل، نہ قریب نہ بعید، نہ داخل نہ خارج، ایک ایسا مسئلہ ہے جو بظاہر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ مولانا اس کو اس طرح تمثیل کے ذریعہ سے سمجھاتے ہیں۔

قرب بیچوں است عقلت را بہ تو	آں تعلق ہست بیچوں اے عمو
اتصالے بے تکیف بے قیاس	ہست رب الناس را با جان ناس
زانکہ فصل و وصل نبود در رو اں	غیر فصل و وصل نندیشد گماں
نیست آں جنبش کہ در اصبع تراست	پیش اصبع یا پسش یا چپ راست
از چہ رو مے آید اندر اصبعت	کاصبعت بے او بہ داند منفعت
نور چشم و مردمک در دیدہ است	از چہ رہ آید، بغیر از شش جہت
ایں تعلق را خرد چوں پے برد	بستۂ فصل ست و وصل ست ایں خرد
تاب نور چشم با پیہ است جفت	نور دل در قطرۂ خونی نہفت
شادی اندر گردہ و غم در جگر	عقل چوں شمعے درون مغز سر
رائحہ در انف و منطق در لسان	لہو در نفس و شجاعت در جناں

حاصل یہ کہ آنکھ میں قوت باصرہ، ناک میں شامہ، زبان میں گویائی، دل میں شجاعت، تمام چیزیں اسی قسم کا تعلق رکھتی ہیں جس کو نہ متصل کہہ سکتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ نہ منفصل، نہ قریب، نہ بعید، اسی طرح روح کا تعلق جسم سے اور خدا کا تعلق مخلوقات سے ہے۔

دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ فرضی حکایتوں کے ضمن میں اخلاقی مسائل کی تعلیم کا جو طریقہ مدت سے چلا آتا تھا۔ مولانا نے اس کو کمال کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ اس طریقۂ تعلیم کا کمال امور ذیل پر موقوف ہے۔

۱۔ نتیجہ فی نفسہ اچھوتا اور نادر اور اہم ہو۔

۲۔ نتیجہ حکایت سے نہایت مطابقت رکھتا ہو، گویا حکایت اس کی تصویر ہو۔

۳۔ حکایت کے اثناء میں نتیجہ کی طرف ذہن منتقل نہ ہوسکے، بلکہ خاتمہ پر بھی جب تک خود مصنف اشارہ یا تصریح نہ کرے نتیجہ کی طرف ذہن منتقل نہ ہونے پائے۔ اس لیے طبیعت پر ایک استعجاب اثر پڑتا ہے اور مصنف کی قوت تخیل کی قوت ثابت ہوتی ہے۔ یہ تمام باتیں جس قدر مثنوی کی حکایتوں میں پائی جاتی ہیں، اس قسم کی اور کتابوں میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ مولانا نے ان حکایتوں کے ضمن میں نفس انسانی کے جن پوشیدہ اور دور از نظر عیوب کو ظاہر کیا ہے، عام لوگوں کی نگاہیں وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں، پھر ان کو ادا اس طرح کیا ہے کہ ہر شخص حکایت کو پڑھ کر بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو خاص میرا ہی ذکر ہے۔ چنانچہ چند مثالیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ ایک حکایت ہے کہ ایک شیر اور صحرائی جانوروں میں یہ معاہدہ ٹھہرا کہ وہ ہر روز شیر کو گھر بیٹھے اس کی خوراک پہنچا آیا کریں گے۔ پہلے ہی دن جو خرگوش شیر کی خوراک کے لیے متعین کیا گیا وہ دو ایک دن کی دیر کرکے گیا۔ شیر غصّہ میں بھرا ہوا بیٹھا تھا۔ خرگوش گیا تو اس نے دیر کی وجہ پوچھی، خرگوش نے کہا، میں تو اسی دن چلا تھا، لیکن راہ میں ایک دوسرے شیر نے روک لیا۔ میں نے اس سے بہتیرا کہا کہ میں حضور کی خدمت میں جاتا ہوں، لیکن اس نے ایک نہ سنی، بڑی مشکل سے ضمانت لے کر مجھ کو چھوڑا۔ شیر نے بپھر کر کہا کہ وہ شیر کہاں ہے؟ میں اس کو ابھی چل کر سزا دیتا ہوں، خرگوش آگے آگے ہو لیا اور شیر کو ایک کنوئیں کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا، کہ حریف اس میں ہے۔ شیر نے کنوئیں میں جھانکا اور اپنے ہی عکس کو اپنا حریف سمجھا۔ بڑے غصّہ سے حملہ آور ہو کر کنوئیں میں کود پڑا۔ مولانا یہ حکایت لکھ کر فرماتے ہیں:۔

عکس خود را او عدوے خویش دید — لاجرم برخویش شمشیرے کشید

اے بسا عیبے کہ بینی در کساں — خوئے تو باشد در ایشاں اے فلاں

اندر ایشاں آں تافتہ ہستی تو — از نفاق و ظلم بدمستی تو

آں توئی واں زخم برخود می زنی — برخود آں دم تارِ لعنت می تنی

در خود ایں بد را نمی بینی عیاں — ورنہ دشمن بودۂ خود را بجاں

حملہ برخود می کنی اے سادہ مرد — ہمچوں آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

چوں بہ قعر خوے خود اندر رسی — پس بدانی کز تو بود آں ناکسی

شیر را در قعر پیدا شد کہ بود — نقش او آں کش دگر کس می نمود

اے بدیدہ خال بد بر روئے عم — عکسِ خال تست آں از عم مرم

یہ مضمون کہ انسان کو اپنے عیب نظر نہیں آتے اور دوسروں کے عیب اچھی طرح نظر آتے ہیں۔ اخلاق کا متداول مسئلہ ہے اور اس کو مختلف طریقوں سے ادا کیا گیا ہے۔ انجیل میں اس کو یوں بیان کیا ہے، کہ اے بنی آدم تو اوروں کی آنکھ کی پھلی دیکھتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھتا، لیکن مولانا نے اس کو جس پیرایہ میں ادا کیا ہے سب سے بڑھ کر موثر طریقہ ہے۔ شیر نے جب اپنا عکس کوئیں میں دیکھا تو بڑے غصّہ سے اس پر حملہ کیا، لیکن اس کو یہ خیال نہ آیا کہ میں خود اپنے آپ پر حملہ کر رہا ہوں، ہماری بھی یہی حالت ہے، ہم دوسروں میں جو عیوب دیکھتے ہیں ہم کو نہایت بدنما معلوم ہوتے ہیں، ہم کو ان سے سخت نفرت ہوتی ہے، ہم ایک سختی سے اس کی برائی بیان کرتے ہیں، لیکن ہم یہ نہیں خیال کرتے کہ یہی عیب خود ہم میں موجود ہے، اور اسی بنا پر ہم خود اپنے آپ کو برا کہہ رہے ہیں۔

اخلاق اخلاق کا اصلی عنصر خلوص ہے۔ لیکن خلوص کی حیثیت و ماہیت کے متعین کرنے میں نہایت سخت غلطیاں ہوتی ہیں، ہر شخص اپنے افعال کے متعلق خیال رکھتا ہے کہ خلوص پر مبنی ہے، ایک شخص کوئی قومی کام کرتا ہے اور نہایت جد و جہد اور سرگرمی سے کرتا ہے۔ خود اس کو اور نیز عام لوگوں کو اس کے کسی فعل سے محسوس نہیں ہوتا کہ اس میں خود غرضی کا کوئی شائبہ ہے، لیکن جب اصلی موقع آتا ہے، تو خود غرضی کا مخفی اثر جس کی اب تک خود اس شخص کو خبر نہ تھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اخلاق کے باہر اس سب سے اہم یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کی نسبت نہایت غور و تدقیق سے اس بات کا پتہ لگاتا رہے کہ وہ کہاں تک خلوص پر مبنی ہیں، مولانا نے خلوص

Marfat.com

کی ماہیت و حقیقت نہیں متعین کی اور نہ اس قسم کی چیز ہے جس میں خلوص کو مجسم کرکے رکھ دیا ہے اور گویا ایک معیار قائم کر دیا ہے جس سے ہر شخص اپنے افعال کو مطابق کرکے خلوص کے ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ حکایت یہ ہے:-

از علی آموز اخلاص عمل — شیر حق را داں منزہ از دغل
در غزا بر پہلوانے دست یافت — زود شمشیرے برآورد و شتافت
او خدو انداخت بر روئے علیؓ — افتخار ہر نبی و ہر ولی
در زماں انداخت شمشیر آں علیؓ — کرد او اندر غزایش کاہلی
گشت حیراں آں مبارز زیں عمل — از نمودن عفو و رحم بے محل
گفت بر من تیغ تیز افراشتی — از چہ افگندی مرا بگذاشتی
آنچہ دیدی بہتر از پیکار من — تا شدی تو سست در اشکار من
آنچہ دیدی کہ چناں خشمت نشست — تا چنیں برقے نمود و باز جست
گفت امیر المومنین با آں جواں — کہ بہ ہنگام نبرد اے پہلواں
چوں خدو انداختی بر روئے من — نفس جنبید و تبہ شد خوئے من
نیم بہر حق شد و نیمے ہوا — شرکت اندر کارِ حق نبود روا
تو نگاریدہ کف مولیستی — آنِ حقی کردۂ من نیستی
نقشِ حق را ہم بہ امر حق شکن — بر زجاجہ دوست سنگِ دوست زن

حکایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جہاد میں ایک کافر پر قابو پایا اور اس کو تلوار سے مارنا چاہا اس نے جناب موصوف کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ وہیں رک گئے اور تلوار ہاتھ سے ڈال دی۔ کافر نے متحیر ہو کر پوچھا کہ یہ کیا عفو کا موقع تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھ کو خالصتاً لوجہ اللہ قتل کرنا چاہتا تھا، جب تو نے میرے منہ پر تھوک دیا تو میرے نفس کو نہایت ناگوار ہوا اور سخت غصہ آ گیا اس صورت میں خلوص نہیں رہا کیونکہ خواہش نفسانی بھی شامل ہو گئی

نیم بہر حق شد و نیمے ہوا — شرکت اندر کارِ حق نبود روا

الہیات

خدا کے اثبات کے مختلف طریقے ہیں اور ہر طریقہ ایک خاص گروہ کے مناسب ہے، پہلا طریقہ یہ ہے کہ آثار سے موثر پر استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ خطابی ہے اور عوام کے لیے یہی طریقہ سب سے بہتر ہے۔

یہ صاف نظر آتا ہے کہ عالم ایک عظیم الشان کل ہے جس کے پرزے ہمہ تن حرکت میں ہیں۔ ستارے چل رہے ہیں، دریا بہ رہا ہے پہاڑ آتش فشاں ہیں، ہوا جنبش میں ہے، زمین نباتات اگا رہی ہے، درخت جھوم رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر انسان کو خود بخود خیال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی پرزور ہاتھ ہے جو ان تمام پرزوں کو چلا رہا ہے اس کو مولانا اس طرح ادا کرتے ہیں:-

Marfat.com

دست پنہاں و قلم بیں خط گذار	قلم لکھ رہا ہے لیکن ہاتھ چھپا ہوا ہے۔
اسپ در جولاں و ناپیدا سوار	سوار کا پتہ نہیں لیکن گھوڑا دوڑ رہا ہے۔
پس یقیں در عقل ہر دانندہ ست	ہر سمجھ دار یہ یقین رکھتا ہے کہ
ایں کہ با جنبیدہ جنبانندہ ست	جو چیز حرکت کرتی ہے اس کا کوئی حرکت دینے والا ضرور ہوتا ہے۔
گر تو آں را مے نہ بینی در نظر	اگر تم اس کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے،
فہم کن اما بہ اظہارِ اثر	تو اس کے اثر کو دیکھ کر سمجھو۔
تن بہ جاں جنبد نمی بینی تو جاں	بدن جو حرکت کرتا ہے جان کی وجہ سے حرکت کرتا ہے
لیک از جنبیدن تن جاں بداں	تم جان کو نہیں جان سکتے، تو بدن کی حرکت سے جان کو جانو۔

دوسرا طریقہ جو حکما کا ہے، یہ ہے کہ تمام عالم میں نظام اور ترتیب پائی جاتی ہے، اس لیے ضرور اس کا کوئی صانع ہے۔ اس طریقہ پر ابن رشد نے بہت زور دیا ہے، مولانا نے اس طریقہ کو ایک مصرعہ میں ادا کر دیا ہے ع

گر حکیمے نیست ایں ترتیب چیست

صفت باری تعالیٰ

اسلام میں اختلافِ مذہبی کی جو بنیاد پڑی، جس نے بڑھتے بڑھتے اسلام کا تمام شیرازہ منتشر کر دیا اور یہی مسئلہ کی بدولت تھی، اسی مسئلہ نے معتزلہ، اشعریہ، حنبلیہ میں سینکڑوں برس تک وہ نزاعیں قائم رکھیں کہ لوگوں کے بجائے قلم کے تلوار سے کام لیا، ہزاروں آدمی اس جرم میں قتل ہوئے کہ وہ کلام الٰہی کو قدیم کہتے تھے، اشعریہ نے ان لوگوں کا استیصال کرنا چاہا جو یہ کہتے تھے کہ خدا عرش پر جاگزیں ہے۔ یہ اختلاف ایک مدت تک قائم رہے اور آج بھی قائم ہیں، گو عملی صورت میں اس کا ظہور نہیں۔

مولانا نے ان نزاعوں کا یہ فیصلہ کیا کہ یہ بحث سرے سے فضول ہے، خدا کی نسبت صرف اس قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہے۔ باقی یہ کہ کیسا ہے، کہاں ہے، اس کے کیا اوصاف ہیں؟ ادراکِ انسانی سے بالکل باہر ہے۔

مولانا نے اسی سلسلہ میں ایک حکایت لکھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک چرواہے کو دیکھا کہ وہ خدا تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ اے خدا! تو کہاں ہے؟ تو مجھ کو ملتا تو میں تیرے بالوں میں کنگھی کرتا، تیرے کپڑوں سے جوئیں نکالتا، تجھ کو مزے مزے کے کھانے کھلاتا، حضرت موسیٰ نے اس کو سزا دینی چاہی، وہ بے چارہ بھاگ نکلا، حضرت موسیٰ پر وحی آئی۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا	بندۂ ما را چرا کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی	یا برائے فصل کردن آمدی؟
ہر کسے را سیرتے بنہادہ ایم	ہر کسے را اصطلاحے دادہ ایم
در حقِ او مدح و در حقِ تو ذم	در حقِ او شہد در حقِ تو سم

Marfat.com

ما بروں را ننگریم و قال را | ما دروں را بنگریم و حال را
موسیا! آداب دانا دیگر اند | سوختہ جاں و رواناں دیگر اند
در دروں کعبہ رسم قبلہ نیست | چہ غم از غواص را پاچیلہ نیست
عاشقاں را ہر زمانے عشر نیست | بر دہِ ویراں خراج و عشر نیست
خوں شہیداں را ز آب اولیٰ تراست | ایں گناہ از صد ثواب اولیٰ تراست
ملّتِ عشق از ہمہ ملّت جداست | عاشقاں را ملّت و مذہب خداست

اس حکایت سے مولانا کا یہ مقصود ہے کہ خدا کے اوصاف اور حقیقت بیان کرنے کے متعلق تمام لوگوں کا یہی حال ہے، حکماء اور اہل نظر جو کچھ خدا کی ذات وصفات کی نسبت کہتے ہیں، وہ بھی ایسا ہی ہے، جیسا وہ چرواہا خدا کی نسبت کہہ رہا تھا۔

ہاں و ہاں گر حمد گوئی در سپاس | ہمچو نافرجام آں چوپاں شناس
حمد تو نسبت بہ تو گر بہتر است | لیک آں نسبت بہ حق ہم ابتر است

مولانا نے اس حکایت میں یہ بھی ظاہر کیا کہ مقصود اصلی اخلاص و تضرع ہے طریق ادائے بحث نہیں۔

مولانا کی اصلی تعلیم یہ ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہیئے، اور جو کچھ کہا جائے گا وہ خداتعالیٰ کے اوصاف نہ ہوں گے۔

کیونکہ انسان جو کچھ تصوّر کر سکتا ہے محسوسات کے ذریعہ سے کر سکتا ہے اور خدا اس سے بالکل بری ہے۔

ہر چہ اندیشی پذیرائے فنا است | واں کہ در اندیشہ ناید آں خداست
آں مگو، چوں در اشارت ناید ت | دم مزن چوں در عبارت باید ت
نہ اشارت مے پذیرد نہ عیاں | نہ کسے زد علم دارد، نہ نشاں
ہر کسے نوع دگر، در محرفت | مے کند موصوف غیبی را صفت
فلسفی از نوعِ دیگر کرد شرح | واں دگر مر گفتِ او را کردہ جرح
واں دگر بر ہر دو طعنہ مے زند | واں دگر از زرق جانی می کند
ہر یک از رہ ایں نشانہا زاں دہند | تا گماں آید کہ ایشاں زاں دہند
اختلافِ خلق از نام او فتاد | چوں بہ معنی رفت آرام او فتاد

نبوّت یہ مسئلہ علم کلام کے مہمات مسائل میں سے ہے، اور اسی وجہ سے علم کلام کی کتابوں میں اس کے متعلق بہت طول طویل بحثیں پائی جاتی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ حشو اور زوائد پر صفحہ کے صفحہ سیاہ کیے ہیں اور مغز سخن پر ایک دو سطریں بھی مشکل سے ملتی ہیں۔

مولانا نے اس بحث کے تمام اجزاء پر لکھا ہے، اور اس خوبی سے لکھا ہے، گویا اس راز سربستہ کی گرہ کھول دی ہے۔

نبوت کے متعلق امور ذیل بحث طلب ہیں:-

Marfat.com

نبوّت کی حقیقت۔

وحی کی حقیقت۔

مشاہدۂ ملائکہ۔

معجزہ۔

نبوت کی تصدیق کیوں کر ہوتی ہے۔

مولانا نے ان تمام مباحث کو نہایت خوبی سے طے کیا ہے، چنانچہ ہم ان سب کو بہ ترتیب بیان کرتے ہیں۔

نبوت کی حقیقت

روح کے بیان میں آگے آئے گا کہ روح کا سلسلۂ ترقی اس حد تک پہنچتا ہے کہ روحِ انسانی اور اس اعلیٰ روح میں اس قدر فرق پیدا ہو جاتا ہے، جس قدر روح حیوانی اور انسانی میں، لیکن اس درجہ کے مراتب بھی متفاوت ہیں ادنیٰ طبقہ کو ولایت اور انتہائی اعلیٰ طبقہ کو ولایت اور انتہائی اعلیٰ طبقہ کو نبوّت کہتے ہیں۔

باز غیر از عقل و جانِ آدمی	عام آدمیوں کی عقل اور روح کے علاوہ
ہست جانے در نبی و در ولی	انبیاء اور اولیا میں ایک اور روح ہوتی ہے
روح وحی از عقل پنہاں تر بود	وحی کی روح عقل سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہے۔
زانکہ او غیب ست او زاں سر بود	کیونکہ یہ روح عالم غیب کی چیز ہے اور یہ عالم دوسرے سرے کا عالم ہے۔

وحی کی حقیقت

مادہ پرستوں کے نزدیک ادراک کا ذریعہ صرف حواسِ ظاہری ہیں، جو چیزیں حواس ظاہری کی مدرکات سے بہ ظاہر خارج معلوم ہوتی ہیں، مثلاً کلیات اور مجردات، ان کے ادراکات کا ذریعہ بھی حواس ہی کے محسوسات ہیں، ان ہی محسوسات کو قوتِ دماغی خصوصیات سے مجرّد کر کے کلی اور مجرد بنا لیتی ہے، لیکن حضرات صوفیہ کے نزدیک انسان میں ایک اور خاص قوت ہے، جو حواسِ ظاہری کے توسط کے بغیر اشیاء کا ادراک کرتی ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس[1]	ان پانچ حواس کے سوا اور بھی پانچ حواس ہیں۔
آں چو زر سرخ و ایں حس ہا چو مس	یہ حواس تانبے کی طرح ہیں اور وہ سونے کی طرح۔
حس ابدان قوتِ ظلمت می خورد	حواس جسمانی غذا ظلمت ہے
حسّ جاں از آفتابے مے چرد	اور حاسۂ روحانی کی غذا آفتاب۔
آئینہ دل چوں شود صافی و پاک	دل کا آئینہ جب صاف ہو جائے۔
نقش ہا بینی بروں از آب و خاک	تو تم کو ایسی چیزیں نظر آئیں گی جو آب و خاک سے پاک ہیں۔
پس بدانی چونکہ رستی از بدن	جب تم جسم سے بری ہو جاؤ گے۔
گوش و بینی چشم مے تاند شدن	تو جان لوگے کہ سامعہ اور شامہ آنکھ کا کام بھی دے سکتی ہیں۔

---

[1] اس سے حواس خمسہ باطنی مراد نہیں ہیں بلکہ روحانی حاسہ مراد ہے۔ چنانچہ عبدالعلی بحر العلوم نے شرح میں اس کو توضیح کے ساتھ لکھا ہے۔

Marfat.com

فلسفی کو منکر حنانہ است — فلسفی جو حنانہ کے واقعہ کا انکار کرتا ہے۔
از حواس انبیا بیگانہ است — وہ انبیاء کے حواس سے بے خبر ہے۔

پس محلِ وحی گردد گوش جاں — روح کے کان وحی کا محل ہیں۔
وحی؟ چہ بود؟ گفتن از حسِ نہاں — وحی کس چیز کا نام ہے؟ حسِ مخفی کے ذریعہ سے کہنا۔

یہ ادراک انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اولیا اور اصفیا کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

مولانا نے وحی کے وجود کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ دنیا میں آج جس قدر علوم و فنون، صناع و حرف ہیں، تعلم و تعلیم سے حاصل ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اب دو صورتیں ہیں، یا یہ تسلیم کیا جائے کہ تعلم و تعلیم کا یہ سلسلہ ابتدا کی جانب کہیں ختم نہیں ہوتا، بلکہ الی غیر النہایۃ چلا جاتا ہے، یا یہ فرض کیا جائے کہ یہ سلسلہ ایسے شخص پر جا کر ختم ہوتا ہے جس کو بغیر تعلم و تعلیم کے محض القا اور الہام کے ذریعہ سے علم حاصل ہوا ہوگا۔ پہلی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ دوسری صورت تسلیم کی جائے اور اسی کا نام وحی ہے۔

چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

ایں نجوم و طب وحیٔ انبیا ست — عقل و حس را سوئے بے سورہ کجا است
قابلِ تعلیم و فہم ست ایں خرد — لیک صاحبِ وحی تعلیمش دہد
جملہ حرفت ہا یقیں از وحی بود — اولِ او لیک عقل او فزود
ہیچ حرفت را بہ بیں کیں عقل ما — ماند او آموخت بے ہیچ اوستا
دانش پیشہ ازیں عقل ار بدے — پیشۂ بے اوستا حاصل شدے

نبوت کی تصدیق

اس بنا پر قوی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ حالت ہے تو آخر نبی اور متنبی میں تمیز کا کیا ذریعہ ہے۔ کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی کے دل میں جو مضامین القا ہوتے ہیں، وہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور متنبی کے دل میں شیطان کی طرف سے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح میٹھے اور کھاری پانی کے پہچاننے کا ذریعہ صرف قوتِ ذائقہ ہے اسی طرح نبوت کی تمیز کا ذریعہ صرف وجدانِ صحیح اور ذوقِ سلیم ہے۔

جز صاحب ذوق نشناسد بیاب — صاحبِ ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے
او شناسد آب خوش از شور آب — وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھارا۔
جز کہ صاحب شوق بشناسد طعوم — صاحبِ ذوق کے سوا مزے کی تمیز کون کر سکتا ہے
شہد را ناخوردہ کے دانی زموم — جب تک شہد کو نہ کھاؤ موم اور شہد میں کیونکر تمیز کر سکتے ہو۔
سحر را با معجزہ کردہ قیاس — اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا۔
ہر دو را بر مکر پندار د اساس — اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔

Marfat.com

زرقلب وزرنیکو درعیار · تم کھوٹے اور کھرے روپیہ کو،
بے محک ہرگز نہ دانی اعتبار · کسوٹی کے بغیر تمیز نہیں کر سکتے۔
ہرکرا در جاں خدا بنہد محک · خدا نے جس کی طبیعت میں کسوٹی رکھی ہے
ہر یقیں را باز داند او زشک · وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔
چوں شود از رنج وعلت دل سلیم · جب آدمی کے دل میں بیماری نہیں ہوتی،
طعم صدق وکذب را باشد علیم · تو وہ صدق اور کذب کے مزے کو پہچان لیتا ہے۔

معجزہ

معجزہ کے تین امر بحث طلب ہیں:-
(۱) خرق عادت ممکن ہے یا نہیں۔
(۲) معجزہ شرطِ نبوت ہے یا نہیں۔
(۳) معجزہ سے نبوت کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر اور مطالب عالیہ میں لکھا ہے کہ خرق عادت کے متعلق تین رائیں ہیں حکما کا مذہب ہے کہ کسی حالت میں ممکن نہیں، اشاعرہ کہتے ہیں کہ ہر وقت ممکن ہے۔ یہ نزاع اصل میں اس بنا پر ہے کہ حکما کے نزدیک کائنات میں علت ومعلول کا سلسلہ قائم ہے اور معلول کبھی علت سے متخلف نہیں ہو سکتا، اشاعرہ کے نزدیک کوئی چیز کسی کی علت نہیں، نہ کسی شے میں کوئی خاصہ اور تاثیر ہے۔ معتزلہ کا مذہب ہے کہ خرق عادت کبھی کبھی اتفاقیہ وقوع میں آتی ہے۔

مولانا نے معتدل طریقہ اختیار کیا، وہ اشاعرہ کے برخلاف اس بات کے قائل ہیں، کہ عالم میں ایک قانونِ قدرت اور ایک سلسلۂ انتظام ہے اور اگر یہ نہ ہو تو انسان کسی کام کے لیے کوئی کوشش اور تدبیر نہ کر سکے کیونکہ جب یہ معلوم ہے کہ کوئی چیز کسی کی علت نہیں تو کسی کام کے اسباب اور علت کی تلاش کیوں ہوگی۔

چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید · پس سبب در راہ مے آید پدید

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ خدا کے تمام قانون قدرت کا احاطہ نہیں ہو چکا ہے، جن چیزوں کو تم اسباب سمجھ رہے ہو ممکن ہے کہ ایسا قانون قدرت ثابت ہو جس کے سامنے یہ تمام سلسلۂ اسباب غلط ہو جائے۔

اے گرفتارِ سبب بیروں مپر · لیک عزلِ آں مسبّب ظن مبر
ہرچہ خواہد از مسبّب آورد · قدرتِ مطلق سبب ہا بردرد

اس بحث میں مولانا نے ایک اور دقیق نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے سلسلۂ اسباب پر زیادہ غور کرنے کا اکثر یہ بھی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان خدا کے وجود سے بالکل منکر ہو جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اخیر علۃ العلل کوئی چیز نہیں، بلکہ اسباب کا ایک سلسلۂ غیر متناہی ہے، جو قدیم سے قائم ہے اور برابر پایا جاتا ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی سلسلہ کا نتیجہ ہے۔ (ان اسباب کا اخیر میں چل کر کسی علۃ العلل پر منتہی ہونا کچھ ضرور نہیں)۔

Marfat.com

اس مہلکہ سے بچنے کے لیے انسان کو چاہیئے کہ سلسلۂ اسباب کے ساتھ ہر وقت اس بات پر نظر رکھے کہ گو واسطہ در واسطہ سینکڑوں، ہزاروں اسباب کا سلسلہ قائم ہے لیکن در اصل یہ تمام کلیں ایک قوت اعظم کے چلانے سے چل رہی ہیں، اس لیے یہ اسباب اصلی اسباب نہیں، اصلی سبب وہی قوت اعظم ہے۔ جہاں تک یہ سلسلہ پہنچ کر ختم ہوتا ہے۔

این سبب ہا بر نظر ہا پردہ ہاست — کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

دیدۂ باید سبب سوراخ کن — تا حجب را بر کند از بیخ و بن

تا مسبّب بیند، اندر لامکاں — ہرزہ بیند جہد و اسباب دوکاں

از مسبّب میرسد ہر خیر و شر — نیست اسباب و وسائط را اثر

معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں؟ مولانا کے نزدیک نبوت کی تصدیق کے لیے معجزہ شرط نہیں، جس کے دل میں ایمان کا مزہ ہوتا ہے پیغمبر کی صورت اور اس کی باتیں اس کے حق میں معجزہ کا کام دیتی ہیں۔

در دل ہر کس کہ از دانش مزہ است — روئے و آواز پیمبر معجزہ است

لیکن مولینا نے اسی پر قناعت نہیں کی، بلکہ صاف صاف تصریح کی کہ معجزہ ایمان کا سبب نہیں ہوتا اور اس سے ایمان بھی پیدا ہوتا ہے تو جبری ایمان پیدا ہوتا ہے نہ ذوقی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

موجبِ ایماں نباشد معجزات[1] — معجزات ایمان کا موجب نہیں ہوتے۔

بوئے جنسیت کند جذبِ صفات — جنسیت کی بُو صفات کو جذب کرتی ہے

معجزات از بہر قہر دشمن است — معجزے اس لیے ہوتے ہیں کہ دشمن دب جائیں

بوئے جنسیت سوئے دل بُردن است — لیکن جنسیت کی بُو اس غرض کے لیے ہے کہ دل تک پہنچ جائے۔

قہر گردد، دشمن اما دوست نے — دشمن دب جاتا ہے، لیکن دوست نہیں ہوتا۔

دوست کے گردد بہ بستہ گردنے — وہ شخص بھلا دوست کیا ہوگا جو گردن پکڑ کر لایا گیا ہے۔

مولانا نے اس بحث میں ایک اور دقیق نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے، معجزہ سے نبوت پر جو استدلال کیا جاتا ہے اس کی منطقی ترتیب یہ ہوتی ہے۔

اس شخص سے یہ فعل (معجزہ) صادر ہُوا ہے۔

اور جس شخص سے یہ فعل صادر ہو وہ پیغمبر ہے

اس لیے یہ شخص پیغمبر ہے۔

اس صورت میں معجزہ کا اثر بالذات خارجی چیز پر ہوتا ہے مثلاً دریا کا پھٹ جانا سنگریزوں کا بولنا وغیرہ وغیرہ، اس اثر سے پھر بواسطہ قلب

---

[1] دفتر ششم حکایت رنجور شدن بلال۔

Marfat.com

پر اثر پڑتا ہے، یعنی آدمی اس بنا پر ایمان لاتا ہے کہ جب اس شخص نے دریا کو شق کر دیا تو ضرور پیغمبر ہے۔

لیکن بجائے اس کے کہ معجزہ کسی پتھر یا دریا اور جمادات پر اثر کرے یہ زیادہ آسان ہے کہ پہلے پہل دل ہی پر اثر کرے۔ خدا جب یہ چاہتا ہے کہ پیغمبر پر لوگ ایمان لائیں تو یہ زیادہ آسان اور زیادہ دل نشین طریقہ ہے کہ بجائے جمادات کے خود لوگوں کے دلوں کو متاثر کر دے، کہ وہ ایمان قبول کر لیں۔ اور یہی اصلی معجزہ کہا جا سکتا ہے، مولینا اس نکتہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

معجزہ کاں بر جمادے کرد اثر — یا عصا، یا بحر یا شق القمر
گر اثر بر جاں زند بے واسطہ — متصل گردد بہ پنہاں رابطہ
بر جمادات آں اثر عاریہ است — آں پے روح خوش متواریہ است
تا ازاں جامد اثر گیرد ضمیر — جند ازاں بے ہیولائے خمیر
بر زند از جان کامل معجزات — بر ضمیر جان طالب چوں حیات

اخیر شعر میں معجزہ کی اصلی حقیقت بتائی ہے، یعنی پیغمبر کا روحانی اثر خود طالب کی روح پر پڑتا ہے، کسی واسطہ اور ذریعہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

روح روح اگرچہ تمام حیوانات میں پائی ہے اور اگرچہ حیوانات کے مختلف انواع ہیں اس کے مراتب نہایت متفاوت ہیں، تاہم حیوانات میں جو روح ہے، وہ ترقی کی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس حد کو روح حیوانی کہتے ہیں۔ اس سے آگے جو درجہ ہے وہ روح انسانی ہے۔

غیر فہم و جاں کہ در گاؤ خر است — آدمی را عقل و جانِ دیگر ست

اس روح کے خواص اور اوصاف مولانا کے فلسفہ کے مطابق یہ ہیں۔

۱- وہ ایک جوہر مجرد اور جسمانیت سے بالکل بری ہے اس کا تعلق جسم سے نہیں بلکہ اس روح حیوانی سے ہے جو انسان میں موجود ہے یہ تعلق اس قسم کا ہے جس طرح آفتاب کا آئینہ سے۔ آفتاب اپنی جگہ موجود ہے لیکن اس کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے اور اس کو روشن کر دیتا ہے، اسی طرح عالم ملکوت میں ہے اس کا پر تو روح حیوانی پر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان عجیب و غریب قوی کا مظہر بن جاتا ہے۔

حاشا للہ تو برونی زیں جہاں — حاشا! تو اس جہاں سے باہر ہے۔
ہم بوقتِ زندگی ہم بعد آں — زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔
در ہوائے غیب مرغے مے پرد — ہوا میں ایک مرغ اڑا جاتا ہے۔
سایۂ او بر زمیں مے گسترد — اور اس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے۔
جسم سایہ سایۂ روح دل است — جسم روح کے سایہ کا سایہ ہے۔

Marfat.com

جسم کے اندر خود پا یہ دل است — جسم کو دل سے کیا نسبت،

مرد خفتہ روح او چوں آفتاب! — جب آدمی سو جاتا ہے تو روح آفتاب کی طرح آسمان پر چمکتی ہے

در فلک تاباں و در تن جامہ خواب — اور بدن شب خوابی کپڑوں میں ہوتا ہے۔

جاں نہاں اندر خلا ہمچو سجاف — روح خلا میں سنجاف کی طرح مخفی ہے۔

تن تقلب می کند زیر لحاف — اور بدن لحاف کے نیچے کروٹیں بدلتا ہے۔

روح من چوں امر ربی مختفی ست — میری روح خدا کے امر کی طرح مخفی ہے

ہر مثالے کہ بگویم منتفی ست — روح کی جو مثال دی جائے سب غلط ہے۔

۲۔ روح کی ترقی کے مراتب سلسلہ بہ سلسلہ بڑھتے جاتے ہیں، جہاں تک کہ اس کا ایک ایسا درجہ آتا ہے جو عام روح انسانی سے اسی قدر بالاتر ہے جس قدر انسانی روح حیوانی سے، یہی درجہ نبوت کا ہے۔

غیر فہم و جاں کہ در گاؤ خر است — آدمی را عقل و جان دیگر است

باز غیر عقل و جان آدمی — ہست جانے در نبی و در ولی

روح وحی از عقل پنہاں تر بود — زانکہ او غیب ست او زاں سر بود

عقول مجرد اور روحانیات جو نظام عالم کے کام پر مامور ہیں، اسی روح کے سلسلہ میں واقع ہیں۔

۳۔ جس طرح انسان کا جسم جو کام کرتا ہے اس وجہ سے کرتا ہے کہ اس پر روح کا پرتو ہے اسی طرح روح پر عالم قدس کا پرتو ہے۔

آنچناں کہ پرتو جاں بر تن است — پرتو جانا نہ، بر جان من است

جان جان چوں واکشد پا را ز جاں — جاں چناں گردد کہ بے تن جاں بداں

چوں تو ندہی راہ جاں خود بردہ گیر — جاں کہ بے تو زندہ باشد مردہ گیر

حاصل یہ ہے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے اور انسان میں جو روح حیوانی ہے (جس کو جان بھی کہتے ہیں) یہ اس کے کام کرنے کا ایک آلہ ہے جس طرح کاریگر آلہ کے بغیر کام نہیں کر سکتا، روح بھی اس روح حیوانی کے بغیر کام نہیں کر سکتی، لیکن فی نفسہ وہ بالکل ایک جداگانہ شئے ہے اور چونکہ وہ جوہر مجرد ہے، یعنی نہ مادہ ہے نہ مادہ سے مرکب ہے اس لیے اس کو فنا نہیں، انسان دراصل اسی روح کا نام ہے اور یہ جسم اور روح حیوانی اس کا قالب ہے۔

معاد

اصل یہ ہے کہ اخلاقی حیثیت سے تو معاد کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ بظاہر یہ نہایت بعید معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب مر کر سڑ گل جائے تو پھر اس کو دوبارہ زندگی حاصل ہو، مولانا نے اس استبعاد کو تمثیلوں اور تشبیہوں سے رفع کیا ہے۔ عمر خیام نے ایک رباعی میں لطیفہ کے طور پر معاد سے انکار کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ انسان کوئی گھاس نہیں ہے کہ ایک دفعہ کاٹ لی جائے تو پھر اگ آئے۔ مولانا اس کا جواب اسی انداز بیان میں دیتے ہیں۔

Marfat.com

کدام دانہ فرو رفت در زمیں کہ نہ رست

چرا بہ دانۂ انسانت ایں گماں باشد

یہ استدلال اگرچہ بظاہر ایک لطیفہ ہے، لیکن دراصل وہ علمی استدلال ہے، چنانچہ آگے تفصیل آتی ہے۔ مولانا نے معاد کے استبعاد کو اس طریقہ سے رفع کیا کہ انسان پہلے جماد تھا، جماد سے نبات ہوا اور نبات سے حیوان ہوا، حیوان سے انسان ہوا۔

آمدہ اوّل بہ اقلیم جماد ، از جمادی در نباتی اوفتاد

سالہا اندر نباتی عمر کرد وز جمادی یاد نآورد از نبرد

وز نباتی چوں بہ حیواں اوفتاد نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد

جز ہماں میلے کہ دارد سوئے آں خاصہ در وقت بہار ضیمران

ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت

عقل ہائے اوّلینش یاد نیست ہم ازیں عقلش تحول کردنی ست

تا رہد زیں عقل پر حرص و طلب صد ہزاراں عقل بیند بوالعجب

گرچہ خفتہ گشت و ناسی شد ز پیش کے گذارند دراں نسیانِ خویش

باز ازاں خوابش بہ بیداری کشند کہ کند بر حالتِ خود ریشخند

انسان کی خلقت کے یہ انقلابات مذہبًا اور حکمتًا دونوں طرح سے ثابت ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:-

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ط ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ [1]

اور بے شک ہم نے انسان کو خلاصۂ خاک سے پیدا کیا، پھر ہم نے اس کو ایک معین مقام میں نطفہ بنایا پھر ہم نے نطفہ کو خون کی پھٹکی بنایا، پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا بنایا، پھر ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنایا۔ (یعنی حیوان سے بالاتر)

فلسفۂ حال کے موافق بھی یہ ترتیب صحیح ہے۔ ڈارون کی تھیوری کے موافق انسان پر جمادی، نباتی، حیوانی سب حالتیں گزریں ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ ڈارون روح انسانی کا قائل نہیں، اس بنا پر وہ انسان کو الگ مخلوق نہیں سمجھتا، بلکہ حیوانات ہی کی ایک نوع خیال کرتا ہے، جس طرح گھوڑا ہاتھی شیر بندر وغیرہ۔

بہر حال جب یہ ثابت ہوا کہ انسان پہلے جماد تھا، جمادیت کے فنا ہونے کے بعد نبات ہوا، نبات کے فنا ہونے کے بعد

---

[1] ان آیتوں کو عبد العلی بحر العلوم نے مولانا کے اشعار مذکورہ بالا کی شرح میں لکھا ہے اور ان سے مولانا کے دعوی کی صحت پر استدلال کیا ہے۔

حیوان، تو اس میں کوئی استبعاد نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حالت بھی فنا ہو کر کوئی اور عمدہ حالت پیدا ہو۔ اور اسی کا نام دوسری زندگی یا معاد یا قیامت ہے، کسی چیز کے فنا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ سرے سے معدوم ہو جائے، بلکہ ایک ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے لیے ضرور ہے کہ موجودہ صورت فنا ہو جائے، مولانا نے نہایت تفصیل سے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ ترقی کے عجیب و غریب مدارج کے لیے فنا اور نیستی ضرور ہے، پہلے اس کو نہایت عام فہم مثالوں میں بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

لوح را اوّل بشوید بے وقوف — نادان پہلے تختی کو دھوتا ہے
آنگہی بروے نویسد او حروف — تب اس پر حرف لکھتا ہے۔
وقت شستن لوح را باید شناخت — تختی کے دھونے کے وقت یہ سمجھ لینا چاہیئے۔
کہ مراں را دفترے خواہند ساخت — کہ اس کو ایک دفتر بنائیں گے۔
چوں اساسِ خانۂ نو افگند — جب نئے مکان کی بنیاد ڈالتے ہیں
اوّلیں بنیاد را برمے کند — تو پہلی بنیاد کو کھود کر گرا دیتے ہیں
گِل برآرند اوّل از قعرِ زمین — پہلے زمین سے مٹی نکالتے ہیں
تا بہ آخر برکشی مائے معین — تب صاف پانی نکلتا ہے۔
کاغذے جوید کہ آں بنوشتہ نیست — لکھنے کے لیے سادہ کاغذ تلاش کیا جاتا ہے۔
تخم کارد موضعے کہ کشتہ نیست — بیج اس زمین میں ڈالا جاتا ہے جو بن بوئی ہوتی ہے۔
ہستی اندر نیستی بتواں نمود — ہستی نیستی ہی میں دکھائی جا سکتی ہے۔
مال داراں بر فقیر آرند جود — دولت مند لوگ فقیروں پر سخاوت کا استعمال کرتے ہیں

ان عام فہم مثالوں کے بعد مولانا نے فطرت کے سلسلہ سے استدلال کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

تو ازاں روزے کہ در ہست آمدی — تم جس دن سے کہ وجود میں آئے
آتشی یا خاک یا بادی بدی — پہلے آگ یا خاک یا ہوا تھے۔
گر بداں حالت ترا بودے بقا — اگر تمھاری وہی حالت قائم رہتی
کے رسیدے مر ترا ایں ارتقا — تو یہ ترقی کیوں کر نصیب ہو سکتی۔
از مبدّل ہستی اول نماند — بدلنے والے نے پہلی ہستی بدل دی
ہستیٔ دیگر بجائے او نشاند — اور اس کی جگہ دوسری ہستی قائم کر دی۔
ہم چنیں تا صد ہزاراں ہستہا — اسی طرح ہزاروں ہستیاں بدلتی جائیں گی۔
بعد یک دیگر، دوم بہ از ابتدا — یکے بعد دیگرے اور پچھلی پہلی سے بہتر ہوگی۔

Marfat.com

ایں بقاہا از فناہا یافتی،
یہ بقائیں تم نے فنا کے بعد حاصل کی ہے

از فنا پس رو چرا برتافتی
پھر فنا سے کیوں جی چراتے ہو۔

زاں فناہا چہ زیاں بودت کہ تا
ان فناؤں سے تم کو کیا نقصان پہنچا

بر بقا چفسیدۂ اے بے نوا
جواب بقا سے چمٹے جاتے ہو۔

چوں دوم از اولیت بہتر ست
جب دوسری ہستی پہلی ہستی سے بہتر ہے۔

پس فنا جوئے و مبدّل را پرست
تو فنا کو ڈھونڈو اور انقلاب کنندہ کو پوجو۔

صد ہزاراں حشر دیدی اے عنود
تم سینکڑوں قسم کے حشر دیکھ چکے،

تاکنوں ہر لحظہ از بدو وجود
ابتدائے وجود سے اس وقت تک۔

از جمادی بے خبر سوئے نما
پہلے تم جماد تھے، پھر تم میں قوت نمو پیدا ہوئی۔

وز نما سوئے حیات و ابتلا
پھر تم میں جان آئی۔

باز سوئے عقل و تمیزاتِ خوش
پھر عقل و تمیز

باز سوئے خارج ایں پنج و شش
پھر حواس خمسہ کے علاوہ اور حواس حاصل ہوئے

در فناہا ایں بقاہا دیدۂ،
جب فناؤں میں تم نے یہ بقائیں دیکھیں

بر بقائے جسم چوں چفسیدۂ
تو جسم کے بقا پر کیوں جان دیتے ہو۔

تازہ می گیر و کہن را مے سپار
نیا لو اور پرانا چھوڑ دو۔

کہ ہر امسالت فزوں ست از سہ پار
کیونکہ تمھارا ہر سال پارسال سے اچھا ہے۔

مولانا کا یہ استدلال بالکل جدید سائنس کے مطابق ہے، جدید تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ کوئی چیز پیدا ہو کر فنا نہیں ہوسکتی بلکہ کوئی دوسری صورت بدل لیتی ہے، انسان دو چیزوں کا نام ہے جسم اور روح۔ روح کو گو سائنس والے مصطلح معنوں میں تسلیم نہیں کرتے لیکن کم از کم ان کو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک قوت ہے۔ سائنس والوں کے نزدیک دنیا میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں، مادہ مثلاً خاک، پانی وغیرہ اور قوت مثلاً حرارت، حرکت وغیرہ۔ انسان انہی دو چیزوں کا مجموعہ ہے، جسم مادہ ہے اور روح قوت ہے اور چونکہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ اور قوت کبھی فنا نہیں ہوسکتی، اس لیے ضرور ہے کہ انسان جب فنا ہو تو اس کا مادہ اور قوت کوئی دوسری صورت اختیار کرلے، اسی کو ہم انسان کی دوسری زندگی یا معاد یا قیامت کہتے ہیں۔ اس لیے ملحد سے ملحد بھی مطلق معاد کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔

جبر و قدر

عقاید کے مسائل اکثر ایسے ہیں کہ ان میں جو کچھ دقّت اور اشکال ہے، وہ مذہبی اصول کے لحاظ سے ہے، ورنہ اگر مذہب کا لحاظ نہ رکھا جائے تو آسانی سے اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے، کیونکہ اس کا ثبوتی پہلو مشکل ہوگا تو سلبی میں کچھ دقّت نہ ہوگی مثلاً روح، معاد، جزا و سزا، لیکن جبر و قدر کا مسئلہ ایسا پُرپیچ ہے، کہ مذہبی حیثیت الگ بھی کر لی جائے، تب بھی یہ عقدہ حل نہیں ہوتا، ایک

Marfat.com

لہٰذا اس مسئلہ کا بالکل آزادانہ طریقہ سے فیصلہ کرنا چاہے تب بھی نہیں کر سکتا، نفی اور اثبات سے الگ کوئی پہلو نہیں ہے اور دونوں صورتوں میں ایسے اشکالات پیدا ہوتے ہیں جو رفع نہیں ہو سکتے۔

مثلاً اگر تم یہ پہلو اختیار کرو کہ انسان بالکل مجبور ہے تو انسان کے افعال کا اچھا اور برا ہونا بالکل بے معنی ہوگا، کیونکہ جو افعال کسی سے محض مجبوراً صادر ہوتے ہیں، ان کو نہ ممدوح کہا جا سکتا ہے نہ مذموم، دوسرا پہلو اختیار کرو تو وہ بھی خلافِ واقعہ معلوم ہوتا ہے، غور سے دیکھو کہ انسان کسی کام کو کیوں کرتا ہے؟ اور کیوں ایک کام سے باز رہتا ہے؟ انسان میں خدا تعالیٰ نے خواہش کا مادہ پیدا کیا ہے جس کو ہم ارادہ سے تعبیر کرتے ہیں، یہ خواہش خاص اسباب اور مواقع کے پیش آنے سے خود بخود حرکت میں آتی ہے، انسان میں ایک اور قوت ہے جس کو ہم قوتِ اجتناب سے تعبیر کرتے ہیں یعنی ایک کام سے باز رہنا، جب کوئی برا کام ہم کرنا چاہتے ہیں تو ان دونوں قوتوں میں معارضہ ہوتا ہے، اگر قوت ارادی فطرتاً قوت اجتنابی سے قوی تر ہے تو انسان اس فعل کا مرتکب ہوتا ہے ورنہ باز رہتا ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص نے کسی کے سامنے شراب پیش کی، شراب کو دیکھ کر قوتِ ارادی کا ظہور ہوا، ساتھ ہی قوتِ اجتنابی بھی برسر کار آئی، لیکن چونکہ ہر قوت فطرتاً اس شخص میں کمزور تھی، قوت ارادی کا مقابلہ نہ کر سکی نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص نے شراب پی لی، یہ فعل بالکل فطرت کا نتیجہ لازمی تھا اس لیے انسان اس کے کرنے پر مجبور تھا۔

اشاعرہ نے اپنی دانست میں ایک تیسری صورت اختیار کی، یعنی یہ کہ افعال انسانی خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہیں، لیکن چونکہ انسان کے ذریعہ سے وجود میں آتے ہیں، اس لیے انسان کو ان سے کسب کا تعلق ہے، لیکن کسب محض چونکہ ایک مہمل لفظ ہے جس کی کچھ تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ اسی بنا پر اکثر کتب کلام میں لکھا ہے کہ اس لفظ کی حقیقت نہیں بیان کی جا سکتی، مسلم الثبوت میں ہے کہ کسب اور جبر توام بھائی ہیں۔

مولانا روم نے اس مسئلہ پر مختلف حیثیتوں سے بحث کی ہے، سب سے پہلے مولانا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ گو جبریہ و قدریہ دونوں غلطی پر ہیں لیکن دونوں کو نسبتہً دیکھا جائے تو قدریہ کو جبریہ پر ترجیح ہے، کیونکہ اختیار مطلق بداہت کے خلاف نہیں اور جبر مطلق بداہت کے خلاف ہے، اس قدر ہر شخص کو بداہتہً نظر آتا ہے کہ وہ صاحب اختیار ہے، باقی یہ امر کہ یہ اختیار خدا نے دیا، ایک نظری مسئلہ ہے۔ یعنی استدلال کا محتاج ہے بدیہی نہیں۔

منکرِ حس نیست آں مرد قدر　　　فعلِ حق حِسّے نباشد اے پسر

منکرِ فعل خداوند جلیل　　　ہست در انکار مدلول دلیل

اس کے بعد مولانا نے اختیار کو متعدد قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

مولانا نے اختیار کے ثبوت کے لیے جو دلائل پیش کیے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ہر شخص کے دل میں اختیار کا یقین ہے اور گو سخن پروری کے موقع پر کوئی شخص اس سے انکار کرے، لیکن اس کے تمام افعال اور اقوال سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اختیار کا معترف ہے۔ اگر کسی شخص کے سر پر چھت ٹوٹ پڑے تو اس کو چھت پر مطلق غصہ نہیں آتا، لیکن اگر کوئی شخص اس کو پتھر کھینچ مارے تو اس شخص پر اس کو غصہ آئے گا۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ

Marfat.com

چھت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں، اور آدمی جس نے پتھر کھینچ مارا وہ فاعل مختار ہے۔

گر ز سقف خانہ چوبے بشکند — بر تو افتد سخت مجروحت کند
ہیچ خشمے آیدت بر چوبِ سقف — ہیچ اندر کین او باشی تو وقف
کہ چرا بر من زد و دستم شکست — یا چرا بر من فتاد و کرد پست
وانکہ قصد عورتِ تو مے کند — صد ہزاراں خشم از تو سر زند
در بیاید سیل و رختِ تو برد — ہیچ با سیل آورد، کینی خرد
گر بیاید باد و دستارت ربود — کے ترا با باد دل خشمی نمود
خشم در تو شد بیانِ اختیار — تا نہ گوئی جبریا نہ اعتذار

ایک نہایت لطیف استدلال مولانا نے یہ کیا کہ جانور تک جبر و قدر کے مسئلہ سے واقف ہیں، کوئی شخص اگر ایک کتے کو دور سے پتھر کھینچ مارے تو چوٹ پتھر کے ذریعہ سے لگے گی لیکن کتا پتھر سے معترض نہ ہوگا بلکہ اس پر حملہ کرے گا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کتا بھی سمجھتا ہے کہ پتھر مجبور تھا اس لیے وہ قابل الزام نہیں جس شخص نے باختیار اذیت دی وہ مواخذہ کے قابل ہے۔

ہم چنیں گر بر سگے سنگے زنی — بر تو آرد حملہ گردی منثنی
گر شتربان اشترے را می زند — آں شتر قصدِ زنندہ می کند
خشمِ اشتر نیست با آں چوبِ او — پس ز مختاری، شتر بردہ ست بو
عقلِ حیوانی چو دانست اختیار — ایں مگو اے عقلِ انساں شرم دار
روشن ست ایں لیک از طمعِ سحور — آں خورندہ چشم بر بندد ز نور
چونکہ کلی میل آں ناں خوردنیست — رو بہ تاریکی کند کہ روز نیست

۲- انسان کے تمام افعال و اقوال سے اختیار کا ثبوت ہوتا ہے، ہم جو کسی کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں، کسی کام سے روکتے ہیں، کسی پر غصہ ظاہر کرتے ہیں، کسی فعل پر نادم ہوتے ہیں، یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ ہم مخاطب کو اپنے آپ کو فاعل مختار خیال کرتے ہیں۔

ایں کہ فردا آں کنم یا ایں کنم — ایں دلیلِ اختیار ست اے صنم
واں پشیمانی کہ خوردی از بدی — ز اختیارِ خویش گشتی مہتدی
جملہ قرآں امر و نہی ست و وعید — امر کردن سنگ مرمر را کہ دید
ہیچ دانا، ہیچ عاقل ایں کند؟ — با کلوخ و سنگ خشم و کیں کند
غیرِ حق را گر نباشد اختیار — خشم چوں مے آیدت بر جرم دار
چوں ہمی خائی تو دنداں بر عدو — چوں ہمی بینی گناہ و جرمِ او

Marfat.com

ہیچ خشمے آیدت بر چوب سقف ہیچ اندر کیں او باشی توقف

۳۔ جبر کے ثبوت میں سب سے قوی استدلال جو پیش کیا جاتا ہے اور کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا اگر ہمارے افعال کا فاعل نہیں تو مجبور ہے اور اگر فاعل ہے، تو ایک فعل کے دو فاعل نہیں ہو سکتے۔ مولانا نے اس شبہ کا ایسا جواب دیا، جواب بھی ہے اور بجائے خود ثبوت اختیار پر مستقل استدلال بھی ہے، وہ یہ کہ جو چیز جس چیز کے ذاتیات میں ہے، وہ اس سے کسی حالت میں منفک نہیں ہو سکتی صناع جب کسی آلہ سے کام لیتا ہے تو صناع کی قوتِ فاعلہ آلہ کو بااختیار نہیں بنا سکتی جس کی وجہ یہ ہے کہ جمادیت جماد کی ذاتیات میں ہے، اس لیے کسی فاعل کا عمل اس کی جمادیت کو سلب نہیں کر سکتا۔

تصوف عموماً یہ مسلّم ہے کہ مثنوی کا اصلی موضوع شریعت کے اسرار اور طریقت کے مسائل کا بیان کرنا ہے، اس لیے پہلے ان الفاظ کے معنی سمجھنے چاہئیں، ان تینوں چیزوں کی حقیقت خود مولانا نے دفتر پنجم کے دیباچہ میں یہ لکھی ہے۔

"شریعت ہمچوں شمعے است کہ راہ می نماید، چوں درراہ آمدی ایں رفتن تو طریقت است وچوں بہ مقصود رسیدی آں حقیقت است، حاصل آنکہ شریعت ہمچوں علم کیمیا آموختن بست از استاد یا از کتاب، طریقت استعمال کردن دارو مس را در کیمیا مالیدن وحقیقت زر شدن مس۔

یا مثال شریعت ہمچوں علم طب آموختن است وطریقت پرہیز کردن بموجب علم طب ودارو خوردن وحقیقت صحت یافتن۔

یعنی مثلاً ایک شخص نے علم طب پڑھا یہ شریعت ہے، دوا استعمال کی، یہ طریقت ہے۔ مرض سے افاقہ ہو گیا، یہ حقیقت ہے حاصل یہ کہ شریعت علم ہے، طریقت عمل ہے، حقیقت عمل کا اثر ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت چار چیزوں کا نام ہے۔ (۱) اقرار زبانی (۲) اعتقاد قلبی (۳) تزکیۂ اخلاق (۴) اعمال یعنی امر ونواہی۔

اعتقاد تین طریقہ سے پیدا ہوتا ہے، تقلید سے، استدلال سے، کشف وحال سے، پہلی دونوں قسموں کو شریعت کہتے ہیں یعنی ان طریقوں سے کسی کو اگر اعتقاد حاصل ہو تو کہا جائے گا کہ اس کو شرعی اعتقاد حاصل ہے، تیسری قسم کا اعتقاد طریقت ہے، یہ قسم گو شریعت سے باہر نہیں، لیکن امتیازاً ایک خاص نام رکھ لیا گیا ہے، کیونکہ یہ اعتقاد سلوک وتصوف اور مجاہدہ وریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح تزکیۂ اخلاق کے جو احکام شریعت میں مذکور ہیں، ان کا نام شریعت ہے، لیکن محض احکام کے جاننے سے تزکیہ اخلاق نہیں ہوتا۔ علمائے ظاہر اخلاق کی حقیقت وماہیت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، لیکن خود ان کے اخلاق پاک نہیں ہوتے، یہ مرتبہ مجاہدات اور فنا کے نفس سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام طریقت ہے، تعمیل فرائض اور اجتناب منہیات کا بھی یہی حال ہے[۱]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت اور طریقت دو متناقض چیزیں نہیں بلکہ دونوں میں جسم وجان، جسد وروح، ظاہر وباطن، پوست ومغز کی نسبت ہے۔

---

[۱] یہ تفصیل قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے مکتوب ششم سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

تصوّف بھی دو جزوں سے مرکب ہے، علم، عمل، عقاید میں جن مسائل سے بحث کی جاتی ہے، ان میں ذات و صفات باری کے متعلق جو مسائل ہیں تصوّف میں بھی ان ہی مسائل سے بحث ہوتی ہے، لیکن تصوّف میں ان عقاید کی حقیقت اور طرح پر بیان کی جاتی ہے چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی یہی حصّہ تصوّف کا علمی حصّہ ہے، لیکن تصوف کے اس حصّہ میں جو چیز اصلی مابہ الامتیاز ہے، یہ ہے کہ اس میں علم اور ادراک کا طریقہ عام طریقہ سے مختلف ہے۔ تمام حکماء اور علما کے نزدیک ادراک کا ذریعہ حواس ظاہری اور باطنی، یعنی حافظہ، تخیل، حسّ مشترک وغیرہ ہیں، لیکن ارباب تصوّف کے نزدیک ان وسائل کے سوا ادراک کا ایک اور بھی ذریعہ ہے۔ حضرت صوفیہ کا دعویٰ ہے کہ مجاہدہ، ریاضت، مراقبہ اور تصفیۂ قلب سے ایک اور حاسہ پیدا ہوتا ہے جس سے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو حواس ظاہری و باطنی سے معلوم نہیں ہوتیں۔ امام غزالیؒ نے اس کی تشبیہ دی کہ مثلاً ایک حوض ہے جس میں نلوں اور جدولوں کے ذریعہ سے پانی باہر آتا ہے۔ یہ گویا علوم ظاہری ہیں، خود حوض کی تہ میں ایک سوت بھی ہے جس سے فوارہ کی طرح پانی اچھلتا ہے اور حوض میں آتا ہے، یہ علم باطن ہے، یہی علم ہے جس کو علم لدنی اور کشف اور علم غیبی کہتے ہیں اور یہی علم ہے جو انبیاء اور اولیا کے ساتھ مخصوص ہے۔

انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء میں یہ علم نہایت کامل اور فطری ہوتا ہے، یعنی مجاہدہ اور ریاضت کا محتاج نہیں ہوتا، بخلاف اس کے اولیاء کو مجاہدات اور ریاضات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

اہل ظاہر اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تحقیقاتِ علمیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کو جو علم ہوتا ہے صرف اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اشیائے خارجی کو کسی حاسہ سے محسوس کرتا ہے، پھر اس قسم کی بہت سی چیزوں کو محسوس کر کے ان میں قدر مشترک پیدا کرتا ہے جس کو کلی کہتے ہیں، پھر انہی جزیات و کلیات کے باہمی نسبت اور مقابلہ سے سینکڑوں ہزاروں نئی نئی باتیں پیدا کرتا ہے، لیکن ان تمام معلومات کی اصلی بنیاد حواس ہی ہوتے ہیں۔ اس کو الگ کر دیا جائے تو تمام سلسلہ بے کار ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرات صوفیا کا یہ دعویٰ کہ حواس کے سوا کوئی اور ذریعہ ادراک بھی ہے، تحقیقاتِ علمی کے خلاف ہے، حضرات صوفیہ کا جواب یہ ہے کہ ع

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی۔

حضرات صوفیہ کہتے ہیں کہ جس طرح علوم ظاہری کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ مقرر ہے جس کے بغیر وہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے اسی طرح اس علم کا بھی ایک خاص طریقہ ہے۔ جب تک اس طریقہ کا تجربہ نہ کیا جائے اس سے انکار کرنے کی وجہ نہیں۔ یہ امر مسلّم ہے کہ بہت سے مسائل علمی ایسے ہیں جن کو کسی خاص حکیم یا عالم نے دریافت کیا اور لوگ صرف ان کی شہادت کی بنا پر ان مسائل کو تسلیم کرتے ہیں، اسی قیاس پر جب سینکڑوں بزرگ جن کے فضل و کمال، صدق و دیانت، دقتِ نظر اور جدّت ذہن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً حضرت بایزید بسطامی، سلطان ابوسعید، امام غزالی، شیخ محی الدین اکبر، شیخ سعدی، ملا نظام الدین، شاہ ولی اللہ وغیرہ وغیرہ نہایت وثوق اور اطمینان سے اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ علم باطن حواس سے بالکل جداگانہ چیز ہے تو ان کی اس شہادت پر کیوں نہ اعتبار کیا جائے، سینکڑوں ایسے علما گزرے ہیں جن کو علم باطن سے قطعاً انکار تھا۔ لیکن جب وہ

Marfat.com

اس کوچہ میں آئے اور خود اُن پر وہ حالت طاری ہوتی، تو وہ سب سے زیادہ اس کے معترف بن گئے۔

چونکہ یہ مسئلہ تصوف کے تمام علمی مسائل کی بنیاد ہے اس لیے مولانا نے اس کو بار بار بیان کیا ہے اور مختلف مثالوں سے سمجھایا ہے کہ ارباب ظاہر کا اس سے منکر ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بچہ مسائل فلسفیہ سے انکار کرتا ہے، یا ان کے سمجھنے سے قاصر ہے، چنانچہ ہم مختلف مقامات سے اس کے متعلق مثنوی کے اشعار نقل کرتے ہیں۔

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک — نقش ہا بینی بروں از آب و خاک

پنج حسّے ہست جز ایں پنج حس — آں چو زرِ سرخ و ایں حس ہا چو مس

اے بریدہ رخت حس ہائے غیب — دست چوں موسیٰ بروں آور ز جیب

تو ز صد ینبوع، شربت مے کشی — ہر چہ زاں صد کم شود کاہد خوشی

چوں بکوشید از دروں چشمہ سنی — ز اجتذاب چشمہ ہا گردی غنی

قلعہ را چوں آب آید از بروں — در زمانِ امن باشد بر فزوں

چونکہ دشمن گرد آں حلقہ کند — تا کہ اندر خونِ شاں غرقہ کند

آب بیروں را ببرند آں سپاہ — تا نباشد قلعہ را زاں ہا پناہ

آں زماں یک چاہ شوری اندروں — بہ ز صد جیحونِ شیریں در بروں

علم کاں نبود ز ہو بے واسطہ — آں نپاید ہمچو رنگِ ماشطہ

ہمچو موسیٰؑ نور کے ماند ز جیب — سخرۂ استاد و شاگرد کتیب

خویش را صافی کن از اوصافِ خود — تا بہ بینی ذات پاک صافِ خود

بینی اندر دل علومِ انبیاء — بے کتاب و بے معید و اوستا

بے صحیحین و احادیث و رواۃ — بلکہ اندر مشرب آب حیات

رومیاں آں صوفیانند اے پسر — نے ز تکرار و کتاب و نے ہنر

لیک صیقل کردہ اند آں سینہ ہا — پاک از آز و حرص و بخل و کینہ ہا

آں صفائی آئینہ وصفِ دل ست — صورت بے منتہا را قابل ست

صورتے بے صورتے بے حدِ غیب — ز آئینہ دل راست در مضمون جیب

تا ابد، ہر نقش نو کا مد برا او — بے حجابی مے نماید، او بُرد

پس بدانکہ چونکہ رستی از بدن — گوش و بینی چشم مے تاند شدن

راست گفت ست آں شہ شیریں زباں — چشم گردد مو بموئے عارفاں

Marfat.com

نور را با بیسہ خود نسبت نبود ۔ نسبتش بخشید خلاقِ ودود
علت دیدن بداں پیراے پسر ورنہ خواب اندر نہ دیدی کس صُور
پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی صیقلی کن صیقلی کن صیقلی
تا دلت آئینہ گردد پر صور اندرا او ہر سو ملیحے سیمبر
آہن ارچہ تیرہ و بے نُور بود صیقلی آں تیرگی از وے زدود
گر تنِ خاکی غلیظ و تیرہ است صیقلش کن زانکہ صیقل گیرہ است
تا درد اشکالِ غیبی رو دہد عکسِ حوری و ملک در وے جہد
صیقلِ عقلت بداں دادہ است حق کہ بداں روشن شود دل را ورق

وحدۃ الوجود

با وحدتِ حق ز کثرتِ خلق چہ باک
صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکیست

علمائے ظاہر کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں، نہ خدا کی ذات وصفات میں کوئی اور شریک ہے لیکن تصوف کے لغت میں اس لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں، حضرات صوفیہ کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی چیز عالم میں موجود ہی نہیں یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے اسی کو ہمہ اوست کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ اگرچہ تصوّف کا اصول موضوعہ ہے لیکن اس کی تعبیر اس قدر نازک ہے کہ ذرا سا بھی انحراف ہو تو یہ مسئلہ بالکل الحاد سے ملجاتا ہے اس لیے ہم اس کو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔

صوفیہ اور اہل ظاہر کا پہلا مابہ الاختلاف یہ ہے کہ اہلِ ظاہر کے نزدیک، خدا سلسلۂ کائنات سے بالکل الگ ایک جداگانہ ذات ہے، صوفیہ کے نزدیک خدا سلسلۂ کائنات سے الگ نہیں۔ اس قدر تمام صوفیہ کے نزدیک مسلّم ہے لیکن اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک فرقہ کے نزدیک خدا وجود مطلق اور ہستی مطلق کا نام ہے۔ یہ وجود جب تشخصات اور تعینات کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے تو ممکنات کے اقسام پیدا ہوتے ہیں۔

چو ہستِ مطلق آمد در عبادت بہ لفظ "من" کنند از وے اشارت

جس طرح حباب اور موج مختلف ذاتیں خیال کی جاتی ہیں، لیکن درحقیقت ان کا وجود بجز پانی کے اور کچھ نہیں۔

گفتم از وحدت و کثرت سخنے گوئی بہ رمز گفت موج و کف و گرداب ہمانا دریاست

یہ تشبیہ کسی قدر ناقص تھی کیونکہ حباب میں تنہا پانی نہیں بلکہ ہوا بھی ہے اس لیے ایک اور نکتہ داں نے اس فرق کو مٹا دیا۔

با وحدتِ حق، ز کثرتِ خلق چہ باک صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکیست

دھاگے میں، جو گرہیں لگا دی جاتی ہیں، ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے متمایز نظر آتا ہے، لیکن فی الواقع دھاگے کے سوا گرہ

Marfat.com

کوئی زاید چیز نہیں، صرف صورت بدل گئی ہے، دوسرے فرقہ نے وحدت وجود کے یہ معنی قرار دیئے ہیں، کہ مثلاً آدمی کا جو سایہ پڑتا ہے وہ اگرچہ بظاہر ایک جدا چیز معلوم ہوتا ہے، لیکن واقع میں اس کا کوئی وجود نہیں، جو کچھ ہے آدمی ہی ہے۔ اسی طرح اصل میں ذاتِ باری موجود ہے۔ ممکنات جس قدر موجود ہیں سب اسی کے اضلال اور پرتو ہیں اس کو توحید شہودی کہتے ہیں۔

وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں یہ فرق ہے کہ وحدتِ وجود کے لحاظ سے ہر چیز کو خدا کہہ سکتے جس طرح حباب اور موج کو پانی بھی کہہ سکتے، لیکن وحدتِ شہود میں یہ اطلاق جائز نہیں، کیونکہ انسان کے سایہ کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ وحدت وجود کا مسئلہ بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے اور اہلِ ظاہر کے نزدیک تو اس کے قائل کا وہی صلہ ہے جو منصور کو دار پر ملا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحدتِ وجود کے بغیر چارہ نہیں، اس مسئلہ کے سمجھنے کے لیے پہلے مقدماتِ ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیئے۔

۱۔ خدا قدیم ہے۔

۲۔ قدیم، حادث کی علت نہیں ہو سکتا، کیونکہ علت اور معلول کا وجود ایک ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر علت قدیم ہو تو معلول بھی قدیم ہوگا۔ عالم حادث ہے۔

اب نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا عالم کی علت نہیں ہو سکتا، کیونکہ خدا قدیم ہے اور قدیم حادث کی علت نہیں ہو سکتا اور چونکہ عالم حادث ہے اس لیے اس کی بھی علت نہیں ہو سکتا۔

اس اعتراض سے بچنے کے لیے اربابِ ظاہر نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ خدا کا ارادہ یا اس ارادہ کا تعلق حادث ہے اس لیے وہ عالم کی علت ہے، لیکن سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے ارادہ یا ارادہ کے تعلق کی علت کیا ہے، کیونکہ جب ارادہ یا اس کا تعلق حادث ہے تو وہ علت کا محتاج ہوگا اور وہ ضرور ہے کہ یہ علت بھی حادث ہو، کیونکہ حادث کی علت حادث ہی ہوتی ہے اور چونکہ علت حادث ہے تو اس کے لیے بھی علت کی ضرورت ہوگی۔ اب یہ سلسلہ اگر الیٰ غیر النہایہ چلا جائے تو غیر متناہی کا وجود لازم آتا ہے جس سے متکلمین اور اربابِ ظاہر کو انکار ہے، اور اگر کسی علت پر ختم ہو تو ضرور ہے کہ یہ علت قدیم ہے کیونکہ حادث ہوگی تو پھر سلسلہ آگے بڑھے گا، قدیم ہونے کی حالت میں لازم آئے گا کہ قدیم حادث کی علت ہو، اور یہ پہلے ہی باطل ثابت ہو چکا ہے، اس بنا پر تین صورتوں سے چارہ نہیں۔

۱۔ عالم قدیم اور ازلی ہے اور باوجود اس کے خدا کا پیدا کیا ہوا ہے، لیکن جب خدا بھی قدیم اور ازلی ہے تو ازلی چیزوں میں سے ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کہنا ترجیح بلا مرجح ہے۔

۲۔ عالم قدیم ہے اور کوئی اس کا خالق نہیں یہ ملحدوں اور دہریوں کا مذہب ہے۔

۳۔ عالم قدیم ہے، لیکن وہ ذاتِ باری سے علیحدہ نہیں بلکہ ذاتِ باری کے مظاہرہ کا نام عالم ہے۔ حضرات صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ تمام مشکلات کی بنیاد اس پر ہے کہ عالم اور اس کا خالق دو جداگانہ چیزیں ہیں اور ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔ غرض فلسفہ کی رو سے تو صوفیہ مذہب کے بغیر چارہ نہیں

Marfat.com

البتہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اور نصوص قرآنی اس کے خلاف ہیں لیکن یہ شبہ بھی صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں بکثرت اس قسم کی آیتیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن، اوّل و آخر جو کچھ ہے خدا ہی ہے ھو الاوّل والآخر والظاھر والباطن۔

مولانا وحدتِ وجود کے قائل ہیں، ان کے نزدیک تمام عالم اسی ہستی مطلق کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں، اس بنا پر صرف ایک ذاتِ واحد موجود ہے اور تعدّد جو محسوس ہوتا ہے محض اعتباری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

گر ہزاراں اند یک کس بیش نیست | جز خیالاتِ عدد اندیش نیست
بحر وحدانیست جفت و زوج نیست | گوہر و ماہیش غیر موج نیست
نیست اندر بحر شرک پیچ پیچ | لیک با احول چہ گویم ہیچ ہیچ
اصل بیند، دیدہ چوں اکمل بود | دو ہمے بیند چو مرد احول بود
چونکہ جفت احولانیم اے صنم شمن | لازم آید مشرکانہ دم زدن
ایں دوئی اوصاف دید احول ست | ورنہ اوّل آخر، آخر اوّل ست
کل شیئ ماخلا اللہ باطل | ان فضل اللہ غیم ہاطل

وحدتِ وجود کی صورت میں بھی یہ امر بحث طلب رہتا ہے کہ ذاتِ باری اور مظاہر کائنات میں کس قسم کی نسبت ہے، مولانا کی یہ رائے ہے کہ ذاتِ باری کو ممکنات کے ساتھ جو خاص نسبت اور تعلق ہے وہ قیاس اور عقل میں نہیں آسکتا۔ نہ کیف و کم کے ذریعہ سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

اتصالے بے تکیّف، بے قیاس | ہست ربّ النّاس را با جانِ ناس

مولانا فرماتے ہیں کہ اس قدر مسلّم ہے کہ جان کو جسم سے، بصارت کو روشنی سے خوشی کو دل سے غم کو جگر سے خوشبو کو شامہ سے اگر یائی کو زبان سے، ہوا پرستی کو نفس سے۔ شجاعت کو دل سے ایک خاص تعلق ہے، لیکن یہ تعلق بیچوں و بیچگوں ہے، اسی طرح خدا کو ممکنات سے جو نسبت ہے، وہ کیف اور کم سے بری ہے۔

آخر ایں جاں با بداں پیوستہ است | ہیچ ایں جاں با بداں مانستہ است
تاب نور چشم، با پیہ است جفت | نور دل در قطرۂ خونی نہفت
مائحہ در انف منطق در لساں | لہو در نفس و شجاعت در جناں
شادی اندر گردۂ و غم در جگر | عقل چوں شمعے درونِ مغز سر
ایں تعلقہا نہ بے کیف است چوں | عقلہا در دانش چونے زبون

ان تشبیہات کے بعد لکھتے ہیں۔

بے تعلق نیست مخلوقے بہ او | آں تعلق ہست بیچوں اے عمو

Marfat.com

زانکہ فصل و وصل نبود درمیاں | غیر فصل و وصل نندیشد گماں
این تعلق را خرد چوں بے پرد | بستۂ فصل ست و وصل ست این خرد
بے جہت، ان عالم امر و صفات | عالم خلق ست حس ہا وجہات
بے جہت واں عالم امرائے صنم | بے جہت تر باشد آمر لاجرم
جاں ہمّو نزدیک و تو دوری از و | قرب حق را چو بدانی اے عمو
آنکہ حق است اقرب از حبل الورید | تو فکندی تیر فکرت را بعید

نکتہ: مولانا نے عوام کو سمجھانے کے لیے جو تشبیہہ دی، آج یورپ کے بڑے بڑے حکماء کا وہی مذہب ہے، حکمائے یورپ کہتے ہیں کہ عالم میں تین چیزیں محسوس ہوتی ہیں۔ مادہ، قوت اور عقل (روز ڈم) یہ عقل تمام اشیاء میں اسی طرح جاری و ساری ہے جس طرح انسان کے بدن میں جان۔ اسی عقل کا اثر ہے کہ تمام سلسلۂ کائنات میں ترتیب اور نظام پایا جاتا ہے، غرض تمام عالم ایک شخص واحد ہے، اور اس شخص واحد میں جو عقل ہے وہی خدا ہے جس طرح انسان باوجود متعدد الاعضا ہونے کے ایک شخص واحد خیال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عالم باوجود ظاہری تعداد اور تجزیہ کے شے واحد ہے اور جس طرح انسان میں ایک ہی عقل ہے، اسی طرح تمام عالم کی ایک عقل ہے اور اسی کو خدا کہتے ہیں۔

فلسفہ و سائنس

اگرچہ علم کلام، تصوّف، اخلاق سب فلسفہ میں داخل ہیں اور اس لحاظ سے مثنوی تمام تر فلسفہ ہے، لیکن چونکہ علم اخلاق نے ایک مستقل حیثیت قائم کر لی ہے اور علم کلام و تصوّف مذہب کے دائرہ میں آ گئے ہیں اس لیے فلسفہ کے عام اطلاق سے یہ علوم متبادر نہیں ہو سکتے۔ اس بنا پر فلسفہ سے فلسفہ کی دو شاخیں مراد ہیں جو علوم مذکورہ سے خارج ہیں۔

مولانا کو اگرچہ مثنوی میں فلسفہ کے مسائل کا بیان کرنا پیش نظر نہ تھا۔ لیکن ان کا دماغ اس قدر فلسفیانہ واقع ہوا تھا کہ بلا قصد فلسفیانہ مسائل ان کی زبان سے ادا ہو جاتے تھے۔ وہ معمولی بات بھی کہنا چاہتے ہیں تو فلسفیانہ نکتوں کے بغیر نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ وہ کوئی مختصر سی حکایت شروع کرتے ہیں تو جزوں میں جا کر ختم ہوتی ہے۔ ہم اس موقع پر فلسفہ اور سائنس کے چند مسائل درج کرتے ہیں جو ضمناً اور تبعاً مثنوی میں بیان کیے گئے ہیں۔

تجاذب اجسام

یعنی یہ کہ تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں اور اسی کشش کے مقابلہ باہمی سے تمام سیارات اور اجسام اپنی جگہ پر قائم ہیں، اس مسئلہ کی نسبت تمام یورپ بلکہ تمام دنیا کا خیال ہے کہ نیوٹن کی ایجاد ہے لیکن لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ سینکڑوں برس پہلے یہ خیال مولانا روم نے ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش | جفت جفت و عاشقان جفت خویش
ہست ہر جزوے بعالم جفت خواہ | راست ہمچوں کہربا و برگ کاہ
آسماں گوید زمیں را مرحبا | با توام چوں آہن و آہن رُبا

Marfat.com

اسی بناء پر زمین کے معلق رہنے کی وجہ ایک حکیم کی زبان سے اس طرح بیان کی ہے :-

گفت سائل چوں بماند ایں خاکداں ... درمیانِ ایں محیطِ آسماں
ہمچو قندیلے معلق در ہوا ... نے براسفل می رود نے برعلا
آں حکیمش گفت کز جذب سما ... از جہاتِ شش بماند اندر ہوا
چوں ز مقناطیس قبہ ریختہ ... درمیاں ماند آہنے آویختہ

یعنی چونکہ اجرام فلکی ہر طرف سے کشش کر رہے ہیں، اس لیے زمین بیچ میں معلق ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے اگر مقناطیس کا ایک گنبد بنایا جائے اور لوہے کا کوئی ٹکڑا اس طرح ٹھیک وسط میں رکھا جائے کہ ہر طرف سے مقناطیس کی کشش برابر پڑے تو لوہا اُدھر میں لٹکا رہ جائے گا، یہی حالت زمین کی ہے۔

تجاذب ذرات تحقیقاتِ جدیدہ کی رُو سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جسم کی ترکیب نہایت چھوٹے ذرات سے ہے، جن کو اجزائے دیمقراطیسی کہتے ہیں ان ذرّات میں بھی باہم کشش ہے لیکن کشش کے مدارج یکساں نہیں، بلکہ بعض ذرات کو نہایت شدّت سے کشش کرتے ہیں اس لیے ان میں نہایت اتصال ہوتا ہے اور اسی قسم کے اتصالِ ذرات کو عام محاورہ میں ٹھوس کہتے ہیں۔ مثلاً لوہا بہ نسبت لکڑی کے زیادہ ٹھوس ہے، کیونکہ ایسے ذرات سے مرکّب ہے، جن میں باہمی کشش نہایت قوی ہے، لکڑی کے ذرّات میں یہ کشش کم ہے۔ بعض چیزوں میں یہ کشش اور بھی کم ہوتی ہے اور اس بنا پر وہ بہت جلد ٹوٹ یا پھٹ سکتی ہے، تخلخل اور تکاثف کے معنی بھی یہی ہیں، یعنی اجزا کے اتصال کا کم اور زیادہ ہونا۔

تجاذبِ ذرّات کے مسئلہ کو بھی نہایت صراحت کے ساتھ مولانا نے بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

میل ہر جزئے بجزئے مے نہد ... زاتحاد ہر دو تولید جہد
ہر یکے خواہاں دگر را ہمچو خویش ... از پئے تکمیل فعل و کار خویش
دورِ گردوں را زموجِ عشق داں ... گر نہ بودے عشق بفسردے جہاں
کے جمادی محو گشتے در نبات ... کے فدائے روح گشتے نامیات
ہر یکے برجا فسردے ہمچو یخ ... کے بدے پرّاں و جویاں چوں ملخ

ان اشعار میں مولانا نے جاذب کو عشق کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ صوفیانہ اصلاح ہے، ان اشعار میں مولانا نے بیان کیا ہے کہ نباتات جن اجزا سے پرورش پاتے ہیں، وہ جمادی اجزا ہیں، لیکن چونکہ ان میں اور نباتی اجزا میں باہمی کشش اور تجاذب ہے اس لیے وہ اجزا نبات بن جاتے ہیں اسی طرح نباتی اجزا حیوانی اجزا بن جاتے ہیں، اگر یہ کشش اور تجاذب نہ ہوتا تو ہر جزو اپنی جگہ جم کر رہ جاتا اور یہ مرکبات ظہور میں نہ آتے۔

تجدد امثال تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ جسم کے اجزا نہایت جلد فنا ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے اجزا آتے جاتے ہیں۔

Marfat.com

ں تک کہ ایک مدت کے بعد انسان کے جسم میں سابق کا ایک ذرّہ بھی باقی نہیں رہتا، بلکہ بالکل ایک نیا جسم پیدا ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ فوراً پرانے اجزا جگہ نئے اجزا قائم ہو جاتے ہیں، اس لیے کسی وقت جسم کا فنا ہونا محسوس نہیں ہوتا۔

مولانا نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست	مصطفےٰ فرمود دنیا ساعتے ست
ہر نفس نو مے شود دنیا و ما	بے خبر از نو شدن اندر بقا
عمر ہمچوں جوئے نو نو مے رسد	مستمرے مے نماید در جسد
آں ز تیزی مستمر شکل آمدہ ست	چوں شرر کش تیز جنبانی بدست
شاخ آتش را بہ جنبانی بساز	در نظر آتش نماید بس دراز

مولانا بحر العلوم ان اشعار کی شرح میں لکھتے ہیں۔

" بیان ست مر مسئلہ تجدد امثال را و آں ایں است کہ صور ہمہ کائنات در ہر آں تبدل می شود، کہ در ہر آں صورتے معدوم می شود و صورت دیگری در آں موجود می شود، با وصف عین و ایں نیست کہ یک صورت باقی باشد ورود آں، لیکن چونکہ صورت زائلہ شبیہ صورت حادث است ایں متبدل را می یابد و گماں می شود کہ ہمہ صورت مستمرہ است۔"

مسئلہ ارتقا موجودات عالم کی تقسیم چار قسموں میں کی گئی ہے، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان لیکن ان کے مسئلہ آفرینش کے متعلق علما میں اختلاف رائے ہے، عام رائے یہ ہے کہ یہ چاروں اپنے وجود میں مستقل ہیں۔ یعنی فطرت نے ان کو ابتدا ہی سے اس صورت میں پیدا کیا۔ دوسرے فریق کا خیال ہے کہ اصل میں صرف ایک چیز تھی، وہی ترقی کرتے کرتے اخیر درجہ یعنی انسان تک پہنچی، انسان پہلے جماد تھا، پھر نبات پھر حیوان، پھر انسان۔ یہ سلسلۂ ارتقا خود ان انواع میں بھی جاری ہے۔ مثلاً فاختہ، قمری، کبوتر، جداگانہ نوعیں نہیں ہیں بلکہ اصل میں ایک ہی پرندہ تھا، جو خارجی اسباب سے مختلف صورتیں بدلتا گیا۔ اور صورت کے انقلاب کے ساتھ سیرت بھی بدلتی گئی۔ اس مسئلے کا موجد ڈارون خیال کیا جاتا ہے اور در حقیقت ڈارون نے جس تفصیل اور تدقیق سے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے اس کے لحاظ سے وہی اس مسئلہ کا موجد کہا جاتا ہے، مولانا نے اس مسئلہ کو اشعار ذیل میں بصراحت لکھا ہے۔

آمدہ اوّل بہ اقلیم جماد	وز جمادی در نباتی اوفتاد
سالہا اندر نباتی عمر کرد	وز جمادی یاد ناورد از نبرد
وز نباتی چوں بہ حیواں اوفتاد	نامدش حال نباتی ہیچ یاد
جز ہمیں میلے کہ دارد سوئے آں	خاصہ در وقت بہار ضیمراں
ہمچو میل کودکاں با مادراں	سر میل خود نداند در لباں
ہمچنیں اقلیم تا اقلیم رفت	تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت

Marfat.com

حسین بن منصور حلاّج

حسین بن منصور الحلاّج، شہر بیضا میں پیدا ہوئے، بیضا فارس کا ایک شہر ہے۔ آپ کی ولادت ۲۴۴ھ میں ہوئی۔ عمر کا ابتدائی زمانہ عراق کے شہر واسطہ میں گزارا۔ یہ واقعہ ۲۶۰ھ کا ہے یعنی اس وقت منصور کی عمر سولہ سال کے قریب تھی۔ پھر اہواز کے ایک مقام تستر میں سہل بن عبداللہ التستری کے ہمرکاب رہے، پھر بصرہ میں عمرو مکّی کے فیض صحبت سے استفادہ کیا۔

۲۶۴ھ میں بغداد آئے اور جنید بغدادی کے حلقۂ تلمذ میں شریک ہو گئے۔ منصور کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا چنانچہ ان کی عمر کا بڑا حصّہ اسی شغل میں بسر ہوا۔ وہ مختلف اور متعدد ملکوں کی سیر و سیاحت کرنے لگے۔ اپنی زندگی میں تین مرتبہ مکّہ مکرمہ تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ حج کے فریضہ سے سبکدوش ہوئے۔

گرفتاری اور فرار

طبیعت بیباک اور غیور پائی تھی، جو بات دل میں آتی تھی اُسے زبان پر لانے میں تامل نہیں کرتے تھے اپنے عقیدہ اور مسلک میں ذرا بھی لچک نہیں رکھتے تھے۔ بہت سخت تھے، نہ روادی کے قائل تھے، مصلحت کے جس بات کو سچ سمجھ لیتے تھے اس کا فاش کرنا اور برملا اعلان کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

۲۹۷ھ میں ابن داؤد الاصفہانی الظاہری کے فتوے کی بنیاد پر پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ لیکن ٹھیک ایک سال کے بعد ۲۹۸ھ میں زندان سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور اہواز کے ایک مقام سوس میں پوشیدہ طور پر رہنے لگے۔

۳۰۱ھ میں دوسری مرتبہ ان کی گرفتاری عمل میں آئی اور آٹھ سال تک مسلسل اسیر زندان رہے، لیکن کسی ایک قید خانہ میں نہیں بلکہ بغداد کے مختلف اور متعدد جیلخانوں میں منتقل کیے جاتے رہے شاید اس لیے کہ کہیں پھر فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

سزائے قتل

۳۰۹ھ میں ان کے مقدمہ کا آخری فیصلہ ہُوا اور فیصلہ کیا گیا کہ ۱۸ ذی قعدہ کو ان کی زندگی ختم کر دی جائے۔ اس طرح کہ انھیں کوڑے مارے جائیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ ان کا سر تن سے جدا کر دیا جائے ان کے اعضا آگ میں جھلسائے جائیں اور اس کے بعد انھیں دجلہ کے پانی میں بہا دیا جائے اس حکم کی تعمیل کو کوئی نہ روک سکا۔ حلاّج کی جان اس جرم میں لی گئی کہ وہ "انا الحق" یعنی "میں خدا ہوں" کا نعرہ لگاتے رہتے تھے۔ اس قول سے ان کا مطلب تھا کہ وہ اتحاد ذات الٰہی کے قائل تھے، یعنی اپنی ذات کو ذاتِ الٰہی میں گم کر کے ذاتِ الٰہی کا ایک جزو بن گئے تھے۔

حلاج کے اور بھی عقائد تھے جو اس فیصلہ کا سبب بنے۔ مثلاً حج کوئی ایسا فریضہ نہیں ہے کہ انسان اس کی ادائی پر مکلف ہو۔ صورت حال یہ ہے کہ حج ظاہرہ وہ ہے کہ انسان اپنے شہر سے ارض مقدس حجاز تک کا سفر کرے اور وہاں جا کر مناسک حج ادا کرتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک دوسرا حج بھی ہے اور وہ ہے روحانی حج، اگر انسان اپنے نفس کی تربیت اور تکمیل کر چکا ہے تو وہ محسوس کر سکتا ہے

Marfat.com

خود خانہ کعبہ اس کے پاس آگیا اور خود خانہ کعبہ نے اس کا طواف کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ خانہ کعبہ تک جاتا اور وہاں طواف کرتا، جو حج ظاہر کی ایک معروف صورت ہے۔

کیا منصور کافر تھے؟

منصور کی ہلاکت کے بعد ان کے عقیدہ، مسلک اور مذہب کے بارے میں مختلف قسم کی رائیں مختلف لوگوں نے ظاہر کیں۔

ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ وہ کافر اور زندیق تھے۔ کتاب وسنت کی رو سے سوائے اس کے کہ انھیں کافر کہا جائے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ وہ بہت بڑے ولی اور برگزیدہ شخص تھے اور مقربین بارگاہ الٰہی میں داخل تھے۔ خدا کے ہاں ان کی بہت بڑی منزلت تھی اور وہ اس سے بہت قریب تھے۔ ان کی طرف جو اقوال منسوب ہیں ان کے ظاہری مفہوم ومعنی سے لوگ مغالطہ میں پڑ گئے ورنہ اگر وہ ان کے اصل مطلب اور مفہوم کو سمجھتے تو ہرگز ان کے بارے میں ایسی غلط رائے نہ قائم کرتے۔ اور نہ ان کی تکفیر اور تفسیق کی جرأت کرتے۔

پہلے گروہ کے ہم نواؤں میں ابن ندیم بھی شامل ہیں، جن کا خیال ہے کہ منصور حلاج نے شعبدہ بازی سے کام لے کر تصوف کو اپنا شعار اور پھر اپنی سپر بنا لیا تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ہر علم سے واقف ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ہر علم میں صفر محض تھے[۱]

لیکن جو لوگ دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حلاج کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بہت بڑے ولی اللہ تھے ان کی سی بزرگی اور مقدس ہستی شاذونادر عالم وجود میں آتی ہے، وہ اپنی ذات اور ذاتِ الٰہی کے اتحاد کے قائل تھے، یہی ان کا مضبوط اور مستحکم عقیدہ تھا۔ اس سلسلے میں ہم زیادہ نام نہیں گنانا چاہتے۔ صرف دو ناموں پر اکتفا کریں گے۔

ایک تو حضرت جلال الدین رومی مشہور وعظیم فارسی شاعر جو منصور حلاج کی تعریف وتوصیف علانیہ کرتے ہیں اور ذرا نہیں جھجکتے۔

اور دوسرے حضرت فریدالدین عطار، جو منصور حلاج سے اتنی عقیدت اور محبت رکھتے تھے کہ انھیں "شہید حق" کا خطاب دیا ہے۔

تصنیفات و رسائل

منصور حلاج نے تصوف اور طرق تصوف اور اپنے مخصوص عقائد ونظریات کی شرح وتوضیح میں متعدد کتابیں لکھیں اور رسائل قلمبند کیے۔ ابن ندیم نے اپنی الفہرست میں ۴۷ تک کی تعداد گنائی ہے۔ جن میں سے چند کا ہم اس جگہ ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ کتاب الاحرف المحدثۃ والازلیہ، والاسماء الکلیہ

۲۔ کتاب الاصول والفروع۔

۳۔ کتاب سر العالم والمبعوث

---

[۱] الفہرست۔

Marfat.com

۴۔ کتاب العدل والتوحید
۵۔ کتاب علم البقا والفناء۔
۶۔ کتاب مدح النبی والمثل الاعلیٰ۔
۷۔ کتاب ہو ہو۔

مذکورہ کتابیں منصور حلاج کی اہم ترین تصنیفات میں شمار ہوتی ہیں۔

حلاج کا مذہب

منصور کے مذہب اور عقیدہ کی اگر چھان بین کی جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے اپنی نظم و نثر میں جن خیالات و عقاید کا اظہار کیا ہے وہ تین چیزوں پر مشتمل ہیں۔

۱۔ ذات الٰہی کا حصول، ذاتِ بشری ہیں۔
۲۔ حقیقت محمدیہ کا قدم۔
۳۔ توحید ادیان۔

حلاج کے نظریہ حلول کے بارے میں صفوان کے ایک معاصر اصطخری نے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

"حسین بن منصور، جو حلاج کے لقب سے مشہور ہیں، بیضا کے رہنے والے تھے، وہ پیشہ کے اعتبار سے جلاہے تھے، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص طاعت میں اپنے نفس کو پختہ کرلے، اپنے دل کو اعمال و اشغال صالحہ کا خوگر بنالے، ترک لذات کا عادی ہو جائے، شہوات و خواہشات پر اقتدار حاصل کرلے، تو وہ مقام مقربین تک پہنچ جاتا ہے، پھر جب اس کا تزکیہ اور تنقیہ اور زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ بشریت کے حدود سے گذر جاتا ہے۔ پھر جب اس میں بشریت کا شائبہ نہیں رہتا تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی روح میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ بن مریم۔ پھر وہ مطیع سے مطاع بن جاتا ہے، یعنی وہ کسی کی اطاعت نہیں کرتا، خود اس کی اطاعت لوگ کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہی ہوتی ہے، جو مشیت الٰہی بن چکی ہوتی ہے۔ پھر اس کا کوئی فعل اس کا نہیں رہتا، بلکہ خود خدا کا فعل بن جاتا ہے۔"

حلاج کے اشعار

اصطخری کی رائے کے پیش نظر حلاج انسان میں اللہ کے حلول کے قائل تھے، لیکن اس عقیدۂ حلول میں وہ تنہا نہیں تھے۔ حضرات شیعہ کے عقائد میں بھی یہ اہم عقیدہ ہے۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حلاج نے یہ عقیدہ یہیں سے لیا اور اسی بنیاد پر اپنے عقیدہ حلول لاہوت اور ناسوت کی بنیاد رکھی، اس عقیدہ کی رو سے اللہ تعالیٰ انسان میں، محبوب محب میں، رب عبد میں حلول کر جاتا ہے۔

چنانچہ ذیل کے اشعار میں وہ کہتے ہیں:۔

" ہم دو روحیں ہیں،

Marfat.com

جنھوں نے ایک بدن کی صورت اختیار کر لی ہے۔
جب وہ مجھے دیکھتا ہے،
میں اسے دیکھتا ہوں۔
جب میں اسے دیکھتا ہوں،
وہ مجھے دیکھتا ہے۔

ایک اور مقام پر محبوب یعنی خدا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

تو میری رگ و پے میں اور قلب میں جاری و ساری ہے۔
جس طرح،
آنسو میری آنکھوں سے جاری ہیں
ضمیر، قلب میں اس طرح حل ہو گیا ہے۔
جس طرح
روح بدن میں جذب ہو جاتی ہے۔"

حلاج روح محبوب اور روح نفس یعنی انسان، اور اللہ کی روح کے امتزاج کے قائل تھے، ثبوت کے لیے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

" اے اللہ!
تیری روح، میری روح میں اس طرح سما گئی ہے،
جس طرح
شراب، آبِ زلال میں۔
جب کوئی چیز،
تجھے مس ہوتی ہے تو مجھے بھی مس ہوتی ہے۔
کیونکہ،
تو اور میں، ہر حال میں ایک ہیں۔"

ان اشعار میں وہ امتزاج روح کو تشبیہہ دیتے ہیں کہ جس طرح شراب اور پانی کو جدا نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح مجھے اور تجھے الگ نہیں کیا جا سکتا جس طرح شراب اور پانی مل کر ایک ہو جاتے ہیں اسی طرح تُو اور میں مل کر ایک ہو گئے ہیں۔

تضاد رائے

لیکن منصور حلاج کی بعض ایسی تحریریں بھی ہیں، جو باہم مختلف ہیں، مثلاً ابھی ہم اوپر کے اشعار میں بتا چکے ہیں کہ وہ امتزاج بشریت اور الوہیت کے قائل تھے۔ لیکن خود ہی اپنی ایک تحریر میں، اس نظریہ سے اختلاف

Marfat.com

بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

"جس شخص کا یہ خیال ہے کہ الہیت، بشریت میں ممزوج ہو سکتی ہے یا بشریت الہیت میں حلول کر سکتی ہے، وہ کافر ہے کیونکہ خدائے بزرگ و برتر اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے فرد ہے، ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور جن کے صفات عارضی ہیں، وہ کسی طرح بھی مخلوق سے مشابہت نہیں رکھ سکتا، نہ مخلوق خدا سے کسی درجہ میں مشابہت رکھ سکتی ہے اس لیے کہ یہ محال عقلی ہے" [۱]

اس تحریر کے پیش نظر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حلاج کے نزدیک لاہوت اور ناسوت، رب اور عبد محبوب اور محب دو الگ الگ چیزیں ہیں جو اپنی ذات اور حقیقت کے اعتبار سے بالکل جدا، متغائر اور متمائز ہیں۔

مسئلہ حلول کی نوعیت

اگرچہ اس مسئلہ میں حلاج کی رائے میں بہ ظاہر تضاد پایا جاتا ہے، لیکن حلاج کے عقیدہ کا آخری اور مضبوط پہلو وہی ہے جس میں وہ عقیدۂ حلول کا حامل نظر آتا ہے۔

اس کا عقیدہ ہے کہ ذاتِ الہٰی، ذاتِ انسانی میں اس طرح حلول کر سکتی ہے کہ دونوں مل کر ایک ہو جائیں، جس طرح روح انسانی بدن انسانی میں داخل ہوتی ہے اور پھر دونوں ایک بن جاتے ہیں۔ اس صورت میں انسان سے جو فعل سرزد ہوتا ہے، وہ درحقیقت ارادۂ انسانی نہیں ہوتا مشیت الہٰی ہوتا ہے گویا انسان عین خدا بن جاتا ہے اور خدا عین انسان بن جاتا ہے۔

دوسری عبارت میں اس خیال کا مطلب خود حلاّج کے الفاظ میں یوں سمجھیئے کہ:

"انسان اپنی حقیقت کے اعتبار سے خدا ہے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا اسی لیے اس نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں جیسا کہ خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔

[۲] یعنی ہم نے ملائکہ سے کہا، آدم کو سجدہ کرو، ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر لیا۔ ابلیس نے انکار کیا اور استکبار کیا اور وہ کافروں میں شامل ہو گیا"

حقیقتِ محمدیہ

حلاج نے اپنی کتاب "الطواسین" میں حقیقت محمدیہ کے قدم پر بڑی فلسفیانہ گفتگو کی ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی دو مختلف صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ نور ازلی ہیں، جو قدیم ہے، حادث نہیں یعنی جو ہمیشہ سے ہے اور جسے کبھی فنا کا جھونکا نہیں بجھا سکتا۔ یہ نور محمدی دنیا اور کائنات کے عالم وجود میں آنے سے کہیں پہلے موجود تھا، اسی نور سے علم و عرفان کے سوتے پھوٹے۔

---

[۲] سورۂ بقرہ آیہ ۳۴

Marfat.com

دوسری صورت آپ کی نبی مرسل کی ہے۔

اور یہ پہلی سے بالکل الگ ہے۔

حلاج نورِ محمدی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

آپ غیب کے نور کی روشنی تھے، ظاہر ہوئے اور لوٹ گئے![1]

انوارِ محمدی اور نورِ نبوت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

انوارِ نبوت آپ کے نورازلی سے چمکے اور فروغ گیر ہوئے، آپ کے نور سے بڑھ کر کوئی نور بھی انوار اور اظہر نہیں۔ نہ آپ کے قدم سے بڑھ کر کوئی اقدام ہے[2]

ایک دوسرے مقام پر بتایا ہے کہ تمام علوم آنحضرت ؐ کے بحرِ علم کا قطرۂ ناچیز تھے۔ تمام حکمتیں آپ کے سمندر کے سامنے ایک چھوٹی سی نہر تھیں

چنانچہ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے منصور کہتے ہیں۔

آپ کے اوپر بادل تھے، جن سے بجلیاں کوندتی تھیں، آپ کے نیچے بجلیاں تھیں جو چمکتی اور دمکتی تھیں، آپ کا سحاب نور برساتا تھا اور پھل لاتا تھا۔ تمام علوم آپ کے بحرِ بے پایاں کا ایک قطرۂ ناچیز تھے۔ تمام حکمتیں آپ کے حکمت کے سمندر کے سامنے ایک چھوٹی سی نہر تھیں۔ تمام زمانے آپ کے زمانے کے سامنے ایک ساعت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے[3]

آنحضرت ؐ کے قربِ الٰہی کے پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے حلاج کہتے ہیں:۔

"حق آپ کا وجود ہے اور آپ کے وجود ہی سے حقیقت نمودار ہوتی ہے۔ آپ وصلت میں اوّل اور نبوت میں آخر تھے۔ آپ حقیقت کے باطن اور معرفت کے ظاہر تھے"۔[4]

حلاج کے ان آثار واقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ قدیم کا کیا درجہ تھا۔

حلاج کا یہ نظریہ، حلاج ہی تک محدود نہ رہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے صوفیوں نے بھی دوسرے الفاظ اور دوسرے رنگ میں اسے اختیار کیا۔ مثلاً محی الدین ابن عربی اور عمر بن الفارض، ان دونوں کے علاوہ دوسرے صوفیا کے ہاں بھی یہ رنگ کافی چوکھا نظر آتا ہے۔

توحیدِ ادیان

توحیدِ ادیان!

یہ بھی منصور حلاج کا ایک نظریہ تھا۔

حلاج کا خیال تھا کہ تمام ادیان اپنی حقیقت کے اعتبار سے ہیں، ان کا فروعات میں اختلاف ہے، لیکن اصل کا جہاں تک تعلق ہے وہ ایک ہی ہے، تمام ادیان کا مرکز اور منبع خدا تعالیٰ ہے۔ تمام ادیان خدا کے لیے ہیں ہر دین سے کوئی نہ کوئی گروہ وابستہ ہے، اپنی مرضی سے نہیں، بلکہ کسی بالا دست قوت کی مرضی سے۔ جو شخص کسی مذہب کا ابطال کرتا ہے وہ گویا حکم لگاتا ہے کہ فلاں مذہب اس نے خود اختیار کیا اور یہ بات حلاج کی رائے میں مسلکِ قدریہ کے ذیل میں آتی ہے اور اس کے نزدیک اس اُمت کے مجوس جو لوگ کہلا سکتے ہیں، وہ قدریہ

[1] کتاب الطواسین [2] [3] نفس المرجع [4] کتاب الطواسین۔

Marfat.com

ہیں۔ حلاج کا یہ خیال بھی تھا کہ یہودیت اور مسیحیت اور اسلام اور دوسرے مذاہب، ان کے نام اور القاب جدا جدا ہیں، علامات و آثار میں بھی اختلاف اور تغائر ہے، لیکن جو مقصود اصلی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، وہ ایک ہی ہے[۱]

اللہ تعالیٰ کی مشیّت

دوسرے الفاظ میں حلاج کا مطلب یہ تھا کہ وہ صرف اللہ ہے جو اپنے بندوں پر اپنی مشیت نافذ کرتا ہے اور وہ صرف خدا ہی ہے جو اپنے بندوں کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں آدمی یہودی ہو، فلاں نصرانی مذہب اختیار کرے اور فلاں مسلمان کے گھر میں پیدا ہو، لہذا نہ کسی پر معترض ہونا چاہیئے، نہ کسی سے دین کے بارے میں منافرت کرنی چاہیئے کہ دین سب خدا کے ہیں اور جو شخص جس دین کو اختیار کرتا ہے، اس میں بھی خدا کی مرضی اور مشیت شامل ہوتی ہے اور یہ جو اختلاف مختلف ادیان میں نظر آتا ہے یہ اصلی اور جوہری اختلاف نہیں ہے، یہ صرف اسم اور مظہر کا اختلاف ہے، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ تمام ادیان نام کے اعتبار سے متعدد ہیں، حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں، مسمیٰ ایک ہے، اسم جدا جدا ہیں۔ یہ متغائر مظاہر ایک ہی حقیقت کے ہیں۔

جس طرح حقیقت محمدیہ کے سلسلہ میں حلاّج کا نظریہ بعد کو دوسرے لوگوں نے قبول کیا، اسی طرح وحدت ادیان کے معاملہ میں بھی منصور حلاّج کے نظریہ کی تائید و تقلید کے بعد کے دوسرے اکابر مثلاً محی الدین ابن عربی اور عمر بن الفارض اور جلال الدین رومی اور عبدالکریم الجیلی اور دوسرے بہت سے سربرآوردہ اور سرآمدۂ روزگار صوفیا اور علمانے کی بشعرانے اپنے اشعار میں اور مصنّفین نے اپنی تصنیفات میں اس نظریہ کو سراہا اور اسے تسلیم کرکے اس کی توثیق اور تائید کی۔

اس نظریہ نے اسلام کی حیات روحیہ کی تاریخ پر گہرا اور دیرپا اثر ڈالا۔

Marfat.com

حضرت حسن بصری

زہد میں خوف کی آمیزش

اب چند شیوخ تصوّف کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں بہت سے عقدے خود بخود حل ہو جائیں گے۔

حضرت حسن بصری (۲۱ھ تا ۱۱۰ھ) کے احوال و سوانح پر اجمالی روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ پہلی صدی ہجری اور دوسری صدی ہجری کے آغاز تک اسلام کا جو تصوّف تھا اس کا قوام تحلیل و تجربہ کے بعد یہ تھا۔

۱۔ ترکِ دنیا، لیکن دنیا میں رہ کر۔

۲۔ یادِ الٰہی۔

۳۔ حبِ دنیا سے نفرت۔

۴۔ توکل۔

۵۔ اللہ کا خوف،

۶۔ ذاتِ حق، اور ذاتِ خود کے مابین فکر دائم۔

۷۔ معرفت نفس کے لیے تفحّص کامل۔

زہد مع الخوف

ان باتوں کو اگر پیش نظر رکھ کر اور خاص طور پر "زہد مع الخوف" کی کیفیت کو پیش نظر رکھ کر اگر حضرت حسن بصریؒ کی ذات پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ خوف اور خشیتہ الٰہی کے پیکر تھے۔ حضرت حسن بصری کی سیرت کی جو تصویر کشی ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، المتوفی ۴۳۰ھ نے کی ہے، اس سے بہتر کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتے ہیں:-

حضرت حسن بصری کیا تھے؟
وہ خوف الٰہی کے حلیف تھے
وہ حزن والم کو دوست رکھتے تھے
وہ راتوں کو جاگتے اور عبادت کرتے تھے۔
وہ دن کو ریاضت اور مجاہدہ میں صرف کرتے تھے۔
وہ فقیہہ بھی تھے اور زاہد بھی۔

Marfat.com

وہ عابد بھی تھے اور دنیا بیزار بھی۔

وہ دنیا کو فضول سمجھتے تھے۔

وہ دنیا کی زینت کو ہیچ اور ناکارہ سمجھتے تھے۔

وہ نفس کی خواہشات سے بغاوت کے خوگر تھے۔

وہ نفس کی تمناؤں سے نخوت کے ساتھ پیش آتے تھے[1]

حضرت حسن بصری کی ایک اور خصوصیت بھی تھی۔

یہ کہ وہ صرف نفس کی ایذا رسانی پر اکتفا کرتے تھے، وہ اس کے ساتھ ساتھ تصفیہ قلب اور تنقیۂ کردار کے بھی عامل تھے۔ وہ دل کی صفائی اور کردار کی درستگی، صرف مجاہدہ اور ریاضت سے نہیں کرتے تھے، فکر و تامل کے ساتھ کرتے تھے، ان کا فکر و تامل ان کے زہد و تقشف پر مستزاد تھا اور ان کی حیات روحیہ کی یہی اصل اور اساس تھی

عملِ صالح کی تربیت

حسن بصری بہت بڑے زاہد اور عابد تھے۔ ان کا زہد عبادت تھا، حزن و اَلم سے ان کی آنکھیں ہر وقت پُرنم رہتیں، اُن کا دل ہر وقت اشکبار رہتا۔ ان کا خیال تھا کہ عملِ صالح کی تربیت، نشوونما اور تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ہنسے کم اور روئے زیادہ، دنیا کی اُلجھنوں سے اپنا دامن بچائے اور انجام و عواقب کے خوف سے لرزہ براندام رہے۔ سرور و نشاط کے دام کا اسیر نہ ہو۔ حزن و الم کو سرمایۂ افتخار بنائے اور جان لے کہ ہنسی میں وہ لذت نہیں ہے، جو گریہ میں ہے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ تقویٰ کے ارتقا اور تکمیل میں سب سے زیادہ جو چیز معین و مددگار رہتی ہے بلکہ بنیادی اور اساسی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے، وہ ہے صرف خوفِ خدا یا خشیتِ الٰہی!

شعرانی کا بیان

چنانچہ حسن بصری کے بارے میں شعرانی کا بیان ہے:۔
"حضرت حسن بصری پر خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کی اتنی دہشت طاری رہتی تھی کہ گویا جہنم کی آگ صرف انہی کے لیے تخلیق کی گئی ہے"[2]

حسن بصری کے اقوال

کتب تراجم (سوانح) اور طبقات کا اگر مطالعہ کیا جائے، بالخصوص ابونعیم اصبہانی کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" اور شعرانی کی کتاب "الطبقات الکبریٰ" اور مناوی کی کتاب "الکواکب الدریہ" کے صفحات اگر پیش نظر رہیں تو خود حضرت حسن بصری کے اقوال، زہد و تفکر اور حزن کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ملیں گے اور بہ کثرت ملیں گے، ان سے اندازہ ہوتا ہے ان کی حیات روحیہ حزن و الم ہی سے معمور تھی۔

زہد کے بارے میں ایک مرتبہ حضرت حسن بصری نے فرمایا۔

---

[1] حلیۃ الاولیا۔ [2] الطبقات الکبریٰ۔

Marfat.com

"دنیا دارِ عمل ہے، جو اس میں اس طرح رہا کہ اس سے بغض اور نفرت رکھتا رہا، وہ خود بھی کامیاب ہوا، اور اس نے دنیا کو بھی سعادت عطا کی، جو دنیا میں اس طرح رہا کہ اس کی محبّت میں مست اور بے خود ہوگیا، اس نے اپنے تئیں بھی نقصان پہنچان پہنچایا، اور دنیا کے کام بھی نہ آیا۔

ایک اور موقع پر حزن والم کے بارے میں حضرت حسن بصری نے فرمایا۔

"جو شخص یہ جانتا ہے کہ موت آکر رہے گی،

جو یہ جانتا ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی۔

جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اسے بہر حال ایک نہ ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے،

وہ شخص کس طرح رہ سکتا ہے؟ اس کے حزن والم کی کیفیت تو برابر بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

ایک اور موقع پر اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی حضرت حسن بصری نے فرمایا۔

دُنیا میں آدمی جتنی ملول وغمگین زندگی بسر کرے گا، اسی مناسبت سے اس کے عمل صالح کی آبیاری ہوگی[1]

---

[1] نقش المرجع ملاحظہ ہو نیز حلیۃ الاولیا جلد دوم بھی پیش نظر ہے۔

Marfat.com

حضرت رابعہ عدویہ

پہلی صدی ہجری میں ہم کو حضرت حسن بصری نظر آتے ہیں، جو اپنے زہد کی بنیاد و اساس حزن والم کو قرار دے چکے تھے ان کی حیات روحیہ کا نظام تمام تر اسی اصول پر مبنی تھا۔ ان کے نزدیک ایک روح کی پاکیزگی قلب کی صفائی اور عمل کی طہارت کا اس سے زیادہ کوئی اور وسیلہ اور ذریعہ ہی نہیں تھا کہ انسان خوفِ خدا سے معمور ہو جائے۔ اس کی آنکھیں پُرنم رہیں وہ دنیا کو ہیچ سمجھے اور گذرے ہوئے معاصی اور پیش آنے والے سیئات کی دہشت میں اپنے قلب کو رفیق بنائے، تصوف میں خوف اور الم مسلک حضرت حسن بصری ہی کی ذات سے وابستہ ہے۔ یہ مکتب خیال صرف انہی کا قائم کیا ہوا ہے

لیکن دوسری ہجری میں ہم ایک اور مکتب خیال کو ابھرتے اور نمایاں ہوتے دیکھتے ہیں۔ یہ کہ زہد میں محبّت کی آمیزش بھی ایک اہم اصول ہے، یہ اصول حضرت رابعہ عدویہ کی ایجاد ہے۔ لہٰذا اس مکتبِ خیال کو صرف انہی سے منسوب اور وابستہ سمجھنا چاہیئے۔ اس طرح تصوّف میں ایک عاملِ جدید کا اضافہ ہوا۔

اس سلسلہ میں نامناسب نہ ہوگا، اگر ہم مصطفٰے عبدالرزاق پاشا کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کریں۔ وہ حضرت رابعہ کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

حضرت رابعہ کی وہ پہلی ہستی ہے جس نے تصوف کے گلشن میں حب الٰہی کی نغمہ سرائی کی، نثر میں بھی اور نظم میں بھی[1]

حضرت رابعہ اور حب الٰہی

کتبِ تصوف، اور طبقات تصوّف کو اگر کھنگالا جائے، تو حب الٰہی کی بہت سی ایسی تجلیاں ملیں گی جو حضرت رابعہ کے قلب پر جلوہ فگن ہوئیں اور جنھوں نے ان کی شعری حس کو بیدار کیا۔

ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ ان اشعار میں وہ اپنے رب سے مخاطب ہیں:۔

"میں تجھ سے محبّت کرتی ہوں!
دو طرح محبّت!
ایک محبّت ہے آرزو اور تمنّا کی۔

---

[1] ملاحظہ ہو اسلامک انسائیکلو پیڈیا، ترجمہ عربی اور اس پر استاذ مصطفٰی عبدالرزاق پاشا کی تعلیق مادہ، تصوف جلد ۵ صفحہ ۲۹۶، ۲۹۷۔

Marfat.com

اور دوسری ہے صرف تیری ذات کی۔
تیری وہ محبت جو آرزو اور تمنا سے معمور ہے
وہ تو کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔
لیکن وہ محبت جو صرف تیری ذات سے ہے۔
اسی کا واسطہ، تو حجاب کو دور کر دے تاکہ آنکھیں تیرا جلوہ دیکھ سکیں۔

امام غزالی کا تبصرہ ان اشعار کا ذکر کرتے ہوئے، امام غزالی ارشاد فرماتے ہیں۔ رابعہ عدویہ نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس محبت کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے اللہ کا احسان اور انعام جو وہ اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے اور جس حبّ ذات یعنی خالص حبّ الٰہی کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہ ہے، دیدارِ الٰہی، اور جمالِ خداوندی کی محبت، جس کا نظارہ ان کے دل کی آنکھوں نے کیا اور یہی محبّت سب سے بہتر اور برتر ہے۔ جمالِ ربوبیت کی لذّت بجائے خود سب سے بڑی چیز ہے اس کے بارے میں حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے نیک اور صالح بندوں کو وہ چیز دیتا ہوں جسے نہ (عام) آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ (عام) کان سن سکتے ہیں اور نہ جس کا خیال کسی انسان کے دل میں گزر سکتا ہے[1]

چند اور اشعار یوں تو حضرت رابعہ عدویہ کے بہت سے اشعار حبّ الٰہی سے متعلق پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن یہ موقعہ زیادہ تفصیل کا نہیں ہے، ذیل میں چند اشعار پیش کر کے ہم یہ سلسلہ ختم کرتے ہیں۔

نفس کو مخاطب کرتی ہوئی حضرت رابعہ فرماتی ہیں۔
"اے نفس!
تو اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے،
حالانکہ تو اس کی نافرمانی بھی کرتا رہتا ہے۔
اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب اور نادر بات ہو سکتی ہے۔
اگر تیری محبّت صادق ہے،
تو اپنے رب کی اطاعت کر۔
کیونکہ،
محبّت کرنے والا،
جس سے محبّت کرتا ہے۔

---

[1] احیاء علوم الدین، الغزالی۔

Marfat.com

اس کی اطاعت بھی ضرور کرتا ہے!"

حضرت رابعہ کی مناجات

اس مناجات میں حضرت رابعہ اپنے رب سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں:۔

"اے میرے معبود!

اگر میں تیری عبادت جہنم کے ڈر سے کرتی ہوں، تو تو مجھے نارِ جہنم کا لقمہ بنا دے، اگر میں تیری عبادت جنت کے لالچ میں کرتی ہوں، تو تو مجھے اس سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دے اور اگر میں صرف تجھ سے تیری ذات سے، تیرے لیے محبت کرتی ہوں، تو اے میرے مولا!

مجھے اپنے جمال ازلی سے محروم نہ کیجیو!"

Marfat.com

شہاب الدین سہروردیؒ

مقتول راہِ زھد وتصوّف

حضرت شہاب الدین ابوالفتوح السہروردی، المعروف بہ "شیخ مقتول" سہرورد میں پیدا ہوئے، یہ عراق عجم میں زنجان کا ایک مقام ہے۔ آپ کی ولادت ۵۴۹ھ میں ہوئی۔ امام مجدالدین الجیلی کے سامنے آپ نے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ اور ان سے حکمت، اور اصولِ فقہ کا درس حاصل کیا۔ حلب کے متعدد فقہا سے آپ کے زبردست مناظرے بھی ہوئے۔ یہ مناظرے مختلف نزاعی مسائل پر ہوئے۔ ان مناظروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقہا آپ کے مخالف اور دشمن ہو گئے۔ آپ پر طنز و طعن کرنے لگے۔ الحاد و زندقہ کا الزام آپ پر عاید کیا جانے لگا۔

سلطان صلاح الدین

یہاں تک کہ آپ کی شکایت سلطان صلاح الدین ایوبی کے گوش گزار کی گئی۔ اس نے اپنے بیٹے الظاہر سلطان حلب کو لکھا کہ حضرت سہروردی کو قتل کر دیا جائے۔ اس نے باپ کے حکم کی تعمیل کی ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کے قتل کا حکم خود سلطان الظاہر نے دیا تھا۔ ۵۸۷ھ میں آپ قتل کیے گئے۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ سہروردی کو جب معلوم ہوا کہ فقہائے حلب ان کے قتل کا فتویٰ دے چکے ہیں۔ تو آپ نے الظاہر سے استدعا کی ایک مکان میں آپ کو قید کر دیا جائے۔

وہاں آپ کھانے پینے سے بالکل ہاتھ اٹھالیں یہاں تک کہ وفات پا جائیں۔ چنانچہ الظاہر نے ایسا ہی کیا۔[1] لیکن ان دونوں واقعات میں صحیح اور قرین صواب واقعہ پہلا ہے۔ یعنی صلاح الدین تک آپ کی شکایت پہنچی۔ حلب کے فقہا نے آپ کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا اور صلاح الدین کے بیٹے الظاہر، سلطان حلب کے حکم سے آپ قتل کیے گئے۔

سہروردی کو حکمتِ قدیمہ سے بہت شغف تھا۔ چنانچہ وہ اس کے حقائق تک پہنچے اور اس کے دقائق انھوں نے حاصل کیے۔ فارس اور یونان کے حکما کے اقوال کا خاص طور پر مطالعہ کیا۔ خود بھی اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں اور رسائل تحریر کیے۔ ان تصنیفات میں حقائق عقلیہ پر آپ نے روشنی ڈالی۔ تعالیم صوفیا سے آپ نے بحث کی اور انھیں ایک خاص رنگ میں پیش کیا۔ اذواق روحیہ کی کیفیتیں بیان کیں۔

رمز واشارہ

اپنی ان تصنیفات میں سہروردی نے شرح وضاحت کے بجائے رمز واشارہ پر اکتفا کیا۔ آپ نے ایسی وجدانی زبان استعمال کی جس میں آپ کی تعلیم کے معانی پوشیدہ تھے۔ چنانچہ معاصرین میں سے بعض نے آپ کے عقیدہ اور ایمان پر جرح کی اور شک وشبہ کا اظہار کیا۔ چنانچہ آپ کے فقہائے حلب کو اپنے قتل کی خود ترغیب دی۔

---

[1] معجم الادبا۔

Marfat.com

ابن خلکان کی روایت ہے کہ آپ حلب میں جب علم میں مشغول تھے، تو آپ کے بارے میں لوگوں کی دو رائیں پائی جاتی تھیں، ایک گروہ آپ سے بدظنی رکھتا تھا، دوسرا گروہ آپ سے عقیدت رکھتا تھا، اور آپ کو اہلِ کرامات میں سے سمجھتا تھا۔

سہروردی کی شخصیت

اسلام کی حیاتِ روحیہ کی تاریخ میں سہروردی کی شخصیت بہت زیادہ اہمیت اور عظمت رکھتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ آپ بہت بڑے صوفی تھے اور صوفیائے اولین کے نقش قدم پر چلتے تھے، اس لیے بھی نہیں کہ آپ بڑے فلسفی تھے اور معاملات و مسائل پر خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے غور و فکر کے عادی تھے، بلکہ اس لیے کہ آپ کا مذہب و مسلک حکمت اشراق پر مبنی تھا اور یہ وہ مذہب ہے جو تصوف اور فلسفہ کے مابین ایک خلیج کی طرح حائل تھا۔ چنانچہ خود سہروردی اس سلسلہ میں اپنے کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

سب سے پہلے میں کسی بات پر حجت اور دلیل کو دیکھتا ہوں۔ اگر میں حجت سے قطع نظر کر لوں، تو پھر کوئی مشکک بھی مجھے شک میں ڈال سکتا[1]

آثار منظومہ و منثورہ

سہروردی کے بہت سے آثار، نظم اور نثر کی شکل میں موجود ہیں۔ جو ان کی ثقافت فلسفیہ، ذوق معقول حکمتِ مشرقیہ پر دلالت کرتے ہیں۔

ان کے آثار ہیں:

۱۔ حکمت الاشراق

۲۔ ہیاکل النور

۳۔ غربت الغربیہ، کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

حکمت الاشراق

جن کتابوں نے مسلمانوں کی تاریخ فکر و روح پر گہرا اثر ڈالا ہے ان میں "حکمت الاشراق" کا بہت بڑا حصہ ہے۔ کتاب دو قسموں میں منقسم ہے۔

پہلی قسم میں منطق اور استدلال سے مسائل و معاملات پر بحث و گفتگو کی گئی ہے۔

دوسری قسم میں انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کی روشنی میں معاملات و مسائل کا ذکر ہے۔

قسم ثانی پانچ مقالات پر مشتمل ہے:-

۱۔ مقالہ اوّل:-

اس میں نور اور حقیقت پر بحث کی گئی ہے

۲۔ مقالہ دوم:-

---

[1] حکمۃ الاشراق۔

Marfat.com

اس میں ترتیب وجود پر گفتگو کی گئی ہے۔

۳۔ مقالہ سوم:

اس میں نور الانوار اور انوار قاہرہ کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔

۴۔ مقالہ چہارم:-

تقسیم برازخ، اور ان کی ہیئت و ترکیب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۵۔ مقالہ پنجم:-

نبوات، منامات اور معاد، یعنی اس مقالہ میں مسئلہ نبوت، مسئلہ خواب اور مسئلہ حشر پر گفتگو کی گئی ہے۔

ان مقالات خمسہ میں سہروردی نے رموز و اشارات کی زبان میں گفتگو کی ہے۔

چنانچہ جب وہ نور و ظلمت کا ذکر کرتے ہیں، تو نور سے ان کی مراد ہوتی ہے روح، اور ظلمت سے مراد ہوتا ہے، مادّہ۔ اسی طرح جب نور کا لفظ آتا ہے تو عقل مراد ہوتی ہے۔ عقول الافلاک سے وہ انوار قاہرہ مراد لیتے ہیں، انوار مجردہ سے ان کا مطلب ہوتا ہے نفوس انسانیہ، نور الانوار وہ خدا کو کہتے ہیں۔ جوہر سے مراد جسم، غاسق سے تاریکی، عالم برزخ ان کی اصطلاح میں عالم اجسام ہے۔

سہروردی کا مذہب

اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ سہروردی کا مذہب و مسلک کیا تھا؟ اور حکمت اشراق سے وہ کیا مراد لیتے تھے۔

ذات الٰہی کے صفات و افعال کی لذت اور معرفت اور حکمت علم کلام، فلسفہ اور تصوف میں مشترک ہے اور یہ لذت دو طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔

پہلا طریقہ، فلسفہ اور استدلال عقلی کا ہے۔

دوسرا طریقہ، ذوق روحی اور وجد صوفی کا ہے۔

جو لوگ پہلے طریقہ پر عامل ہیں وہ اسلام کی تعلیمات کو دلیل عقلی سے ثابت کرتے اور مانتے ہیں۔ یہی حضرات متکلمین کہلاتے ہیں اور جو لوگ صرف نظر عقلی کو کافی سمجھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حکمائے مشائین کہلاتے ہیں۔

لیکن جو لوگ دوسرے طریقے پر عامل ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات کو مانتے ہیں۔ اس کے نصوص اور احکام کی حسب موقع تاویل کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو صوفیا تے ہیں۔

اسی گروہ میں جو لوگ اس راستے سے ذرا ہٹ کر چلتے ہیں، یعنی ذوق اور وجدان کو مقدم رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جو حکمائے اشراقی کہتے ہیں۔

اس تعریف کی روشنی میں حکمت اشراق ایک روحانی فلسفہ ہے اس مذہب کا قوام ذوق اور وجدان ہے، یہی سہروردی کا مسلک ہے۔

Marfat.com

حکمت کے مراتب

سہروردی کے نزدیک حکما کے چند مراتب ہیں:

(۱) حکیم الٰہی :-

یہ لوگ الٰہیت میں بہت زیادہ غلو رکھتے ہیں۔ صوفیا میں ان لوگوں کی مثال ابویزید بسطامی، سہل بن عبداللہ التستری اور حسین بن منصور حلاج وغیرہ اصحاب الٰہیت ہیں۔

(۲) حکمائے مشائین :-

یہ لوگ الٰہیت میں شغف نہیں رکھتے۔ یہ لوگ ارسطو کے متبعین میں ہیں، مثلاً فارابی اور ابن سینا وغیرہ۔

شیرازی کا قول ہے، وہ حکیم الٰہی جو الٰہیت سے بحث کرتا ہو اور اس مسئلہ میں اپنا ایک خاص مسلک رکھتا ہو، سہروردی خود ہیں اس میدان میں ان سے بڑا کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔

حکیم الٰہی کی دو قسمیں ہیں:-

ایک تو وہ جو بحث و گفتگو میں اس مسئلہ کو غلو کی نظر سے دیکھتا ہے اور اپنے مسلک میں صد درجہ متوغل ہوتا ہے۔

اور دوسرا وہ جو بحث و گفتگو میں اعتدال و توسط کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔

جو حکیم الٰہی تالہ اور بحث میں غلو رکھتا ہے، وہی ان تمام حکما میں کمال و شرف کی بنیاد پر ممتاز ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا علم ذوقی اور عقلی ہوتا ہے، اس حکیم صفات الٰہیہ کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ سہروردی اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"ایسا حکیم امام متالہ ہوتا ہے، وہ ظاہر بھی ہوتا ہے اور مخفی بھی ہوتا ہے اس کو عرف عام میں قطب کہتے ہیں اور یہی مملکت کا صحیح معنی میں تاجدار ہوتا ہے"۔ [۱]

طلاب حکمت

حکما کی طرح طلاب حکمت کی بھی متعدد قسمیں ہیں اور ان کے بھی کئی مراتب ہیں۔

ایک طالب تو وہ ہوتا ہے جو الٰہیت اور بحث و گفتگو سے شغف رکھتا ہے۔ دوسرا وہ جو صرف الٰہیت سے سروکار رکھتا ہے اور تیسرا وہ جسے صرف بحث سے شغف ہوتا ہے۔ سہروردی کے نزدیک سب سے بہتر طالب وہ ہے، جو الٰہیت اور بحث و گفتگو دونوں سے شغف اور انہماک رکھتا ہو، جس طرح حکما میں سب سے بڑا حکیم الٰہی وہ ہے جو تالہ اور بحث میں غیر معمولی شغف رکھتا ہو۔

سہروردی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب حکمۃ الاشراق صرف اسی طالب کے لیے لکھی ہے، جو تالہ اور بحث سے شغف اور انہماک رکھتا ہو۔ لیکن وہ طالب جو بحث سے سروکار رکھتا ہو اور الٰہیت سے شغف نہ رکھتا ہو، یا وہ جو الٰہیت سے سروکار رکھتا ہو، بحث سے بھاگتا ہو۔ اسے اس کتاب سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] حکمت الاشراق۔

Marfat.com

فلسفۂ خالصہ اور حکمت اشراق

ان الفاظ میں گویا سہروردی نے وہ فرق نمایاں کر دیا۔ جو فلسفۂ خالصہ در حکمت اشراق کے مابین موجود ہے۔ گویا سہروردی کے نزدیک ان کی کتاب حکمت اسراق سے مستفید ہونے کی کم سے کم شرط یہ ہے کہ تجلی الہی کا ورود اس پر ہو چکا ہو۔ لیکن جو اس سے محروم ہو اور صرف بحث و گفتگو میں سر کھپانا چاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ طریقہ مشائین سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

دوسرے الفاظ میں اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ فلسفۂ خالصہ کی بنیاد صرف بحث و نظر پر ہے اور اس کے بالکل برعکس حکمت اشراقیہ کی بنیاد سوانح نوریہ پر ہے جس کے بنیادی عناصر میں ذوق اور مشاہدۂ روحانیت، خلوت اور سیر منازل شامل ہیں۔

اس مطلب کو اگر اور زیادہ واضح الفاظ میں ادا کرنا چاہیں، تو یوں کہیں گے کہ حکمت اشراق نہ تو خالص تصوف ہے، نہ صرف فلسفہ، بلکہ ان دونوں کی ایک درمیانی چیز ہے۔

Marfat.com

امام غزالیؒ

تاریخِ تصوّف کا مردِ مجاہد

پانچویں صدی ہجری میں ارتقاءِ عروج اور ترتیب ذوق کا ایک نیا منہاج وطریق برسرِکار آیا، جسے معرفتِ الٰہی کا ذریعہ بنایا گیا اور تحقیق سعادت کے لیے ممد ومعاون سمجھا گیا۔

یہاں سے تصوّف کو دو مورچوں پر جنگ کرنی پڑی، پہلا مورچہ تو فقہا کا تھا، اور اب دوسرا مورچہ علم کلام کا بن گیا۔

بہت سی اہم اور نمایاں شخصیتیں، اور بعض نئے مذاہب تصوّف پانچویں صدی ہجری کے اندر عالمِ وجود میں آئے، لیکن ہم ان سے الگ الگ بحث نہیں کر سکتے لیکن ضروری ہے کہ ہم ابوحامد الغزالی (پیدائش ۴۵۰ھ وفات ۵۰۵ھ) کا ان کی شخصیت کا، اور ان کے مسلک کا شرح وتفصیل کے ساتھ ذکر کریں۔ ان کی شخصیت بہت کم عالم رنگ وبو میں نمایاں ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ایسی شخصیت بہت کم عالم رنگ وبو میں نمایاں ہوتی ہیں۔ تو ذرا بھی مبالغہ نہیں کریں گے۔

امام غزالی کی شخصیت جلال وقوت کی شخصیت تھی، ان کا مذہب عمق اور وقت کا مذہب تھا، وہ جس دور میں زندہ رہے اس پر چھا گئے۔ اپنے معاصرین پر ان کی شخصیت کے غلبہ اور اقتدار کا یہ عالم تھا کہ سب ان کے سامنے ماند پڑ گئے۔ ان کے بعد جو اکابر اصحاب اور امتیاز نمایاں ہوئے وہ بھی امام غزالی کے اثر اور نفوذ سے بے تعلق نہیں رہ سکے۔

اختلاف اور مخاصمت کا جہاں تک تعلق ہے، امام غزالی بھی اس سے بچ نہیں سکے۔ بہت سے فقہا اور اصحاب ظواہر، اور ارباب کلام تھے جو ان سے نفرت کرتے تھے۔ ان کا عناد اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے تھے۔ ان کی مخالفت کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے ان پر طنز وتعریض کرتے تھے۔ ان کی تعلیمات پر شکوک وشبہات وارد کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے ان کے تصوّف کو زندقہ قرار دیا اور کتاب کی تعلیمات سے بظاہر بغاوت اور سرکشی سمجھا۔

اور یہ مخاصمت کیوں تھی؟

کچھ اس لیے کہ اس دور کے صوفیا کی تعلیم کا جو لب لباب تھا، وہ یہ تھا کہ تقلید سے آزادی اختیار کی جائے اور مکلّفات شرعیہ سے احتراز کیا جائے اور کچھ اس لیے کہ صوفیا کے بعض مذاہب اور تعلیمات کا شیعوں کے بعض عقاید اور اسماعیلیہ باطنیہ کے بعض عقاید وخیالات سے امتزاج نظر آنے لگا ہے۔

تصوف کا یہ رنگ تھا۔ جب امام غزالی نمودار ہوئے۔

امام غزالی کی دعوت وتلقین کیا تھی؟

Marfat.com

ہے کہ :-
دینِ صحیح کی طرف رجوع کیا جائے، تصوّفِ صحیح کی طرف رغبت دلائی جائے اور لوگوں کو اس حقیقت سے آشنا کیا جائے کہ دین کا دامن پکڑ کر اور تصوّف سے ربط حاصل کر کے، کتاب و سنت کی اقتدا کر کے، اور قلب و روح کا تزکیہ کر کے معرفتِ الٰہی حاصل کی جاسکتی ہے اس کے علاوہ حصولِ معرفت کا جو طریقہ بھی ہے، وہ ناقص اور ناکارہ ہے، امام غزالی کو اپنے اس پیام کی اشاعت اور قبولیت اور ہر دلعزیزی میں جس چیز سے بہت زیادہ مدد ملی، وہ تھی ان کی حرارتِ ایمانی، ان کی بلاغتِ بیان - ان کی جدّتِ اسلوب اور ان کی قوتِ محبت و استدلال۔

غزالی کے حالات امام غزالی نے علم مکمل طور پر حاصل کیا، پھر انہوں نے تصوّف کی تعلیم حاصل کی اور اپنے خاص طریقہ اور مسلک پر سختی کے ساتھ قائم ہوگئے - انھوں نے مذاہب فلاسفہ اور متکلمین کا بھی امعان نظر اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ مطالعہ کیا - علم حاصل کرنے اور علم میں کمال حاصل کرنے کے بعد وہ سلسلۂ نظامیہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے - ساتھ ہی ساتھ وہ روح اور نفس کی تربیت اور تکمیل میں بھی منہمک رہے، دنیا کی زندگی اور اس کے مشاغل سے وہ یکسر بے تعلق ہوگئے خلوت کی زندگی اختیار کر لی - اور عبادت و ریاضت میں اپنا سارا وقت صرف کرنے لگے - اس زندگی کی تکمیل کے بعد ان کے درس و تلقین میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی اور ان کی باتیں روحِ تصوّف سے مملو ہوگئیں -

یہاں سے غزالی کی زندگی کا دور شروع ہوتا ہے جب وہ مذاہب کلامیہ اور فلسفہ سے قطعاً الگ اور مجتنب ہوگئے تھے اور تصوّف ہی کو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا - ان کے تصوّف میں علم کی آمیزش بھی تھی اور تحقیق و عمل کی بھی، اور ساتھ ہی ساتھ ان کی مہارتِ فائقہ فطرتِ صافیہ، طبیعتِ صادقہ اور بصیرتِ مشرقہ بھی اپنی تمام خوبیوں اور سحر آفرینیوں کے ساتھ کارفرما تھی - امام غزالی نے ایک کام یہ بھی کیا کہ صوفیا کی تعلیمات اور اذواق کے بڑے حصّہ کو اہلِ سنت کے مسلک توحید کا جزو بنا دیا - انھوں نے علمِ توحید اور اذواق و تعالیم تصوّف کے درمیان ربط اور اتحاد کی صورت پیدا کی -

غزالی کا کارنامہ لیکن امام غزالی کے بارے میں اب تک جو کچھ کہا گیا، صرف وہی ان کے خصائص نہیں ہیں، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ حیات روحیہ کے ارتقا کی اس منزل پر آکر رک نہیں گئے بلکہ ان کا سفر جاری رہا - انھوں نے ایک طرف تو تصوف کے طریقہ عبادت و خلوت اور تقرب من اللہ کے اصول و ضابطہ کو فروغ دیا اور اسی کام بخشا احکام ریاضت اور مجاہدہ کی طرف پورے طور پر توجہ کی اور دوسری طرف انھوں نے ان تمام چیزوں کو اپنایا اور ان پر عمل کیا، اپنے نفس کو ان کے لیے وقف کر دیا اور دوسروں کو اسی راستہ کی طرف چلنے کی دعوت دی -

لیکن ان چیزوں پر بالا ان کی یہ بات تھی کہ انھوں نے تصوّف اور عمل کو ہم آہنگ اور یک رنگ بنایا، اور اسے معرفت یقینیہ کا ایک خاص ذریعہ بنا دیا اور سعادت و حقیقت کا ایک ایسا راستہ بنا دیا، جس پر رہ روی بہت زیادہ آسان اور سہل ہوگئی، انہی کی شخصیت نے اہلِ سنت کے گروہ کو تصوف کی طرف مائل کیا، ان کی غلط فہمیاں دور کیں اور شک و شبہ کی جو وسیع خلیج فقہ و تصوف کے مابین پیدا ہوگئی تھی، اسے پاٹنے اور دور کرنے کی کامیاب کوشش کی - انہی کی ذاتِ گرامی کے باعث پانچویں اور

Marfat.com

چھٹی صدی ہجری میں تصوّف کو وہ مرتبہ حاصل ہُوا جو اس سے پہلے علمی اور عملی اور یقینی طور پر نہیں حاصل ہوا تھا، غرض ہر جہت سے ان کی شخصیت علم اور تصوف دونوں پر اثر انداز ہوئی اور ان کا بتایا ہُوا راستہ مرکز صاحب نظراں بن گیا۔

علم کلام، فلسفہ، تصوّف اور غزالی

امام غزالی کے عہد کے متکلمین کا دارومدار زیادہ تر کتب فلاسفہ پر تھا، اور انہی فلسفیوں کی دلیلوں سے وہ اپنے مذہب کی تائید اور توثیق کا سامان فراہم کرتے تھے۔ انہی دلائل سے وہ مخالف کے مذہب کو رد کرتے اور مخالفت کرتے تھے۔ اس سے انھیں کوئی بحث نہیں تھی کہ مخالف متکلمین میں سے ہے یا فلاسفہ میں سے؟

امام غزالی نے دیکھا متکلمین، فلسفہ پر طعن کرتے ہیں اور فلاسفہ کے دلائل اور استدلال کا رد کرتے ہیں اور اپنے مذاہب اور مسالک کی تائید و توثیق میں منہمک رہتے ہیں۔ امام غزالی نے محسوس کیا، یہ سب طریقے اور اصول ناقص ہیں، انھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان متکلمین کی ساری کائنات یہ ہے کہ یہ خود بھی فلسفہ کی بھول بھلیاں میں گھومتے رہتے ہیں، اور اس حد سے آگے بڑھنے کی کسی طرح جرأت نہیں کر پاتے۔ تجزیہ مذاہب کا ان کا جو طریقہ تھا وہ بھی اسی ڈھنگ کا تھا، چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں:۔

"جو لوگ متکلمین میں سے فلاسفہ کا رد کرتے ہیں، اور اس کام کو انھوں نے اپنا شغل بنا رکھا ہے، وہ اپنے علوم کے منتہا تک نہیں پہنچے ہیں، یا اس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ کتب متکلمین میں جو کلمات پائے جاتے ہیں وہ خود ظاہری طور پر اور واضح طور پر متناقص ہیں۔ کوئی عامی بھی اگر تھوڑی بہت فہم و ادراک کا حامل ہے تو وہ ان خامیوں اور کوتاہیوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے"[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام غزالی نے علم کلام کا خاص طور پر مطالعہ کیا تھا، اور کتب محققین پر گہری نظر ڈالی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور مختلف فیہا اور نزاعی معاملات و مسائل پر نہایت شرح و بسط اور قابلیت و مہارت کے ساتھ اظہار خیال کیا۔

امام غزالی اور فلسفہ

جب امام غزالی، درس علم کلام سے اچھی طرح فارغ ہوئے اور مذاہب متکلمین کا بالاستیعاب مطالعہ کر لیا اور کلامیوں کے تمام اختلافی و نزاعی مسائل پر ایک گہری نظر ڈال لی اور تحقیق و تدقیق کے تمام مراحل اس سلسلہ میں طے کر لیے۔ تب انھوں نے فلسفہ پر توجہ کی اور اس علم کو بھی تحقیق کی پوری شان کے ساتھ حاصل کیا اور اس فن میں بھی مہارت کی چوٹی پر پہنچ گئے۔

امام غزالی نے دراستہ فلسفہ سے فراغت کے بعد یہ محسوس کیا کہ کشف حقیقت کا یہ بھی کوئی اچھا ذریعہ نہیں ہے۔

---

[1] المنقذ من الضلال۔

Marfat.com

اس مقصد میں یہ خاص طور پر معین و مددگار ہوسکتا ہے۔ فلسفہ معرفت الٰہی کا بھی کوئی معقول وسیلہ اور سبیل نہیں ہے [1]

امام غزالی صرف یہی نہیں کرتے کہ وہ فلسفہ پر نقد کرتے ہوں، یا بذاہب فلسفہ کی ترجیح کرتے ہوں، لیکن اس تجریح اور نقد کے ماسوا ان کی ایک اور اہم اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عقل کے عجز کو بھی اپنی پوری شان و تبحر کے ساتھ ثابت کرتے ہیں جس کو فلاسفہ نے آخری حجّت قرار دے رکھا ہے۔ اپنے دلائل و براہین سے انھوں نے ثابت کر دیا ہے کہ فلسفہ فلسفیانہ دلائل عقل اور عقلی استدلال، نہ انکشافِ حقیقت میں معین ہو سکتے ہیں نہ کشفِ حق میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں عقل عاجز آجاتی ہے، فلسفہ سپر ڈال دیتا ہے، اور استدلال ہار مان لیتا ہے۔ بالخصوص وہ مقامات، وہ مسالک، جو قلب روح سے تعلق رکھتے ہیں، وہ تو عقل سے بالکل ماورا ہوتے ہیں۔ ہاں وجدان سے جو کام چلتا ہے، وہ عقل سے نہیں چلتا، بات یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور ہر چیز اپنا خاص دائرہ رکھتی ہے۔ ایک مخصوص حد عقل کی ہے، ایک مخصوص دائرہ عقل کا ہے۔ اس طرح وجدان کی بھی ایک خاص حد ہے اور اس کا بھی ایک مخصوص دائرہ ہے یہ دونوں حدّیں اور دائرے بالکل الگ الگ ہیں۔ ایک، دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

ایک دُوسرا مسلک

امام غزالی نے جس جس مسلک کو پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ شک کی تاریکی کو یقین کے نور سے بدلنا عقل کی منزل سے ماورا ہے، یہاں وہی طریقہ کارگر ہوتا ہے، جو صوفیا کا ہے۔ صوفیا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سرتاسر قلب پر اعتماد کرتے ہیں اور قلب ہی کے ذریعہ حقائق الٰہیہ کا ادراک کرتے ہیں۔ اسی ذوق سے کشفِ حقیقت کرتے ہیں۔ ان کا اصل الاصول یہ ہے کہ وہ نفس کو طاعت اور اخلاص کا خوگر اور پابند بنا لیتے ہیں اور اسے شوائبِ حس سے پاک صاف کر لیتے ہیں اور یہ کام صرف ریاضات اور مجاہدہ سے ہی تکمیل کو پہنچتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ غزالی اس کے منکر ہیں کہ معرفت حقیقت میں عقل کارگر ہوسکتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ قدرت کہ وہ حقیقت کو معرفت بنا دے، صرف قلب کو ہے، قلب ہی کو یہ قوت حاصل ہے کہ وہ شک اور ارتیاب کو دور کر دے اور نورِ حق کو اس طرح منکشف کر دے کہ پھر کسی قسم کے زیغ اور ضلال کا امکان ہی رہ جائے۔ گویا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ عقل حق اور حقیقت کے ادراک سے قاصر ہے، عاجز ہے۔ وہ اس لذت سے آشنا ہی نہیں ہوسکتی۔ وہ اس لطف کو محسوس ہی نہیں کرسکتی۔ سو وہ ایک بالکل الگ اور جدا چیز ہے۔ ادراک حقیقت کام ہے صرف قلب اور روح کا اور یہ وہ منزل ہے جہاں عقل کا گذر نہیں، بلکہ اس کے پر جلتے ہیں۔

غزالی اور تصنیف علوم

امام غزالی نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان کتابوں میں انھوں نے مختلف علوم پر سیر حاصل بحثیں کیں اور اصناف طالبین پر بھی بحث کی اور اپنے مخصوص نظریہ اور تصور کو

---

[1] نفس المرجع۔

Marfat.com

بھی پیش کیا۔ جو ان کے نزدیک معرفت الٰہی کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

امام غزالی دو قسم کے علوم کے قائل تھے۔

۱۔ ایک علم تو وہ ہے، جو علوم استدلالیہ اور کسبیہ کے ذیل میں آتا ہے۔

۲۔ اور دوسرا وہ ہے جو علوم الہامیہ اور وہبیہ کے ذیل میں آتا ہے۔

اس جگہ ہم غزالی کی کتاب "المنقذ من الضلال" کا ذکر زیادہ تفصیل سے کرنا نہیں چاہتے۔ یہ وہ کتاب ہے، جس میں مؤلف نے حیات روحیہ اسلامیہ کی بڑی اچھی اور مکمل تصویر کھینچی ہے اور اس ذہنی کش مکش کی بڑی دلآویز تعبیر کی ہے جو لکھنے والے کے دل میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتی رہتی تھی۔

امام غزالی کے نزدیک طلاب اور علوم کی صرف چار قسمیں ہیں:۔

(۱) متکلمین یعنی ارباب علم کلام۔

(۲) فلاسفہ، یعنی اصحاب عقل و استدلال۔

(۳) باطنیہ، یعنی شیعہ۔

(۴) صوفیا، یعنی صاحبانِ قلب روح۔

متکلمین و فلاسفہ

اب متکلمین کو لیجئے:

ان کے علم کی غایت فقط عقیدہ ہے۔ کہ اہل بدعت کی تشویش سے اپنے عقیدہ کی حفاظت کر سکیں۔ لیکن غزالی کے نزدیک ان کا طرز استدلال بودا، دلیلیں کمزور اور طریق بحث غلط ہے، ان کی فکر و نظر میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اُن کے عقیدہ کے استحکام اور خصم کے رد میں کوئی خاص کامیابی حاصل کر سکے۔

فلسفہ کے بارے میں امام غزالی کا خیال ہے کہ اس میں کافی خوبیاں اور اچھائیاں بھی ہیں۔ لیکن اس سے صحیح معنی میں عقل جلا نہیں حاصل کرتی، فلسفہ کی دو خاص قسمیں ہیں:۔

(۱) طبیعات

(۲) ریاضیات

مسلک الٰہیات

لیکن طبیعات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو دین سے ٹکرا سکے، یا اس سے معارض ہو، الٰہیات میں ارسطو کا جو مذہب ہے، جسے فارابی اور ابن سینا نے نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ اسلام کی مخالفت میں جاتا ہے۔ مثلاً:۔

"دہریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ صانع حقیقی اور خالق ارض و سما کوئی خاص ہستی نہیں ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے، یہ عالم ہمیشہ سے یونہی موجود ہے۔ اس کے برعکس طبیعات کے ماہرین کہتے ہیں کہ دنیا میں رنگارنگی، تخلیق کی یہ جدتیں اور

Marfat.com

کارفرمائیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک قادر و توانا اور حکیم ہستی موجود ہے کہ بغیر اس کے اس حکمت اور دانش کے ساتھ نہ اس دنیا کا نظام یوں کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے اور نہ یہ تخلیقات کا مکمل سلسلہ جاری رہ سکتا ہے ۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ جب نفس ایک مرتبہ مر جاتا ہے، تو پھر وہ کسی دوسری زندگی سے آشنا نہیں ہوتا۔ گویا دوسرے الفاظ میں یہ لوگ آخرت اور ثواب اور عقاب کے منکر ہیں۔

اور الہیات کا نظریہ تسلیم کرنے والے لوگ، قدم عالم کے قائل ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم صرف کلیات تک محدود ہے، جزئیات کے علم سے اسے کوئی سروکار نہیں، نہ اس علم پر اس کا احاطہ ہے، جسم پر اس کا احاطہ ہے، جسم انسانی پھر نہیں اٹھایا جا سکتا، اور روح انسانی پر موت نہیں طاری ہوتی۔"

فلاسفہ کے یہ مختلف نظریئے ہیں اور غزالی کی رائے ہیں یہ سب کفر صریح کے ذیل میں آتے ہیں، ورنہ کم از کم زندقہ تو ضرور ہیں۔

باطنیہ اور صوفیہ

باطنیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اصحاب تعلیم مخصوص ہیں۔ وہ امام معصوم سے مقتبس ہوتے ہیں اور وہی ان کا معلم ہوتا ہے لیکن غزالی اس طریقہ کو بھی صحیح اور درست نہیں مانتے، اور اس میں متعدد غلطیاں اور کوتاہیاں محسوس کرتے ہیں چنانچہ اس عقیدہ کی رد میں انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں مثلاً :۔

(۱) المستظهری۔

(۲) القسطاس المستقیم۔

(۳) حجۃ الحق۔

چونکہ امام غزالی نے اس مسلک اور عقیدہ کی رد میں مستقل طور پر کئی کتابیں لکھی تھیں، اس لیے انھوں نے اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں اس فرقہ کے عقائد و خیالات، نظریات اور تصورات سے کوئی بحث نہیں کی ہے۔

اب صرف صوفیوں کا طبقہ رہ جاتا ہے۔

امام غزالی، مذکورہ ہر چہار فرقوں میں سب سے زیادہ جس فرقہ کی طرف دل و جان سے مائل ہیں وہ یہی صوفیوں کا گروہ ہے ۔ اس مسلک کی وہ بہت زیادہ عزت کرتے ہیں، حصول معرفت کا اسی کو سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے قلب میں عقیدہ کی تمکین کا اس سے بہتر اور کامیاب طریقہ ہے، علم لدنی صرف اسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

جامع علوم

صوفیا کے مسلک سے امام غزالی کو اس درجہ شغف یوں ہے کہ وہ باری باری سے قریباً تمام مذاہب بالا کا امعان نظر سے مطالعہ کر چکے تھے ۔ انھوں نے متکلمین، باطنیہ اور فلاسفہ، سب کے علوم حاصل کیے۔ سب میں درک حاصل کیا۔ جیسے جیسے ان کی نظر میں نمایاں ہوتی گئیں، ان کا عجز اور کفر ان کے نزدیک درجہ تحقیق تک پہنچتا گیا، تب جا کے وہ تصوّف کی طرف مائل ہوئے اور یہاں ان کے دل کی کلی کھل گئی اور وہ چیز حاصل ہو گئی، جواب تک انھیں کہیں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے محسوس کر لیا کہ یہی وہ مسلک ہے جو علم و عمل کا جامع ہے ۔ یہاں علم بھی کامل ہے اور عمل بھی مکمل، اس مسلک کے ذریعہ اخلاق منزہ ہوتے ہیں اور صفات

Marfat.com

خبیثہ سے نجات ملتی ہے۔ یہاں تک کہ دل غیر اللہ سے خالی ہو جاتا ہے اور ذکر اللہ کا شغل اختیار کر لیتا ہے[1]

امام غزالی نے اس موضوع پر وقت کی بہت سی مستند اور بلند پایہ کتابوں کا بھی مطالعہ کیا مثلاً ابو طالب مکی کی "قوت القلوب"، حارث محاسبی کی کتابیں، جنید، شبلی اور ابو یزید بسطامی کے اقوال ماثورہ اور ان سب کے مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان حضرات کے نزدیک طریق علم اور تعلیم میں کافی فرق ہے اور یہ فرق ذوق، حال، صفات سب میں پایا جاتا ہے[2]

امام غزالی اس نتیجہ پر بھی پہنچے کہ سعادت آخرت صرف تقویٰ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اور پھر نفس کو خواہشات اور تمناؤں سے خالی کر کے یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام باتوں کا اصل مقصد جو کچھ ہے، وہ یہ کہ دنیا سے قلب کا رشتہ قطع کر لیا جائے اور خدا سے جوڑ لیا جائے[3]

صوفیا کی سیرت

اوپر جو باتیں منقول ہوئیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ غزالی کے نزدیک صوفیا کی سیرت، بہترین سیرت ہے اور جس کے اسوہ پر چل کر روح اور قلب کو زیادہ سے زیادہ ارتقا سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے اور صوفیا کا بتایا ہوا طریقہ ہی بہترین اور افضل ترین طریقہ ہے۔ جو حصولِ مقصد، یعنی تزکیۂ قلب و روح کا بہترین وسیلہ ہے اور صوفیا کے اخلاق ہی سب سے برتر اور اعلیٰ وارفع اخلاق ہیں، جن کی روشنی میں زندگی کا قافلہ گرم سیر ہو سکتا ہے بغرض صوفیا کے جمیع حرکات و سکنات ان کا ظاہر و باطن، ان کی صورت و سیرت ان کے اخلاق و عادات، ان کے اوضاع و اطوار، ان کے اقوال و اعمال، یہ سب کے سب مشکوٰۃ نبوت کے نور سے روشنی اور فیض پا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کوئی اور نور ایسا نہیں ہے جس سے وہ مستفید ہو سکیں۔

معرفت، غزالی کے نزدیک

امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں معرفت کی جو تعریف کی ہے وہ یہ ہے کہ

"تمام موجودات میں ربوبیت محیط کا حصور اس لیے کہ ہر وجود میں اللہ تعالیٰ خود ہی جلوہ فگن ہوتا ہے اور یہ کون جو کچھ بھی ہے، وہ تمام تر خدائے بزرگ و برتر کے افعال کا ظہور ہے۔ قلب کے اوپر جو تجلی منکشف ہوتی ہے، وہی ذات اللہ سبحانہٗ کی حقیقی معرفت ہے۔"

غزالی کے نزدیک افراد انسانی سب کے سب اس کے مستحق نہیں ہوتے کہ "علم" حاصل کریں۔ نہ ہر شخص اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس راستے پر چلے، جو تحصیل علم کے طریقے میں داخل ہے۔ لہذا ایک عام انسان صرف اس کا سزاوار ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر اکتفا کرے وہ اس کا مجاز نہیں ہے کہ نصوص قرآنی کو فلسفہ اور عقل کی کسوٹی پر کسنے کی کوشش، کیونکہ امور دین میں نظر عقلی ایسی چیز ہے جس سے عامی لوگ بہرہ ور نہیں ہو سکتے، عامی کا کام یہ ہے کہ تمسک بالکتاب والسنتہ یعنی قرآن و حدیث کی پیروی بغیر کسی تاویل کے کرے کیونکہ ایک عامی اگر تاویل سے کام لے تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک شخص بحر بے کراں میں تیرنے لگے۔ حالانکہ وہ پیراکی فن سے بالکل ناآشنا ہو۔ ایسا شخص اگر پیراکی کا مظاہرہ کرے گا، تو ظاہر ہے کہ وہ ساحلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ زیادہ امکان اس کے غرق

---

[1] المنقذ من الضلال [2]، [3] نفس المرجع۔

ہی ہونے کا ہے۔

مراتب یقین عامی انسان کے بعد جس انسان کا نمبر آتا ہے، وہ، وہ ہے جو تعلم اور استدلال کا خوگر ہے، لیکن جس کا دل شک اور ارتیاب کے بادلوں میں گھرا ہوا ہے۔ ظاہر ہے یہ بھی صحیح طور پر منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

آخر میں اس انسان کی باری آتی ہے، جو نصوص کے ظاہر پر اکتفا نہیں کرتا اور جس کی نظر عقلی استدلال منطقی کو بھی آخری چیز نہیں سمجھتی وہ ان دونوں حدوں کو توڑ کر آگے بڑھتا ہے اور اس علم تک پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو شک و شبہ سے نکال دیتا ہے وہ حق کا مشاہدہ نور یقین کے ساتھ کر لیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں غزالی کے نزدیک ایمان اور یقین کے تین مراتب ہیں اور ان تینوں کو ہم الگ الگ بیان کرتے ہیں:۔

(۱) پہلا مرتبہ ہے، ایمان عوام کا ——— یہ ایمان مجرّد پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر کوئی ثقہ شخص انھیں کسی بات کی خبر دے تو یہ بے چون وچرا اسے مان لیں گے۔ مثلاً ان سے کہا جائے، فلاں شخص گھر میں موجود ہے۔ یہ سنتے ہی اس خبر پر ایمان لے آئیں گے۔

(۲) دوسرا مرتبہ ہے، ایمان عوام کا ——— یہ لوگ ایمان کی منزل تک طریق استنباط سے پہنچتے ہیں۔ مثلاً یہ کسی شخص کو گھر کے اندر سے باتیں کرنے کی آواز سنیں تو یقین کر لیں گے کہ کوئی شخص یقیناً گھر میں موجود ہے۔

(۳) تیسرا درجہ ہے، ایمان عارفین ——— ان کے یقین (ایمان) کی بنیاد ہوتی ہے، مشاہدہ حق پر، جو بالکل بے حجاب ہوتا ہے۔ جو عارف اس مرتبہ پر فائز ہو چکتے ہیں۔ ان کی مثال یہ ہے کہ گویا یہ خود گھر میں داخل ہوئے، وہاں ایک آدمی کو دیکھا اور جب اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا، تب یقین کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے احباب ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ ان کی بصیرت کے سامنے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ بندہ رب کا بے حجاب جلوہ دیکھنے لگتا ہے۔ اور اس کی ذات کا کامل احاطہ کر لیتا ہے یہ ان حقائق یقینیہ تک پہنچ جاتا ہے، جہاں تک کہ شک اور ریب کا گزر نہیں ہونے پاتا۔ شک کی مجال نہیں کہ پیش و پس سے حملہ آور ہو سکے۔

معرفت یقینیہ خلاصۂ کلام یہ کہ غزالی کے نزدیک معرفت یقینیہ، معرفت عوام نہیں ہے، نہ متکلمین اور فلاسفہ کی معرفت اصل معرفت صوفیا کی ہے جو ذوق روحی اور کشف الٰہی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن یہ معرفت صرف خواص اولیا کا حق ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی واسطہ کے دیدار حق سے مشرف ہوتے ہیں۔ اس کی مثال وہی ہے جو علم نبوت کی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

وَآتَیْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا

اس علم کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ الہام ہے یا وجدان ہے، بندہ نہیں جانتا کہ یہ کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ یہ جانتا ہے کہ یہ کہاں سے آتا ہے؟ نبی کے بارے میں تو یہ معلوم ہوتا کہ اس پر وحی فرشتہ کے ذریعہ نازل ہوتی ہے، لیکن عبد تک فرشتہ نہیں پہنچتا۔ پھر بھی ایک بات بہر حال یقینی ہے۔

Marfat.com

وہ یہ کہ نبی اور ولی دونوں کا علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، خواہ اس کی نوعیت کسی قسم کی کیوں نہ ہو۔

سعادت کا مفہوم غزالی کے نزدیک

جس طرح معرفت کے بارے میں غزالی ایک خاص نظریہ اور مسلک کے حامل ہیں اسی طرح سعادت کے بارے میں بھی ان کا ایک خاص نظریہ اور مسلک ہے۔ اپنے نظریہ کو انھوں نے تحلیل نفسی اور ترتیب منطقی کی بنیاد پر مرتب کیا ہے۔ ان کے خیال میں سعادت ہی اصل لذت و راحت ہے اور ہر چیز کی مقتضائے طبیعت کے مطابق ہوتی ہے اور ہر چیز کی طبیعت اپنے خلق کے مطابق ہوتی ہے، چنانچہ آنکھ کی لذت اچھی صورت کا مشاہدہ ہے۔ کان کی لذت اچھی آواز کی سماعت ہے۔ اسی طرح تمام اعضاء و جوارح کا حال ہے ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک جداگانہ لذت ہے جسے نفس مدرک محسوس کرتا ہے۔

اب رہا قلب تو معرفت یقینیہ کا وہی سب سے بہتر طریقہ ہے۔ پس اس کی لذت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور اسی معرفت کے لیے قلب کی تخلیق ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں قلب، دوسرے اعضاء و جوارح سے ممتاز ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کی معرفت سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ دوسری ہر چیز کی لذت سے بدرجہا فائق اور اعظم ہے۔ وزیر کی معرفت جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ اس لذت سے کم ہوتی ہے جو بادشاہ کی معرفت میں حاصل ہوتی ہے اور شہنشاہ کی معرفت میں جو لذت حاصل ہوتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ایسی لذت ہے جس کے سامنے دوسری تمام لذتیں ہیچ ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ موجودات میں سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ موجودات میں کوئی چیز بھی اس سے اشرف و برتر نہیں ہے بلکہ ہر موجود کو جو عظمت حاصل ہے، وہ اس کی ذات سے، جو شرف حاصل ہے وہ بھی اسی کی ذات سے۔ جب بات یہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ کوئی معرفت بھی اللہ کی معرفت سے زیادہ قابل فخر نہیں۔ اور نہ کوئی لذت اس لذت سے بڑھ کر ہے نہ کوئی منظر اس کے دیدار کے منظر سے بڑھ کر ہے۔ ان باتوں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شہوات دنیا کی لذتیں، نفس سے متعلق ہیں جن کا تعلق بدن سے ہے اور جب موت آتی ہے تو وہ اس لذت کو باطل کر دیتی ہے .... معرفت ربوبیت کی لذت قلب سے متعلق ہے اور قلب موت کے واقع ہونے کے بعد بھی نہیں مرتا۔ بلکہ موت کے بعد وہ اور زیادہ اشد اور اقویٰ ہو جاتا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ موت کے بعد قلب (روح) زیادہ پر نور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تاریکی سے نکل کر وہ روشنی میں آجاتا ہے۔[۱]

ایک اور نظریہ

غزالی کا ایک اور نظریہ یہ بھی ہے کہ قلب کی آنکھ اللہ کی معرفت اور اس کے حضور کا جمال صرف موت کے بعد ہی نہیں دیکھتی، نہ صرف ایسی کیفیت میں جو موت سے مشابہت رکھتی ہے مثلاً "نیند"! بلکہ قلب بیداری کی حالت میں بھی جمال الٰہی کا نظارہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ جہاد نفس اور ریاضت کے انتہائی درجہ پر پہنچ چکا ہو۔ شہوت اور غضب اور تمام اخلاق مذمومہ سے آزاد ہو چکا ہو۔

بندہ اور نفس

جب بندہ کا تعلق صرف نفس سے رہ جاتا ہے، وہ اپنے حواس سے دست کش ہو جاتا ہے تو اس کے باطن کی آنکھ کھل جاتی ہے اور باطن کی سماعت بیدار ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ذکر الٰہی کا شغل زبان حال سے نہیں کرتا

---

[۱] کیمیائے السعادت۔

Marfat.com

دل سے کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ ایسا مدہوش ہوجاتا ہے کہ نہ اُسے اپنی خبر رہتی ہے، نہ دنیا کی۔ اور اس کے باطن کی دنیا میں سوائے مشاہدۂ ذات الٰہی کے اور کچھ نہیں موجود رہ پاتا۔ یہی وہ مقام ہے جب قلب کی آنکھ کھلتی ہے اور انسان اس پر قادر ہوجاتا ہے کہ بیداری کے عالم میں بھی وہ سب کچھ دیکھے اور دیکھ سکے جو خواب کے عالم میں دیکھتا اور دیکھ سکتا ہے، اور اس منزل پر پہنچنے کے بعد جو مشاہدہ ہوتا ہے وہی حقائق علیا کا مشاہدہ کہلاتا ہے۔ ان مناظر جلیلہ اور جمیلہ کا مشاہدہ جن کی نہ شرح کی جاسکتی ہے، نہ وصف بیان کیا جاسکتا ہے۔ پھر اس کے سامنے آسمان اور زمین کے راز منکشف ہوجاتے ہیں [1]

خلاصۂ بحث وگفتگو

یہ خلاصہ تھا، امام غزالی کے نظریۂ سعادت کا، جو معرفت کی بنیاد پر استوار تھا۔ یہی وہ موضوع ہے، جسے صحیح طور پر امام غزالی نے باطنی کیمیائے سعادت سے تعبیر کیا ہے اور اسے ظاہری کیمیائے سعادت کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ کیونکہ ظاہری کیمیا کا وجود بادشاہوں کے خزانوں میں ہوتا ہے۔ نہ کہ عوام کے خزانوں میں یہی حال کیمیائے سعادت کا ہے اس کا وجود سوائے بزرگ و برتر کے خزانوں کے اور کہیں نہیں پایا جاتا، یا اس کا وجود اگر ملتا ہے تو حضور نبوت میں۔ اگر کوئی شخص ان راستوں سے قطع نظر کرکے اس سعادت کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہے، تو وہ گم کردہ راہ ہے۔ نہ صحیح راستہ پر چل رہا ہے اور نہ منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا ضروری اور لابدی ہے کہ جو شخص اس سعادت کو حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ تمام ناقص اور ناکارہ صفات سے اپنا دامن صاف کرلے۔ اور تمام صفاتِ کمالیہ سے اپنے آپ کو مزین کرلے [2]

اب اندازہ ہوگیا ہوگا کہ امام غزالی نے تصورات کو کس رنگ میں رنگا۔ اور حیات روحیہ کی تاریخ میں کیسے کیسے اضافے کیے اور معرفت وسعادت کے بارے میں کس قسم کے نکات پیش کیے؟

امام صاحب نے اپنی متعدد کتابوں میں اپنے ان نظریات کو کھول کر بیان کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان کی ذیل کی کتب کا مطالعہ کرلے۔

(۱) المنقذ من الضلال۔

(۲) کیمیاء السعادۃ۔

(۳) الرسالۃ الدنیہ

(۴) احیاء علوم الدین۔

تو وہ بڑی آسانی سے نہ صرف امام صاحب کے نظریات اور تصورات سے واقف ہوسکتا ہے، بلکہ تصوف ان کے ان مرحلوں کو بڑی آسانی کے ساتھ طے کرسکتا ہے جن کے طے کرنے کے بعد وہ تمام مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں جو اس راستے میں اکثر پیش آیا کرتی ہیں اور جنھیں حل کیے بغیر انسان رہروی اگر جاری رہے تو وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی، بلکہ گمراہی اور ضلالت کی موجب ہوتی ہے۔

---

[1] کیمیائے السعادت۔ [2] نفس المرجع۔

Marfat.com

غوث الاعظم رح

ولادت باسعادت قصبۂ گیلان واقع ملک ایران میں محبوبِ سبحانی غوثِ صمدانی حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں تولّد ہوئے۔

وقتِ ولادت باسعادت حضور کی والدہ ماجدہ کا سن مبارک ساٹھ برس کا تھا اور یہ پہلی کرامت اس ذاتِ عالی کی قدرت نے اسباب پرستوں اور عقل کے گرفتاروں کو دکھائی کہ جس عمر کو اولاد سے مایوس ہونے والا کہا جاتا ہے خداتعالیٰ اس میں بھی ایک ایسے دل و دماغ کا بچّہ پیدا کرسکتا ہے جو دنیا بھر کے بچوں میں ممتاز ہو اور اس کی ذہنی اور دماغی قوت پر والدہ کی کمزوری کا مطلق اثر نہ پڑے۔

تمام تذکروں اور کتابوں کا اس معاملہ میں اتفاق ہے کہ حضور غوث پاک رض کی والدہ کی عمر اس صاحبزادے کی تولید کے وقت ساٹھ برس کی تھی اور اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہے۔ تو اب سوائے کرشمۂ قدرت کے اس واقعۂ عجیب کو اور کس نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔

مرد اگر زیادہ سن کا ہو تو اولاد کا ہونا محلِ تعجّب نہیں، مگر عورت طبّی محققین کے خیال میں ساٹھ برس کی ہو جائے تو اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی، مگر خداتعالیٰ نے اس مولودِ مسعود کی مثال سے دکھا دیا کہ ظنی اور قیاسی علوم کی بنا پر حقانی قدروں سے انکار کرنا بڑی نادانی ہے۔

اطبّا کا یہ خیال بھی ہے کہ جب والدین کمزور ہوں یا ان میں ایک ناتواں اور ضعیف القویٰ ہو تو بچّہ لازمی طور سے کمزور و ناتواں پیدا ہوا کرتا ہے جسمانی حالت تدابیرِ ظاہر سے درست ہو جائے مگر اس بچہ کی دماغی اور ذہنی قوت ویسی مضبوط نہیں ہو سکتی جیسی نوجوان اور تندرست والدین کے بچوں کی ہُوا کرتی ہے۔

حضور غوث پاک رض کی مثال سے ان ظاہر پرستوں کی بھی علانیہ تردید ہوتی ہے، وہ اگرچہ باعتبار جسم ذرا نحیف تھے، لیکن ان کی ذہنی دماغی وعلمی واحساسی قوتیں اس قدر زبردست تھیں کہ اس کی نظیر باوجود علم وعقل کے عام چرچوں کے اور باوجود اس کے اس زمانہ میں بڑے بڑے نامور ذہین وطبّاع عالم موجود تھے ایک میں بھی نہ پائی گئی، نہ امراء میں نہ علماء میں نہ حکماء میں نہ مشائخ میں۔

احترام ماہِ صیام تمام کتابوں کا بالاتفاق بیان ہے کہ حضور غوث پاک رض کی شیرخواری کے زمانہ میں رمضان شریف آیا تو آپ نے دن کے وقت دودھ پینا چھوڑ دیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سے روایت ہے کہ میں نے کئی بار کوشش کی مگر انہوں نے دن کو دودھ نہ پیا۔ جہاں تک کہ اس رمضان میں چاند کا اختلاف پڑا۔ بعض کہتے

Marfat.com

کہ عید کا چاند ہو گیا۔ بعض کہتے تھے نہیں ہوا۔ تو میں نے شہادت دی کہ میرے بچّے نے آج بھی دن کو دودھ نہیں پیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کل چاند نہیں ہوا۔ کیونکہ اس بچّے نے بسبب حرمتِ صیام دن کو دودھ پینا ترک کر رکھا تھا اور میں اول دن سے برابر اس کو دیکھ رہی ہوں۔

ممکن ہے کہ اس روایت پر ظاہر کی عقل والے کچھ تامل کریں اور کہیں کہ ہر مقبول و مشہور شخص کی نسبت خوش عقیدہ لوگ ایسی ہی روایتیں بنا لیا کرتے ہیں۔

لیکن یہ واقعہ کچھ زیادہ خلافِ عقل نہیں ہے۔ اعصاب کی حس کا جن فلاسفروں کو علم ہے وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ جو انسان اپنے اندر غیر معمولی قوت احساس اعصاب کی لاتا ہے وہ عالم طفلی سے ایسا حسّاس ہوتا ہے کہ اس میں اور بڑی عمر کے آدمیوں میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔

پس یہ دلیل ہے حضور غوث پاک رضؓ کے اعصابی حسّ کے زیادہ قوی ہونے کی، قدرت نے ان کے اعصاب میں ابتدا سے ایک ایسا ادراک و احساس پیدا کیا تھا کہ ماں کی گود میں انھوں نے محسوس کر لیا کہ میں جس گھر میں پیدا ہوا ہوں وہ آج کل دن کو کھاتی پیتی نہیں۔ اس لیے مجھ کو بھی غذا ترک کر دینی چاہیئے۔

الیَّ یا مبارک

تحفہ قادریہ اور اخبار الاخیار میں حضرت سید عبدالرزاق رضؓ سے روایت ہے جو حضور حضرت غوث پاک رضؓ کے فرزند تھے کہ خود حضور نے فرمایا، جب ہم بچے تھے تو بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کرتے اس وقت ایک آواز آتی الیَّ یا مبارک۔ میری طرف آؤ اے مبارک! ہم یہ آواز سن کر ڈر جاتے اور بھاگ کر والدہ صاحبہ کی گود میں آن بیٹھتے کیونکہ آواز دینے والا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اب بھی وہ آواز آیا کرتی ہے مگر اب وقت خاص اور خلوت میں آتی ہے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

دنیا میں جو بچہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے، اس کے عہد طفلی میں اسی قسم کے حالات پیش آیا کرتے ہیں حضور غوث پاک رضؓ کی ابتدا میں یہ صدا بازی طفلاں سے روکنے والی تھی اور انتہا میں باعثِ تقرب ذات الٰہی۔ خدا کے دوسرے محبوب حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رضؓ کی طفلی میں بھی اسی کے قریب ایک واقعہ مذکور ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت خواجہ سید احمدؒ کا انتقال ہو گیا تھا اور یہ پانچ برس کے یتیم بیوہ والدہ کے ساتھ رہتے تھے۔ گھر میں بسر اوقات کے لیے کچھ اثاثہ نہ تھا۔ والدہ بہن۔ خود اور ایک لونڈی چار کھانے والے تھے۔ والدہ سوت کات کر فروخت کرتیں تو گذارہ ہوتا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ سوت فروخت نہ ہوتا یا اس کی آمدنی کفایت نہ کرتی تو فاقہ پیش آتا جس دن فاقہ ہوتا۔ والدہ صاحبہ فرماتیں "بابا نظام آج خدا کے مہمان ہیں"۔ اس فقرہ کو سن کر یہ معصوم بچہ بہت خوش ہوتا اور بھوک کی شکایت اس کی زبان پر نہ آتی۔ بلکہ آرزو مند رہتا کہ پھر فاقہ پیش آئے تاکہ اماں سے خدا کی مہمانی کا لفظ سنوں۔ چنانچہ انھوں نے خود فرمایا ہے کہ جب کئی دن برابر روٹی ملتی رہتی تو دل میں ارمان ہوتا تھا کہ فاقہ ہو اور اماں خدا کی مہمانی کا ذکر کریں۔

بچپن میں تو خدا کی مہمانی کا لفظ باعثِ تسکین تھا لیکن یہ بنیاد ایسی پڑی تھی کہ بڑے ہوئے تو حقیقی ذوق مہمانی خدا حاصل کرنے لگے۔

Marfat.com

حضور غوث پاکؓ کے اس واقعہ میں نصیحت ہے فلا ملن سلسلۂ غوثیہ کے لیے کہ وہ بھی اپنے بچوں کو کھیل کود کے وقت خدا کا نام یاد دلایا کریں۔ان کی شان تو یہی تھی کہ خدا تعالیٰ کی آواز غیب ان کو پکارتی تھی۔ ہماری حالت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی مادّی زبان سے اس ارشاد کی پیروی میں بچوں کو رغبت الی اللہ دلایا کریں تاکہ بڑے ہو کر وہ سچی خدا پرست اور راغب الی الحق ثابت ہوں۔

پہلی کرامت حضور غوث پاکؓ اٹھارہ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کی اجازت سے بغرض تکمیل تعلیم بغداد تشریف لے جانے لگے تو والدہ ماجدہ نے چالیس اشرفیاں ان کی صدری استر ابری کے اندر چھپا کر سی دیں اور ان کو سچ بولنے کی نصیحت کر کے رخصت کر دیا۔راستہ میں ڈاکہ پڑا، سارا قافلہ لُٹ گیا۔ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا کہ تیرے پاس بھی کچھ ہے۔آپ نے فرمایا ہاں چالیس اشرفیاں ہیں جو صدری کے اندر سلی ہوئی ہیں۔اس ڈاکو کو بہت تعجب ہُوا کہ اس لڑکے نے مال کا اقرار کیوں کر لیا۔ چوروں سے ہر شخص دولت کو چھپایا کرتا ہے۔ وہ ڈاکو حضور کو اپنے سردار کے پاس لے گیا۔آپ نے سردار کے پوچھنے پر بھی اشرفیوں کا حال سچ سچ بیان کر دیا۔سردار حیران ہو کر بولا۔تم نے ہم لٹیروں کا خوف نہ رکھا۔تم دیکھتے نہیں کہ ہم قزاق ہیں اور جو مال ملتا ہے لوٹ لیتے ہیں۔پھر تم نے ان اشرفیوں کا بھید مخفی کیوں نہ رکھا؟

حضور نے فرمایا، والدہ نے چلتے وقت سچ بولنے کی نصیحت فرمائی تھی، میں مخفی کیسے رکھتا۔یہ سنتے ہی ڈاکوؤں کا افسر رونے لگا اور اس نے کہا کہ یہ لڑکا اپنی والدہ کے حکم پر اتنا چلتا ہے اور میں خدا کے حکم سے غافل ہوں۔یہ کہہ کر اس نے حضور کے ہاتھ پر توبہ کی اور لوٹ کا سب مال قافلہ کو واپس کر دیا۔اس کے ہمراہی بھی سب کے سب تائب ہو گئے۔یہ پہلی توبہ تھی جو حضور کے ہاتھ پر ہوئی۔مگر اصل میں یہ پہلا موقع تھا جس نے شانِ محبوبیت ظاہر کی کیونکہ حدیث[1] شریف میں آیا ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے۔صحابہؓ نے وضو کا پانی لے کر اپنے بدن پر ملنا شروع کیا۔حضورؐ نے یہ حالت دیکھ کر پوچھا کہ تم کیوں ایسا کرتے ہو؟عرض کیا گیا اللہ کے رسول کی محبّت حاصل کرنے کے لیے۔اس پر ارشاد ہوا:

"تم میں سے جس شخص کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور رسول سے محبّت کرے، یا خدا رسول اس سے محبت کرے تو چاہیئے کہ سچ بولا کرے اور امانت داری شیوہ بنائے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ حضور رسولِ خدا صلعم نے وضو کے تبرک کو زیادہ اہمیت نہ دی اور صداقت، امانت اور پڑوسی کی خدمت کے اعمال کو اس سے مقدم فرمایا۔پس جو لوگ بزرگوں کے تبرکات حاصل کرنے کا زیادہ شوق رکھتے ہیں مگر نہ سچ بولتے ہیں اور نہ خیانت سے ان کو احتیاط ہوتی ہے نہ پڑوس کا حق ملحوظ رکھتے ہیں ان کی حالت کس قدر قابلِ افسوس و لائقِ اصلاح ہے۔

عبادات و مجاہدات حضور اقدس بغداد میں تعلیم کی تکمیل فرما چکے تو عبادات و مجاہدات شروع کیے اور ان میں بھی ایسی محنت کی کہ اپنے جدّ امجد حضور سرور دو عالم صلعم کی تقلید ریاضتہائے شاقہ کا حق ادا کر دیا۔

خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میں عراق کے جنگلوں میں ۲۵ برس تک اکیلا پھرتا رہا۔رات دن یاد حق کے سوا کچھ کام نہ تھا۔سالہا سال

[1] یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ امام بیہقی بروایت عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ وارد ہے۔

Marfat.com

عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی بے شمار راتیں آنکھوں ہیں گذر گئیں اور میں نے پلک سے پلک نہ جھپکنے دی۔ نیند کا غلبہ ہوتا تو ایک پاؤں پر کھڑا ہو جاتا اور نفلوں میں پورا قرآن شریف ختم کر دیتا اور یہ تو برسوں ہوا ہے کہ میں نے رات کو نماز میں کھڑے کھڑے ایک قرآن ختم کیا۔ ایک دفعہ نیند نے بہت ستایا، دل نے کہا تھوڑی دیر آرام کر لو، پھر تازہ دم ہو کر عبادت کرنا۔ مگر میں نے اس کی ذرا پروا نہ کی اور ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سویا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سربلندی چاہتا ہے اس کو لازم ہے کہ راتوں کو جاگے۔ آج کل کے زمانے والے سمجھتے ہیں کہ خوب سوؤ تاکہ تم کو سربلندی حاصل ہو۔ نتیجہ سب دیکھ رہے ہیں کہ نہ دین میں کسی کو اعلیٰ مراتب نصیب ہوتے ہیں، نہ دنیا میں۔

ہمّت اور حوصلہ

حضور غوث پاک رضؓ خود فرماتے ہیں کہ میں نے رفتہ رفتہ مجاہدہ کی عادت ڈالی تھی۔ پہلے ایک سال تو میں مدائن کے کھنڈرات میں مقیم رہا، وہاں میری معاش یہ تھی کہ جنگل میں جو مباح پھل مل جاتا اس کو کھالیتا اور رات دن عبادت کرتا رہتا۔

ایک دفعہ سردی کا موسم تھا، سردی ایسی سخت تھی کہ میں برداشت نہ کر سکا اور مجبوراً کسریٰ کے ویران محل کے اندر چلا گیا تاکہ سردی سے جسم محفوظ ہو جائے اسی حالت میں مجھ کو غسل کی ضرورت ہوئی تو باہر نکلا اور شط العرب (دریا) میں نہایا۔ اتفاق کی بات اسی رات متعدد مرتبہ یہی حالت پیش آئی کہ جہاں ذرا آنکھ لگی اور نہانا ہو گیا۔ مگر میں نے ایک مرتبہ بھی کاہلی نہ کی اور ہر دفعہ بیدار ہو کر غسل کر لیا آخر میں نے سونے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔ اور نیند سے بچنے کے لیے محل کی چھت پر چڑھ کر نماز شروع کر دی۔ گو سردی کے سبب یہ بات اس وقت بہت ہی دشوار معلوم ہوتی تھی۔

صرف خدا کا خیال

حضور فرماتے ہیں کہ میں کئی سال کرخ کے ویران میدانوں میں رہا۔ وہاں میری خوراک صحرائی کھجور تھی اور لباس صوف کا ایک جبّہ تھا جو کوئی نیک خیال شخص مجھ کو لا کر اُڑھا دیتا تھا۔ میں ننگے پاؤں کانٹوں کے جنگل میں پھرتا تھا۔ میرے تلوے چھلنی ہو گئے تھے۔ وہ میری امنگوں اور ولولوں کا وقت تھا جو شباب کا زمانہ مشہور ہے اور جس میں بہت سے لوگ خواہشات نفسانی سے مغلوب ہو جاتے ہیں مگر میں اپنی ہر خواہش پر غالب تھا۔ میرے دل میں نہ اچھا کھانے کی آرزو ہوتی تھی نہ اچھا پہننے کی۔ نہ اچھے مکانوں میں رہنے کی۔ نہ دنیا کے عیش و آرام کی، نہ عزّت وجاہ کی۔ میرے جسم کا ہر جذبہ ایک ہی رُخ مصروف تھا۔ میرے وجود کی ہر خواہش ایک ہی سمت متوجہ تھی۔ میرے تصور اور خیال میں سوائے ایک چیز کے کسی دوسری شے کا گذر نہ ہوتا تھا اور وہ "خدا تھا" اور اس کی جانب چلنے کا سلوک تھا اور اس کی یاد سے کیف و ذوق میسر آنے کی طلب تھی جو مجھے ملا۔[1]

حضرت شیخ ابو محمد عبداللہ بن ابو الفتح ہروی روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت غوث پاک رضؓ کی خدمت میں چالیس سال رہا حضور رات کے اول حصّے میں نمازیں پڑھتے۔ درمیانی حصّہ میں ذکر کرتے۔ تیسرے حصّے میں ایک قدم پر کھڑے ہو کر تلاوت قرآن فرماتے اور پھر ایک

---

[1] یہ واقعات تحفہ قادریہ مولفہ حضرت شاہ ابوالمعالی رح لاہوری۔ اخبار الاخیار مولفہ حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی اور بہجۃ الاسرار مصنفہ حضرت شیخ علی شطنوفی رضؓ سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

طویل سجدے میں چہرۂ مبارک زمین پر ملتے رہے اور عجز و زاری سے دعائیں مانگتے۔ صبح جب ان کا رُخِ منوّر دیکھا جاتا تو اس پر ایسا نور ہوتا تھا کہ نگاہ اس پر ٹھہر تی نہ تھی۔

زیارتِ رسول ﷺ عبادت و ریاضت اور مجاہدات کی مشقتوں اور صحرا نوردی کی خلوتوں میں بہت عرصہ گذر گیا، تو ۱۶ شوال المکرم منگل کے دن ۵۲۱ھ ہجری کو حضور غوث پاکؓ نے حضور سرور دو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں لِمَ لَا تَتَکَلَّمُ؟ (تم بات کیوں نہیں کرتے؟) میں نے عرض کیا۔ دادا جان! میں عجم کا رہنے والا ہوں۔ عرب کے فصحاء کے سامنے کیوں کر زبان کھول سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا منہ کھول۔ میں نے کھول دیا۔ آپ نے سات مرتبہ یہ آیت پڑھ کر میرے حلق میں دم فرمائی۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (بلا پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت سے) اسی دن ظہر کی نماز کے بعد میں منبر پر گیا اور چند کلمات وعظ کے کہے جن کو سن کر سامعین وجد و حال میں آ گئے اور پھر تو یہ عالم ہو گیا کہ سارے بغداد میں میرے وعظ کی دھوم مچی ہوئی تھی۔

پُرتاثیر وعظ حضرت ابو عبد اللہ عبد الوہابؒ حضور غوث پاکؓ کے صاحبزادے راوی ہیں کہ حضور ہفتے میں تین بار تقریر عام فرماتے تھے ایک مرتبہ جمعہ اور ہفتہ یا منگل کو اپنے مدرسہ میں اور ایک مرتبہ اتوار کو رباط میں۔ ان کی مجلس وعظ میں علما و فقہا اور مشائخ کا بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ چالیس برس تک آپ نے دین کی یہ علمی روحانی خدمت انجام دی۔ چار سو ملفوظ نویس مجلس میں حاضر رہتے تھے جو حضور کا وعظ قلمبند کرتے جاتے تھے۔ شائقین کا اس قدر اژدحام ہوتا تھا کہ مجلس میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہتی تھی، آخر مجبور ہو کر خلقت حضور کی کرسی مبارک کو شہر کے باہر میدان میں لے جاتی اور پھر مشتاقوں کا وہ تانتا لگتا کہ سواریوں اور پیدل راستہ چلنے والوں سے سڑکیں بھر جاتیں۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ بعض اوقات ستر ہزار آدمی تک مجلس حضور میں جمع ہو گئے ہیں۔ سننے والوں پر تقریر کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ سیکڑوں آدمی بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے سینکڑوں یہودی و عیسائی مسلمان ہو جاتے تھے۔ چنانچہ صرف مجالس وعظ میں پانچسو یہودیوں و نصرانیوں کے اسلام قبول کرنے کی روایتیں متعدد کتب میں موجود ہیں اور ایک لاکھ فاسقوں کے توبہ کرنے اور پابند دین ہو جانے کا بیان بھی پایا جاتا ہے۔[۱]

شیخ شریف حضرت ابو عبد اللہ محمد بن ابو الغنائم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ۵۵۵ھ ہجری میں حاضر خدمت ہوئے تو دس ہزار اشخاص کا ہجوم آپ کا کلام سن رہا تھا۔ حضورؓ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہارے واعظوں کی طرح نہیں ہوں میں خدا تعالیٰ کے حکم سے بات کہتا ہوں اور باطن کی قوتیں میرے کلام کے ساتھ ہوتی ہیں۔

شخصیت کا اثر ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے حضرت ابو عبد اللہ عبد الوہابؓ سیاحت ممالک اور حصول علوم و فنون کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو منبر سرکار پر وعظ کہنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ صاحبزادے صاحب کا بیان ہے کہ میں نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے اور کوئی دقیقہ موثر طرز نصائح کا باقی نہ رکھا خود سرکار باطن مدار بھی بزم

---

[۱] اخبار الاخیار، تحفہ قادریہ۔ فوز المطالب وغیرہ

Marfat.com

وہ فرماتے تھے مگر میں دیکھتا تھا کہ حاضرین پر میری تقریر کا ذرا اثر نہ ہوا، بلکہ اہلِ مجلس کے غل اور شورا اور بے توجہی سے معلوم ہوتا تھا کہ میرے بیان پر کچھ بھی متوجہ نہیں ہیں محفل کا یہ رنگ دیکھ کر منبر سے اُتر آیا تو سرکارِ اقدس منبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے یہ جملے فرمائے کل میں روزہ سے تھا، امّ یحییٰ نے کچھ انڈے بھون کر ایک کورے سکورے میں طاق پر رکھ دیئے تھے۔ ایک بلی نے اس سکورے کو طاق سے نیچے پھینک دیا۔ سکورا ٹوٹ گیا اور انڈے خاک مال ہو گئے۔

حضور اتنی ہی تقریر کرنے پائے تھے کہ مجلس میں ہر طرف سے ہو حق کے نعرے بلند ہونے لگے اور آن کی آن میں محفل گرما گئی۔

خلوت میں حضور نے ارشاد فرمایا، میاں تم کو معلوم بھی ہے کہ تمھارے عالمانہ و عاقلانہ وعظ کا اثر کیوں نہ ہوا۔ اور میرے معمولی الفاظ نے یہ ہنگامہ کس وجہ سے پیدا کر دیا۔ سنو تم کو اپنے سفرِ ظاہر پر ناز ہے۔ مگر تم نے عالمِ باطن کا سفر نہیں کیا، میں جب کلام کرتا ہوں خدا تعالیٰ کی تجلیاں اتر کے نمودار ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ میری نظر حقیقت پر رہتی ہے میں خودی گُم کر کے کلام کرتا ہوں اور تم خودی میں قائم ہو کر بولتے ہو۔

بیشک حضور نے صحیح فرمایا۔ ظاہر میں انڈے، خاکی سکورے اور بلّی کا بیان تھا۔ ظرف گلی اور انڈے کی شکست و خرابی کا ذکر تھا مگر حقیقت میں وجود اور نفس و شیطان کے اشارات تھے سمجھنے والے سمجھ گئے اور اثر ڈالنے والے نے اپنا کام دکھایا۔

طرزِ بیان کے چند نمونے

(۱)

ایک مرتبہ تقریر فرمائی جس کا خلاصہ ترجمہ لفظی میں یہ ہے:۔

اے طلبگار توبہ کر باسمِ خدا۔ معافی مانگ باسمِ خدا۔ اخلاص حاصل کر باسمِ خدا۔ ایک ہفتہ میں خدا تک جا۔ نہیں ہو سکتا تو ایک ماہ میں جا، نہیں ہو سکتا تو ایک سال میں جا، یہ بھی نہ ہو سکے تو ساری عمر میں ایک دفعہ تو اس تک جا اور لے کہ اسی کے پاس کچھ ہے۔

(۲)

رجز ناسوتی و ملکوتی کے طور پر ایک بار ارشاد ہوا:۔

میں کہ میری تلوار مشہور ہے۔ میری کمان کھنچی ہوئی ہے میرا تیر سینہ شگاف ہے، میرا نیزہ نشانہ باز ہے، میں محفوظ ہوں، میں ہی محفوظ ہوں۔ روزہ دارو آؤ، شب بیدارو آؤ، پہاڑوں کے عبادت گزارو آؤ اور خانقاہ نشینوں آؤ۔ خدا کے کلام کے لیے میرے پاس آؤ کہ میں اسی۔ کے امر سے تم کو بلاتا ہوں۔

میرے فیض کا دریا بے کنار ہے۔ عزتِ ربّ کی قسم! اچھے بُرے سب میرے سامنے ہیں۔ میری نگاہیں لوحِ محفوظ پر ہیں۔ میں دریائے علم و مشاہدۂ الٰہی کا تیراک ہوں، میں خدا تعالیٰ کی حجت ہوں، میں نائب وارث رسول اللہ صلعم ہوں۔

(۳)

وصال کے وقت فرماتے تھے۔ مجھ میں تم میں کیا نسبت۔ وہی جو زمین آسمان میں ہے۔ امورِ خلق سے اونچا ہوں عقول انسانی سے بالا ہوں میں وہ ہوں جن کو قرآن واعلم ما تعلمون فرماتا ہے۔ مجھ کو حکم دیا جاتا تھا کہ عبدالقادر بول وہ سنایا جائے گا۔ کھا،

Marfat.com

اور پی اور کہہ میں وہی کہتا ہوں جس کا حکم خدا نے دیا ہے، مجھے خدا تمہارے ظاہر و باطن کو دکھاتا ہے میں تم کو شیشوں کی طرح اندر باہر سے دیکھتا ہوں۔

مفتی کی حیثیت سے

شروع میں اشارتاً بتایا گیا تھا کہ مجاہدات سے پہلے آپ نے بغداد میں اقامت فرما کر تمام علوم ظاہر کی تحصیل فرمائی تھی اور جب مجاہدوں سے فراغت ہوئی تو تلقین باطن کے ساتھ وعظ و نصیحت اور درس و تدریس و فتاوے کے ذریعہ بھی خدمت خلق ادا کی جاتی تھی۔

آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالوہابؒ سے روایت ہے کہ حضور نے ۵۲۸ھ ہجری سے لے کر ۵۶۱ھ تک یعنی ۳۳ برس علم ظاہر کے درس اور فتویٰ دہی کا شغل جاری رکھا۔ مدرسہ میں تفسیر و حدیث اول وقت قرآن شریف بعد ظہر اور فقہ و اصول اور نحو وغیرہ دن کے باقی حصوں میں خود پڑھاتے تھے۔

مسائل پر اتنا عبور تھا کہ فتویٰ لکھتے وقت کتاب نہ دیکھتے۔ نہ کچھ سوچتے، قلم برداشتہ جواب لکھ لیتے اور تمام عراق کے علماء اس جواب کو درست اور صحیح مانا جاتا۔ آپ حضرت امام شافعی اور حضرت امام حنبل کی موافق فتویٰ کا جواب تحریر فرماتے۔

ایک عجیب فتوے

ایک شخص نے قسم کھائی تھی کہ اگر میں ہفتہ بھر تک ایسی عبادت نہ کروں جو اس ہفتہ میں دنیا کے کسی مسلمان نے نہ کی ہو تو میری بیوی کو تین طلاق۔ عراق کے تمام علماء اس عجیب سوال کے جواب میں حیران تھے اور ان کو کوئی ایسی عبادت معلوم نہ ہوتی تھی جو کسی نہ کسی وقت میں مسلمانانِ عالم کے زیر عمل نہ ہو۔ حضور کو حال معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا اس کے لیے حرم کعبہ میں انتظام کرو کہ ہفتہ بھر تک کوئی مسلمان کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے اور پھر اس سے کہو کہ تنہا رات دن طواف کرتا رہے اس کی عبادت مخصوص ہو جائے گی اور دنیا میں کوئی مسلمان اس کا شریکِ عبادت نہ ملے گا جس سے اس کی بیوی طلاق سے محفوظ رہے گی۔

حلیہ مبارک، لباس، وضع قطع

شیخ ابو سعید اور شیخ ابو محمد عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور غوث پاکؒ کا جسم شریف دبلا، قد درمیانہ، اور رنگ گندم گوں، سینہ چوڑا، داڑھی لمبی اور گنجان ابرو باہم ملے ہوئے اور آواز بھاری تھی جس وقت کلام فرماتے تھے مجلس گونج جاتی تھی۔ آواز میں ایک قدرتی رعب ایسا تھا کہ جہاں آپ نے گفتگو شروع کی یا مجمع عام میں کچھ ارشاد فرمایا، تمام سننے والے اور مخاطب دم بخود ہو کر متوجہ ہو جاتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی جو کلام حضور سے غیر ملتفت ہو۔

یہی حالت آنکھوں کی تھی کہ جس شخص کو یا جس ہجوم کو ایک بار نظر اٹھا کر دیکھ لیتے وہ مطیع و غلام بن جاتا۔

طبیعت نفاست پسند اور مزاج از حد لطیف تھا صفائی، ستھرائی بہت مرغوب تھی۔ لباس بھی اعلیٰ درجہ کا شاندار استعمال فرماتے تھے مگر خلاف شریعت نہیں۔ کیونکہ تمام کتابوں کا اتفاق ہے کہ آپ کا لباس شریف عالمانہ ہوتا تھا یعنی اس وقت کے علماء جو لباس پہنتے تھے وہی وضع آپ کے لباس کی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ بیش سے بیش قیمت کپڑا جس میں کوئی ناجائز چیز شامل نہ ہو آپ کے لیے خریدا

Marfat.com

تھا، چنانچہ بغداد کے ایک مشہور بزاز ابوالفضل احمد بن قاسم قرشی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور غوث پاک رض کا خادم میرے پاس آیا اور اس نے کہا مجھے ایک ایسا بڑھیا کپڑا درکار ہے جس کے ایک گز کی قیمت ایک اشرفی ہو۔ نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔ میں نے پوچھا ایسا قیمتی کپڑا کس کے واسطے درکار ہے؟ خادم نے حضور کا نام لیا۔ اس وقت میرے دل میں خطرہ گذرا کہ جب اولیاء ایسا قیمتی لباس زیب تن کریں گے تو بادشاہِ وقت یعنی خلیفہ کون سا کپڑا پہنے گا۔ انھوں نے تو بادشاہ کے لیے کوئی کپڑا باقی ہی نہیں چھوڑا۔

کپڑا دینے کے بعد میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، تو چونکہ آپ نے میرے خطرہ کو مکاشفہ سے معلوم کر لیا تھا۔ فرمانے لگے اے ابوالفضل! مجھے اپنے معبود کی عزت کی قسم جب تک میرا معبود خود حکم نہیں دیتا میں کوئی قیمتی کپڑا نہیں پہنتا، اس لباس کے متعلق بھی جس کا کپڑا تجھ سے منگایا تھا، مجھ کو یہ حکم ملا تھا یحقّی علیك البس قمیصا ذراعتہ بدینار تجھے میرے حق کی قسم ایک کرتا ایسے کپڑے کا پہن جس کی ایک گز کی قیمت ایک اشرفی ہو۔

اے ابوالفضل! یہ لباس نہیں ہے بلکہ میّت کا کفن ہے۔ درویش (عالم سلوک میں) جب ہزار بار مرچکتا ہے تو اس کو ایک کفن عطا ہوتا ہے۔ ؎

مارا کہ مردیم در عشق صد بار — جامۂ ماہمہ کفن باشد
در لباسم چہ مے کنی انکار — کفن است وکفن حسن باشد

داد و دہش حضور کی خدمت میں ہدیئے، تحفے اور نذریں اس کثرت سے آتی تھیں کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ خود ہاتھ نہ لگاتے بلکہ آپ ہی مصلّے کے نیچے رکھ دیتی۔ آپ خادم کو ارشاد کرتے کہ لے جاؤ اور اس رقم کو نانبائی اور سبزی فروش کے حوالے کر دو۔

بادشاہوں اور دنیا کے حکام کی وقعت بحیثیت دنیا آپ کی نگاہ میں مطلق نہ تھی جو لوگ اس کی عزت اور اس کے انعام و اکرام کے مقابلہ میں دنیا کے بادشاہوں کی عزّت اور انعام کو زیادہ سمجھتے ہیں ان کی نصیحت وہدایت کے لیے آپ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ خلیفۂ وقت کے ہاں سے آپ کے لیے خلعتِ اعزاز آتا تو آپ حکم دیتے کہ یہ ابوالفتح نان بائی کو روٹی کی قیمت کے عوض دے دو۔ اس میں ایک بڑا گہرا اشارہ تھا کہ انسان کو روٹی کی فکر کے سوا دنیاوی عزّت کا خیال دل میں نہ رکھنا چاہیئے۔ بڑا خلعت یہ ہے کہ پیٹ بھر جائے اور بندہ اپنے خدا کی عبادت اطمینانِ قلب سے کر سکے۔ چار روٹیاں آپ کے لیے پکائی جاتی تھیں۔ جب سامنے آتیں تو آپ ایک ایک ٹکڑا توڑ کر پہلے تمام حاضرین کو تقسیم فرما دیتے اور جو کچھ بچتا وہ خود تناول فرما لیتے۔ جو ہدیے آپ کی خدمت میں پیش ہوتے آپ اسی وقت حکم دیتے کہ ان کو حاضرین میں تقسیم کر دو۔ اور ہدیے لانے والوں کو اپنی طرف سے بطور انعام بھی کچھ علیٰحدہ مرحمت فرماتے اور یہ سنت رسول اللہ صلعم کی تقلید تھی۔ آنحضرت صلعم کا عمل بھی یہی تھا اور آپ کا فرمان بھی ہے کہ جب تمھیں ہدیہ دیا جائے تو اس سے بہتر عوض دینے کی کوشش کیا کرو۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔

Marfat.com

ارباب دولت سے سلوک

شریف ابو عبداللہ محمد بن خضر کا بیان ہے کہ حضور غوث پاکؓ کسی امیر اور دولت مند کی تعظیم کو کھڑے نہ ہوتے تھے اور نہ کسی امیر کے دروازہ پر جاتے تھے۔ (نعم الامیر علی الفقیر علی باب الامیر) وہ امیر بہت اچھا ہے جو فقیر کے دروازہ پر جائے اور وہ فقیر بہت برا ہے جو امیر کے دروازہ پر دکھائی دے۔ یہ بزرگوں کا ایک مشہور مقولہ ہے۔ حضورؒ اس ارشاد کا عملی نمونہ تھے مگر آج کل فقرا کی حالت اس کے بالکل برعکس ہوگئی ہے۔

حضور غوث پاکؓ کا دستور تھا کہ امیروں کے فرش پر نہ بیٹھتے، نہ ان کا کھانا کھاتے۔ سوائے ایک لقمہ کے یعنی دل شکنی نہ فرماتے تھے۔ اگر کوئی امیر کھانا حاضر کرتا تو ایک مرتبہ اس میں سے کچھ چکھ لیتے، مگر دوبارہ لاتا تو تناول نہ فرماتے۔

خلیفہ وقت (بادشاہ) خدمت میں حاضر ہوتا، تو آپ پہلے سے کھڑے ہو جاتے تاکہ بادشاہ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا نہ پڑے۔ جب اس کے آنے کی خبر ہوتی تو آپ کھڑے ہو کر مکان میں ٹہلنے لگتے اور اس سے کھڑے کھڑے بات چیت کرتے اور بیٹھنے کو کہتے ہمسرانہ بے پروائی کے انداز سے۔ بادشاہوں سے گفتگو نہایت بیباکی سے ہوتی تھی۔ ان کو نصیحت فرماتے تو ایسی کھری کھری بے لاگ باتیں ہوتیں جن کی کچھ حد نہیں۔

خلیفہ حضور کے ہاتھ چومتا اور ادب سے دست بستہ سامنے بیٹھ جاتا۔ خلیفہ کو کچھ لکھنے کی ضرورت پیش آتی تو ایسے الفاظ سے مخاطب کرتے جیسے بادشاہ ماتحتوں کے نام فرمان جاری کرتے ہیں۔ مثلاً لکھتے کہ "عبدالقادر تجھ سے فرماتا ہے"۔ یا "اس کا تجھ سے یہ فرمان ہے"۔ خلیفہ اس تحریر کو دیکھتا اور چومتا آنکھوں پر اور سر پر رکھتا اور کہتا شیخ کا فرمان بالکل درست ہے۔

کردار و سیرت

شیخ ابوالمظفر منصورؒ کا بیان ہے کہ حضور غوث پاکؓ سے بڑھ کر میں نے کسی کو خوش خو، مہربان، فراخ حوصلہ، کریم النفس، وعدہ وفا اور دوستی کا نبھانے والا نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ زمانہ مجاہدہ میں ایک شخص نے کہا تم یہاں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ آپ نے وعدہ فرما لیا۔ وہ شخص ایک سال تک نہ آیا۔ مگر حضرت وعدہ کی پابندی کے خیال سے اس مقام پر مقیم رہے اور پورے ایک برس تک کہیں تشریف نہ لے گئے۔

آپ اتنے بڑے درجہ اور مرتبہ کے تھے کہ خلیفۂ وقت غلاموں کی طرح دست بستہ حاضر ہوتا تھا مگر آپ کے اخلاق کی یہ حالت تھی کہ چھوٹوں پر سب سے زیادہ شفقت فرماتے اور بڑوں (بڑی عمر والوں) سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے۔

آپ کی مجلس میں رعب ایسا تھا کہ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی اور سکون و راحت بھی ایسی تھی کہ حاضر خدمت ہونے والے باہر کے سب افکار بھول جاتے تھے اور ان کو آپ کی محبت میں ایک دلی تسکین و تسلّی حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ شیخ ابوالقاسم بزازؒ کا بیان ہے کہ آپ کی مجلس میں ہماری حالت ایسی ہوتی تھی گویا ایک نہایت شیریں خواب دیکھ رہے ہیں اور جب باہر آتے تھے تو خیال ہوتا تھا کہ اس پرلطف خواب سے آنکھ کھل گئی۔

حسنِ سلوک، حسنِ مدارات

حضور بڑے سخی تھے۔ بڑے مسکین نواز تھے۔ مہمانوں خصوصاً غربا و مساکین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور پھر ان میں مل جل کر تشریف رکھتے اور اس طرح حالات پوچھتے

Marfat.com

گویا ان کے نہایت ہی قریبی رشتہ دار اور عزیز ہیں۔ ان کی برائیوں سے چشم پوشی فرماتے اور ان کی خوبیوں پر تحسین و آفرین کرتے۔ حاضرباشوں میں کوئی شخص کسی دن موجود نہ ہوتا تو دریافت فرماتے، آج فلاں شخص نظر نہیں آتا اچھا تو ہے؟

آپ کے سامنے کوئی شخص (خدا کی قسم کھاتا تو آپ فوراً یقین کر لیتے تھے، ان کے پاس بیٹھنے والوں میں ہر شخص خیال کرتا تھا کہ حضرت کی عنایت مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔ کسی کے حال پر اس قدر نوازش نہیں ہے جتنی مجھ پر ہے۔

ابو عبداللہ محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور غوث پاکؓ بہت رقیق القلب، بہت خوش اخلاق اور مستجاب الدعوات تھے ان کی زبان سے فحش اور بیہودہ کلام کبھی نہیں سنا اور نہ ان کے سامنے کوئی اور شخص فحش کلامی و بیہودہ گوئی کر سکتا تھا کیونکہ ان کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اپنی ذات کی خاطر وہ کبھی کسی پر ناراض نہ ہوتے، ہاں خدا کے کاموں میں کبھی کبھی لوگوں پر برہمی ہوتی تھی یعنی اگر کسی کو خلافِ احکام الٰہی کام کرتے دیکھتے تو پہلے نرمی سے سمجھاتے نہ مانتا تو دوبارہ اس فعل میں اس کو دیکھا جاتا تو خفگی اور درشتی سے اس کو زجر و توبیخ فرماتے۔

سخاوت اور بخشش

ان کے سامنے سے کوئی سائل محروم نہ جاتا تھا، سخاوت کا یہ عالم تھا کہ مانگنے والے کو جو وہ مانگتا دے دیتے۔ نہ ہوتا تو قرض منگا کر عطا فرماتے۔ ایک دفعہ کسی مسکین شخص کو کچھ مغموم اور افسردہ دیکھ کر پوچھا، تیرا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کی، دریا کے پار جانا چاہتا تھا۔ ملاح نے بغیر کرایہ کے کشتی میں نہ بٹھایا اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی وقت ایک شخص نے اشرفیوں کی ایک تھیلی نذر پیش کی تھی۔ آپ نے اس مسکین سے فرمایا لو یہ تھیلی تم لو اور جا کر اس ملاح کو دے دو اور کہو یہ تجھ کو بہت دن کا کرایہ دیا جاتا ہے۔ آئندہ جب کوئی محتاج اور غریب میرے پاس آئے تو اس کو کرایہ لیے بغیر پار اتار دیجیو۔

ایک دفعہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں ایک سوداگر نے عرض کی کہ علاوہ زکوٰۃ کے میں صدقات و خیرات کی نیت سے راہِ خدا میں کچھ دینا چاہتا ہوں۔ مگر مجھے مستحق و غیر مستحق کی شناخت نہیں ہے۔ فرمائیے میں کس کو دوں۔ فرمایا سب کو دے۔ جو تیرے خیال میں مستحق ہوں ان کو بھی اور جو غیر مستحق ہوں ان کو بھی تاکہ خدا تعالیٰ تجھ کو وہ دے جس کا تو مستحق ہے اور وہ دے جس کا تو مستحق نہیں ہے۔

شیخ ابو محمد طلحہ بن مظفرؒ سے روایت ہے کہ حضور غوث پاکؓ نے اپنے ایام مجاہدہ کا ایک دن ذکر فرمایا کہ ابتدا میں ایک دفعہ مجھ کو بیس دن تک کچھ کھانے کو میسر نہ آیا اور میں ایوانِ کسریٰ کے کھنڈرات میں گیا تاکہ کوئی پھل یا اور کوئی مباح چیز حاصل کر کے کھاؤں۔ سو وہاں دیکھا کہ مجھ جیسے ستّر درویش اور ہیں جو تلاش رزق کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں بغداد کی آبادی کی طرف اُلٹا پھرا۔ راستہ میں ایک آدمی ملا اور اس نے مجھے کچھ رقم دے کر کہا کہ آپ کی والدہ نے بھیجی ہے۔ میں نے وہ رقم لے لی اور سیدھا اُن ستّر فقرا کے پاس پہنچا اور تھوڑی سی اپنے واسطے رکھ کر باقی ان سب کو بانٹ دی۔ اس کے بعد جو رقم میرے پاس بچی تھی اس کا کھانا خریدا اور بہت سے مساکین کو ملا کر کھانے میں شریک کر کے کھایا۔ غرض شام تک میں نے یہ سب رقم خرچ کر دی۔

Marfat.com

مفلس کی تلاش

حضرت عبدالرزاق رضؓ کا بیان ہے جو حضور کے فرزند تھے کہ ایک مرتبہ والد ماجد حج کے سفر کو تشریف لے گئے۔ خدام کا بڑا مجمع ساتھ تھا۔ راستہ میں ایک آبادی کے قریب شام ہوئی۔ تو آپ نے حکم دیا کہ اس بستی میں تلاش کرو کہ سب سے زیادہ مفلس اور غریب کون ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک گھر بہت نادار ہے جس میں دو بوڑھے محتاج عورت مرد ہیں اور ایک بچہ ہے۔ حضور خود اس مکان پر تشریف لے گئے اور ان دونوں سے پوچھا، ہم تمہارے مکان پر ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا بسر وچشم مکان حاضر ہے مگر ہم خدمت کے لائق نہیں ہیں۔ آپ وہاں خدام سمیت ٹھیر گئے تو بستی کے مشائخ اور دولتمندوں کو حال معلوم ہوا۔ وہ سب دوڑے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے مکانوں پر تشریف لے چلیے، یہ جگہ آپ کے ٹھہرنے کے قابل نہیں مگر حضرت نے کسی کی التجا قبول نہ فرمائی۔ آخر ان لوگوں نے دعوت کا سامان اسی جگہ لا لا کر جمع کر دیا۔ غلّہ، بکریاں، سونے چاندی وغیرہ کا ڈھیر لگ گیا۔ تو آپ نے فرمایا، اس میں سے کچھ بھی نہ لوں گا۔ نہ میرے ہمراہی کچھ لیں گے۔ یہ سب اس غریب گھرانہ کا حق ہے جس کے ہم مہمان ہیں۔ چنانچہ آپ نے ہمراہیوں سمیت شب کو کچھ تناول نہ فرمایا اور دولت واجناس کا وہ سب انبار اس غریب گھرانہ کو دے کر آگے روانہ ہوگئے۔

اس روایت میں بے شمار نصائح ہم لوگوں کے واسطے ہیں۔ اگر ہم اس پر غور کریں۔ اوّل تو یہ کہ حضور نے امیروں کو چھوڑ کر غریب کا گھر پسند کیا۔ دوسرے یہ کہ اپنی نذر سب کی سب غریب کو دے دی، تاکہ اس بستی کے لوگوں کو عبرت ہو کہ وہ اپنے ہمشہر کی غربت سے بے خبر اور بے پروا تھے۔

ایک بزرگ نے آپ کے باطن اور اس کے لباس کا خلاصہ چند لفظوں میں اس طرح کیا ہے:۔

كَانَ سَيِّدِ الشَّيْخ مُحيُّ الدِّيْنُ عَبْدُ الْقادِر رضي الله عنه سحت لع الدمعت شَدِيْدُ الْخَشْيَةِ كثيرا الْهَيْبَتِ مُجَابُ الدَّعْوَةِ كَرِيْمُ الْاَخْلَاقِ لبعدُ النَّاس لفحش۔ اقرب النّاس إلى الْحَقِّ شَدِيْدُ الْبَاس إِذَا اُنْتَهكَتْ مَحَارِمُ اللهِ تعالیٰ۔ لَا يَغْضِبُ لِنَفْسِهِ وَلَا يَتَغَيَّرُ لِغَيْرِ رَبِّهِ لَا يَرُدُّ سَائِلاً وَلَوْ يَاخُذ ثَوبَهٗ كان الْعِلْمُ مُهَذِّبُهٗ وَالقُرْبُ مُؤَدِّبُهٗ وَالْاُنْسُ نَدِيْمُهٗ والصِّدقُ رَائِبُهٗ۔ وَالْفَتْحُ بِضَاعَتُهٗ وَالْحِلْمُ صَنَاعَتُهٗ وَالزِّكْرُ وَزِيْرُهٗ وَالْمُكَاشَفَةُ غَذَاؤُهٗ والمشاهدة شفاؤهٗ وَآدَابُ الشَّرِيْعَةِ ظَاهِرُهٗ واوصاف الحقيقت سِرُّهٗ۔

یعنی حضور غوث پاک رضؓ کے آنسو بہت جلدی آجاتے تھے۔ خوف خدا ان کو بہت تھا۔ ان کی ہیبت بہت پڑتی تھی۔ ان کی دعائیں بہت مقبول تھیں۔ خلق میں بڑے بزرگ تھے۔ سب آدمیوں سے زیادہ دور تھے فحش باتوں میں اور سب آدمیوں سے زیادہ قریب تھے امر حق میں۔ بڑے سخت لڑنے والے تھے جب خدا کے احکام کی خلاف ورزی دیکھتے۔ اپنے نفس کی خاطر کسی پر غصہ نہ کرتے تھے۔ معاملات خدا کے سوا ان کا چہرہ کسی کے خلاف نہ بدلتا تھا۔ مانگنے والے کو ٹالتے نہ تھے۔ چاہے وہ ان کے کپڑے لے لے۔ علم ان کو مہذب بنانے والا تھا۔ قرب الٰہی ان کو ادب سکھانے والا تھا۔ انس ان کا مصاحب

Marfat.com

سچ ان کی روزمرہ، فتح ان کا سرمایہ، بردباری ان کا جوہر، ذکر ان کا وزیر، مکاشفہ ان کی غذا۔ مشاہدہ ان کی شفا۔ آداب شفا ان کا ظاہر اور اوصافِ حقیقت ان کے بھید تھے۔

ذوقِ سماع جس وجودِ پاک کے لباسِ ظاہر و باطن کی یہ شان ہو اور جس ہستیٔ منوّر کی صفاتِ عالی کا یہ مرتبہ ہو اس کے ذوق اور کیفِ وجدانی کا جو عالم ہوگا وہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے ذوقِ ترنّم اور ذوقِ سماع سنتِ رسول اللہ صلعم ہے جس کے حدود مقرر ہیں اور لہویات کے گانے بجانے سے اُسے کوئی سروکار نہیں۔ حضور غوث پاکؓ مظہرِ ذاتِ سالتمآب صلعم تھے۔ پھر جذبۂ سماع کا ولولہ آپ میں کیوں نہ ہوتا۔ بہجۃ الاسرار جیسی کتاب معتبر میں متعدد واقعات حضور کے سماع و وجد کے مذکور ہیں۔ اسی سے دو بیان یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

(۱)

شیخ عمر بزاز فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور کی خدمت میں شیخ لقا اور شیخ علی بن ہیتی اور شیخ ابوسعید قیلوی حاضر ہوئے اس وقت حضور ایک عالمِ کیف میں تھے۔ شیخ لقا کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کچھ بولو۔ انھوں نے عرض کیا۔ آپ کے سامنے بولنے کی کس کو مجال ہے پھر شیخ ابوسعید کو حکم ملا تو انھوں نے کچھ عرض کیا۔ شیخ ابوسعید کے بعد خود حضور نے ایک پُرخروش اور سرشار تقریر فرمائی جس سے حاضرین پر مستی و وجد کا عالم طاری ہوگیا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے عرض کی قوال حاضر ہیں، حکم ہو تو کچھ گائیں۔ آپ نے اجازت دی۔ قوال نے گانا شروع کیا، جس کے سُننے سے حضور کو حال آگیا۔ آپ بے تابانہ کھڑے ہوگئے اور اسی عالم میں کہ اہلِ مجلس اثرِ وجد سے سب کے سب مدہوش تھے حضور نظروں سے غائب ہوگئے۔ لوگ تلاش کرنے نکلے تو آپ کو مدرسہ میں تشریف فرما دیکھا۔

(۲)

دوسری روایت بہجۃ الاسرار میں ہے کہ کسی قاری نے حضور کے سامنے یہ آیت خوش الحانی سے پڑھی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْم (آج ملک کس کے واسطے ہے) تو آپ کو حال آگیا اور جوشِ وجد میں آپ کھڑے ہوگئے۔ بار بار یہ فرماتے تھے من یقول الملك لی (کون کہتا ہے کہ ملک میرے واسطے ہے)

حاضرین بھی آپ کی تائید میں کھڑے ہوگئے اور کسی کی مجال نہ تھی جو حضور کے سوال کا جواب دے۔ مگر ایک شخص شیخ احمد نام نے جرأت کر کے عرض کیا (میں کہتا ہوں کہ ملک میرا ہے) کیونکہ خداوندِ کریم میرا ہے تو اس کا ملک بھی میرا ہے۔ حضور نے اسی عالمِ وجد میں فرمایا، اے نادان! جب تک تو اس کا نہ ہو، وہ تیرا کب ہو سکتا ہے اور جب تو اس کا نہیں تو ملک تیرا کہاں۔ شیخ احمد پر اس جواب کا ایسا اثر ہوا کہ وہ کپڑے پھینک کر جنگل کو نکل گئے۔

حضور کا ایک مکتوب دیکھنا، اس کاتبِ رموز و اسرار کے خطوط لکھنے کا ڈھنگ بھی کیسا پیارا تھا اور ان میں کیا کیا حقائق و معارف بھرے جاتے تھے۔ تحریر فرماتے ہیں :-

اے عزیز! قلبے سلیم باید کہ برموز فاعتبروا اولی الابصار اطلاع یابد۔ و عقلے کامل باید تا دقائق اسرار

Marfat.com

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ۔ ادراک کنند۔ و بیقینے صادق باید تا شواہد معرفت وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔ رالعین قلب مشاہدہ بیند۔ واز خواب غفلت یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ بیدار گردد۔ وبر سفینہ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ سوار گردد و دریائے معرفت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ مردانہ وار بغواصی فرود آید۔ اگر گوہر مطلوب بچنگ افتد فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔ واگر جان در طلب رود فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰہِ۔

ترجمہ: ———

اے عزیز! قلب سلیم درکار ہے تاکہ آیت (عبرت پکڑو آنکھوں والو!) کا بھید سمجھ میں آئے اور عقل کی ضرورت ہے تاکہ (ہم دکھاتے ہیں اپنی نشانیوں کو کائنات میں اور خود تمھارے نفوس میں) کی باریکیاں ہاتھ آئیں اور ان کا ادراک ہو یقین صادق درکار ہے تاکہ اس آیت کے مقامات عرفان حاصل ہوں (کوئی شے بھی ایسی نہیں جو پروردگار کی حمد و تسبیح میں مشغول نہ ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے) اور دل کی آنکھ سے ان کی تسبیح کا مشاہدہ ہو جائے۔ (فانی امیدوں نے ان کو دھوکا اور لالچ میں ڈال رکھا ہے۔ عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا) کی نیند سے ہوشیار ہو کر (خدا کی طرف بھاگو) کی کشتی پر سوار ہو اور (نہیں پیدا ہوئے جنّات و انسان مگر عبادت کے لیے) دریائے معرفت میں غوطہ لگائے، اگر گوہر مقصود ہاتھ آگیا تو (بڑی مرادمندی حاصل ہوئی) اور اگر جان اس تلاش میں گئی تو (یقیناً خدا تعالےٰ اس کا عوض دے گا)۔

مکتوب بے شمار ہیں جن میں سے چند اخبار الاخیار میں منقول ہیں مگر میں نے صرف ایک ہی نامۂ عالی کا یہاں نمونہ پیش کیا ہے۔

تصنیفات وتالیفات

حضور غوث پاک رضؓ کی تصنیفات فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین مشہور کتابیں ہیں غنیۃ الطالبین میں مسائل فقہ صوم وصلوٰۃ حج وزکوٰۃ وغیرہ کا بیان ہے اور مسلمانوں کے اختلافیہ فرقوں کے عقاید کی تشریح ہے اور اہل سنت کے عقاید کے بموجب ہر فرقہ کی تردید ہے۔ نیز بعض آیات قرآنی کی تفسیر اور اعمال واذکار واشغال کا بیان ہے پیر مرید کے اداب اور حقوق العباد اور آداب سماع اور ان تمام امور کا ذکر ہے جن کی سالک کو ضرورت پڑتی ہے۔ گویا یہ کتاب شریعت وطریقت کا لب لباب اور خلاصہ ہے۔ فتوح الغیب میں ترک وتجرید۔ فنا وبقا۔ محب ومحبوب اور امراض قلب ونفس کے علاج کا بیان ہے۔ یہ بھی طلبگاران سلوک کے لیے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔

ایک مجموعہ آپ کے وعظوں کا عفیف الدین ابن مبارک نے جمع کیا ہے۔ اس میں ساٹھ مجلسوں کے وعظ فراہم کیے گئے ہیں۔ اس کو مجالس فیض اور فتح ربانی بھی کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کے بہت سے اشعار وقصائد ہیں جن میں قصیدہ غوثیہ بہت مشہور ہے جو مشائخ عظام میں بطور ایک شغل کے اکثر حاجتوں اور مرادوں کے لیے پڑھا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس میں عجیب وغریب تاثیرات دی ہیں۔

Marfat.com

ایک مختصر رسالہ بھی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کے اصول پر آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ جو بہجۃ الاسرار مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر شائع ہوا ہے اس میں فرقہ معتزلہ کی خوب تردید فرمائی ہے۔ بہجۃ الاسرار کے حاشیہ پر قصیدۂ غوثیہ کے سوا اور بھی چند قصائد و اشعار آپ کے درج کیے گئے ہیں ان میں ایک قصیدہ کا نام حینئہ لکھا ہے۔ اس میں ۴۷ اشعار ہیں دوسرے قصیدہ کے چالیس اشعار ہیں تیسرے کے چونسٹھ، چوتھے کے چالیس، پانچویں کے اٹھارہ، چھٹے کے ایک سو اٹھارہ، ساتویں کے ساٹھ، آٹھویں کے تیئس، نویں کے بیالیس، دسویں کے چوبیس، گیارہویں کے بارہ، بارہویں کے بیس، تیرھویں کے بھی بیس اور چودھویں کے چودہ اشعار ہیں۔

نسب نامہ

سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رض بن سید ابو صالح موسیٰ بن سید ابی عبداللہ بن سید یحییٰ زاہد رح بن سید محمد۔ بن سید داؤد۔ بن سید موسیٰ ثانی۔ بن سید عبداللہ۔ بن سید موسیٰ جون۔ بن سید عبداللہ محض رح۔ بن سید حسن مثنیٰ۔ بن سیدنا و مولانا امیرالمومنین امام حسن رض بن امام العالم امیرالمومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔

اور مادری نسب نامہ یوں ہے: ام الخیر فاطمہ (مادر حضور غوث پاک رض) بنت ابو عبداللہ صومعی رح۔ بن ابو جمال رح، بن سید محمد رح۔ بن سید ابو طاہر رح۔ بن سید عبداللہ بن ابو کمال رح۔ بن سید موسیٰ رح بن سید ابو علاؤالدین رح۔ بن سید محمد رح۔ بن سید امام علی عریضی رح۔ بن سیدنا امام جعفر صادق رح۔ بن سید امام محمد باقر رض بن سیدنا امام زین العابدین بن سیدنا مظلوم کربلا امام حسین رض۔ بن سیدنا و مولانا امام العالم علی کرم اللہ وجہہ۔

نسب کی تمام معتبر کتابوں سے حضور رض کا حسن حسینی ہونا ثابت ہے۔ جن لوگوں کو انکار ہے وہ سخت غلطی و عداوت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو زیادہ تحقیقات منظور ہو تو کتاب مناقب غوثیہ مصنفہ مولانا محمد مرید محی الدین پشاوری کو دیکھیے جو بمبئی کے مطبع شہابی میں چھپی ہے جس کے ۳۷۶ صفحات کے اندر سیکڑوں کتابوں اور ان کی عبارتوں کے حوالوں سے حضور پاک رض کی سیادت ثابت کی گئی ہے۔

اولاد امجاد

حضور غوث پاک رض کے نو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ سید عبدالوہاب۔ سید عبدالرزاق۔ سید عبدالجبار۔ سید عبدالعزیز۔ سید یحییٰ۔ سید عیسیٰ۔ سید ابراہیم۔ سید عبداللہ۔ سید موسیٰ۔

بہجۃ الاسرار میں دسویں فرزند سید محمد رئیس کا نام بھی مذکور ہے۔

شیوخ شریعت و طریقت

حافظ ذہبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضور غوث پاک رض نے فقہ قاضی ابو سعید مخزومی سے پڑھی اور حدیث ابو بکر بن مظفر اور ابو غالب باقلانی اور ابو القاسم ابن بنان اور ابو محمد جعفر سراج ابو سعد بن حبیش اور ابو طالب بن یوسف سے۔ اور ان علما کی تعداد سیکڑوں سے زاید ہے جنھوں نے حضور سے فقہ، حدیث، تفسیر اور تمام علوم دین حاصل کیے) اور شیوخ طریقت کا سلسلہ یوں ہے۔

حضور غوث پاک رض کے شیخ طریقت شیخ ابو سعید مخزومی رح۔ ان کے شیخ حضرت ابوالحسن علی ہنکاری رح۔ ان کے شیخ حضرت ابوالفرح طرطوسی رح۔ ان کے شیخ حضرت الواحد ابوالفضل رض۔ ان کے شیخ حضرت جنید رض ابوالقاسم۔ ان کے شیخ حضرت ابوبکر شبلی رض۔ ان کے شیخ حضرت

Marfat.com

جنید بغدادیؒ۔ ان کے شیخ حضرت سری سقطیؒ۔ ان کے شیخ معروف کرخیؒ ان کے شیخ خواجہ حسن بصریؒ۔ ان کے شیخ حضرت امام العالم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسرا طریقہ سلسلہ کا یہ ہے کہ حضرت معروف کرخی تک وہی سلسلہ شیوخ کا ہے۔ ان کے بعد یوں ہے حضرت امام موسیٰؒ پھر حضرت امام موسیٰ کاظمؒ پھر حضرت امام محمد باقرؒ پھر حضرت امام زین العابدین۔ پھر سیدنا حضرت امام العالم حضرت علی رضی اللہ عنہ

تلقین طریقت

(۱)

فرمایا جس پیر میں یہ پانچ وصف نہ ہوں وہ دجال ہے پیر نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ پیر ظاہری شریعت کا عالم ہو۔ دوسرے علم حقیقت جانتا ہو۔ تیسرے اپنے پاس آنے والوں کے ساتھ عمدگی اور خندہ پیشانی سے برتاو کرتا ہو اور مسافروں کو کھانا کھلاتا ہو۔ چوتھے غربا اور بے حیثیت آدمیوں کے ساتھ قولاً وفعلاً عاجزی اور انکساری سے پیش آتا ہو۔ پانچویں یہ کہ مریدین کی باطنی تربیت و تعلیم کی لیاقت رکھتا ہو اور خود ریا، حسد، طمع، خود بینی، غفلت، عیش طلبی سے پاک ہو۔

(۲)

علامہ ابن النجار کا بیان ہے کہ جبائی سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور غوث پاک نے فرمایا کہ مجھے فرائض کے بعد محتاجوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانے اور عام و خاص کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنے کے سوا کوئی بہتر کام معلوم نہیں ہوتا۔ اگر ساری دنیا کی دولت کا مالک ہو جاؤں تو سب کی سب بھوکوں کو کھلا دوں اور محتاجوں کو دے دوں۔ میرے ہاتھ میں روپیہ نہیں ٹھہرتا۔ ہزاروں اشرفیاں صبح سے شام تک ہاتھ میں آتی ہیں مگر شام کو کچھ باقی نہیں رہتا۔ مستحقوں کو بانٹ دیتا ہوں۔

(۳)

کسی نے پوچھا حضور فقیر کے معنی کیا ہیں۔ فرمایا: ف کہتی ہے ذات الٰہی میں فنا ہو جا۔ اور ما سوا اللہ سے دل کو فارغ کر لے۔ ق کہتا ہے اپنے قلب کو حب خدا کی قدرت سے مضبوط کر اور اس کی رضامندی در رضا جوئی میں قائم ہو جا۔ ی چاہتی ہے یرجوا رحمتہ و یخافہ خدا سے امیدوار رہے اور اس کا خوف دل میں رکھے۔ اور ر کی خواہش ہے رقت قلب اور رجوع علی اللہ یعنی نفسانی خواہشوں سے دامن بچا کر خدا کی طرف رجوع ہو جا۔

(۴)

فرمایا۔ خدا رسول کی اطاعت کرو۔ بدعات سے بچو۔ فرمانبردار رہو۔ صبر کو شیوہ بناؤ۔ سختی کے بعد راحت کا آنا لازمی جانو۔ تکلیف میں ناامید نہ ہو جایا کرو۔ خدا کے ذکر پر جمع ہو جاؤ۔ پراگندہ نہ رہو۔ توبہ سے گناہوں کو دھو ڈالا کرو۔ اپنے مولا کے دروازے سے کبھی نہ ہٹو۔

(۵)

فرمایا اپنے دل کے دروازہ پر دربان بن جاؤ جس کے جانے کا خدا حکم دے اس کو اندر جانے دو جس کو منع کرے اس کو روک دو۔ دلوں کی خواہشوں کو زیادہ نہ بڑھاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ کسی حال اور مقام پر بھروسہ کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمیشہ اس پر قائم

Marfat.com

رہتا ہے، کیونکہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ آیا ہے، تغیر اور تبدیلی لازمی ہے۔

(۶)

فرمایا نہ کسی سے محبت کرنے میں جلدی کرو، نہ عداوت و نفرت میں۔ پہلے قرآن و حدیث کی کسوٹی پر اس کو پرکھ کر دیکھ لو ایسا نہ ہو تم نفس کی شرارت سے کسی پر بدگمانی کر بیٹھو کہ یہ گناہ ہے۔

(۷)

فرمایا۔ خدا کو چھوڑ کر جو دوسروں سے مانگتا ہے اس نے خدا کے رتبہ اور درجہ کو نہیں پہچانا۔ فرمایا مومن کی علامت یہ ہے کہ حلال روزی کی تلاش میں مصروف رہتا ہے۔ قسمت پر بھروسہ کرکے بیکار نہیں بیٹھتا۔ اگر تلاش میں کامیاب ہوا تو روزی بھی اور ثواب تلاش بھی ورنہ صرف تلاش کا ثواب حاصل کرتا ہے۔

(۸)

فرمایا، خدا اپنی تقدیر کا مختار ہے، کوئی اس میں دخل دینے کی طاقت نہیں رکھتا نہ کسی کی یہ مجال ہے کہ اس پر زور دے کر مقدر بدلوالے جس کا یہ عقیدہ ہے وہ گمراہ ہے۔

(۹)

کسی نے پوچھا حسنِ خلق کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ تو عرفانِ حق میں ایسا سرشار ہو کہ کسی کے ظلم اور سختی سے رنج کا اثر محسوس نہ کرے۔ پوچھا گیا، لقا کیا چیز ہے؟ فرمایا لقائے رب ہے اور وہ حجاب نفس کی دوری کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور نفس کا حجاب دور نہیں ہوتا جب تک کہ باہر کی دید سے نگاہ نہ اٹھائے اور اپنے نفس کی دید میں مصروف نہ ہو۔

گیارہ نام کے وسیلہ سے دعا

بزرگانِ دین میں حضور غوث پاکؓ کے گیارہ نام کی دعا کا رواج ہے اور ہزاروں آدمیوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ عروج ماہ میں جمعرات کے دن نماز مغرب کے بعد سنتوں سے پہلے گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھے اس کے بعد گیارہ اسماء گیارہ بار پڑھ کر سات مرتبہ سورہ فاتحہ اور گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنی مراد کی دعا خدا تعالےٰ سے مانگے وہ اسماء یہ ہیں۔

الٰہی بحرمت سیّد محی الدین، الٰہی بحرمت شیخ محی الدین۔ الٰہی بحرمت سلطان محی الدین۔ الٰہی بحرمت قطب محی الدین۔ الٰہی بحرمت غوث محی الدین۔ الٰہی بحرمت مخدوم محی الدین۔ الٰہی بحرمت خواجہ محی الدین۔ الٰہی بحرمت درویش محی الدین۔ الٰہی بحرمت غریب محی الدین۔ الٰہی بحرمت ولی محی الدین۔ الٰہی بحرمت مسکین محی الدین۔

اشغال سلوک

پاس انفاس کا شغل کئی طریقوں سے سلسلہ قادریہ میں ہے جو حضور کی تعلیمات میں شامل تھا۔ اسم ذات کا بھی ہے نفی اثبات کا بھی اور اسم یاحی یاقیوم کا بھی۔ ان سب کی تفصیل لکھنی فضول ہے۔ کیونکہ یہ بغیر مرشد عارف کے سمجھانے اور بتانے کے کتاب سے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اور نہ ان کے عام کرنے کی اجازت ہے۔

Marfat.com

سلطان الاذکار بھی حضور سے مروی ہے۔ چشتیوں اور قادریوں کے طرزِ اشغال میں بہت یکسانیت پائی جاتی ہے سلطان الذکار کا بھی یہی حال ہے مگر اس کے بعض طریقے ایسے معلوم ہوئے جو سلسلہ قادریہ سے علیحدہ ہیں۔

سلطان الاذکار حضور غوث پاکؓ کا بہت پسندیدہ شغل تھا۔ ایام مجاہدہ میں اس کی عرصہ دراز تک مشغولی رہی ہے بعد میں بھی حضور کے اکثر احوال سے اس مشغولی کے اشارے نظر آتے ہیں۔ اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی۔

نمازِ تہجّد

سلسلہ قادریہ میں نمازِ تہجد کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں ایک جس کی نسبت روایت ہے کہ حضور غوث پاکؓ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ نمازِ تہجد ایک ایسی دولت ہے جس کے سامنے تمام نفل عبادتیں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو اس کے دل میں ایک عجیب گدازگی اور رقت پیدا ہو جاتی ہے اور قطع نظر عقبیٰ کے اجر اور باطنی ترقیوں کے تہجد گذار کا چہرہ دور سے کہہ دیتا ہے کہ میں تہجد پڑھتا ہوں۔ کیونکہ برکات تہجد کا نور اس کی پیشانی اور اس کے چہرے پر ہر وقت دمکتا رہتا ہے۔ خواہ وہ شخص کیسا ہی بدصورت ہو اور یہ ایک ایسا کھلا ہوا اور عقلی ثبوت تہجد کی تاثیر کا ہے جس کو ہر عاقل اور مادہ پرست بھی آزما کر دیکھ سکتا ہے۔

تہجد کا وقت آدھی رات ڈھلنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے۔ حضور غوث پاکؓ کے مقلّد کو تو لازمی طور سے تہجد کبھی ناغہ نہ کرنی چاہیئے۔ طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل تہجّد کی نیت کر کے بارہ یا دس یا آٹھ یا چار رکعتیں پڑھی جائیں۔ یعنی اگر توفیق ہو اور زیادہ دیر تک جاگ سکتا ہو تو بارہ رکعتیں دو دو کر کے پڑھے ورنہ کم۔ جو چار تک کم ہو سکتی ہیں۔

پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھی جائے اور دوسری میں دو بار۔ پھر جب دوبارہ نیت باندھ کر دو رکعت پڑھے تو پہلی رکعت میں الحمد کے بعد ۳ مرتبہ سورہ اخلاص اور دوسری رکعت میں چار بار، اسی طرح بارہ رکعت تک ایک ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتا جائے، یعنی بارھویں رکعت میں سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ پڑھے۔

باطنی کشائش اور ترقی سلوک عرفان کے لیے طریقہ برعکس ہے یعنی پہلی رکعت میں بارہ مرتبہ پڑھے۔ دوسری میں گیارہ یہاں تک کہ بارھویں میں ایک مرتبہ پڑھے۔

جب نماز سے فارغ ہو جائے تو تین بار استغفار پڑھے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ۔

تہجد کے بعد ذکر

اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو نمازِ تہجد کے بعد یہ ذکر بھی کر لے کہ معمولات حضور غوث پاکؓ سے ثابت ہے:

اوّل دو سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ (اس کو نفی اثبات کہتے ہیں) پھر الا اللہ چار سو مرتبہ (اس کو اثبات کہتے ہیں) پھر اللہ اللہ چھ سو بار (اس کو ذات کہتے ہیں)

یہ سب ذکر خفی کرنا چاہیئے۔ یعنی آہستہ آہستہ۔ لیکن اگر کوئی عارف کامل تعلیم فرمائے اور دوسروں کی تکلیف اور نیند خراب

Marfat.com

ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو جہر کر لیا جائے۔

قادریہ استخارہ حضور غوث پاکؒ سے استخارہ کے کئی طریقے مروی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نفل پڑھے، ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنی چاہیئے۔ نماز کے بعد سر شمال کی جانب اور چہرہ قبلہ کی طرف کر کے یہ اسم پڑھنے شروع کرے۔ النور الظاہر الباسط تعداد کچھ نہیں ہے اتنی دیر پڑھے کہ نیند آجائے جس کام کے لیے استخارہ کیا ہے اس کا جواب خواب میں نظر آئے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سورۂ یٰسین شریف پانچ یا تین یا ایک بار پڑھ کر سو جائے۔ پڑھتے وقت پہلے اس مراد کا تصوّر کر لیا جائے جس کے لیے استخارہ کیا ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز عشا پاک بستر پر سونے کے لیے لیٹے اور ایک ہزار مرتبہ یا ہادی یا رشید یا خبیر پڑھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مطلوبہ سوال کا جواب خواب میں ضرور نظر آجائے گا پہلے دن معلوم نہ ہو تو تین دن برابر کرنا چاہیئے۔

ختم قادریہ اکثر مہماتِ عظیمہ میں مفید ہوتا ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ الم نشرح ایک ہزار مرتبہ پڑھے۔ اوّل آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ۔ اس کے بعد اس کا ثواب حضور غوث پاکؒ کی روحِ مطہرہ کو بخش کر خدا سے اپنی مراد کے لیے دعا کرے۔ یہ ختم بڑا ہے۔ اگر اتنی فرصت نہ ہو تو چھوٹا ختم ایک سو اکتالیس مرتبہ سورہ الم نشرح پڑھنے کا بھی ہے۔

اور اس کا طریقہ وہی ہے جو بڑے ختم کا بیان ہوا۔ صرف تعداد الم نشرح ہزار کی جگہ ایک سو اکتالیس ہے۔

پانچ اسم اعظم حضور غوث پاک کے وظائف شریف میں پانچ اسم اعظم کا وظیفہ بڑی نشان رکھتا ہے اس کے ہزاروں فائدے بزرگان دین کے مشاہدہ میں آئے ہیں۔ جو شخص ان کا ورد رکھے گا اس کی دنیاوی ضرورتیں بھی اللہ تعالیٰ پوری کرے گا اور ترقی عرفان بھی ہوگی۔

میں نے سفر ہندوستان میں جس بزرگ سے ان اسمائے خمسہ کی نسبت دریافت کیا۔ سب نے اُن کے ورد کی تعریف فرمائی۔ بیرونِ ہندوستان میں بھی مصر، شام اور فلسطین کے مشائخ نے اس وظیفہ کی خوبیاں تسلیم کی ہیں اور ارشاد فرمایا کہ مہماتِ دین و دنیا کے لیے یہ وظیفہ از بس مفید ہے اور کیوں نہ ہو جناب باری تعالےٰ کے وہ اسماء ہیں جن کے بیشمار اسرار پوشیدہ ہیں۔

فتوحات مکیہ میں حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ نے بھی ان اسماء کے رموز و فوائد کے بارہ میں بہت کچھ تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ محبوبِ سبحانی غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانیؒ کی زبان مبارک پر جو وظیفہ مدتوں رہا ہو اس کی تاثیر میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ حاضرینِ محفل گیارھویں شریف کو چاہیئے کہ یہ وظیفہ اپنے اوپر لازم کر لیں کبھی ناغہ نہ کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ قدرتِ حق ان کی مشکلاتِ دین و دنیا کو کس عجیب غریب طریقہ سے حل کرتی ہے اور وہ ان اسمائے خمسہ کی برکت سے کیسے نہال اور فارغ البال ہو جاتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ نمازِ پنجوقتہ کی پابندی ہو۔ اور ہر نماز کے بعد ان کا ورد کیا جائے خصوصاً عشاء

Marfat.com

اور صبح کی نماز کے بعد تو کبھی ناغہ نہ کرنا چاہیئے۔

وہ اسماء یہ ہیں جن کو بزرگوں نے پانچ اسم کے نام سے یاد کیا ہے:۔

یا اللہ　یا رحمٰن　یا رحیم　یا حیّ　یا قیّوم

ان کے پڑھنے کی تعداد حضور غوث پاک رضؓ سے سات سو بھی آتی ہے اور پانسو بھی اور ایک سو بھی۔ جو تعداد آسان معلوم ہو وہی اختیار کر لی جائے۔ بہترین یہی ہے کہ ایک سو کی تعداد ہو کیونکہ اس میں ناغہ ہونے کا ڈر نہیں اور اس وظیفہ میں ایک دن کا ناغہ بھی بہت مضر ہے۔ اس سے چالیس دن کا اثر جاتا رہتا ہے۔

مجھ کو ان اسماء کی بہت سے بزرگوں نے اجازت دی ہے۔ ہندوستان میں بھی اور ممالک اسلامیہ میں بھی اور اب میں مسلمان بھائیوں کے فائدے کے لیے اپنی اجازتوں کا حق عام کرتا ہوں، یعنی میری طرف سے ہر شخص کو اس نعمتِ قادریہ کے ورد میں لانے کی اجازت ہے۔

(غیر مسلم لوگ بھی یہ وظیفہ طہارتِ اسلامی حاصل کرنے کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔

اسم اعظم کیا ہے

ہر شخص کو شوق ہے کہ اسم اعظم معلوم کرے اور اس کے اسرار سے واقف ہو میں یہاں اسم اعظم کی نسبت حضور غوث پاک رضؓ کی ایک تقریر درج کرتا ہوں۔ جو کتاب قلائد الجواہر میں ہے۔ یہ کتاب ۹۵۰ھ میں حضور غوث پاک کی اولاد میں سے ایک بزرگ نے لکھی تھی۔ حضور کے اصل الفاظ نقل کرنے میں طوالت ہوگی۔ اس واسطے اس کا سلیس ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ حضور غوث پاکؓ اسم اعظم کس کو سمجھتے تھے اور آپ نے اس کے اسرار و رموز کی نسبت کیا ارشاد فرمایا ہے:۔

اللہ اسم اعظم ہے مگر اس کا اثر اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ طالب کے دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو۔ عرفان کی دنیا میں اسم اللہ کُن کی مثل ہے یعنی جس طرح کن کے لفظ سے قدرت نے تمام کائنات ظاہر فرمائی اسی طرح کائنات معارف میں اسم اللہ کی شان ہے۔ اللہ وہ کلمہ ہے جس سے ہر مہم آسان اور ہر غم و فکر دور ہو جاتا ہے۔ اس کا نور عام ہے۔ اللہ ہر غالب پر غالب ہے۔ اللہ مظہر العجائب ہے اللہ کی سلطنت سب سلطنتوں سے زبردست ہے اللہ ہر بندہ کے حال سے واقف ہے۔ اللہ ہر سرکش کو پست کرنے والا ہے۔ اللہ ایسا زبردست ہے جو سب زبردستوں کو زیردست کر سکتا ہے۔ اللہ حاضر و غائب کا عالم ہے اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ جو اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے۔ اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور اسی کے سایہ میں زندگی بسر کرتا ہے۔ جو اللہ کا مشتاق ہے اللہ اس کا مشتاق ہے۔

اللہ سے بھاگنے والو! آؤ۔ اب بھی اس کی طرف آؤ۔ تم نے سنا اس فنا کے گھر میں اسم اللہ کی کیسی دھوم ہے تو خیال کرو کہ بقا کے گھر میں اس کا کیسا چرچا و غل ہوگا۔ اس دار محنت میں اللہ تم کو یہ کچھ دنیا ہے تو اس دار نعمت میں کیا کچھ نہ دے گا۔ اللہ کا نام لو۔ اس کے در پر جاؤ۔ اسے پکارو۔ دیکھو پردے اُٹھ جائیں گے دیکھو جلوے نظر آ جائیں گے۔ دیکھنا کتنے

Marfat.com

طلبگار پردوں کے اندر مشاہدۂ جمال میں مصروف و محو ہیں اور پھر یہ بھی دیکھنا کہ وصال کی موجوں میں وہ کیسے غوطے لگا رہے ہیں وہ پرندہ صبح سے شام تک دوست کی یاد میں نغمے گاتا تھا اور شام سے صبح تک اس کے تصوّر میں چشم بند بیٹھا رہتا تھا آج اس کو دوست مل گیا۔ یہی مثال تسلیم و رضا کے ذوق و شوق کی تمھارے سامنے رہنی چاہیئے۔ سنو سنو! اس نے خود فرمایا: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کو کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔ اللہ پر نظر کرو۔ اسے شوق و اشتیاق سے یاد کرو۔ وہ قرب و وصال سے تم کو یاد کرے گا تم اسے حمد و ثنا سے یاد کرو۔ وہ تمھیں انعام و احسان سے یاد کرے گا تم اسے توبہ سے یاد کرو۔ وہ تمھیں بخشش اور مغفرت سے یاد کرے گا۔ تم بغیر غفلت کے یاد کرو، وہ بغیر جہلت کے تم کو یاد رکھے گا۔ تمھاری یاد میں ندامت ہو، اس کی یاد میں کرامت و عنایت ہوگی۔ تمھاری یاد میں خلوص و اخلاص ہو تو اس کی یاد میں خلاصی و مخلصی ہوگی تم اسے تنگدستی میں یاد کرو۔ وہ تمھیں فراخ دستی میں یاد کرے گا۔ تم اسے صدق سے یاد کرو، وہ تمھیں رزق سے یاد کرے گا۔ تم اسے اسلام سے یاد کرو وہ تمھیں انعام و اکرام سے یاد کرے گا۔ تم اسے ہر جگہ یاد کرو۔ وہ بھی تمھیں ہر جگہ یاد کرے گا۔ سنو سنو، خوب خیال سے سنو وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۔ اللہ کا ذکر بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

وجد، خوف و رجا و حیا

وجد کی نسبت ارشاد ہوا روح ذکر کی حلاوت میں نفس لذّتِ طرب میں اور دماغ ذاتِ احد میں مصروف ہوجائیں۔ جس کا ظہور ایک نشہ ہے اور نشہ میں آدمی گر بھی پڑتا ہے اور بیہوش بھی ہوجاتا ہے۔ خوف کی نسبت فرمایا اس کی کئی قسمیں ہیں گنہگاروں کو عذاب کا خوف، عابدوں کو ثواب ملنے یا نہ ملنے کا خوف اور عارفوں کو عظمت الٰہی کی ہیبت سے خوف ہوتا ہے اور یہ کبھی زایل نہیں ہوتا۔ کیونکہ عارف کے سامنے عظمتِ رب کبھی دور نہیں ہوتی اس واسطے یہ خوف بڑا درجہ رکھتا ہے۔ رجا کی بابت ارشاد ہوا۔ اولیاء اللہ کی رجا (امید) ایک حسن ظن ہے۔ پروردگار کے ساتھ جس کو نفع و ضرر سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ مگر اس رجا میں خوف بھی ساتھ لگا ہوا ہے۔ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ اگر مومن کے خوف و امید کو تولا جائے تو دونوں کا وزن برابر ہوگا۔ حیا کی نسبت فرمایا۔ خدا کی نافرمانی خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس شرم سے کہ وہ میرے مالک کی نافرمانی ہے ترک کر دینی حیا ہے۔

دنیا دل سے نکال کر ہاتھ میں لے لو

دنیا کی تعریف تو حضور نے ایسی صاف اور عام فہم فرمائی ہے جس کو ایک بچّہ بھی سمجھ لے اور اس کی تشریح میں ایسی بلاغت برتی گئی ہے جس کی نظیر حضور کے بعد کسی بلیغ جملہ میں ملنی محال ہے، فرمایا دنیا کو دل سے نکال لو اور ہاتھ میں لے لو۔ یعنی دنیا کماؤ۔ دولت حاصل کرو۔ مگر وہ تمھارے ہاتھ ہی میں رہے۔ دل پر قبضہ نہ کرنے پائے۔

وفات حسرت آیات

آخر وہ وقت آگیا جو ہر بشری صورت کو پیش آنا ضروری ہے۔ یعنی جب حضور کا سن مبارک اکیانوے برس کا ہوا، (دوسری روایت کے بموجب ۹۲ سال ہیں)، تو ذات الٰہی کی محبّت نے کشش فرمائی اور اس محبوب نے عالمِ ناسوت کو ترک فرمانے کا سامان شروع کیا۔

Marfat.com

آپ کے صاحبزادے حضرت سید عبدالوہابؒ کا بیان ہے کہ مرض موت میں ہم لوگوں نے وصیّت کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا۔

علیك بتقوی اللہ وطاعتہ ولا تخف احدا ولا ترجہہ ولا تثق باحد سوی اللہ عز وجل ولا تعتمد الا علی التوحید الذی علیہ اجماع الکل۔

تقویٰ اور خدا کی طاعت کو اختیار کرو اور کسی چیز سے مت ڈرو اور نہ کسی غیر خدا سے کچھ توقع رکھو۔ سوائے خدا کے کسی پر بھروسا نہ کرو اور سوائے توحید کے کسی پر اعتماد نہ رکھو کہ توحید ہی وہ چیز ہے جس پر سب کو اتفاق ہے۔

اس کے بعد فرمایا انا لا ابالی بشئ ولا بملك الموت (ہم کو (سوائے خدا کے) نہ ملک الموت کی پروا ہے نہ کسی اور چیز کی۔ اس کے بعد جب بالکل آخری حالت ہوگئی تو یہ کلمات زبان مبارک پر آئے۔

استعنت بلا الہ الا اللہ الحی الذی لا یموت ولا یخشی سبحان من تعزز بالقدرة والقهر العباد بالموت لا الٰہ اِلّا اللہ محمّد رسول اللہ۔

میں مدد مانگتا ہوں اس خداتعالیٰ سے جس کا کوئی شریک نہیں جو زندہ ہے اور کبھی نہیں مرتا اور نہ کسی سے ڈرتا ہے۔ پاک ہے وہ جس کو بندوں پر موت طاری کرنے میں قدرت وغلبہ حاصل ہے (لہذا میں گواہی دیتا ہوں کہ) نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اور محمدؐ بلاشک اس کے رسول ہیں۔

اس آخری کلمہ پر روح مبارک نے جسم شریف سے مفارقت کی۔ ربیع الآخر کا مہینہ سترہ تاریخ اور ۵۶۱ھ ہجری کا زمانہ تھا۔ تاریخ میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے نویں بیان کی، کسی نے گیارہویں۔ کسی نے تیرھویں اور کسی نے سترھویں۔ مگر زیادہ روایتیں سترہ کی ہیں۔

ابن جوزی کے نواسے علامہ شمس الدین ابوالمظفر یوسف نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ کے جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ اہل خانہ مجبور ہوگئے اور انھوں نے حضور کو رات کے وقت دفن کیا۔ اس کی تصدیق ابن اثیر نے بھی اپنی تاریخ میں کی ہے کہ بغداد کے محلہ حلبہ کی سڑکیں انبوہ خلائق سے بھر گئی تھیں اور کشمکش خلائق کے سبب دن کو دفن ممکن نہ ہوا رات کے وقت یہ فرض ادا کیا گیا۔ ابن نجار نے لکھا ہے کہ آپ کے جنازہ کے ساتھ اتنی خلقت تھی کہ دن کو دفن نہ کرسکے اور رات کو آپ ہی مدرسہ میں سائبان کے نیچے دفن کیا گیا اور صبح تک مدرسہ کا دروازہ بند رکھا۔ صبح کو جوق جوق لوگ آتے تھے اور مزار مبارک کی زیارت کرتے تھے جنکی وفات عباسی خلیفہ المستنجد باللہ ابوالمظفر کے عہد میں ہوئی جو ۵۵۵ھ ہجری میں تخت نشین ہوا ۵۶۶ھ ہجری میں مرگیا۔

Marfat.com

حضرت شیخ العالم بابا فریدالدین گنج شکرؒ

حضرت شیخ العالم بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے اجداد بخارا اور غزنی سے ہندوستان آئے تھے۔ قاضی شعیب اس خاندان کے سردار تھے۔ قاضی شعیب کے بیٹے قاضی سلیمان تھے اور قاضی سلیمان کے فرزند قاضی مسعود تھے اور یہی قاضی مسعود آخر میں شیخ العالم بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔

قاضی شعیب ہندوستان میں آئے تو پہلے قصور میں آکر ٹھہرے پھر کھتوال چلے گئے وہاں ان کے بیٹے قاضی سلیمان کا کم عمری میں انتقال ہوگیا اور ان کے پوتے مسعود بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہوگئے اور ان کی والدہ نے اپنے یتیم بچے کی تعلیم و تربیت شروع کی۔ نماز کی پابندی کرانے کے لیے حضرت کی والدہ جانماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں اور اپنے بچے مسعود سے فرمایا کرتی تھیں جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کی جانماز کے نیچے سے روزانہ ان کو شکر مل جاتی ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ والدہ شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں۔ اور انھوں نے گھبرا کر حضرت سے کہا مسعود! تم نے نماز پڑھی یا نہیں؟ حضرت نے جواب دیا۔ ہاں اماں نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔

یہ جواب سن کر حضرت کی والدہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ سمجھیں کہ اس بچے کی غیب سے مدد ہوتی ہے اور اس وقت سے انھوں نے اپنے بچے مسعود کو شکر بار اور شکر گنج کہنا شروع کیا جو آج تک مشہور ہے۔

تعلیم حضرت کی والدہ نے حضرتؒ کو کھتوال میں بہت اچھی تعلیم دلوائی تھی۔ مگر جب یہاں کی تعلیم پوری ہوگئی تو حضرتؒ کو تعلیم کے لیے ملتان بھیجا گیا جہاں اس وقت بڑے بڑے علماء درس دیتے تھے۔ چنانچہ حضرتؒ ملتان میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ایک مسجد میں رہتے تھے جہاں بہت عسرت اور تنگی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔

ارادت ایک دن حضرت رحؒ اس مسجد میں بیٹھے ہوئے نافع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آئے جنھوں نے ان کو کتاب کے مطالعہ میں مصروف دیکھ کر پوچھا۔ یہ کیا پڑھ رہے ہو حضرت نے کتاب سے نظر اٹھا کر اُن درویش کو دیکھا اور جواب دیا نافع پڑھ رہا ہوں۔ ان درویش نے مسکرا کر پوچھا کیا یہ کتاب تم کو کچھ نفع دے گی؟ جونہی حضرت کی ان درویش سے آنکھیں چار ہوئیں ایک خاص اثر حضرت کے دل پر ہوا اور حضرت نے کھڑے ہو کر جواب دیا جی نہیں، مجھے اس کتاب سے نفع نہیں ہوگا بلکہ آپ کی نظر فیض اثر سے نفع ہوگا۔ یہ کہہ کر حضرت نے فوراً ان درویش کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ اور ان درویش سے کچھ باطنی رموز کے سوالات کیے۔ جن کو بالوں باتوں میں ان درویش نے حل کر دیا۔ حضرتؒ نے ان درویش سے پوچھا، آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا میرا نام قطب الدین بختیار ہے اور میں دہلی جا رہا ہوں۔ حضرت نے عرض کی مجھے بھی اپنے ساتھ دہلی لے چلیے۔ درویش نے فرمایا چلو میرے ساتھ چلو۔

بیعت دہلی میں آکر حضرت خواجہ قطب صاحبؒ نے بابا صاحب کو مشائخ دہلی کے ایک مجمع میں مرید کیا اور حضرت سے مجاہدے کرانے

Marfat.com

شروع کیے۔ کچھ دن کے بعد وہ دہلی سے ہانسی میں چلے گئے اور وہاں مجاہدے کرتے رہے۔ پھر دہلی میں آئے اور یہاں اور تلقین حاصل کی اور اوچھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر مجاہدے کیے، پھر دہلی میں حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ قطب صاحبؒ نے ان کو خلافت عطا فرمادی۔ یہاں سے حضرت ہانسی میں آئے اور ہانسی سے کھتوال تشریف لائے اور کھتوال میں جب لوگوں کا ہجوم ہُوا تو اجودھن میں آکر اقامت اختیار کرلی جو دریا کے کنارے ایک غیر مشہور مقام تھا اور پھر آخر عمر تک اسی جگہ رہے لیکن دہلی میں حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے پاس آتے رہتے تھے۔

فیضان

ابتدائی زمانہ میں ایک دفعہ ایسا ہُوا کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ دہلی میں آئے ہوئے تھے اور حضرت بابا صاحب بھی دہلی میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری نے خواجہ قطب صاحبؒ سے فرمایا، آؤ ہم تم دونوں مسعود کو فیض اور نعمت دیں۔ چنانچہ ان دونوں نے بابا صاحب کو بیچ میں کھڑا کرلیا اور دونوں بزرگوں نے بابا صاحب کو کھڑے ہو کر توجہ دینی شروع کی اور باطنی نعمتوں سے مالا مال کردیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحبؒ نے بابا صاحب سے فرمایا مسعود! دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو۔ بابا صاحب نے حضرت خواجہ صاحب کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا میں کہتا ہوں دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو تم میرے قدموں میں سر جھکاتے ہو۔ بابا صاحب نے جواب دیا ان قدموں کے سوا اور قدم نظر نہیں آتے۔ یہ جواب سُن کر حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ نے فرمایا۔ بختیار، بختیار مسعود ٹھیک کہتا ہے۔ وہ منزل کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ جہاں وحدت کے سوا دوئی کا نام باقی نہیں رہتا، پھر کیونکر اس کو تیرے سوا میں نظر آؤں۔

آخری تبرکات

حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی وفات کے وقت بابا صاحب دہلی میں نہ تھے، ہانسی میں تھے۔ مگر حضرت خواجہ قطب صاحب نے وصیت فرمادی تھی کہ میرے سب تبرکات مسعود کو دیئے جائیں اور وہی میرا جانشین ہو۔ چنانچہ وہ ہانسی سے دہلی آئے اور حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کا عطیہ خرقہ پہنا اور تبرکات حاصل کیے اور ان کی جگہ پر بیٹھے اور پھر کچھ دن کے بعد خلقت کے ہجوم سے گھبرا کر ہانسی تشریف لے گئے اور ہانسی سے اجودھن میں تشریف لے آئے اور یہیں آخری عمر تک قیام فرمایا۔

نظام اوقات

اجودھن میں بابا صاحب ہر وقت یادِ خدا میں مصروف رہتے تھے اور ان کی مجلس میں علمی اور روحانی چرچے رہتے تھے آدھی رات تک دروازہ کھلا رہتا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ ان کی علمیت اتنی اعلیٰ تھی کہ مولانا خواجہ سید بدرالدین اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ محض اسی علمیت کی وجہ سے باوجود انکار فقراء ان کے مرید ہوئے تھے ان کی بات بات میں علمی لطیفے ہوتے تھے ایک دفعہ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی نے خط لکھا تو اس میں یہ بھی لکھا کہ میری تو تم سے عشق بازی ہے۔ بابا صاحب نے جواب دیا میری آپ کی محبّت تو ہے مگر بازی نہیں ہے اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے خطوط میں عشق اور محبت کے اندر رہیں بازی تک نہ آئیں۔

بادشاہ کے نام خط

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ العالم نے دہلی کے بادشاہ بلبن کو کسی شخص کی سفارش

Marfat.com

لکھی تو عربی زبان میں اس طرح خط لکھا:

رَفَعْتُ قِصَّةً اِلَی اللهِ ثُمَّ اِلَیْکَ فَاِنْ اَعْطَیْتَهٗ شَیْئًا فَالْمُعْطِیْ هُوَ اللهُ وَاَنْتَ الْمَشْکُوْرُ وَاِنْ لَمْ تُعْطِهٖ شَیْئًا فَالْمَانِعُ هُوَ اللهُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ۔

میں نے اس شخص کی ضرورت کو خدا کے سامنے پیش کیا، پھر تیرے پاس بھیجا اگر تو اس کو کچھ دے گا تو یہ دین اللہ کی ہوگی اور یہ شخص تیرا شکر گذار ہوگا اور کچھ نہ دے گا تو روک خدا کی طرف سے ہوگی اور تو معذور سمجھا جائے گا۔

اس سے حضرت کی فصاحت و بلاغت بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ ان کی نظر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی تھی اور اہل دنیا کی کوئی ہیبت ان کے دل میں نہ تھی۔

ہاتھ کی لکڑی

ایک دفعہ بابا صاحب بیمار تھے اور لکڑی کے سہارے چل رہے تھے۔ یکایک لکڑی انھوں نے اپنے ہاتھ سے پھینک دی، حاضرین نے وجہ پوچھی تو حضرت نے فرمایا میرے دل میں خیال آیا کہ میرا چلنا اس لکڑی کے بھروسہ پر ہے اس لیے میں نے اس کو پھینک دیا انسان کا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہونا چاہیئے۔

ایک ملّا کا قصّہ

حضرت سلطان المشائخ حضرت مولانا خواجہ سیّد بدرالدین اسحٰق کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اجودھن کے قریب کوئی ملّا صاحب رہتے تھے، جن کو اپنے علم کا بہت گھمنڈ تھا اور درویشوں کو بے علم سمجھ کر حقارت سے دیکھا کرتے تھے ایک دن حضرت شیخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت مجلس میں بہت لوگ موجود تھے۔ ملّا صاحب نے اپنی علمیت اور ہمہ دانی کے قصّے بیان کرنے شروع کیے۔ حضرت شیخ العالم نے ان کے قصّے سنتے سنتے ان سے پوچھا کہ مولانا اسلام کے رکن کتنے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا پانچ ہیں۔ ایک کلمہ، دوسرے نماز، تیسرے روزہ، چوتھے زکوٰۃ، پانچویں حج۔ حضرت شیخ العالم نے فرمایا میں نے تو چھٹا رکن بھی سنا ہے۔ ملّا صاحب نے بگڑ کر جواب دیا۔ چھٹا رکن کوئی نہیں ہے آپ نے جو کچھ سنا غلط سُنا۔ حضرت نے جواب دیا جی نہیں میں نے معتبر اہل علم سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ اس پر ملّا صاحب کو غصّہ آگیا اور انھوں نے کہا مجھے آپ لوگوں سے اسی لیے اختلاف رہتا ہے کہ آپ لوگ بے علم اور کم علم ہوتے ہیں لیکن عالم بننے کی کوشش میں خواہ مخواہ دخل درمعقولات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے جو پانچ رکن بیان کیے ہیں یہ حدیثوں میں موجود ہیں۔ فقہ میں موجود ہیں۔ آپ جس چھٹے رکن کو بیان کرتے ہیں وہ نہ حدیثوں میں ہے نہ فقہ میں ہے۔ حضرت شیخ العالم نے تبسّم کے بعد فرمایا نہیں مولانا قرآن میں بھی ہے حدیث میں بھی ہے اور فقہ میں بھی ہے۔ یہ سنکر مولانا کو اتنا زیادہ غصّہ آیا کہ وہ کھڑے ہوگئے اور انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ نصیحت کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھ۔ اس لیے میں جاتا ہوں۔ شیخ العالم نے بہت نرمی کے ساتھ ان کو ٹھہرانا چاہا۔ مگر ملّا صاحب نہ ٹھہرے اور چلے گئے۔

مُلّا صاحب کی مصیبت

جب ملّا صاحب حضرت باباصاحب رضی اللہ عنہ کی مجلس سے ناراض ہوکر چلے گئے تو انھوں نے کچھ عرصے کے بعد حج کے سفر کا ارادہ کیا اور پوری تیاری کے بعد روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ میں پہنچ کر

Marfat.com

سات برس وہاں قیام کیا ۔ اس کے بعد ہندوستان کے جہاز میں سوار ہو کر واپسی کے خیال سے روانہ ہوئے ۔ دو چار دن کے بعد سمندر میں سخت طوفان آیا اور ملّا صاحب کا جہاز طوفان کے صدمے سے تباہ ہو گیا ۔ ملّا صاحب جہاز کے ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے پر پہنچے اور تختے سے اتر کر خشکی میں آئے وہاں سوکھے پہاڑ تھے نہ درخت تھے نہ گھاس تھی ۔ ملّا صاحب تین دن بھوک پیاس کی حالت میں پہاڑ کے ایک غار میں بیٹھے رہے ۔ یکایک وہاں ایک آدمی آیا جس کے سر پر خوان تھا ۔ اس نے آواز دی "میں روٹی فروخت کرتا ہوں ۔ انھوں نے اس سے کہا میں عالم ہوں اور میں نے سات حج کیے ہیں اور میرا جہاز تباہ ہو گیا ہے اور میرے پاس ایک پیسہ بھی موجود نہیں اور میں تین دن رات سے بھوکا پیاسا ہوں ۔ اس شخص نے جواب دیا میرے پاس کھانا بھی ہے اور پانی بھی ہے ۔ مگر میں دکاندار ہوں ۔ بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا ۔ انھوں نے کہا کیا تم مسلمان ہو ؟ اس نے جواب دیا ہاں الحمد للہ ! ملّا صاحب نے اس کو مسافروں مہمانوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کی نسبت وعظ سنایا اور سمجھایا کہ تو مجھ بھوکے پیاسے کو کھانا اور پانی دے دے ۔ اس نے کہا یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن میں بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو ملّا صاحب نے اس سے کہا تو کیسا مسلمان ہے ۔ تجھے رحم نہیں آتا ۔ اس نے مڑ کر جواب دیا اگر میں رحم کروں تو آج ہی میری دکانداری کا خاتمہ ہو جائے ۔ اچھا میں رحم کرتا ہوں تم اپنی زبان سے یہ کہہ دو کہ سات حج کا ثواب تم نے مجھے دیا ملّا صاحب نے خیال کیا زبان سے کہہ دینا کوئی چیز نہیں اور اس سے میرا ثواب نہیں جا سکتا ۔ اس لیے انھوں نے کہا میں نے تجھے روٹی اور پانی کے بدلے سات حج کا ثواب دیا ۔ اس شخص نے یہ سنتے ہی خوان اُن کے آگے رکھ دیا ۔ اور انھوں نے پیٹ بھر کر روٹی کھائی اور ٹھنڈا پانی پیا ۔ اس کے بعد اس سے پوچھا تو کہاں رہتا ہے اور کیا یہاں کوئی آبادی بھی ہے ؟ اس نے جواب دیا میں روٹی فروخت کرتا ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا ۔ یہ کہہ کر وہ اپنے خالی برتن لے کر غار سے باہر گیا اور ملّا صاحب جھپٹ کر اس کے پیچھے روانہ ہوئے "تاکہ دیکھیں وہ کدھر سے آیا تھا ۔ لیکن باہر نکلتے ہی وہ پہاڑوں کے چکّر میں کہیں غائب ہو گیا ۔ ہر چند تلاش کیا کہیں نہ ملا ۔ آخر مجبور ہو کر ملّا صاحب دریا کے کنارے آن بیٹھے ۔ کہ شاید کوئی کشتی یا جہاز ادھر سے گذرے ۔ یہاں تک کہ تین رات دن گذر گئے اور ان کی حالت بھوک اور پیاس سے پھر خراب ہو گئی ۔ تب وہی شخص پھر سر پر خوان رکھے دکھائی دیا اور اس نے اس شرط پر ان کو روٹی کھلائی کہ ساری عمر کے روزوں کا ثواب زبانی ان سے لے لیا ۔ آج جب وہ جانے لگا تو ملّا صاحب اس کے پیچھے دوڑے مگر وہ پھر کہیں غائب ہو گیا اور تین دن رات تک غائب رہا ۔ اور جب ان کی حالت بھوک پیاس کے سبب بہت خراب ہو گئی تب وہ پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب لے کر چلا گیا ۔ اس کے بعد وہ تین رات دن کے بعد پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی نمازوں کا ثواب لے کر چلا گیا ۔ آخر اب کے تین رات دن کی بھوک پیاس کے بعد وہ کھانا لے کر آیا تو ملّا صاحب نے کہا میں سات حج کا ثواب دے چکا ۔ ساری عمر کے روزوں کا ثواب دے چکا ۔ ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب دے چکا ۔ ساری عمر کی نمازوں کا ثواب دے چکا ۔ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے جو میں تجھے دوں ۔ اب اس شخص نے کہا یہ کاغذ اور قلم دوات لایا ہوں ۔ اس پر لکھ دیجیے کہ میں نے ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے سات حجوں کا ثواب فروخت کیا ۔ پھر ساری عمر کے

Marfat.com

...وزوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی نمازوں کا ثواب فروخت کیا اور آج میں ...یک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے یہ تحریر دیتا ہوں۔ چنانچہ ملّا صاحب نے یہ عبارت لکھ دی اور اس کے بعد انھوں نے اپنا نام ...ر مقام اس کاغذ پر لکھ دیا اور وہ کاغذ اس کو دے دیا۔ اس نے کھانا پانی ملّا صاحب کے سامنے رکھا۔ اور ملّا صاحب نے کھانے ...ے بعد عاجزانہ انداز سے کہا خدا کے لیے مجھے بتاؤ تم کہاں رہتے ہو تاکہ میں تمھارے ساتھ وہاں چلوں اور اپنی روزی کے لیے کچھ محنت ...دوری کروں۔ کیونکہ اب میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے اس شخص نے خفا ہو کر کہا میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتا۔

...کہہ کر اس نے برتن اٹھائے اور کاغذ جیب میں رکھا اور پہاڑ کی طرف چلا۔ ملّا صاحب تازہ دم تھے۔ دوڑے کہ اس کو پکڑ کر مجبور کریں۔ ...ر آبادی کا راستہ پوچھیں۔ وہ بھی بھاگا اور ملّا صاحب بھی اس کے پیچھے بھاگتے رہے۔ جہاں تک کہ آگے جا کر اس نے ٹھوکر کھائی ...ر گرا۔ ملّا صاحب خوش ہوئے کہ اب میں اس کو پکڑ لوں گا۔ اس لیے انھوں نے زیادہ تیزی سے دوڑنا شروع کیا لیکن انھوں نے ...ی ٹھوکر کھائی اور گرے اور قبل اس کے کہ وہ اٹھیں وہ شخص اپنے برتن لے کر بھاگا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ آخر مجبور ہو کر ملّا صاحب ...مندر کے کنارے آئے اور عادت کے موافق وہاں بیٹھ گئے۔ یکایک انھوں نے دُور سے دیکھا ایک جہاز جا رہا ہے انھوں نے اپنا ...امہ سر سے اتار لیا اور اس کو ہلا ہلا کر چیخنا شروع کیا کہ میری مدد کرو، میری مدد کرو۔ جہاز والوں نے جہاز روک لیا اور ایک ...شتی ان کے پاس بھیجی اس میں سوار ہو کر جہاز پر آئے اور جہاز میں سوار ہوئے۔ اس جہاز میں حاجی لوگ سوار تھے اور ہندوستان ...ا رہے تھے۔ انھوں نے ملّا صاحب کی بڑی خاطر کی اور بہت آرام سے ملّا صاحب ہندوستان پہنچ گئے۔ اپنے گھر میں آئے بال بچوں ...و دیکھا اور اس کے بعد ایک دن حضرت شیخ العالم سے ملنے آئے۔

...ا با صاحب کی بارگاہ میں

جب ملّا صاحب حضرت بابا صاحب کی مجلس میں حاضر ہوئے اس وقت بڑے بڑے علما اور مشائخ حضرت کی خدمت میں دست بستہ حاضر تھے۔ حضرت بابا صاحب کی نظر ملّا صاحب پر پڑی تو تعظیم کے ...یے کھڑے ہو گئے اور بہت ہی اخلاق کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ آئیے ملّا صاحب بہت عرصے کے بعد آنا ہوا۔ ہم تو ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے ...ھے۔ کہیے کیا وجہ ہوئی جو اتنے عرصہ تک آپ یہاں نہیں آئے۔

ملّا صاحب نے اپنی خشک عادت کے موافق حضرت سے مصافحہ کیا اور حضرت کے قریب بڑی نخوت اور تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ...اضرینِ مجلس کو ملّا صاحب کی یہ ادا بہت ناگوار ہوئی۔ کیونکہ ملّا صاحب حضرتؒ کے قریب اس طرح بیٹھے تھے گویا وہ حضرت کے ہمسر ہیں ...حضرت سے بھی زیادہ ان کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ مگر حضرت بابا صاحب کے رُعب کے سبب سب خاموش تھے اور کسی کی مجال نہ تھی ...ہ حضرت کے مہمان کو ادب سے بیٹھنے کے لیے کچھ کہتا۔

آخر حضرت بابا صاحب نے ملّا صاحب سے پوچھا۔ ہاں ملّا صاحب آپ نے بتایا نہیں کہ اتنی مدت تک کیوں نہیں آئے تھے۔ ...لّا صاحب نے نہایت غرور و تکبر کے انداز سے جواب دیا۔ جناب میں اس ملک میں موجود نہ تھا حج کرنے گیا تھا۔ سات برس تک ...کہ معظمہ میں رہا اور اب سات برس کے بعد وہاں سے واپس آیا ہوں۔ واپسی میں جہاز کی تباہی کا صدمہ بھی اٹھایا۔ مگر اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کے فضل وکرم سے راستے کی مصیبتیں ختم ہوئیں اور میں بخیریت تمام اپنے گھر پہنچ گیا اور سب اہل وعیال کو سلامت اور خوش وخرم دیکھ کر تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔

باباصاحب کا سوال حضرت باباصاحب نے ملّا صاحب کا بیان سنکر ارشاد کیا آپ بڑے خوش نصیب ہیں سات حج کیے سات بار مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ سات برس تک حرمین میں نمازیں پڑھیں۔ سات رمضانوں کے روزے رکھے سبحان اللہ بڑی سعادتیں آپ نے حاصل کیں۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ اب تو ہم سے خفا نہیں ہیں؟ ملّا صاحب نے جواب دیا۔ میں خفا ہی کب ہُوا تھا۔

حضرت نے فرمایا۔ سات سال پہلے آپ یہاں سے ناراض ہو کر گئے تھے۔ میں اسی خفگی کا ذکر کر رہا ہوں۔

ملّا صاحب نے کہا، مجھے یاد نہیں کیا بات ہوئی تھی۔ آپ یاد دلائیے۔ شاید مجھے یاد آجائے۔

حضرت نے فرمایا ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ اسلام کے رکن کتنے ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا تھا اسلام کے پانچ رکن ہیں۔ ایک کلمہ۔ دوسرے نماز۔ تیسرے رمضان کے روزے، چوتھے۔ زکوٰۃ۔ پانچویں کعبے کا حج۔ تو ہم نے کہا تھا کہ اسلام کا چھٹا رکن بھی ہے۔ آپ خفا ہو گئے اور خفا ہو کر یہاں سے چلے گئے تھے اور قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تھی کہ نصیحت کرنیکے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ گویا اس طرح آپ نے ہم کو ظالم قرار دیا تھا اور ہم کو اس بات کا بڑا صدمہ تھا اور ہم روزانہ آپ کو یاد کرتے تھے۔

ملّا صاحب کی بیعت یہ سن کر مولانا ہنسے اور انھوں نے کہا، ہاں ہاں مجھے یاد آیا یہ ٹھیک۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں۔ کہ درویش لوگ بے علمی اور کم علمی کے سبب ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسلام کے رکن تو پانچ ہی ہیں چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا مولانا میں اگرچہ بے علم یا کم علم ہوں۔ لیکن میں نے یہ بات لکھی ہوئی دیکھی ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ مولانا نے خفا ہو کر کہا اگر لکھا ہوا دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھا دیجیے۔ حضرت نے اپنے خادم کو آواز دی کہ میری فلاں کتاب لانا۔ خادم ایک موٹی کتاب لے کر آیا حضرت نے حاضرین سے فرمایا تم میرے پاس سے ذرا دُور ہٹ جاؤ۔ سب لوگ دور ہٹ گئے۔ حضرت نے مولانا کو اور قریب بلایا۔ اور کتاب کے ورق اُلٹ اُلٹ کر وہ عبارت ڈھونڈنے لگے۔ جس کے لیے کتاب منگائی تھی۔ یکایک حضرت نے فرمایا لیجیے یہ عبارت موجود ہے۔ مولانا نے غور سے جھک کر کتاب کو دیکھا مگر اس میں کوئی حرف نظر نہ آیا۔ سادہ ورق تھا۔ چاہتے تھے کہ یہ کہیں کہ یہ ورق تو سادہ ہے۔ یکایک مولانا کو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ عبارت نظر آئی جو انھوں نے بیہالٹہ کے کھانا کھلانے والے کو دی تھی۔ جونہی مولانا نے اپنے ہاتھ کی تحریر پڑھی ایک چیخ ماری حضرت نے کتاب بند کر دی اور مولانا حضرت کے قدموں میں گر پڑے اور توبہ کی اور اسی وقت بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے اور اس دن سے سکوت اختیار کیا۔ پھر مرتے دم تک کبھی انھوں نے کسی سے بات نہ کی اور اکثر گریہ ان پر طاری رہتا تھا۔

ایک اور قصّہ حضرت شیخ العالم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنی مصیبت بیان کی کہ اس کی بیوی ڈاکو چھین کر لے گئے ہیں۔ اور اس وقت سے اس نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت نے اس سے فرمایا میں دعا کروں گا تمھاری بیوی تم کو مل جائے

Marfat.com

ی۔ تم کھانا نہ چھوڑو۔ چنانچہ اس نے کھانا کھالیا اور چند روز حضرت کی خدمت میں حاضر رہا۔ ایک دن وہ حضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص، بادشاہی آدمیوں کی حراست میں ہتھکڑیاں بیڑیاں پہنے ہوئے آیا اور اس نے حضرت سے دعا کی درخواست کی اور کہا مجھے دہلی کے بادشاہ کے پاس لے کر جا رہے ہیں معلوم نہیں میرا کیا حشر ہو، اس واسطے میں ان سپاہیوں کو راضی کر کے یہاں تک پہنچا ہوں اور اب دہلی جا رہا ہوں۔ حضرت نے جواب دیا ہم دعا کریں گے۔ ہمارے اس مہمان کو بھی اپنے ساتھ دہلی لیتے جاؤ۔ اگر تم کو دہلی جا کر رہائی مل جائے تو ہمارے اس مہمان کو ایک لونڈی دلوا دینا۔ اس شخص نے جواب دیا بسر و چشم اس کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت کے مہمان کو لے کر دہلی گیا اور بادشاہ کے سامنے اس کی پیشی ہوئی اور بادشاہ نے اس کو بے قصور سمجھ کر رہا کر دیا۔ رہا ہونے کے بعد اس نے بازار سے ایک خوب صورت لونڈی خریدی اور حسب وعدہ حضرت شیخ العالم کے مہمان کو دے دی۔ مہمان دیکھا کہ یہ لونڈی اس کی وہی بیوی تھی جس کو ڈاکو چھین کر لے گئے تھے۔

وفات خواجہ سید محمد نے سید حسین کرمانی رحؒ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت شیخ العالم رضؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ بار بار پوچھتے تھے کہ مولانا نظام الدین دہلی سے آئے یا نہیں اور لوگ عرض کرتے تھے کہ نہیں آئے تو وہ فرماتے تھے کہ میں بھی اپنے شیخ کی وفات کے وقت دہلی میں نہ تھا، ہانسی میں تھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ العالم نے خرقہ اور تبرکات حضرت سلطان المشائخ کے لیے امانت رکھوا دیئے کہ جب مولانا نظام الدینؒ دہلی سے یہاں آئیں تو ان کو دے دیئے جائیں۔

متفرق معلومات

باباصاحب کا نسب سیر الاولیا اور دوسری کتب تاریخ میں حضرت باباصاحب کا نسب فاروقی لکھا گیا ہے لیکن امروہہ کے ایک صاحب نے سیادت فریدی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں قدیمی نسب ناموں سے اور نسب کی کتب تاریخ سے ثابت کیا تھا کہ حضرت باباصاحب سید تھے، فاروقی شیخ نہیں تھے۔

شیخ العالم رضؓ آج کل کے زمانے میں حضرت باباصاحبؒ کا مشہور لقب بابا فریدؒ ہے اور بابا گنج شکر بھی کہتے ہیں۔ لیکن گذشتہ زمانے میں حضرتؒ کو شیخ العالم یا شیخ شیوخ العالم کہا جاتا تھا۔

مجاہدے حضرت باباصاحبؒ کے مجاہدوں کے اور سیاحت کے بہت زیادہ قصے مشہور ہیں۔ لیکن پرانی کتابوں میں ان کا ذکر درج نہیں ہے۔ البتہ اُوچھ میں کوئیں کے اندر لٹک کر جو انھوں نے چالیس رات تک صلوات معکوس پڑھی تھی اس کا ذکر سیر الاولیا میں ہے۔

ٹھیکری کا نقش البتہ بعض پرانی کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ حضرت زمانہ سیاحت میں جنگل میں جا رہے تھے اور سواری میں ایک گدھا تھا۔ یکا یک بارش ہونے لگی۔ قریب میں کمہاروں کا ایک مکان دکھائی دیا حضرت وہاں تشریف لے گئے اور کمہارن سے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے کہا یہاں ایک عورت کے بچہ ہونے والا ہے۔ کئی دن سے درد ہیں۔ بچہ نہیں ہوتا الیبی

Marfat.com

حالت میں تم کو جگہ کہاں سے دیں۔ حضرت نے جواب دیا مجھے جگہ دے دو بچّہ ابھی پیدا ہو جائے گا۔ کہاروں نے جگہ دے دی۔ تو حضرت نے فرمایا میرے گدھے کو بھی جگہ دو۔ کہاروں نے کہا۔ یہاں آدمیوں کے لیے تو جگہ ہے نہیں گدھے کو کہاں سے جگہ دیں۔ تب حضرت نے فرمایا جب تک میرے گدھے کو جگہ نہ دو گے میں بھی اندر نہ آؤں گا۔ آخر مجبوراً انھوں نے گدھے کو بھی جگہ دے دی۔ تب حضرتؒ نے کہاروں کے آوے سے ایک ٹھیکرا اٹھایا اور کوئلے سے اس پر یہ شعر لکھا ۔

مرا جائے شد، خر مرا جائے شد تو خواہی بزائی ، نہ خواہی بزا

ترجمہ:۔ مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو بھی جگہ مل گئی۔ اے عورت تو چاہے بچّہ جن یا نہ جن۔

اس کے بعد حضرت رحؒ نے وہ ٹھیکری کہاروں کو دی کہ عورت کے پیٹ پر رکھ دو۔ ٹھیکری پیٹ پر رکھتے ہی بچّہ پیدا ہو گیا۔ حالانکہ اس شعر میں نہ خدا رسول کا نام تھا نہ کوئی اور متبرک عبارت تھی بلکہ ایک ہنسی اور طعن کا شعر تھا، مگر اس وقت سے آج تک لاکھوں آدمیوں نے ٹھیکری کا یہ تعویذ آزمایا ہے اور اس کی تاثیر کا عجب تماشا دیکھا ہے۔

اولاد

حضرت کے پانچ صاحبزادے تھے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

اگرچہ حضرت کی زندگی میں اولاد کو خرچ کی ہمیشہ تکلیف رہتی تھی لیکن وفات کے بعد حضرت کی سب اولاد خوشحال رہی۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں جہاں جہاں حضرت کی نسل کے لوگ ہیں۔ سب خوشحال ہیں۔ پنجاب میں حضرت کی اولاد کو چشتی کہا جاتا ہے۔

امرائے پائیگاہ

حیدرآباد دکن میں امرائے پائیگاہ بھی حضرت باباصاحبؒ کی اولاد ہیں۔ گزشتہ زمانے میں حیدرآباد کی سب فوج ان کے اختیار میں تھی اور اس کے خرچ کے لیے ان کو ایک کروڑ روپے آمدنی کی جاگیر دی گئی تھی۔ پھر اس خاندان کے تین حصّے ہو گئے۔ ایک نواب معین الدولہ مرحوم کے بیٹے نواب ظہیر یار جنگ ہیں جن کی جاگیر تیس لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ دوسرے نواب خورشید جاہ کی اولاد ہے جن کی جاگیر اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ تیسرے نواب سروقار الامراء کی اولاد ہے ان کی جاگیر بھی اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام کے شاہی خاندان کے سب لوگ سُنّی ہیں اور دانشمندی اور فقیر دوستی سب میں پائی جاتی ہے۔

اور اب تو حیدرآباد بھی ختم ہو گیا، امرائے پائیگاہ بھی!

تین سلسلے

حضرت باباصاحب سے چشتیہ خاندان کے تین سلسلے جاری ہوئے۔ ایک نظامیہ، دوسرا صابریہ، تیسرا جمالیہ۔ مگر جمالیہ سلسلہ نظامیوں میں مدغم (شامل) ہو گیا ہے۔ کیونکہ حضرت باباصاحبؒ کے خلیفہ اول حضرت مخدوم جمال الدین ہانسویؒ کے جانشین ان کے پوتے حضرت مولانا قطب الدین منور کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے خلافت ملی تھی۔ صابریہ خاندان حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمدؒ سے جاری ہوا جو حضرت باباصاحب کے بھانجے تھے اور جن کا مزار شریف کلیر شریف میں ہے جو روڑکی سہارن پور کے علاقے میں ہے۔

بہشتی دروازہ

مشہور ہے کہ حضرت باباصاحب کا وصال ہوا تو حضرت سلطان المشائخ رضؒ دہلی میں تھے۔ حضرت باباصاحب نے وصیت فرمائی کہ میرا خرقہ اور عصا اور کھڑائیں اور تبرکات مولانا نظام الدین دہلی سے آئیں تو ان کو دے دینا اور وہی میری

Marfat.com

بھی بنوائیں گے۔ چنانچہ حضرت کو بطور امانت ایک جگہ دفن کر دیا گیا اور جب حضرت سلطان المشائخ رضؒ اجودہن یعنی پاک پٹن شریف میں حاضر ہوئے تو انھوں نے حضرت کو اس جگہ دوبارہ دفن کیا جہاں آج کل مزار ہے۔ اور اس پر ایک چھوٹا سا قبہ بنایا جس کے دو دروازے رکھے ایک شرق کی طرف اور ایک جنوب کی طرف۔ جنوبی دروازے کے پاس حضرتؒ کھڑے تھے۔ یکا یک ایک جوش اور وجد اور بےخودی کی حالت حضرت پر طاری ہوئی اور حضرت نے تالیاں بجا کر فرمایا لو دیکھو رسول اللہؐ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں جو اس دروازے میں داخل ہوگا امن پائے گا۔

اس واقعے کے بعد سے دستور ہوگیا کہ شرقی دروازہ زائرین کے لیے کھلا رہتا ہے اور جنوبی دروازہ بند رہتا ہے۔ حضرت باباصاحبؒ کے عرس کے دن ۵ محرم کی شام کو یہ دروازہ کھولا جاتا ہے اور ایک لاکھ آدمی اس دروازے کے اندر سے گذرتے ہیں۔

مگر میں نے پرانی کتابوں میں خاص کر سیرالاولیا میں اس بہشتی دروازے کا مذکورہ قصہ نہیں دیکھا۔

درگاہ کی موجودہ حالت

حضرت باباصاحبؒ کی درگاہ کی موجودہ حالت یہ ہے کہ حضرت کے مزار کا قبہ بہت چھوٹا سا ہے اور اس کے گوشۂ مشرق شمال میں ایک عالی شان گنبد ہے جس میں حضرت کے پوتے حضرت علاؤالدین موج دریا رضؒ کا مزار ہے اور اس گنبد کے باہر غربی صحن میں ان سجادہ نشینوں کے مزارات ہیں جو حضرت باباصاحبؒ کے بعد آج تک حضرت کی گدی پر بیٹھے۔

محرّم میں عرس

حضرت باباصاحبؒ کا عرس محرم کے پہلے ہفتے میں ہوتا ہے۔ عرس کے زمانے میں مراسم محرم کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ البتہ حضرت مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق رضؒ کی درگاہ میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے کیونکہ کچھ لوگ ان میں شیعہ ہیں۔

Marfat.com

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رضؓ تھے یعنی ان کا وطن اوش میں تھا، جو ترکستان کے شہر فرغانہ نوقند کے قریب واقع ہے۔ ان کے والد کا نام سید کمال الدین تھا اور انھوں نے اپنے بیٹے کا نام بختیار رکھا تھا۔

حضرت کا عہد طفلی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ڈیڑھ برس کے تھے جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور ان کی والدہ نے ان کی بہت اچھی تعلیم و تربیت کی اور جب حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ اصفہان میں تشریف لائے تو حضرت خواجہ صاحب بختیارؒ نے ان سے بیعت کی اور حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ نے ان کو خرقہ اور خلافت دے کر حکم دیا کہ ہندوستان میں جاؤ اور دہلی میں قیام کرو۔ چنانچہ حضرت دہلی میں آئے اور یہاں آکر قیام کیا۔ یہ زمانہ سلطان شمس الدین التمش کی حکومت کا تھا۔ یہاں حضرت اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے تھے لیکن ان پر ہر وقت استغراق اور محویت طاری رہتی تھی۔

زیارت رسولؐ کا قصّہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص خواجہ صاحب کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا ہے۔ حضرت یہ بات سُن کر تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور فرمایا حضرتؐ نے اور کیا ارشاد فرمایا؟ اس شخص نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ایک قبہ ہے اور ٹھگنے قد کا ایک آدمی قبے کے اندر جاتا ہے اور پھر باہر آجاتا ہے۔ بہت سے لوگ باہر کھڑے ہیں اور اپنی التجائیں اس ٹھگنے آدمی کے ذریعے قبے کے اندر بھجواتے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ قبہ کس کا ہے اور یہ ٹھگنا آدمی کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ قبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور یہ شخص عبداللہ ابن مسعودؓ ہے۔ یہ سُن کر میں بھی عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گیا اور میں نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق ہے تم حضرت صلعم سے اجازت مانگو کہ میں قبے کے اندر حاضر ہو جاؤں۔ ابن مسعودؓ اندر گئے اور تھوڑی دیر میں یہ جواب لائے کہ تم قطب الدین بختیار کاکی کے پاس جاؤ اور میرا ان سے سلام کہو اور یہ بھی کہو کہ تم جو تحفہ ہر رات مجھے بھیجا کرتے تھے وہ تین دن سے نہیں آیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

اس شخص کا بیان ہے کہ ابن مسعودؓ کی یہ بات سن کر میں نیند سے بیدار ہو گیا اور اب صبح آپ کے پاس حضرتؐ کا پیغام پہنچانے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا میں حضرتؐ کے پیغام کا مطلب سمجھ گیا۔ تین دن ہوئے میں نے ایک شادی کی تھی اور اس سے میرے کام میں غفلت ہو گئی اور جو تحفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا وہ نہ بھیج سکا تھا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے حکم دیا، کہ جس عورت سے میں نے نکاح کیا تھا اس کا مہر اس کو دے دو اور کہہ دو میں نے اس کو طلاق دی وہ جہاں چاہے چلی جائے۔

Marfat.com

یہ حکایت بیان کر کے حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح روزانہ ہر رات کو تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحبؒ پر حاضر ہُوا تو راستے میں یہ خطرہ میرے دل میں آیا کہ خبر نہیں حضرت کو اپنے مزار پر آنے والوں کی اطلاع بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد جب میں مزار پر حاضر ہوا تو میں نے وہاں یہ آواز سنی،

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

مجھ کو اپنی طرح سے زندہ سمجھ، کیونکہ میں اپنی جان کے ساتھ تیرے پاس آجاؤں گا اگر تو اپنے تن کے ساتھ میرے پاس آئے گا۔

جب میں نے یہ آواز سنی تو مجھ پر ایک عجب کیفیت طاری ہوئی اور اس وقت سے آج تک جب میں وہاں حاضر ہوتا ہوں تو اسی آواز کے بموجب مجھے خواجہ قطب الدین صاحبؒ کی روح مبارک کی خاص حضوری میسّر آتی ہے۔

عید کا تحفہ

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ اپنے سب قرابتداروں اور مریدوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھ کر آرہے تھے جب اس مقام پر پہنچے جہاں اب حضرت کا مزار ہے تو وہاں کھڑے ہوگئے اور کچھ دیر خاموش کھڑے رہے، قرابت داروں نے عرض کی کہ آج عید کا دن ہے۔ بہت لوگ مکان پر حضور سے ملنے اور کھانا کھانے کے منتظر ہوں گے۔ حضور یہ سن کر عالم استغراق سے باہر آئے اور فرمایا مجھے اس زمین سے اہل کمال کی خوشبو آتی ہے۔

اس کے بعد حضور مکان پر آئے اور کھانے کے بعد حکم دیا، پوچھو اس زمین کا مالک کون ہے اور اس کو میرے پاس بلاؤ۔ چنانچہ جب اس زمین کا مالک خدمت میں حاضر ہُوا، تو حضرت نے وہ زمین اس سے خرید لی اور اس کے بعد حضرت کو وہاں دفن کیا گیا۔

وفات

حضرت خواجہ قطب الدین صاحبؒ کی وفات کا یہ قصہ ہوا کہ حضرت قوالی کی مجلس میں حضرت احمد جام کا یہ شعر بار بار سنتے تھے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　ہر زماں از غیب جان دیگر است

ترجمہ: جو لوگ رضا اور تسلیم کے خنجر سے کشتہ ہوجاتے ہیں ان کو غیب سے ایک نئی زندگی ملتی رہتی ہے۔ حضرت خواجہ قطب صاحب پر اس شعر کا ایسا اثر تھا کہ تین چار دن لگاتار اس شعر کو سنتے رہے اور ان پر ایک کیفیت طاری رہی۔ یہاں تک کہ اسی کیفیت کی حالت میں حضرت نے وفات پائی۔

متفرقات

(۱) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کا مزار پرانی دہلی میں قطب مینار کے قریب واقع ہے۔

(۲) یہ مزار کھلا ہوا ہے اور کچا ہے اور بہت چوڑا چکلا ہے۔ اس کے چاروں طرف نواب خورشید جاہ حیدرآبادی کا بنوایا ہوا سنگ مرمر کا جالی دار کٹہرا لگا ہوا ہے۔ جسے ۱۹۴۷ء کے قتل عام میں ہندوؤں نے غارت کر دیا۔ پھر گاندھی کی مداخلت سے یہ پھر بنا۔ مزار ہموار نہیں۔ اس میں اونچے نیچے نشانات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضؓ نے خود مٹی کی ٹوکریاں یہاں ڈالی تھیں اور اس مٹی کو ہموار نہیں کیا تھا۔

Marfat.com

اس مزار کے غرب میں ایک اونچی دیوار ہے جس پر رنگین اور پھولدار چینی لگی ہوئی ہے۔ یہ دیوار حضرت کے زمانے کی ہے کیونکہ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں ایسی چینی استعمال نہیں ہوتی تھی جس نے یہاں عمارات بنوائی تھیں۔

حضرت کے مزار کے چاروں طرف بہت بڑا صحن ہے اور وہاں بے شمار چھوٹی چھوٹی قبروں کے نشان ہیں اور حضرت کے سرہانے گوشۂ غرب اور شمال میں ایک بڑا مزار ہے اور اس کے پاس بھی پرانے زمانے کی چینی کی ایک محراب ہے۔ حضرت کے مزار کے پاس ایک اونچا چبوترہ ہے جس پر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کا مزار ہے۔ سیرالاولیا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی حمید الدین نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو حضرت خواجہ صاحب کے پائیں دفن کیا جائے مگر قاضی صاحب کے لڑکے اس کو اپنے باپ کی توہین سمجھتے تھے اس واسطے انھوں نے حضرت کے پائیں ایک اونچا چبوترہ بنایا اور اس کے اوپر حضرت قاضی صاحب کو دفن کیا۔ سیرالاولیا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب نے اپنے لڑکوں سے خواب میں فرمایا تم نے مجھے اونچے چبوترے پر دفن کر کے حضرتؒ کے سامنے شرمندہ کر دیا۔

۳۔ حضرت کے مزار کے شرق اور گوشۂ جنوب کی طرف سنگ مرمر کی جالیاں اور دروازہ مغل شہنشاہ فرخ سیر نے بنوایا تھا۔ ان جالیوں کے باہر مشرق کی طرف حضرت کی پرانی مسجد کی غربی دیوار کے نیچے حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامی مجدد سلسلۂ نظامیہ کا مزار ہے اور یہ مسجد بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت کے زمانے کی ہے۔ اس مسجد کا صحن بہت چھوٹا ہے کیونکہ پرانے زمانے کے حجرے یہاں بنے ہوئے تھے۔ اور وہ حجرے ہٹا کر صحن بڑا کر دیا گیا ہے اور گوشۂ شرق و جنوب میں جو ایک بڑی باؤلی مغلوں کے زمانے میں بنائی گئی تھی اب اس کو بھی پاٹ کر مسافروں کے لیے مکانات بنا دئے گئے ہیں اور ان مکانوں کی چھت مسجد کے صحن کا کام دیتی ہے۔ مسجد کے جنوب میں درگاہ کا مجلس خانہ ہے جہاں قوالی ہوتی ہے اور مجلس خانے کے شمالی صحن میں صدہا مزارات ہیں جن میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے دادا حکیم محمد شریف خاں کا مزار بھی ہے اور حضرت مولانا فخر الدین کی اولاد وہاں قطب الدین صاحب اور میاں نصیر الدین کالے صاحب وغیرہ کے مزارات بھی ہیں۔

۴۔ حضرت کے مزار شریف کے غرب میں چینی کی دیوار کے باہر مغلوں کی بنوائی ہوئی سنگ مرمر کی موتی مسجد ہے اور اس کے جنوب میں شہنشاہ عالم اور شہنشاہ اکبر ثانی کی قبریں ہیں اور ان قبروں کے غرب میں باہر نکل کر آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ کا بنوایا ہوا شاندار محل ہے جس کو مغلوں کی آخری عمارت کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بعد انھوں نے کوئی عمارت نہیں بنوائی۔

۵۔ یہاں پرانے زمانے کی متبرک یادگاروں میں اولیا مسجد ہے اور حوض شمسی ہے اور بے شمار مسجدیں اور قبرستان ہیں۔

۶۔ حضرت کی اولاد میں اب کوئی باقی نہیں ہے اس درگاہ میں جتنے لوگ ہیں وہ یا خدام ہیں یا قاضی ہیں ان میں بھی حضرت کے وقت سے آج تک کوئی ایسا سننے میں نہیں آیا نہ کسی کتاب میں اس کا ذکر دیکھا جس نے حضرت رحؒ کے روحانی مشن کو ترقی دینے کی کوشش کی ہو۔

۷۔ مغل حکومت کے زوال کے عقلی اسباب بے شمار ہیں مگر روحانی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے بعد سے جب مغلوں

Marfat.com

عیاشی پر کمر باندھ لی تو اس مقدس مقام کو اپنی عیاشیوں کا مرکز بنا لیا تھا، برسات کے موسم میں وہ اپنے عیش خانوں کو ساتھ لے کر یہاں آتے تھے اور شرمناک عیاشیاں کرتے تھے۔ انھوں نے حوض شمسی سے پانی کی ایک موری نکالی تھی اور پہاڑوں میں ایک جھرنا بنایا تھا۔ جہاں آموں کے درخت میں ہاں ان کی عورتیں جھولے ڈالتی تھیں اور عیش کرتی تھیں۔ مغلوں نے پرانے مقبروں اور مسجدوں کی عزت اور حرمت اور حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا اور وہ ان مقدس مزارات اور پاک مقبروں اور پاک مسجدوں کے اندر برسات میں رہ کر شرمناک عیاشیاں کرتے تھے۔ انھوں نے دِلّی کے ہندو مسلمانوں کے لیے بھی ایک میلہ مقرر کیا تھا جو برسات کے موسم میں ہوتا تھا اور جس کو پھول والوں کی سیر کہتے تھے اور جو اب بھی ہوتا ہے۔

الغرض مغلوں کی ان بے ادبیوں اور گستاخیوں اور عیاشیوں نے ان کو بھی تباہ کر دیا اور ان کی سلطنت بھی برباد کر دی۔

۸۔ سلطان علاؤالدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی کے عالی شان مقبرے قطب مینار کے غرب میں تھے ان کو توڑ ان کا سفید پتھر اودھ کے نوابوں کے مورث اعلیٰ منصور علی خاں، صفدر جنگ کے مقبرے میں لگا دیا گیا اور خلجیوں کی قبریں بالکل نیست و نابود کر دی گئیں۔ جن کو لارڈ کرزن کے زمانے میں بنوایا گیا۔

۹۔ حضرت خواجہ صاحب قطب صاحبؒ کے رہنے کا مکان حویلیوں کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ قطب مینار سے شرق میں قلعہ تغلق آباد کی طرف جاتے ہوئے لب سڑک دائیں ہاتھ کو یہ حویلی موجود ہے تا بوتی چھتوں کی دو تین کوٹھریاں ہیں اور کوئی عمارت وہاں موجود نہیں ہے۔

۱۰۔ اس درگاہ کے اطراف میں میلوں تک ہزاروں لاکھوں قبریں ہیں۔ قلعہ لال کوٹ کے غرب میں شمس الدین التمش کی بنائی ہوئی پرانی عید گاہ بھی ہے اور حوض شمسی کے کنارے بہت سی پرانی خانقاہوں کی عمارتیں کھنڈروں کی صورت میں پڑی ہیں اور اس حوض کے کنارے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مزار بھی ہے۔

۱۱۔ حضرت کے نام کے ساتھ کاکی کا لفظ شروع سے استعمال ہوتا آرہا ہے۔ تاریخوں میں اس کی بہت سی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ لیکن کاکی لفظ کی یادگار اب بھی موجود ہے۔ یعنی حضرت کی درگاہ سے جو تبرک تقسیم ہوتا ہے اس کو کاک کہتے ہیں، یہ تین انچ کی ایک گول آٹے کی پکی ہوئی ٹکیہ ہوتی ہے جس کے چاروں طرف پاؤ پاؤ انچ کے کنارے ہوتے ہیں۔ یہ کاک تنور میں پکائے جاتے ہیں۔ معمولی قسم کے کاک آٹے میں نمک ڈال کر پکاتے ہیں اور بڑھیا قسموں میں گھی اور مٹھاس بھی ملاتے ہیں اور ان کاکوں کے اوپر حلوہ بھی رکھا جاتا ہے۔ پرانے زمانے کی روٹیوں میں غذاؤں میں کاک بھی ایک قسم کی غذا تھی یا ایک قسم کی روٹی تھی جس کا ذکر تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ پس حضرتؒ کے نام کے ساتھ کاکی کا استعمال ممکن ہے اس وجہ سے ہوا ہو کہ حضرت اس قسم کی روٹی مسافروں اور فقیروں میں تقسیم کرتے ہوں گے۔

Marfat.com

محی الدین عربیؒ

نظریۂ وحدت الوجود کے بانی!

ابن عربی کے مذہب اور مسلک کو حضرت سہروردی کے مذہب و مسلک سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کا پورا نام محمد بن علی بن احمد بن عبداللہ تھا، کنیت ابوبکر، لقب محی الدین، عرف حاتمی ابن عربی کے نام سے بھی معروف ہیں۔ یہ ابن عربی بغیر "الف لام" کے ہے تاکہ قاضی ابوبکر بن عربی سے آپ کو امتیاز رہے۔ یہ امتیاز صرف مشرق تک محدود ہے۔ مغرب میں آپ کو ابن العربی ہی کہا جاتا ہے۔

ولادت اور تربیت

اندلس کے ایک مقام مرسیا میں آپ پیدا ہوئے، سال ولادت ۵۶۰ھ ہے۔ اشبیلیہ میں آپ نے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم و فنون میں غیر معمولی درک حاصل کیا اور بہت جلد فن کے ممتاز اصحاب میں ان کا شمار ہونے لگا۔

۵۹۸ھ میں آپ نے مشرق کی طرف کوچ کیا اور بہت سے شہروں کی سیاحت کر ڈالی۔ مصر، حجاز اور ایشیائے کوچک کے متعدد شہروں کی آپ نے زیارت کی اور وہاں کے احوال کا معائنہ کیا۔ کیفیت علمی کا مشاہدہ کیا اور روحانی مجلسوں کی سیر کی۔ آخر میں آپ ملک شام میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے اور ۶۳۸ھ میں آپ نے بمقام دمشق وفات پائی۔

ابن عربی کی تصنیفات

ابن عربی نے نظم و نثر میں بہت کتابیں تحریر کیں جن کی تعداد کسی طرح دو سو (۲۰۰) سے کم نہیں ہے۔ بروکلمان نے اپنی کتاب "تاریخ الادب العربی" میں آپ کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو بتائی ہے۔

خاص خاص اور چیدہ چیدہ کتابیں ابن عربی کی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ الفتوحات المکیہ

یہ کتاب اپنے مغز اور موضوع کے اعتبار سے بے حد اہم ہے، اس میں مختلف مذاہب اور مسالک پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۲۔ فصوص الحکم

یہ کتاب تصوف میں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس فن میں نہایت معرکۃ الآرا اور اہم ہے تو ذرا بھی مبالغہ نہیں ہوگا۔ اس میں تصوف اور فلسفہ کے مسائل مہمہ کی عقدہ کشائیاں کی گئی ہیں۔

(۳) ذخائر الاخلاق۔

Marfat.com

یہ اشعار کا دیوان ہے۔ اس میں شاعر نے اپنی حبِّ الٰہی کی کیفیتیں بیان کی ہیں۔ تمام اشعار فتوحات الٰلیہ اور الہامات روحیہ کی کیفیات صادقہ پر مشتمل ہیں۔ اشعار میں زیادہ تر رمز اور اشارہ سے کام لیا گیا ہے۔ اور اپنی اصل کیفیات کو مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان اسرارِ الٰہی کو خاص طور پر تخیل کے ساتھ اور وہ بھی اشارہ و کنایہ میں بیان کیا ہے جنھیں عام لوگ اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔ نہ صحیح طور پر ان کی کیفیات صحیحہ سے آشنا ہو سکتے ہیں۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ بھی ابن عربی کی جو کتابیں ہیں وہ اپنی براعت فائقہ اور قدرتِ عجیبہ کے لحاظ سے ایک خاص رنگ کی حامل ہیں۔ ان تالیفات میں مختلف عناصر کو ممزوج کیا گیا ہے۔ دین تصوّف، فلسفہ سب ہی کچھ موجود ہے۔ ان کتابوں میں مختلف رنگ ہیں پھر بھی ان سب کی یک رنگی نظر کو خیرہ کرتی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ابن عربی کو "الشیخ الاکبر"، "والکبریت لاحمر" کے لقب سے ملقب کیا جائے تو بالکل صحیح ہوگا

فقہا کی مخاصمت

ابن عربی بھی صوفیا کی زد سے نہیں بچ سکے۔ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں ہم نے صوفیا اور فقہا کے درمیان جنگ اور مخاصمت کی جو کیفیت دیکھی تھی وہ اس دور میں بھی نظر آرہی ہے۔ اسی صورت کا نتیجہ وہ ہولناک صورت تھی جو حسین بن منصور حلاج کو پیش آئی تھی جس کا موقع پر ہم تفصیل سے ذکر کرچکے ہیں۔

ابن عربی کا مسلک و مذہب جس مرکز کا تابع تھا اور جس محور پر گردش کر رہا تھا وہ "وحدت الوجود" کا مسئلہ تھا۔ اس مسلک میں فقہا نے محسوس کیا کہ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے چنانچہ ابن عربی کی کتابوں کے خلاف فقہا نے بہت زیادہ شورش کی۔ انھیں بہت زیادہ متہم کیا اور ان کے خلاف کفر و ضلال کے فتوے صادر کیے۔ چنانچہ مصر میں تو ان کے قتل کی باقاعدہ کوشش بھی کی گئی۔

لیکن جو لوگ ابن عربی کے اداشناس تھے۔ وہ ان کی شخصیت اور مسلک سے بہت زیادہ متاثر تھے اور دوسرے مخالف چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد، ان کے مخالف اتنے نہیں تھے، جتنے ماتم گسار۔ لیکن مخالفین میں بھی ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو ان کی وفات کے بعد بھی اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس وصف میں ہمیں بڑی جلیل القدر ہستیاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً علامہ ابن تیمیہؒ، المتوفی ۷۲۸ھ اور ابن خلدون، المتوفی ۸۰۸ھ اور علامہ ابن حجر العسقلانی، المتوفی ۸۵۲ھ اور ابراہیم البقاعی، المتوفی ۸۵۸ھ اور ان کے علاوہ بہت سے اکابر اور اصحاب ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

بقاعی اور ابن عربی

ابن عربی کے تمام دشمنوں اور مخالفوں میں کسی نے بھی ابن عربی کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا، جو بقاعی نے کیا۔

بقاعی نے دو کتابیں خاص طور پر لکھیں۔

۱۔ تنبیہ الغبی، علی تکفیر ابن عربی

۲۔ تحذیر العباد، من اہل العناد، بدعۃ الاتحاد۔

ان کتابوں میں بقاعی نے مطاعن کا ایک سمندر ابن عربی کے خلاف بھر دیا ہے ان کے عقیدہ اضلال کو کفر و ضلال سے تعبیر کیا۔

Marfat.com

ہے اور ان کی تمام کتابوں کو گمراہ کن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک جماعت ایسی بھی ہے اور اس میں بھی اکابر رجال شامل ہیں۔ جو ابن عربی کو قرار واقعی اہمیت دیتی ہے ان کی اداشناس ہے اور ان کے نظریہ و مسلک کو قبول کرتی ہے اور ان کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کرتی ہے

ان لوگوں میں قابل ذکر،

۱۔ مجدالدین الفیروزآبادی۔

۲۔ قطب الدین الحموی۔

۳۔ صلاح الدین الصفدی۔

۴۔ شہاب الدین السہروردی

۵۔ فخرالدین الرازی

۶۔ جلال الدین السیوطی۔

اور دوسرے اصحاب علم و فضل ہیں۔

جلال الدین سیوطی نے ابن عربی کی مدافعت میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے،

"تنبیہ الغبی فی تبرئۃ ابن عربی"

عبدالرزاق القاشانی اور عبدالغنی النابلسی نے بھی ابن عربی کی حمایت میں کتابیں لکھیں۔

ابن عربی کے ممیزات

ابن عربی کے خصائص اور ممیزات پر یوں تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ان کا احاطہ کرنا آسان بھی نہیں۔ لیکن ان کے خصائص اور ممیزات میں ایک بات بہت صاف اور واضح ہے۔

وہ یہ کہ اگرچہ ابن عربی بہت بڑے صوفی تھے۔ ان کا شمار اصحاب ذوق، اور ارباب فکر و عمل میں کیا جاتا تھا۔ وہ اس ذوق اور وجدان کے حامل تھے جو کشف حقیقت کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ انھیں فلسفہ سے بھی پورا شغف تھا۔ اور وہ اس فن سے پوری دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ ان کے مؤلفات پر ایک نظر ڈالی جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

مسلک وحدت الوجود

ابن عربی کا مذہب دعائم ذوقیہ پر قائم تھا۔ اس میں فلسفہ کی بہت کافی آمیزش تھی۔ اسی بنا پر فقہا کی بارگاہ میں وہ معتوب تھے۔ ان کا اصل مسلک "وحدت الوجود" تھا۔

ابن عربی کا خیال تھا وجود، واحد ہے اور مخلوقات کا وجود عین وجود خالق ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے خالق اور

لہ نفس المرجع۔

Marfat.com

مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو شخص خالق اور مخلوق کے وجود میں امتیاز کا قائل ہے، ابن عربی کی نظر میں وہ ادراکِ حقیقت سے نا آشنا ہے، جو خود اس کے ذات کے اندر موجود ہے وہ اپنے اس قول کی دلیل "سبحان من خلق الاشیاء وھو عینھا" سے لاتے ہیں۔

پس جب وجود حق عین وجود خلق ہے تو پھر حقیقت بھی ایک ہے، اس میں فرق و امتیاز کیونکر روا رکھا جا سکتا ہے؟

حقیقت محمدی اور ابن عربی

وحدت الوجود کے سلسلہ میں ابن عربی کے دو نظریے ہیں۔

(۱) حقیقت محمدیہ (۲) وحدت ادیان۔

حقیقت محمدیہ کے بارے میں ابن عربی دو لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کبھی قطب اور کبھی روح خاتم، ان کے نزدیک کمالات علمیہ و عملیہ کا یہ قدیم ترین منبع ہے۔ حضرت آدم سے لے کر آنحضرت تک یہی حقیقت جو حقیقت محمدیہ کے رنگ میں جلوہ گر رہی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کا وجود آپ کی پیروی کرنے والے اولین میں نظر آتا ہے۔ اس مسلک کا حلاج کے سلسلہ میں ہم تفصیلاً وضاحت کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں۔

وحدت ادیان کے بارے میں ابن عربی کا نظریہ ہے کہ تمام مذاہب کی اصل و حقیقت ایک ہے اور یہ بالکل وہی مسلک ہے جو حلاج کا تھا۔ جب ہر دین کا مقصد و منتہا ذاتِ الٰہی ہے تو پھر اس کی حقیقت بھی ایک ہی ہے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

ہندوستان میں سب مسلمانوں کے عالم ملکوت تک بار پانے اور منازل عرفان طے کرنے کی سیڑھی جن قدسی صفات بزرگ نے قائم کی وہ حضرت قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ ہیں حضرت خواجہ کے حالات متعدد رسالوں کی حیثیت میں شائع ہو گئے ہیں اور گو نہایت مختصر اور بہت مجمل ہیں۔ مگر جوشِ عقیدت انھیں بازار میں پھیلائے ہوئے ہے۔ اسی لیے ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ولی ہند کے یہ حالات زیادہ لطف اور دلچسپی سے دیکھے جائیں گے۔

عہدِ مصیبت چھٹی صدی ہجری کا درمیانی زمانہ ہندوستان ہی میں نہیں، ساری دنیائے اسلام میں نہایت ہی پُرشور اور طرح طرح کی آفتوں اور مصیبتوں کا زمانہ تھا۔ ہندوستان میں دولت غزنویہ کا خاتمہ ہو رہا تھا محمود غزنوی کے کارناموں کا دفتر تہ کیا جا رہا تھا اور خاندانِ غوریہ کی بنیاد پڑ رہی تھی جب کہ ۵۴۳ھ میں خاندان غزنوی کے آخری چشم و چراغ بہرام شاہ کو تاج و تخت نے رخصت کر کے علاقہ غور کے نو دولت حکمران حسین بن حسن الملقب بہ علاؤ الدین کو اپنے آغوش میں لیا تھا جس کے عہد میں اس کے بھتیجے شہاب الدین کی کوششوں سے لاہور دولت کا پایہ تخت قرار پایا اور پرانا شہر غزنی چند انقلابوں کے بعد بہت بُری طرح تباہ و پامال کیا گیا۔

ہندوستان میں تو اتنا ہی انقلاب ہو رہا تھا کہ ایک طرف غزنویوں کا استیصال کیا گیا۔ اور دوسری طرف نئے پرجوش غوری فاتح ارض ہند کے ان دُور دراز مقامات کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں تک ان سے پیشتر کبھی کسی غیر حملہ آور قوم کی رسائی نہیں ہوئی تھی۔ مگر سیستان اور خراسان پر اس سے زیادہ تباہی برس رہی تھی۔ پامالی پر پامالی ہوتی تھی۔ تباہی پہ تباہی آتی تھی۔ لیکن نہ وحشی لٹیروں کو ترس آتا تھا اور نہ کسی قسم کا نظم و نسق قائم ہونے پاتا تھا۔ ایک طرف تو ملاحدہ اور باطنین تھے۔ جنھوں نے ہندوستان کے آخری عہد کے ٹھگوں کی طرح آباد شہروں کو اپنا شکارگاہ بنا رکھا تھا اور خلقت خدا کو تباہ کرنے لوٹنے مارنے اور قتل و غارت کو منجملہ حسنات خیال کرتے تھے۔ دوسری طرف پولیٹیکل جھگڑے تھے جو آج کل انگریزی کی اصطلاح میں "سول وار" کے لفظ سے تعبیر کیے جاتے ہیں اس ملک کا اصلی تاجدار اور مسلم بادشاہ سلطان سنجر تھا جو دولتِ سلجوقیہ کی یادگار تھا اور جو اپنے حقوق حکمرانی کو شوکت و سطوت اور زبردست فوجوں اور بہادر سپاہیوں کے مقابل زیادہ تر خاندانی حقوق اور حق دار سلطنت ہونے کی بنیاد پر ثابت کرنا چاہتا تھا گو ابھی اس کی سلطنت میں کمزوری کے آثار نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ مگر اس کا کیا علاج تھا کہ خطائی تاتاریوں کا ایک نیا پُرخطر اور وحشی گروہ جو "غزہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ جوش و خروش سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور ہر قسم کی لوٹ مار تاخت و تاراج اور ظلم و جور پر آمادہ تھا۔ چنانچہ ۵۳۶ھ میں سلطان سنجر کو ان لوگوں سے ایک بڑی بھاری شکست ہوئی جس میں سیستان کا حاکم بھی

Marfat.com

کی طرف سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑا تھا اور جس کی نبرد آزمائی نے تمام دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ خطائیوں کے ہاتھ میں زندہ گرفتار ہوگیا۔ خود سنجر بے سروپائی سے بھاگا اور خراسان کے شہروں پر تاتاریوں نے طرح طرح کے ظلم کیے۔

ولادت باسعادت

اسی سال ۵۳۶ھ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سیستان میں پیدا ہوئے۔ جہاں کا حاکم مارا گیا تھا اور خراسان میں آپ کا ابتدائی نشوونما ہوا جس کو ایک طرف تو ملاحدہ و باطنین اور دوسری طرف خطائی تُرک تباہ و برباد کر رہے تھے۔ آپ کے پدر بزرگوار کا نام نامی خواجہ غیاث الدین حسن تھا جو ملک کے بڑے دولت مند اور صاحب اثر لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے اور جیسے صاحب دولت تھے ویسے ہی صاحب ورع و تقویٰ اور عابد و زاہد بھی تھے معلوم ہوتا ہے کہ سیستان کی بدنظمیوں اور تباہیوں نے خواجہ غیاث الدین حسن کو اس شہر سے کچھ ایسا برخاستہ خاطر کیا کہ وطن کو خیرباد کہہ کر خراسان میں چلے آئے۔ جہاں حضرت خواجہ حسن معین الملۃ والدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا نشوونما ہوا۔ مگر غالباً خواجہ غیاث الدین کو اس سرزمین پر آکے بھی چین نہ پڑا ہوگا۔ اس لیے کہ ان دنوں خراسان کی حالت شاید دنیا کے تمام ملکوں سے بدتر ہو رہی تھی۔

خصوص ۵۴۹ھ میں جب کہ ہمارے خواجۂ خواجگان قطب الہند رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ طفولیت تھا اور عمر شریف ۱۳ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ بچپن کی اس ناتجربہ کاری کے عہد میں آپ نے زمانہ کی جو ہولناک تصویر ملاحظہ فرمائی اور علما و اہل اللہ کی جس طرح مظلومی اور اسلام کی جیسی بے حرمتی دیکھی اس سے زیادہ عبرت ناک منظر کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اس کا محض سُن لینا بھی اس بات کے لیے کافی ہے کہ دنیا کی طرف سے انسان کے دل کو کھٹا کر دے۔

وہ یہ واقعہ ہے کہ اس سال سلطان سنجر کو ترکانِ غزو کے مقابل میں دوبارہ شکست ہوئی تھی اور ایسی فاش شکست کہ وہ خود ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا اور ملک کا کوئی حامی و نگہبان باقی نہ رہا جس کی قسمت یک بیک وحشی درندوں اور بے رحم لیٹروں کے ہاتھ میں دی گئی۔ وہ درشت مزاج اور وحشی لوگ یکایک علاقۂ خراسان میں گھس پڑے۔ بلاد طوس (مشہد مقدس) و نیشاپور کو نہایت بے رحمی سے لوٹا۔ عورتوں کو جہاں پایا بے عزت کیا۔ ان کی عصمتیں خراب کیں۔ انھیں بے حرمت و بے آبرو کیا اور انھیں اور لڑکوں کو پکڑ پکڑ کر لونڈی غلام بنایا۔ تمام مسجدیں تباہ و برباد کر دیں۔ لوگوں کے مکانات منہدم کیے اور اجاڑ ڈالے۔ نیشاپور میں اُن ظالموں نے ایسا ظلم کیا اور اس قدر قتل و خون کیا کہ اپنے خیال میں تو انھوں نے کسی کو زندہ ہی نہیں چھوڑا تھا۔ خوش قسمت اور شاذ و نادر ہی تھا ایسا شخص جو کہیں چھپ چھپا کے بچ رہا ہو۔ لاشوں کے ہر طرف بڑے بڑے انبار اور تودے لگے ہوئے تھے۔ بہت سے لوگوں نے جامع مسجد منیعی میں جاکر پناہ لی تھی اور اس کے دروازے اندر سے بند کر لیے تھے۔ مگر ان وحشیوں نے اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے تھے ہجوم کر کے اس کے دروازے کلہاڑیوں سے چیر ڈالے اور خاص اسی مقام میں جو خدا وند جل و علا کا دامنِ عافیت اور دینداروں کے نزدیک دار الامان تھا گھس کے سب لوگوں کو شہید کر ڈالا۔ یہی حالت وہاں کے عالی شان بیمارستان (دار الشفاء) کی ہوئی۔ جس کی عمارت قلعہ کی سی تھی۔ بہت سے لوگوں نے اس میں پناہ لی۔ پناہ ہی نہیں لی بلکہ اس کی چھت پر سے دشمنوں پر پتھر اور تیر برسائے مگر ترک اس میں بھی گھسے اور جو ملا عام اس سے کہ طبیب ہو یا مریض۔ زخمی ہو یا جراح سب کو بلا استثناء وامتیاز جام فنا پلا دیا۔

Marfat.com

یا نیشا پور کے مظلوموں اور جامِ شہادت پینے والوں میں سپاہی اور عوام الناس ہی نہ تھے بلکہ بڑے بڑے علما و فضلا، اولیا و ابرار۔ اتقیاء و احرار بھی تھے۔ تمام علما و شیوخ شہید ہوئے اور کل صالحین و متصوفین فنا کر دیئے گئے۔ جن میں محمد بن یحیٰ فقیہ شافعی تھے۔ جو علم و فضل میں مرجع عالم تھے۔ متبحرّ و مستند ہونے کی حیثیت سے دنیا میں اپنا کوئی مماثل و ہمتا نہیں رکھتے تھے اور مشرق و مغرب کے طلبہ کا ان کے حلقۂ درس میں مجمع رہتا تھا۔ عبدالرحمٰن بن عبدالصمد اکاف نیشا پوری جو بڑے فقیہہ اور عابد و زاہد تھے اور سلطان سنجر حسنِ عقیدت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ امام قشیری کے نواسے احمد بن حسین کاتب البرکات و امام علی صباغ جو اس عہد کے ایک زبردست متکلم تھے۔ احمد بن حامد عبدالوہاب منفابادی قاضی ساعد بن عبدالملک حسن بن عبدالحمید رازی اور ان کے علاوہ صدہا علما و مشائخ عباد و زہاد تھے جو کمال بے دردی و بے رحمی سے شہید کیے گئے نیشاپور اس زمانے میں علم و فضل کا مخزن تھا۔ لہٰذا مدت ہائے دراز کے ذوقِ علم نے جو کچھ سرمایۂ علمی وہاں فراہم کیا تھا وہ سب خاک میں ملا دیا گیا اور کل کتب خانوں میں آگ لگا دی۔

داغِ یتیمی

یہ تہلکہ یہ آفتیں اور یہ بلائیں تھیں جن کو حضرت خواجۂ خواجگان نے اپنے بچپن کی ساری آنکھوں سے دیکھا جن سے آپ کے سادے صفحۂ دل پر عبرت دنیا پائیداری کا پہلا نقش پڑا تھا۔ ان واقعات کو ہنوز پورے تین سال بھی نہیں گذرنے پائے تھے کہ ۵۵۱ھ میں آپ کے والد ماجد خواجہ غیاث الدین نے سفرِ آخرت کیا۔ اور آپ کو اُن پرانے قومی زخموں پر جو مندمل نہیں ہونے پائے تھے۔ یہ ایک تازہ اور سب سے بڑا خاندانی زخم برداشت کرنا پڑا۔ جس کی بدولت اگرچہ آپ نہایت ہی دل شکستہ ہوئے ہوں گے۔ مگر خداوند جل وعلا نے جو آپ کو اعلیٰ مدارج یقین پر پہنچانے والا تھا فضیلت یتیمی سے بھی شرفیاب کر کے آپ کو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا ہمدرد اور پیرو و متبع بنا دیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔

یہ بالکل پتہ نہیں چلا کہ آپ کے کوئی بہن بھائی بھی تھا یا نہیں۔ لیکن ہمیں اتنا معتبر طور پر معلوم ہوا ہے کہ پدر بزرگوار کے غریق رحمت ایزدی ہونے کے بعد پدری ترکے میں آپ کو ایک باغ اور ایک پن چکی ملی تھی۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دولت مند باپ کا ترکہ بہت سے حصوں میں تقسیم ہوا ہوگا۔ اب آپ نے نہایت ہی صلاحیت و خوش بختی کے ساتھ اسی مختصر ترکۂ پدری کو اپنے لیے ذریعۂ معیشت قرار دیا۔ خود ہی باغ کی باغبانی کرتے۔ خود ہی اس کے درختوں میں پانی پہنچاتے اور خود ہی اس کی فصل کی نگہبانی فرماتے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس دنیاوی مشغلہ میں آپ کتنے زمانے تک مصروف رہے۔ قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں آپ کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ تاہم اگر دو سال بھی گذرے ہوں گے تو آپ نے نیشاپور کا وہ دوسرا ہنگامہ بھی ملاحظہ فرمایا ہو جو سلطان سنجر کے بھتیجے سلطان محمود سلجوقی اور انھیں ترکان غز کی معرکہ آرائیوں اور نیز اہل شہر کی خانہ جنگیوں سے بپا ہوا تھا جس میں نیشاپور پر پھر ایک مرتبہ تباہی برس گئی تھی۔ تمام محلوں میں آگ لگا دی گئی تھی۔ مسجدیں اور مدرسے جلا کے خاک کر دیئے گئے

Marfat.com

تھے اور امام الحرمین ابوالمعالی جوینی کا مکان جو گذشتہ مرجعیت عامہ کی یادگار تھا۔ وہ بھی جلا کے خاک سیاہ کر دیا گیا تھا۔

حسنِ اتفاق

ان سوانح روح فرسا اور مصائب ہوش ربا نے آپ کے دل کو ایسے ایسے عبرت خیز سبق دے رکھے تھے۔ کہ دل کو دنیائے ناپیدار کی طرف سے جس قدر نفرت ہو گئی ہو گی اسی قدر خدا پرستی اور زہد و عبادت سے انس پیدا ہو گیا ہو گا۔ یہ حالت تھی اور آپ اسی طرح اپنے ترکہ پدری والے باغ کی خبر گیری کیا کرتے تھے کہ ایک دن ایک عجیب اتفاق پیش آیا جس نے ایک آن کی آن میں آپ کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔

اسی قصبہ میں جس میں آپ کا باغ تھا ایک بزرگ رہا کرتے تھے۔ جو ابراہیم قندوزی کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے مراحل عرفان اس قدر طے کر لیے تھے کہ جوشِ وحدت اور عشق حقیقی نے ان پر جذب و خود فراموشی کا عالم طاری کر رکھا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین اپنے باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ انہی واقفِ رمز حقیقت بزرگ ابراہیم کا ادھر سے گذر ہوا۔ آپ میں چونکہ پابندئ دین اور جوش ورع نے مہمانداری ابراہیم خلیل اللہ کی شان پیدا کر رکھی تھی اور رمز معنیٰ کا ذوق پیدا ہو جانے کی برکت نے جویا حقیقت بنا رکھا تھا۔ لہذا فوراً ان بزرگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ دوڑ کے ان کے ہاتھ چومے۔ ایک سایۂ دار درخت کے نیچے لا کے بٹھایا۔ پھر جھٹ پٹ کے تازہ انگوروں کا ایک خوشہ لا کے سامنے رکھ دیا اور نہایت ادب سے سامنے دوزانو ہو بیٹھے۔ ابراہیم قندوزی کے دل میں بھی خدا نے ڈال دی کہ نوعمر عقیدت کیش اگر جویائے معرفت ہے تو محروم نہ رکھا جائے اسے کچھ نہ کچھ ذوقِ حقیقت چکھا ہی دینا چاہیئے۔ چنانچہ اپنی بغل سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اسے اپنے دانتوں سے کسی قدر کاٹ کے حضرت خواجۂ خواجگان کی طرف ہاتھ بڑھا کے آپ کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کا حلق سے اترنا تھا کہ آپ کو کچھ اور ہی عالم نظر آیا۔ یہ حجاب تشخصات نظر کے سامنے سے ہٹ گیا جس کے ہٹتے ہی صاف نظر آ گیا کہ منزل مقصود کا راستہ وہ ہے یہ نہیں جدھر ہم جا رہے ہیں۔

اب کیا تھا؟ نظر میں نہ دنیا کی وقعت تھی اور نہ دولت مندی کی ہوس۔ اپنی عبادت و طاعت میں خلوص کا جلوہ نظر نہیں آیا۔ عزیزوں اور دوستوں کی محبت کے تمام روابط و علائق بے تکلف توڑ دیئے اور بغیر اس کے کہ کسی سے کچھ کہیں سنیں وہ باغ اور چکی جو مال و متاع پاس تھا بیچ ڈالا۔ اس کی قیمت فقرا اور محتاجوں کو بانٹ دی اور طالب حقیقت بن کے بہ یک بینی دو گوش میدان جستجو میں قدم مارنے لگے۔

آغاز سفر

پہلے شمال و مشرق کی طرف چلے اور سمرقند و بخارا کی راہ لی اور وہاں اپنے آپ کو مراحل یقین کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔ یہ شہر علم و فضل کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ لہذا وہیں آپ نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور دیگر علوم ظاہری حاصل کیے۔ تفسیر و حدیث و فقہ اور دیگر فنون شرعیہ و دینیہ سے جب فراغت ہو چکی تو ان شہروں کو خیرباد کہی اور ارض مغرب کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ جہاں دین متین کے تمام پر انوار و مقدس مقامات اور بزرگان ملت کے متبرک مزارات تھے۔ راستے میں خراسان کے شہر نیشاپور کی طرف سے آپ کا پھر گذر ہوا۔ جو علاقہ کہ آپ کے نشو و نما کا پہلا گھوارہ تھا۔ لیکن آپ نے کسی مقام پر کسی عزیز

Marfat.com

یا دوست سے ملنے کے لیے توقف نہیں کیا۔

ہوتے ہوتے موضع ہارون میں پہنچے جو نیشاپور ہی کے حوالی میں ہے تو خوش نصیبی نے شیخ عثمان ہارونی کا جلوہ دکھایا جن سے بڑا صاحبِ کمال اس وقت تک خواجہ رحمت اللہ کی متجسّس نگاہوں سے نہیں گذرا تھا۔ ہمارے حضرت خواجہ کو اُن کی ذات میں کچھ ایسے کمالات اور ان کی توجہ سے کچھ ایسے مکاشفات نظر آئے کہ دل میں عقیدت کا جوش پیدا ہوا اور اس زمانے میں جب کہ اہل اللہ کا قحط تھا اور صدہا صاحب کمال علما و اولیا جام شہادت پی کر مرد مہری زمانہ کی نظر ہو چکے تھے۔ ایک ایسے با خدا اور صاحب باطن مرشد کامل جانا غنیمت معلوم ہُوا۔ فوراً ادب و تعظیم اور ارادت و عقیدت سے حاضر ہوئے اور استدعا کی کہ آپ مجھے اپنے عقیدت کیش فیض پانے والوں اور اپنے پیروؤں اور مریدوں میں شامل فرمائیں۔

شیخ عثمان ہارونی

شیخ عثمان ہارونی اس عہد کے کبار مشائخ میں تھے اور رموز باطنی اور مکاشفات نورانی کے بہت بڑے حامل اور چشمہ ہدایت کے منبع و منشا بنے ہوئے تھے۔ ان کو سلسلۂ ارادت حاجی شریف زندنی سے تھا وہ خواجہ مودود چشتی کے مرید تھے، ان کو خواجہ ناصرالدین چشتی سے ارادت تھی اور خواجہ ناصرالدین چشتی شیخ یوسف چشتی کے مریدین میں تھے۔ ان کا شمار خواجہ ناصرالدین ابو محمد چشتی کے مریدوں میں تھا اور وہ خواجہ ناصرالدین احمد چشتی کے مرید تھے جنھیں خواجہ اسحٰق شامی المعروف بہ چشتی کی بارگاہ حقیقت دستگاہ سے فیض حاصل ہُوا تھا چشتی کا لقب انھیں کے وقت سے شروع ہے۔ چشت اطراف خراسان کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ اسحٰق کا وطن مالوف تو ملک شام تھا۔ مگر ہدایت خلق اللہ اور مستحقین وطالبین کو رموز باطن کی ودیعت پہنچانے کے لیے اُن حضرات نے موضع چشت کو اپنا مرکز مستقر بنا لیا تھا جہاں انھوں نے اپنا چشمہ فیض جاری کیا اور ایک ایسا مدرسۂ فیض کھول دیا کہ سلسلہ وار اسی موضع کے متعدد بزرگ ان کی شمع معرفت سے حقیقت وعرفان کا سبق لے لے کے اس گمنام گاؤں کا نام روشن کرتے رہے اور واقعی یہ تھوڑی حیرت کی بات نہیں کہ آج یہ تو کوئی نہیں جانتا کہ چشت کہاں ہے یا کہاں تھا۔ لیکن اس کا نام ان بزرگوں کی برکت سے ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا۔ اسی بابرکت خاندان روحانی سے صدہا بلکہ ہزارہا ولی اللہ پیدا ہوئے جنھوں نے تبلیغ رسالت محمدی صلعم کی آواز چاردانگ عالم میں پہنچائی۔ علی الخصوص ممالک مشرق کا کوئی خطہ نہیں جہاں اس خاندان طریقت کے فیوض نے حقیقت جُو اہل اللہ کے سینوں میں آفتاب معرفت نہ چمکا دیا ہو۔

یہ سلسلۂ معرفت خواجہ اسحاق شامی چشتی سے آگے یوں گیا ہے کہ وہ خواجہ ممتاز دینوری کے مرید تھے۔ انھیں خواجہ ہبیرہ بصری سے فیض حاصل ہوا تھا۔ وہ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی کے صاحبان ارادت میں تھے اور وہ حضرت سلطان ابراہیم ادھم کے باغ معرفت کے خوشہ چیں تھے جنھوں نے ذوق وحدت کے جوش اور حق پرستی کی دھن میں سلطنت کو لات مار کے فقیری اختیار کی تھی۔ حضرت ابراہیم ادھم فضیل ع کے مرید تھے انھیں خواجہ حبیب عجمی سے فیض ہوا تھا جو حضرت خواجہ حسن بصری کے مرید تھے اور حضرت خواجہ حسن بصری کہ بارگاہِ امامت اور حامل علوم باطنی رسالت امیرالمومنین امام المتقین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فیض حاصل ہوا تھا اور حضرت علی نے

Marfat.com

خاص انوار رسالت سے کسب انوار حقیقت فرمایا تھا۔

العرض حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ عقیدت و ارادت ساتویں درجہ میں حضرت اسحٰق شامی چشتی تک پہنچتا ہے۔ جو گویا خاندانِ چشتیہ کے بانی اور اس متبرک و مقدس لقب کے موجد تھے۔ گیارھویں درجے میں حضرت ابراہیم ادھم تک پہنچتا ہے جو دنیا کے مشہور و معروف اور نمایاں اولیا میں تھے۔ پندرھویں درجے میں جناب صاحبِ ولایت علی ابن ابی طالب تک اور سولھویں خاص اس نقطہ رسالت ولایت سے مل جاتا ہے جو دنیا کی ہدایت عامہ اور شریعت و طریقت حقیقت و معرفت اور علوم ظاہر و باطن کا سرچشمہ ہے۔ خداوندا ان مقدس بزرگانِ معرفت اور ان عالی مرتبہ جادۂ پیمانِ حقیقت کے طفیل میں ہمارے گناہوں سے درگزر اور ہمیں ان کے انوار اقدس سے فیض پہنچا۔ آمین۔

کس طرح مرید ہوئے

چونکہ اب مرید ہونا بالکل معمولی اور آسان چیز ہو گیا ہے اور اس میں سوائے رسم قدما کے حقیقت کی شان بہت کم رہ گئی ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ ہم یہ بھی بتائیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کس وضع اور کس شان سے حضرت عثمان ہارونی کے مریدوں میں شامل ہوئے۔ خود فرماتے ہیں کہ ایسی صحبت میں جس میں بڑے بڑے معظم و محترم مشائخ کبار جمع تھے میں ادب سے حاضر ہوا اور روئے نیاز زمین پر رکھ دیا۔ حضرت مرشد نے فرمایا "دو رکعت نماز ادا کر"۔ میں نے فوراً تعمیل کی۔ "رو بقبلہ بیٹھ"۔ میں ادب سے قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا "سورہ البقر پڑھ"۔ میں نے خلوصِ عقیدت سے پوری سورت پڑھی۔ تب فرمایا "ساٹھ بار کلمہ سبحان اللہ کہو"۔ میں نے اس کی بھی تعمیل کی۔ ان مدارج کے بعد حضرت مرشد قبلہ خود اٹھ کھڑے ہوئے۔ میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا۔ آسمان کی طرف نظر اٹھا کے دیکھا اور فرمایا "میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا"۔ ان جملہ امور کے بعد حضرت مرشد قبلہ نے ایک خاص وضع کی ترکی ٹوپی جو کلاہ "چہار ترکی" کہلاتی ہے۔ میرے سر پر رکھی۔ خاص اپنی کملی مجھے اڑھائی اور فرمایا "بیٹھ"۔ میں فوراً بیٹھ گیا۔ اب ارشاد ہوا "ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ"۔ میں اس کو بھی ختم کر چکا تو فرمایا "ہمارے مشائخ کے طبقات میں بس یہی ایک شب روز کا مجاہدہ ہے۔ لہذا جا اور کامل ایک دن رات تک مجاہدہ کر"۔ اس حکم کے بموجب میں نے پورا دن اور ایک ساری رات عبادت الٰہی اور نماز و طاعت میں بسر کی۔ دوسرے دن حاضر ہو کے روئے نیاز زمین پر رکھا تو ارشاد ہوا "بیٹھ جا"۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا "اوپر دیکھ"۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دریافت فرمایا "کہاں تک دیکھتا ہے؟" عرض کیا "عرش معلیٰ تک"۔ تب ارشاد ہوا "نیچے دیکھ"۔ میں نے آنکھیں زمین کی طرف پھیریں تو پھر وہی سوال کیا۔ "کہاں تک دیکھتا ہے؟" عرض کیا "تحت الثریٰ تک"۔ حکم ہوا "پھر ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ" اور جب اس حکم کی بھی تعمیل ہو چکی تو ارشاد ہوا "آسمان کی طرف دیکھ اور بتا کہاں تک دیکھتا ہے؟" میں نے دیکھ کر عرض کیا۔ حجاب عظمت تک۔ اب فرمایا "آنکھیں بند کر"۔ میں نے بند کر لیں۔ ارشاد فرمایا۔ "اب کھول دے"۔ میں نے کھول دیں۔ تب حضرت نے اپنی دونوں انگلیاں میری نظر کے سامنے کیں اور پوچھا "کیا دیکھتا ہے؟" عرض کیا "اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں"۔ جب میری زبان سے یہ جملہ سنا تو ارشاد فرمایا "بس اب تیرا کام پورا ہو گیا"۔ پھر ایک اینٹ کی طرف دیکھ کے جو سامنے پڑی تھی حکم دیا۔ "اسے اٹھا"۔ میں نے اٹھایا تو اس کے نیچے سے کچھ دینار نکلے۔ فرمایا۔ "انھیں لے جا کے درویشوں میں خیرات کر"۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

اس سے نظر آ سکتا ہے کہ مرید ہونا جس قدر مشکل و دشوار ہے اسی قدر مرید کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ نمونہ ایک ولی اللہ کا مرید کرنے کا ہے

Marfat.com

جس میں ایک ہی توجہ اور ایک ہی دن کی ریاضت و مجاہدہ نے سارے حجاب نظر کے سامنے سے ہٹا دیئے اور ایک آن کی آن میں وہ جلوہ نظر آگیا جو ہزار برس کی عبادت میں بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ اصل یہ ہے کہ جس طرح ز دست فیض پہنچانے والے کی ضرورت ہے ویسے ہی فیضیاب ہونے والا مادہ بھی ہونا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت عثمان ہارونی کا سا مرشد اور حضرت خواجۂ ہند معین الدین چشتی کا سا مرید ہو تو ایک دن کیا معنی ایک گھڑی میں حجاب دُور ہو جائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن خیر اگر ہم ویسا دل صاف ویسا خلوص، ویسی عقیدت نہیں رکھتے اور ہمیں ویسے ایک اشارے میں انوار وحدت کا معائنہ کرا دینے والے اور رموز باطنی کا دروازہ کھول دینے والے مرشد نہیں ملتے۔ تو کم از کم اتنا تو کریں کہ ظاہری طور پر مرید ہونے اور مرید کرنے میں ان رسوم و اصول کی نگہداشت رکھیں جن کا نمونہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مرید ہوتے وقت نظر آیا۔

حضرت خواجہ ڈھائی سال تک حضرت عثمان ہارونی کی خدمت میں حاضر رہے ہیں اس کا تو تاریخی طور پر پتہ نہیں چلتا کہ مذکورہ بالا مریدی کی رسم اس ڈھائی سال کی ابتدا میں بجالائی گئی تھی یا درمیان میں یا آخر میں لیکن بہرصورت اس میں شک نہیں کہ ڈھائی سال کا زمانہ آپ نے مجاہدۂ نفس، عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں بسر کیا اور اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس نظر کیمیا اثر نے ایک آن میں آپ کو ایک طرف حجاب عظمت کی اور دوسری طرف تحت الثریٰ تک کی سیر کرا دی تھی اور اپنی دو انگلیوں کے اندر سے ہیجدہ ہزار عالم کا جلوہ دکھا دیا تھا۔ اس نے ڈھائی برس کی مدّت تک کن کن رموز باطنی کو نہ آشکارا کر دیا ہوگا۔ آفتاب وحدت کا جلوہ کس قدر نمایاں کر کے دکھا دیا ہوگا اور آپ کی ذات میں کیسے کیسے کمالات پیدا کر دیئے ہوں گے۔

جہاد نفس

آپ نے اس زمانے میں جس قسم کی عبادتیں کیں اور جیسے جیسے مجاہدے فرمائے وہ ہمارے ہی لیے نہیں بڑے بڑے اہل اللہ اور رمز شناسان حقیقت کی نظر میں بھی قابل حیرت ہیں۔ چنانچہ شیخ فریدالدین گنج شکر سر آمد عارفان الٰہی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بہ تعجب ارشاد فرماتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ جہاد نفس میں آپ نے عجیب و غریب اور حیرت میں ڈال دینے والی ریاضت اختیار کی تھی۔ متواتر سات روز دن کو باہم ملا کے آٹھویں دن صرف پانچ مثقال کی ایک ٹکیا سے افطار فرماتے۔ جسے پانی میں بھگو لیا کرتے تھے۔ یہی حال لباس وغیرہ کے متعلق بھی تھا۔ چنانچہ شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ آپ معمولاً ایک دوتائی اوڑھا کرتے تھے۔ جب وہ کسی جگہ سے نکل جاتی تو اسے سی لیا کرتے۔" الغرض دنیا کی طرف سے ایسی اور اس درجہ کی بے تعلقی تھی جس نے آپ کو مدارج و معارج حقیقت میں اس بلند مرتبہ پر پہنچایا جو مذکور ہو چکا ہے۔

الغرض ۱۰۔ شوال روز پنجشنبہ سنہ ۵۶۰ھ کو اپنے مرشد کے حلقہ مریدین میں شامل ہو کے اور ان کے چشمۂ فیض سے کمالات باطنی حاصل کر کے آپ نے سفر اختیار کیا۔ ان دنوں ہر جگہ قریباً ہر شہر و قصبہ میں علم حقیقت کے راستے کھلے ہوتے تھے اور جا بجا خانقاہیں قائم تھیں جن میں اہل اللہ عزلت گزینی اختیار کر کے خلوت میں عالم ملکوت کی سیر کرتے اور جلوت میں اہلِ ذوق کو فیض پہنچاتے تھے۔

بغداد کا سفر

حضرت شیخ عثمان ہارونی سے خرقہ درویشی اور سندِ ولایت حاصل کر کے اب آپ روانہ ہوئے تو سیدھا بغداد کا راستہ لیا جو شہر کہ ان دنوں علم و فضل ہی نہیں ہر قسم کے صاحبانِ کمال کا مرکز و منبع تھا۔ راستہ میں قصبہ سنجار میں

Marfat.com

پہنچ کے ارادہ کیا کہ شیخ نجم الدین کے ذوق صحبت سے فیضیاب ہوں، مگر اتفاقاً حضرت نجم الدین کبری موجود نہ تھے اور علاقۂ جیل میں گئے ہوئے تھے جو کوہ جودی کے سلسلہ میں ہے۔ اور جس مبارک خطہ کو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا وطن ہونے پڑنا زہے اور بغداد سے سات منزل کی مسافت پر ہے۔ بہر تقدیر جب آپ کو شیخ نجم الدین کبریٰ سے ملنے کا موقع نہ ملا تو بغداد تشریف لے گئے۔ آپ چونکہ ۵۶۰ھ میں حضرت عثمان ہارنی کے مرید ہوئے تھے اور اڑھائی برس تک ان کی خدمت میں رہ کے سفر اختیار کیا تھا۔ لہذا اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ ۵۶۳ھ کے آخر میں آپ وارد بغداد ہوئے ہوں اور کوئی تعجب نہیں کہ اس عہد کے صوفی کامل اور فقیہ بے ہمتا شیخ ابوالنجیب شہزوری کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے ہوں جنھوں نے اسی سال رحلت فرما کے اہل بغداد کے دلوں کو بڑا صدمہ پہنچایا تھا۔

بعض لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ آپ سے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ مگر یہ غلط معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ حضرت غوث الاعظم نے آپ کے ورود بغداد سے دو سال پیشتر ۵۶۱ھ کے ماہ ربیع الآخر میں شربت وصال پیا تھا۔ آپ ان کی زندگی کے زمانے تک اپنے پیرومرشد کے آستانۂ فیض کاشانہ سے باہر نہیں نکلے تھے۔

بغداد میں ان دنوں المستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف بن المتقی لامر اللہ عباسی کی خلافت تھی جو ۵۵۵ھ میں خلافت عباسیہ کے تخت پر بیٹھا تھا۔ مگر خلافت اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ بادشاہ اپنے ماتحتوں کا بھی کچھ بگاڑ نہ سکتا تھا۔ چنانچہ اس کا وزیر عضدالدین ابوالفرج بن رئیس الرؤسا اس قدر حاوی ہو گیا تھا کہ خلیفہ کا بالذات کچھ زور نہ چل سکا۔ اس نے ایک دوسرے زبردست شخص شرف الدین ابوجعفر احمد بن المعروف بہ ابن بلدی کو اسی ۵۶۳ھ میں بلا کے وزیر کیا جس نے ابن الرؤسا کا سارا زور توڑ دیا اور اسی قسم کے تغلب و تصرف خود کرنے لگا۔

مگر ہمارے قطب الہند قدس سرہٗ العزیز کا ورود، دارالخلافت بنی عباس یعنی شہر بغداد میں اس قدر مبارک و مسعود ہوا کہ اس سے بڑی کوئی برکت حامیان خلافت عباسیہ کی نظر میں ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے کہ اس کے دوسرے ہی برس یعنی ۵۶۴ھ میں مصر کی خلافت بنی فاطمہ کا وزیر شاور مار ڈالا گیا۔ دولت علویین کے ارکان متزلزل ہو گئے اور سلطان صلاح الدین کا چچا اسدالدین شیرکوہ مصر پر قابض و متصرف ہو گیا جو خلافت بنی عباس کا حامی و طرف دار اور مرید و معتقد تھا۔

خلافت بنی عباس کے دور میں دو رقیب خلافتیں پیدا ہوئیں۔ پہلی خلافت بنی اُمیہ جو اندلس میں قائم ہوئی تھی اور دوسری خلافت بنی فاطمہ مصر جسے مورخین دولت عبیدین بھی کہتے ہیں بنی امیہ کی مغربی یا یورپین خلافت کی تباہی کو بہت زمانہ گزر چکا تھا اور ان دنوں وہاں طوائف الملوکی تھی۔ خلافت علویین باقی تھی جس کا عروج کبھی اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ شام، فلسطین و عرب پر بھی اس کا سکہ بیٹھ چکا تھا اور اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بڑھتے بڑھتے خلافت بنی عباس کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کے پھینک دے۔ مگر اب وہ ساری شوکت و عظمت خراب و ذلیل ہو گئی۔ خلافت بنی عباس ایک پیرزادگی کی شان سے اب تک باقی ہے اور ہمارے حضرت قطب الہند کے پہنچتے ہی اس رقیب خلافت علویین کا قلع و قمع ہو گیا۔

بغداد میں ہمارے حضرت خواجۂ خواجگان شیخ اوحدالدین کرمانی سے ملے جو مراحل عرفان میں سے ابھی سلوک کی ابتدائی منازل طے کر رہے تھے۔ آپ کی صحبت فیض سے شرفیاب ہوتے ہی وہ معتقد ہو گئے اور متمنی ہوئے کہ آپ کی شمع ولایت سے اپنے سینہ کا چراغ بھی روشن

Marfat.com

کرلیں۔ آپ نے اُن کے ذوق و شوق کی قدر کی۔ اپنے مریدوں میں شامل فرمایا اور انھیں خرقۂ خلافت عطا کیا۔

ان دنوں شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا ابتدائی زمانہ ۵۸۶ھ میں شرف شہادت حاصل ہوا۔ انھوں نے ہمارے حضرت خواجہ خواجگان کی خدمت میں حاضر ہو کے اور آپ کی صحبت ذوقی میں شریک ہو کے بہت کچھ فیض حاصل کیا اور مشہور ترین اقطاب کے رتبہ عالی کو پہنچ گئے۔ اس کے بعد حضرت قطب الہند نے ایک زمانہ تک خاک بغداد کو اپنے قدموں سے شرف بخش کے ہمدان کی راہ لی۔ وہاں عابد زمانہ اور شیخ وقت شیخ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی اور تبریز کا عزم فرمایا۔ تبریز کے ولی شیخ ولی اللہ شیخ ابوسعید تبریزی سے ملنے اور چند روز تک وہیں قیام فرما کے ان کی پاکبازانہ صحبت اور ان کے حلقۂ ذوق و شوق سے لطف اُٹھایا۔

شیخ نظام الدین اولیا ایسے عالی مرتبہ بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ ابوسعید تبریزی عجب مرتبہ کے اور بہت بڑے اہل اللہ بزرگوں میں تھے یوں تو ان کے ہزارہا مرید ہوں گے، مگر ستر مرید اس درجہ اور کمال کے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو ولایت کا رتبہ حاصل تھا۔ یہ سب مراتب عرفان طے کیے ہوئے تھے اور رمز شناس حقیقت تھے۔ انھیں میں ایک شیخ جلال الدین تبریزی بھی ہیں جو تمام صاحبان معرفت میں مشہور و معروف ہیں۔

ورود اصفہان

اس کے بعد جب اسی سیاحت و بادیہ پیمائی میں آپ کا ورود شہر اصفہان میں ہوا تو وہاں کے مشہور ولی اللہ شیخ محمود اصفہانی سے ملاقات ہوئی، یہ کوئی اہل ظاہر کی ملاقات نہ تھی بلکہ صاف باطن اور اہل دل دلیوں کا ملنا تھا۔ دونوں دلوں نے ایک دوسرے کے انکشافات و مدارج معرفت کا پتہ لگایا اور ہر ایک نے اپنے صاحب باطن ہم صحبت کے انوار عرفان سے لطف اٹھایا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز ان دنوں اصفہان میں موجود تھے اور شیخ محمود اصفہانی کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہونے والے تھے۔ مگر جب شیخ معین الدین چشتی کا ایسا عارف باللہ ایک نعمت غیر مترقبہ کی طرح شہر میں آ پہنچا، شیخ محمود کو چھوڑ کے ہمارے حضرت قطب الہند کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت معین الدین چشتی نے وہی دوتائی جسے خود اوڑھے رہا کرتے تھے۔ خواجہ قطب الدین قدس سرہ العزیز کو عطا فرمائی اور اجازت دی کہ آپ اب جا کے لوگوں کو حقیقت و معرفت کے راستے بتانا شروع کیجیے۔ مرشد کے اس متبرک خلعت یا خرقہ ولایت کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے ایک بڑی نعمت غیر مترقبہ سمجھ کے جان سے زیادہ عزیز رکھا اور جب رحلت و وصال کا وقت آیا تو وہی دوتائی ایک سند معرفت کی شان سے شیخ فریدالدین گنج شکر کو مرحمت فرمائی۔ انھوں نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے خدا رسیدہ مرید سلطان الاولیا شیخ نظام الدین اولیا کو عطا فرمائی اور ان کے دربار فیض سے وہ قدیم متبرک خلعت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کو مرحمت ہوا۔ گویا یہی مبارک خرقہ معرفت تھا جس نے ہندوستان کی سرزمین میں ہدایت کی شمع روشن کی۔ اور معرفت کا ایسا نورانی چراغ خاک ہند میں روشن کیا کہ اس کی روشنی آج تک اس وسیع ملک میں دور دراز تک پھیلی ہوئی ہے۔ ان واقعات کے بعد حضرت خواجہ خواجگان شہر خرقان میں پہنچے اور دو سال تک اس قرب و جوار میں لوگوں کو ہدایت کرکے اور رموز باطنی سے صدہا تاریک سینوں کو نورانی فرما کے آگے بڑھے اور استرآباد پہنچے۔ یہاں ایک بڑے ولی کامل شیخ ناصرالدین استرآبادی کی صحبت فیض سے فیضیاب ہوئے۔ شیخ ناصرالدین بھی بزم معرفت کے ایک نہایت ہی ر...

Marfat.com

چراغ تھے اور ان کا سلسلۂ ارادت صرف دو واسطوں سے سلطان العارفین شیخ طیفور شیخ بایزید بسطامی تک پہنچتا تھا۔ انھیں کمالات کو دیکھ کے خواجہ قدس سرہ العزیز ایک مدت تک انہی کی صحبت فیض میں رہے اور بے انتہا برکتیں حاصل کیں۔ جب اس چشمۂ معرفت سے سیراب ہو لیے تو شہر ہرات کی راہ لی۔

عبادت و ریاضت

ہمارے حضرت خواجہ کا چونکہ معمول تھا کہ ذوق کی بے تابی اور نور وحدت کی کرنوں کی گدگدی سے کسی ایک مقام پر بہت کم ٹھہرتے تھے بلکہ اکثر اوقات اِدھر اُدھر پھرتے اور کسی سچے جویائے حقیقت کی طرح کتاب قدرت کے ہر ہر صفحہ کا مطالعہ فرمانے ہی میں زندگی بسر فرمایا کرتے تھے۔ لہذا شہر ہرات میں یہ حالت تھی کہ دن تو ادھر ادھر پھرنے اور زمانے کی خاک چھاننے میں بسر فرماتے مگر راتوں کی زندگی کا زیادہ حصہ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ کے روضۂ پاک میں صرف کیا کرتے۔ اس ادب اور ہیبت حق کے متبرک مقام میں ایک درویش سے زیادہ آپ کے پاس نہ ہوتا تھا جس کے سوا اور کسی خادم کو پاس آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یہاں آپ عبادت و ریاضت میں اس قدر مشغول رہا کرتے تھے کہ اکثر راتوں کو یہی ہوا کہ عشا کے وضو سے آپ نے صبح کی نماز ادا فرمائی۔ تھوڑے ہی دنوں میں اہل ہرات میں مشہور ہو گیا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کا ایسا واقف اسرار سرمدی اور ولی کامل ان کے شہر کو اپنے ورود سے عزت بخش رہا ہے۔ سب نے ہجوم کرنا شروع کر دیا اور لوگ آپ کو اس قدر گھیرنے اور پریشان کرنے لگے کہ آپ ہرات کو چھوڑ کر شہر سبزوار میں چلے گئے۔

ایک فاسق و فاجر میں اور ایسی کرامتیں

سبزوار کی حکومت اُن دنوں یادگار محمد نام ایک شخص کے ہاتھ میں تھی۔ جو نہایت فاسق و فاجر شخص تھا اور آپ کے حالات لکھنے والے بتاتے ہیں کہ وہ شیعہ مذہب کا پیرو تھا اور صحابۂ رسول اللہ صلعم خصوصاً خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے اس قدر کینہ و عناد رکھتا تھا کہ اُن پاک حضرات کی خدمت میں بے ادبی ورکنار اُن مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں دیتا جن کا نام ابوبکر یا عمر یا عثمان ہوتا۔ اور ان کی جان لینے میں بھی دریغ نہ کرتا۔ حضرت خواجہ صاحب کے حالات لکھنے والوں نے اس فرماں روا کو عموماً شیعہ بنا دیا ہے لیکن میرا یہ خیال ہے اور غالباً یہی صحیح بھی ہوگا کہ یہ شخص مذہب ملاحدۂ باطنیہ کا پیرو تھا۔ حسن بن صباح کے جانشین کا نام بھی یادگار علی تھا۔ جو اسی زمانے کے قریب الموت کا حاکم تھا جہاں سے سبزوار زیادہ دور نہیں ہے۔ چونکہ باطنیہ بھی اسمٰعیلیوں شیعوں کی ایک شاخ تھے اور علی الاعلان سبّ صحابہ کرتے تھے لہذا مورخین نے اس فرماں روائے سبزوار کو شیعہ کے عام لقب سے یاد کیا۔

اس یادگار محمد حاکم سبزوار کا ایک باغ شہر کی آبادی سے باہر تھا۔ جس کے درمیان ایک نہایت ہی پُرتکلف اور صاف و پاکیزہ حوض تھا۔ آپ جب منزل سے تھکے ہوئے اور اس شان سے کہ چہرۂ مبارک اور ہاتھ پیروں کو گرد راہ نے ایک عجیب خاکساری کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ یہاں پہنچے تو اسی باغ میں اور اس حوض کے کنارے پہنچ کر ٹھہر گئے اور کمر کھول دی۔ پھر غسل فرما کے خشوع و خضوع سے دو رکعتیں ادا کیں اور تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو گئے۔ اتفاقاً اسی دن مشہور ہوا کہ یادگار محمد اپنے باغ کی سیر کو آ رہا ہے۔ ایک درویش جو خادم کی حیثیت سے حضرت کے ہمرکاب تھا یہ خبر سنتے ہی دوڑتا ہوا آپ کے قریب آیا اور عرض کیا۔

Marfat.com

مناسب ہوگا کہ اب ہم باغ کے باہر چل کے ٹھہریں"۔ آپ اس کی گھبرائی ہوئی صورت دیکھ کے مسکرائے اور ارشاد فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو چلے جاؤ اور اس درخت کے نیچے جاکے ٹھہرو میں تو یہاں سے نہ اٹھوں گا۔ وہ خادم تو حسب اجازت اس درخت کے نیچے چلا گیا جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا اور ادھر شاہی فراشوں نے حوض کے کنارے حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کے برابر ہی اپنے بادشاہ کے لیے لا کے قالین بچھا دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ حضرت سے اُٹھنے کو کہیں مگر نور عرفان کی اُن پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اتنے میں خود یادگار محمد آپہنچا اور حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کو اپنے قالین کے برابر بیٹھے دیکھ کر نہایت برہم ہوا اور اپنے خدمتگاروں کو سخت سست کہنے لگا کہ اس فقیر کو یہاں سے کیوں نہ نکال دیا؟ یہ کلمہ سنتے ہی حضرت نے سر اٹھایا اور اس جلال وغضب کی ایسی نظر ڈالی کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا اور اسی حالت میں تھرتھراتے تھرتھراتے زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک دنیا دار بندۂ ہوس ایک کامل ولی اللہ مرتاض آشنائے حقیقت کی پُر جلال نظر کی کیا تاب لا سکتا تھا۔ اس کے نوکروں وغیرہ نے جب یہ حالت دیکھی تو دوڑ کے حضرت کے قدموں پر گر پڑے اور عجز والحاج سے گڑگڑا گڑگڑا کر عرض کیا کہ حضرت اِن کی گستاخی کو معاف فرمائیں۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ اتنے بڑے صاحب باطن ولی ہیں۔ ان لوگوں کے رونے دھونے پر آپ کو ترس آیا۔ وہ جلال کم ہوا۔ اور اس خادم درویش کو جسے سامنے ہی ایک درخت کے نیچے ٹھہرنے کا حکم دیا تھا قریب بلا کے حکم فرمایا کہ اس حوض میں سے تھوڑا سا پانی لو، اور اسے بسم اللہ کہہ کے اس شخص کے منہ پر چھڑکو۔ اس درویش نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور جیسے ہی پانی چھڑکا یادگار محمد کو ہوش آگیا۔ مگر اب اس کی سرکشی ونخوت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُٹھتے ہی حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا اور حضور قلب کے ساتھ عرض کیا "یا شیخ آج سے میں نے تمام ممنوع چیزوں کو چھوڑ دیا۔ اور آپ کے ہاتھ پر اپنے کل گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اب میرا قصور معاف ہو"۔ آپ نے کمال مرحمت سے اپنے دستِ شفقت بڑھا کے اس کے سر کو اپنے قدموں پر سے اٹھایا اور نہایت نرمی کے الفاظ میں ارشاد فرمایا "خاندان رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا دعویٰ کرنا اور ان کی پیروی نہ کرنا بالکل بے معنی ہے"۔ اسی سلسلہ میں آپ نے آئمۂ اہل بیت کے مناقب ایسے موزوں وموثر الفاظ میں بیان فرمائے کہ یادگار محمد اور اس کے تمام رفقا زار وقطار رونے لگے اور سب نے آپ کے سامنے توبہ کی۔ اس موقع پر مؤرخ فرشتہ نے کس قدر سچا اور کیسا الہامی شعر نقل کیا ہے ؎

آنچہ زر میشود از پرتوِ آں قلبِ سیاہ
کیمیائے ست کہ در صحبت درویشاں ست

یہ پند ونصائح سُن کے یادگار محمد نے وضو کیا اور شکرانے کے دو رکعت نماز ادا کر کے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس عزت سے آپ نے اسے سرفراز فرمایا اور آپ کے مریدوں میں شامل ہو کے اُسے سلسلہ مبارک چشتیہ میں داخل ہونے کی عزت حاصل ہوئی۔ یہ چیز صرف ایک ولی اللہ کی نظر کیمیا اثر کے ساتھ ہی مخصوص ہے کہ یادگار محمد حضرت کی صحبت فیض میں پہنچنے سے ایک ساعت پیشتر تو ایسا تھا کہ ہر شخص اسے نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، اس کی صحبت سے پناہ مانگتا تھا اور اس کو

Marfat.com

ترین خلق اللہ تصور کرتا تھا یا ایک رمز شناس حقیقت نے یہ معجز نما اثر کیا کہ ایک ہی گھڑی بعد وہ ایسا شخص تھا کہ ہم آپ اور سارے مسلمان دین کی خوش اقبالی پر رشک کرتے ہیں اور عجیب جوش دل سے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں کہ "خوشا نصیب"۔

مرید ہوتے ہی اس نے اپنی تمام جائداد اور کل مال و اسباب کی ایک فہرست تیار کی اور اُسے لا کے حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں نذرانے کے طور پر پیش کر دیا، آپ نے قبول فرمانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ "ان میں سے جو چیزیں تم نے لوگوں پر ظلم و جور کر کے اور زبردستی حاصل کی ہیں اُن کو لے جا کے انھیں لوگوں کو دو، تاکہ کل روز قیامت کو کوئی تمھارا دامن نہ پکڑے۔" اس نے حکم مرشد کے مطابق تمام جائداد جو لوگوں سے زبردستی کر کے اور لوٹ مار کے حاصل کی تھی اصلی مالکوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے واپس کی۔ یوں دے دلا کے جو کچھ باقی بچا وہ فقیروں اور محتاجوں کی نذر کیا اور خود دنیا ہی سے دست کش ہو گیا، یہاں تک کہ اپنی اصلی اور منکوحہ بی بی کو بھی طلاق دے دی اور حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہ ہو لیا۔ علاقۂ حصار تک وہ حضرت کے ہمراہ رکاب رہا۔ وہاں پہنچ کے جب نے ملاحظہ فرمایا کہ اس کے عوض ایک خدا رسیدہ ولی بن گیا ہے تو حضرت نے اسے حکم دیا کہ "اب تمھیں میرے ہمراہ رہنے کی ضرورت نہیں لہذا تم اسی علاقہ میں ٹھہر کے دعوت دین کرو اور خلق اللہ کی ہدایت و نفع رسانی میں مشغول رہو۔" مرشد کا یہ فرمان پاتے ہی وہ علاقہ حصار میں ٹھہر گیا اور آپ نے حسب معمول آگے کی راہ لی۔

فلسفہ طریقت کی بارگاہ میں

یہاں سے روانہ ہو کے حضرت خواجہ خواجگان بلخ پہنچے اور شیخ احمد حضرویہ کی خانقاہ میں فروکش ہوئے۔ جو اس علاقہ میں ایک نہایت ہی متبرک اور مرجع عام مقام تھا۔ چند روز تک آپ یہیں ٹھہرے۔ بلخ میں ان دنوں ایک بہت بڑا نامی گرامی حکیم اور فلسفی شخص موجود تھا جو مولانا ضیا الدین حکیم کے لقب سے مشہور تھا اور اسے تمام علوم ظاہر اور خاصتہً فلسفہ و حکمت میں بڑا تبحر حاصل تھا اور تصوف کی جانب سے بدعقیدہ ہونے کے باعث نہ صوفیائے کرام کی کچھ قدر و منزلت کرتا تھا اور نہ صاحب دل اہل اللہ کی اپنے سامنے کچھ وقعت و حقیقت سمجھتا تھا۔ اپنے شاگردوں کے حلقہ میں بیٹھ کے اکثر اوقات کہہ بیٹھا کرتا تھا کہ تصوّف محض ایک ہذیان ہے اور اس کے خیالات سوائے ان لوگوں کے جن کے شدت مرض سے ہوش و حواس بجا نہ رہے ہوں یا جنھیں خدا نے عقل و تمیز نہ دی ہو اور کسی کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ نواحی بلخ کے ایک دیہات میں اس کا ایک پُرفضا باغ تھا جس میں اس نے ایک مدرسہ بنا رکھا تھا اور اس میں بیٹھ کے فلسفہ و حکمت کا درس دیا کرتا تھا۔

اِدھر ہمارے حضرت خواجہ خواجگان کا یہ معمول تھا کہ تیر کمان چقمق پتھری اور ایک نمکدان ہمیشہ اپنے پاس رکھا کرتے تاکہ شاید کبھی اشتہا غالب ہو تو جنگل میں جا کے کسی جانور کو شکار کریں اور اُسے بھون کے اور نمک لگا کے تناول فرمالیں۔ اس لیے کہ اس سے زیادہ اکل حلال از روئے شریعت اسلامیہ کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ اسی شکار کے مشغلہ میں اتفاقاً آپ کا گزر اس گاؤں میں ہوا جس میں یہ خودپرست حکیم اپنے مدرسے میں بیٹھ کر اہل حقیقت کی تحقیر و توہین کیا کرتا تھا۔ حضرت نے یہاں ایک کلنگ شکار کیا خادم

Marfat.com

کو حکم دیا کہ اسے بھون کے تیار کرے اور خود عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں اتفاقاً حکیم ضیا الدین وہاں آ پہنچا اور ایک درویش مشغول نماز ہے اور اس کا خادم شکار کو بھون رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حکیم ٹھہر گیا اور جب آپ نماز سے فارغ ہو سلام کر کے پاس آ بیٹھا۔ اتنے میں خادم نے وہ بھنا ہوا کلنگ سامنے لا کے رکھ دیا۔ حضرت نے بسم اللہ کر کے اس میں سے ران توڑ کے مولینا ضیاء الدین کے سامنے رکھ دی اور دوسری ران سے گوشت چھڑا کے خود تناول فرمایا۔ ضیا الدین اس وقت تک کسی سچے اور خدا رسیدہ بزرگ سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ صرف اپنے خیالی اصول کی بنیاد پر صوفیوں کی نسبت طعن و تشنیع دراز کیا کرتا تھا۔ لیکن اب ایک بڑے زبردست ولی کامل کا سامنا تھا۔ اس ران کا کھانا تھا کہ سارے مسائل حکمت فلسفیہ ذہن سے محو ہو گئے۔ گویا دل پر ایک زنگ تھا، جسے ایک نظر کیمیا اثر نے آن کی آن میں مٹا دیا۔ ساتھ ہی ایک مدہوشی عالم طاری ہوا۔ یہ دیکھ کے حضرت خواجہ خواجگان نے تھوڑا سا اپنا جھوٹا گوشت اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کا حلق سے اترنا تھا کہ وہ بے ہوشی جاتی رہی اب رمز حقیقت آشکارا ہوئی تو حکیم ضیاء الدین کی آنکھیں کھل گئیں۔ اپنے گذشتہ خیالات و اقوال سے توبہ کی اور مع اپنے تمام شاگردوں کے آپ کا مرید ہو گیا۔ اس واقعہ نے سارے بلخ اور اس کے اطراف و جوانب میں ایک دھوم مچا دی جس نے سنا قدمبوسی کو دوڑا۔ اور لوگ چاروں طرف سے جوق جوق آ کے آپ کے آستانہ فیض پر ہجوم کرنے لگے۔ خلقت کی اس بھیڑ بھاڑ سے جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ روحانی مشاغل و وظائف میں خلل پڑنے لگا آپ نے حکیم ضیا الدین کو جو اب ایک صاحب باطن ولی تھا خرقہ خلافت عطا فرما کے اپنا جانشین بنا دیا اور اسے علاقہ کی ہدایت پر مامور فرما کے خود غزنی کو روانہ ہو گئے۔

بلخ اور غزنی کے تمدنی تعلقات ان دنوں نہایت ہی نازک ہو رہے تھے اور سخت پیچیدگیاں پڑی ہوئی تھیں۔ بلخ نواح کی بے رحم اور زبردست قوم غز و کا مرکز و منشا تھا جو اس زمانے میں اپنے مرکز سے اُبلی پڑتی تھی اور جس کے مقابلے کی کوئی تاب نہ لا سکتا تھا۔ اس کے ہاتھوں خراسان میں جو مظالم ہوئے، ان کا حال ہم ان سوانح کے ابتدائی حصّہ میں بیان کر چکے ہیں۔ جن خراش حالات کو سن کر بہت سے ناظرین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہوں گے۔ شہر غزنی چونکہ حدود ترکستان سے قریب تھا قوم غز و کا سب سے زیادہ دباؤ اسی شہر پر پڑ رہا تھا، غنیمت یہ ہے کہ وہ سیاح اور اہل اللہ سے اپنے وطن میں مزاحمت نہیں کرتے تھے۔ اسی کی برکت تھی کہ حضرت خواجہ خواجگان خاص ان کے دار السلطنت بلخ میں ایک زمانہ تک قیام پذیر رہے ضیا الدین حکیم کے ایسے نامی گرامی فاضل اور اس کے تلامذہ کو اپنا مرید کیا۔ اور مرجع خلائق بن گئے۔ اب آپ وہاں سے کمر باندھ کے روانہ ہوئے۔ تو اس شہر میں وارد ہوئے جو ان کی دست بُرد کا ہدف بنا ہوا تھا یعنی یہی شہر غزنی۔

غزنی محمود غزنوی کی عظمت و جبروت کی یادگار تھا۔ ہندوستان کی لٹی ہوئی دولت و حشمت اس میں جمع تھی۔ اہل فضل اور صاحبان باطن کا بھی بڑا مرکز و مستقر تھا۔ مگر افسوس کہ اس کی سلطنت نہایت ہی کمزور ہو رہی تھی۔ اس بڑے زبردست فاتح اور ممکنت ہندوستان پر حملہ کرنے والے تاجدار محمود کی اولاد ناز پروردہ اور عشرت پرست شاہزادوں کی

Marfat.com

شکست حالی کا سماں دکھا رہی تھی۔ غزنی سے مشرق وجنوب کے جانب ہٹ کے اہل غور کا ستارۂ اقبال اپنے مطلع سے نمایاں ہو کے چمکا تھا اوران کی نئی سلطنت ابتدائی عروج کی ٹھوکریں کھا کھا کے اپنے ہاتھ پاؤں مضبوط کر رہی تھی۔ غوری لوگوں کے حملوں کا رُخ بھی غزنی ہی کی طرف تھا۔

حالاتِ غزنی

حضرت خواجۂ خواجگان غالباً اس شہر میں ۵۵۵ھ اور ۵۶۰ھ کے درمیان میں تشریف لائے ہوں گے۔ جب ۵۵۵ھ میں غزنی کے بادشاہ خسرو شاہ نے انتقال کیا تھا جو چھٹی پیڑھی پر محمود غزنوی کی اولاد میں تھا۔ اور اس کے تخت پر بیٹھتے ہی علاؤالدین حسین غوری نے شہر غزنی کا محاصرہ کیا۔ مگر موسم سرما اور برف باری کی شدت سے اسے اپنی امیدوں سے دست بردار ہو کے بے نیل ومرام واپس جانا پڑا۔ وہ شاید پھر حملہ کرتا مگر دوسرے ہی برس ۵۵۶ھ میں علاؤالدین حسین غوری کو دنیا ہی سے رخصت ہو جانا پڑا اور اس کی جگہ اس کا ناتجربہ کار بیٹا سیف الدین محمد تخت نشین ہوا۔ سیف الدین اپنے باپ کی آرزو کو اپنی حوصلہ مندی سے ضرور پورا کرتا۔ مگر چونکہ ہنوز بیس سال کی عمر تھی اور عنفوان شباب تھا لہذا نوعمری کی ناتجربہ کاری نے اس کی ہمت اس سے زیادہ بڑھا رکھی تھی۔ اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ پہلے خود غزو لوگوں کو پامال کردے پھر اس کے بعد اپنی سلطنت کے وسیع کرنے کا سامان کرے۔ چنانچہ ایک بڑا بھاری لشکر جمع کر کے ۵۵۸ھ میں خود غزو لوگوں پر چڑھ گیا۔ غزو لوگوں نے ایک موقع پر اسے فوج سے الگ پا کے مار ڈالا اور اس کے ہمراہیوں کو ایسی فاش شکست دی کہ مال واسباب چھوڑ کے سب بدحواس بھاگے۔ غزنی کے متعلق غوریوں کی آرزوئیں تو خاک میں مل ہی چکی تھیں۔ دوسرے سال ۵۵۹ھ میں خود غزو لوگوں نے غزنی پر حملہ کیا۔ ملک شاہ نے اندازہ کر لیا کہ ان لوگوں کے مقابلے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ لہذا اپنے قدیم خاندانی دارالسلطنت کو اس کی قسمت پر چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوا اور ہندوستان کے شہر لاہور میں آکے پناہ گزین ہوا۔ جب غزو لوگ غزنی کو لوٹ مار کے اور اپنے ایک نائب کو وہاں چھوڑ کے چلے گئے تو ملک شاہ نے واپس آکے اپنے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور غزو کے نائب کو نکال باہر کیا۔

یہ فتنہ اور یہ آفتیں تھیں جن کو ہمارے حضرت نے غزنی میں پہنچ کے عبرت کی نگاہوں سے ملاحظہ فرمایا ہو گا۔ مگر باوجود ان بدنظمیوں کے اسی زمانہ میں آپ کی برکتیں اور شوکتِ اسلام کی صورتیں بھی مختلف پہلوؤں سے نظر آجاتی ہیں۔ چنانچہ مرحوم بادشاہ غور جو غزو کے ہاتھ سے مارا گیا، بڑا نیک نفس اور رحم دل حاکم تھا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ شہر ہرات کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کیا اور فوج والوں نے ہرات کو لوٹنا چاہا تو وہ خود شہر کے پھاٹک پر جا کے ٹھہرا اپنا تمام مال واسباب منگوا کے وہاں ڈھیر کرایا اور فوج والوں سے کہا مسلمانوں کا گھر بار لوٹنے سے یہ اچھا ہے کہ تم میرا یہ سب مال واسباب لے لو۔ اس کی رحم دلی اور نرم مزاجی دیکھ کر اسمعیلیوں اور باطنیوں کے اکثر داعیوں نے اس کے علاقہ میں پھر پھر کے لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے ہر طرف ایک شور و ہنگامہ پیدا ہو گیا۔ تب اس نے مجبوراً تمام اسمٰعیلیوں کو اپنی قلمرو سے نکال دیا اور یہ پورا علاقہ باطنیوں کے شر سے پاک ہو گیا۔ غور سے دیکھیے تو یہ سب برکتیں ہمارے حضرت خواجہ کے قدوم میمنت لزوم ہی کی تھیں۔

Marfat.com

شمس العارفین سے ملاقات غزنی میں حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ العزیز شمس العارفین شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ سے ملے جو غزنی کے باکمال اور صاحب باطن مشائخ میں تھے۔ یہ حقیقت شناس ولی اللہ شیخ نظام الدین ابو المؤید کے مرشد تھے اور ان کی ذات سے اس علاقہ میں لوگوں کو روحانی برکتیں حاصل ہو رہی تھیں۔ ان سے مل کے اور ایک دوسرے سے روحانی ذوق حاصل کر کے آپ نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ ہندوستان میں اس وقت تک شمشیرزن اور صف شکن داعیان توحید تو محمود غزنوی کے جھنڈے کے ساتھ بارہا آئے تھے اور اس کے بعد دیگر بہادران اسلام نے بھی اس سرزمین کو اپنے قدموں سے عزت دی تھی، مگر غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ جسمانی جہاد کرنے والوں کے عوض ایک روحانی جہاد کرنے والا صاحب باطن تیرہ خاکِ ہند میں پہنچا۔ شاید آپ سے بعض پہلے اور بزرگان دین بھی آئے ہوں اور یقیناً آئے ہوں گے کیونکہ عہد خلافت نے جب سندھ اور علاقہ پنجاب کو حدود کشمیر تک زیر و زبر کیا ہے اور اس علاقہ کو قلمرو خلافت میں شامل کر دیا تو مسلمان یہاں بس گئے تھے۔ اور عرب کے بڑے بڑے باکمال اہل ذوق یہاں آئے ہی نہ تھے بلکہ اس سرزمین سے بہت بڑے عارف پیدا ہونے لگے تھے۔ مگر افسوس کہ اس دور کے بزرگوں میں سے کسی کا نام مورخین کی کوتاہ قلمی سے ہمیں نہ معلوم ہو سکا۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے علم میں پہلی شمع معرفت جو ظلمت کدۂ ہند میں روشن ہوئی اس سے ہمارے خواجہ قدس سرہ العزیز مراد لیے جاتے ہیں۔

ہندوستان کا حال اس موقع پر ہمیں اپنے خیال کی آنکھوں سے کام لے کے دیکھنا چاہیئے کہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز نے ہندوستان کی سرحد میں داخل ہونے کے وقت اس ملک کو کس حالت میں ہوگا اور آپ کو کیا نظر آیا ہوگا۔ ہندوستان میں ہر طرف پرانے ہندو مذہب کے پیرو آباد تھے جس مذہب اور کیش و آئین لوگ اس سے پیشتر آپ کی نظر سے کبھی نہ گزرے ہوں گے۔ ان لوگوں میں جو پرانی اور سچی توحید تھی وہ بت پرستی کے دامن میں بالکل چھپ گئی تھی۔ پرانے بانیانِ مذہب کی تعلیمیں اور عہدِ عتیق کے خدا پرستوں کی شان اس قدر فنا ہو گئی تھی کہ ہندوؤں کی حالت دیکھ کر اس کا پتہ لگانا غیر ممکن تھا۔ بت ہر جگہ ہر شہر اور ہر قریہ میں پُوجے جاتے تھے اور خود ان بتوں میں ایسے ایسے کرشمے مانے جاتے تھے کہ اصلی خالق مطلق اور قادر یکتا سے کسی کو علاقہ نہیں باقی رہا تھا۔ یہ اصول کہ بُت، درخت، جانور اور تمام عجیب و غریب چیزیں خدا کی قدرت کا نمونہ خیال کی جائیں اور اس کی عظمت ماننے کے لیے اُن کے سامنے سر جھکایا جائے صنم پرستی کے دامن میں پوشیدہ ہوتے ہوتے ہٹ جانے کے قریب پہنچ گیا تھا اور صاف نظر آتا تھا کہ ہندوستان کے سوا اور کوئی ایسا ملک نہیں جہاں کے لوگ ہر جگہ سے زیادہ گمراہ ہوں اور جہاں خالق کے دھوکے میں کھلی کھلی مخلوق پرستی ہوتی ہو۔

اب اس کے بعد اس بات کا خیال کیجیے کہ ایک حقیقت شناس صاحب معرفت اور دریائے وحدت میں ڈوبے ہوئے ولی کے دل پر یہ حالت دیکھ کر کیا اثر ہوا ہوگا اسے یقیناً نظر آیا ہوگا کہ اس سے زیادہ کوئی ملک ہدایت کا محتاج نہیں اور حق پرست کا پہلا فرض یہی ہے کہ ان بندگانِ خدا کی ہدایت و دستگیری کرے اور انھیں عذاب آخرت کے اندیشوں سے چھڑا کے نجات

Marfat.com

امیدوار بنائے - چنانچہ یہ خیال دل میں آتے ہی حضرت خواجہ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور وہ ولی اللہ جس کی اتنی زندگی ادھر ادھر جانے شہروں شہروں پھرنے اور دشت دور کی خاک چھاننے میں بسر ہوئی تھی اور جس کی ظاہری حالت بتا رہی تھی کہ کسی جگہ ایک مہینے کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی کی یہ حالت ہو گئی کہ بلا تامل ہندوستان میں ٹھہرنے ایک جگہ جم بیٹھنے اور خدا کے بندوں کو اس کی بڑا و راست کی طرف متوجہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ الغرض تبلیغ و ہدایت کی اس حس کو دل میں لیے ہوئے آپ لاہور پہنچے اور غور فرمانے لگے کہ کس جگہ کو اپنا مسکن قرار دیں۔

کہاں جائیں اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو آپ کا یہ انتخاب ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ آپ کتنے بڑے نیک نفس پاک باطن اور بے طمع و قانع ولی اللہ تھے۔ ظاہری حالت کا یہ تقاضا تھا کہ آپ لاہور کو اپنا مرکز و مرجع قرار دیتے ان دنوں یہ شہر مسلمانان ہندوستان کا مستقر اور اکثر مسلمان امیروں اور دولت مندوں کا مسکن تھا۔ یہاں مسلمان عالموں فاضلوں اور ولیوں اور عارفوں ہی کی انتہا سے زیادہ قدر و منزلت نہیں ہوتی تھی بلکہ ہر نووارد مغربی مسافر و سیاح کے لیے آنکھیں بچھائی جاتی تھیں اور اس کو اس قدر دولت و حشمت مل جاتی تھی کہ زندگی کی ساری آرزوئیں پوری ہو جاتی تھیں اگر لاہور کو کسی وجہ سے نہ بھی اختیار کیا جاتا تو پنجاب کے بہت سے شہر اور گاؤں موجود تھے جو کابل اور غزنی کے راستے پر واقع ہوئے تھے۔ جن میں سے ہو کے ہمیشہ بڑے بڑے شاہانِ اولوالعزم اُمرائے بلند حوصلہ اور مسلمان سیاحوں کے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ایک مسلمان ولی اللہ کی پوری طرح اعانت و خبرگیری کر سکتے تھے۔ مگر نہیں آپ نے اپنی سکونت کے لیے نہ لاہور کو پسند فرمایا۔ اور نہ پنجاب کے کسی شہر کو اس لیے کہ یہ مقامات خود ہی اسلام کے مرکز بنے ہوئے تھے اور ہدایت کرنے کے لیے یہاں صدہا ولی اللہ اور علما موجود تھے۔ ممکن تھا کہ آپ اپنی خانقاہ دہلی میں جا کے قائم کرتے جس میں گو ابھی تک مسلمانوں کی سلطنت نہیں قائم ہوئی تھی مگر ہندوستان کا قدیم مرکز اور مرجع و ماویٰ تھا۔

مگر نہیں آپ نے اپنا مرکز اور اپنا توحید و معرفت کا روحانی دارالسلطنت شہر اجمیر کو قرار دیا جس کا انتخاب سچ پوچھیے تو ایسا حیرت انگیز کام تھا کہ محض انسانی عقل بغیر الہامی مدد کے ایسا انتخاب ہرگز نہیں کر سکتی۔ یہ خطہ سچ پوچھیے تو ہر طرح مرکز ہدایت بلکہ مرکز سلطنت بنانے کے لیے بھی نہایت موزوں تھا۔ مرکز ہدایت اس لیے کہ وہاں تک اسلام نے ہنوز جڑ نہیں پکڑی تھی۔ بعض فاتحانِ اسلام کا لشکر بیشک ادھر سے گذرا تھا مگر اس کی سرزمین کے کسی ٹیلے کو اس سے پیشتر شاید نور اسلام سے بہرہ یاب ہونے کی عزت و فضیلت اس وقت تک نہ حاصل ہوئی ہو گی۔ ہر چہار طرف راجپوتانہ کی سلطنتیں تھیں جو ترقی دین اور توحید اسلام کی تعلیم سے مانع تھیں۔ لہٰذا سب سے زیادہ وہیں سے لوگوں کو تبلیغ و ہدایت کی ضرورت تھی۔ اور شہر مرکز سلطنت بننے کے لیے اس واسطے موزوں تھا کہ پورے جزیرہ نمائے ہند کے وسط میں واقع ہوا ہے۔ ہر جگہ سے یکساں نسبت ہے۔ وہاں ٹھہر کے جیسے تعلقات شمالی ہند سے قائم رکھے جا سکتے ہیں ویسے ہی جنوبی ہند سے اور جو نسبت اسے صوبہ جات شرقی سے ہے وہی صوبہ جات غربی سے۔ شہر کے چاروں طرف پہاڑوں کا حلقہ ہے جو اس کی حدبندی

Marfat.com

کرنے اور اس کے لیے مضبوط اور زبردست شہر پناہ کا کام دے سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اجمیر اپنے موقع اور اپنی حالت کے لحاظ سے بلاتشبیہ ہندوستان کا کعبہ قرار دیا جا سکتا تھا اور بادشاہ ہو تو اور دلی ہو تو دونوں کے لیے حکومت و تبلیغ کا عمدہ مرکز و مستقر بنایا جا سکتا تھا۔

یہ نہایت ہی حیرت انگیز انتخاب فرما کے آپ لاہور سے آگے بڑھے اور اجمیر جانے سے پہلے ارادہ فرمایا کہ دارالسلطنت دہلی کو بھی ایک نظر دیکھتے چلیں۔

دہلی میں تشریف آوری

ہندوستان کی حالت ان دنوں نہایت نازک ہو رہی تھی۔ غزنوی حملے لوگوں کو بھول گئے تھے کم زور وارثان محمود غزنوی کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ سرحدی مسلمانوں کو ایک طرف خوارزمیوں اور دوسری طرف تاتاریوں کی دست برد سے اس بات کا موقع ہی نہیں ملتا تھا کہ ہندوستان کی طرف توجہ کریں۔ مگر ہاں غوریوں کا کوکب اقبال نیا نیا چمکا تھا۔ جو غزنی و ہرات کے جھگڑوں کی وجہ سے ناکامی کی گھٹاؤں میں چھپ چھپ کے نکل اور زیادہ تیزی سے چمکتا تھا اور شہاب الدین غوری کی سطوت ہندو راجاؤں کو دھمکا رہی تھی۔ لاہور فرماں روائے غزنی کے قبضے میں تھا مگر اس کے قریب سے لے کے سندھ اور سواحل بحیرۂ عرب تک قرامطہ کی حکومت تھی۔ جو محمود کے حملوں سے پامال ہونے کے بعد پھر سنبھل گئے تھے اور بنی فاطمہ مصر سے تعلقات بڑھا رہے تھے۔

شہاب الدین غوری اجمیر اور دہلی کے راجاؤں سے شکست کھا کے گیا تھا اور جوش انتقام میں بے چینی اور بے قراری کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ ہمارے خواجۂ خواجگان اپنے مریدوں اور خادموں کے ایک خدا پرست قافلے کے ساتھ دہلی میں پہنچے آپ تبلیغ اسلام بیشک کرتے تھے مگر نہایت ہی نرمی اور موعظہ حسنہ کی شان سے آپ کے روحانی کمالات میں یہ اثر تھا کہ ہندو بھی آپ کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے اور آپ کی عزت کرتے تھے اور گو وہ تعصب کا زمانہ تھا اور یقیناً ہندو مسلمانوں کو نہایت ہی وحشت اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے۔ مگر آپ کی طرف دہلی پہنچ کے ہندوؤں نے بھی ویسی ہی توجہ کی جیسی کہ مسلمان لوگ کرتے اور آپ کی بارگاہ فیض میں اہل دہلی کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مجبوراً آپ کو بہت ہی جلد دہلی چھوڑ کے اپنے اصلی مستقر یعنی شہر اجمیر کی طرف توجہ کرنی پڑی۔

افسوس یہ ہے کہ مورخین نے آپ کے حالات میں سنین کے بتانے میں ایسی غلطیاں کی کہ اکثر مورخین کو دھوکا ہو گیا چنانچہ فرشتہ کا ایسا محقق بھی سخت غلطی میں پڑ گیا اور اسی دھوکے میں ہم بھی مبتلا ہو گئے۔ آپ کے حالات لکھنے والے بتاتے ہیں کہ سنہ ۵۶۵ھ میں آپ شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ العزیز کے مرید ہوئے تھے۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں پھر اس کے بعد ہم آپ کے مختلف سفروں اور صدہا واقعات کے بعد لکھتے ہیں کہ ۵۶۱ھ میں آپ وارد اجمیر ہوئے جیسا کہ فرشتہ نے بھی لکھا ہے اگر اس طرف توجہ کی جائے کہ آپ جس وقت وارد اجمیر ہوئے ہیں اس وقت وہاں کس کی حکومت تھی تو اس میں بھی عجیب اختلاف نظر آتے ہیں۔ بعض واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں سلطان قطب الدین ایبک کی حکومت تھی۔ جو شہاب الدین

Marfat.com

زنی کی طرف سے ہندوستان کا والی اور سپہ سالار تھا۔ اگر یہ صحیح سمجھا جائے کہ آپ ۵۶۱ھ میں وارد اجمیر ہوتے وہاں
ئے پتھورا کی حکومت ہوگی۔ اس لیے کہ شہاب الدین غوری اور پتھورا کی پہلی لڑائی جس میں سلطان کو شکست فاش ہوئی ۵۸۶ھ
یعنی آپ کے ورود کے چھبیس برس بعد ہوئی تھی اور ۵۸۸ھ میں دوبارہ فوج کشی کر کے سلطان نے دہلی اور اجمیر پر قبضہ کیا تھا
ن ایسی صورت میں اس کے کیا معنی ہونگے جو فرشتہ نے لکھا ہے کہ آپ اجمیر پہنچے تو سید حسن مشہدی المشہور بہ خنگ سوار نے جو
طب الدین ایبک کی طرف سے داروغۂ شہر تھا بڑی گرمجوشی اور حسن عقیدت سے آپ کا استقبال کیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سن
ں غلطی ہوگئی ہے۔ آپ کے پہنچنے کے وقت اجمیر مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا تو پھر اس کے کیا معنی ہیں جو کہا جاتا ہے اور
متبر طریقوں سے بیان کیا گیا ہے کہ رائے پتھورا نے آپ کو اذیت دی اور آپ کو اجمیر سے نکالنا چاہا تو آپ نے بددعا کی اور آپ کی
کرامت ظاہر ہوئی کہ شہاب الدین کے حملے میں رائے مذکور مارا گیا اور اس کے ملک و دولت پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔

اجمیر میں آمد

واقعات کے ملانے، آپ کے حالات پر زیادہ غور کرنے اور قیاس سے کام لینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
آپ رائے پتھورا کے عہد میں ہی تشریف لائے ہوں گے اور گذشتہ سنین میں جو آپ کے مرید ہونے اور دیگر
مقامات میں پہنچنے کے سنہ بتائے گئے ہیں ان میں غلطی ہوگئی ہے اور سید حسن مشہدی آپ کے بہت دنوں بعد بلکہ رائے پتھورا
کے نذرِ اجل ہونے کے وقت قطب الدین ایبک کی طرف سے جو شہاب الدین غوری کا نائب اور ہندوستان کا گورنر تھا حاکم اجمیر
مقرر ہو کے آیا اور اپنے زمانے میں اس نے آپ کی بہت خاطر داشت کی اسی بنا پر ہم پہلے بتائے ہوئے سنوں کی تغلیط کر کے کہتے ہیں
کہ آپ ۵۶۱ھ میں رونق بخش اجمیر ہوئے اور جیسا کہ سلطان المشائخ قدس سرہٗ العزیز نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے ورود کے وقت
اجمیر اور اس کے قرب وجوار میں رائے پتھورا کی حکومت تھی۔ مگر آپ نے ایسی صلاحیت اور خاموشی کی زندگی بسر کرنی شروع کی کہ
پتھورا کو کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہونی چاہیئے تھی۔ ہاں اگر محلِ شکایت ہو سکتا تھا تو یہ کہ آپ کی نظر کیمیا اثر اور آپ کی زبان
معجز بیان اپنا غیر معمولی اثر دکھا رہی تھیں۔ جو کوئی آپ کے پاس آیا، فوراً معتقد ہوگیا اور چند ہی روز میں اس کو توحید کی سچی حقیقت اور
یزداں پرستی کی شان معلوم ہوگئی۔ ہزارہا خلقت آپ کے ہاتھ پر ایمان لائی اور وہ سرزمین جہاں ایک مسلمان بھی نہ تھا۔ لاکھوں آدمی
محض آپ کے تصرف باطنی کی برکت سے مسلمان ہوگئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ عام لوگوں میں آپ کے کرامات اور خوارق عادات کی
بھی شہرت ہوئی غرض یہ چیزیں رائے پتھورا کو ناگوار گزریں۔ اس لیے کہ اوّل تو ان دنوں ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف تعصب
بہت زیادہ تھا۔ جیسے فطرتاً ہونا چاہیئے تھا۔ دوسرے یہ کہ اسی عہد میں شاہانِ اسلام ہندوستان پر حملے کر رہے تھے اور اس
کوشش میں تھے کہ سارے آریہ ورت کو اپنے قبضہ میں لے آئیں۔ لہذا خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز کا یہ اثر ہندوؤں
کی نیشنلٹی کو توڑنے کی وطنی اور ملکی حکمرانوں کو پولیٹیکل حیثیت سے بھی کمزور کر رہا تھا۔ غرض ایسے اتفاقات پیش آئے کہ رائے پتھورا
آپ کی کارروائیوں سے برہم ہوا اور آپ کے خالص دینی اور اسلامی مشن کو ویسی ہی پولیٹیکل کارروائی سمجھا جیسی کہ آج کل کے یورپین
مشنریوں کی کارروائیاں دنیا میں خیال کی جاتی ہیں۔ اس کی ناراضی کا ابتدائی ظہور یوں ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب کے ایک معتقد مسلمان

Marfat.com

کو جو آپ کی خدا شناسی اور پاک نفسی کا والہ و شیدا تھا، رائے پتھورا کے دربار میں بھی باریابی کی عزت حاصل کی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ باوجود اختلاف مذہب کے پتھورا اس کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اس کی زبان سے پتھورا نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ کی جو زیادہ تعریفیں سنیں اور اُسے آپ کی شانِ ولایت کا گرویدہ دیکھا تو اس پر بہت بگڑا عتاب کرنا شروع کیا اور روز بروز زیادہ ستانے لگا۔ اس شخص کو شاید اس بات کی خبر نہ تھی کہ اس ناراضی کی اصلی وجہ حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز ہیں اور خود بارگاہِ ولایت میں آ کے عرض کی کہ راجہ صاحب مجھ سے ناراض ہوتے جاتے ہیں اور ان کی برہمی سے اندیشہ ہے کہ مجھے کوئی سخت ضرر نہ پہنچ جائے۔ اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو آپ اس کی خدمت میں میری سفارش فرما دیں۔ آپ نے بلا تامل رائے پتھورا سے نہایت نرمی اور استمالت کے الفاظ میں اس کی سفارش کر دی۔ اس سفارش نے اس کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔ اور اپنے اہل دربار سے برہمی و نخوت کے الفاظ میں کہا۔ "اس شخص (خواجہ صاحب) کو کیا حق تھا جو یہاں آیا ہے؟ وہ طرح طرح کے کرشمے دکھا دکھا کے اور ترغیب کی باتیں بنا بنا کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتا اور گمراہ کرتا ہے۔" ادھر اس نے اپنے دربار میں یہ نامناسب کلمات آپ کی نسبت زبان سے نکالے۔ ادھر لوگوں نے اس کی خبر حضرت خواجہ صاحب تک پہنچائی۔ سنتے ہی آپ پر ایک عالم جوش طاری ہوا۔ اور غصے میں آ کے فرمایا "خیر وہ تو ہمیں نکالے یا نہ نکالے، مگر ہم نے اسے زندہ پکڑ کر بادشاہِ اسلام کے حوالے کر دیا۔"

غوری اور رائے پتھورا

سلطان شہاب الدین غوری کو ۵۸۷ھ میں جب کہ آپ رونق بخش اجمیر تھے رائے پتھورا سے بڑی فاش شکست ہو چکی تھی۔ اس لڑائی میں پتھورا کے ساتھ اس کا بھائی کھانڈے راؤ سریر آرائے دہلی بھی شریک تھا اور دونوں اپنی مشترکہ کوشش سے دو لاکھ سواروں اور تین ہزار ہاتھیوں کو میدان جنگ میں لائے تھے۔ عین معرکۂ رزم میں شہاب الدین اور کھانڈے راؤ کا سامنا ہو گیا۔ سلطان گھوڑے پر تھا اور راجہ ہاتھی پر۔ راجہ نے ہاتھی پر سے جھک کے نیزہ مارا۔ سلطان نے نیزہ پکڑ لیا اور اس کا ہولا خود اسی کے اُوپر اس زور سے مارا کہ راجہ کے منہ پر لگا اور کئی دانت ٹوٹ گئے مگر بہادر راجہ نے سنبھل کے پھر نیزے کا ایک ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ سلطان کا شانہ سخت زخمی ہوا اور قریب تھا کہ گھوڑے سے زمین پر گر پڑے۔ اس وقت ایک نوعمر خلجی بچہ سلطان کے کام آگیا۔ اگر وہ نہ آ پہنچتا تو سلطان کا خاتمہ ہی ہو گیا تھا۔ اس نے فوراً لپک کر سلطان کو ...... اپنے ہاتھ پر لیا اور اپنی پیٹھ پر لاد کے اس طرح میدان سے لے بھاگا کہ دوست دشمن کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو بہت ہی فاش شکست ہوا۔ سارا لشکر تباہ ہو گیا اور ہزارہا برباد رکھیت رہے۔ باقی ماندہ لوگ سلطان کو ہاتھوں ہاتھ علاقہ غور میں لے گئے اس شکست سے شہاب الدین کے دل کو اتنا بڑا صدمہ پہنچا تھا کہ جب تک انتقام نہیں لے لیا نہ کبھی اپنی بی بی سے ہم بستر ہوا نہ کسی قسم کے سامانِ عیش و عشرت میں اسے مزہ آیا۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ کپڑے تک نہیں بدلے اور وہی جوڑا پہنے رہا جس میں زخمی ہوا تھا۔

یہ لڑائی اور رائے پتھورا کو یہ کامیابی اُس وقت حاصل ہوئی تھی۔ جب حضرت خواجہ قدس سرہٗ العزیز سے نہیں بگڑی تھی اور غالباً اسی فتح کے غرور اور اسی مقصد دری کے نشے نے اُسے اس قدر بے پروا کر دیا کہ خواجہ صاحب کی خاموش اور

Marfat.com

امن وامان کی زندگی کی قدر نہ کی اور درپے آزار ہوگیا۔ یہ رنجش چلی ہی آتی تھی اور معتقدین آپ کی پیشین گوئی کے ظہور کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے کہ سلطان شہاب الدین نئی تازہ دم فوج لیے ہوئے اور آتش انتقام کے شعلوں سے سراپا جوش بنا ہوا پھر ہندوستان میں آیا اور لاہور سے آگے بڑھا۔

رائے پتھورا نے مقابلہ کا سامان پہلے ہی سے کر رکھا تھا اور قریب قریب ہندوستان کے تمام راجاؤں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا تھا۔ فرشتہ معتبر روایات سے بیان کرتا ہے کہ رائے کے لشکر کی تعداد تین لاکھ سواروں سے زیادہ تھی جس میں راجپوت بھی تھے۔ اور افغانی لوگ بھی تھے۔ اب کی ہاتھی بھی تین ہزار سے زیادہ تھے اور تقریباً ڈیڑھ سو راجہ اس کے وطنی جھنڈے کے نیچے تھے۔ شہاب الدین کو اب بھی اپنی طرف کمی نظر آتی تھی مگر نہایت ہی ہوشیاری، حکمت عملی اور مستعدی سے لڑا۔

غرض ۵۸۸ھ میں تراوڑی کے میدان میں مقابلہ ہوا اور بڑی سخت لڑائی ہوئی جس نے ایک ہی دن میں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ غوریوں کے حق میں کر دیا۔ کھانڈے رائے راجہ دہلی اور بہت سے اور راجہ بھی میدان میں مارے گئے۔ رائے پتھورا نے بھاگ کر جان بچائی تھی۔ مگر دریائے گنگا سے آگے نہیں بڑھنے پایا تھا کہ کسی نے گرفتار کر کے شہاب الدین کے پاس پہنچا دیا اور شہاب الدین نے اس کی زندگی کا چراغ گل کر کے بلندئی ہند کی ہندو قوت کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دیا۔ غرض یوں حضرت خواجہ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

فتح کے بعد سلطان شہاب الدین اجمیر میں آیا اور رائے پتھورا کے بیٹے کو اپنا مطیع و باجگزار بنا کے باپ کی گدی پر بٹھا دیا اور قطب الدین ایبک کو جو آیندہ کے زمانے میں شہنشاہ ہند ہونے والا تھا، اپنا نائب اور دہلی ہی نہیں ساری قلمرو ہند کا والی مقرر کر کے اپنے وطن کو واپس گیا۔ غالباً اس ورود کے وقت سلطان غوری حضرت خواجہ صاحب سے ضرور ملا ہوگا مگر افسوس کہ نہ مورخین نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور نہ حضرت خواجہ صاحب کے تذکرہ نگاروں نے۔

قطب الدین ایبک نے اپنی طرف سے سید الساوات سید حسن مشہدی کو جو خنگ سوار کے لقب سے مشہور تھے۔ شہر اجمیر کا داروغہ مقرر کیا اور جب رائے پتھورا کا بیٹا باپ کی گدی پر بٹھایا گیا تو داروغگی کا سوا اس کے اور کوئی مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ شہنشاہی دولت کی طرف سے ریاست اجمیر کا رزیڈنٹ تھا۔ سید حسن مشہدی کی نسبت بتایا گیا ہے کہ مذہب شیعہ اثنا عشری کے پابند تھے۔ بڑے ہی نیک نفس اور پرہیزگار تھے اور اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل تھے۔ ان سے حضرت خواجہ سے صحبت بڑھی اور وہ آپ کے نہایت ہی گرویدہ ہوگئے۔ اور تبلیغ اسلام اور ہدایت خلق اللہ میں بھی ان کی بدولت آپ کو بڑی مدد ملی۔ اب آپ کا اس قدر اثر تھا کہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر ایمان نہیں لائے وہ بھی آپ کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ اور آپ کے ربانی مشن کی تقویت کے لیے روپیہ پیسہ اور تحف و ہدایا کے ذریعہ سے مدد کیا کرتے تھے۔

آپ کے مرید اور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ نے آپ کی اجازت سے دہلی کی سکونت اختیار کر لی تھی اور آپ ہی کے انوار ہدایت کی ایک شمع ان کی برکت سے خاص دہلی میں روشن کی تھی جو اب مسلمان تاجداران ہند کا مرکز سلطنت اور منشا و ماویٰ قرار پا گیا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مرشد شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ بھی سلطان شمس الدین کے دور میں وارد دہلی

Marfat.com

ہوئے تھے اور شہنشاہ التمش ان کا مرید ہُوا جس نے ان کی نہایت ہی تعظیم و تکریم کی۔ خواجہ صاحب بھی اپنے خلیفہ قطب الدین صاحب قدس سرہ سے ملنے کے دو مرتبہ شہنشاہ التمش کے زمانے میں دہلی میں تشریف لے گئے۔ لیکن اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہاں آپ کو اپنے مرشد کی قدمبوسی بھی حاصل ہوئی یا نہیں۔ اگر اس زمانے میں تشریف رکھتے ہوں گے تو یقیناً ملاقات ہوئی ہوگی۔ مگر ممکن ہے کہ آپ کے دونوں سفر دہلی حضرت پیر و مرشد کے ورود سے پہلے ہوں۔

شمس الدین التمش قطب الدین ایبک کا زرخرید غلام اور داماد تھا۔ جسے اس نے اپنی زندگی ہی میں اس درجے پر پہنچا دیا تھا کہ ہندوستان کا تاج شہنشاہی اس کے سر پر رکھا گیا۔ التمش ۶۰۷ھ میں تخت پر بیٹھا تھا اور چھبیس ۲۶ برس حکومت کر کے ۶۳۳ھ میں جادہ پیمائے آخرت ہوا۔ اور یہ امر شاید کسی قدر تعجب سے دیکھا جائے کہ اسی ۶۳۳ھ میں حضرت خواجۂ خواجگان قدس سرہ العزیز نے بھی دنیا کو رخصت فرمایا۔

حضرت خواجہ کی عمر کا ابتدائی حصّہ سیر و سیاحت اور شہروں شہروں پھرنے میں بسر ہوا تھا تقریباً بہتر ۷۲ برس تک اجمیر میں رونق افروز رہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ ۱۸ برس کی عمر میں وارد اجمیر ہوئے تھے تو ۹۰ برس کی عمر میں وصال ہوا۔ لیکن میرے خیال میں یہ بالکل غلط ہے۔ اجمیر تشریف لانے کے زمانے میں گزشتہ حالات اور سفروں کے دیکھتے ضرور ہے کہ آپ کی عمر کم از کم تیس پینتیس برس کی ہونی چاہیئے۔ اس حساب سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی عمر شریف سن طبعی یعنی ۱۲۰ برس کو پہنچ گئی تھی۔ جو آپ کے ایسے متاضی بزرگوں اور اعلے درجے کے روحانی قوت رکھنے والوں کے لیے خلاف قیاس نہیں ہے۔

شادی

عام تذکروں، ملفوظات اور کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ متاہل ہوئے اور آپ کے اولاد ہوئی۔ آپ کی ایک حرم اور ایک زوجہ مطہرہ تھیں۔ حرم محترم کا نام بی بی امتہ اللہ ہے۔ زوجہ مطہرہ بی بی عصمت ہیں (جو جناب سید وجیہ الدین مشھدی کی صاحبزادی تھیں) سید وجیہہ الدین مشھدی، حضرت سید حسین خنگ سوار رحمتہ اللہ علیہ کے چچا تھے۔ دنیوی اعزاز ان کا یہ تھا کہ اجمیر کے داروغہ (کمشنر) تھے عام طور پر کتب تاریخ اس کی شاہد ہیں کہ زمانہ راجہ پتھورا سے ان کو یہ منصب حاصل تھا اور حکومت اسلامی کے عہد میں بھی آپ اس منصب پر فائز رہے۔ آپ کی صاحبزادی (بی بی عصمت) اور بی بی امتہ اللہ کے متعلق اشارہ غیبی ہوا تھا۔ بی بی امتہ اللہ کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے:۔

حضرت خواجہ بکبر سن رسیدہ بود و ہنوز متاہل نشدہ شبے حضرت مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) در خواب دید کہ می فرماید کہ معین الدین تو معین دین ما ہستی۔ سنتے از سنت ہائے من ترک کردہ۔ اتفاقاً ہماں شب حاکم قلعہ بنیلی (ملک خطاب) نام بر سرِ کافرانِ آں حدود تاختہ بود و دختر از دخترانِ راجہ ہائے آں دیار بدست او افتادہ۔ ملک خطاب مرید حضرت خواجہ بود،

ترجمہ: حضرت خواجہ کا سن زیادہ ہو گیا تھا اور ہنوز نکاح نہیں کیا تھا ایک شب حضرت خواجہ رح نے حضور اکرم ص کو خواب میں دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ معین الدین! تم نے ہمارے (لائے ہوئے) دین کے مددگار ہو تم نے ہماری سنتوں میں سے ایک سنت (نکاح) ترک کر دی۔ (حسن اتفاق یہ کہ اسی شب میں قلعہ بنیلی کے حاکم (ملک خطاب) نے اس اطراف کے کافروں پر حملہ کیا تھا اور اس اطراف کے سرداروں

Marfat.com

آں دختر را بخدمت وے گذرانید و خواجہ وے را قبول کرد۔

(کذا فی تاریخ بلاد جانی)

اور راجاؤں کی ایک لڑکی اس معرکۂ جہاد میں ہاتھ لگی تھی۔ ملک خطاب چونکہ حضرت خواجہ کے مرید تھے انھوں نے براہِ عقیدت اس لڑکی کو خدمتِ خواجہ میں پیش کر دیا۔ حضرت خواجہ نے اس کو قبول کر لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما اور غیبی تائید سے آپ نے عقد کیا کہ جس شب کو حضرت خواجہ خواب دیکھتے ہیں اسی شب کو ملک خطاب کے جہاد میں ایک راجہ کی لڑکی ہاتھ لگتی ہیں جو حضرت خواجہ کے نذر کر دی جاتی ہیں۔

بی بی عصمت کے متعلق بھی اخبار الاخیار کی تصریح ملاحظہ ہو:۔

سید وجیہ الدین مشہدی دخترے داشت بکمال عفت آراستہ و پیرایۂ عصمت پیراستہ و ایں دختر بحد بلوغ رسیدہ بود و موقوف بوجود کفو بود۔ ناگاہ شبے امام جعفر صادق را رضی اللہ عنہ بخواب دید کہ می فرماید کہ فرزندم! وجیہ الدین اشارت حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم بریں است کہ ایں دختر را بخواجہ معین الدین حسن سنجری بسپاری و در حبالۂ او در آری سیّد وجیہ الدین مذکور از پیوستگانِ حضرت خواجہ بود۔ ایں واقعہ را بدو باز نمود۔ خواجہ فرمود بابا وجیہ الدین! عمر من در آخر رسیدہ است، لیکن چوں فرمان پیغمبر است از قبول آں چارہ نیست۔

ترجمہ:۔ سید وجیہ الدین مشہدی کی ایک صاحبزادی عصمت و عفت سے آراستہ سن بلوغ تک پہنچ گئی تھیں (نکاح کے لئے ہم کفو (شوہر) کی تلاش تھی۔ سید وجیہ الدین نے ایک شب خواب میں حضرت امام جعفر صادق کو دیکھا وہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے فرزند وجیہ الدین! حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی لڑکی کا خواجہ معین الدین سے عقدہ کر دو۔ سید وجیہ الدین حضرت خواجہ کے قریبی رشتہ دار (بھی) تھے۔ انھوں نے اس واقعہ (خواب) کا تذکرہ حضرت خواجہ سے کر دیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میاں وجیہ الدین (گو) میری عمر آخر ہو گئی ہے لیکن جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تو تعمیل ارشاد سے کوئی چارہ کار نہیں۔

غرض عام مورخین کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت خواجہ اخیر عمر میں متاہل ہوئے اور آپ کی اولاد دونوں بطن سے ہوئی اور جن کا یہ خیال ہے کہ متاہل نہ ہوئے یا اولاد نہ ہوئی وہ غلط ہے جس کو عام کتب تاریخ و سیر میں باطل کیا گیا ہے۔ جن حضرات کا اولاد ہونے پر اتفاق ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ آپ کے تین صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ بی بی حافظ جمال رح کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کی قبر شریف گنبد مزار اقدس سے بالکل متصل پائیں جانب ہے۔ آپ کے شوہر کا نام شیخ رضی رح تھا۔ جن کی قبر شریف ناگور بنا لاب مندلا پر واقع ہے۔ حضرت صاحبزادی صاحبہ کے دو صاحبزادے ہوئے جو خورد سالی میں فوت ہو گئے۔ صاحبزادگانِ حضرت خواجہ رح علی الترتیب یہ ہیں:۔

(۱) شیخ فخر الدین رح (۲) شیخ حسام الدین رح (۳) شیخ ابوسعید رح۔ شیخ ابوسعید رح کے متعلق اتفاق ہے کہ سید وجیہ الدین کی صاحبزا

Marfat.com

(بی بی عصمتؒ) کے بطن سے ہیں۔ حضرت شیخ فخرالدینؒ و حضرت حسام الدینؒ میں اختلاف ہے۔ حضرت سید محمودؒ گیسو دراز اور ان کے ساتھ ایک جماعت اہل اللہ کی یہ رائے ہے کہ یہ دونوں بھی بی بی عصمتؒ کے بطن سے ہیں۔ حضرت شمس الدین طاہرؒ اور ان کے ساتھ درویشوں کی ایک دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ دونوں بی بی امتہ اللہؒ کے بطن سے ہیں۔ شیخ حسام الدین غائب ہو گئے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ غائب ہو کر زمرۂ ابدال میں شامل ہو گئے۔ آپ کے بزرگ ترین صاحبزادے جناب شیخ فخرالدینؒ جن کا مزار مبارک موضع سرواڑ میں ہے (جو اجمیر شریف سے سولہ کوس پر واقع ہے) جس مقام پر مزار ہے وہ بہت دلکش ہے۔ بالائے تالاب مزار واقع ہوا ہے۔

وفات

آپ نے سفر آخرت بوقت شب بتاریخ ۶۔ رجب ۶۳۳ھ فرمایا آپ کی پیشانی مبارک پر یہ جملہ ہویدا تھا۔ هٰذَا حَبِیْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰهِ ط

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا (برگزیدہ) دوست ہے۔ اللہ کی محبت میں دنیا سے رخصت ہوا۔

جس شب میں آپ کی وفات ہوئی ہے چند بزرگانِ دین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ کے دوست معین الدین نے آج وفات پائی ہے اس کے استقبال کے لیے ہم آئے ہیں رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً كَامِلَةً۔"

صاحب سیرالاولیاء نے آپ کی ایک مخصوص کرامت کے متعلق لکھا ہے دل چاہتا ہے کہ اُن کے الفاظ بعینہٖ نقل کر دیئے جائیں۔

کاتب حروف می گوید کہ کدام کرامات و علو درجات بالاتر ازیں تواند بود کہ از بزرگانے کہ بدیں بادشاہ دین پیوستند شاہانے خاستند کہ بزرگان خدائے تعالیٰ و تقدس را دستگیری کردند و از غرور دنیا بیرون آوردند و بسرائے سرور عقبیٰ منزل گاہ زدند، تا روز قیامت کوس غلغلۂ عظمت ایں بادشاہ دین در گوش ہوش فلک و ملک فرو خواہند کوفت و خلق بمحبّت ایشاں در مقعد صدق جائے خواہند یافت۔ و کرامت دیگر آنکہ مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب ہمہ دیار کفر کاری و بت پرستی بود متمردان ہند ہر یکے دعوائے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میکردند و خدائے را جل و علا شریک می گفتند و سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور و گاؤ و سرگین ایشاں را سجدہ می کردند و بظلمت کفر قفل دل ایشاں مظلم بود بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل

ترجمہ:۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس سے بڑھ کر علو درجہ اور کرامت کیا ہو گی کہ اس بزرگ کے ساتھ جو لوگ وابستہ ہوئے وہ خود دین کے ایسے بادشاہ ہوئے کہ انھوں نے بندگان خدا کی امداد کی اور دنیا کے فریب سے ان کو نکالا۔ اور دارالسرور عقبیٰ کی اعلیٰ منزل میں ان کو داخل کیا قیامت تک ان بادشاہان دین کی عظمت و بزرگی کا نقارہ بجتا رہے گا۔ اور ان کی محبّت کے طفیل میں خلق اللہ فردوس بریں میں جگہ پائے گی۔ دوسری کرامت یہ کہ پورا ہندوستان اس حد تک کہ جہاں سے آفتاب نکلتا ہے۔ کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا اور ہندوستان کے سرکش اور بڑے لوگ دعویٰ خدائی کا کرتے تھے اور خدائے برتر کا شریک گردانتے تھے (ایسی حقیر چیزوں کو جیسے ڈھیلا، پتھر، گھر، درخت، گھوڑا گائے اور ان کے گوبر تک کو سجدہ کرتے تھے اور ان کے دل پر تاریکی کے مضبوط قفل پڑے ہوئے تھے۔ اس آفتاب اہل یقین

لہ سیرالاولیاء ۔ ۱۲۰۔

Marfat.com

یقین کہ بحقیقت معین الدین بود، ظلمت این دیار بنورِ اسلام روشن و منور گشت۔

(حضرت خواجہ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ کے قدوم میمنت لزوم سے) کہ جو حقیقت میں معین الدین اور اسم بامسمٰی تھے اس ملک کی تاریکی کفر اسلام کی روشنی میں بدل گئی۔

۵۔

آنجا کہ بود نعرۂ فریاد مشرکاں
اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است

جس جگہ مشرکوں کے مشرکانہ نعرے اور دہائیاں تھیں،
وہاں اللہ اکبر کا نعرہ لگنے لگا۔

وہر کہ ازیں دیار مسلمان شد و تا دور قیامت مسلمان خواہد شد و فرزندانِ ایشاں مسلمان خواہند بود۔ الی یوم القیامۃ مثوبات آں بہ بارگاہ باجاہ شیخ الاسلام معین الدین سجزی قدس اللہ سرہ العزیز واصل و متواصل خواہند بود ان شاء اللہ العزیز۔

حضرت خواجہ کے قدوم میمنت لزوم سے جس قدر مسلمان ہوئے اور آئندہ قیامت تک جس قدر مسلمان ہوں گے اور اسی طرح تا روزِ قیامت ان کی اولاد مسلمان پیدا ہوں گی ان کا اجر و ثواب شیخ الاسلام معین الدین چشتی رحمۃ اللہ کی روح پرفتوح کو پہنچے گا۔

حضرت خواجۂ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے نعمتِ مقبولیت سے ممتاز کیا تھا کہ یہ وصف خواص بلکہ اخص الخواص اولیائے کرام میں پایا جاتا ہے۔ یہ وہ عطیہ الٰہی ہے کہ ہر ایک اس نعمت کا مستحق نہیں ہوتا۔ حضرت خواجۂ خواجگان کی اصلی کرامت یہی ہے کہ جس کا ظہور ہر جگہ ہوا ہے۔ آپ کی یہ کرامت خرقِ عادت اپنے مواقع ظہور کے لحاظ سے کوئی غایت اور حد نہیں رکھتی اور یہی صفت درحقیقت غیر محدود ہدایتوں کا منشا ہوئی کہ قلیل عرصہ میں براعظم ہندوستان میں ہدایت پھیل گئی۔ جو صدہا سال میں بھی ہندوستان میں اشاعت پذیر نہ ہوئی تھی حالانکہ علما براور مشائخ وسلاطین اسلام کا اس سرزمین ہند میں گزر ہو چکا تھا اور ان میں بہت یہاں اقامت گزیں بھی ہو گئے تھے۔ لیکن جو ان سب سے عرصۂ دراز بلکہ تمام عمر میں نہ ہو سکا۔ وہ ایک ذات کی جاذبیت نظر کی بدولت حاصل ہو گیا۔ یہ جاذبیت و مقبولیت خداداد تھی کہ جہاں حضرت خواجہ پہنچتے تھے وہاں جاذبیت نظر اور مقبولیت الٰہی کی بدولت عرصۂ قلیل میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا تھا اور جو ملک یا خطہ تاریکی کفر و جہالت میں مشہور تھا وہی آپ کے چند روزہ قیام سے رشد و ہدایت کا مرکز بن جاتا تھا۔

ملفوظات طیبات

حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دلیل العارفین سے آپ کے ملفوظات طیبات نقل کیے جاتے ہیں جس میں حضرت قطب صاحب نے آپ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

۱۔ عاشق کا دل محبت کی آگ کا آتش کدہ ہے۔ سوائے حق، جو اس کے دل میں آتا ہے وہ جل کر خاکستر و ناپید ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آتش محبت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی آگ نہیں ہے۔

۲۔ چھوٹی چھوٹی ندیوں اور نہروں سے جب پانی بہتا ہے تو اس کا شور سنائی دیتا ہے۔ لیکن جب وہ دریا سے جا کر مل جاتی ہیں تو پھر ان کا شور باقی نہیں رہتا۔

۳۔ میں نے شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے۔ حق تعالیٰ کے ایسے دوست (بھی) ہیں کہ اگر ایک لمحہ

Marfat.com

دنیا میں غفلت کا پردہ اُن پر پڑ جائے تو وہ نیست و نابود ہو جائیں۔

۴۔ میں نے اپنے پیر و مرشد شیخ عثمان ہارونی سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے جس میں یہ تین خصلتیں ہوں سمجھو کہ حق تعالےٰ اسے دوست رکھتا ہے۔ اوّل اس میں سخاوت ہو جیسے دریا کی ہے، دوم شفقت ایسی ہو جیسا کہ آفتاب کی ہے۔ سوم تواضع و فروتنی ایسی ہو جیسی زمین کی ہے۔

۵۔ نیک کام کرنے سے نیک صحبت اچھی ہے اور بُرے کام سے بدوں کی صحبت بُری ہے، (تشریح، یعنی نیک صحبت و بد صحبت نیکیوں اور بدیوں کا اصلی منشا اور سبب ہیں اس وجہ سے نیکی اور بدی سے نیک صحبت اور بد صحبت کا درجہ زیادہ ہے)

۶۔ فرمایا کہ توبہ میں ثابت قدم مرید وہ ہے کہ بائیں جانب کا فرشتہ (یعنی اعمال بد لکھنے والا) بیس سال تک اس کا کوئی گناہ لکھنے نہ پائے۔ (تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس دراز عرصہ تک اس سے کوئی گناہ صادر نہ ہو۔ جب گناہ ہی صادر نہ ہوگا تو وہ کیا لکھے گا۔)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں اس ملفوظ مبارک کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:۔

"عرضہ می دارد محرر ایں سطور کہ ایں سخن را بعضے اکابر متقدمین نیز نقل کردہ اند و حقیقت معنی ایں سخن چنانچہ بعضے از متاخرین از علمائے صوفیہ فرمودہ اند آنست کہ توبہ و استغفار لازم حال مرید است و کتابت گناہان با وجود توبہ و استغفار صورت نہ بندد۔ نہ آنکہ اصلاً گناہ از وے بوجود نیاید۔ لہٰذا وصیت کردہ اند بالتزام ورد استغفار نزد خواب رفتن تا کتابت گناہان روز کہ بجریان عادت رحمت الٰہی تا ایں وقت موقوف ماندہ است بظہور نیاید۔

ترجمہ:۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اس کلام کو بعض متقدمین سے بھی نقل کیا گیا ہے اس کلام کی اصل حقیقت بعض متاخرین نے (جو علماء صوفیہ میں سے ہیں) اس طرح ظاہر کی ہے کہ مرید کے لیے توبہ و استغفار ایک لازمی اور ضروری چیز ہے (گناہ کرے تو کم ازکم اس سے توبہ و استغفار ضرور کرے) اور توبہ و استغفار کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ یہ مطلب نہیں ہے بالکل گناہ اس سے صادر نہ ہو۔ اسی وجہ سے (حضرت صوفیہ نے) وصیت کی ہے کہ سوتے وقت انسان ورد استغفار کو اپنے اوپر لازم کرنے کہ عادت الٰہی اس کی رحمت کی بنا پر جاری ہے (اور بعض روایات میں یہ وارد بھی ہوا ہے) کہ دن کے گناہ وقت خواب تک لکھے نہیں جاتے۔

اسی مضمون کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب ادا کیا ہے ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش   عذر بدرگاہ خدا آورد

Marfat.com

ورنہ سزاوار خداوندیش ۔ کس نتواند کہ بجا آورد

۷۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح سے حضرت خواجہ بزرگ رح نقل فرماتے ہیں کہ انسان فقر کا مستحق اس وقت ہوتا ہے کہ اس کی ذات میں عالمِ فانی کی علامات ونشانیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ تشریح (مطلب یہ کہ وہ ذات، بر حق میں فنا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اپنے فنا ہونے کا شعور بھی اس کو باقی نہیں رہتا۔ پہلا مقام فنا کا ہے اور دوسرا فناء الفنا کا۔ عارف رُومی نے اپنی مثنوی میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

تو درو گم شو وصال این ست وبس ۔ گُم شُدن گُم کن کمال این ست وبس

۸۔ نشانِ محبّت یہ ہے کہ اطاعت کرتے ہوئے حق تعالٰے سے ڈرے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مخفی سبب کی وجہ سے، وہ اپنے قرب سے محروم کر دے۔

۹۔ عارفوں کا ایک مقام ایسا ہے کہ جب اس مقام تک پہنچتے ہیں تو جہان اور جو کچھ جہان میں ہے وہ اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھ لیتے ہیں تشریح (حدیث شریف میں ہے کہ تمام جہان حق تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اور وہ اس کو جس طرح چاہتا ہے پلٹتا رہتا ہے۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ جو اللہ تعالٰے کے بندے اس کی ذات میں فنا ہو جاتے ہیں ان پر تجلیاتِ ربانی کا عکس پڑتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالٰے کا ارشاد ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں اب وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اب وہ میرے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں اب وہ میرے ذریعہ سے پکڑتا ہے پس کیا عجیب ہے کہ جب کثرتِ عبادت وذکر سے حق تعالٰے بندہ کا ہاتھ بن گیا تو اس کی انگلیوں پر بھی اس کی انگلیوں کا بموجب حدیث شریف ظہور ہو گیا اور صفتِ الٰہی کا جلوہ بندہ کو اپنی انگلیوں میں نظر آنے لگا)

۱۰۔ عارف وہ ہوتا ہے کہ جو چاہتا ہے اس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے اور جو بات کرتا ہے اس کا جواب (غیب سے) سنتا ہے۔

تشریح، یہ مقام تسلیم ورضا ہے یعنی جب بندے نے اپنی مرضی حق تعالٰے کی مرضی میں گم اور فنا کر دی اور ہر ایک معاملہ میں اس نے اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی کا تابع بنا دیا تو اس کی مرضی وہی ہوگی جو حق تعالیٰ کی مرضی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ حق تعالٰے کی مرضیات جن کے ساتھ اس کا ارادہ متعلق ہو گیا ہے۔ سب پوری ہوتی ہیں تو یہی اس بندہ کی مرضی کا پورا ہونا ہے۔ جس نے اپنی جملہ مرضیات کو حق تعالٰے کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے، کیونکہ وہ دوسروں کی طرح اپنی مستقل مرضی نہیں رکھتا۔ اس صورت میں اس کا اندیشہ ہے کہ اس کی بعض مرضیات پوری ہوں اور بعض پوری نہ ہوں۔ کیونکہ بندہ بندہ ہے نہ کہ خدا۔ اور باوصف بندہ ہونے کے اپنی مستقل مرضی رکھتا ہے تو ایسی صورت میں ضرور ہے کہ اس کی بعض یا اکثر مرضیات پوری نہ ہوں۔ لیکن جس بندہ نے اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی میں گم کر دیا ہے۔ اور یہی بندہ وہ ہے جو کہ عارف ہے، تو اس کی تمام مرضیات پوری ہوں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ۔ ترجمہ: اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے اور پھر آ اور تماشا دیکھ کہ کیا

Marfat.com

ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ کا یہ ارشاد اسی حدیث کی شرح ہے۔

۱۰۔ فرمایا کہ محبت الٰہی کے بارے میں ادنےٰ درجہ عارف کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے صفات اس میں جلوہ گر ہونے لگیں۔ تشریح (انسان حق تعالےٰ کا مظہر ہے جس قدر یہ مظہر وآئینہ صاف ہوگا اتنی ہی صفائی کے ساتھ حق تعالیٰ کے صفات اس میں جلوہ گر ہوں گے، جیسے شیشہ وآئینہ جتنا صاف ہوگا اتنا ہی صفائی کے ساتھ انسان کے خدوخال اس میں نظر آئیں گے اور جس طرح شیشہ یا آئینہ کے صاف نہ ہونے کی وجہ سے چہرہ صاف نظر نہیں آتا۔ اسی طرح خواہشاتِ نفسانی کے زنگ سے دل کا آئینہ مکدّر ہو جاتا ہے اور صفاتِ الٰہیہ اس میں جلوہ گر نہیں ہوتیں۔ حضرات صوفیائے کرام سب سے پیشتر اس انسانی آئینہ کو صاف کرتے ہیں اور خواہشاتِ نفسانیہ کے نقش مٹا کر اس کو جلا دیتے ہیں تاکہ صفاتِ الٰہیہ کا اس پر عکس دپر تو پڑے۔ حدیث شریف دع نفسک وتعال کی ایک یہ بھی تاویل اور تفسیر کی گئی ہے اور اس مطلب کی بھی اس میں گنجائش ہے۔ حضرت خواجہ کا یہ مبارک ملفوظ اسی مطلب کا بیان وتفسیر ہے)

۱۱۔ فرمایا کہ ہم مجاہدہ وریاضت میں رہے ہم کو سوائے ہیبت حق کچھ حاصل نہ ہوا تشریح (مطلب یہ کہ جو حاصل ہوا یعنی ہیبت حق یہ سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے۔ حق تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ اللہ اس کا سزاوار ہے کہ اس سے تم خوف کرو)

۱۲۔ فرمایا کہ گناہ تم کو اس قدر ضرر نہیں پہنچاتا جس قدر مسلمان کی بے حرمتی (بے عزتی) اور اس کو ذلیل سمجھنا تمہارے لیے ضرر رساں اور نقصان پہنچانے والا ہے۔ تشریح (حجۃ الوداع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ خطبہ کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے صحابہؓ یہ سنکر خاموش رہے اس خیال سے کہ شاید حضور اس ماہ کا نام بدل دیں۔ اس وجہ سے ادباً اس ماہ کا نام نہیں لیا اور سب نے بالاتفاق عرض کیا کہ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ یعنی خدائے تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ سب صحابہؓ نے عرض کیا کہ بیشک ماہ ذی الحجہ ہے۔ پھر فرمایا یہ کون دن ہے اس پر بھی سب صحابہ خاموشی رہے اور خدائے تعالےٰ اور اس کے رسول کے علم پر معاملہ کو محول کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ یوم النحر (عید الضحیٰ) نہیں ہے؟ سب نے عرض کیا کہ بیشک یہ روز عید ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا خون وآبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس ماہ اور اس دن کی طرح لائق احترام اور عزت ہے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس ماہ اور دن کے احترام سے بھی بڑھ کر ہے۔ بعض روایات میں ماہ ودن کے ساتھ کعبہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ پس جب ایسے متبرک ماہ اور دن اور کعبہ کے برابر یا ان سے بڑھ کر مسلمان کی آبرو اور جان ہے تو اس کی عزت کے درپے ہونا یا اس کو ذلیل سمجھنا کتنا بڑا گناہ ہونا چاہیئے)

۱۳۔ فرمایا کہ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے۔ تشریح (یعنی ہر لحظہ اور ہر دم عبادت مولیٰ سبحانہٗ اور اس کے ذکر میں مشغول ہونا) غرض کوئی سانس ذکر الٰہی سے خالی نہ جائے خواہ ذکر لسانی ہو یا قلبی۔ اہل معرفت کسی سانس کو ضائع نہیں جانے دیتے اور ہر ایک سانس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتی ہیں کہ یَذْکُرُ اللہَ تَعَالیٰ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ

Marfat.com

ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہا کرتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ عامۃ المومنین اس کے مکلف نہیں ہیں۔ اس لیے چند اوقات عبادت کے لیے بلحاظ ان کی آسانی کے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اہل اللہ اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ وہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔ کتاب المخ المدینہ فی مختارات الصوفیہ میں ہے۔

واجمعوا علی تعجیل الصلوات وھو الافضل عندھم مع المتقین بدخول الوقت ویرون تعجیل اداء جمیع المفروضات عند وجوبھا ولا یرون التقصیر والتاخیر والتفریط فیھا الا لعذر یرون قصر الصلوٰۃ فی السفر الا لمن ادمن السفر منھم ولم یکن لہ مقر فانہ یتم الصلوٰۃ اداء وان الفطر فی السفر جائز وان الصوم افضل واستطاعۃ الحج عندھم تکون باتی وجہ من وجوہ الامکان فلا یشترطون زادا ولا راحلۃ۔

ترجمہ:۔ صوفیائے کرام نے اس پر اجماع کیا ہے کہ نماز پہلے وقت میں پڑھی جائے۔ اور یہی ان کے نزدیک افضل ہے بشرطیکہ دخول وقت کا یقین ہو جائے۔ اسی طرح تمام مفروضات میں ان کا خیال ہے کہ ان کے واجب ہوتے ہی بغیر کسی قسم کی تاخیر و کوتاہی و کمی کے ان کو ادا کرنا چاہیئے۔ البتہ کوئی عذر ہو تو مضائقہ نہیں ہے سفر میں قصر ان کے نزدیک جائز ہے لیکن اس حالت میں بھی روزہ رکھنے کو افضل کہتے ہیں۔ حج کی استطاعت ان کے نزدیک توشہ وسواری پر منحصر نہیں ہے بلکہ جس طریق سے ادائے حج کا امکان ہو وہاں وہ استطاعت حج مانتے ہیں۔ (خواہ پیدل ہی ہو بشرطیکہ کسی شخص میں پیدل چلنے کی قوت ہو)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صوفیہ نے اپنے لیے فعل عزیمت ہی اختیار کیا ہے اور فعل رخصت دوسروں کے لیے چھوڑا ہے۔ عبادت کے لیے گو اوقات معین ہیں لیکن وہ اصلی عبادت اسی کو سمجھتے ہیں جس میں تمام اوقات گھر جائیں اور ایک سانس لینے کا بھی وقت باقی نہ بچے۔ حضرت خواجۂ خواجگانؒ چونکہ سرگروہ اہل معرفت ہیں انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق عبادت پاس انفاس کو قرار دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تقلید کی کہ کوئی وقت عبادت سے خالی نہ بچے۔

۱۵۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ کے شناخت کی علامت مخلوق سے پہلوتہی ہے اور معرفت کی باتوں میں خاموشی۔

۱۶۔ فرمایا کہ انسان اس وقت تک عارف نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے نفس کی معرفت سے بے خبر نہ ہو جائے (یہ بھی حدیث شریف دع نفسک وتعال کی ایک تشریح ہے)

۱۷۔ فرمایا کہ عارف وہ شخص ہے کہ جو کچھ سوائے حق کے ہو اس کو دل سے نکال دے تاکہ حق تعالیٰ کا خالص یکتا دوست بن جائے جس طرح ذات حق یکتا و یگانہ ہے۔

۱۸۔ فرمایا کہ شقاوت و بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ گناہ کرے اور یہ امید رکھے کہ مقبول ہو جاؤں گا۔

۱۹۔ عارف کی علامت یہ ہے کہ وہ خاموش ہو اور اس کے چہرہ پر غم کے آثار ہوں۔

۲۰۔ فرمایا کہ جس نے نعمت پائی سعادت کی بدولت پائی۔

Marfat.com

۲۱۔ فرمایا کہ درویش وہ ہے کہ جو بندہ اس کے پاس حاجت لے کر آوے اس کو نا کام محروم نہ لوٹائے۔ تشریح (یعنی دینے کی مقدرت ہو تو دے خواہ کل یا بعض، یہ نہ ہو سکے تو اس کو تسکین دینے والی بات سنا دے) یہ درحقیقت ایک حدیث شریف کا مضمون ہے کہ کچھ نہ بن پڑے تو اچھی بات کہہ کر ہی اس کو خوش کر دے۔

۲۲۔ فرمایا کہ محبت کی راہ میں عارف وہ ہے کہ جس نے دونوں جہان سے تعلق قطع کر لیا ہو اور اس کا دل بجز یاد مولٰے سبحانہٗ کسی میں نہ لگے۔ تشریح (اس مضمون کے متعلق یہ شعر کسی نے خوب کہا ہے ؎

از بہر وصال تو زہر چیز گذشتیم خواہی نہ اگر وصل از و نیز گذشتیم

۲۳۔ فرمایا کہ عزیز و محبوب ترین چیز دنیا میں یہ ہے کہ چند درویش باہمی اُنس و محبت کے ساتھ مل جل کر بیٹھیں اور بدترین چیز یہ کہ درویش درویش سے علیحدگی اختیار کرے بس سمجھ لینا کہ یہ درویش علت سے خالی نہیں (یعنی ضرور کسی نہ کسی بدنیتی نے راہ پائی ہے)

۲۴۔ فرمایا کہ حقیقی متوکل وہ ہے کہ مخلوق کی جانب سے جو اذیت و رنج پہنچے اس کا کوئی اثر نہ لے نہ اس کی کسی سے شکایت کرے نہ حکایت۔

۲۵۔ فرمایا کہ جو انسان جس قدر معرفت میں زیادہ ہو گا اسی قدر زیادہ متحیر ہو گا۔

۲۶۔ عارف کی نشانی یہ ہے کہ وہ موت کو دوست رکھتا ہے اور اس کو سوائے ذکر مولٰے سبحانہٗ، کسی چیز سے چین و آرام نہیں ملتا۔

۲۷۔ حق تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں یہی ہے کہ اس کی تجلیات کا عکس بندہ پر پڑے۔

۲۸۔ فرمایا کہ اہل محبت وہ لوگ ہیں کہ بغیر استاد کے واسطے کے دوست (حق) کا کلام سنتے ہیں۔ تشریح (یہ حضرات واصل الی اللہ ہوتے ہیں جن کو فنا فی اللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اب مرشد کے واسطہ کے محتاج نہیں رہتے۔ لیکن آغاز محبت میں اور کمال حاصل ہونے کے پیشتر واسطہ کی عموماً ضرورت ہوتی ہے)

۲۹۔ فرمایا کہ عارف وہ شخص ہے کہ جب صبح اٹھے تو رات کی اسے خبر نہ ہو کہ کیا گذری (یہ عالم محویت و استغراق کا بیان ہے۔ رسمی علماء کے کاملوں میں بھی یہ محویت مشاہدہ کی گئی ہے۔ اہل معرفت کا درجہ بہت بلند ہے)

۳۰۔ فرمایا کہ انسان کے لیے بہترین وقت وہ ہے جس میں اس کا دل پریشان خیالات اور وسوسہ سے خالی ہو۔ تشریح (مطلب یہ کہ اس وقت عبادت کا لطف آتا ہے اور اس وقت عبادت اصلی معنی میں عبادت ہوتی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ افطار کرتے تھے تو جس قدر کھانا چاہتے تھے وہ اسی وقت کھا لیتے تھے اور اس کے بعد اطمینان سے نماز ادا کرتے اس کے متعلق کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ میری تمام نماز کھانا ہو جائے۔ اس سے یہ بہتر ہے کہ میرا کھانا نماز ہو جائے یعنی ایسا کرنے سے کہ کچھ کھایا کچھ نہ کھایا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تو تمام نماز کھانے کے خیال میں ادا ہو گی تو یہ نماز نہ ہوئی۔ بلکہ سراسر کھانا بن گئی اور کھانا کھاتے وقت نماز کا خیال رہا تو یہ کھانے کا زمانہ بھی عبادت میں شمار ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث شریف

Marfat.com

ہے کہ نماز کا انتظار بھی نماز کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عشا کی نماز کے پیشتر عشا کا کھانا کھا لیا کرو۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تاکہ فراغت و اطمینان کے ساتھ نماز ادا کی جائے اور نماز کے وقت کھانے کا خیال نہ آئے۔ پہلے لوگ عبادت و نماز کے لیے اطمینان و فراغت کا وقت نکالتے تھے اور آج کل کے حضرات کھانے کے لیے اطمینان و فراغت کا وقت نکالتے ہیں اور نماز و عبادت کو ایک بیگار سمجھ کر جلدی جلدی جس طرح بن پڑتا ہے ادا کر لیتے ہیں اور پھر اطمینان کے ساتھ کھاتے اور خوب کھاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصود کھانا ہے اور پہلے لوگوں کا مقصود نماز و عبادت تھی ہر ایک اپنے مقصود کے لیے فراغت کا وقت نکالتا ہے۔

حضرت کے اس ملفوظ بیان کرنے سے پیشتر ایک تمہید کی ضرورت ہے۔ ارباب سلوک کی اصطلاح میں بندہ کے علم کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کو علم سے تعبیر کرتے ہیں ان کی یہ اصطلاح لغت کے قریب قریب ہے لغت میں معرفت عبارت ہے جزئی امور یا حالات کے جاننے سے اور علم عبارت ہے کلی امور یا حالات کے جاننے سے چونکہ حق تعالیٰ کا علم محیط اور کلی ہے اس وجہ سے اس کے علم کو معرفت کہتے ہیں۔ اس کے جاننے کو وہ علم سے تعبیر نہیں کرتے اسی وجہ سے وہ کامل انسان کو عارف باللہ کہتے ہیں نہ کہ عالم باللہ۔ یہی حال عرف و محاورہ کا ہے کہ خدا تعالیٰ پر عارف کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ یہ بیشک کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔

اب حضرت خواجہ کا یہ ملفوظ سمجھ میں آ سکتا ہے جس کو ہم بعینہٖ کتاب دلیل العارفین سے نقل کرتے ہیں:۔

فرمود علم بحرے است محیط و معرفت جوئے از محیط پس خدا کجا و بندہ کجا علم خدائے را است و معرفت بندہ را۔

ترجمہ: حضرت خواجہ نے فرمایا کہ علم ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اور معرفت اس دریا کی ایک نہر یا ندی ہے۔ علم خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اور معرفت بندہ کے لیے پس کہاں خدا اور کجا بندہ۔

تشریح: حضرت خواجہؒ نے اپنے اس ملفوظ میں دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے اس نے اس نزاع و اختلاف کا فیصلہ کر دیا جو عہد حاضر کے علما میں جاری ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں یا حضور کو علم غیب تھا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ علم غیب حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن کریم میں وارد ہے وَمَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا هُوَ غیب کا علم نہیں ہے مگر حق تعالیٰ کو۔ پہلا فریق اس کے جواب میں کہتا ہے کہ قرآن کریم میں یہ بھی وارد ہے کہ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ حق تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اس کے رسولوں کو بھی غیب کا علم ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں علماء تعارض دیکھ کر اس کو اپنے اپنے طریق سے دفع بھی کرتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کی تکفیر و تذلیل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات اگر حضرت خواجگان کے اس ملفوظ پر مرکوز کر لیتے تو بحث کا خاتمہ ہو جاتا۔ کیونکہ جب علم حق تعالیٰ کے جاننے کے ساتھ مخصوص ہے تو علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا۔ اور یہ اس کے منافی ہرگز نہیں ہے کہ

Marfat.com

حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو غیب پر مطلع کیا غیب پر ان کو مطلع کرنا اور چیز ہے اور علم غیب شئی دیگر۔ علم غیب کے لیے حسب ارشاد حضرت خواجہؒ یہ ضروری ہے کہ وہ علم کلی غیر محدود ہو اور یہ ظاہر ہے کہ کسی بندہ کا علم خواہ وہ نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو غیر محدود نہیں ہے لیکن علم غیب نہ ہونے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ان امور غیبیہ پر منجانب اللہ اطلاع بھی نہ تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے واقعات بیان فرمائے ہیں اور یہ سب امور غیب ہیں جو حق تعالیٰ کے بتانے سے آپ کو حاصل ہوئے۔ جب دونوں باتوں میں تعارض ہی نہیں ہے اس کے دفع کرنے کی کیا ضرورت۔ ہر ایک اپنی جگہ درست و صحیح ہے اور آیات میں کسی قسم کا تعارض نہیں جس کو حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے وہ علم غیب ہے اور جس کو عام رکھا ہے۔ وہ امور غیبیہ پر اطلاع ہے۔ یہ علماء عہد حاضر کی خوش فہمی ہے کہ وہ دونوں امور (علم غیب، غیب پر اطلاع) میں منافات سمجھ بیٹھے۔ فقہاء کرام عالم الغیب ہونے کا اطلاق کسی بندہ پر نہیں کرتے اور امور غیبیہ پر مطلع ہونا وہ اولیاء کرام کے لیے مانتے ہیں۔ انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بڑی شان ہے چونکہ فقہائے کرام و متقدمین علما اس رمز سے واقف ہیں جو حضرت خواجہ خواجگانؒ نے بیان کی ہے تو وہ انبیاء و اولیاء کے لیے اطلاع علی الغیب کا لفظ استعمال کرنے سے باک نہیں کرتے اور کسی جگہ عالم الغیب کا لفظ انھوں نے بجز خدائے تعالیٰ استعمال نہیں کیا۔ اس عہد کے علماء عام چونکہ اس رمز کو نہیں سمجھنے ابی وجہ سے وہ افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے۔ پہلا گروہ بالکل غیب کے جاننے تک کی نفی کر دیتا ہے۔ خواہ انبیاء علیہم السلام ہی کیوں نہ ہو۔ (العیاذ باللہ منہ) دوسرا فریق اولیاء کرام تک کو عالم الغیب قرار دے دیتا ہے ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ان دونوں فریق کو چاہیئے کہ وہ اس ملفوظ مبارک پر غور کر کے اپنی اپنی اصلاح کریں اور علم و معرفت کے فرق کو سمجھیں۔ اس فرق کے سمجھنے سے تمام جنگ و جدال کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ یہ عرفان کے علاوہ حضرت خواجہ کا تبحر علمی بھی ہے کہ ایک جملہ سے سب کچھ بتا دیا اور مثال دے کر اُس کو خوب واضح کر دیا۔

۳۲۔ فرمایا کہ اہل معرفت آفتاب کی طرح ہوتے ہیں کہ جن کی روشنی تمام جہان پر پڑتی ہے اور ان کے نور سے تمام دنیا روشن ہے۔

تشریح۔ (البتہ چمگادڑ صفت انسان اس روشنی کو نہیں دیکھتے جیسا کہ خود چمگادڑ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتی)

۳۳۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ کا قرب بغیر نماز کے نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیونکہ مومن کی معراج بھی نماز ہے۔

Marfat.com

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ

مہندر مرید ہردیو کی ڈائری

دلّی کا بازار

رات کو میں امیر خسروؒ کے مکان پر رہا تھا اور دیر تک جاگنے کے سبب صبح دیر میں آنکھ کھلی تھی۔ سویرے امیر خسروؒ کے نوکروں سے معلوم ہوا کہ وہ آج بہت جلدی دربار میں چلے گئے۔ کیونکہ آج کوئی خاص جشن تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امیر خسروؒ دیر میں آئیں گے۔ میں نے چاہا کہ اپنی قیام گاہ پر چلا جاؤں۔ راستے میں دلّی کا وہ بازار بھی آتا تھا جہاں بخارا اور ترکستان اور ایران کا سامان ہے۔ میں آہستہ آہستہ ان دکانوں کو دیکھتا جاتا تھا۔ ہر قسم کے کپڑے، پوستین، کمبل اور قالین اور کمانیں اور ڈھالیں اور تیر اور تلواریں خنجر ان دکانوں میں نظر آتے تھے۔ میں ایک دکان پر کھڑا ہو گیا اور چند تلواروں اور خنجروں اور ڈھالوں کو دیکھنے لگا۔ یہ دکان کسی ترک کی مگر وہاں ایک ہندوستانی بھی سامان فروخت کرنے والا نوکر تھا۔ اس سے میں نے چیزوں کی قیمت پوچھی اور یہ بھی پوچھا کہ یہ چیزیں کن کن ملکوں ہیں۔ دکان دار بہت اخلاق سے ملا اور میرے سوالوں کا جواب دیتا رہا۔ اس نے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا۔ جب اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور امیر خسروؒ کا نام سنا تو وہ کہنے لگا یہ دونوں بے دین ہیں۔ علانیہ گانا سنتے ہیں۔ قوالوں کی مجلسوں میں ناچتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی شریعت میں مسلمانوں پر گانا اور باجہ سننا حرام کیا گیا ہے۔ امیر خسروؒ کے پیر لوگوں سے اپنے آپ کو سجدہ کراتے ہیں۔ انھوں نے مکر اور فریب کا ایک جال بچھا رکھا ہے۔

مجھے یہ باتیں سن کر بہت غصّہ آیا۔ اور میں نے کہا بس اپنی زبان بند کر دو میں اس سے زیادہ ان کے خلاف سننا نہیں چاہتا۔

دکان دار نے تعجب سے مجھ کو دیکھا اور کہا تم ابھی کہتے تھے کہ تم ہندو ہو پھر تم کو ایک مسلمان فقیر سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ میں نے جواب دیا۔ میں دکن سے محض انہی کی زیارت کرنے کے لیے دلّی میں آیا ہوں اور میں نے ان کی مجلس کو دیکھا ہے اور ان کی باتوں کو سنا ہے اور ان کے مقبول مرید امیر خسروؒ کے ہاں کل رات کو میں رہا تھا۔ میں نے ان سب میں کوئی بات مکر اور فریب کی نہیں دیکھی۔ یہ ٹھیک ہے لوگ امیر خسروؒ کے پیر کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھتے ہیں مگر میں نہیں جانتا کہ اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے۔ کیونکہ میں مسلمان نہیں ہوں اور گانے کی نسبت بھی مجھے خبر نہیں کہ وہ اسلامی شریعت میں اچھا ہے یا برا ہے۔ مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ امیر خسرو اور ان کے پیر میں کوئی مکر اور فریب کی نہیں ہے۔

دکاندار نے کہا تم بھی بت پرست ہو اور تمھارا دوست امیر خسروؒ بھی بت پرست ہے اور اس کا پیر بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔ اس لیے تم اس کے گرویدہ ہو گئے ہو۔

اب میں اپنے غصّے کو نہ دبا سکا اور میں نے کہا میں زیادہ ٹھیرنا نہیں چاہتا، مجھے بہت صدمہ ہوا کہ میں یہاں کیوں ٹھہرا۔ نہ میں یہاں

Marfat.com

ٹھہرتا نہ تم سے ایسی باتیں سننی پڑتیں۔ دکاندار ہنسا اور کہا۔ میں صاف اور کھرا آدمی ہوں۔ تم مسافر اور اجنبی ہو اور مسلمان حکومت کے اس واسطے میں نے تم کو بُرائی سے بچانا ضروری سمجھا۔

میں نے یہ بات سنکر پوچھا کہ ذمّی کا کیا مطلب ہے؟ دکان دار نے جواب دیا جس کی حفاظت مسلمان حکومت کے ذمّے ہو اسلامی شریعت میں ذمّی کہتے ہیں میں بھی اسلامی حکومت کا ایک فرد ہوں اور سب ہندوؤں کو مسلمان حکومت کا ذمّی سمجھتا ہوں اور ا ہر قسم کی حفاظت کا خیال رکھنا اپنا فرض جانتا ہوں۔

میں نے کہا تمھارے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی اور خاص کر لفظ ذِمّی کو آج تم سے سُنا اور اس کا مطلب سمجھا اس واسطے استاد ہوئے، مگر چلتے چلتے میں تم سے دوبارہ درخواست کرتا ہوں کہ تم ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس جاؤ اور ان کو دیکھو تاکہ تم اس گناہ سے بچ جاؤ جس میں تم نادانستہ مبتلا ہو۔ چونکہ تم نے مجھے ذمّی سمجھ کر نیک نیتی سے میرے فائدے کی بات مجھے بتائی میں اس کی شکر گزاری اس میں سمجھتا ہوں کہ تم کو بھی ایک بڑی غلط فہمی سے بچاؤں۔ دکاندار نے ہنس کر کہا۔ اچھا میں کل شام کو ضرور جاؤں کیونکہ دن کے وقت مجھے دکان سے فرصت نہیں ملتی۔ اور شام کے وقت چونکہ سارا بازار بند ہو جاتا ہے اس واسطے مجھے فرصت مل جا

میں نے کہا تو میں بھی کل تم کو وہاں ملوں گا۔ دکاندار بولا مگر تم اس کا وعدہ کرو کہ اگر مجھ سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو میری مخالفت سے ذکر نہ کرنا تاکہ میں دیکھوں کہ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیا رضؓ کو میرے خیالات کی خبر ہوتی ہے یا نہیں۔ میں نے جواب دیا میں نے سمجھ لیا اور اب چھاؤنی جانا ملتوی کرتا ہوں تم آج ہی وہاں چلو، میں آج شام تک تمھارا مہمان ہوں۔ شام کو تمھارے ساتھ حضرت کے پا اور مجلس میں ایسی جگہ بیٹھوں گا کہ حضرت کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے اور تم مجھے دیکھتے رہو۔ کہ میں تمھارا کسی سے ذکر نہیں کرتا۔

چنانچہ میں دکان پر ٹھیر گیا اور دکاندار نے مجھے دوپہر کا کھانا کھلایا اور عصر کے وقت اس کے ساتھ حضرت کی خانقاہ میں آیا۔

حضرت کی کرامت

ہم دونوں خانقاہ کے اندر داخل ہوئے بہت بھیڑ تھی۔ مجلس میں جگہ نہ تھی۔ میں اہل مجلس کی پشت میں مگر دکاندار سیدھا حضرت کے سامنے گیا اور اس نے سلام علیکم کہا اور سب لوگوں سے آگے حضرت پاس بیٹھ گیا۔ مجھے یہ بات بہت ناگوار معلوم ہوئی اور میں نے دیکھا جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے تھے ان کے چہروں پر بھی غصے کا اثر مگر حضرت نے بہت محبت سے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور فرمایا تم غالباً اسی شہر کے رہنے والے ہو؟ دکاندار نے کہا "حدیث آیا ہے یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور ہر مسلمان اس دنیا میں مسافر ہے" حضرت نے جواب دیا ٹھیک کہتے ہو۔ تم مجھے حدیث یاد دلائی بڑا احسان کیا۔ میں بھی جب گانا سنتا ہوں تو مجھے رسول اللہ صلعم کی وہ حدیث یاد آتی ہے کہ حضرت لڑکیوں کا گانا سن رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عمرؓ وہاں آئے اور انھوں نے ان لڑکیوں کو گانے سے روکا۔ حضرتؐ فرمایا عُمرا ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے نہ روکو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور آج ان لڑکیوں کی عید کا دن ہے۔

جب حضرت نے یہ بات پوری کی تو دکان دار نے مجھے مڑکر دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک خوف طاری تھا۔ اس کے حضرت نے فرمایا مسلمان کو چاہیئے ہر وقت اللہ کے کلام اور اس کے رسول کے کلام کو یاد رکھے قرآن مجید میں لکھا ہے کہ الل

Marfat.com

فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں اور قرآن میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو اُن کے ماں باپ اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا دونوں خبریں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مگر ایسا کوئی حکم قرآن مجید میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی کے سامنے ایسا تعظیمی سجدہ نہ کرنا چاہیئے جیسا کہ فرشتوں نے آدم کو کیا تھا اور حضرت یعقوبؑ پیغمبر نے اپنے بیٹے کو کیا تھا۔ اس واسطے ثابت ہوا کہ عبادت کے سجدے میں اور تعظیم کے سجدے میں بہت فرق ہے۔ اگر فرشتوں کا سجدہ عبادت کا سجدہ ہوتا تو خدا فرشتوں کو حکم دے کر شرک نہ کراتا اور اگر تعظیم کا سجدہ ناجائز ہوتا تو یعقوبؑ پیغمبر اپنے بیٹے کو سجدہ نہ کرتے ہم درویشوں کے مسلک میں ادب اور تعظیم کی سب سے بڑی چیز ہے۔ ادب اور تعظیم سے اطاعت پیدا ہوتی ہے اور خدا نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور جو تم میں صاحب امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔ پس جو لوگ اپنے پیروں کے آگے سر زمین پر رکھتے ہیں تو عبادت کا سجدہ نہیں کرتے بلکہ تعظیم کا اظہار کرتے ہیں جس سے ان میں اطاعت پیدا ہوتی ہے اور پیر کی اطاعت سے رسول کی اطاعت پیدا ہوتی ہے اور رسول اللہ صلعم کی اطاعت سے خدا کی اطاعت پیدا ہوتی ہے اور خدا کی اطاعت سے انسان کی پیدائش کا مقصد پورا ہوجاتا ہے۔

حضرت کی یہ بات سن کر دکاندار نے ایک چیخ ماری اور وہ حضرت کے قدموں میں سر رکھ کر چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ روتا تھا اور کہتا تھا مجھے معاف کیجیے میں بڑی گمراہی میں تھا۔ حضرت رضؓ نے اپنے پیرزادے خواجہ سید محمدؒ سے فرمایا جو حضرت کے قریب بیٹھے ہوئے تھے ان کو اٹھاؤ ان کو پانی پلاؤ۔ ان کو کھانا کھلاؤ۔ ان کے واسطے حلوہ لاؤ انھوں نے ہم کو حدیث یاد دلائی۔ انھوں نے ہم کو قرآن یاد دلایا انھوں نے ہم پر بہت احسان کیا اس کے بعد فرمایا آج وہ ہندو مہمان ہرزدیو کہاں ہے؟ میں یہ سن کر لوگوں کے پیچھے سے کھڑا ہوگیا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی غلام یہاں حاضر ہے۔ حضرت نے میری طرف دیکھا۔ حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے اور فرمایا ہم سب خدا کے ذمی ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا ذمی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کی ویسی حفاظت کرسکے جیسی خدا اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

دکاندار نے پھر ایک چیخ ماری اور وہ ایک مرغ بسمل کی طرح صحن میں لوٹنے لگا۔ اتنے میں خواجہ سید محمدؒ کچھ کھانا اور حلوا اور پانی لے کر آگئے۔ حضرت نے دکاندار کو اپنے قریب بلایا اور اپنے ہاتھ سے روٹی کا ایک نوالہ اس کے منہ میں دیا۔ دکاندار نے وہ کھایا، پانی پیا۔ اور اس کے بعد حلوہ کھایا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ باندھ کر کہا مجھے بیعت کر لیجیے۔ حضرت نے فرمایا یہ محمد میرے پیر کا نواسہ ہے اور میرا بیٹا ہے تم اس سے بیعت کرو اور اس کے بعد خواجہ محمد کو حکم دیا کہ جاؤ اپنے مہمان کو رات کو اپنے ہاں ٹھیراؤ اس کی بیعت قبول کرو اور اس کو تعلیم دو۔ اس کے بعد میری طرف دوبارہ توجہ فرمائی اور حکم دیا کہ ہر دیو تم بھی محمد کے مہمان کے ساتھ آج رات کو محمد کے گھر میں قیام کرنا۔ میں پھر کھڑا ہوا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی مخدوم کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔

حضرت کا حال

میں نے خواجہ سید محمد سے پوچھا۔ ہمارے حضور سلطان المشائخ رضؓ کہاں کے رہنے والے ہیں اور ان کے بزرگ کہاں سے آئے تھے اور کون تھے؟ جواب دیا حضرت بدایوں میں پیدا ہوئے تھے جو یوپی کا مشہور ضلع ہے ان کے دادا اور نانا سید علی اور سید عرب دو بھائی تھے۔ بخارا میں رہتے تھے۔ مغلوں کی یورش ہوئی تو بخارا سے ہندوستان میں آئے اور بدایوں میں آکر ٹھہرے

Marfat.com

وہاں حضرت خواجہ سیّد علی کے ہاں ایک لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام سید احمد رکھا گیا اور حضرت خواجہ سید عرب کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئیں اور زلیخا نام رکھا گیا۔ پھر یہ خاندان لاہور سے بدایوں میں آکر آباد ہُوا۔ وہاں حضرت خواجہ سید احمد اور حضرت بی بی زلیخا کی شادی ہوئی اور ان سے ایک لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام سیّد محمد رکھا اور یہی سیّد محمد نام سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ محبوبِ الٰہی ہے۔

دلی میں کب آئے

میں نے حضرت خواجہ سیّد محمد سے پوچھا حضرت دلی میں کب آئے۔ جواب دیا ۱۶ برس کی عمر تھی جب دلّی میں آئے تھے۔ پانچ برس کی عمر تھی کہ یتیم ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ نے سوت کات کات کر بڑی مشکل سے حضرت کو اور ان کی بہن بی بی جنّت کو پالا تھا جب حضرتؒ بدایوں میں فارغ التحصیل ہو گئے اور دستار بندی بھی ہو گئی۔ اس وقت ان کی والدہ حضرت کو لے کر بدایوں سے دہلی میں آئیں اور یہاں حدیث کی تکمیل کرائی۔ جب یہاں سے بھی حدیث کی سند مل گئی تو والدہ نے فرمایا حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رضؓ کے پاس جاؤ تاکہ وہ بادشاہ کے ہاں سفارش کر کے تم کو قاضی کا عہدہ دلوا دیں۔ حضرت والدہ کے ارشاد کے بموجب میرے نانا کے پاس تشریف لے گئے۔ مگر ان سے یہ نہیں کہا کہ میری نوکری کے لیے سفارش کر دیجئے۔ بلکہ یہ کہا کہ دعا فرمائیے کہ میں کسی جگہ کا قاضی بن جاؤں۔ حضرت شیخ نے ان کو غور سے دیکھا اور فرمایا "بابا قاضی مشو، چیزے دیگر شو، میاں قاضی نہ بنو کچھ اور بنو۔ اس کے بعد فرمایا میرے بھائی فریدالدین گنج شکر رضؓ کے پاس اجودھن میں جاؤ۔

بیعت و خلافت

حضرت اپنی والدہ صاحبہ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور ان سے اجازت لے کر اجودھن کی طرف روانہ ہوئے جب میرے نانا کے پاس پہنچے تو نانا ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کو گلے لگا لیا اور یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور تھوڑے عرصے کے بعد حضرت رضؓ کو دہلی کی خلافت مل گئی۔

سند کی تصدیق

حضرت باباصاحبؒ نے دہلی کی خلافت عطا فرمائی اور سند بھی دی تو فرمایا "میرے پہلے خلیفہ مولانا جمال الدین کے پاس ہانسی میں جانا جب تک وہ اس سند کی تصدیق نہیں کریں گے۔ تمھاری خلافت مکمل نہیں ہوگی حضرت اپنے پیر کے حکم کے بموجب اجودھن سے ہانسی میں آئے۔ مولانا جمال الدین نے سند دیکھی تو اس پر یہ فقرہ لکھ دیا" گوہر سپردہ بگوہر شناس" موتی اس کو سونپا گیا ہے جو موتی کی قدر پہچانتا ہے اس کے بعد حضرت دہلی میں تشریف لے آئے۔ پہلے اپنی والدہ کے ساتھ ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے رہتے تھے جب دہلی میں خلافت لے کر آئے تو صدہا لوگوں نے بیعت کی۔ انہی میں امیر خسروؒ بھی تھے۔ امیر خسرو نے مرید ہونے کے بعد حضرت کو اپنے نانا کے مکان میں ٹھیرنے کی دعوت دی اور حضرت نے اس کو قبول کر لیا۔ امیر خسروؒ پٹیالی میں اپنی جاگیر پر گئے ہوئے تھے۔ ان کے بعد ان کے ماموں نے حضرت رضؓ سے کہا آپ اس مکان کو خالی کر دیجیے۔ حضرت سب کو ساتھ لے کر ایک مسجد میں آ گئے وہاں سعد کاغذی حضرت کے پاس آیا اور اس نے کہا میرے مکان پر چلیئے حضرت نے جواب دیا۔ تم بھی کسی جاگیر پر جاؤ گے اور تمھارے رشتہ دار مجھ کو تمھارے گھر سے نکال دیں گے۔ اب تو میں ایسے گھر میں آیا ہوں جہاں سے کوئی نہیں نکالا جانا۔

Marfat.com

حاکم کا جلوس خواجہ سید محمد نے کہا حضرت فرماتے تھے۔ جب میں پڑھتا تھا تو بدایوں میں نئے حاکم کے آنے کی خبر مشہور ہوئی۔ شہر کے لوگ اس حاکم کے استقبال کے لیے شہر سے باہر گئے۔ میں بھی گیا۔ میں نے دیکھا حاکم کے گھوڑے کے آگے آگے بہت سے غلام لوگوں کے کوڑے مارتے جاتے تھے اور ہجوم کو ہٹا کر حاکم کی سواری کے لیے راستہ بناتے جاتے تھے۔ یہ بات اچھی معلوم نہیں ہوئی اور میں نے اپنے ہم مکتب لڑکوں سے کہا جیسا کہ یہ حاکم ایک آدمی ہے، ہم سب بھی ویسے ہی آدمی ہیں اگر حکومت ایسی ہوتی ہے تو یہ بہت بری چیز ہے۔ اسلام نے تو سب مسلمانوں کو برابر کا بھائی بنایا ہے۔

خدا کی مہمانی کی یاد خواجہ سید محمد نے کہا۔ حضرت فرماتے تھے کہ جب کئی دن تک مجھے دونوں وقت کھانا ملتا رہتا، تو میں دل ہی دل میں کہتا رہتا تھا خبر نہیں وہ دن کب آئے گا کہ میری اماں مجھ سے یہ کہیں بابا محمد! آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ یعنی حضرت کو فاقے سے محبّت ہوگئی تھی۔

علیؓ اور محمدؐ ایک مرتبہ حضرت رضؓ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صؐ نے اپنے چاروں اصحابؓ کو جمع کر کے ہر ایک سے الگ الگ سوالات کیے۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے پوچھا کہ اگر تم کو اللہ تعالےٰ کوئی نعمت دے تو اس کا شکرانہ کس عمل سے ادا کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس نعمت کے شکرانے میں سچ بولا کروں گا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے جواب دیا۔ اس نعمت کے شکرانے میں انصاف کیا کروں گا۔

حضرت عثمان رضؓ نے عرض کی اس نعمت کے شکرانے میں سخاوت کیا کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں جوابوں کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علی رضؓ سے پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا اس نعمت کی شکر گزاری میں خدا کے بندوں کے عیبوں کی پردہ پوشی کیا کروں گا۔ یہ جواب سُن کر آنحضرت صؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا علیؓ کا جواب تینوں جوابوں سے افضل ہے۔ کیونکہ اس جواب میں اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی شان اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔

حضرت کی کرامت چنانچہ ایک دفعہ کا قصّہ خواجہ سید محمد بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میری جاگیر کے گاؤں کی سند گم ہوگئی ہے اور نئی سند بادشاہ کے اہل کار دینے سے انکار کرتے ہیں۔ حضرتؓ نے ازراہِ خوش طبعی فرمایا کہ حلوہ کھلاؤ تو تمھاری سند کے لیے دعا مانگوں۔ وہ شخص فوراً کھڑا ہوگیا اور اس نے کہا میں ابھی بازار سے حلوہ لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ باہر گیا اور تھوڑی دیر میں حلوہ لے کر آیا اور دوسرے ہاتھ میں ایک کاغذ بھی لایا۔ اور وہ کاغذ اور حلوہ حضرت کے سامنے رکھ کر کہنے لگا۔ جب میں نے حلوائی سے حلوہ خریدا تھا اور اس نے ردّی کاغذ میں حلوہ رکھنا چاہا تو میں نے دُور سے اس کاغذ کو پہچانا کہ وہ میری گم شدہ سند ہے۔ میں نے حلوائی سے کہا اس کاغذ میں حلوہ نہ رکھنا یہ چکنا ہو جائے گا۔ یہ میرے کام کا کاغذ۔ حلوائی نے وہ کاغذ مجھے دے دیا اور حلوہ دوسرے کاغذ میں باندھ دیا۔

حضرت نے یہ جواب سن کر تبسّم فرمایا اور حکم دیا جاؤ حلوہ اپنے گھر لے جاؤ اور حضرت شیخ العالم رضؓ کی نیاز دے کر اپنے بچوں میں بانٹ دو۔

Marfat.com

اردو کی بنیاد آج حضرت نے رات کو مجلس خاص میں مجھ کو اور خواجہ حسن سنجری کو اور امیر خسروؒ کو اور خواجہ سید محمد کو اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ کو اور اپنے بہن کے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون کو اور میرے ہم وطن سنبھل دیو، چیتل دیو اور سنتل دیو کو یاد فرمایا تھا جب ہم سب جمع ہو گئے تو ارشاد ہوا تم سب مل کر ایک ایسی زبان تیار کرو، جو ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور باہر کے آئے ہوئے مسلمان آپس کی بات چیت اور لین دین کے لیے کام میں لائیں۔ امیر خسروؒ اور خواجہ سید محمد کی طرف خاص التفات کے ساتھ حضور نے دیکھا اور فرمایا کہ میں پہلے بھی تم سے یہ بات کہہ چکا ہوں۔ ان دونوں نے جواب میں گذارش کی کہ ہم تو دوم سے حکم پر عمل کر رہے ہیں۔ امیر خسرو نے یہ بھی کہا کہ میں نے بچوں کی تعلیم کے لیے ایک چھوٹی سی کتاب بھی لکھنا شروع کی ہے جس کا نام "خالق باری" تجویز کیا ہے۔ اور اس کے بعد انھوں نے کچھ اشعار خالق باری کے حضرت کو سنائے۔ حضرت نے ان کو بہت پسند فرمایا۔ اور اس کے بعد ارشاد ہوا، یہ بہت مفید چیز ہے، مگر ہندی زبان میں ایسے اشعار بھی لکھو جن کو لوگ گایا کریں۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا، آج کل ہماری فارسی اور خسروؒ کی ترکی زبانوں کے ساتھ ہندوؤں کی بول چال کے بہت سے لفظ مل گئے ہیں اور اب لوگ اپنے گھروں اور مجلسوں میں بھی ہندی کے الفاظ بولنے لگے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو فارسی اور عربی اور ترکی زبانوں میں ہندی کی آمیزش نہیں چاہتے۔ اس لیے ان کو سمجھانا چاہیئے کہ ان کا اور ان کی حکومت کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہندستانیوں کو اپنے دل کی بات سمجھا سکیں اور خود ان کے دلوں کی حالت سمجھ سکیں اور یہ جبھی ہو گا کہ وہ ضد کو چھوڑ دیں اور ہندی بول چال کا چرچا ہونے دیں۔

قبول اسلام میرے ایک سوال کا جواب حضرت نے دیا جب تو خدا کو ایک مان لے گا اور رسولؐ کی رسالت کو تسلیم کرلے گا، تو مسلمان ہو جائے گا۔ میں نے عرض کی اگر مسلمان ہو جانا اتنا آسان ہے تو مجھے اسی وقت مسلمان کر لیجیے حضرت نے فرمایا مسلمان کرنا اور ہے مسلمان ہونا اور ہے مسلمان کرنے کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا جبر اور دباؤ یا لالچ یا ذاتی غرض بھی شامل ہے اور مسلمان ہونا ان سب سے بے لوث ہے اس کے لیے کسی ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں۔ مثلاً آج اس وقت تو اس بات کا یقین کر لے کہ اللہ بس ایک ہی ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں تو اس یقین کے ساتھ ہی تو مسلمان ہو جائے گا۔ میں نے گھبرا کر کہا بے شک مجھے پورا یقین ہے کہ خدا ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ حضرت نے فرمایا تو بس تو مسلمان ہے۔ میں نے کہا مجھے بیعت بھی کر لیجیے۔ ارشاد ہوا ابھی اس کا وقت نہیں آیا اور نہ ابھی اس کی ضرورت ہے کہ تو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ تیرا نام بدلا جائے۔ البتہ تو محمدؒ سے وضو سیکھ لے اور یہی تجھ کو نماز سکھا دیں گے۔

بیعت آج میں نے گذارش کی کہ مجھے بیعت فرما لیجیے حضرت نے اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور اسی مجلس میں میری بیعت قبول فرمائی اور کلاہ چہار ترکی بھی میرے سر پر اپنے دست مبارک سے رکھی۔ اس کے بعد میں نے اجازت مانگی کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس دیوگڑھ جانا چاہتا ہوں حکم ہوا تم کو اجازت ہے وہاں جاؤ اور وہ دونوں اجازت دیں تو پھر یہاں آجاؤ۔ اور وہ تمھارے ساتھ دہلی آنا چاہیں تو ان کو بھی لے آؤ۔

Marfat.com

بغاوت کا الزام

میں دیوگڑھ کے سفر کی تیاریاں کر رہا تھا۔ یکایک خواجہ سید محمد کا خادم ملیح میرے پاس آیا اور اس نے کہا، علاؤ الملک کوتوال کا ایک آدمی تم سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اس کو مکان کے اندر بلا لیا وہ ہتھیار بند تھا لمبی ڈاڑھی تھی اور اس کی شکل بہت خونخوار تھی اس نے اندر آ کر مجھے بہت بُری نظروں سے دیکھا جس سے طرح طرح کے وہم میرے دل میں آنے لگے اس نے کہا کیا تمہارا ہی نام ہردیو ہے؟ میں نے کہا ہاں! آپ کون ہیں؟ اس نے کہا کوتوال کا حکم لے کر آیا ہوں اور تم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ کیا تم ابھی اجمیر اور ہانسی اور ملتان اور لاہور اور بدایوں گئے تھے؟ میں نے کہا ہاں! میں ابھی حال میں ان مقامات کی سیاحت کر کے آیا ہوں۔ اس نے پوچھا کیا تم نے اس سفر میں کہیں سلطان کے خلاف کسی سے کوئی بات کی تھی؟ یہ سوال سُن کر مجھ پر خوف طاری ہو گیا کیونکہ میری عادت ہے کہ میں ہمیشہ اپنے دل کی باتیں زبان پر لاتا رہتا ہوں۔ جیسے کہ میں نے امیر خسروؒ سے سلطان علاؤالدین خلجی کے خلاف باتیں کی تھیں۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر جواب دیا۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے لیکن انسان بات چیت کے وقت بے اختیار ہو جاتا ہے ممکن ہے میری زبان سے کوئی بات ایسی کہیں نکلی ہو جس میں سلطان کا ذکر ہو۔

خواجہ سید محمد اور خواجہ سید موسیٰ اور مولانا احمد تھیناپوری بھی وہاں موجود تھے۔ ان سب نے میری پریشانی کو محسوس کیا اس لیے مولانا احمد تھیناپوری نے آنے والے سے ترکی زبان میں باتیں شروع کیں۔ میں بھی کچھ کچھ ترکی سمجھتا تھا۔ مولانا احمد تھیناپوری نے کہا یہ ہمارا مہمان ہے اور حکومت کا ذمّی ہے اور حضرت کا مرید ہے اور دیوگڑھ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ تم کو تحقیقات کے وقت ان سب باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ تم اس کو کوتوال کے پاس نہ لے جاؤ اور کوتوال سے یہ کہو کہ وہ حضرت سلطان المشائخ سے اس کی بابت خود آ کر بات چیت کر لے۔

مگر اس شخص نے نہایت کرخت لہجے میں جواب دیا یہ باغی ہے۔ اس نے کئی مقامات پر ہندوؤں سے ملاقات کی اور یہ کہا کہ میرے راجہ رام دیو کو علاؤالدین نے لوٹا تھا اور ہندوؤں کو علاءالدین سے انتقام لینا چاہیئے۔ ایسے سنگین جرم کی سزا موت ہے۔

ترکی زبان میں اچھی طرح نہیں سمجھتا تھا تاہم میں نے اس شخص کا مطلب سمجھ لیا اور موت میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

گستاخی کی انتہا

ابھی یہ گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت کے خادم خاص خواجہ اقبال وہاں آئے اور انھوں نے کوتوال کے آدمی سے کہا حضرت نے فرمایا ہے ہم ہردیو کو کہیں نہ جانے دیں گے۔ علاء الملک ہمارے پاس آئے اور بتائے کہ کیا جرم ہردیو نے کیا ہے۔ کوتوال کے آدمی نے خواجہ اقبال سے کہا۔ تمہارے حضرت کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں ہردیو کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ میں نے تو ابھی کہیں کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں ان باتوں کو نہیں مانتا ہوں تمہارے حضرت درویش ہوں یا صاحب کمال ہوں یا کوتوال کے پیر ہوں یا وزیر کے پیر ہوں کچھ بھی ہوں مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ میں شاہی مجرم کو لینے آیا ہوں۔ میں کو لے کر جاؤں گا انکار کرو گے تو اس کا سر لے جاؤں گا اور جو آدمی اس کی حمایت کرے گا اس کا بھی سر لے جاؤں گا۔

خواجہ اقبال بہت کمزور دل کے آدمی تھے۔ میں نے دیکھا ان کا چہرہ زرد ہو گیا اور وہ اس سخت کلامی کا جواب نہ دے سکے۔

Marfat.com

مگر خواجہ سید محمد نے نہایت جرأت کے ساتھ جواب دیا کس کی مجال ہے جو ہمارے مہمان کو ہماری اور ہمارے حضرت کی اجازت کے بغیر یہاں سے لے جائے۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے تلوار میان سے کھینچ لی۔ جوں ہی اس نے تلوار میان سے نکالی خواجہ سید موسیٰ نے دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ مروڑ کر تلوار چھین لی اور مولانا احمد نیشاپوری نے بھی خواجہ سید موسیٰ کو مدد دی اور اس گستاخ آدمی کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اس کی آنکھیں شیر کی طرح چمکتی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے کف اُبل کر ڈاڑھی پر ٹپک رہے تھے اور مسلسل گستاخانہ الفاظ زبان سے نکل رہا تھا لیکن خواجہ سید موسیٰ اور مولانا احمد نیشاپوری نے اس کو مجبور کر کے بٹھا دیا اور اس کے دونوں ہاتھ دونوں آدمیوں نے پکڑ لیے تھے۔

کوتوال خود آگیا شاید حضرت کے خواجہ اقبال کو میرے پاس بھیجنے کے بعد کسی اور آدمی کو کوتوال کے پاس بھی بھیجا ہوگا۔ اس لیے ابھی اس جھگڑے کو زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ خود علاء الملک کوتوال وہاں آگیا۔ اس کے ساتھ دس بارہ ہتھیار بند آدمی بھی تھے۔ علاء الملک نے خواجہ سید محمد کے آگے سر جھکایا ادب سے سلام کیا اور یہ دیکھا کہ اس کا نائب اس طرح بیٹھا ہے کہ دو آدمیوں نے اس کو پکڑ رکھا ہے تو میں نے دیکھا اس سے علاء الملک کے چہرے پر بھی برہمی پیدا ہوئی۔ خواجہ سید محمد نے ساری کیفیت ٹھیک ٹھیک علاء الملک کو سُنا دی تب اس کا غصّہ ٹھنڈا ہوا۔ اور اس نے اپنے نائب سے کہا تم کو میرے پیر کی شان میں یہ گستاخی مناسب نہ تھی۔ میں نے پہلے بھی یہ شکایت سنی تھی کہ تم میرے حضرت کے خلاف کچھ کہا کرتے ہو۔ جاؤ تم کوتوالی میں واپس جاؤ۔ آئندہ ایسی حرکت نہ ہو ورنہ تم کو اس عہدے سے الگ کر دیا جائے گا۔

کوتوال کے آدمی نائب کو اپنے ساتھ لے گئے اور کوتوال وہاں بیٹھ گیا اور اس نے نرمی کے ساتھ مجھ سے پوچھا کہ تم نے اجمیر اور ملتان اور لاہور کے فلاں فلاں ہندوؤں سے سلطان کے خلاف باتیں کیں یا نہیں؟

میں نے جواب دیا سوائے ملتان کے اور کسی مقام پر میں کسی ہندو سے نہیں ملا۔ ملتان میں چند ہندو مجھ سے ملے تھے اور وہ چونکہ میرے ہموطن تھے۔ اس لیے انھوں نے مجھ سے باتوں باتوں میں سلطان کے اس حملے کا ذکر کیا تھا جو اس نے بادشاہ ہونے سے پہلے دیوگڑھ پر کیا تھا۔ مگر میں نے ان ہندوؤں سے سلطان کے خلاف کوئی بات نہیں کہی بلکہ یہ کہا کہ حکومتوں میں تو ایسا ہوا ہی کرتا ہے کیا ہمارے ہندو راجہ دوسرے ہندو راجاؤں کے ساتھ ایسا نہیں کرتے؟

یہ جواب سن کر علاء الملک نے کہا تم سچے معلوم ہوتے ہو۔ ہمارے پاس جو اطلاع آئی ہے وہ ملتان سے آئی ہے اور وہ ہندو بھی گرفتار ہو کر دہلی میں آ گئے ہیں اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ رام دیو کے جاسوس ہیں جو سلطان کی ہندو رعایا کو سلطان کے خلاف بھڑکانے کا کام کرتے ہیں اور چونکہ انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ تم بھی اسی کام کے لیے رام دیو کے بیٹے سنگل دیو کی طرف سے بھیجے گئے ہو اور چتیل دیو سنبھل دیو بھی سنگل دیو کی طرف سے بھیجے گئے ہیں جنھوں نے سلطانی نذر کے موتی حضرت سے حاصل کیے اور اب وہ دہلی میں کپڑے کی تجارت کر رہے ہیں وہ بھی اسی سازش کے مجرم ہیں۔ لیکن چونکہ تم میرے پیر بھائی ہو اور حضرت کی خاص نظر تم پر ہے اس واسطے میں تم کو بچا لوں گا۔ اگر تم پوری حقیقت مجھ سے بیان کر دو گے۔

خوف و ہیبت مجھ پر باوجود مرہٹہ ہونے کے ایسی ہیبت ان واقعات کی ہوئی تھی کہ میری آنکھوں میں خوف کے سبب آنسو

Marfat.com

آ گئے اور میں نے کہا جو سچی بات تھی وہ میں نے کہہ دی۔ میں خواجہ حسن علاء سنجری رضؓ کے ساتھ دیوگڑھ سے یہاں آیا تھا اور خود ان کے کہنے سے آیا تھا۔ مجھے کسی نے کسی کام کے لیے دہلی نہیں بھیجا تھا۔

علاؤالملک نے کہا اچھا چلو میرے ساتھ حضرت کے پاس چلو۔ حضرت جو کچھ فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ جب مجھے علاء الملک اپنے ساتھ لے چلا تو خواجہ سید محمد اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ اور ان کے استاد مولانا احمد نیشاپوری بھی میرے ساتھ ہو لیے۔ کوتوال نے کہا اس وقت آپ لوگوں کا ساتھ رہنا ہردیو کے لیے نقصان رساں ہوگا۔ اس واسطے وہ سب وہاں ٹھہر گئے۔ مگر خواجہ اقبال ساتھ رہے۔ حضرت اس وقت خلوت کے حجرے میں تھے۔ خواجہ اقبال نے اندر اطلاع دی اور حضرت نے علاء الملک کو اور مجھے اندر بلالیا۔ ہم دونوں نے زمین چومی اور ادب سے سامنے بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت کے چہرے پر اس قدر جلال تھا کہ نہ علاء الملک کچھ عرض کر سکا نہ میری زبان سے کچھ بات نکلی حضرت نے خود ہی فرمایا، علاء الملک سے کہہ دو کہ میرے آدمیوں کو نہ ستائے۔ ہردیو پاک دل ہے اور پاک عمل ہے۔

علاؤالملک نے فوراً جھک کر زمین چومی اور ہاتھ جوڑ کر کہا میں ابھی سلطان سے حضرت کا ارشاد بیان کردوں گا لیکن سلطان ہردیو کو دیکھنا چاہتا ہے حضرت نے فرمایا اس کو لے جاؤ۔ وہ اس کو دیکھ لے اور ہم اس کو دیکھتے رہیں گے۔

حضرت کے اس ارشاد میں اس قدر ناراضی کا اثر تھا کہ ہم دونوں کانپنے لگے اور پچھلے قدم ہٹتے ہوئے باہر آ گئے۔

بادشاہ سے ملاقات

ہم باہر آئے تو گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ علاء الملک اور اس کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور مجھے بھی ایک گھوڑے پر سوار کر دیا گیا۔ ہم سب شاہی محل کے قریب آئے تو گھوڑوں سے اترے۔ علاء الملک نے ایک تلوار اپنے آدمی سے لے کر میرے گلے میں ڈالی اور میری پگڑی بھی سر سے اتار کر میرے گلے میں ڈال دی اور اس ہیئت سے مجھے علاء الملک بادشاہ کے سامنے لے گیا۔

بادشاہ ایک چوکی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پیچھے اس کا مشہور ہزار دیناری غلام ملک کافور کھڑا تھا اور رومال سے مکھیاں اڑا رہا تھا۔ جب میں علاء الدین کے سامنے پہنچا تو کوتوال نے مجھ سے کہا تعظیم کر۔ میں جھکا اور بادشاہ کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھا اس کے بعد علاؤالملک نے ترکی زبان میں حضرت سلطان المشائخ کی سب باتیں بادشاہ سے کہیں اور یہ بھی کہا کہ ہردیو نے سچی سچی بات بیان کر دی ہے جن ہندوؤں نے اس کی شکایت کی ہے وہ جھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور وہ یقیناً جاسوس ہیں۔ ہردیو نے تو ان سے یہ کہا تھا، کہ حکومتوں میں تو ایسا ہی ہوا کرتا ہے کیا ہندو راجہ دوسرے ہندو راجاؤں کو نہیں لوٹا کرتے۔

جس وقت علاء الملک یہ بات کر رہا تھا میں تعظیم سے فارغ ہو کر ہاتھ باندھے نگاہیں جھکائے چپ چاپ کھڑا تھا۔ علاء الدین کچھ دیر خاموش رہا اور اس کے بعد اس نے ترکی زبان میں علاالملک سے کہا اس کا چہرہ بھی ایسا ہی ہے جیسا اس کا دل پاک بیان کیا گیا ہے مجھے حضرت سلطان المشائخ کی بات کا یقین ہے اس واسطے میں نے اس کو بے گناہ قرار دیا اس کو خلعت دو اور کوئی اچھی نوکری دو یہ جو دیوگڑھ جانے والا ہے اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اس کے ماں باپ کو دیوگڑھ سے دہلی بلا لو۔ اور کپڑے کے تاجروں کا بھی

Marfat.com

رہائی دے دو۔ وہ بھی بے گناہ ہیں اور جو ہند وملتان سے گرفتار ہو کر آئے ہیں ان کو بداؤں دروازے کے باہر جا کر ہاتھیوں کے آگے ڈال دو یہاں تک کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

علاء الملک کو خیال تھا کہ میں ترکی زبان نہیں جانتا اس واسطے اس نے فارسی زبان میں مجھے بادشاہ کے حکم کا ترجمہ سنایا اور پھر کہا کہ تعظیم ادا کر۔ میں پھر جھکا اور بادشاہ کے سامنے زمین پر سر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں غلام خلعت لائے اور مجھے وہ کپڑے وہیں بادشاہ کے سامنے پہنائے گئے اور ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی بھی مجھے دی گئی اور حکم ہوا کہ وزیر خطیر الدین سے کہا جائے کہ ہردوئی کے مناسب حال کوئی اچھی نوکری اس کو دے دے۔

میں نے پھر بادشاہ کی تعظیم ادا کی اور جب میں پچھلے قدم ہٹ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ملک کافور مسکرا رہا تھا اور جھک کر بادشاہ کے کان میں کچھ کہہ رہا ہے اور بادشاہ بھی اس کی بات سن کر ہنس رہا ہے۔

میں علاء الملک کے ساتھ باہر آیا تو علاء الملک نے مجھ سے کہا تم یہاں ٹھہرو۔ مجھے بادشاہ سے اپنے گستاخ نائب کی نسبت حکم لینا ہے۔ میں باہر ٹھیرا رہا۔ علاء الملک پھر بادشاہ کے پاس اندر گیا اور کچھ دیر کے بعد باہر آیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ میرے نائب کو بھی انہی ہندو جاسوسوں کے ساتھ بند کر دیا جائے کیونکہ شاہی حکم ہوا ہے کہ وہ بھی کل ان جاسوسوں کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔

اس کے بعد علاء الملک مجھے لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اطلاع کرائی۔ حضرت نے ہم دونوں کو اندر بلایا اور علاء الملک نے ساری کیفیت حضور سے عرض کی۔ حضور نے فرمایا علاء الملک تم ابھی سلطان کے پاس جاؤ اور اس سے کہو خدا تیری حفاظت کرے گا تو ہر شریر کی شرارت سے بچایا جائے گا۔ ہندو جاسوسوں کو بھی معافی دے اور علاء الملک کے نائب کو بھی معاف کر دے۔ کیونکہ ان کا انتقام قدرت خود ان سے لے گی یہ سب دہلی سے جلاوطن کر دیئے جائیں۔ ان کی جان نہ لی جائے۔ علاء الملک نے زمین چوم کر عرض کی ابھی حضور کا حکم بادشاہ تک پہنچا دیتا ہوں اور جیسا جواب ہوگا شام تک حاضر ہو کر پیش کر دوں گا۔

حضور نے فرمایا ہم جواب نہیں چاہتے، تم نے جو کچھ کہا ہے ایسا ہی ہوگا جاؤ اور عمل کرو۔

اس کے بعد مجھ سے فرمایا ہم نے تم کو دیوگڑھ جانے کی اجازت دی تھی مگر بادشاہ تم کو یہاں رکھنا چاہتا ہے۔ یہ تمہارے لیے بھی ٹھیک ہے اور بادشاہ کے لیے بھی۔ جاؤ تم محمد کے پاس ٹھیرو۔

سچی رفاقت

میں نے زمین چومی اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی بادشاہ نے مجھے یہ لباس دیا ہے اور اشرفیاں دی ہیں ان کی بابت مخدوم کا کیا حکم ہے؟ فرمایا جو جس کا حصہ ہے اسی کے پاس رہنا چاہیئے تم یہ اشرفیاں اپنے ماں باپ کو بھیج دو تاکہ وہ دیوگڑھ سے دہلی آ جائیں۔

اس کے بعد ہم دونوں باہر آئے۔ علاء الملک چلا گیا اور میں خواجہ سید محمد کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کسی نے کھانا نہ کھایا تھا۔ وہ سب میرے لیے ایسے فکر مند بیٹھے تھے گویا خود ان پر کوئی مصیبت آ گئی ہے جب میں نے ان سے ساری حقیقت کہی تو وہ سب خوش ہوئے میں نے خواجہ سید موسیٰ سے ہنس کر کہا تم نے نائب کو نوال کی تلوار چھین لی۔ اگر وہ وار کرتا تو اس وقت تم کہاں ہوتے؟ خواجہ موسیٰ نے ہنس کر کہا

Marfat.com

اپنے دادا حسین شہید کربلا کے پاس ہوتا۔

اس کے بعد میں نے مولانا احمد نیشاپوری اور خواجہ سید محمد کی ہمدردیوں کا شکریہ ادا کیا۔ ان دونوں نے کہا تم ہمارے بھائی ہو اور ہمارے مہمان ہو، ہمارے شکریہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ اٹھو کھانا کھاؤ کہ ہم سب تمھارے لیے بھوکے بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد سید محمد نے کہا اب تم دیوگڑھ نہیں جاؤ گے؟ میں نے کہا حضرت کا حکم بھی یہی ہے اور بادشاہ بھی یہی چاہتا ہے مگر میرا دل آج کی ان باتوں سے ڈر گیا ہے۔ میں حکم کی تعمیل میں یہاں رہوں گا مگر میرے دل میں یہاں رہنے کی وہ امنگ نہیں رہی جو پہلے تھی۔

ایک سال کے بعد

میرے والدین دیوگڑھ سے دہلی میں آگئے تھے اور وہ بھی حضرت کی خانقاہ کے قریب ایک مکان میں رہتے تھے اور ان دونوں نے بھی حضرت کی بیعت کا شرف حاصل کر لیا تھا اور میں بھی ان کے آجانے کے بعد انھی کے پاس رہنے لگا تھا۔ سلطان نے مجھے نوکری دینے کا جو خیال ظاہر کیا تھا وہ بھی ملک کافور کے جانے کے بعد پورا نہ ہوا تھا یعنی مجھے کوئی شاہی نوکری نہ ملی تھی اور میں روزانہ حضرت کی مجلسوں سے فیضیاب ہوتا رہتا تھا اور دکن سے خبریں آتی تھیں کہ میرا راجہ رام دیو مر گیا ہے اور اس کے بیٹے سنگل دیو سے ملک کافور کی سخت لڑائی ہوئی اور سارا ملک ملک کافور کے قبضے میں آگیا ہے اور اس کے بعد جنوبی ہند کے سب ملک ملک کافور نے فتح کر لیے اور اب وہ دہلی واپس آرہا ہے۔

خلجی کی موت

چند ہفتے کے بعد سلطان علاء الدین خلجی مر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ملک کافور نے زہر دے کر بادشاہ کو ختم کر دیا تھا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد ملک کافور نے اس کے سات سالہ چھوٹے بیٹے شہاب الدین عمر کو تخت پر بٹھا دیا اور خود اس کا نائب بن کر بادشاہی کے خواب دیکھنے لگا۔

ملک کافور نے تمام امرائے دربار کے سامنے سلطان علاء الدین خلجی کا ایک وصیت نامہ پیش کیا اور شہاب الدین عمر کو اس کی جگہ مقرر کیا۔

ملک کافور کا قتل

ملک کافور درحقیقت ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا تھا اور اس سات برس کے بچے کو شکار کی ٹٹی بنایا تھا۔ مگر اس کو شہاب الدین عمر کے بڑے بھائی قطب الدین مبارک خلجی نے قتل کرا دیا۔

قطب الدین خلجی کی بدچلنی

قطب الدین خلجی خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کے سر پر بہت خوب صورت لمبے بال تھے اور وہ امرد پرستی میں اپنے سب بڑوں سے بڑھا ہوا تھا۔ گجرات میں ایک قوم پروار نام کی آباد ہے۔ یہ بہت ادنی قسم کی ذات ہے ناچنا گانا ان کا پیشہ ہے۔ ان کی عورتیں بھی خوبصورت ہوتی ہیں اور مرد بھی۔ گجرات کی لڑائی میں پروار قوم کے لوگ گرفتار ہو کر دہلی میں آئے تھے ان میں ایک لڑکا بہت زیادہ خوبصورت تھا اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس کا نام خسرو خاں رکھا گیا تھا۔ قطب الدین خلجی کو اس سے بہت محبت ہو گئی اور اس نے اس کو رات دن اپنے پاس رکھنا شروع کیا اور اس کو دکن کی مہم پر بھی افسر بنا کر بھیجا۔ یہ بات مسلمان امیروں کو بہت ناگوار ہوئی مگر وہ بادشاہ کے حکم سے مجبور تھے۔

Marfat.com

حضرت سے عداوت قطب الدین خلجی کو میرے حضرت سلطان المشائخ رضؓ سے پرانی دشمنی تھی۔ کیونکہ اس کے دونوں بھائی خضر خاں اور شادی خاں حضرت کے مرید تھے اس واسطے وہ ڈرتا تھا کہ حضرت دربار کے امیروں اور فوج کے سرداروں کو اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ نہ کر دیں۔ اس لیے قطب الدین خلجی نے حضرت کو پیغام بھیجا کہ آپ دہلی سے کہیں چلے جائیے۔ یہاں آپ کا رہنا میری سلطنت کے واسطے خطرے کا باعث ہے۔ حضرت نے جواب دیا میں ایک گوشے میں رہتا ہوں۔ سلطنت کے کسی کام میں دخل نہیں دیتا۔ میری طرف سے تجھ کو مطمئن رہنا چاہیئے۔ مگر بادشاہ پر اس جواب کا اثر نہیں ہوا۔ اور وہ روزانہ دربار میں حضرت کے خلاف گستاخانہ باتیں کرنے لگا۔

بادشاہ کی بیماری یکایک بادشاہ بیمار ہو گیا۔ بدچلنی کے سبب اس کو کئی ایسی بیماریاں ہو گئی تھیں جن کو وہ ظاہر کرتا ہوا شرماتا تھا۔ ان بیماریوں کی وجہ سے اس کا پیشاب بند ہو گیا اور وہ تین دن تک پیشاب بند ہونے کے سبب ماہئی بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ بادشاہ کی ماں نے بیٹے سے کہا یہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی بد دعا کا اثر ہے تو ان سے معافی مانگ اور دعا کی درخواست کر۔ بادشاہ نے جواب دیا میں ان فقیروں کو نہیں مانتا۔ یہ سب دکاندار لوگ ہیں۔ میرے مرض کو ان کی بد دعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بادشاہ کی ماں یہ جواب سن کر خود حضرت کے پاس آئی۔ میں نے سنا ہے (کیونکہ میں اس وقت حضرت کی مجلس میں موجود نہیں تھا) کہ بادشاہ کی ماں نے حضرت سے بادشاہ کی صحت کے لیے دعا چاہی اور یہ بھی کہا کہ بادشاہ نادان نوجوان ہے اور حضرت سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ اس کی شوخیوں کا خیال نہ کیجیے اور خطا معاف کر دیجئے۔

حضرت رضؓ نے جواب دیا میں خطا کو جب معاف کروں گا کہ جو باعث اس خطا کے صادر ہونے کا ہے وہ بادشاہ کے پاس نہ رہے۔ بادشاہ کی ماں نے پوچھا اس کا مطلب میں نہیں سمجھی۔ حضرت نے فرمایا بادشاہ کو اس بات کا خطرہ ہے کہ میں اس کی بادشاہی کے خلاف بغاوت کرا دوں گا۔ اس لیے وہ مجھ سے بدگمانی کی خطا کر رہا ہے لہٰذا وہ اپنی بادشاہی مجھے دیدے جو اس کی خطاکاری کا باعث ہے۔

یہ ارشاد سن کر بادشاہ کی ماں اپنے بیٹے کے پاس گئی اور ساری حقیقت اس کو سنائی۔ بادشاہ نے کہا مجھے اس مرض میں ایسی تکلیف ہے کہ بادشاہی اس کے سامنے ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ تم پھر حضرت کے پاس جاؤ اور ان سے کہو میں نے اپنی بادشاہی آپ کو دی۔ آپ میری صحت کے لیے دعا کیجیے۔

بادشاہ کی ماں پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بادشاہ کی مذکورہ درخواست حضرتؓ کے سامنے پیش کی حضرت نے جواب دیا میں ان زبانی باتوں کو نہیں مانتا۔ بادشاہ اپنی بادشاہی مجھے دینے کا ایک فرمان لکھے اور اس پر اپنی مہر لگائے اور سب امیروں اور وزیروں کی تصدیق کرائے اور وہ فرمان میرے پاس بھیجے۔ تب میں اس کے لیے دعا کروں گا۔

بادشاہ کی ماں نے عرض کی حضور تو تارک دنیا ہیں۔ حضور کو بادشاہی کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا میں دنیا کا تارک بھی ہوں اور جو لوگ اس دنیا کا غلط استعمال کرتے ہیں ان سے ان کی غلطیوں کو ترک کرانے والا بھی ہوں۔ جاؤ جب تک میری یہ شرط

Marfat.com

پوری نہیں ہوگی، دعا نہیں کرونگا۔

مجبوراً بادشاہ کی ماں بیٹے کے پاس گئی اور سارا حال بیان کیا۔ بادشاہ پیشاب بند ہونے کی تکلیف سے جانکنی میں مبتلا تھا اس نے کہا ابھی امیروں اور وزیروں کو بلاؤ اور فرمان تیار کراؤ۔ چنانچہ اسی وقت فرمان تیار ہوگیا اور اس کی ماں وہ فرمان لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت نے اس فرمان کو دیکھا تو مسکرائے اور حکم دیا کہ فرمان واپس لے جاؤ اور بادشاہ سے کہو یہ فرمان اپنے امیروں کے سامنے چاک کردے۔ فوراً پیشاب آجائے گا۔

بادشاہ نے ایسا ہی کیا اس کو فوراً پیشاب آگیا۔ بادشاہ کی ماں نے کہا بیٹا! اب تو معلوم ہوگیا کہ حضرت سلطان المشائخ کتنے بڑے بزرگ ہیں اور بادشاہی سے کیسے بے پرواہ ہیں۔ ان کی خدمت میں جاؤ اور پچھلے گناہوں کی توبہ کرو اور صحت کا شکرانہ بھی ان کی خدمت میں پیش کرو۔ بادشاہ ہنسا اور اس نے کہا اماں تم عورت ہو اور بادشاہی کی باتوں کو سمجھ نہیں سکتیں جس شخص نے مجھ سے یہ فرمان لکھوایا تھا اس شخص کو میں خوب جانتا ہوں کہ وہ پکا دکاندار ہے اور میں نے بھی اپنی بادشاہی حکمت سے ایسا فرمان اس کو بھیجا تھا کہ وہ اس کے کام نہ آسکتا تھا۔ حالانکہ ظاہر میں وہ بالکل مکمل تھا۔ میں مانتا ہوں کہ مجھے پیشاب آگیا۔ لیکن اس میں حضرت کی دعا کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ دواؤں کی تاثیر سے مجھے پیشاب آیا ہے۔

بادشاہ کی ماں نے کہا بیٹا خلجی خاندان کی بس تو ہی ایک نشانی باقی ہے۔ سب بھائیوں کو تو نے مار ڈالا۔ دیکھ تیرا باپ حضرت کا کتنا معتقد تھا اور تیرے بھائی بھی حضرت کے مرید تھے اور تو یہ بھی دیکھ کہ فوج کے اور دربار کے اکثر افسر حضرت کے مرید اور معتقد ہیں۔ تیری ان بے ادبیوں اور گستاخیوں سے وہ سب تیرے دشمن ہوجائیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنی تلوار کے قبضے پر اپنا ہاتھ رکھا اور ماں سے کہا میرا بھروسہ اس تلوار پر ہے اور اپنے بازو کی قوت پر ہے۔ میں نے اپنی حکومت کے راستے اسی تلوار سے صاف کیے ہیں اور اب یہ ایک کانٹا باقی رہ گیا ہے اس کو بھی میری تلوار بہت جلد صاف کردے گی۔

بادشاہ کی ماں بیٹے کی باتیں سنکر بہت مغموم ہوئی اور آخر زنانے مکان میں چلی گئی۔

خفیہ مشورہ

بادشاہ نے اپنے مشیر بر صلاح کاروں کو خلوت میں بلا کر دریافت کیا کہ اس خطرناک درویش کا کیا انتظام کیا جائے؟ انھوں نے جواب دیا یہ چشتی ہیں اور ملتان کے مشائخ سہروردی ہیں اور ان دونوں کی آپس میں رقابت ہے۔ لہذا سلطان ملتان سے حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین کو دہلی میں بلالیں جب وہ آئیں گے تو امرا اور فوج کے افسران کی طرف متوجہ ہوجائیں گے اور ان دونوں میں باہمی رقابت سے دشمنی پیدا ہوگی اور اس سے دونوں کا زور ٹوٹ جائے گا۔

بادشاہ نے یہ رائے پسند کی اور حضرت شیخ رکن الدین سہروردی کو ملتان سے بلایا۔

شیخ رکن الدین کی آمد

جب دہلی میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی دہلی کے قریب پہنچ گئے ہیں تو بادشاہ نے حکم دیا کہ سب امیر اور وزیر اور شہر کے مشائخ اور علماء شیخ کے استقبال کے لیے شہر کے باہر جائیں میں بھی کل صبح استقبال کے لیے جاؤں گا چنانچہ سب لوگ دوسرے دن صبح شہر کے دروازے کے باہر جمع ہوئے۔ میں بھی اپنے باپ کے

Marfat.com

ساتھ وہاں گیا۔ بادشاہ گھوڑے پرسوار کھڑا تھا۔ اور سب لوگ پیدل تھے۔ یکایک سامنے سے کچھ گھوڑے آتے دکھائی دیئے ان آگے آگے ایک بزرگ درویش گھوڑے پرسوار آرہے تھے۔ میں نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کیونکہ میں ان سے ملتان میں مل چکا بادشاہ اپنے گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر ان کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ حضرت شیخ نے بھی گھوڑے سے اترنا چاہا۔ مگر بادشاہ ان کی رکاب تھام کر کہا آپ کو میرے سر کی قسم آپ سوار رہیں اور یہ فرمائیں کہ اس شہر دہلی میں سب سے پہلے آپ سے کون ملا؟ شیخ نے جواب دیا جو اس شہر میں سب سے اچھا آدمی ہے وہ مجھ سے سب سے پہلے ملا ہے۔ میں اس وقت بہت قریب چلا گیا تھا او ان دونوں کی باتیں اچھی طرح سن سکتا تھا۔ بادشاہ نے کہا حضرت ذرا بلند آواز سے اس شخص کا نام فرما دیجئے جو سب سے پہلے دہلی آپ سے ملا۔ کیونکہ بادشاہ کو خیال تھا کہ سب سے پہلے وہ خود حضرت سے ملا ہے۔ پس حضرت کا یہ فرمانا کہ مجھ سے سب سے پہلے جو دہلی کا سب سے اچھا آدمی ہے۔ میری سلطنت کے لیے بہت مفید ہوگا۔

حضرت شیخ نے بلند آواز سے فرمایا اے لوگو! اس دہلی شہر میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو یہاں اس وقت موجود نہیں ہے اور اس کو سارا ہندوستان سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے نام سے یاد کرتا ہے۔

حضرت کا یہ فقرہ سنکر ہجوم میں اظہار ادب و خوشنودی کی ایک گرج سی پیدا ہوئی اور بادشاہ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور نے بگڑ کر حضرت شیخ سے کہا آپ تو یہ کہتے تھے کہ وہ سب سے پہلے آپ سے ملا وہ سب سے اچھا آدمی ہے۔ اور اب آپ یہ کہتے ہیں جو یہاں موجود نہیں ہے وہ سب سے اچھا آدمی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

حضرت شیخ نے جواب دیا حضرت سلطان المشائخ دہلی سے ایک منزل دور میرے استقبال کے لیے گئے تھے اور وہ پہلے مجھ سے ملے تھے۔ اس واسطے میں نے کہا کہ وہی دہلی کے سب سے زیادہ اچھے آدمی ہیں۔

بادشاہ کا خط کئی ہفتے سے دہلی میں چرچا تھا کہ جب سے سلطان قطب الدین خلجی شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہوا ہے میرے حضرت کے خلاف روزانہ مشورے کرتا رہتا ہے کہ حضرت کو دہلی سے جلاوطن کر دیا جائے۔ آج میں حضرت کی مجلس میں حاضر تھا کہ سلطان کا ایک قاصد شاہی خط لے کر آیا اور اس نے نہایت گستاخانہ انداز سے مجلس کے بیچ میں کھڑے ہو کر کہا تم میں شیخ نظام الدین بدایونی کون ہے۔ سلطان کا یہ فرمان اسی کے نام ہے۔ حضرت نے اس شخص کو کچھ جواب نہ دیا۔ مگر خواجہ سید امام جو حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کھڑے ہو گئے اور انھوں نے آگے بڑھ کر کہا جو خط تو لایا ہے وہ مجھے دے دے حضرت یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ اس شخص نے وہ خط خواجہ سید محمد کو دے دیا۔ انھوں نے اس خط کو پہلے خود پڑھا اور اس کے بعد حضرت کے سامنے جھک کر زمین چومی اور پھر کھڑے ہو کر وہ خط سنایا۔ لکھا تھا:۔

"سلطان کو معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین بدایونی کے اصطبل میں گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ تارک دنیا ہونے کا دعوے کرتے تھے۔ لہذا یا تو وہ اس کا معقول جواب دیں ورنہ اپنے اس دنیا داری کے دفتر کو لے کر دہلی

Marfat.com

سے کہیں چلے جائیں۔

یہ خط سننے کے بعد حضرت نے میری طرف دیکھا اور فرمایا قلم دوات لاؤ۔ میں فوراً دوڑا ہوا گیا اور خواجہ سید امام کے گھر سے قلم دوات لایا۔ اس بعد حضرت نے خواجہ سید محمد امام سے فرمایا اس خط کی پیشانی پر لکھ دو۔

کجا انداختم در دِل مگر انداختم در گل

ترجمہ: میں نے اپنے دل میں سونے کی میخ نہیں گاڑی بلکہ مٹی میں گاڑی ہے۔

اور یہ لکھ کر خط قاصد کو دے دیا کہ جہاں سے لایا ہے وہاں لے جائے۔ خواجہ سید محمد امام نے یہ فقرہ خط پر لکھ دیا اور قاصد کو واپس دے دیا اور وہ چلا گیا۔ کچھ دیر حضرت خاموش رہے اور اہل مجلس پر بھی پریشانی طاری رہی کہ دیکھئے اب بادشاہ کی طرف سے کیا سختی پیش آتی ہے یکایک حضرت کی زبان پر یہ فقرہ آیا مگر انداختم در گل جس کو حضرت نے تین بار تکرار کے ساتھ فرمایا۔

روحانیت کا تاجدار اور دنیا کا بادشاہ

شیخ ضیاء الدین رومی کا دفعتہً انتقال ہوگیا تیسرے دن ان کی خانقاہ میں ان کے سوئم کی نیاز تھی۔ میرے حضرت بھی اپنے سب حلقہ بگوشوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ آج سلطان قطب الدین خلجی بھی آیا تھا۔ خانقاہ امرا اور علما اور مشائخ اور عوام سے بھری ہوئی تھی۔ بادشاہ ایک جگہ بیٹھا ہوا قرآن مجید پڑھ رہا تھا اور سب لوگ بھی قرآن خوانی کر رہے تھے۔ جونہی میرے حضرت خانقاہ کے اندر داخل ہوئے مجلس کے سب چھوٹے بڑے جو قرآن خوانی میں مشغول نہ تھے اُٹھ اُٹھ کر دوڑے اور میرے حضرت کے قدموں پر سر رکھنے لگے۔ سلطان کن انکھیوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ سارا شہر حضرت کا گرویدہ ہو رہا ہے اور بادشاہ کی موجودگی کا دباؤ بھی کسی پر نہیں ہے۔ حالانکہ جہاں بادشاہ موجود ہوتا ہے کوئی شخص سر اُٹھا کر بادشاہ کو دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی سارے شہر میں مشہور ہو چکی تھی کہ بادشاہ کو سلطان المشائخ سے بے اعتقادی ہے اور وہ حضرت کے خلاف کھلم کھلا سرِ دربار گستاخانہ الفاظ کہتا رہتا ہے۔ پھر بھی حاضرین خانقاہ نے سلطان سے بے خوف ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے حضرت کے قدموں میں سر رکھے۔

حضرت مجلس میں جا کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور ہم سب بھی حضرت کے سامنے بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا سلطان نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کسی بڑے امیر سے کچھ کہا کہ امیر اٹھ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور دست بستہ ادب سے یہ عرض کی کہ حضرت سلطان یہاں مجلس میں تشریف رکھتے ہیں اگر آپ ان کو سلام کرنا چاہیں تو آپ کو ان کے پاس لے چلوں۔ میرے حضرت نے نہایت وقار کے ساتھ جواب دیا وہ اس وقت تلاوت قرآنی میں مصروف ہیں ایسی حالت میں کسی شخص کو بھی ان سے ملنا جائز نہیں وہ امیر یہ سُن کر واپس چلا گیا اور میں نے دیکھا اس نے آہستگی سے کوئی بات بادشاہ سے کی۔

قرآن خوانی کے بعد شیخ رومی کی نیاز ہوئی اور سلطان حضرت کو کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا خانقاہ سے رخصت ہوا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت بھی تشریف لے آئے۔

بادشاہ کا قتل

چند روز کے بعد حضرت کی مجلس میں حاضر تھا کہ چند امرا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے حضرت سے عرض کی

Marfat.com

کہ سلطان نے کہا ہے کہ چاندرات کو دہلی کے سب مشائخ مجھے سلام کرنے اور نئے چاند کی دعا دینے دربار میں آتے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے کہ حضرت کبھی نہیں آتے۔ اس سے بادشاہ کی توہین ہوتی ہے۔ لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ اس چاند رات کو حضرت بھی نئے چاند کا سلام کرنے اور دعا دینے کے لیے دربار میں آئیں۔ حضرت نے جواب دیا۔ اس سے پہلے نہ میرے بزرگ کبھی کسی بادشاہ کو دعا دینے گئے ہیں نہ میں نے کبھی ایسا کیا اس واسطے میں حکم کی تعمیل سے انکار کرتا ہوں۔

شام کے وقت میں مجلس میں حاضر تھا کہ اقبال نے حاضر ہو کر عرض کی پالکی تیار ہے۔ حضرت نے فرمایا لے جاؤ۔ اس کو واپس لے اقبال نے کہا ہم سب کی جانوں پر رحم کیجیے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ اگر وہ خوشی سے نہ آئیں تو تلوار کے زور سے بلاؤ۔ آپ کے سینکڑوں غلام خانقاہ کے باہر ہتھیار لیے جمع ہوئے ہیں اگر سلطان کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی تو وہ اپنے سر قربان کر دیں۔ حضرت نے فرمایا ان سب کو کہہ دو کہ وہ اپنے گھروں کو چلے جائیں میرا بچانے والا ہر وقت میرے ساتھ ہے۔

میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ وہ گجراتی لڑکا ہندو حکومت قائم کرنے کی فکر میں ہے اور چونکہ وہ حضرت کا دشمن ہے اور سلطان پر اس کا اثر زیادہ ہے اس لیے یہ ساری شرارتیں اس ہندو بچے کی ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب تک حضور دہلی میں ہیں وہ ہندو حکومت قائم نہیں کر سکتا۔

حضرت نے تبسم کے بعد فرمایا، مگر ہر دیو تم بھی تو ہندو ہو، کیا تم علاؤالدین خلجی کے خلاف نہیں تھے؟ کیا اس کے بیٹے موجودہ سلطان قطب الدین خلجی نے تمہارا ملک فتح نہیں کر لیا؟ کیا تمہارے دل میں انتقام کا جذبہ نہیں ہے؟ میں نے عرض کی کہ یہ سب کچھ ہے مگر میں حضور کا غلام ہوں اور میں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا ہے اور خسرو خاں نے محض بناوٹی اسلام قبول کیا ہے۔ اس نے بارہا مجھ سے کہا ہے کہ یہ مسلمان باہر سے اس ملک میں آئے ہیں اور ہم ہندوؤں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ میں تجھ کو دکھاؤں گا کہ کیسی سزا ان مسلمانوں کو دی جائے گی۔ تو میں نے اس کو کہا کہ تو سب ہندوؤں کو مصیبت میں نہ ڈال۔

جب میں یہ عرض کر چکا تو حضرت نے یہ شعر پڑھا ؎

اے رُوبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
با شیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

ہم اپنے مقام پر چلے گئے اور جا کر سو گئے۔ صبح کو خبر سنی کہ آدھی رات کے وقت سلطان قطب الدین خلجی کو محل ہزار ستون کی چھت پر ہندو بچے خسرو خاں نے مار ڈالا۔

اس کے بعد شاہی خزانوں کی کنجیاں قبضے میں کیں اور دربار کے مکان میں یہ سب جمع ہوئے اور راتوں رات ہندو فوج کو بھیج کر سب امیروں کو جبراً وہاں بلایا اور سلطان قطب الدین خلجی کے تخت پر خسرو خاں بیٹھ گیا اور اعلان کیا کہ میں دینِ محمدؐ کا ناصر اور مددگار ہوں اور میرا نام ناصر الدین محمد ہے جو میری اطاعت کرے گا اپنے عہدے پر بحال رہے گا جو سرکشی کرے اس کو قتل کیا جائے گا سب امیروں نے اسی وقت اطاعت کا اقرار کیا اور نذریں دیں اور صبح ہونے ہی پہلی بادشاہی بدل گئی اور ہندوؤں کی حکومت

Marfat.com

ختم ہوگئی۔ کیونکہ خسرو خاں نے جو کچھ کہا تھا وہ سب فریب تھا۔

صبح ہوتے ہی ہندو فوج کی بھرتی کا حکم دیا گیا۔ مسجدیں جلا دی گئیں۔ قرآن مجید پھاڑ ڈالے گئے اور سب امیروں پر پہرے بٹھا دیئے گئے اور جتنے بڑے عہدے تھے وہ سب ہندوؤں کو دے دیئے گئے۔

میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اب میری اور میرے ماں باپ کی خیر نہیں ہے کیونکہ خسرو خاں جانتا ہے کہ میں حضرت کا مرید ہوں اور یہاں ٹھیرا ہوا ہوں اور چونکہ وہ بادشاہ ہوگیا ہے تو معلوم نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کریگا۔ میں نے اپنے باپ سے رائے لی کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اس نے جواب دیا حضرت اجازت دیں تو ہم کو فوراً دہلی سے دیوگڑھ کی طرف چلا جانا چاہیئے۔ چنانچہ میں حضرت سے اجازت لینے گیا حضور نے فرمایا تمھارے باپ کی رائے ٹھیک ہے تم ابھی چلے جاؤ۔ چنانچہ ہم تینوں اسی شام کو دہلی سے دیوگڈھ کی طرف روانہ ہوگئے۔

غازی ملک کا حملہ

ملتان اور دیپال پور کا حاکم غازی ملک نام کا ایک بڑا بہادر مسلمان تھا۔ یہ تغلق قوم سے تھا اور اس کا باپ تاتاری تھا اور ماں ہندو تھی اور ہندوستان میں اس کی بہادری کی بہت دھوم تھی۔ اسی واسطے علاؤ الدین خلجی نے اس کو ہندوستان کی سرحد کا گورنر بنایا تھا اور ہندوستان کی سرحد اس زمانے میں ملتان اور دیپال پور میں تھی۔

خسرو خاں نے تمام ہندوستان کے گورنروں کو تخت نشین ہونے کے بعد خلعت بھیجے تھے اور غازی ملک کو بھی ایک بڑا خلعت بھیجا تھا اور سب امیروں نے وہ خلعت قبول کرلیے مگر غازی ملک نے خسرو خاں کے خلعت کو قبول نہیں کیا۔ مگر اس کو اپنے بیٹے ملک جونا کا فکر تھا کہ وہ کسی طرح خسرو خاں کی قید سے نکل آئے۔ تب حملہ کروں۔ چنانچہ غازی ملک نے اپنے بیٹے ملک جونا کو خفیہ پیغام بھیجا کہ میں سرسہ پر اپنی فوج بھیج دیتا ہوں تو کسی طرح بھاگ کر سرسہ تک آجا۔ چنانچہ وہ موقع پاکر بھاگ کھڑا ہوا۔

جب ملک جونا اپنے باپ غازی ملک کے پاس پہنچ گیا تو غازی ملک نے سندھ کے حاکم کشلو خاں اور اطراف کی مسلمان فوجوں کو جمع کر کے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ خسرو خاں نے بادشاہ کی زندگی ہی میں چالیس ہزار گجراتی ہندو دہلی میں بلا لیے تھے اور بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد جب وہ تخت نشین ہوگیا تو اس نے راجپوتوں اور دوسری جنگجو ہندو قوموں سے دو لاکھ سپاہی اور بھرتی کرلیے تھے۔ جب اس نے سنا کہ غازی ملک نے دہلی کی طرف کوچ کیا ہے تو اس نے بھی اپنے بھائی اور اپنے سپہ سالار جاہر کو ہندوؤں کی ایک جرّار فوج کے ساتھ آگے بھیجا تاکہ غازی ملک کو اور اس کی فوج کو دہلی تک آنے سے روکا جائے۔ یہ مقابلہ سرسہ کے میدان میں ہوا۔ ہندو فوج بہت زیادہ تھی اور غازی ملک کی فوج کم تھی۔ پھر بھی وہ سب تجربہ کار اور جنگجو سپاہی تھے۔ جاہریا نے شکست کھائی اور فوج کو لے کر دہلی کی طرف بھاگا۔

جب جاہریا خان خاناں شکست کھا کر دہلی میں آیا تو اس نے حوض خاص کے غرب میں مورچے بنائے اور چاروں طرف کے ہندو راجاؤں کے پاس سانڈنی سوار بھیجے کہ میری مدد کے لیے آؤ۔ چنانچہ اس کثرت سے ہندو راجاؤں کی فوجیں آئیں کہ دہلی شہر اور اس کے اطراف میں چلنے پھرنے کی جگہ بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اور غلہ بہت مہنگا ہوگیا۔ یہاں تک کہ پینے کا پانی بھی شہریوں کو بہت مشکل سے ملتا تھا۔

جب غازی ملک کی فوجیں ہندو مورچوں کے سامنے آئیں تو مسلمان ہندوؤں کی یہ کثرت دیکھ کر گھبرا گئے اور ان میں بڑی بے دلی

Marfat.com

پیدا ہو گئی۔ مگر شہر کے اندر جو مسلمان سردار خسرو خاں کی نظر بندی میں تھے۔ انھوں نے غازی ملک کو پیغام بھیجے کہ تم ڈرو نہیں۔ حملہ شروع کرو۔ شہر کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ہندوؤں پر پیچھے سے حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مگر لڑائی ایسی سخت ہوئی کہ ہر گھڑی یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اب مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی۔ خسرو خاں خود گھوڑے پر سوار بہادری کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا۔ اور اس کے سر پر شاہی چتر کا سایہ تھا جس سے ہندو فوجوں کی ہمت بڑھی ہوئی تھی۔ غازی ملک اور اس کے بیٹے ملک جونا اور کشلو خاں حاکم سندھ اور دوسرے مسلمان سرداروں نے کفن اپنے سر سے باندھ لیے تھے اور ایسی بہادری سے لڑ رہے تھے کہ ہندوؤں کی ہمت پست ہوئی جاتی تھی۔ یکایک ہندو فوج کے پاؤں اکھڑے اور اس نے بھاگنا شروع کیا۔ جاہریا اور چیخ چیخ کر ہندوؤں کو روکتے تھے۔ مگر وہ سب سر پر پاؤں رکھے بے تحاشا بھاگے چلے جاتے تھے۔ آخر مجبور ہو کر خسرو خاں اور جاہریا کہیں بھاگ گئے۔ میدان میں چاروں طرف ہزار ہا لاشیں پڑی تھیں۔ مسلمانوں کے گھوڑے ان لاشوں کو روندتے ہوئے دہلی میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ غازی ملک اور اس کا بیٹا جونا اور کشلو خاں سیدھے محل ہزار ستون میں آئے۔ غازی ملک بسم اللہ پڑھ کر خلجیوں کے تخت پر بیٹھ گیا اور اپنا نام غیاث الدین تغلق رکھا اور اپنے بیٹے ملک جونا خاں کو الغ خاں کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد قرار دیا اور یہی ملک جونا غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی نے خسرو خاں کو ڈھونڈ نکالا۔

خسرو خاں نے دیکھا کل جس تخت پر میں بیٹھا تھا آج اس پر غازی ملک بیٹھا ہے اور امراء اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ خسرو خاں نے تغلق سے کہا غازی ملک تو آج ہندوستان کا شہنشاہ ہے اور کل میں بھی ہندوستان کا شہنشاہ تھا پس میرے ساتھ وہ سلوک کر جو بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ تغلق نے جواب دیا بسر و چشم میں وہی سلوک کروں گا جو تجھ جیسے بادشاہ قطب الدین خلجی جیسے محبت کرنے والے بادشاہوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اس کے بعد خسرو اور اس کے بھائی جاہریا کو ہزار ستون محل کی چھت پر لے گئے۔ ملک جونا نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم نے کس جگہ بادشاہ کو قتل کیا تھا۔ ان دونوں نے ڈرتے ڈرتے وہ جگہ بتائی اور ملک جونا کو دکھائی۔ اس کے بعد ملک جونا نے حکم دیا ایک ہی دار میں ان دونوں کے سر کاٹ ڈالو۔ یہ سنتے ہی سپاہیوں نے دو تلواریں ان کی گردنوں پر ماریں اور ان دونوں کے سر کٹ کر نیچے گر پڑے اور اس کے بعد ان کی لاشوں کو اور سروں کو چھت سے نیچے پھینک دیا گیا۔

ہردلو کی واپسی جب میں دہلی سے اپنے ماں باپ کے ساتھ روانہ ہوا تو ہر وقت اور ہر جگہ یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ خسرو خاں کے آدمی میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب وہم ثابت ہوا۔ کسی نے ہمارا پیچھا نہیں کیا۔ علاء الدین نے دہلی سے دیوگڑھ تک کا راستہ بہت اچھا بنا دیا تھا۔ جگہ جگہ سرائیں بن گئی ہیں اور راستے کے دونوں طرف ہرے بھرے درخت کھڑے ہیں۔ مجھے راستے میں ہندو مسافر دہلی آتے جاتے ہوئے بہت ملتے تھے اور وہ سب خسرو خاں کی بادشاہی کا حال پوچھتے تھے۔ وہ سب خوش نظر آتے تھے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی ہے۔ مگر مجھے راستے میں مسلمان آتے ہوئے بہت کم ملے اور جو مسلمان ملتے بھی تھے تو وہ خاموش اور فکر مند معلوم ہوتے تھے۔ میرا لباس

Marfat.com

صورت شکل دیکھ کر مسلمان بات نہ کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ میں خسرو خاں کا آدمی ہوں اور میں بھی ان سے ڈرتا تھا کہ کہیں یہ خسرو خاں کے طرف دار نہ ہوں۔ اسی طرح اپنے ملک میں پہنچا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ سلطان قطب الدین خلجی کے آخری حملے نے میرے ملک کو ویران کر دیا ہے۔ وہاں اب بھی سلطان کی طرف سے ایک حاکم مقرر ہے۔ مگر دہلی کے انقلاب کی خبریں یہاں بھی پہنچ گئی ہیں جس کی نسبت بعض مسلمان یہ کہتے ہیں کہ خسرو خاں مسلمان ہو گیا ہے اور اس کی حکومت بھی اسلامی حکومت ہے اور بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ خسرو جھوٹ موٹ مسلمان ہوا ہے اور اس کی حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گی۔ البتہ مجھے ہندو جتنے ملے وہ سب اتنے زیادہ سوالات دہلی کی نسبت مجھ سے کرتے تھے کہ میں جواب دیتے دیتے پریشان ہو جاتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اس پر یقین رکھتا تھا کہ تمام ہندوستان کے ہندو خسرو خاں کو مدد دیں گے۔

میں اپنے ماں باپ کے ساتھ کچھ دن دیوگڑھ میں رہا۔ ہماری جاگیر خالصہ ہو چکی تھی۔ یعنی شاہی قبضے میں آ چکی تھی۔ اس واسطے ہم جب تک دیوگڑھ میں رہے بہت مغموم رہے۔

انقلاب کی خبر

یکایک دہلی سے آنے والے مسافروں کے ذریعے یہ خبر پہنچی کہ دہلی میں انقلاب ہو گیا ہے اور خسرو خاں اور جاہریا قتل ہو گئے ہیں اور دیو پال پور (دیپالپور) اور ملتان کا حاکم غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے دہلی کا بادشاہ بن گیا ہے۔ میں نے اس شخص کو ملتان کے سفر میں دیکھا تھا۔ وہاں کے مسلمان اس کی بہت تعریف کرتے تھے۔ یہ تاتاری نسل سے ہے مگر اس کی ماں ہندو ہے اور اس کی بیوی یعنی اس کے ولی عہد ملک جونا کی ماں بھی ہندو ہے اس واسطے یہ دونوں ہندوؤں کے ہمدرد ہیں۔ غازی ملک کی ناموری اور مسلمانوں میں مقبولیت محض اس وجہ سے ہے کہ یہ شخص تاتاری مغلوں سے لڑنا خوب جانتا ہے اور لاکھوں مغلوں کو شکستیں دے چکا ہے۔ یہ بہت پکا مسلمان ہے۔ نماز روزے کا بہت پابند ہے اگرچہ اس کو ملتان کے سہروردی مشائخ سے بھی عقیدت ہے اور اس نے اپنا مقبرہ بھی حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح کے مزار کے قریب بنوایا ہے لیکن اس کے آس پاس مولوی زیادہ رہتے ہیں جنھوں نے اس کو کٹر مسلمان بنا دیا ہے۔

جب میرے ماں باپ نے دہلی کے انقلاب کی خبر سنی تو انھوں نے کہا اب ہم کو پھر دہلی چلنا چاہیے۔ یہاں جاگیر نہیں رہی۔ گھر بار لٹ گیا تو رہنا بے کار ہے۔ میں نے بھی یہ خیال کیا کہ دہلی جا کر بادشاہ کے ہاں اپنی جاگیر کی بحالی کے لیے کوشش کی جائے تو ممکن ہے اس میں کامیابی ہو۔ اس لیے ہم سب دیوگڑھ سے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ہم آئے تھے تو ہندو دہلی کی طرف جا رہے تھے اور جب ہم دہلی کی طرف چلے تو ہندو دہلی کی طرف سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں جب ہم سراؤں میں ٹھیرتے تھے تو وہاں ہم کو دہلی سے آتے ہوئے ہندو مسافروں سے خسرو خاں اور غازی ملک کی لڑائی کے تفصیلی حالات معلوم ہوتے تھے۔ ہندو مسافر کہتے تھے خسرو خاں نے غازی ملک کو شکست دے دی تھی لیکن دہلی شہر کے رہنے والے مسلمانوں نے خسرو خاں کی فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا اس سے شکست ہوئی۔ ورنہ غازی ملک کو کبھی کامیابی نہ ہوتی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ غازی ملک نے اپنا نام سلطان غیاث الدین تغلق رکھا ہے اور اس نے خسرو خاں اور اس کے بھائی جاہریا کی لاشوں کے ساتھ برا برتاؤ نہیں کیا اور ہندوؤں پر بھی کوئی سختی نہیں کی۔ سوائے خاص خاص آدمیوں کے جو قطب الدین

Marfat.com

غلجی کے قتل میں خسرو خاں کے شریک تھے اور کسی ہندو کو سزا نہیں دی۔ یعنی جن ہندوؤں نے غازی ملک کے لڑائی کے وقت خسرو خاں کا ساتھ دیا تھا وہ قید ہو کر سلطان کے سامنے آئے تو اس نے ان کو چھوڑ دیا اور کہا یہ نوکری پیشہ لوگ ہیں۔ ان کا قصور ایسا ہے جو سزا کے قابل سمجھا جائے اس واسطے تغلق کی حکومت سے ہندو بھی خوش ہیں اور مسلمان بھی خوش ہیں۔ ہندوؤں نے یہ بھی کہا کہ تغلق کی ماں بھی ہندو ہے اور بیوی بھی ہندو ہے۔ اس واسطے اس کی حکومت ہندوؤں کے لیے بُری نہیں ہوگی۔

دھلی پہنچ گئے اسی طرح منزل بہ منزل راستہ طے کرتے ہوئے ہم سب دہلی پہنچے اور سیدھے غیاث پور میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، شام ہوگئی تھی اور حضرت افطار کے لیے بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ خواجہ اقبال نے ہماری خبر حضرت سے جا کر عرض کی ارشاد ہوا ان کے رہنے کے لیے خانقاہ میں الگ ایک مکان دے دو۔ کیونکہ ہردیو کی ماں بھی ان کے ساتھ ہے اور خواجہ محمد سے کہو کہ ان کے آرام کا انتظام خود جا کر دیکھیں۔ چنانچہ ہم کو ایک اچھی جگہ مل گئی اور ہم نے رات آرام سے گذاری اور رات کو خواجہ سید محمد امام نے ہم کو وہ سب حالات سنائے جو ہمارے جانے سے لے کر اب تک پیش آئے تھے۔

دوسرا دن صبح حضرت نے مجلس میں تشریف لانے سے پہلے مجھ کو اور میرے والد کو خلوت میں طلب فرمایا۔ ہم دونوں سامنے ہو کر ادب سے اپنے سر زمین پر رکھے۔ حضرت نے فرمایا ہردیو تمھارا آنا مبارک ہو۔ ہم تم کو بھولے نہیں تھے۔ یہ بتاؤ وضو کی پابندی کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی سفر کی سختیوں میں یہ پابندی نہیں ہو سکی۔ یہ سُن کر حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور انھوں نے فرمایا ہم جب پیدا ہوتے تو دنیا کا ایک کٹھن سفر شروع ہو جاتا ہے اور اس سفر کی آسانی اسی بات سے ہوتی ہے کہ ہم اپنے خالق اور اپنے معبود کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں۔

احمد ایاز نام اس کے بعد حضرت رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا سلطان محمود غزنوی کا ایک بہت مقبول غلام تھا جس کو ایاز کہتے تھے اور چونکہ تم بھی حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آگئے ہو اور آنحضرت کا ایک نام احمدؐ بھی تھا اس واسطے میں تمہارا نام احمد ایاز تجویز کرتا ہوں۔ اپنی توجہ لفظ احمدؐ کی طرف ہمیشہ یکسو رکھو جب نماز میں کھڑے ہو تو یہ خیال کرو کہ تم احمد کے الف ہو۔ رکوع میں جاؤ تو یہ سمجھو کہ احمدؐ کی ح ہو اور سجدے میں جاؤ تو یہ تصور کرو کہ تم احمد ایاز ہو یعنی احمد کے غلام ہو۔

یہ تلقین سُن کر میں کھڑا ہوا اور میں نے جھک کر اپنا سر زمین پر رکھا اور عرض کی کہ آج حضور نے مجھے بے زر خرید لیا۔ امیر خسروؒ نے کہا ہے غلام سونے چاندی سے خرید لیے جاتے ہیں لیکن میں ایسا غلام ہوں کہ بغیر سیم و زر کے حضور نے مجھے خرید لیا ہے۔ اس کے بعد میرے باپ نے حضرت کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھ کر عرض کی حضرت نے میرے بیٹے کو اپنا بنا کر مجھ کو دونوں جہان کی نعمت دے دی۔

اس کے بعد ہم دونوں آپ سے رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ پر آگئے۔

بادشاہ کا حکم دو تین دن کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کا حکم حضرت کے پاس آیا کہ آپ چونکہ گانا سنتے ہیں اور گانا

Marfat.com

شریعت میں حرام ہے اس واسطے آپ میرے دربار میں آئیے اور میرے مفتی اعظم سے شہر کے سب علماء کے سامنے اور میری موجودگی میں بحث کیجیے۔ اگر آپ نے گانے کا جواز ثابت کر دیا تو ہم سب بھی گانا سننا شروع کر دیں گے ورنہ آپ کو اس گناہ سے توبہ کرنی ہوگی۔

حضرت کا جواب میرے حضرت نے اس حکم جواب میں بادشاہ کو تحریر بھیجی کہ میری اور میرے بزرگوں کی عادت یہ رہی ہے کہ ہم کبھی کسی بادشاہ کے پاس نہیں گئے نہ بادشاہوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن یہ دربار چونکہ شریعت کا دربار ہے اس واسطے میں اکیلا اس دربار میں آؤں گا۔ اس شرط کے ساتھ کہ اگر بادشاہ وہاں ہو تو وہ اہل علم سے اونچی جگہ نہ بیٹھے۔ سب لوگ زمین کے فرش پر مساوی حالت میں نشست کریں۔

اس تحریر کا جواب بادشاہ نے بھیجا کہ مجھے یہ شرط منظور ہے اور میں آپ سب کے ساتھ خاک کے فرش پر بیٹھوں گا چنانچہ دوسرے دن حضرت گھوڑی پر سوار ہو کر تغلق آباد تشریف لے گئے۔ جہاں بادشاہ نے نیا شہر بنانا شروع کیا ہے۔ حضرت نے حکم دیا تھا کہ آدمی میرے ساتھ اس دربار میں نہ جائے ورنہ یہ کہا جائے گا کہ نظام الدین مریدوں کے ہجوم کے ساتھ یہاں آیا اور اس نے مفتی اعظم کو مرعوب کر دیا۔ ہم سب غلاموں نے ہر چند التجائیں کیں کہ ہم سب مجلس سے باہر رہیں گے۔ ہم کو وہاں جانے کی اجازت دی جائے۔ مگر حضرت نے ان التجاؤں کو قبول نہ فرمایا۔

شریعت کا دربار شاہی محل کے سامنے زمین پر فرش بچھایا گیا۔ صدر میں بادشاہ اپنے فوجی افسروں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا جو سب ہتھیار بند تھے اس کے دائیں طرف علما کی صف تھی جن کے بیچ میں مفتی اعظم (حاکم شرع) بیٹھے تھے۔ مفتی صاحب نے پوچھا کیا آپ مسلمان ہیں؟ حضرت نے جواب دیا الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔ مفتی نے سوال کیا کیا آپ حنفی ہیں؟ حضرت نے جواب دیا ہاں! میں امام ابوحنیفہ رض کی تقلید کرتا ہوں۔ مفتی نے پوچھا کیا آپ گانا سنتے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا ہاں میں گانا سنتا ہوں۔ مفتی صاحب نے پوچھا اس گانے میں مزامیر (باجے) بھی ہوتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ مفتی صاحب نے پوچھا وہ گانا گھر کے اندر مخفی طریقے سے ہوتا ہے؟ حضرت نے جواب دیا گھر کے اندر بھی اور مجلس عام میں بھی دونوں طرح سنتا ہوں۔ مفتی صاحب نے کہا کوئی دلیل اس طرح گانا سننے کے جواز میں آپ کے پاس ہے؟ حضرت نے فرمایا بخاری شریف میں صحیح حدیث موجود ہے۔ اس کے بعد حضرت نے وہ حدیث پڑھی جس کا مطلب خواجہ سید محمد اما نے مجھے بتایا کہ حضرت نے یہ حدیث پڑھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مدینے کے انصار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں اور حضرت ان کا گانا سن رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عمر رض وہاں آ گئے اور انھوں نے ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے روکا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رض سے فرمایا ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے نہ روکو آج ان کا عید کا دن ہے اور ہر قوم کا ایک عید کا دن ہوتا ہے۔

یہ حدیث سن کر مفتی اعظم نے کہا "ترا با حدیث چہ کار۔ تو کہ مشرب ابوحنیفہ رض داری قول ابوحنیفہ بیار"

ترجمہ: تم کو رسول ﷺ کی حدیث سے کیا واسطہ۔ تم حنفی ہو اور ابوحنیفہ کا مشرب رکھتے ہو تو ابوحنیفہ کا قول دلیل میں پیش کرو۔

Marfat.com

حضرت نے جواب دیا۔ سبحان اللہ! من کہ قولِ رسولؐ می آرم تو می گوئی کہ قولِ امتی بیار؟ ابوحنیفہ کہ بود کہ من قول او بمقابلہ قول رسول می آرم؟

ترجمہ: سبحان اللہ میں رسول اللہ صلعم کا قول پیش کرتا ہوں اور تم ایک امتی کا قول مانگتے ہو؟ ابوحنیفہ کون تھے جن کا قول رسولؐ کے مقابلے میں پیش کروں۔"

جو قوم رسول کے قول کے مقابلے میں ایک امتی کا قول مانگتی ہے وہ اس سے نہیں ڈرتی کہ وہ قوم جلا وطن ہو جائے اور قحط میں مبتلا ہو اور اس کا شہر برباد و ویران ہو جائے۔

یہ سن کر مفتی اعظم اور شیخ زادہ ترجام نے بادشاہ اور حاضرین کو اشتعال دلانے کے لیے کہا۔ خدا کی پناہ! یہ شخص حامئی شریعت اور ناصر فقہ حنفی بادشاہ کی موجودگی میں امام ابوحنیفہ رضؓ کی توہین کرتا ہے اور کہتا ہے ابوحنیفہ کون تھے۔ حالانکہ ابھی اس نے کہا تھا کہ میں حنفی ہوں اور امام ابوحنیفہ کا مقلد ہوں۔

مفتی اعظم کی حکمت کارگر ہوئی اور جتنے علماء اس کے ساتھ تھے ان سب نے بگڑ بگڑ کر غصے کے لہجے میں کہنا شروع کیا اس نے امام کی توہین کی ہے اور مجلس میں چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں یہ شخص مجرم ہے۔ یہ شخص گستاخ ہے۔

بادشاہ نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ شیخ نظام الدین بدایونی کو اور اُن کے مریدوں کو اور ان کے خلفاء کو گانا سننے اور گانے کی مجلسیں کرنے سے میری حکومت کا کوئی آدمی نہ روکے۔

امیر خسرو کی بیعت کا قصّہ

امیر خسروؒ نے بتایا میں تو حضرت سے بہت چھوٹی عمر میں بیعت ہو گیا تھا اور اس کا قصّہ بھی بہت دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک دن میرے والد امیر سیف الدین محمود مجھ کو اور میرے بڑے بھائی کو حضرت کے پاس لے گئے، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں! والد نے فرمایا میں تم کو اور تمہارے بڑے بھائی کو حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی کا مرید کرانا چاہتا ہوں۔

میں نے جواب دیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسی جگہ دروازے پر بیٹھ جاؤں اندر نہ جاؤں۔ آپ بڑے بھائی کو لے کر اندر جائیے اور ان کو مرید کرا لیجیے۔ میں یہاں آپ کی واپسی کا انتظار کروں گا۔

میرا یہ جواب سن کر میرے والد مسکرائے اور میرے بڑے بھائی کو ساتھ لے کر مکان کے اندر چلے گئے اور میں دروازے کے باہر بیٹھ گیا۔ جب میرے والد اندر چلے گئے تو میں نے باہر بیٹھے بیٹھے اپنے دل میں ایک شعر موزوں کیا۔ اس خیال سے کہ اگر حضرت کامل ہیں تو اپنے نورِ باطن سے اس شعر کا حال معلوم کر لیں گے اور مجھے اس شعر کا جواب شعر کے ذریعے دیں گے۔ تب میں اندر جا کر حضرت کا مرید ہو جاؤں گا۔ ورنہ جب میرے والد اور بھائی باہر آئیں گے تو ان کے ساتھ گھر واپس چلا جاؤں گا اور جو شعر میں نے اپنے دل میں موزوں کیا تھا وہ یہ تھا۔

تو آں شاہے کہ بر ایوان قصرت — کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آمد — بیاید اندروں یا باز گردد

Marfat.com

ترجمہ: تو ایسا بادشاہ ہے کہ اگر تیرے محل کے کنگورے پر کبوتر آن بیٹھے تو تیری برکت سے وہ کبوتر باز بن جائے۔ پس ایک غریب حاجت مند تیرے دروازے پر آیا ہے وہ اندر آجائے یا اُلٹا چلا جائے؟

امیر خسروؒ نے کہا میں یہ شعر موزوں کر کے چپ چاپ بیٹھا تھا اور حضرت کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ یکایک حضرت کا ایک خادم دروازے کے باہر آیا اور اس نے مجھ سے کہا حضرت نے مجھے حکم دیا ہے دروازے کے باہر ایک ترک زادہ بیٹھا ہے اس کے سامنے جا کر یہ شعر پڑھ دو اور واپس چلے آؤ۔

بیاید اندروں مردِ حقیقت — کہ با ما یک نفس ہم راز گردد
اگر ابلہ بود آں مردِ ناداں — ازاں راہے کہ آمد باز گردد

ترجمہ: "اندر چلا آئے حقیقت کے میدان کا مرد تاکہ ہمارے ساتھ کچھ دیر ہمراز بن جائے اور اگر وہ آنے والا ناسمجھ اور ناداں ہے تو جس راستے سے یہاں آیا ہے اسی راستے سے واپس چلا جائے۔"

امیر خسروؒ نے کہا جب خادم نے میرے دل کے شعر کا جواب حضرت کی طرف سے اس شعر میں سنا دیا تو اپنی جگہ سے اُٹھا اور دیوانوں کی طرح خادم کے ساتھ ساتھ حضرت کے مکان کے اندر چلا گیا۔ میرے والد اور بھائی اور حضرت سید محمد کرمانی وہاں بیٹھے تھے۔ میں نے حضرت کو دیکھا کہ وہ مسکرا مسکرا کر میری طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے دوڑ کر حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت نے فرمایا "بیا، بیا اے مردِ حقیقت این جا بیا، ویک نفس با ما ہمراز بشو" آجا آجا اے مردِ حقیقت اور ایک دم کے لیے ہمارا ہمراز بن جا۔ میں نے سامنے بیٹھ کر بیعت ہونے کی درخواست کی اور حضرت نے مجھے بیعت کا شرف عطا فرمایا۔

محمد تغلق کی حاضری

بادشاہ نے یکایک جانے کا ارادہ کیا کیونکہ بنگالے سے بغاوت کی خبر آئی ہے۔ اس نے الغ خاں کو دہلی میں اپنا صدر مقام بنایا ہے اور بادشاہ کے جانے کے بعد الغ خاں نے خواجہ اقبال کے پاس یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں درویشوں کے لباس میں بھیس بدل کر آنا چاہتا ہوں اور خواجہ اقبال نے حضرت کی اطلاع کے بغیر الغ خاں کو تبدیل ہیئت میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔ ہم دونوں حضرت کی مجلس میں حاضر تھے۔ یکایک کچھ درویش بہت پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے مجلس میں حاضر ہوتے جن میں ایک درویش اچھی صورت کا نوجوان آدمی بھی تھا۔ میں نے چونکہ الغ خاں کو پہلے بھی دیکھا تھا۔ اس لیے فوراً پہچان لیا کہ یہ نوجوان آدمی بادشاہ کا ولی عہد ہے۔ وہ سب زمین بوسی کے بعد مجلس کی ایک صف میں بیٹھ گئے اور اور انھوں نے اظہار ادب کے لیے زمین چومی اور واپس جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے خواجہ سید محمد سے فرمایا، ان درویشوں کو جانے کی اجازت دو۔ ایک بادشاہ آتا ہے اور دوسرا بادشاہ جاتا ہے۔ یہ سن کر الغ خاں نے دوبارہ حضرت کے سامنے زمین چومی اور پچھلے قدم ہٹتا ہوا اپنے درویشوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ میرے اور خواجہ سید محمد کے سوا کوئی نہیں سمجھا کہ یہ درویش کون تھے اور حضرت نے یہ کیا فرمایا کہ ایک بادشاہ آتا ہے اور ایک بادشاہ جاتا ہے۔ کہ اس میں الغ خاں کے بادشاہ ہو جانے کی حضرت نے بشارت دی ہے اور کسی اور آنے والے بادشاہ کا اشارہ بھی اس میں ہے۔

Marfat.com

بادشاہِ دکن کی آمد

ابھی درویشوں کو واپس گئے ہوئے ایک گھڑی بھی نہ گذری تھی کہ حضرت نے خواجہ سیّد محمد سے فرمایا، محمد! دروازے پر بادشاہ بیٹھا ہے اس کو اندر بلاؤ اور کھانا کھلاؤ، خواجہ سید محمد مجلس سے اُٹھ کر باہر گئے اور میں بھی ان کے ساتھ ساتھ گیا۔ خانقاہ کے دروازے کے باہر جا کر ہم نے دیکھا کہ وہاں کوئی بادشاہ یا امیر موجود نہیں ہے۔ البتہ ایک خوبصورت نوجوان وہاں بیٹھا تھا۔ جس کے کپڑے بہت ہی پُرانے اور میلے تھے۔

میں نے اس لڑکے سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ایرانی امیر زادہ ہوں، مغلوں کے ہاتھ سے میرا خاندان تباہ ہوگیا اور میں نوکری کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ کئی دن سے نوکری ڈھونڈتا پھرتا ہوں مگر کہیں نوکری نہیں ملتی۔ تین وقت سے بھوکا ہوں۔ یہ سنا تھا کہ حضرت کا لنگر عام ہے اور اس لنگر خانے سے جو شخص روٹی کھالیتا ہے اس کی مصیبت دُور ہو جاتی ہے، مگر میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ لنگر خانے میں جاکر کھانا مانگوں، اس واسطے باہر دروازے پر بیٹھ گیا کہ شاید حضرت کی باطنی توجہ سے میری تکلیف دور ہو جائے۔

ہم دونوں حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے اور خواجہ سید محمد نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ باہر ایک ایرانی لڑکا بیٹھا ہے اس کے سوا کوئی بادشاہ وہاں نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا بادشاہ کو اندر بلاؤ اور کھانا کھلاؤ، اس کو لنگر خانے میں نہ لے جاؤ، میرے پاس لاؤ۔ ہم دونوں پھر باہر گئے اور اس لڑکے سے کہا تیرا کیا نام ہے؟ لڑکے نے کہا میرا نام حسن ہے۔ ہم نے کہا چل تجھ کو حضرت بلاتے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ اندر آیا مگر اس کو بزرگوں کی مجلس میں حاضر ہونے کے آداب معلوم نہ تھے۔ اندر آکر اس نے تعظیم ادا نہ کی اور خواجہ سید محمد کے برابر حضرت کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ حضرت اس کو دیکھ کر فرمایا "بنشیں اے بادشاہِ دکن!" وہ لڑکا حضرت کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر حضرت نے خواجہ سید محمد سے فرمایا دکن کے بادشاہ کے لیے کھانا لاؤ۔ خواجہ سید محمد فوراً لنگر خانے میں گئے اور واپس آکر عرض کی لنگر میں اب خیر ہے یعنی ختم ہو گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا جو کچھ بچا ہو وہ لے آؤ۔ خواجہ سید محمد پھر لنگر خانے میں گئے اور روٹیوں کے ٹوٹے ہوئے کچھ ٹکڑے ایک کپڑے میں لے کر حاضر ہوئے اور حضرت کے سامنے وہ ٹکڑے رکھ دیئے۔ حضرت نے ان ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس لڑکے کو اپنے قریب بلا کر دیا اور فرمایا لے یہ دکن کی بادشاہی کا تاج ہے۔ اس لڑکے نے وہ ٹکڑا حضرت کے دستِ مبارک سے لے کر اپنے منہ میں رکھ لیا اور خواجہ سید محمد کے کہنے سے اس نے اپنا سر حضرت کے سامنے زمین پر رکھا اور مجلس سے باہر چلا گیا۔ ہم حیران تھے کہ آج یہ کیا واقعات پیش آرہے ہیں۔

میں نے والد سے کہا یہ شخص ضرور ہمارے وطن کا بادشاہ ہو جائے گا ہمیں اس سے ابھی سے تعلقات قائم کر لینے چاہئیں۔

میری نوکری

یہ سن کر میرے والد نے کہا، میں نے تیری نوکری کے لیے ولی عہد کے ہاں کوشش کی تھی اس کا جواب ملا ہے کہ احمد ایاز (رہر دیو) کو ولی عہد نے اپنی تعمیرات کا افسر مقرر کر دیا ہے۔ کل وہ ولی عہد کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی نوکری کا کام سنبھال لے۔ میں نے اپنے باپ سے کہا ایسا نہ ہو حضرت اس نوکری کی اجازت نہ دیں۔ میرے باپ نے کہا تو ابھی جاکر حضرت سے اجازت مانگ۔ اگر وہ انکار فرمائیں تو میں بھی انکار کر دوں گا۔ میں اسی وقت خواجہ سید محمد کے پاس گیا اور ان کو ساتھ لے جاکر حضرت سے نوکری

Marfat.com

کا حال عرض کیا۔ ارشاد ہوا تم کو نوکری قبول کرنے کی اجازت ہے کہ تمھارے عروج کی تعمیر کی پہلی سیڑھی یہ نوکری ہے۔

ولی عہد کا دربار

آج میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ولی عہد ملک جُونا الغ خاں کے دربار میں حاضر ہُوا تو اس نے حکم دیا کہ تغلق آباد کا جو نیا قلعہ اور شہر بن رہا ہے اس کا کام تمھارے سپرد کیا جاتا ہے اور تم کو شاہی عمارات کا شحنۂ عمارت بنایا جاتا ہے۔ میں نے ولی عہد کے سامنے تعظیم ادا کی۔ اس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا میرا نام ہردیو تھا مگر حضرت نے مجھے احمد ایاز نام عطا فرمایا ہے۔ ولی عہد نے کہا کیا تو مسلمان ہو گیا ہے؟ میں نے جواب دیا خدا کا شکر ہے جس نے مجھے میرے خواجہ کی برکت سے اسلام کا شرف عطا فرمایا ہے۔ ولی عہد نے کہا اس کو سونے کے کنگن پہناؤ اور آئندہ اس کو احمد ایاز خواجہ جہاں کہا کرو۔ نوکروں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ڈالے گئے۔ میں نے پھر ولی عہد کی تعظیم ادا کی۔ میں نے دیکھا حسن نام کا وہ ایرانی لڑکا جس کو میرے حضرت نے روٹی کا ٹکڑا عطا فرمایا تھا بہت عمدہ لباس پہنے ہوئے ولی عہد کے پیچھے کھڑا ہے اور رومال سے مکھیاں اُڑا رہا ہے۔

کچھ دیر کے بعد میں ولی عہد سے رخصت ہو کر باہر آیا اور اس کے آدمیوں نے مجھے قلعے اور شہر کی تعمیرات کا کام سمجھایا جس میں دن بھر مصروف رہتا تھا اور شام کو اپنے باپ کے پاس واپس آجاتا تھا اور کبھی کبھی حضرت کی مجلس میں بھی حاضری دیتا تھا۔

تغلق کا خط

میں رات دن تعمیرات کے کام میں مصروف رہتا تھا، بادشاہ کے محل میں دیواروں پر سونے کے پترے چڑھائے گئے تھے جب سورج نکلتا تھا تو وہ دیوار خوب چمکتی تھی۔ میں رات کو جب گھر میں آتا تھا تو بہت تھک جاتا تھا۔ پھر بھی اپنے پرانے میزبان خواجہ سید محمد امام سے ضرور مل لیتا تھا اور کبھی کبھی وہ میرے پاس آجاتے تھے۔ ایک رات انھوں نے مجھ سے کہا آج بنگالے سے سلطان کا خط حضرت کے نام ایک قاصد لایا تھا جس میں گستاخانہ انداز سے لکھا تھا کہ حضرت میری واپسی سے پہلے دہلی چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ دہلی میں آنے کے بعد ایک ایسے شخص کو وہاں دیکھوں جو انسان ہے اور انسانوں سے اپنے سامنے سجدے کراتا ہے اور جو حنفی ہے اور امام ابو حنیفہ رح کی فقہ کے خلاف گانا سنتا ہے اور گانے بجانے کی مجلسیں کھلم کھلا کرتا ہے۔

جب یہ خط حضرت کو مَیں نے سنایا تو حضرت نے مجھے حکم دیا کہ اس خط کی پیشانی پر لکھ دو "ہنوز دِلّی دُور است"۔ (ابھی دِلّی دُور ہے) اور خط قاصد کو واپس دے دو کہ وہ بادشاہ کے پاس بنگالے پہنچا دے۔

جب میں نے خواجہ سید محمد سے یہ بات سنی تو مجھے بڑا خوف ہوا اور میں دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ خواجہ سید محمد نے پوچھا تم کیا سوچ رہے ہو؟ تو بہت معمولی بات تھی۔ سب جانتے ہیں کہ بادشاہ حضرت کے خلاف ہے اور اس کو چونکہ سلطان قطب الدین خلجی سے سلطنت ملی ہے اور قطب الدین خلجی حضرت کے خلاف تھا اس واسطے وہ بھی حضرت کی مخالفت کو اپنی مضبوطی کے لیے ضروری سمجھتا تھا۔

میں نے کہا جی نہیں، میں اور بات سوچ رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک خط ولی عہد کے پاس بھی آیا ہے جس میں لکھا ہے

Marfat.com

کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ تم درویش نہ لباس میں شیخ نظام الدین کی مجلس میں گئے اور شیخ نے تم کو ہندوستان کا بادشاہ ہو جانے کی دعا دی۔ اور تم نے شیخ کے ایک ہندو مرید کو میر عمارت کا عہدہ دیا ہے۔ اس سے تمہاری بدخواہی ظاہر ہوتی ہے۔ آئندہ احتیاط سے کام لو ورنہ تم ولی عہدی سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔ اس خط کی اطلاع مجھے حسن ایرانی نے دی تھی اور وہ کہتا تھا کہ ولی عہد بادشاہ کے اس خط سے ڈر گیا ہے اور عجب نہیں کہ تم اب میر عمارت نہ رہو اور نوکری سے الگ کر دیئے جاؤ۔

بس میں یہ سوچ رہا تھا کہ حضرت کے نام جو خط آیا ہے وہ بھی اسی بنا پر ہے کہ ولی عہد حضرتؒ کے پاس آیا تھا اور حضرت نے یہ فرمایا تھا کہ ایک بادشاہ آتا ہے اور ایک بادشاہ جاتا ہے۔ اگر ولی عہد نے مجھے نوکری سے الگ کر دیا تب بھی مجھے اور میرے ماں باپ کو حضرت کا لنگر کافی ہے۔

حضرت کی علالت

ذی الحجہ ۷۲۴ھ میں حضرت رضؓ کچھ علیل ہو گئے۔ حضرت کی عمر نوّے برس کے قریب ہو چکی ہے اور وہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی وجہ سے پہلے ہی کمزور تھے لیکن اس بیماری نے ان کو بہت ناتواں کر دیا ہے میں روزانہ پابندی سے شام کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور حضرت کی بیماری اور کمزوری کو بڑھتا دیکھ کر میرا دل بیٹھا جاتا تھا۔

بادشاہ کا ایک اور حکم

ولی عہد کے نام بنگالے سے بادشاہ کا حکم آیا کہ شہر کے تاجروں کو حکم دیا جائے کہ کوئی شخص شیخ نظام الدین بدایونی کے مریدوں کو تیل نہ دے تاکہ رات کے وقت روشنی کر کے باؤلی نہ بنائی جا سکے۔ اور شیخ نظام الدین بدایونی کو حکم دو کہ میں بنگالے سے روانہ ہو گیا ہوں۔ میرے دہلی پہنچنے سے پہلے دہلی سے کہیں چلے جائیں۔ ولی عہد نے سلطان کے حکم کے بموجب تاجروں کو حکم دیا کہ کوئی شخص حضرت کے مریدوں کو روشنی کے لیے تیل نہ دے اور حضرت کے پاس بھی حکم بھیجا کہ بادشاہ دہلی آنے والا ہے۔ حضرت دہلی سے کہیں چلے جائیں۔ حضرت نے پھر وہی جواب دیا ہنوز دہلی دور است۔

ہنوز دہلی دور است

ربیع الاول ۷۲۵ھ کے شروع کا ذکر ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق بنگالے کے سفر سے دہلی کے قریب افغان پور میں پہنچا اور اپنے ولی عہد کے بنوائے ہوئے اس نئے محل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا ولی عہد نے فوراً کھانا منگوانے کا حکم دیا اور بادشاہ سے اس کی عدم موجودگی کے زمانے کے حالات جو دہلی میں پیش آئے تھے عرض کیے۔ کھانے کے بعد ولیعہد نے مجھے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہی وہ نومسلم ہے جو دیوگیر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور شیخ نظام الدین بدایونی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہے اور میں نے اس کو میر عمارت کا عہدہ دیا ہے جس کو اس نے سلطان کی عدم موجودگی کے زمانے میں بہت عمدگی سے انجام دیا ہے۔ پھر ولی عہد نے نذر کے ہاتھی منگوائے۔ چونکہ مکان نیا تھا اور اس میں فرش بھی لکڑی کا تھا جونہی کئی ہاتھی مکان کے اندر آئے۔ فرش دبا اور چوبی محل یکایک گر پڑا اور بادشاہ اور امیر اس محل کے نیچے دب گئے۔ ایک ہاتھی بھی دب گیا۔ ہم سب باہر کھڑے تھے۔ ولی عہد نے چیخنا شروع کیا۔ جلدی مزدوروں کو بلاؤ اور رسیاں منگاؤ اور ملبہ ہٹاؤ۔

Marfat.com

شیخ رکن الدین ملتانی نے محل گرنے کی آواز سُنی تو وہ بھی نماز پڑھے بغیر دوڑتے ہوئے وہاں آئے۔ ولیعہد چیختا رہا اور ہم سب بھی چیختے رہے مگر مزدور وہاں قریب نہ تھے وہ اتنی دیر میں آئے کہ جب انھوں نے ملبہ ہٹایا تو بادشاہ اور اس کا چھوٹا بیٹا محمود اور سب امیر مُردہ ہو چکے تھے۔ راتوں رات بادشاہ کو اور اس کے بیٹے محمود کو اس مقبرے میں دفن کیا گیا جو اس نے اپنے قلعے کے قریب خود اپنے لیے بنوایا تھا۔

حضرت نے شادی کیوں نہیں کی؟

آج شہزادہ الغ خاں نے اپنے باپ کا سوگ ختم کر دیا اور ہندوستان کی شہنشاہی کے تخت پر بیٹھ گیا۔ مراسم دربار داری سے فارغ ہو کر جب وہ خلوت میں گیا تو اس نے مجھے بھی وہاں بلایا اور قلعہ کی بقیہ تعمیرات کی نسبت مجھ سے کچھ باتیں دریافت کرنے کے بعد کہا۔ تم کئی سال سے حضرت سلطان المشائخ رضؒ کے پاس رہتے ہو کیا تم کو اس کی وجہ معلوم ہے کہ حضرت رضؒ نے شادی کیوں نہیں کی؟ میں نے جواب دیا۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے اور میں نے کبھی کسی سے اس کی نسبت کچھ سنا بھی نہیں

خلوت میں اس وقت حضرت شیخ رکن الدین ملتانی بھی موجود تھے۔ انھوں نے بادشاہ سے کہا میں نے حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے اس کی نسبت تخلیہ میں بات چیت کی تھی اور انھوں نے مجھے معقول جواب دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا میں نکاح سے منکر نہیں ہوں بلکہ جب قرآن مجید میں پڑھتا ہوں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ... "تمھاری دولت اور تمھاری اولاد تمھارے لیے فتنہ ہو جاتی ہے" تو مجھے خوف ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ سنت کی پیروی کے خیال سے نکاح کروں اور خدا کے فرائض فوت ہونے لگیں اور میں اولاد کے فتنے میں مبتلا ہو کر فرائض خداوندی کو بھول جاؤں۔

مجلس خلوت سے رخصت ہونے کے بعد میں جب اپنی قیام گاہ پر جانے لگا اور شیخ رکن الدین ملتانی بھی اپنی قیام گاہ کو چلے تو انھوں نے اپنے ایک مرید کو میرے پاس بھیجا کہ آج شام کو میرے مکان پر آنا۔ میں نے کہا میرے حضرت بیمار ہیں اور میں آج شام کو وہاں جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ وہاں جانے سے پہلے مجھ سے ملتے جانا۔ چنانچہ میں شام کو شیخ کے پاس گیا تو انھوں نے تخلیے میں مجھ سے کہا بادشاہ تجھ سے اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے تو اپنے حضرت سے دریافت کر کے مجھے کل صبح تک جواب دے تاکہ میں بادشاہ کو اطلاع دے سکوں۔ یہ سُن کر میں دوبارہ اپنے مکان پر آیا اور اپنے ماں باپ سے اس کا ذکر کیا۔ ان دونوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور انھوں نے کہا یہ سب حضرت کی توجہ کی تاثیر ہے۔

حضرت کی خدمت میں

جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت اس وقت بالاخانے کی چھت پر تھے اور ان کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں نے عرض کی کہ آج حضرت شیخ رکن الدین ملتانی نے مجھ سے یہ فرمایا کہ سلطان محمد تغلق اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کرنی چاہتا ہے۔ تو اپنے حضرت کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کر دے اور جو حکم حضرت کا ہو اس پر عمل کر۔ حضرت یہ سن کر پلنگ پر بیٹھ گئے اور تبسم کے بعد فرمایا۔ جا میری اجازت ہے کہ میں مشیت الٰہی کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ ورنہ بادشاہوں سے رشتہ داری کرنا خدا پرست انسانوں کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

Marfat.com

جانشینی

اس کے بعد حضرت نے قاضی سید محی الدین کاشانی رح سے فرمایا میں نے رفیع الدین کے بھائی تقی الدین نوح کو اپنا جانشین بنایا تھا، اس نے وفات پائی تو اب میں نے رفیع الدین کو اپنی جگہ کی تولیت دی ہے یہی میرے بعد خانقاہ کی اور درویشوں کی خدمت انجام دے گا۔ یہ سُن کر ہم سب رونے لگے اور حضرت نے خواجہ رفیع الدین ہارون کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ فرزند! شام کو صبح کے لیے کوئی چیز بچا کر نہ رکھنا اور دشمنوں کی دشمنی کا بدلہ نہ چاہنا کیونکہ کشندہ کشندہ بود۔ ترجمہ جو برداشت کرلیتا ہے وہ مار ڈالتا ہے۔

تغلق کی ہلاکت پر کیا فرمایا

خواجہ سید محمد امام بیان کرتے تھے کہ جب سلطان غیاث الدین تغلق کے مرنے کی اطلاع حضرت کو دی گئی تو حضرت چادر اوڑھے ہوئے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔

حضرت نے یہ سُن کر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی مشیت انسانی ارادوں پر غالب رہتی ہے۔ بادشاہ بہت اچھا آدمی تھا اس کے دل میں شریعت کا ادب تھا اور وہ رعایا کی آسائش کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔

حضرت کی وفات

۱۷۔ ربیع الآخر ۷۲۵ھ سہ شنبہ کی شام کو مجھے خواجہ سید محمد امام نے خبر بھیجی کہ حضرت کا مزاج زیادہ ناساز ہے میں سات روز سے غیاث پور میں حاضر نہیں ہو سکا تھا۔ کیونکہ بادشاہ نے خفیہ طور پر اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کردی تھی۔ تاہم میں روزانہ خواجہ سید محمد امام سے اپنے غلام مقبل کے ذریعے حضرت کی خیریت منگا لیا کرتا تھا۔ آج علالت کی زیادتی کا حال معلوم ہوتے ہی میں نے بادشاہ کو اطلاع بھجوائی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور بہت دیر تک حضرت کے مرض کی کیفیت دریافت کرتا رہا۔ اس نے یہ بھی پوچھا کہ علاج کا کیا انتظام ہوا ہے؟ میں نے جواب دیا حضرت چار مہینے سے بیمار ہیں اور اب چالیس دن سے انھوں نے کھانا ترک فرما دیا ہے اور دوا کی طرف تو وہ کبھی بھی التفات نہیں فرماتے۔ بادشاہ نے کہا تم وہاں جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ اگر حضرت اجازت دیں تو میں شاہی طبیب کو ان کی خدمت میں بھیج دوں۔ میں نے بادشاہ سے کہا اگر اخوند عالم شاہی طبیب کو ابھی میرے ساتھ بھیج دیں تو مناسب ہوگا تاکہ اگر حضرت اجازت دیں تو علاج فوراً شروع کردیا جائے۔ بادشاہ نے اس کو پسند کیا اور شاہی طبیب کو بلا کر میرے ساتھ کردیا اور دو غلاموں کو حکم دیا کہ وہ فوراً خبر لے کر میرے پاس واپس آئیں۔ بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ حضرت سے عرض کرنا مجھ کو بھی عبادت کا ثواب حاصل کرنے کی تمنا ہے اگر اجازت ہو جائے تو میں یہ شرف حاصل کرنے کے لیے حاضر ہو جاؤں؟

میں طبیب کو لے کر رات کے وقت حاضر ہوا۔ حضرت اس وقت کتب خانے کے تجربے میں تھے اور خلفا اور مریدین اور اقربا وہاں جمع تھے۔ حضرت پر غشی کا عالم طاری تھا۔ میں نے خواجہ اقبال سے کہا کہ بادشاہ نے شاہی طبیب کو بھیجا ہے اور وہ خود بھی آنا چاہتا ہے۔ خواجہ اقبال نے جواب دیا۔ آج صبح سے بے ہوشی اور غشی کے دورے ہو رہے ہیں جب ہوش آتا ہے تو نماز کے لیے فرماتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی یا نہیں؟ ہم عرض کرتے ہیں مخدوم نے ابھی نماز پڑھی ہے تاہم حضرت مکرر نماز ادا فرماتے ہیں حتیٰ کہ آج عشا کی نماز تین دفعہ پڑھ چکے ہیں۔

Marfat.com

سب کچھ لُٹا دیا

کل حضرت نے جو کچھ لنگر میں تھا وہ سب غریبوں اور مسکینوں کو تقسیم کرا دیا تھا۔ آج سید حسین کرمانی سے فرمایا میں نے اقبال سے کہا تھا کوئی چیز باقی نہ رکھے سب لُٹا دے ورنہ تو ذمّہ دار ہوگا۔ تم جاؤ اور جا کر دیکھو۔ اقبال نے حضرت کے حکم کی پوری تعمیل کی ہے۔ صرف انبار خانوں میں غلّہ باقی ہے جو درویشوں کی خوراک کے لیے بچا کر رکھا ہے۔ یہ جواب سُن کر حضرت برہم ہوئے اور فرمایا انبار خانوں کے دروازے توڑ ڈالو اور زمین کی اس زینت (غلّے) کو لُٹا دو۔ چنانچہ اطراف کے فقیروں اور مسکینوں کو خبر دی گئی اور وہ بکثرت جمع ہو گئے، میں نے انبار خانوں کے دروازے کھول دیئے اور فقیروں نے سب کچھ لوٹ لیا اور میں نے حکم کے موجب ایک دانہ بھی باقی نہ رکھا اور خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع عرض کر دی۔

اس کے بعد خواجہ اقبال نے مجھ سے کہا حضرت کسی طبیب کا علاج پسند نہیں فرماتے لیکن بادشاہ نے جس طبیب کو بھیجا ہے اس کو میں اپنے ساتھ پلنگ کے قریب لے چلتا ہوں۔ چنانچہ میں اور طبیب حضرت کے پلنگ کے قریب حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اور عالمِ سکوت میں تھے۔ طبیب نے آہستگی سے نبض پر ہاتھ رکھا۔ حضرت نے آنکھیں کھول دیں۔ خواجہ اقبال نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی سلطان محمد تغلق نے اپنے خاص طبیب کو مخدوم کے علاج کے لیے بھیجا ہے۔ حضرت نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور طبیب کو دیر تک دیکھتے رہے۔ اس کے بعد حضرت نے دھیمی آواز میں فرمایا "دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست"۔

ترجمہ:۔ محبّت کے بیمار کے لیے دیدار کے سوا اور کوئی دارو نہیں ہے"

آخر وقت

ساری رات یہی حالت رہی کہ ہوش آتا تھا اور پھر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ ہوش کی حالت میں حضرت کچھ فرماتے تھے مگر آواز کی ناتوانی کے سبب ہم اس کو سننے سے محروم رہ جاتے تھے۔ صبح کی نماز پڑھ کر ہم سب پھر خدمت میں حاضر ہو گئے اور ہم نے سُنا کہ حضرت نے صبح کی نماز بھی کئی دفعہ پڑھی اور خواجہ سید محمد امام کو قریب بلا کر کان میں کچھ فرمایا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا حضرت شیخ العالم رحؒ تشریف لائے ہیں مجھے تعظیم کے لیے اُٹھاؤ۔ ہم سب آگے بڑھے کہ حضرت کو سہارا دے کر اُٹھائیں۔ یکایک حضرت پر سکوت طاری ہو گیا اور سانس کی حرکت بھی بند ہو گئی۔ اس وقت ہم نے جانا کہ سورج غروب ہو گیا، حالانکہ وقت چاشت کا تھا اور سورج آسمان پر تیزی سے چمک رہا تھا۔ ہم سب کی حالت پہلے تو سکتے کی سی ہو گئی، جو کھڑا تھا وہ دم بخود کھڑے کا کھڑا رہ گیا جو بیٹھا تھا وہ بت کی طرح بے حس و حرکت دکھائی دیتا تھا۔ اقبال اور مبشّر اور عبدالرحیم کی بے قراری حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ خواجہ سید محمد امام اور قاضی سید محی الدین کاشانی اور خواجہ سید موسیٰ اور سید حسین کرمانی وغیرہ مخلصین خاص بہت زیادہ اندوہ گین اور بے قرار تھے۔ خلف بھی رو رہے تھے مگر کوئی شخص صبر و ضبط کی حد سے آگے نہ بڑھتا تھا۔ یعنی چیخ چیخ کر کوئی نہ روتا تھا۔

بادشاہ کی آمد

یکایک مشہور ہُوا کہ سلطان محمد تغلق آیا ہے۔ حضرت شیخ رکن الدین سہروردیؒ بھی تشریف لائے ہیں۔ سلطان نے حضرت کے پلنگ کے قریب آکر چہرۂ مبارک کھول کر زیارت کی اور بہت رویا پھر اس نے پوچھا دفن کا انتظام کہاں ہوگا؟ سید حسین کرمانی نے آگے بڑھ کر حضرت کی وصیّت کا ذکر بادشاہ سے کیا اور تالاب کے اندر دفن کرنے کی تجویز بھی بادشاہ کو سنائی۔ بادشاہ نے اس کو پسند کیا اور حکم دیا احمد ایاز خواجہ جہاں شاہی مزدوروں کے لیے فوراً انتظام کرے یہ سن کر میں اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر شہر

Marfat.com

گیا اور وہاں سے مزدوروں کو لایا اور تھوڑی دیر میں تالاب بھر دیا گیا اور وہاں لحد تیار ہوگئی۔

بادشاہ نے جنازے کو کندھا دیا

میں چونکہ مزار کی تیاری کے لیے خانقاہ سے چلا گیا تھا اس واسطے مجھے جنازے کی ہمراہی نہیں آئی، جب بادشاہ چلا گیا تو مجھ سے خواجہ سید محمد امام نے کہا کہ آج بادشاہ بہت سویر آ گیا تھا اور اس کو خوش کرنے کے لیے مخالفین نے بھی جنازے کو کندھا دیا۔ میں نے کہا سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ اتنی دیر بھوکا رہا ورنہ وہ صبح سے شام تک تین چار دفعہ کھانا کھاتا ہے۔

سن اور تاریخ

حضرت آخری چہار شنبہ صفر ۶۳۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۶۵۲ھ میں دہلی میں تشریف لائے اور ۱۵ رجب ۶۵۵ھ میں بمقام اجودھن حضرت بابا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور دہلی واپس آ گئے۔ پھر رمضان ۶۵۹ھ (چھ سو انسٹھ) میں چار سال کے بعد حضرتؒ کو خلافت ملی۔ حضرت اپنے پیر کی زندگی میں تین دفعہ اجودھن یعنی پاک پٹن تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ ۶۵۵ھ میں جب خلافت ملی اور پیر کی وفات کے بعد خود حضرت نے فرمایا ہے کہ میں سات دفعہ اجودھن میں گیا یعنی کل دس دفعہ حضرت اجودھن میں حاضر ہوئے۔ اس لیے راجکمار ہردیو نے جو ملا یوسف کا قصہ لکھا ہے وہ غالباً ۶۵۹ھ میں پیش آیا ہوگا اور راجکمار ہردیو کا یہ لکھنا کہ حضرت کو مرید ہوتے ہی خلافت مل گئی تھی، غالباً ان کے سمجھنے کی غلطی ہے کیونکہ ان سے یہ قصہ خواجہ سید محمد امام رضؓ نے بیان کیا تھا اور ان کا بھی پیش ہوا قصہ تھا وہ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے۔

حضرت کی وفات ربیع الثانی ۷۲۵ھ ہجری میں ہوئی اس اعتبار سے یہ ظاہر ہوا کہ حضرت پیدائش سے ۱۶ سال کی عمر تک بدایوں میں رہے اور ۱۶ سال کی عمر سے نواسی ۸۹ برس کی عمر تک دہلی میں رہے اور دہلی سے دس دفعہ اجودھن کا سفر کیا۔ سوائے اجودھن کے سفر کے اور کسی سفر کا ذکر کتابوں سے ظاہر نہیں ہوتا۔

بیس سال کی عمر میں مرید ہوئے اور چوبیس سال کی عمر میں خلافت ملی اور ۶۶ سال تک بیعت و ارشاد میں مصروف رہے یعنی از روئے اصطلاح روحانی چوبیس سال کی عمر میں تخت خلافت پر بیٹھے اور ۶۶ برس تک ہندوستان کی روحانی شہنشاہی کرتے رہے۔

مقام پیدائش

یوپی کے مشہور ضلع بدایوں میں حضرت پیدا ہوئے اور جس مکان میں ولادت ہوئی تھی وہ محلہ تنگی ٹولے میں اب بھی موجود ہے ایک ہندو آج کل اس کا مالک ہے۔

حضرت کے پانچ پیارے

حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے جتنے خلیفہ اور مرید تھے یوں تو وہ سبھی حضرت کو پیارے تھے لیکن سیر الاولیا وغیرہ کتب قدیم سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ اصحاب حضرت کو بہت پیارے تھے۔ ایک حضرت خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ۔ دوسرے حضرت مولانا خواجہ سید امامؒ۔ تیسرے خواجہ حسن علاء سنجریؒ۔ چوتھے حضرت مولانا سید حسین کرمانی۔ پانچویں حضرت امیر خسروؒ۔

حضرت امیر خسرو اور حضرت سید رفیع الدین ہارون اور حضرت سید حسین کرمانی اور حضرت خواجہ حسن علاء سنجری کو خلافتیں تو ملی تھیں مگر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کو بیعت کرتے تھے یا نہیں۔ مگر حضرت خواجہ محمد امام کی بابت سیر الاولیا میں تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت سلطان

Marfat.com

مشائخ نے صرف انہی کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ حضرت سلطان المشائخ کی موجودگی میں لوگوں سے بیعت لیں اور جب کہیں سے کسی مجلس میں بلاوا آتا تھا تو حضرت سلطان المشائخ رحؒ انہی کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے اور اپنی مجلس میں بھی خواجہ سید امام رحؒ ہی کو سب سے اونچی جگہ بیٹھنے کے لیے عطا فرماتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔

حضرت خواجہ سید حسین کرمانی سیر الاولیا کے صفحہ ۲۲۱ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ سید حسین کرمانی رحؒ کو حضرت سلطان المشائخ کا منہ بولا بیٹا سمجھا جاتا تھا اور وہ تمام خلفاء کی عرض معروض حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور خلافت نامے بھی عموماً انہی کے قلم سے لکھوائے جاتے تھے۔ خواجہ حسین کرمانی رحؒ بہت جامہ زیب تھے۔ سادات اور صوفیائے کرام کے رواج کے موافق لباس پہنتے تھے مگر لباس کا کپڑا نہایت قیمتی اور اعلیٰ ہوتا تھا اور پان بھی بہت کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی وقت ایک پان دس روپے قیمت میں ملتا تب بھی اسی قیمت میں پان لے کر استعمال کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کی وفات کے بعد بہت عرصے تک زندہ رہے یعنی حضرت کا وصال ۷۲۵ھ میں ہوا تھا اور یہ ۷۵۲ھ تک زندہ رہے۔ سیر الاولیا کے صفحہ ۲۲۲ پر یہ بھی مذکور ہے کہ جب خواجہ جہاں احمد ایاز سلطان محمد تغلق کا وزیراعظم ہو گیا جس نے حضرت سید حسین کرمانی رحؒ کا قرب حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں دیکھا تھا تو اس نے سید حسین کرمانی رحؒ سے درخواست کی کہ آپ بھی دیوگڑھ میں تشریف لائیے اور میرے پاس قیام کیجیے۔ کیونکہ سلطان محمد تغلق ان دنوں دیوگیر (دولت آباد) میں رہتا تھا۔ سید صاحب نے جواب دیا میں اس شرط پر وہاں آؤں گا کہ اپنا لباس نہیں بدلوں گا اور کوئی نوکری قبول نہیں کروں گا۔ سلطان محمد تغلق کے وزیراعظم خواجہ جہاں احمد ایاز نے ان شرطوں کو قبول کیا اور سید صاحب دہلی سے دولت آباد تشریف لے گئے اور وہاں مقیم رہے اور ۱۲۔شعبان ۷۵۲ھ جمعرات کے دن فالج کی بیماری میں وفات پائی اور اپنے والد حضرت مولانا خواجہ محمد کرمانی کے مزار کے قریب دفن کیے گئے۔

۱۔خواجہ سید محمد امام ان کا تذکرہ راجکمار ہردیو عرف احمد ایاز خواجہ جہاں کی کتاب چہل روزہ میں بہت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ سیر الاولیا کے مصنف نے جو حالات ان کے اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ کے لکھے ہیں ان سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھائی حضرت سلطان المشائخ کے مقبول پیاروں میں تھے۔

۱۔حضرت خواجہ سید رفیع الدین ہارون سیر الاولیا کے صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ اپنے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون سے اتنی محبت کرتے تھے کہ جب تک وہ دسترخوان پر نہ آجاتے تھے کھانا شروع نہ کرتے تھے اور ان کے آنے کا انتظار کرتے رہتے تھے اور چونکہ خواجہ سید رفیع الدین ہارون کو تیر کمان وغیرہ اور سپہ گری سے رغبت اور خانقاہ کا متولی اور منتظم بنا دیا تھا۔ ان کا مزار حضرت سلطان المشائخ کے پائیں گوشۂ مشرق وجنوب میں ہے اور ان کے برابر ان کے دادا حضرت خواجہ سید صالح کا مزار ہے۔

حضرت امیر خسرو رحؒ ان کا تذکرہ لکھتے وقت سیر الاولیا صفحہ ۲۹۹ سے صفحہ ۳۰۳ تک اور دوسری کتب کا یہ مختصر اقتباس کیا جاتا ہے جو یہ ہے:۔

Marfat.com

حضرت امیر خسروؒ کے والد کا نام امیر سیف الدین محمود تھا جو لاچین نسل کے ترک تھے۔ امیر خسرو ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے تھے
اس وقت ان کے نانا دت عرض کی عمر ۱۱۶ برس کی تھی۔ باپ نے ان کا نام ابو الحسن رکھا تھا۔ جب پیدا ہوئے تو ان کے والد ان کو کپڑے
میں لپیٹ کر پڑوس کے ایک مجذوب کے پاس لے گئے۔ مجذوب نے ان کو دیکھ کر کہا یہ بچہ تو خاقانی سے بھی دو قدم آگے بڑھ جائے
ہوش سنبھالا تو حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہو گئے اس وقت انھوں نے ایک شعر کہا تھا:۔

مفتخر از دے بغلامی منم خواجہ نظام است و نظامی منم

حضرت کی غلامی سے مجھے فخر ہے۔ میرے خواجہ نظام ہیں اور میں نظامی ہوں۔

جس وقت سے حضرت امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ کے مریدوں میں اپنے آپ کو نظامی کہنے کا ایک
جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ نے ایک روز امیر خسرو سے فرمایا تم اپنی نظموں میں اصفہانی شعراء کا رنگ اختیار کرو یعنی عشق و محبت کا رنگ
تمھارے کلام میں زیادہ ہونا چاہیئے۔ حضرت نے اس کی فوراً تعمیل کی اور اس سے ان کے کلام کو بہت زیادہ مقبولیت ہوئی۔ ایک روز
امیر خسرو نے اپنا کلام حضرت کو سنایا تو حضرت نے خوش ہو کر فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ امیر خسرو نے عرض کی اپنے کلام میں شیرینی چاہتا ہوں
ارشاد ہوا میری چارپائی کے نیچے شکر سے بھرا ہوا ایک تھال رکھا ہے وہ اٹھالا۔ امیر خسرو نے اس کو پیش کیا۔ حضرت نے تھوڑی سی
امیر خسرو کو اس میں سے کھلائی اور فرمایا یہ تھال اپنے سر پر رکھ۔ چنانچہ اس وقت سے حضرت کے کلام میں عجیب لذت اور شیرینی پیدا ہو

حضرت امیر خسرو نے اپنا دیوان "تحفۃ الصغر" اور دوسرا دیوان "نہایۃ الکمال" مولانا رفیع الدین پانچہ کے والد مولانا
"قاضی معز الدین پانچہ کی معرفت حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرایا۔ اس کے بعد سے امیر خسرو کی حاضری حضرت کی خدمت میں
ہونے لگی اور حضرت نے ان کو محرم راز بنانے کا شرف عطا فرمایا۔ یہاں تک کہ پھر امیر خسرو جس مضمون کی کوئی نئی کتاب لکھتے تھے حضرت
کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے۔ حضرت اس کو دیکھ کر کبھی برکت کی دعا فرماتے تھے اور کبھی کسی مضمون پر اعتراض بھی کرتے تھے
ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاح مدِ نظر ہوتی تھی۔

حضرت امیر خسرو دن بھر بادشاہوں کی صحبت میں رہتے تھے اور رات کو اپنے گھر پر ہوتے تو قرآن مجید کے سات پاروں کی تلاوت
کرتے اور تہجد ادا فرماتے تھے یا حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں شب باشی کرتے تو حضرت کے ساتھ شب بیداری کرتے تھے۔
ایک روز امیر خسرو نے سلطان المشائخ سے عرض کی آجکل تہجد کے وقت بہت رونا آتا ہے۔ ارشاد ہوا خدا کا شکر ہے کہ اب کچھ ظہور
ہونا شروع ہو گیا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ خاص اپنے ہاتھ سے خطوط لکھ کر ان کو بھیجا کرتے تھے جن کے اندر بے بہا اور بیش قیمت باتیں ہوتی تھیں
ایک دفعہ حضرت نے امیر خسرو سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا:۔
"میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں۔ مگر اے ترک تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا"۔ دوسری بار فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہو جاتا

Marfat.com

یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی، مگر سوائے تیرے اے ترک"۔ ایک دفعہ حضرت نے امیر خسرو رح سے تخلیئے میں فرمایا "میری سلامتی کی دعا مانگ کہ تیری سلامتی میری سلامتی پر منحصر ہے۔ کیونکہ تو میرے بعد جلدی دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور یہ بھی دعا کر کہ لوگ تجھ کو میرے قریب دفن کریں۔ اور انشاء اللہ تو ایسا ہی ہوگا"۔

امیر خسرو نے یہ بھی کہا کہ میرے حضرت رض مجھے ہمیشہ "ترک اللہ" فرمایا کرتے تھے اور جتنے خطوط میرے نام لکھتے تھے ان کے شروع میں ترک اللہ" لقب تحریر فرماتے تھے۔

ایک روز کا ذکر ہے حضرت نے فرمایا: میں نے خواب میں حضرت شیخ بہاءُ الدینؒ کو دیکھا کہ وہ میرے پاس تشریف لائے ہیں اُسی وقت تو (امیر خسرو) وہاں آیا اور معرفت کے نکات بیان کرنے لگا۔ یکا یک موذن نے صبح کی اذان کہی اور میری آنکھ کھل گئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ بہت بڑی بات ہے کہ تجھ کو میں نے ایسے مقام میں دیکھا ہے۔ تجھ کو چاہیئے کہ بزرگوں کے کلمات ہر وقت اپنے سامنے رکھا کرے اس کے بعد اپنی خاص ٹوپی منگائی اور میرے سر پر رکھی۔

ایک روز حضرت رض نے اپنی زبان مبارک سے میری نسبت یہ رباعی ارشاد فرمائی۔

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم | ملکیتِ مُلک سخن آں خسرو راست
آں خسروِ ماست ناصر خسرو نیست | زیرا کہ خدائے ناصر خسروِ ماست

۵- امیر حسن علاء سنجری

سیر الاولیا کے صفحہ ۲۰۶ سے ۲۰۷ تک حضرت خواجہ حسن علا سنجری کے حالات درج ہیں جن میں حضرت سلطان المشائخ کی اس خاص توجہ کا ذکر ہے جو خواجہ حسن پر حضرت کی تھی مصنف سیر الاولیا نے یہ بھی لکھا ہے کہ حسن علا سنجری نے جو ملفوظات حضرت سلطان المشائخ کے فوائد الفواد کے نام سے جمع کیے تھے ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حسن نے وہی الفاظ نقل کیے تھے جو حضرت کی زبان سے نکلے تھے اس لیے یہ کتاب گھر گھر مقبول ہوئی اور امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ میری سب کتابیں حسن رض کے نام ہوتیں اور یہ کتاب میرے نام ہوتی تو میرے لیے بڑا فخر تھا حسن علا سنجری آٹھویں دن اپنے لکھے ہوئے ملفوظات حضرت سلطان المشائخ کو دکھاتے تھے اور حضرت اپنے قلم مبارک سے ان کو کبھی کبھی درست بھی فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ حسن ساری عمر مجرد رہے شادی نہیں کی اور آخر عمر میں دولت آباد تشریف لے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

حضرت کی وفات کے بعد سلسلۂ نظامیہ کی اشاعت

حضرت سلطان المشائخ کے مذکورہ خلفا اور مریدوں کا مجمل تذکرہ بیان کرنے کے بعد اب سلسلے کی گذشتہ اور موجودہ حالت لکھی جاتی ہے خلفا میں صرف تین چار بزرگ ایسے گذرے ہیں۔ جن سے نظامیہ سلسلے کو بہت ترقی ہوئی اور یہ بات ہر بزرگ کے زمانے میں پائی جاتی تھی کہ اولاد سے سلسلہ نہ پھیلتا تھا بلکہ خلفا سے چلتا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری کے بہت سے خلفا بھی تھے اور فرزند بھی تھے مگر سلسلہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح سے پھیلا اور حضرت خواجہ قطب صاحب کے بھی خلفا بہت تھے۔ لیکن سلسلے کو ترقی دینے والے حضرت بابا فرید گنج شکر ثابت ہوئے اور حضرت باباصاحب کے خلفا بھی بے شمار تھے اور اولاد بھی

Marfat.com

تھی مگر ان کے سلسلے کو پھیلانے والے تین بزرگ ہوئے۔ ایک حضرت مخدوم جمال الدین ہانسوی رضؓ جن سے جمالیہ سلسلہ چلا۔ دوسرے حضرت سلطان المشائخ رضؓ جن سے نظامیہ سلسلہ جاری ہوا۔ تیسرے حضرت مخدوم علاءالدین علی احمد صابرؒ جن سے صابریہ سلسلہ جاری ہوا۔ اسی طرح حضرت سلطان المشائخ کے بھی بہت سے خلفا تھے، لیکن سلسلے کو بڑھانے والے صرف دو بزرگ سب سے نمایاں رہے۔ ایک حضرت مخدوم نصیرالدین محمود چراغ دہلوی، اور دوسرے حضرت مخدوم اخی سراج۔ حضرت چراغ دہلوی سے نظامیہ نصیریہ سلسلہ جاری ہوا۔

سراجیہ سلسلہ زیادہ تر صوبۂ بہار، بنگال اور آسام میں پھیلا اور حضرت خواجہ سالار بن سے سلسلہ چین میں پھیلا اور حضرت چراغ دہلوی کے ذریعے پنجاب، راجپوتانہ، گجرات، دکن کے علاقوں میں سلسلے کی اشاعت ہوئی۔

نظامیہ سلسلے کے مجدد

مغل حکومت کے آخری دور میں حضرت مولانا نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے فرزند حضرت مولانا فخرالدین اورنگ آباد سے دہلی تشریف لائے اور وہ نظامیہ سلسلے کے مجدد ثابت ہوئے۔ ان کے زمانے تک نظامیہ نصیریہ سلسلہ تمام ہندوستان میں عالمگیر نہیں ہوا تھا صرف دکن میں حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز سے سلسلہ پھیلا تھا اور گجرات میں حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ کے ذریعے سلسلے کی اشاعت ہوئی تھی۔ لیکن حضرت مولانا فخر صاحب نے دہلی میں بیٹھ کر اس سلسلے کی اشاعت کا بہت بڑا کام کیا۔ ان کے زمانے میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے بہت بڑے عالم اور حکمت استاد مولوی دہلی میں موجود تھے جن کو حضرت مولانا فخر صاحبؒ کی ترقی اچھی معلوم نہ ہوئی اور انھوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں یہ اعتراض تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علی تک متصل نہیں ہوتا کیونکہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ حضرت علی کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کیونکر مل سکتی تھی؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا فخر صاحبؒ نے ایک محدثانہ اور محققانہ رسالہ عربی زبان میں فخرالحسن کے نام سے لکھا اور عالمانہ انداز سے ثابت کر دیا کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں کم عمر نہیں تھے اور روحانی خلافت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی دہلی اور ہندوستان کے علما اور مشائخ میں حضرت مولانا فخر صاحبؒ کی دھوم مچ گئی اور دُور دُور سے اہلِ علم ان سے فیض حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔ حضرت مولانا فخر صاحب کی روحانی تعلیم ایسی عجیب و غریب تھی کہ ان کے خلفاء جہاں بھی گئے نظامیہ سلسلے کو چار چاند لگا کر روشن کر دیا۔ چنانچہ پنجاب میں حضرت مولانا نور محمد صاحب مہارویؒ کو بھیجا گیا جن سے سارا پنجاب منور ہو گیا اور آج تونسہ شریف اور چاچڑاں شریف اور سیال شریف اور گولڑہ شریف اور جلال پور شریف وغیرہ خانقاہیں حضرت مولانا نور محمد صاحب مہاروی کے فیض سے روشن ہیں اور روہیل کھنڈ میں حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب نیاز بریلوی نے نظامیہ سلسلہ چمکایا اور پھیلایا۔ دہلی میں حضرت حاجی لال محمد صاحب اور حضرت مولانا خواجہ غلام فرید صاحب اور حضرت حافظ لقمان صاحب سے سلسلے کی بڑی اشاعت ہوئی جے پور میں حضرت مولانا ضیاالدین تشریف لے گئے اور تمام راجپوتانہ کو روشن کر دیا۔

حضرت مولانا فخر صاحب کے فرزند حضرت میاں قطب الدین صاحب تھے اور ان کے فرزند حضرت میاں نصیرالدین کالے صاحب

Marfat.com

تھے ۔ ان سے بھی سلسلہ چلا تھا مگر زیادہ ترقی حضرت مولانا فخر صاحب کے خلفا سے ہوئی ۔

حضرت مولانا نور محمد صاحبؒ مہاروی کے خلیفہ حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی ہوئے ، جن کے جانشین حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ تھے اور ان کے جانشین حضرت حافظ موسیٰ صاحبؒ تھے اور ان کے جانشین حضرت حامد صاحبؒ تھے اور ان کے جانشین حضرت مولانا سید بدرالدین صاحب ہوئے ۔

حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحبؒ کے بہت خلفا ہوئے جن میں حضرت مولانا شمس الدین صاحب سیالوی نے سلسلے کو بہت بڑھایا جن کے ایک خلیفہ گولڑہ (راولپنڈی) میں حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب تھے جن کے فرزند حضرت مولانا سید غلام محی الدین صاحب ہیں اور دوسرے خلیفہ حضرت پیر سید حیدر شاہ صاحب تھے جن کا مزار جلال پور پنجاب میں ہے اور ان کے سجادہ نشین حضرت مولانا پیر فضل شاہ صاحب ہیں ۔ لیکن حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی کے فرزند حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب نے سلسلے کو اتنا پھیلایا کہ حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی کے خلفاء ان کے زمانے تک اتنا سلسلہ نہیں پھیلا سکے تھے ۔

چاچڑاں ریاست بہاولپور میں حضرت مولانا نور محمد صاحب مہاروی کے خلیفہ حضرت قاضی محمد عاقل صاحب تھے ۔ ان کے جانشین حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ ہوئے جن سے نظامیہ سلسلے کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی ۔ ان کے جانشین حضرت محمد بخش صاحب ہوئے ۔

مہاراں شریف میں جہاں حضرت مولانا نور محمد صاحب کا مزار ہے وہاں بھی ریاست بہاولپور نے جاگیریں دی ہیں اس واسطے حضرت مولانا نور محمد صاحب مہاروی کی اولاد میں کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو سلسلے کو ترقی دیتا ۔ گولڑہ شریف میں کوئی جاگیر نہیں ہے اس واسطے وہاں اب تک سلسلہ ترقی کر رہا ہے ۔ جلالپور شریف میں جاگیر نہیں ہے اور وہاں بھی سلسلہ بڑھ رہا ہے ۔ حضرت پیر فضل شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی نے البتہ ذاتی طور پر حکومت انگریزی سے خطابات حاصل کیے ہیں اور گورنمنٹ انگریزی نے ان کو نواب کا خطاب بھی دیا ہے اور سر کا خطاب بھی رہا ہے اور وہ اسمبلی کے ممبر بھی رہے ان کا نام نواب سر سید مہر شاہ ہے ۔

گجرات میں حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ کی اولاد جب تک دنیا داری سے الگ رہی سلسلہ پھیلتا رہا ۔ دکن میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی درگاہ میں بھی ایک لاکھ روپے کے قریب جاگیر ہے ۔ اس لیے وہاں بھی سلسلے کی اشاعت کا کام رک گیا ہے اور ناقابلِ اظہار خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اورنگ آباد میں بھی ایک بڑی جاگیر ہے جو حضرت میاں کالے صاحبؒ کی اولاد کے قبضے میں ہے ۔ اس لیے وہاں بھی سلسلے کی اشاعت کا نام و نشان باقی نہیں رہا ۔ کیونکہ جاگیر کی مقدمہ بازیوں کے سبب کسی کو اس طرف توجہ ہونے کا وقت نہیں ملا ۔

نظامیہ سراجیہ سلسلہ حضرت مخدوم اخی سراجؒ کا مزار مالوہ بنگال میں ہے ان کے سلسلے کی یوپی اور بہار اور بنگال اور

Marfat.com

آسام میں بہت سی خانقاہیں ہیں مگر سلسلے کی اشاعت سب سے زیادہ پھلواری شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا محی الدین صاحب کے ذریعے سے ہوئی۔ کڑہ مانک پور اور سہسرام وغیرہ مقامات میں بھی نظامیہ سراجیہ سلسلے کے مشائخ سلسلے کی اشاعت کر رہے ہیں۔ سکون ضلع رائے بریلی یو پی میں بھی ایک بڑی خانقاہ نظامیہ سراجیہ سلسلے کی ہے۔ جہاں ایک لاکھ روپے کے قریب جاگیر ہے اور وہاں بھی اس جاگیر نے غفلت اور بے حسی پیدا کر دی ہے۔

الغرض حضرت مولانا فخر صاحبؒ سلسلہ نظامیہ کے مجدد تھے اور آج کل تمام ہندوستان میں نظامیہ سلسلے کی ترقی اور رونق حضرت مولانا فخر صاحب کی روحانیت سے وابستہ ہے۔

صفی پور ضلع اناؤ میں بھی نظامیہ سلسلے کی بہت بڑی خانقاہ ہے اور یو پی میں صفی پوری مشائخ کے ذریعے نظامیہ سلسلے کی بہت اشاعت ہوئی ہے اور حیدر آباد دکن میں بھی حضرت مولانا فخر صاحب کے خلفا کی شاخیں موجود ہیں جن سے نظامیہ سلسلہ سارے دکن میں پھیل رہا ہے۔ حضرت شاہ سلیمان تونسوی کے ایک خلیفہ حضرت حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی تھے جن کا مزار خیرآباد ضلع سیتاپور میں ہے۔ ان کے جانشین حضرت حافظ محمد اسلم صاحبؒ بہت بڑے بزرگ تھے۔ ان کے بعد ان کے جانشین میاں امتیاز حسین صاحب ہوئے تھے۔ حضرت حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی کے خلفا حیدر آباد میں بڑے بڑے کامل گذرے ہیں جن میں ایک خلیفہ حضرت مولانا حسن الزماں صاحبؒ تھے جنھوں نے رسالہ فخر الحسن کی ایک ضخیم شرح عربی زبان میں "القول المستحسن" کے نام سے لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ اور بارہ جلدیں فقہ اہل بیت کی لکھی تھیں جن میں سے کئی شائع ہو چکی ہیں اور باقی قلمی ہیں اور دوسرے خلیفہ حضرت حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی کے حضرت حبیب علی شاہ صاحب حیدر آباد میں تھے۔ ان سے بھی یہ سلسلہ بہت پھیلا اور تیسرے خلیفہ حضرت سردار بیگ صاحبؒ تھے۔ ان سے بھی حیدر آباد دکن میں نظامیہ سلسلے کی بہت اشاعت ہوئی۔ مگر ان میں سے کوئی جاگیردار نہیں تھا۔

اندرون و بیرون درگاہ شریف کی موجودہ قبریں اور عمارتیں

حضرت سلطان المشائخ خواجہ سیّد نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رضؓ کا مزار جہاں ہے اس کے اطراف میں چاروں طرف کئی کئی میل تک بے شمار قبریں ہیں کیونکہ چھ سو برس سے یہ عقیدہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے کہ جو شخص حضرت سلطان المشائخ کے جوار اور پڑوس میں دفن ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے گا۔ اس لیے میں ان قبروں میں سے چند نامور قبروں کا ذکر لکھتا ہوں۔

حضرت کے مزار کے شرق میں آدھ میل کے فاصلے پر جمنا دریا کے کنارے شہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ ہے جس کے گوشہ شمال میں حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ ہے اور اس خانقاہ کے غرب میں حضرت سید شمس الدین اوتار اللہ کا مزار مبارک ہے جو حضرت سلطان المشائخ کے زمانے میں تھے اور اسپین کا مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی ان سے ملا تھا۔ یہاں منّت ماننے والے لوگ چاندی کے پتّے چڑھاتے ہیں اور مچھلی پکا کر نیاز دلواتے ہیں۔ اس مزار اور مقبرہ ہمایوں کے قریب جنوب و غرب میں

Marfat.com

عرب سرائے ہے جہاں ہمایوں کی بیوی نے عربوں کو آباد کیا تھا جو ہمایوں کی قبر پر قرآن شریف پڑھتے تھے۔ اب یہ سرائے ویران ہو گئی ہے۔ عرب لوگ سب مر گئے یا دہلی میں جا کر آباد ہو گئے اور غیر مسلم باشندے قریب کی نئی آبادی جنگ پورے چلے گئے۔ عرب سرائے کے گوشہ شمال غرب میں حلیمہ کا باغ ہے یہاں عیسٰی خاں کا مقبرہ ہے اور مسجد ہے۔ عیسٰی خاں شیر شاہ سوری کے امرا میں تھا۔ عرب سرا کے غرب، اور متھرا کی سڑک کے شرق میں عربوں کا قبرستان ہے۔ جس کو تُربہ کہتے ہیں۔ اسی جگہ مولوی سید احمد صاحب عرب مؤلف فرہنگ آصفیہ کی قبر بھی ہے۔ اس کے غرب میں وہ سڑک ہے جو دہلی سے متھرا کو جاتی ہے اور سڑک کے کنارے پر شہنشاہ اکبر کے مشہور اور ہندی زبان کے نامور شاعر عبدالرحیم خان خاناں کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ بھی حضرت سلطان المشائخ رضہ کے قرب کی وجہ سے بنایا گیا تھا۔ اس کے قریب انگریزوں نے نئی آبادی جنگ پورہ کے نام سے بسائی ہے۔ متھرا روڈ کے غرب میں بنگلے والی مسجد ہے جو مرزا الٰہی بخش صاحب مرحوم نے بنوائی تھی اور جہاں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رہتے تھے اور تعلیم دیتے تھے اور وہیں ان کے اور ان کے فرزند حضرت مولانا میاں محمد صاحب کے مزارات ہیں اس مسجد کے غرب میں حضرت سلطان المشائخ کا بنوایا ہوا چبوترہ تھا جس پر حضرت کے خلفا کے مزارات تھے۔ یہ مزارات اب بھی موجود ہیں سنگ خارا کے بڑے بڑے تعویذ ہیں مگر مٹی میں دب گئے ہیں۔ کیونکہ یہاں مرزا الٰہی بخش صاحب نے اپنا اصطبل بنوایا تھا۔ اور ان کے وارثوں نے یہ زمین فروخت کر دی تھی۔ جس کے بعد یہاں رہائش کے مکان بن گئے ہیں۔

بستی برج کے غرب میں ملا ہوا جلال الدین خلجی کا کوشک لال ہے جہاں ابن بطوطہ ٹھیرا تھا اور عباسیوں کے آخری خلیفہ کا پوتا بھی ٹھیرا تھا۔ اور اسی جگہ سلطان محمد تغلق کی بہن کی شادی عباسی خلیفہ کے پوتے سے ہوئی تھی۔ جنوب میں نواب لوہارو کے خاندان کی قبریں ہیں اور انہی قبروں میں مرزا غالب بھی مدفون ہیں اور مرزا غالب کے پائیں فصیل کے اندر سنگ مرمر کی ایک شاندار عمارت ہے۔ جس کو چونسٹھ کھمبہ کہتے ہیں جس میں شہنشاہ اکبر کے دودھ بھائی مرزا عزیز کوکلتاش اور ان کے خاندان کی قبریں ہیں۔ چونسٹھ کھمبے کے جنوب میں باہر کے رُخ بہت سی قبریں ہیں جو غالباً ڈھائی سو برس پہلے کی ہیں۔ ان میں ایک قبر مرمت کے وقت کھل گئی تھی اور اس کے اندر سے سفید ڈاڑھی کے ایک بزرگ کی لاش نکلی تھی، جن کا کفن بھی سلامت تھا اور چہرے کی کھال اور بال بھی سلامت تھے۔

بری کے گنبد کے غرب میں خان اعظم سید شمس الدین اتکہ کا خوبصورت مقبرہ ہے جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور اس مقبرے کے غرب میں حضرت مولانا حافظ خواجہ سیّد موسٰی کا مزار ہے جو درگاہ کی جالیوں سے ملا ہوا ہے اس مزار کے شرق میں احمد ایاز خواجہ جہاں کی بنائی ہوئی بُرجی ہے اور جالیوں کے غرب میں حضرت سلطان المشائخ رضہ کا مزار شریف ہے حضرت کے مزار کے گوشۂ شمال و شرق میں مرادوں کا پیالہ ہے۔ یہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس میں گیارہ من دودھ آتا ہے۔ اس کے قریب شمال میں نواب اعتقاد خاں کا مقبرہ ہے جو عالمگیر کے زمانے میں ایک امیر تھے اور صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ اس حجرے کے پاس ایک بڑی املی ہے اور اس سے ملا ہوا درگاہ کا مالن دروازہ ہے جس کے سامنے ایک اونچے چبوترے پر امرائے دہلی کے تاریخی اور سنگین مزارات ہیں۔ مالن دروازے کے غرب میں سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے جس پر محمد شاہ کے پوتوں کی قبریں ہیں اور ان قبروں کے شمال میں اورنگ زیب کا بنایا ہوا سماع خانہ ہے اس سماع خانہ کے غرب میں نواب محمد اسحٰق خاں صاحب اور ان کے اجداد کے مزارات ہیں اور ان سے ملے ہوئے چند حجرے ہیں۔ اس کے بعد علاؤالدین خلجی

Marfat.com

کے ولی عہد خضر خاں کی بنوائی ہوئی مسجد ہے جہاں حضرت سلطان المشائخ کے زمانے کا وہ تاریخی سنگی چراغ دان ہے جس میں چھ سو برس سے آج تک مرادیں ماننے والے اولاد کی مرادوں کے لیے چراغ روشن کرتے ہیں اور اس چراغ دان کو مرادوں کی جھل مل کہا جاتا ہے۔ اس چراغ دان میں بارہ طاق ہیں اور چراغ دان کے اوپر مسجد کا نشان بنا ہوا ہے اور اس چراغ دان کے غرب میں مسافر خانے کے غربی دروازے سے ملا ہوا حضرت خواجہ سالار حسن بن کا مزار ہے جو حضرت سلطان المشائخ کے مرید و خلیفہ تھے اور جن کے ذریعے چین میں نظامیہ سلسلہ پھیلا تھا۔

خضر خاں کی مذکورہ مسجد کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا میرا مکان پائیں منزل ہے۔ کیونکہ وہ حضرت سلطان المشائخ کے پائین ہے جس کو چشتی منزل بھی کہتے ہیں اس مکان کے شرق میں درگاہ کے اندر شاہجہان بادشاہ کی بیٹی جہان آرا کا مقبرہ ہے اور اس کے شرق میں محمد شاہ رنگیلے کا مقبرہ ہے اور اس کے شرق میں بہادر شاہ کے بھائی مرزا جہانگیر اور مرزا بابر کا مقبرہ ہے اور اس کے شرق میں حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے خادم خاص خواجہ عبدالرحمٰن کا مزار ہے جس کے اطراف میں مرزا الٰہی بخش اور ان کی اولاد کی قبریں ہیں۔

مقبرہ مرزا جہانگیر کے جنوب میں حضرت مولانا خواجہ سید رفیع الدین ہارون کا مزار ہے اور ان کے برابر ان کے دادا خواجہ سید صالحؒ کا مزار ہے۔ اس احاطے کے جنوب میں حضرت خواجہ سید ابوبکر مصلّٰے بردار اور ان کے بھائی اور اولاد کے مزارات ہیں اور درگاہ میں آنے کا مشرقی دروازہ ہے اور اس دروازے کے اندر آتے ہی سنگ مرمر کا بنا ہوا حضرت حاجی لال محمد کا مزار ہے اور اس کے پائیں حضرت قطب الدین کاشانی کا مزار ہے اور اس کے پائیں اور بہت سے سنگی مزارات ہیں جن میں سے بعض پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

حضرت شاہ نعمت اللہ ولی قدس سرہٗ

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے تقدس اور معرفت کا شہرہ عالمگیر ہے اور بعض خرق عادات کا ذکر صوفیائے کرام کی زبان سے سن کر اس بات کا شوق پیدا ہوا کہ آپ کے مزید خیالات دریافت کیے جائیں اور کوئی معتبر ذریعہ ان کے اصلی حالات کا نکالا جائے۔ تصوف کی اکثر کتابیں دیکھیں مگر کوائف شیخ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ ایک صاحب نے بیان کیا کہ دہلی کے راقم الدولہ سید ظہور الدین احمد ظہیر جو سید جلال الدین کے فرزند ہیں حضرت شاہ صاحب کی اولاد میں ہیں لیکن ان کے پاس بھی شاہ صاحب کے حالات نہیں، جویندہ یابندہ مزید جستجو سے ایک کتاب میر شاہ غلام حسین صاحب کی نظر ثانی کی ہوئی جس کے مصنف کے نام اور کتاب کے نام کا پتہ نہیں ہے اور اول و آخر سے کم ہے دستیاب ہوئی۔ مجبوراً اسی کو غنیمت جان کر بعض حالات اخذ کر لیے اور بعض حالات میں اور تاریخوں سے مدد لی۔

شاہ صاحب کے اجداد کا بیان

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین کے عہد میں دو بزرگ مشہور تھے ایک شیخ سید فرید الدین مسعود گنج شکرؒ دوسرے شیخ سید بہاء الدین زکریا ملتانی۔ سید بہاء الدین کے دو فرزند تھے۔ سید شیخ صدر الدین اور سید شیخ بدر الدین۔ سید بدر الدین اہل تصوف میں بہت مانے جاتے ہیں۔ آپ مرید اور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے تھے۔

غزنی میں آپ کا بہت شہرہ تھا اور اکثر لوگ دور دور سے آپ سے فیض حاصل کرنے آتے تھے۔

یہی بزرگ حضرت شاہ صاحب کے اجداد میں سے تھے۔ جب سلطان شہاب الدین نے راجہ پتھورا پر فوج کشی کی اور فتح نصیب نہ ہوئی دوبارہ فوج کثیر لے کر آیا، لیکن پھر ناکامیاب رہا تو درویشانِ باخدا کی طرف متوجہ ہو کر دعا کا خواستگار ہوا۔

غزنیں آیا۔ میر سید بدر الدین جو بندگی میاں کے نام سے مشہور تھے ان کی قدمبوسی حاصل کی اور عرض کیا۔ دو مرتبہ فوج کشی کی، لیکن لشکر اسلام کو فتح نہ ہوئی، تمام مسلمان زحمت میں پڑے، نہیں معلوم اس کا کیا سبب ہے؟

آپ نے فرمایا، تمھارے لشکر میں ظلم بہت ہے اور عدل نہیں ہے اس سبب سے فتح نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ حضرت اقدس ہماری اعانت مدد کریں کہ ہم کو فتح ہو اور حق اسلام کا آپ پر بھی ہے۔ بادشاہ کی التجا سے آپ نے منصب قضا قبول کیا اور ایسا سخت انتظام کیا کہ کوئی شخص شریعت سے باہر قدم نہ رکھ سکتا تھا۔ تیسری مرتبہ سلطان کو فتح نصیب ہوئی اور دہلی کو اپنا دار السلطنت بنایا۔ قاضی سید بدر الدین نے اپنا قیام ہانسی میں اختیار کیا اور اسی کو اپنا وطن قرار دیا۔ سلطان شہاب الدین کے زمانہ سے اکبر بادشاہ کے زمانہ تک قاضی صاحب کی کئی پشتیں گزریں۔ سب کا قیام ہانسی میں رہا۔

لیکن حضرت سید شرف جو شاہ صاحب کے دادا تھے۔ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں انھوں نے منصب قضا سے انکار کر دیا

Marfat.com

ہمایوں نے ان کے حقوق پر نظر کر کے ان کی جاگیر مقرر کر دی۔ آپ کے تمام قبیلے کی روزی اسی جاگیر پر تھی۔

اکبر بادشاہ ایک مرتبہ صوفیائے کرام کی زیارت کو ہانسی میں آیا۔ سید صاحب کے یہاں بھی آیا۔ ان میں کے ایک بزرگ موجود تھے جو شرائط تعظیم بادشاہ بجا نہ لائے بادشاہ کے رفقا نے عرض کیا کہ یہ سرکار کے نمک خوار ہیں۔ ان کو جاگیر معاف ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ان کی املاک ضبط کر لی جائے۔

یہ خبر میر سید مشرف کو معلوم ہوئی تو فرمانِ ہمایوں لے کر اکبر کے پاس گئے اور بادشاہ کے سامنے اس کو چاک کر ڈالا۔ اکبر نے کہا تم نے اس فرمان کو کیوں چاک کیا۔ اگر اس قدر تم کو کافی نہ تھا اور تمھارے کنبے کے خرچ کے لائق نہ تھا تو ہم کچھ زیادہ کر دیتے سید مشرف نے فرمایا کہ یہ ہمارے لیے کافی تھا۔ لیکن ہم کو پسند نہیں ہے کہ اس کے معاوضے میں کوئی ہمارے دروازے پر آئے اور ہم سے تعظیم کا خواہاں ہو۔

بادشاہ نے مبالغہ اور اصرار کیا۔ لیکن قبول نہ ہوا۔ اور محض توکل کی زندگی اختیار کی۔ بعد وصال بندگی میر سید مشرف کے شاہ صاحب کے والد ہانسی سے نارنول چلے آئے۔

ولادت شاہ صاحب

حضرت شاہ صاحب کی ولادت کی صحیح تاریخ کا تو پتہ نہیں ملتا۔ لیکن جب بندگی میر سید عطاء اللہ نارنول میں تشریف لائے اور راجو خاں ترکمان جو تازہ ولایت نارنول میں وارد ہوئے تھے ان کے عہد میں حضرت شاہ نعمت اللہ ولی پیدا ہوئے تو بندگی میر سید عطاء اللہ صاحب میلا دِ فرزند کی خوشی میں کچھ شیرینی لے کر حضرت شاہ نظام الدین نارنولی کی خدمت میں بطلب دعا حاضر ہوئے۔

شاہ صاحب نے فرمایا: "کہ میں شادی اور غمی کی کوئی چیز نہیں کھاتا ہوں۔ لیکن تمھارے فرزند کے پیدا ہونے کی مجھ کو ایسی خوشی منظور ہے" یہ کہہ کر ایک ڈلی اٹھا کر کھالی اور کہا تم دعا کے طالب ہو، میں دعا کروں۔ خدا کے نزدیک تمھارے فرزند کا بہت مرتبہ ہے۔

شاہ صاحب کی ذہانت

جب آپ کی دودھ بڑھائی ہو چکی تو سید صاحب نے قرآن کی تعلیم دینا شروع کی۔ چار برس اور چار مہینے کے سن میں آپ نے قرآن ختم کیا۔ آپ کے درس کی بسم اللہ گلستان سے ہوئی ابھی شاہ صاحب سن تمیز کو نہ پہنچنے پائے تھے کہ یتیم ہو گئے۔

آپ کے والد صاحب کا انتقال

جس کا ذکر اس طرح پر ہے کہ راجو خاں سے سید عطا اللہ کی بہت دوستی تھی ان کی بی بی آپ کو بھائی کہتی تھیں۔ راجو خاں نارنول سے برج میں چلے آئے تو ان کے ہمراہ میر عطاء اللہ بھی چلے آئے۔ یہاں آ کر میر صاحب بیمار ہو گئے۔

شدتِ مرض میں راجو خاں کی بی بی کو بلایا۔ اور کہا بہن تم سے ایک وصیت ہے اس کو ضرور پورا کرنا۔ نہیں تو فردائے قیامت میں دامنگیر ہوں گا۔

Marfat.com

اس نیک بخت بی بی نے کہا بھائی جو کچھ آپ فرمائیں گے بسر وچشم بجا لاؤں گی۔ فرمایا اس عالم سے جب میرا انتقال ہو۔ منہ سیاہ کر کے پاؤں میں رسی باندھ کر چوراہے پر پھنکوا دینا کہ مجھ ایسے سیاہ کار کی یہی سزا ہے۔ یہ کہہ کلمہ شہادت پڑھا اور راہی ملک عدم ہوئے۔

بہن کو بھائی کی وصیت نے کشمکش میں ڈال دیا۔ آخر بمشورہ لاش کے منہ پر سیاہ کپڑا لپیٹ کر اور پاؤں میں ایک چیٹ باندھ کر تھوڑا کھینچا اور غسل کفن دے کر چوراہے پر دفن کرا دیا۔ ان کی قبر کے سرہانے ایک چراغ روشن کیا جاتا تھا اور پائنتی غیب سے ایک چراغ روشن ہو جاتا تھا۔ مزار مرجع خاص وعام ہو گیا۔ دور دور سے لوگ مراد مانگنے آتے تھے۔

آپ کی تربیت

اس یتیم بچے کی تربیت اور پرورش اہلیہ راجو خاں نے اپنے ذمہ لی اور اپنے لڑکوں کے ساتھ ان کی تعلیم شروع کی تیرہ برس کی عمر میں تیر اندازی اور شمشیر زنی اور تمام فنون سپہ گری میں طاق ہو گئے۔

ایک روز دوست محمد خاں کے پاس آپ تشریف رکھتے تھے کہ ایک مقدم زمیندار آیا جس کے ذمہ مالگذاری باقی تھا دوست محمد خاں نے تقاضا شدید کیا۔ اس نے کہا میرے ساتھ کسی آدمی کو کر دیجیے میں روپیہ بیباق کر دوں گا۔ ملازمین نے اس کے ساتھ جانے سے عذر کیا اس خیال سے کہ اس زمانے میں زمیندار اپنے گاؤں میں سرکاری ملازمین سے بدسلوکی کرتے تھے۔

شاہ صاحب نے کہا میرا دل سیر کرنے کو راغب ہے مقدم کے ساتھ سیر کر کے واپس آؤں گا۔ دوست محمد خاں نے ہر چند اشارۃً منع کیا لیکن آپ نے نہ مانا اور سوار ہو کر گاؤں چلے گئے جب زمیندار کے مکان پر پہنچے۔ اس سے تاکید کی کہ روپیہ کی فکر جلدی کرو۔ وہ اس کی دعوت کے سامان میں مصروف ہو گیا اور کھانا لے کر آیا تو آپ نے کہا روپیہ لایا۔ اس نے کہا کھانا حاضر ہے نوش فرمائیے روپیہ بھی آ جائے گا۔ آپ نے غصے سے اس پر چند تازیانے مارے کہ پشت زخمی ہو گئی۔ لیکن اس نے نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا ہاتھ دھلایا۔ اور جب کھانا کھانے بیٹھے تو پنکھا جھلنے لگا۔

اس اخلاق سے آپ نے ایک تصوف کا عمدہ نسخہ اخذ کیا کہ میں نے اس قدر اس پر ظلم کیا اور بے حرمتی کی۔ لیکن یہ اسی طرح دل وجان سے میری خدمت کر رہا ہے۔ اگر بندہ اپنے معبود سے ایسا ہی ڈرے اور رضائے الٰہی پر شاکر رہے تو صدیقوں میں شمار ہو۔

اسی وقت آپ کے دل میں خیال آیا کہ دنیا چند روزہ ہے۔ اس میں اپنے پروردگار سے غافل رہنا خلاف دانشمندی ہے۔ مقدم روپیہ لایا۔ آپ اس کو ہمراہ لے کر دوست محمد خاں کے پاس آئے اور روپیہ حوالے کیا۔

ترک دنیا

اس وقت سے آپ کے دل میں یہ بات جم گئی کہ دنیا ترک کر کے محبت الٰہی میں بسر کرنا چاہیئے۔ لیکن ایسا اصول مفر رہو، جو ہر کام میں رہبر ہو۔ آخر دل میں فیصلہ کر لیا کہ ہمت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ جب ہمت دل میں آئی تو اس نے کہا یہ کون سا طریقہ ہے کہ اپنے اوقات عزیز ضائع اور برباد کرتے رہو۔ اٹھو اور خدا کی جستجو کرو۔ پھر پہر رات باقی تھی۔ تلوار اور کٹار اور کمان اور چند تیر ترکش میں رکھ کر مسلح ہو، ایک اشرفی اور پانچ روپیہ لے کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ رات کو دریا پر یاد خدا میں مشغول رہے۔ صبح کی نماز سے فراغت کر کے چاہتے تھے کہ قدم آگے بڑھائیں کہ ناگاہ ایک ملازم نے ان کو دیکھ لیا۔ قدموں پر گر پڑا

Marfat.com

اور کہنے لگا کہ آپ گھر چلیئے۔ نہیں تو مجکو بھی ہمراہ لیجیئے۔ آپ نے کہا مجھ کو دو روپیہ دو میں گھر چلوں۔ اس نے کہا روپیہ یہاں کہاں۔ گھر چلیئے تو میں دوں۔ آپ نے کہا گھر سے روپیہ لے آؤ۔ وہ تو ادھر روپیہ لینے روانہ ہوا۔ آپ نے جنگل کا راستہ لیا۔ ایک جگہ دریا پر چند آدمی جمع تھے اور خربوزے والا بیٹھا تھا۔ آپ نے سب خربوزے خرید کر تمام لوگوں کو کھلا دیئے اور ہتھیار لوگوں کو بانٹ دیئے اور راہ ویرانے کی اختیار کی۔ بہت دنوں کے بعد اطراف حیدر آباد میں پہنچے۔ وہاں حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ کے مرید ہوئے۔ آپ نے پوچھا میاں تم علم ظاہری سے فراغت کر چکے؟ عرض کیا تکمیل نہیں ہوئی۔ فرمایا ایسے بھی خدا کے بندے ہیں کہ علم ظاہر تحصیل نہیں اور خدا کی طلب میں آتے ہیں۔

تحصیل علم ظاہری

آپ نے پیر سے اجازت مانگی کہ مجکو حکم ہو تو تحصیل علم ظاہری کروں؟ رخصت ہو کر دولت آباد میں آئے۔ وہاں ایک مشہور حکیم جبرئیل علم و حکمت میں مشہور عالم تھا۔ اس کی خدمت میں گئے اس نے بہت خاطر کی اور آپ نے شرح ملا جامی شروع کی۔ استاد کے تلطف اور مہربانی سے بہت جلد آپ فلسفہ اور منطق سے فراغت کر کے حکمت پڑھنے لگے۔ حکیم جبریل نے کہا اخوند! میں چاہتا ہوں کہ تمام علوم کا ایک لقمہ بنا کر تم کو کھلا دوں! اور ایسا ہی ہوا کہ آپ بہت جلد درس و تدریس سے فراغت کر کے بجائے استاد مطب کرنے لگے۔

حکیم نے دل میں کہا کہ ایسا شریف اور نیک شاگرد ملنا مشکل ہے۔ بہتر ہے کہ اپنی دختر کی شادی اس سے کر دوں لیکن بی بی اور لڑکی ولایت میں تھیں۔ ان سے کہا کہ اخوند! تم ہمارا ایک کام کر دو۔ اپنی والدہ کو ولایت سے لے آؤ اور کچھ روپیہ کی ہنڈی ان کو کرا دی۔ بموجب ارشاد استاد ولایت میں آئے اور اہلیہ حکیم کو لے کر دولت آباد واپس آئے۔ حکیم بہت خوش ہوا۔

صوبہ دار دولت آباد کے وزیر نے انتقال کیا اور اس فکر میں تھا کہ اس کی جگہ پر کسے وزیر مقرر کرے۔ حکیم صاحب سے مشورہ لیا۔ آپ نے کہا کہ میرا ایک شاگرد نعمت اللہ ہے۔ میں اس کو کل حاضر کروں گا۔ وہ لائق منصب وزارت کے ہے اور وعدہ کیا کہ میں کل شاگرد کو لے کر حاضر ہوں گا۔ یہ ذکر شاہ صاحب سے کیا اور کہا آخر خدا کا فضل ہے کہ تمہارے واسطے صورت معقول نکل آئی وزارت کے عہدے پر تمہارا تقرر ہو جائے گا۔ شاہ صاحب کا دل دنیا سے سرد ہو چکا تھا۔ وہ ایسی باتوں کی طرف کب توجہ کرنے والے تھے۔ یہ سنتے ہی شبا شب وہاں سے کوچ کیا اور چند مدت میں اپنے پیر شیخ محمد قدس کے قدم بوس ہوئے جب شغل اشغال اور لوازمہ سفر سے آگاہ ہوئے فرمایا کہ تم فیروز پور میں سکونت اختیار کرو۔

پیر کی نصیحت

چلتے وقت پیر نے نصیحت کی کہ خدا کے بندوں کو ہدایت کرنا اور یہ نعمت جو تم کو ملی ہے اپنے کو غنی نہ سمجھنا جس بزرگ سے ملاقات ہو کاسہ گدائی پیش کرنا اور جو کچھ ملے حاصل کرنا اور نفس کو کشتہ کرنا۔ آپ رخصت ہو کر فیروز پور میں آئے۔ سولہ برس تک رات کو جنگل میں عبادت کی اور جنگل کی پتیوں پر بسر کی۔ ایک روز زبان فیض ترجمان سے ارشاد کیا کہ الحمد للہ چار برس تک جنگل میں ننگا پھرا، لیکن ایک وقت کی نماز قضا نہ ہوئی۔ پوچھا کہ برہنہ نماز کہاں روا ہے آپ نے ارشاد کیا۔ کہ وہاں آدمی کا نام نہ تھا۔ ناف تک ریگستان میں دھنس جاتا تھا اور پتے کی ٹوپی پہن کر پنجگانہ ادا کرتا تھا اور تیمم

Marfat.com

کرکے نماز پڑھتا تھا۔ بعد اس کے آبادی دیکھنے کو جی چاہا۔ کچھ چیتھڑے جمع کرکے ان کو دھویا۔ ایک شخص سے سوئی تاگا مانگ کر ایک تہ بند سی کر ستر پوش ہوا۔ پھر فیروزپور میں کچھ دنوں رہ کر پیر کی خدمت میں قدمبوسی کرکے اکبرآباد آیا۔ اسی طرح پھرتا پھرتا خاندیش میں پہنچا۔

دو تین جوان لڑکیاں گیت گا کر چکی پیس رہی تھیں۔ مجکو آوازان کی اچھی معلوم ہوئی۔ کچھ ٹھہر گیا۔ پھر دل میں خیال آیا کہ دنیا ہے کچھ لوگ اور خیال نہ کریں۔ چلنے کا قصد کیا۔ ان میں ایک پسنہاری ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔ شاہ صاحب بیٹھئے۔ میں نے کہا تھوڑا پانی پلا دے پانی پی کر دعا دی۔ خدا تجکو اولاد دے، وہاں سے پیر کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے بہت مہربانی سے کھانا منگوایا۔ عرض کیا مدت سے ترک طعام ہے۔ آپ نے کہا جو کیا اچھا کیا۔ لیکن قبول دعوت میں متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مجبوراً ایک نوالہ کھایا۔ دوسرا نوالہ حضرت نے اصرار سے کھلایا۔ آخر پیر کے حکم سے پانچ نوالہ کھا کر شکر خدا کیا۔ پیر کی خدمت میں شاہ صاحب ایک مدّت تک رہے اور پانچ لقمے روز کھایا کیے۔ آخر پیر سے رخصت ہو کر شیخ شاہ عالم کی خدمت میں گجرات آئے۔ ان کے فرزند سید جلال سے بہت دوستی ہوگئی۔ شاہ عالم نے سید جلال کو ان کی خدمت میں تربیت طریقہ سلوک کے واسطے دیدیا۔ اس مدت میں حضرت شاہ عالم کا وصال ہوگیا۔ میر سید جلال الدین کی محبّت سے حضرت نے گجرات میں قیام کیا۔ جب جہانگیر بادشاہ گجرات میں آیا، میر سید جلال الدین نے ملازمت شاہی اختیار کی۔ بادشاہ سے مقربین خاص نے اوصاف حضرت شاہ نعمت اللہ کے بیان کیے۔ بادشاہ نے ملاقات کو طلب کیا۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ مجبوراً بادشاہ حضرت شاہ عالم کے مزار پر فاتحہ خوانی کے بہانہ سے ان سے ملنے آئے۔ آپ وہاں سے چلے گئے۔ ایک روز بادشاہ نے خان بہادر سے کہا "خان بابا! میری دلی خواہش ہے کہ شاہ نعمت اللہ سے ملوں، لیکن یہ امر امکان سے باہر معلوم ہوتا ہے"۔ خان جہاں نے وعدہ کیا کہ میں اس کام کو انجام دوں گا۔ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اثنائے کلام میں بادشاہ کی دینداری اور فقرا کے ساتھ حسن عقیدت کا بیان کرکے عرض کیا کہ بادشاہ کو آپ کی زیارت کا بیحد شوق ہے اگر حضرت کو تشریف لے جانے میں تکلیف ہو تو اجازت دیجیئے کہ وہ خود حاضر ہو کر مستفیض زیارت ہوں۔ جب یہ اصرار حد سے زیادہ گزر گیا تو آپ نے فرمایا "خان جیو" یہ بتاؤ کہ صحبت میں اثر ہے کہ نہیں۔ خان جہاں نے عرض کیا، بے شک اثر ہے۔ کہا پھر وہ بادشاہ میں فقیر۔ اگر اس کی صحبت مجھیں اثر کرے میرے گدڑی چھن جائے اور اگر میری صحبت کا اثر بادشاہ کو پہنچے تو امور سلطنت میں خرابی پھیلے اور رعیّت تباہ ہو۔ حضرت خان جہاں خاموش ہوگئے۔ رخصت کے وقت عرض کیا۔ پھر بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ آپ نے کہا تم میری طرف سے وکیل ہو۔ بادشاہ سے کہو اس خدمت کی مجکو تکلیف نہ دے۔

ایک مرتبہ جہانگیر نے حکم دیا کہ قرآن شریف کا ترجمہ فارسی تحت اللفظ اور جس قدر حرف قرآن شریف میں ہیں۔ اتنے ہی حرف ترجمے میں ہوں۔ تمام متوسلان دولت نے جو اہل علم تھے بہت کوشش کی۔ آخر مجبور ہو کر ڈھائی سپارہ کا ترجمہ پیش کرکے عرض کی۔ ایسا ترجمہ ہمارے امکان سے باہر ہے۔ شاید شاہ صاحب لکھ سکیں تو لکھ سکیں۔ بادشاہ نے کہا شاہ صاحب نے مجھ سے ملاقات تو کی نہیں۔ ترجمہ قرآن مجید کیا کریں گے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ میر سید جلال جو سرکار میں ملازم ہیں شاہ صاحب کے مرید ہیں۔ شاہ صاحب ان کو بہت عزیز رکھتے ہیں ان کے توسل سے یہ کام انجام پا سکتا ہے۔ بادشاہ نے یہ حکم میر سید جلال کو بھیجا۔ میر صاحب اس حکم سے بہت مکدّر خاطر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام قصہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا، تمہارا تعلق بادشاہ سے ملازمت کا ہے۔ میں ترجمہ کر دوں گا۔ لفظی ترجمہ

Marfat.com

حرف بحرف عبارت آسان میں بامحاورہ ہوگا۔ لیکن قرآن میں جہاں جہاں روائتیں طالب قصہ ہیں ان کی تشریح کروں یا نہ کروں اس امر کو بادشاہ سے دریافت کرلینا۔

جہانگیر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ قصہ طلب مقامات کی تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ترجمہ کے حروف اصل قرآن کے حروف سے زیادہ نہ ہوں۔ حضرت نے ایسا ہی ترجمہ دو مہینے میں کیا اور نام اس کا ترجمہ "جہانگیری" رکھا۔ ترجمہ ایسا سلیس فارسی میں تھا کہ فضلائے وقت نے دیکھ کر گردن جھکالی۔ ترجمہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو بادشاہ کو حضرت کی ملاقات کا شوق بڑھ گیا۔

میر سید جلال سے تاکید پر تاکید کی اور آخر غصے میں میر صاحب کی مدد معاش کا معافی نامہ ضبط کرلیا۔ جب تک شاہ صاحب کو راضی کرکے ہمارے پاس نہ لاؤ گے جاگیر ضبط رہے گی۔

میر صاحب مکدّر گھر میں آئے اور شاہ صاحب سے تمام قصہ دربار کا بیان کیا۔ فرمایا اچھا اگر تمھاری کارسازی میری ذات پر موقوف ہے تو میں بادشاہ کے حضور چلوں گا تم رنج نہ کرو۔ دھوپ سے چلے آتے ہو، تھوڑی دیر آرام کرو۔ ایک خدمتگار کو پنکھا جھلنے کا حکم دیا۔ میر صاحب سو گئے تو آپ نے قلمدان اٹھا کر میر صاحب کے نام خط لکھا۔

جناب من! میں تمھاری ہر مشکل اور مہم کا غوث الثقلین کی طرف سے ذمہ دار ہوں تمھارے تمام کام مطابق خواہش کے بن جائیں گے مجکو اپنا معین سمجھو۔ کچھ وسوسہ دل میں نہ لانا۔ اب ہم رخصت ہوتے ہیں حشر میں ملاقات ہوگی۔ فقیر نعمت اللہ۔

رقعہ قلمدان میں رکھ کر آپ سر بصحرا نکل کھڑے ہوئے۔ مدت تک سیاحت میں رہے۔ پھر بحکم شیخ فیروز آباد تبلیغ اسلام کرنے لگے۔ میر صاحب کو بہت صدمہ ہوا۔ شاہ صاحب کو بہت ڈھونڈا کہیں پتہ نہ چلا۔ شاہ صاحب کا خط روز ایک مرتبہ پڑھتے تھے اور زار وقطار روتے تھے۔

شاہ صاحب کی کرامتیں

ایک مرتبہ آپ اس گاؤں میں آئے جہاں ایک پنہاری لڑکی نے پانی پلایا تھا اور آپ نے دعا دی تھی۔ دیکھا تو وہاں ایک نفیس عمارت بنی ہوئی ہے اور پنہاری کا چھپر محل سے بدل گیا ہے۔ شاہ صاحب کو پہچان کر ایک عورت نے اس لڑکی سے اطلاع کی وہ خبر سنتے ہی اپنے محل سے نفیس پوشاک پہنے سر و پا برہنہ دوڑی آئی۔ قدموں پر گر پڑی اور منت سے کہا۔ غریب خانہ پر کرم بخشی کیجیے۔ میرا شوہر شکار پر گیا ہے وہ بھی حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کرے گا۔ مدت سے آنکھیں ڈھونڈتی تھیں ہم کو تو جو کچھ ملا۔ آپ کی بدولت ملا۔ آپ نے فرمایا بس بابا تم کو خوش دیکھ لیا اب فقیر ٹھہر نہیں سکتا۔ ہر چند منت کی قبول نہ فرمایا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے کہا تھوڑی دیر یہاں ٹھہریے میں ابھی آتی ہوں۔ یہ کہہ کر گھر میں گئی۔ سو روپے کی تھیلی اور اپنے لڑکے کو گود میں لے کر حاضر ہوئی لڑکے کو تو قدموں میں ڈال دیا اور روپیہ بطریق نذر پیش کرکے عرض کیا۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے سب آپ کا دیا ہوا ہے اور آپ کا طفیل ہے ہم خدمت کو حاضر ہیں۔ آپ قیام نہیں فرماتے تو اس قلیل رقم کو راستے کے خرچ کے لیے قبول فرمایئے۔ آپ نے کہا میں نے تمھارے روپے قبول کیے اور یہ میری طرف سے اپنے لڑکے کو دے دو۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو ایک روپیہ لے کر اسی محلے کے تکیہ دار فقیر کو دے دیا۔

Marfat.com

ایک روز آپ جنگل کو جا رہے تھے، ایک شیر سامنے دکھائی دیا، آپ ٹھہر گئے اور فرمایا۔ اے یار عزیز اگر مشیت خدا یہی ہے پھر حاضر ہے، مطابق حکم کے عمل کر اور اگر ابھی حکم نہیں ہے تو ابھی راہ لے اور مجکو راستہ دے۔ شیر ایک طرف کو جست کرتا ہوا چلا گیا۔

سخت گرمی کے زمانہ میں سر و پا برہنہ ایک درخت سایہ دار کے نیچے آپ مراقبہ میں مشغول تھے۔ ایک کالا سانپ آپ کے پاؤں پر سر رکھ کر سو رہا۔ آپ نے اس معاملہ کو دیکھا اور پھر مراقبے میں مشغول ہو گئے سانپ کچھ دیر بعد کہیں چلا گیا۔

کچھ دنوں فیروزپور میں قیام رہا۔ کچھ دنوں بہار میں رہے۔ آپ نے ایک ہاتھی پالا تھا، بہار سے کو دہن آئے وہاں سے قریب ٹانڈے میں دو بزرگ تھے۔ ایک شاہ کرم اللہ، دوسرے میر سید احمد مالتی پوری۔ شاہ کرم اللہ ظاہری دولت اور عزت بہت کچھ رکھتے تھے۔ بولہ ہاتھی دروازے پر جھولتے رہتے تھے۔ اس مرتبہ پر بھی اگر کوئی اہل غرض غریب عاجز مظلوم آتا اور کہتا میرا کام فلاں حاکم سے پڑا ہے اگر حضرت سفارش کریں تو کام بن جائے۔ آپ فوراً جاتے اور اس کے کام میں کوشش کرتے۔

میر سید احمد محبت الٰہی میں مستغرق تھے۔ اپنی خانقاہ کے حجرے سے باہر نہیں آتے تھے۔ دونوں درویش اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔

ایک روز شاہ کرم اللہ نے اپنے دوستوں کے جلسے میں بلند آواز سے کہا آج ہم دونوں صاحب ولایت کا تغیر ہو گیا اور ایک شخص ہماری جگہ پر آتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کب تک آئیں گے۔ آپ نے کہا بہت جلد آنے والے ہیں۔ چند روز کے بعد ایک روز آپ نے کہا کہ صاحب ولایت آج گنگا کے کنارے پہنچ گیا ہے۔ ہم پیشوائی کو جاتے ہیں۔ لوگ ساتھ ہو لیے۔ جب دریا کے کنارے پہنچے لوگوں نے پوچھا وہ کون آدمی ہے آپ نے فرمایا۔ سامنے جو کشتی آ رہی ہے اس پر سوار ہیں۔ جب کشتی قریب آئی سب سے پہلے شاہ کرم اللہ نے دست بوسی کی سعادت حاصل کی اور حضرت شاہ صاحب کو اپنی خانقاہ میں نہایت اعزاز سے لائے اور بہت تواضع اور تکریم کی۔ حضرت نے پوچھا میر سید احمد کہاں رہتے ہیں؛ شاہ کرم اللہ نے عرض کیا وہ مالتی پور میں قیام رکھتے ہیں۔ دو تین روز کے بعد حضرت نے فرمایا۔ ہم میر سید احمد سے ملنے جاتے ہیں۔ جب مالتی پور میں میر سید احمد کے مکان پر پہنچے، میر سید احمد حجرے سے باہر آئے اور دوڑ کر بغل گیر ہوئے مصافحہ کیا مبارک باد دی اور حضرت کو دست بدست حجرے میں لے گئے اور اس قدر خاطر کی کہ حضرت بہت دنوں وہاں رہے۔ بعد چند روز کے حضرت نے سیر کا قصد کیا۔ میر سید احمد نے فرمایا کہ میرا وقت قریب ہے میں چاہتا ہوں کہ نماز جنازہ آپ پڑھا کر جائیں۔ آپ نے کہا، کیا مضائقہ ہے۔ فقیر نماز جنازہ کے وقت پہنچ جائے گا۔ یہ کہہ کر باشائے کرنسکار کو تشریف لے گئے۔ بعد چند روز کے میر صاحب نے انتقال فرمایا اور وصیت کی میرے جنازہ کی نماز کوئی نہ پڑھائے حضرت صاحب خود آ کر پڑھائیں گے۔ جنازہ رکھا ہوا تھا اور قبر تیار تھی کہ حضرت صاحب آ گئے۔ نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا اور متعلقین کو دلاسا دیا اور میر صاحب کے فرزند سید نظام شاہ کو سجادہ نشین کیا۔

اور آپ میر صاحب کے خویش میر اسمٰعیل کے یہاں چلے گئے اور بہت زمانہ تک وہاں قیام کیا۔ اللہ داد خاں افغانی حضرت کے مرید ہوئے اور خدمت پیر کی بہت کرتے تھے۔ فیروزپور کے قریب جنگل میں عہد سلف سے ایک تالاب تھا اس کا پانی جو کوئی پیتا تھا مر جاتا تھا۔ وہ تالاب شاہ برج سے کوس بھر کے فاصلہ پر ہے۔ ایک روز حضرت نے فرمایا ہم تالاب پر جائیں گے۔ اور

Marfat.com

معتقدین بھی ہمراہ ہولیے۔ تالاب کے قریب پہنچکر حضرت نے اللہ داد خاں سے پوچھا تمھارے پاس کچھ ہے۔ آپ نے ایک روپیہ پیش کیا فر
اس کے مزدور بلوا کر تھوڑی زمین ہمارے قیام کے لیے ہموار کر دو۔

حسب ارشاد مزدور آئے۔ دوپہر کے بعد آپ نے کہا۔ اب سب لوگوں کو بھوک لگی ہوگی اسی روپیہ میں اوگرہ پکا کر کھلاؤ اوگرہ تیا
ہوا تو آپ نے سب مزدوروں کو اور حاضرین کو کھلا دیا۔

شام کے قریب ایک دولت مند کشتی میں جارہا تھا۔ اس نے خبر پائی اس جنگل میں ایک درویش آیا ہے کشتی سے اُتر کر حضر
کی قدمبوسی کو آیا اور پانچ روپیہ نذر کیے۔ آپ نے فرمایا ایک روپیہ مزدوروں کو دے دو اور چار روپیہ میں عمدہ کھانا پکا کر سب کو
کھلا دو۔ آپ کی برکت سے روز دُور دُور سے لوگ آتے تھے اور نذریں دیتے تھے جس قدر آمدنی ہوتی اتنا آپ خرچ رکھتے تھے
غیب سے روپیہ چلا آتا تھا۔

اسلام خاں چشتی صوبہ دار جہانگیر نگر نے بیچ رائے بھنڈاری کی صلاح سے بیس گاؤں کا اوقاف آپ کے نام کرنا چاہا
آپ نے انکار کیا۔ بہت اصرار سے وقف نامہ اللہ داد خاں کے حوالہ کیا گیا۔ بیچ رائے اوقاف کا نانکار او رچودھری بنایا گیا
یہ اوقاف نامہ پرگنہ بائیس کا تھا۔

بنگالے کے ہفت ہزاری اور پنجہزاری نواب خانخاناں وخان اعظم مہابت خاں آپ کی قدمبوسی میں حاضر رہتے تھے۔ نواب
قاسم خاں اور نواب اعظم خاں، نواب سیف خاں بہت معتقد تھے۔

مہابت خاں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجکو قیافہ سے معلوم ہے کہ حضرت کی خانقاہ میں ہاتھی جھولیں گے اور آپ کا لشکر وحشم بہت
ہوگا وہ لوگ خوش نصیب ہیں جن کی نذر آپ قبول کرلیتے ہیں۔ مجھ بدنصیب کی آرزو کبھی پوری نہ ہوئی۔

آپ نے فرمایا سید اسمٰعیل داماد میر سید احمد مانک پور کی خانقاہ میں درویش بہت ہیں اور خانقاہ کی کوئی آمدنی نہیں ہے تم کچھ
مدد معاش مقرر کردو۔ مہابت خاں نے ایک پروانہ معافی پرگنہ کا سید اسمٰعیل کے نام لکھ دیا اور ایک پروانہ جوگی داس راجپوت
جاگیر دار کے نام دخل دہانی کا لکھ دیا۔

مہابت خاں کو بادشاہ نے اپنے پاس بلوایا اور ان کے بیٹے خانہ زاد خاں کو صوبہ دار بنگالہ مقرر کیا۔
مہابت خاں آپ سے رخصت ہونے آئے تو عرض کیا حضرت کا غلام میری جگہ پر آئے گا۔ امیدوار ہوں کہ اس پر توجہ رہے
کہ اپنے ہاتھ پاؤں بچا کر راست روی اختیار کرے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو ایک مہینہ پیشتر سے خطرناک واقعات کی اطلاع
دوں گا۔ ماننا نہ ماننا اس کا فعل ہے۔

خانہ زاد خاں نے چند روز حضور کے فیض صحبت سے اپنی طبیعت کا رنگ بدل دیا اور اچھا خاصہ صوفی مشرب بن گیا۔ یہ سب
شاہ صاحب کی صحبت کا اثر تھا۔

آپ کا اخلاق حضرت ایک روز خانہ زاد خاں کی بارہ دری میں رونق افروز تھے اور تنہائی میں نفس کشی کی ہدایت فرما رہے تھے

Marfat.com

ایک پردیسی فقیر ڈیوڑھی پر آیا اور خانہ زاد سے ملنے کی آرزو کی۔ یہ بہت درویش پرست آدمی مشہور تھا) چوبدار نے خانصاحب سے اطلاع کی فرمایا۔ اس کا نام پوچھو۔ درویش ایک مکار آدمی تھا اور سن چکا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ سے خانصاحب کو بہت حسن ظن ہے۔ لیکن یہ خبر نہ تھی کہ حضرت کی قدمبوسی میں خانصاحب دن رات رہتے ہیں۔ نہ یہ معلوم تھا کہ اس وقت حضرت صاحب رونق افروز ہیں) کہا بابا مجکو فقیر سید نعمت اللہ کہتے ہیں۔ فیروز پور میں سائیں کا قیام رہتا ہے۔ چوبدار نے خانصاحب سے یہی الفاظ دہرا دیئے۔ خاں صاحب غصے میں لال ہو گئے اور چاہا اس مکار کی اچھی طرح مرمت کریں کہ آئندہ کسی کو دھوکا نہ دے۔ لیکن حضرت نے فرمایا کہ یہ اخلاق محمدی سے بعید ہے۔ خدا جانے بیچارہ کس ضرورت سے آیا ہے اور تمھارے حسن ظن کو دریافت کر کے ایسی حرکت کی کہ تم اس سے بدسلوکی کرو۔ غریب اگر اپنا پیٹ پالنے کے لیے جھوٹ بولتا ہے تو کیا نقصان ہے۔ اس کو بلوا کر کچھ نیک سلوک کرو۔

حضرت کے ارشاد سے فقیر کو بلوایا۔ حضرت تعظیم کو کھڑے ہو گئے اپنے برابر مسند پر بٹھایا۔ نام پوچھا۔ کہا سید نعمت اللہ شاہ کہتے ہیں۔ فیروز پور میں خانقاہ بنوائی ہے۔ وہیں قیام ہے۔ حضرت نے کچھ اشارہ کیا۔ خانصاحب نے فوراً دو سو روپیہ منگوا کر شاہ صاحب کی نذر کیا۔ فقیر دعا دے کر رخصت ہوا۔

حضرت کی پیشین گوئی خانہ زاد خاں رسوخیت اور عقیدت حضرت سے بہت زیادہ رکھتے تھے اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ حضرت بھی بہت مہربانی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ خانصاحب کی مدح میں ایک قصیدہ فرمایا۔ جس میں ایک شعر میں ان کے تغیر کی اطلاع بھی تھی، شعر یہ تھا ؎

من در ہوایت اے گل خنداں چو عندلیب   اے تو بنو بہار تماشائے دیگراں

خانصاحب نے قصیدہ سنکر اس شعر پر کان کھڑے کیے اور اسی وقت اپنے متصدیوں کو حکم دیا کہ یہ شعر لکھ لو۔ ہمارا قیام اب یہاں غیر ممکن ہے۔ قریب ہے کہ بادشاہ طلب فرمائے۔ وہی ہوا کہ ایک مہینے کے اندر بادشاہ نے خانہ زاد خاں کو اپنے پاس بلوا لیا۔

Marfat.com

حضرت وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

خاندان ـــــ پیدائش ـــــ تعلیم

حاجی حافظ سید وارث علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز سید حسنی الحسینی ہیں۔ نیشاپور قدیم وطن تھا حضرت کے مورث جناب سید اشرف علی ابی طالب صاحب نیشاپوری ہندوستان تشریف لائے اور قصبہ رسول پور ضلع بارہ بنکی میں قیام فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت کے جد امجد جناب سید عبد الاحد صاحب رسول پوری دیوے چلے آئے اور یہاں کی زمینداری کا بڑا حصہ آپ ہی کا تھا۔

حضرت کے والد ماجد سید قربان علی شاہ صاحب ایک بڑے زمیندار کی حیثیت سے دیوے میں رہتے تھے اور یہ سعادت قصبہ دیوے کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی کہ حضرت امام الاولیا کا مولد و مسقط الراس وہ قرار پایا۔

ابھی حضرت منصۂ شہود پر جلوہ افگن نہیں ہوتے تھے کہ حضرت کے والد ماجد نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ جب حضرت اس عالم وجود میں آئے، اس وقت تک بارہ سو تینتیس سال آنحضرت صلعم کی ہجرت کے گزر چکے تھے۔ ابھی حضور سن رشد کو نہ پہنچے تھے کہ جناب والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا اور اس طرح حضرت نے اپنے نانا سرور دوجہاں رسول خدا صلعم کی پوری سنت ادا فرمائی۔

جب حضور کا سن پانچ سال کا ہوا تو مکتب نشینی کی رسم ادا کی گئی اور ایک مولوی صاحب اس وقت کے دستور کے مطابق دروازے پر پڑھانے کے لیے مقرر کیے گئے۔ مگر حضرت نے قرآن پاک کے سوا کوئی درسی کتاب نہیں پڑھی۔ مولوی صاحب کو گھر سے زر و مال لا کر دے دیتے تھے اور مولوی صاحب اس کے لالچ کی وجہ سے نہ خود کچھ کہتے تھے نہ کسی مربّی اور نگراں سے تذکرہ کرتے تھے۔ حضور نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک یاد فرما لیا تھا۔

اپنی تعلیم کی نسبت حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب کو غلہ گھی روپیہ جو ملجاتا تھا لا کر دے دیا کرتے تھے کہ ہم کو پڑھنے کی تکلیف نہ دیں اور مولوی صاحب ہم سے خوش رہا کرتے تھے۔

حضرت تعلیم اور رواج کی ترتیب سے سخت متنفر تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ ہوش سنبھالتے ہی رگ و پے میں عشق کے جذبات نظر آتے تھے۔ کعبہ مکرمہ بالخصوص مدینہ منورہ کا نام سن کر از خود رفتہ ہو جاتے۔ راتوں کو میدانوں میں نکل جاتے اور ہُوحق سے صرف کام رکھتے۔ اس بیقراری اور اضطرار کا حال جب حضرت مولانا مولوی سید خادم علی شاہ صاحبؒ نے سنا تو حضرت کو لکھنؤ اپنے پاس بلا لیا۔ حضرت سید خادم علی شاہ صاحبؒ حضرت کے رشتے میں بہنوئی ہوتے تھے اور سلسلہ

Marfat.com

چشتیہ کے سربرآوردہ صوفی اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ فرطِ محبت سے اپنے عزیز بھائی کو تمام و کمال مراحل سلوک طے کرائے اور جب وقت رحلت آگیا تو ۱۳ صفر ۱۲۵۲ھ کو اپنے خاص حلقہ بگوش مریدانِ اخلاص کو طلب فرماکر سب کے سامنے حضرت پیر و مرشد کو خاص خاص ہدایتیں فرما کر دنیا سے حجاب کر لیا۔ آخر کار تمام اصحاب کی رائے کے موافق حضرت پیر و مرشد کے دستار خلافت باندھی گئی۔

اب ذوق و شوق کے بادل اُمنڈ اُمنڈ کر برسنے لگے اور سرور و انبساط کی ہوائیں چلنے لگیں۔ دیارِ محبوب سے پیام و سلام آنے لگے ؎ قدمِ عشق پیشتر بہتر۔ کی صدائیں کانوں میں ترنم ریزی کرنے لگیں۔ انھیں جذبات روحانی اور کیفیات گوناگوں میں حضرت نے ایک رات خواب دیکھا کہ جناب مولانا سید خادم علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "تم سفر کرو"۔

اب کیا تھا اجازت پاتے ہی رختِ سفر باندھا، یعنی متوکلاً علی اللہ گیارہ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ کو چل کھڑے ہوئے۔

حالاتِ سفر

پا پیادہ کوچ اور مقام فرماتے ہوئے جے پور پہنچے۔ اس وقت کے حکمران جناب مہاراجہ صاحب نے حاضر ہو کر مع رانی صاحب کے شرف قدمبوسی حاصل کیا اور مرید ہو کر دارین کی فلاح حاصل کی۔ ریاست جے پور سے حضرت قطب الاقطاب خواجہ اجمیریؒ کے آستانۂ مبارک پر حاضر ہو کر کسب سعادت فرمایا۔

لطیفہ

حضرت پیر و مرشد جب آستانہ خواجہ غریب نواز پر حاضری کے قصد سے اندر چلے تو پہلے ہی پھاٹک پر ایک خادم نے روکا اور کہا صاحبزادے یہ مزار پاک مطہر و مقدس حضرت خواجہ صاحب کا ہے۔ آپ اس دلیری سے اندر جا رہے ہیں کہ جوتہ تک پاؤں سے نہیں اتارا ؎ بے ادب! پا منہ اینجا کہ عجب درگاہ است

حضور نے جوتہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ ایسی بُری چیز ہے تو آج سے ہم اس کو ترک کرتے ہیں۔ اس دن سے پھر حضور نے کبھی جوتہ نہیں پہنا۔

آستانہ شریف کی حاضری جب پوری ہو چکی تو حضرت آگے بڑھے اور گجرات کے خطّے کی سیر فرماتے ہوئے بمبئی تشریف لائے۔ بمبئی میں بھی بڑے بڑے ملک التجار مرید ہوئے اور چند روز میں ہر طبقے کے لوگ شیدا اور جاں نثار نظر آنے لگے۔

جہاز کا واقعہ

حضرت جس جہاز پر بیت اللہ شریف کو بمبئی سے روانہ ہوئے اس کے ناخدا محمد تقی تھے۔ جناب اقدس کو تین شبانہ روز کھانا کھانے کی نوبت نہ آئی اور جہاز دفعتہً رُک گیا۔ ناخدا صاحب کو سخت پریشانی ہوئی۔ اسی رات کو محمد ضیاء الدین صاحب ملک التجار نے خواب دیکھا کہ حضور پُر نور جناب رسالتمآب صلعم فرماتے ہیں کہ اے ضیاء الدین تم آرام سے کھانا کھاتے ہو اور ہمارے بچے کی خبر نہیں لیتے۔ بیدار ہو کر تمام مسافران جہاز کو دعوت کر دی۔ مگر حضرت پیر و مرشد بر حق اپنی جگہ سے نہ اُٹھے۔ دوسری رات کو پھر ملک التجار نے خواب دیکھا کہ حضور انور صلعم فرماتے ہیں "تم تنہا خور ہو"۔ ملک التجار صاحب نے بیدار ہو کر خیال کیا کہ کوئی ایسا غیور اور متوکل مسافر جہاز پر ہے جو دعوتِ عام میں شرکت سے عار رکھتا ہے۔ انھوں نے پھر دعوتِ عام کی، اور جب مسافر دسترخوان دعوت پر آگئے تو رجسٹر سے نام ملائے حضور کا نام نامی جب دیکھا تو آپ کو موجود

Marfat.com

نہ پایا۔ تلاش سے حضور ایک گوشہ میں ملے۔ دیکھتے ہی محوِ جمال ہوگیا اور بہت منت و سماجت سے دو تین لقمے حضور نے تناول فرمائے اس وقت جہاز چلنے لگا۔ عدن اور جدّے میں حضور نے تمام مزاروں پر تشریف لے جاکر فاتحہ پڑھا اور ۲۹ شعبان ۱۲۵۳ھ کو بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور ایام حج تک وہاں قیام فرمایا۔

روایت حضور پیر و مرشد یکم رمضان المبارک کو جب بیت اللہ شریف میں حاضر ہوئے تو درِ کعبہ پر ایک صاحب سلوک بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ حضور کو دیکھ کر فرمایا کہ "بہت دیر آنے میں کی"۔ یہ کہہ کر اُن بزرگ نے دنیا سے رخصت فرمائی حضور نے ان کی تجہیز و تکفین فرمائی۔ بیت اللہ شریف میں ساڑھے تین مہینے سے زیادہ حضور حاضر رہے اور یہاں کسب ریاضت سے بہت کچھ فائدہ خلق اللہ کو پہنچایا اور جب مدینہ طیبہ میں در دولت سرورِ کائنات ؐ پر حاضر ہوتے تو مالامال ہو گئے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت کی حالت جذب و سلوک جو کچھ رہی اس کا اعادہ دشوار ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک مدت تک قیام فرمانے کے بعد حضور اقدس بیت المقدس شام، دمشق، بیروت، بغداد، کاظمین و نجف اشرف۔ کربلائے معلّٰی کے سفر میں مدتوں رہے اور ایران کے پایۂ تخت اور اس کے تمام بڑے شہروں میں مقیم رہ کر قسطنطنیہ تشریف لے گئے اور ایک مدت تک یورپی ترکی اور روس کی سیاحت میں رہے اور زمانہ حج میں پھر بیت اللہ شریف تشریف لائے اور بعد فراغت حج حبش اور افریقہ کی سیاحت فرمائی۔

احرام احرام باندھ کر اگر کسی نے پھر اپنا دنیاوی لباس نہیں پہنا تو وہ جناب حاجی صاحب قبلہ ہی ہیں۔ ایک زمانہ جانتا ہے کہ یہ خصوصیت بارگاہ ایزدی سے آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی، ایک سچے عاشق خدا و رسول کی شناخت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جب احرام باندھ کر اپنی حالت عاشقانہ بنائی تو پھر اس کو ترک کرنا کیسا اور دنیا میں احرام صحابۂ رسول صلعم اور بزرگان دین کے سوا اتنا اچھا اور بھلا بھی کسی پر نہ معلوم ہوا ہوگا۔ لاکھوں بناؤ ہزاروں سنگار تصدیق اور نثار تھے سبحان اللہ سبحان اللہ بلند و بالا سرو قد سر سے پاؤں تک تمام اعضا سڈول اور طلائی رنگ آنکھیں ایسی نہ دیکھی نہ سنیں ؎

اُٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا۔

نورانی پیشانی، خوبصورت بھویں، چہرہ ماہتاب سے زیادہ روشن اور بے داغ۔ اس حسن خداداد پر شنگرفی، زرد، سیاہ، ماشی رنگ کا احرام لاکھوں بناؤ پیدا کرتا تھا۔ ہزاروں فقرا اب بھی احرام باندھتے ہیں۔ مگر نہ کوئی ایسا حُسن خداداد رکھتا ہے نہ احرام کسی کے جسم پر بھلا معلوم ہوتا ہے۔

حاجی صاحب اسی طرح حاجی صاحب کا معزز خطاب درگاہِ احدیت سے کسی کو نہیں نصیب ہوا۔ کروڑوں مسلمان حج کرتے ہیں اور حاجی مشہور ہوتے ہیں لیکن "حاجی صاحب" کا معزز لقب ہمارے پیر و مرشد کے سوا کسی حاجی کو نہیں ملا۔ ہندوستان کے کسی حصے میں جائیے۔ جہاں فقرا کا ذکر ہوگا تو حاجی صاحب سے صرف حضرت پیر و مرشد ہی مراد ہوں گے ہر طبقے میں یہاں تک کہ حضرات صوفیائے کرام کے حلقوں میں بھی حضور کا نام نہیں سنا جاتا۔ صرف حاجی صاحب سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ حضور کا ذکر مقصود ہے۔ یہ بھی ایک تصدیق اس امر کی ہے کہ حضور نے جب راہِ خدا میں قدم رکھا اور ذوق و شوق سے

Marfat.com

تمام منزلیں طے فرماتے ہوئے منزلِ مقصود کے قریب پہنچے اور احرام باندھا تو خدا تعالےٰ نے احرام کی طرح حاجی صاحب کا بھی معزز خطاب مخصوص کر دیا۔

فرشِ خاک جناب حاجی صاحب جب کربلائے معلیٰ میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ یہاں کچھ اور ہی سامان ہے۔ سچّے عشق و محبّت کے بحرِ ذخار کے تلاطم عظیم کے امواج فلک الافلاک تک جاتے ہیں، اور بامِ عرش سے ہر وقت یہ صدا آتی ہے ؎

کشتگانِ عشق را از غیب جانے دگراست

یہاں سے زیادہ کسی جگہ عشق و عاشقی کے راز و نیاز نظر نہیں آتے اور ایک سچے عاشق اور سر فروش محبّت کرنے والے کو اگر دیکھنا ہو تو رسول اللہ صلعم کے نواسے کو دیکھو اور اگر یہ دیکھنا ہو کہ عاشقِ صادق کس طرح جانچا جاتا ہے اور کس طرح مصائب و آلام میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دشتِ کربلا کے ان مظالم اور مصائب کو یاد کرو۔ جو دس دن تک ایک عاشقِ جانباز پر نازل ہوتے رہے۔ دنیا کی تاریخ نہیں بتلا سکتی کہ ایسے مصائب اور اس نوعیت کے ظلم کسی پر ہوئے ہیں۔ رضا و تسلیم، صبر و شکر کی تاریخ دیکھنے ہو تو صرف اہل بیت اطہار علیہم السلام کی نورانی اور مقدس صورتیں دیکھو۔ اور ان میں بھی خاص طور پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات مقدس نمایاں نظر آئے گی یہ صبر و شکر۔ یہ رضا و تسلیم کسے نصیب ہوتے ہیں۔ حضور حاجی صاحب نے مرقد انور میں جب اپنے جدِ امجد کو آرام در راحت سے دیکھا تو اس وقت دنیا نظر میں بالکل ہیچ ہو گئی اور عہد فرما لیا کہ آج سے پلنگ یا تخت پر سونا حرام ہے اور ترکِ لذات کی دل میں ٹھان لی۔ دنیا سے نفرت خلقی تھی مگر مزار پاک پر انوار کی حاضری سے استقلال و استحکام عزم میں آگیا اور خیال فرمایا کہ ایسے عاشق جانباز اور محبِ صادق الوداد کی تقلید فرض ہے۔

سر داد و نداد دست در دستِ یزید   حقا کہ بنائے لا الہ است حسین رضہ

روزہ حضور اقدس نے جس طرح کربلائے معلےٰ میں فرشِ خاک اختیار کیا۔ اسی طرح شہدائے کربلا کی سنت میں روزہ رکھنا اختیار فرمایا! شام کو صرف پانی یا کسی چیز سے افطار فرماتے مگر کوئی افطاری غذا کی قسم سے نہ ہوتی۔ روزہ شکنی غرض تھی۔ ہاں ساتویں دن گولر کی اُبلی ہوئی ترکاری کسی قدر زیادہ استعمال فرماتے تھے۔ یہ سنت حضرت مولانا و سیدنا حضرت مخدوم صابر صاحب قدس سرہُ العزیز کی تھی۔ سلسلۂ صابریہ سے بہت بڑا تعلق حضرت اقدس کا تھا۔ اس لیے بہت سے صفات ظاہری اور حالات حضرت مخدوم صاحبؒ کے حضور میں پائے جاتے تھے اور اکثر جذبات اور ولولے ہم لوگوں نے جو دیکھے اور حضرت مخدوم صاحب کے حالات سے مطابقت کی تو معلوم ہوا کہ سلسلہ صابریہ میں حضرت مخدوم صاحب کے بعد اگر کوئی بزرگ اور مقدس ذات ہے تو حضرت اقدس ہی کی ذات برکات ہے۔ گولر کی ترکاری کا سلسلہ ہندوستان کی واپسی پر شروع ہوا اور سالہا سال تک جاری رہا۔

سفر کی نوعیت یہ بات بھی بہت حیرت انگیز ہے کہ ہندوستان اور اس کے باہر ممالک عرب و عجم اور یورپ اور بہت بڑے ایشیا کے حصّے کا سفر حضور اقدس نے پا پیادہ طے کیا۔

حضور اقدس نے جب ہندوستان سے کوچ فرمایا تو بمبئی تک پا پیادہ تشریف لے گئے۔ یہ ایک بہت معمولی بات ہے

Marfat.com

لیکن اگر غور کیا جائے اور اس اہمیت پر نظر ڈالی جائے تو ایسے التزام اور اہتمام کے ساتھ کہ ساٹھ ستّر برس تک کبھی کسی سواری پر چڑھ سوار نہیں ہوئے اور جس جذبے کے ساتھ گھر سے نکلے تھے اسی جذبے کی پوری تکمیل ان مبارک اور مقدس مقامات پر کی جن کی برکت اور فیضان دوام کا وعدہ خدا نے کیا ہے تو واپسی پر ہندوستان میں بھی حضور اقدس نے اس وعدے کو پورا کر دیا کہ کسی جاندار کو حتی الوسع تکلیف نہ دی جائے گی۔ اس لیے کہ احرام باندھنے کے بعد خانہ کعبہ میں ہمیشہ کے لیے خدا کا یہ حکم ہے کہ کسی جانور کو ایذا نہ دی جائے)

ترکِ لذّات بچپن سے حضور اقدس دنیا کی لذتوں سے نفرت کرتے تھے۔ کوئی چیز حضور کو مرغوب و پسند نہ تھی۔ ترکِ لذّت کی سند اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جب لکھنؤ تشریف لے جانے لگے تو اپنی زمینداری کے تمام کاغذ سوراہی تالاب میں ڈال دیئے اور دادی صاحبہ کے فاتحہ سوم میں بہت کچھ فقیروں اور غریبوں کو تقسیم کیا۔ زیور اور نقد رہ بیہ جو تھا وہ سب خدا کی راہ میں بانٹ دیا۔ خلائق دنیا سے کوئی واسطہ کبھی نہ رکھا۔ شیریں اور نمکین یا خوش کیف غذاؤں سے کبھی رغبت نہ رکھی۔ ہم لوگوں کا تجربہ اس معاملہ میں زیادہ ہے اس لیے ہمارا بیان ایک مستند بیان ہو گا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے لوگ پکوا کر لاتے تھے اور دستر خوان پر چن دیا کرتے تھے، اکثر سب کے کھانوں سے تھوڑا تھوڑا ملا کر ایک دو لقمے تناول فرماتے تھے۔ یہ ایک طریقہ سنت نبوی صلعم کا تھا۔ مگر یہ تمیز نہ ہوتی تھی کہ یہ کیا چیز ہے اور کون کھاتا ہے۔

تمام عمر حاجی صاحب نے شادی نہیں کی۔ تمام عمر حاجی صاحب کی نسبت کسی ایک آدمی نے بھی کسی قسم کا شک و شبہ عفت عصمت کی نسبت نہیں کیا یہ ایک ترکِ لذّت کی ایک بڑی مہم ہے۔ کہ تمام عمر حضور اقدس کی صحبت میں ہر قسم کی عورتیں ہر شخص اور ہر قسم کی مستورات آتی جاتی تھیں اور کبھی کسی عورت یا مرد کی نیت میں یہ بات نہیں آئی کہ وہ حضور اقدس کی نسبت بدگمانی ہی کرتا۔

ممالک غیر کی سیاحت اس سفر میں قسطنطنیہ کا سفر قابل تذکرہ اس لیے ہے کہ سلطان عبدالمجید خاں صاحب نے حضرت اقدس سے بیعت کی اور کئی مہینے حضرت اقدس قسطنطنیہ میں مقیم رہے۔ حضرت اقدس عبداللہ آفندی صاحب کے گھر مقیم تھے۔ وہ حضرت اقدس کے مرید تھے۔ ایک دن سیر باغ سلطانی کے لیے حضرت اقدس تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت سلطان عبدالمجید خاں آئے اور حضرت اقدس کو دیکھ کر محو جمال باکمال ہو گئے۔ ایوانِ شاہی میں حضرت کو لے آئے اور خود مرید ہوئے اور اعیانِ دولت کو مرید کرایا۔ جرمن کا سفر اس لیے قابل ذکر ہے کہ حضرت اقدس جرمنی میں پرنس بسمارک کے ہاں مہمان رہے اور مسٹر سید شرف الدین صاحب جج ہائی کورٹ کلکتہ سے فرماتے تھے کہ ہم جرمن گئے تھے اس وقت پرنس بسمارک اتنے بڑے آدمی نہ تھے جتنے اب ہو گئے ہیں۔ ہم انھیں کے گھر مہمان رہے تھے۔ آنریبل موصوف سے حضرت اقدس شہزادہ مرد یا کی بہت تعریف کرتے تھے اور انداز کلام سے معلوم ہوتا تھا کہ شہزادہ موصوف نے بیعت بھی کی تھی۔ ممالک غیر کی سیاحت بہت دلچسپ واقعات اکثر جذب کی حالت میں حضرت اقدس بیان فرمایا کرتے تھے۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے ۱۸۳۸ء

Marfat.com

سے ۱۸۴۱ء تک سفر ممالک غیر کے کیے۔

وطن کی واپسی

حضرت اقدس جب وطن آئے اور دیوے میں قدم رکھا تو ملاحظہ فرمایا کہ گھر کھنڈر ہو گیا ہے۔ علاقے پر عزیز و اقارب قابض ہو چکے ہیں۔ جدھر حضور جاتے ہیں کوئی پہچانتا بھی نہیں۔ حضرت اقدس مسکرائے اور ہنسے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم علاقہ اور جائداد کی غرض سے آئے ہیں۔ اور تالاب سواری کے پل پر جا کر بیٹھ گئے۔ اس لیے کہ اسی تالاب میں تمام کاغذات علاقے کے ڈبو کر تشریف لے گئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد موتشا حضرت کے برادر رضاعی آئے اور انھوں نے حضرت کو پہچانا۔ گھر چلنے پر اصرار کیا، مگر حضرت راضی نہ ہوئے۔ تب وہ چنے کی روٹی اور چولائی کا ساگ لائے۔ دو چار لقمے حضرت نے ان کی خاطر سے تناول فرمائے اور دیوے سے چل کھڑے ہوئے۔ ابنائے وطن کی یہ حالت دیکھ کر حضرت اقدس کو افسوس اور ملال ضرور ہوا محض اس وجہ سے کہ دنیا پر لوگ اس طرح جان دیتے ہیں کہ اپنے عزیز کو پہچانتے تک نہیں۔ اب حضرت اقدس نے قرب وجوار کی سیر شروع کی۔ ۱۸۵۷ء تک حضرت نے تمام ہندوستان اور ریاستوں اور جنگلوں اور پہاڑوں کو چھان ڈالا۔ کوئی بڑے سے بڑا پہاڑ اور جنگل بیابان اور شہر حضرت کی سیاحت سے نہیں محفوظ رہا۔

واقعات سفر

جو جو عجائب و غرائب حضور اقدس پر ان ایام سفر میں پیش آئے وہ اس مختصر کتاب میں بصراحت نہیں لکھے جا سکتے مگر اس موقع پر مختصراً چند حالات سفر لکھتا ہوں۔

ایک دن حضور فتحپور میں رونق افروز تھے فرمایا کہ حال سفر کا کہیں۔ عرض کیا کہ ضرور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ ہم کعبہ شریف کے سفر میں ایک مقام پر پہنچے۔ ایک قوال کے مکان پر گئے۔ دروازے پر وہ قوال بیٹھا تھا۔ اس نے کہا آیئے استاد زادے۔ اس وقت ہم کچھ گن گناتے گئے تھے۔ وہ سمجھا کہ قوال ہیں۔ اس نے کہا آپ ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں۔ کسی رئیس کی لڑکی کی نسبت کو لوگ آنے والے تھے وہ وہاں گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک چوبدار آیا۔ اس نے کہا کہ آپ کو رئیس نے یاد کیا ہے۔ چلیئے۔ ہم گئے۔ صاحب سلامت کے بعد ہم کنارے فرش پر بیٹھ گئے۔ اس قوال نے کہا کہ کچھ سناؤ۔ رئیس نے بھی کہا کہ کچھ کہو۔ ہم نے کہا کہیں۔ کہا ہاں سناؤ۔ تب ہم نے کہا کہ سنائیں۔ تم جانو۔ کہا ہاں۔ پھر ہم نے کہا کہ سناتے ہیں۔ پس ہم نے ایک چیز اٹھائی۔ کوٹھے پر لڑکی تھی اور مستورات تھیں وہ لڑکی غش ہو کر گر پڑی اور کرتہ چاک کر ڈالا۔ غل ہوا کہ تم نے جادو کیا۔ ہم نے کہا کہ کیونکر معلوم ہوا کہ جادو ہے۔ جب تم نے کہا کچھ کہو تو ہم نے کہا۔ غرض کہ اس لڑکی نے کہا کہ میں بیاہ نہ کروں گی جس شکل کو میں نے دیکھا اسی صورت پر میرا خاتمہ ہو۔ میں نے سب دنیا پر لعنت کر دی۔ اگر خدا بھی مجکو ملے تو اس صورت میں ملے۔ پھر وہ فقیر ہو گئی۔ ہم وہاں سے چل دیئے۔

ایک روز حضور نے فرمایا کہ ہم سیر کورس کی جانب چلے۔ راستہ میں مولوی عارف علی ایک جہاز پر جو ہمارے ہمراہ آئے تھے ملے۔ ساتھ ہو لیے۔ صحرا میں کہ جہاں کوسوں پانی کا نام نہ تھا گذر ہوا تو مارے پیاس کے مولوی صاحب کی زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ دم لبوں پر آ گیا۔ مولوی صاحب نے کہا حضرت مارے پیاس کے اب دم نکلتا ہے۔ اس وقت توبہ کھولی ہے۔ بس ہم نے ایک مقام پر اونچی زمین بالو کی پھٹی ہوئی دیکھی۔ تو مولوی صاحب سے کہا اس کو کھودو۔ مولوی صاحب نے کھودا تو اس میں سے ایک

Marfat.com

تربوز نکلا۔ بیچ سے کاٹ کر ہم نے بھی پیا اور مولوی صاحب کو بھی پلایا۔ سو کوس گرد میں وہاں پانی نہیں ہوتا۔ یہی تربوز زمین میں قدر پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہم روس میں پہنچے تو لوگ آئے۔ اکثر لوگوں نے شکایت کی کہ روس کی ایک لڑکی ایک کوٹھری میں برہنہ باغ رہتی ہے، نہیں معلوم کیا آسیب ہے۔ ہم نے کہا ہم اس جھگڑے کو کیا جانیں۔ سہ پہر کو ہم تفریحاً باغ کو گئے۔ مولوی صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ باغ کے پھاٹک پر منشی اور سپاہی پہرے پر تھے، باغ کے اندر جانے کو منع کیا۔ آخر کو بہ منظوری اجازت دی۔ ہم نے قدم پھاٹک میں رکھا تو اس لڑکی نے ہوش میں آکر کپڑے پہنے۔ ہم گئے تو اس نے اپنے طریقے سے سلام کیا۔ ہم فرش قالین پر لیٹ گئے۔ اس نے مسہری پر لیٹنے کو اصرار کیا۔ ہم نے کہا یہ فقیروں کو زیبا نہیں۔ اس نے پوچھا، آپ کسی کے عشق میں فقیر ہوئے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں۔ پوچھا کہ کیا وہ بہت حسین ہے۔ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے کہا نام اس کا کیا ہے؟ ہم نے کہا کیا کرو گی پوچھ کے۔ اس نے کہا اگر بہت حسین ہے ہم بھی اس سے عشق کریں گے۔ ہم نے کہا مشکل ہے اس نے کہا بتلایئے آپ کا طریقہ کیا ہے اور وہ کون ہے۔ ہم نے کہا ہمارا طریقہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہے۔ اور اس کا نام خدائے عزوجل ہے۔ غرضیکہ کلمہ پڑھا اور کہا ہم سے اب کسی سے واسطہ نہیں ہے۔ بجز اس صورت کے ہم نے سب پر لعنت کر دی۔ اس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ ہم سے تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے ہم خدا کے ہو گئے۔ وہاں سے کچھ تنخواہ اس کے نام اور کچھ ہمارے نام لکھ کر آئی ہم نے کہا کہ ہم روپیہ پیسہ لے کر کیا کریں گے ہم لعنت کر چکے، واپس کر دی۔ اس کی کچھ تنخواہ تھی۔ اس سے کہا کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو اور غریبوں محتاجوں کو دو اور غریبوں کے لڑکوں کی شادی کر دیا کرو کہ خدا خوش ہوگا۔ چنانچہ وہ ایک قریہ موسومہ محمدیہ میں بیٹھ رہی۔ نام اس کا زوفہ تھا۔ چھ سات سال تک زندہ رہی خدا خدا کیا کی۔ بعد اس کے انتقال ہو گیا۔ پہاڑ پر اس کی قبر بنی ہے۔

ایک مرتبہ حضور نے فرمایا کہ روس کے آگے ایک پہاڑ ہے وہاں گئے ایک شخص ہمارے ساتھ تھے۔ پہاڑ میں راستہ تھا ہم تیز جا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ جو تھے انھوں نے منع کیا کہ اس جنگل میں جنگلی آدمی رہتے ہیں۔ تیز چلنے سے وہ جانتے ہیں کہ ہم کو مارنے آتے ہیں تو وہ کاٹ کھاتے ہیں ان کے دانتوں میں زہر ہے آدمی مر جاتا ہے۔ لہٰذا آہستہ آہستہ چلیے غرضیکہ اس جنگل میں ایک مقام پر کمبل بچھا کر ہم بیٹھے تو تمام زن و مرد پیر و جوان نہایت حسین مگر برہنہ بالوں سے تمام بدن پیر تک ڈھنکا ہوا ناخن بہت بڑے بڑے سب جمع ہوئے اور کہا تم اگر بھوکے ہو تو یہ لوٹا اس درخت میں لگا دو اور درخت کو مروڑ دو۔ چنانچہ ہمارے ساتھی نے لوٹا لگایا اور درخت کو مروڑا۔ دودھ سے لوٹا بھر گیا۔ کہا پیو، ہم نے دو گھونٹ پیا۔ شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ ہمارے ساتھی نے دو تین گھونٹ پیا۔ اس کے بعد ہم نے پوچھا کہ کیا کریں۔ انھوں نے کہا باقی بچا ہوا اسی درخت کی جڑ میں ڈال دو۔ ساتھی نے ڈال دیا۔ اس سفر بھر میں جہاں کہیں خواہش بھوک پیاس کی ہوتی ویسا ہی درخت پہچان کر عرق نکال لیتے۔ بولی ان کی بخوبی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم مدینہ سے شام کو جاتے تھے۔ راستہ میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت اس راستہ سے آپ نہ جائیں۔ ادھر ایک اونٹ لاگو ہے جب کسی مسافر راہ گیر کو آتے دیکھتا ہے تو دوڑ کر اس کے سر کا ڈبہ اتار لیتا ہے۔ جب آدمی مر جاتا ہے تو قزاق لوگ جن کا اونٹ ہے مال و اسباب آکر لے لیتے ہیں۔ مگر ہم نے نہ مانا۔ اسی طرف چلے جب ہم ایک میدان میں پہنچے، تو

Marfat.com

فی الواقع دیکھا کہ ایک اونٹ بلبلاتا ہوا آرہا ہے۔ جیسے ہی وہ ہمارے قریب منہ پھیلا کر دوڑا، ہم نے کمر سے چاقو نکال کر سٹر سے اس کی زبان کاٹ لی پس وہ فوراً زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ قزاق لوگ دوڑے آئے کہنے لگے کہ ہمارا اونٹ کیوں مار ڈالا۔ اب کیا کھائیں گے۔ ہم نے کہا خدا رازق ہے۔ سب نے توبہ کی اور کہا کہ حضرت ہم سب اس پیشہ پر لعنت کرتے ہیں۔ پھر وہ سب مرید ہو گئے اور ہم کو کئی دن مہمان رکھا۔

استغنا جاننا چاہیئے کہ آپ کے اجداد و اکرام قصبہ دیوے شریف کے بہت بڑے رئیس ابو المعظم اور امیر کبیر تھے زر و جواہر مال خزانہ دیہات مزرعہ جات صدہا زیر حکومت تھے۔ سامانِ امارت ہر ایک قسم و عمارات پختہ و اسباب ظاہری ضروریات دنیاداری ہر ایک قسم بے شمار تھا۔ کتب ہائے عربیہ و فارسی کے کتب خانے تھے۔ سپاہی پیادے نوکر چاکر، دائی ماما اندر باہر صدہا ملازم اور نمک خوار تھے۔ غرضکہ اس جوار و دیار میں مثل آپ کے اجداد کے کوئی رئیس ہم پلہ نہ تھا۔ باوجود اس سامان امارت اور ریاست کے جس وقت آپ نے منزلِ فقر میں قدم رکھا۔ سب سامان و اسباب دنیا پر لعنت کر دی اور جو کچھ نقد و جنس ریاست امارت تھی سب راہِ خدا میں لٹا دی۔ کچھ سروکار نہ رکھا۔ توکل علی اللہ پر قانع و شاکر ہو گئے۔ چنانچہ یہ حالت استغنا و نفرت اسباب دنیا تمام عمر آپ کو رہی۔ کبھی اس طرف توجہ اور خیال نہ کیا۔ اگر کوئی ہفت اقلیم کی دولت اور اسباب سامنے لا کر پیش کرتا تو آنِ واحد میں سب بانٹ کر بیٹھ جاتے اور تقسیم کر لینے سے اس درجہ خوش ہوتے کہ بیان سے باہر ہے۔ کیسی ہی قیمتی کوئی چیز ہوتی۔ ایک منٹ اس کا رکھنا بار ہوتا۔ تمام عالم کے تحفے تحائف بیش قیمت بڑے بڑے رئیس، راجہ، تعلقدار، حکام حضور میں لا کر پیش کرتے، چند ساعت میں آپ تقسیم کر ڈالتے۔ اکثر تحائف کے پیش کرنے والے کو اس کا معاوضہ فوراً اس سے بڑھ کر قیمتی عنایت فرماتے۔ بارِ احسان کسی کا کبھی آپ نہ رکھتے۔ روپیہ اشرفی پیسہ کبھی ہاتھ سے اپنے نہیں چھوا۔ حتیٰ کہ سونے چاندی کے اشیاء کو کبھی ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اگر کسی ناواقف نے کبھی بطور نذر روپیہ سامنے پیش کیا تو اظہار نفرت فرمایا۔ کبھی کسی بیش بہا نادر چیز پر نظر ڈالی اور نہ حقیر و ذلیل اشیا سے نفرت فرمائی۔ دونوں کو ایک ہی نظر سے ملاحظہ فرمایا۔

اکثر عشاق جان نثار و رؤسائے جوار و دیار مثل بادشاہ حسین رئیس کبرہ و فدا حسین خانصاحب رئیس کبرہ و چودھری لطافت حسین خاں صاحب رئیس راملانہ و حاجی عباس حسین خاں صاحب رئیس بالہ پور و شیخ عنایت اللہ صاحب رئیس سیدن پور، و حاجی بشیر احمد خانصاحب رئیس غازی پور و راجہ دوست محمد خاں صاحب رئیس رائے پور ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب رئیس زمینا و مولوی شرف الدین صاحب جج پٹنہ و بیگم صاحبہ رُدولی شریف و عائشہ بی بی صاحبہ گیا۔ و منشی غنی حیدر صاحب وکیل گیا۔ حافظ حسن صاحب و کنہیا لال صاحب و حافظ پیاری صاحب و میاں شیدا صاحب لکھنوی و عبدالصمد صاحب نور باف ساکن مسولی و تراب بزقصاب ساکن پیٹیے پور و بنو کھٹیاری امین آباد لکھنؤ۔ غرضیکہ نام بنام کہاں تک لکھوں تمامی رؤسا و امرا و حکام امیر غریب جولاہے، اکبر بیٹے، قصائی، بنیئے، مہاجن جو مثل پروانہ شیفتہ و جاں نثار اس شمع ہدایت کے تھے ایام سرما میں حسب حوصلہ اپنے جوڑا دلین مثل رضائی، لحاف، گدہ کے ایک سے ایک اعلیٰ اور بیش قیمت کمخواب، اطلس،

زرلفت نیمرزری، اصلی جامہ دار مخملی اصلی کھلور دنی کھلور۔ جاپانی ایک سے ایک بڑھ کر لا کر پیش کرتے ان کو بھی حضور اوڑھ لیتے اور اگر کوئی غریب عقیدت مند اپنے حوصلہ کے موافق چھینٹ وغیرہ کی جڑاول پیش کرتا تو اس کو بھی آپ بخندہ پیشانی نہایت شوق کے ساتھ زیب تن فرماتے۔ کمخواب وغیرہ اور سوتی چھینٹ میں کچھ فرق نہ فرماتے۔ دونوں کو ایک ہی حیثیت سے استعمال فرماتے۔ اگر اطلس کمخواب کی رضائی لحاف ہے تو اس میں ہاتھ منہ عطر تیل پونچھ لیا اور اگر چھینٹ کی ہے تو اس میں بھی۔ نہ اس کی عمدگی سے غرض، نہ اس کی عمدگی سے غرض۔ نہ اس کی کم حیثیتی کا خیال۔ اگر کسی نے تعریف کر دی کہ حضور یہ بہت بیش قیمت ہے تو کچھ پروا نہیں اور اگر کسی نے معمولی بتلا دی تو کچھ خیال نہیں کیا۔

(۱)

چنانچہ ایک مرتبہ راجہ دوست محمد خانصاحب تعلقدار مھونہ نے ایک رضائی نہایت بیش قیمت سچی زری اطلس کی بنارسی جس میں بیل اور گوٹ وغیرہ سب پر زری لگی تھی حضور میں پیش کی۔ آپ نے نہایت خوشی سے اوڑھ لی۔ دوسرے روز ایک حجّے لالہ غریب نے ولایتی سنہری چھاپے کی اشرفی بوٹی والی چھینٹ کی رضائی لا کر پیش کی اس وقت حضور صحن مکان میں دھوپ میں تشریف فرما تھے۔ جیسے ہی رضائی کھولی آفتاب کی شعاع سے اور زیادہ چمک معلوم ہوئی۔ حضور نے فرمایا کہ یہ رضائی بہت چمکدار اور اس زری اطلس سے کہیں زیادہ اچھی ہے اور قیمتی ہے۔ نور محمد شاہ سے ارشاد ہوا کہ راجہ جو رضائی کل لائے تھے ان کو دے دو۔ چنانچہ وہ رضائی اطلسی راجہ صاحب والی اسی وقت نور باف صاحب کو دے دی گئی اور آپ وہی چھینٹ سنہری کی رضائی اوڑھ کر لیٹ گئے اور بار بار اس پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے کہ بہت چکنی اور وضع دار ہے۔ یہ بہت روپوں میں بنی ہوگی۔ اس کا مقابلہ کوئی راجہ بھی نہیں کر سکتا۔

(۲)

ہمیشہ عادت شریف تھی کہ جہاں ایک چیز کے موجود ہونے پر کسی نے دوسری چیز لا کر پیش کر دی تو اس کا رکھنا ایک منٹ کو بارِ خاطر ہو جاتا۔ جب تک وہ کسی کو نہ دیتے قرار نہ آتا۔

(۳)

مثلاً کسی نے تہ بند بدلوایا یا کوئی رضائی، لحاف، دھسّا۔ کمبل، بانات، چادر وغیرہ لایا تو جب تک دوسری رضائی وغیرہ کسی کو نہ دے دیتے چین نہ پڑتا۔ سخت الجھن رہتی۔ بار بار فرماتے کہ ہم کو دوسری رکھ کر کیا کرنا ہے۔ ہمارے کون بیٹھا ہے۔ جورو بچے، یہ فلانے کو دے دو۔ آپ کے علم میں اگر خادموں کے پاس کوئی چیز مثل تہ بند وغیرہ یا دیگر اشیاء تحفہ تحائف کسی سیر و سیاحت میں جمع ہو جاتا اور آپ کی نظر اس پر پڑ جاتی تو فوراً آپ سب سامان لٹوا دیتے ایک شمہ بھر باقی نہ چھوڑتے چنانچہ راقم اکثر سفر یورپ یعنی دربھنگہ ٹپنہ وغیرہ میں ہمرکاب رہا ہے۔ دیکھا کہ اس کثرت کے ساتھ تہبند اُونی و سوتی کمل و دھسّہ و دیگر تحائف بیش قیمت آتے تھے کہ عقل کام نہیں کرتی تھی۔ مگر جس شہر سے کوچ فرمایا سب وہیں لٹا پٹا دیا۔ خدام

Marfat.com

نے بارہا سامان ضروری مثل فرش فروش برتن یا لیمپ گھڑی شیشہ وغیرہ وغیرہ خفیہ طور پر جمع کیا، مگر جب آپ کی نگاہ پڑی فوراً سب پھینک یا لٹا دیا۔ برتن ضروری مثل لوٹا، تسلہ، رکابی وغیرہ بجز مٹی کے کبھی تانبہ وغیرہ کا استعمال میں رکھنا پسند نہ فرماتے تھے۔ دروازے پر پیر غلام کسگر آباد تھا۔ اس کے ہاتھ کا بنا ہوا لوٹا مٹی کا اور کونڈا اور رکابی پیالے ہمیشہ حضور کے استعمال میں رہے بلکہ دور دور لوگ مٹی کے اس کے یہاں سے آج تک تبرکاً لے جاتے ہیں۔

(۴)

دیوہ شریف کے میلہ میں لاکھوں مخلوق دور دور سے آکر جمع ہوتی تھی اور جو عقیدت مند رئیس، راجہ، تعلقدار، حکام غریب جہاں سے چلتا تھا وہاں کے تحفہ تحائف علاوہ تہہ بند و چادر کے اپنے حوصلہ کے موافق لانا اور حضور میں پیش کرنا اپنا فخر سمجھتا تھا۔ غرضکہ لاکھوں تہہ بند، چادر اونی سوتی، دھسّہ، لوئی، کمل، بانات و دیگر تحائف بے شمار صدہا ہزار من مٹھائی و میوہ جات تر و خشک وغیرہ وغیرہ تخمیناً اسّی نوّے ہزار روپیہ کا سامان نقد و جنس ایام میلہ میں جمع ہو جاتا تھا۔ مگر حضور سب لٹوا دیتے تھے چنانچہ میلہ میں یہ قواعد مقرر تھے کہ جب سترہ تاریخ شب کو بعد کل کے درگاہ سے حضور واپس ہوتے تو اسی وقت سے لوگوں کو رخصت کرنا آپ شروع فرماتے اور وہ سامان جمع شدہ تقسیم ہو جاتا۔ جس کو رخصت فرماتے اس کو کچھ نہ کچھ تہہ بند، چادر، مٹھائی، دھسّہ، کمل وغیرہ جو جس کی قسمت کا ہوتا ضرور دلواتے۔ آخر کو یہاں تک نوبت پہنچتی تھی کہ اٹھارہ تاریخ سہ پہر تک کل اسباب نقد و جنس آپ بانٹ دیتے تھے اور تمام مکان میں اندر سے باہر تک جھاڑو دے دی جاتی تھی اور حضور اقدس سہ پہر کو وہی ایک تہبند نین سکھ کا بدن مبارک پر باندھے ہوئے موضع بینڈ کو جو متصل دیوہ شریف کے ہے روانہ ہو جاتے تھے۔ ایک ریوڑی اور ایک تاگا تک اٹھارہ تاریخ مکان میں باقی نہ رہتا۔ کوٹھڑی کے کواڑیاں ہی کھلے پڑے رہتے تھے۔

(۵)

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ موسم سرما میں شب کو جب زنانہ اجلاس ہوا اور مستورات حضور میں حاضر ہوئیں اس روز اتفاق سے مسماۃ راجی جو قریب ہی رہتی تھی۔ چوری کا موقع پا کر وہ رضائی جو بیگم صاحبہ ردولی شریف کے یہاں سے آئی تھی اور نہایت بیش قیمت تھی۔ کھونٹی سے اتار کر چلتی ہوئی۔ جب مردانہ ہوا تو نور محمد شاہ نے رضائی تلاش کی جب نہ ملی تو زنانی ڈیوڑھی پر آکر راقم کو آواز دی۔ اور پوچھا کہ حضرت کی رضائی تو کوئی نہیں لے آیا ہے۔ میں نے بعد دریافت کہا کہ یہاں کون لاتا۔ آخر کو پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ راجی آج چوری سے چھپ کر وہاں گئی تھی اور فوراً چلی آئی تھی اسی وقت نور محمد شاہ اس کے مکان میں تو دیکھا کہ وہ مزے سے اوڑھے پیال پر لیٹی ہے۔ یہ بہت خفا ہوئے اور رضائی چھین لائے اور حضور سے یہ قصّہ بیان کیا کہ حضور کے یہاں آج چوری اس طرح ہو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ راجی کو بلا لاؤ۔ جب وہ آئی تو آپ نے اس کو وہ رضائی اور اپنا لحاف جو اوڑھے تھے اتار کر دے دیا اور دس روپے نقد دلوائے اور فرمایا کہ ہمیشہ ایک رضائی اور لحاف اس کو دیا جایا کرے۔ اب ملاحظہ ہو کہ لحاف تو راجی کو دے دیا اور خود تہبند باندھے ماگھ پوس کے جاڑے میں بیٹھے رہے۔ جب نور محمد شاہ نے زنانی ڈیوڑھی پر آکر یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت کے

Marfat.com

اوڑھنے کے واسطے اس وقت کچھ نہیں ہے کوئی لحاف موجود ہو تو دے دو۔ اس وقت عزیزی حکیم عبدالرحمٰن خانصاحب کی دُلہن نے اپنا لحاف بھیجا۔

(۶)

ایک روز کا ذکر ہے کہ جب حضور آگرے کی طرف تشریف لے گئے تو حضور کے یہاں مسمّی دین علی سپاہی نے بغرض طمع چوری کرنا چاہی۔ جب وہ کوٹھڑی میں داخل ہوا تو بجز اس کے کہ چند قرآن شریف وہاں موجود تھے اور کچھ نہ پایا۔ قرآن شریف لے کر باہر صحن مکان میں آیا اور اندھا ہوگیا۔ کسی طرف راستہ نہ سوجھا۔ پکڑا گیا۔ جب حضور سے بعد واپس آنے سفر کے یہ واقعہ عرض کیا گیا تو حضور سن کر بہت ہنسے اور جس قدر فرش فروش اُگالدان وغیرہ حتیٰ کہ چھت گیری تک سب بانٹ دیا اور دین علی کو بلا کر بہت سا اسباب دے دیا۔ اس روز سے معمول تھا کہ مٹی کا برتن تک نہیں رہتا تھا۔

رضا و تسلیم واضح ہو کہ حضرت فخر اولیا ہمیشہ کاربند رضا و تسلیم رہے۔ حرص و طمع و کبر و حسد و رشک و غضب و محبت دنیا و کذب و غیبت و عیب بینی سے کام نہیں رکھا۔ دنیا دی ذکر و اذکار کبھی حضور نہ سنتے۔ اگر کوئی اپنی پریشانی و بیکاری یا تکلیف بیماری و تردد عیالداری کو حضور میں عرض کرتا تو فرماتے خدا مالک ہے خدا مالک ہے۔

اکثر جناب امام الاولیا فرماتے کہ ہم دنیا کے جھگڑوں بکھیڑوں کو کیا جانیں۔ دنیا مردار پر ہم نے پہلے ہی لعنت کردی، ہماری منزل عشق کی ہے۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ چاہے کوئی ہو۔ عاشقانہ قصے اور حکایات شبانہ روز حضور میں ہوا کرتے تھے مخصوص یہ خدمت قصہ گوئی تراب علی شاہ صاحب ساکن بھٹولی و قاضی بخشش علی صاحب ساکن گدیہ کو عطا ہوئی تھی۔ بعض اور خدام آیند و روند اگر کوئی قصہ کہانی کہتا تو بھی سنتے اور محظوظ ہوتے۔ گفتگو سے نہایت متنفر ہوتے۔ نہ گنڈہ لکھنے سے مطلب نہ تعویذ سے نہ وظیفہ سے غرض۔ نہ عمل پڑھنے سے مطلب۔ عمل اس کلیہ پر تھا کہ خدا کے سامنے بھی ہاتھ نہ پھیلانا چاہیئے۔ خدا سے بھی محبّت کرے تو بلا مطلب کی۔ اکثر فرماتے تھے کہ عاشق کا دین و دنیا دونوں خراب مگر محبّت اچھی چیز ہے۔ دنیا اسی سے قائم ہے۔ محبت میں کسب نہیں جس قدر کسب ہوگا وہی تصنّع ہے۔ محبّت بلا مطلب کی ہونا چاہیئے۔ خواہ کسی سے کیوں نہ ہو، سچّی ہونا چاہیئے۔ خدا محبّت ہی سے ملتا ہے۔ محبّت سے دو دل بھی اسی طرح مل جاتے ہیں جس طرح کسی زنجیر کی کڑیاں اس کا پھندا اس میں۔ اور دونوں مستقل اور مضبوط ہیں تو نباہ ضروری ہے۔ اگر ایک میں بھی کمزوری ہوئی تو محبت ہی کے زور میں الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ محبت کے زور کے پاسنگ بھی دنیا کی کسی شے میں زور نہیں ہے۔ محبت میں جس قدر تکلیف پہنچے۔ جو ہو مگر اس سے پھرے نہیں وفاداری لازمی ہے۔ خدا نے محبت انسان کے لیے بنائی ہے۔ فرشتوں کا فخر ہے اطاعت۔ انسان کا فخر ہے محبّت۔

ہر وقت ہر لحظہ حضور اقدس رضا و تسلیم میں رہتے۔ قصہ کہانیاں بھی اس غرض سے سنتے کہ کسی کو فضول بات کرنے اور خیال کے بٹانے کا موقعہ نہ ملے۔ حضور تہ بند میں منہ چھپائے یادِ خدا میں رہتے اور لوگ سمجھتے کہ حضور قصہ سن رہے ہیں۔ ایک سچے عاشق اور صابر شاکر کا حضور پورا نمونہ تھے۔

Marfat.com

واضح ہو کہ جو حضرات آستانہ پاک پر زمانہ حیات حضور میں حاضر ہوئے ہوں گے وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ آج جہاں مزار پُر انوار سلطان الاولیا کا ہے یہ ایک پختہ مکان باعانت راجہ سرنجیت سنگھ رئیس رام نگر مستقیم شاہ صاحب کے واسطے بنوایا گیا تھا جس کی بغل میں دو منزلہ برآمدہ مولوی سید شرف الدین صاحب بیرسٹر پٹنہ جج ہائی کورٹ بہار نے بنوایا تھا۔ جہاں نیچے اوپر لوگ بھرے رہتے تھے۔

اوّل ڈیوڑھی میں میاں نعمت علی شاہ صاحب اور اوگھٹ شاہ صاحب کا بستر حب روز سے تھا۔ بغلی کمرہ میں میاں رحیم شاہ صاحب کا قیام دن بھر رہتا تھا۔ تین دروازوں سے گذرنے کے بعد اندر مکان کے داخلہ ہوتا تھا۔ یہ کل ڈیوڑھی بھی بعض اوقات آدمیوں سے بھری رہتی تھی۔ اندر کا مکان اندر ہی سے بند رہتا تھا۔ مکان کے اندر نہ تو کوئی تزک تھا، نہ احتشام، نہ کوئی تخت تھا نہ مسند لگی تھی۔ ایک گدّہ جس پر ایک سوزنی یا چادر پڑی رہتی اور اس پر حضور پاک تہ بند باندھے، یا دلائی یا رضائی یا لحاف سر سے اوڑھے داہنی کروٹ خاموش لیٹے رہتے۔ تکیہ تک سرہانے نہ ہوتا۔ خدام حاضرین کوئی ہاتھ پیر دباتا۔ کوئی پنکھا ہلاتا، کوئی قصّہ کہتا۔ کبھی جی چاہا تو دو ایک بات ان سے کر لیتے۔ جب قدمبوسی کو کوئی حاضر ہونا چاہتا تو کنواڑ کی کنڈی کھٹکھٹاتا۔ فیضو شاہ وغیرہ نے دروازہ کھول دیا۔ کبھی حضور پوچھ بھی لیتے کہ کون ہے۔ عرض کیا جاتا کہ کوئی زنجیر ہلاتا ہے۔ آپ فرماتے کھول دو۔ دس پانچ آدمی اندر داخل کر لیے جاتے جو آ کر نہایت خضوع و خشوع سے دست بوس ہوتے اور دوسرے دروازے سے واپس چلے جاتے۔ اکثر کسی کو بیٹھنے اور بات کرنے کا بھی زیادہ موقع نہیں ملتا تھا۔ اس میں امیر غریب ہر شخص کی ایک حالت تھی۔ چند منٹ کے بعد حضرت فرماتے کہ "اچھا چلو پھر ملاقات ہوگی۔"

باہر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ ہر فرد و بشر جس کا جی چاہتا بلا روک چلا جاتا۔ چنانچہ فتحپور میں ایک مجذوب رہوشن رہا کرتے تھے۔ ان کی یہ بڑ رہا کرتی تھی "کہ یارو ابھی دربار عام ہے۔ چلو آستانہ کا دروازہ کھلا ہے۔ عنقریب دربار خاص ہوا چاہتا ہے۔ دروازہ بند ہو جائے گا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چندے حکم ہو گیا کہ دروازہ بند رہا کرے۔

اکثر لوگ حضوری میں باریاب ہونے کی غرض سے یا بخیال محبّت و عقیدت مندی کے کوئی نظم غزل قصیدہ حضور کی شان میں لکھ کر لاتے تو بہت خوشی سے سنتے اور اگر آپ خود اس غزل قصیدہ کو پڑھنے لگتے تو جہاں نام پاک حضور کا آتا اس شعر کو یا تو چھوڑ دیتے یا حاضرین میں سے کوئی وہ شعر پڑھ دیتا۔ اپنی روحانی قوت کی پردہ داری اس طرح فرماتے جیسے کوئی اپنا عیب چھپاتا ہو۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ تہ بند باندھے کبھی قصّہ سُن رہے ہیں کبھی بھولی بھالی باتیں کر رہے ہیں، نہ دنیا کی فکر نہ دین کا ذکر، نہ علم کا بیان نہ کسی مسئلہ پر بحث ہر وقت ایک اضطراری کیفیت میں۔ اگر کسی عقیدت مند نے اپنے حوصلہ اور خواہش سے حضور کی آمد میں کوئی جلسہ کیا اور باجہ روشنی آتشبازی وغیرہ کا انتظام ہوا تو حضرت کو اس سے کوئی غرض۔ باہر مکان کے دھوم دھام کرتے ہو جب وہ زیادہ بھیڑ کے ساتھ تہبند لے کر آئے اس وقت حضرت الجھنے لگتے تھے اور ہر ایک سے فرماتے۔ کہ چلو چلو پھر

Marfat.com

ملاقات ہوگی"۔ اگر کوئی ہنرمند، بازی گر، تماشے والا۔ گویّا، بہروپیا۔ کشمیری، نقال بغرض اپنی فلاح اور بہبودی کے تماشا یا گانا دکھانا، سنانا چاہتا تو نہ آپ خواہش فرماتے اور نہ بخیال دل شکنی اس کے فعل کو منع کرتے۔ دو ایک منٹ دیکھ کر فوراً موقوف کرا دیتے اور اس کو مثل تہبند وغیرہ کے تبرکاً کچھ مل جاتا۔ غرضکہ اظہار شان و تجمل قریب نہ آتا۔ بجز اس کے ہر وقت عالم سکوت تھا۔ مگر

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمے آید

طرز معاشرت و نشست و برخاست

(۱)

جناب ممدوح تمام عمر ریل یا جہاز کی سواری کے سوا کسی دوسری سواری گھوڑے ہاتھی، اونٹ، اکہ، بگھی وغیرہ پر نہیں سوار ہوئے۔ ہمیشہ پیادہ سیر و سیاحت فرماتے رہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں مجبوری پالکی پر سوار ہونا قبول فرمایا۔ اس میں بھی کبھی بیٹھ کر یا تکیہ لگا کر آپ نہیں چلے، بلکہ جب پالکی میں سوار ہوتے تو خواہ کتنا ہی قریب یا بعید کا سفر ہوتا ایک محلہ سے دوسرے محلہ یا مکان میں بسواری پالکی تشریف لے جاتے تو آپ پالکی میں لیٹ جاتے۔ اس وقت پالکی اٹھائی جاتی۔ اوپر سے رضائی، دولائی۔ دھسّہ وغیرہ خادم اُڑھا دیتے۔ صرف ذرا سا منہ کھلا رہتا۔ وہ بھی کبھی بند کر لیتے کبھی کھول دیتے۔ آپ کی پالکی کے کہار ہندو مسلمان دونوں تھے۔ جن کے نام یہ تھے۔ وزیر خمرہ۔ چھیدن خمرہ۔ امامی خمرہ۔ غلام خمرہ ساکنان براہم پور ضلع بارہ بنکی۔ بھوانی کہار۔ رام چرن کہار ساکنان دیوہ شریف۔ تمام عمر کبھی پلنگ۔ تخت یا چوکی مسہری کوچ، کرسی، مونڈھے وغیرہ پر آپ نہیں لیٹے بیٹھے۔ نہ کبھی تکیہ، مسند لگا کر بیٹھے نہ سر کے نیچے کبھی تکیہ رکھا۔ بستر استراحت ہمیشہ زمین میں رہا۔ ایک اگالدان تھوکنے کے واسطے اور ایک ٹکڑا تنذیب کا منہ پوچھنے کو سرہانے رکھ دیا جاتا۔ چنانچہ اسی بچھونے پر کبھی آپ لیٹے رہتے اور کبھی نشست فرماتے۔ شبانہ روز خواب و بیداری کی ایک حالت تھی۔ کبھی کسی نے آپ کو غافل ہو کر سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۲)

یہ آپ ہی کی شان تھی کہ جس فعل کو اختیار کیا تا بہ وصال نہ چھوڑا حتیٰ کہ تمام عمر بجز ایک کروٹ داہنی کے بائیں کروٹ کبھی نہ لیٹے اور بجز تین طریقے کی نشست کے چوتھے طریقے کی نشست کبھی بھولے سے نہ اختیار کی۔ چنانچہ آپ بستر استراحت پر لیٹتے تو اکثر داہنے ہاتھ کی کلائی پر رکھ لیتے اور اوپر سے رضائی یا دلائی یا دھسّہ اُڑھا دیا جاتا۔ صرف روئے مبارک کھلا رہتا۔ اکثر بایاں ہاتھ نکال کر بغل کے نیچے رضائی وغیرہ سے دبا لیتے۔ سرہانے کا رومال اکثر کان کے نیچے آپ رکھ لیتے۔ گاہے اگالدان میں تھوک کر منہ پونچھ کر پھر کان کے نیچے رکھ لیتے۔ دونوں کانوں میں روئی ہر وقت لگی رہتی تھی۔ داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں پر ہر وقت لیٹے بیٹھے مانند شمار انگوٹھا چلا کرتا تھا۔ اکثر آپ کہنے سننے سے گاہے ماہے چند منٹ کے واسطے اگر بائیں کروٹ لیٹ بھی گئے تو فوری پھر داہنی کروٹ ہو جاتے یا گاہے چت چند منٹ کو لیٹ کر داہنا

Marfat.com

رسمیٹ کر گھٹنا کھڑا کر لیتے اور بایاں پیر پھیلا دیتے۔ اور دونوں ہاتھ سے گوشہ تہ بند کو قریب منہ کے رکھے رہتے۔ صرف آنکھ اور بینی مبارک کھلی رہتی۔ مگر یہ چت لیٹنا شاذ و نادر ہوتا تھا۔ ورنہ ہمیشہ ہر وقت داہنی کروٹ آپ لیٹے رہتے حتیٰ کہ داہنی سمت پہلو پر زخم ہوگیا تھا۔ جس پر موم روغن اکثر خدام لگا دیتے تھے اور کنپٹی و رخسارہ مبارک پر داہنی سمت نشان مثل گٹھ کے پڑ گئے تھے۔
آپ عصر اور مغرب کا جب درمیان ہوتا یعنی قریب غروب کے خداموں سے بار بار پوچھتے کہ مابین کا وقت تو نہیں آیا جب عرض کیا جاتا کہ حضور مابین کا وقت آگیا۔ آپ اُٹھ کر بیٹھ جاتے اور بعد فراغ مغرب اور گذر جانے وقت مابین کے پھر بدستور وہی داہنی کروٹ سے لیٹ جاتے۔

(۳)

خلوت میں جب آپ نشست فرماتے تو داہنے زانو کو زمین پر فرش کر کے بائیں پیر کے پنجہ کو داہنے پیر کے پنجہ پر رکھ لیتے اور داہنے ہاتھ کو ہتھیلی یا پنجہ کے بھل زمین پر ٹیک کر بائیں ہاتھ کی بغل کے نیچے بایاں گھٹنا کھڑا کر لیتے۔ بوقت کھانا تناول فرمانے کے یا کنگھی سُرمہ کرنے کے آپ اکڑوں بیٹھتے تھے یعنی بغلوں کے نیچے دونوں گھٹنے کھڑے رہتے۔ سوائے اس نشست کے تمام عمر کسی نے اور نشست آپ کو بیٹھے نہ دیکھا ہوگا۔ پلتھی مار کر یا پیر پر پیر رکھ کر یا پیر پھیلا کر آپ کبھی نہ بیٹھے۔ ہنگام نشست آپ کی عادت شریف تھی کہ اکثر داہنے ہاتھ کے کلمہ کی انگلی کی پشت پر لب دہن لگا کر آنکھوں پر پھیرا کرتے۔ یا پاؤں کے آہنی چھلّے کو (جو انگوٹھے میں تھے) گھماتے رہتے۔ گاہے رضائی یا تہبند اونی کے روئیں اور تاگا نکالتے۔ کبھی بستر اور رضائی پر ہاتھ پھیرتے۔ پائے مبارک پر نظر رہتی۔ سر اُٹھا کر کسی سے چار آنکھیں نہ کرتے۔

(۴)

طول کلام سے یا دیر تک پڑھنے گانے سے بہت گھبراتے تھے۔ حتیٰ کہ نماز عیدین یا جمعہ میں پیش امام صاحب کو پہلے سے یہ ہدایت ہو جاتی تھی کہ خطبہ چھوٹا اور سورتیں چھوٹی پڑھیں۔

(۵)

ایک مرتبہ ہمارے قصبہ فتحپور میں بروز جمعہ منشی ذوالفقار علی صاحب مرحوم سے بلا کر حضور نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز کو ہم بھی چلیں گے۔ مولوی عابد حسین صاحب سے کہہ دینا کہ خطبہ اور سورتیں چھوٹی پڑھیں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ چونکہ اس زمانہ میں منشی امیر الدین ساکن احمد پور سے جو حضرت کے بڑے عاشق مریدوں میں ہیں اور جناب مولوی نذیر علی صاحب مرحوم مغفور سے باہمی ملال تھا۔ بعد نماز کے حضور نے منشی امین الدین صاحب اور جناب مولوی صاحب مرحوم سے میل کرا دیا۔ پھر آپ کو جب کبھی فتحپور میں جمعہ پڑا۔ آپ نے اس مسجد میں نہیں پڑھا۔ بلکہ ہمیشہ لالہ میاں صاحب کی درگاہ جمعہ ادا کیا۔ آپ وضو بہت جلد اور تھوڑے پانی سے کرتے تھے۔ وقت نماز پڑھنے کے تہبند سر سے مثل گھونگھٹ کے اوڑھ کر گلے سے ایک پیچ نکال لیتے جس وقت آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ عجب شان محبوبی نظر آتی تھی۔ کہ ہر شخص کی آنکھ حضور کی طرف

Marfat.com

ہو تی تھی۔ بعد ادائے نماز کے آپ زانو پر زانو رکھ کر داہنے ہاتھ کو زمین پر ٹیک کر بایاں ہاتھ زانو پر رکھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ یوم جمعہ کو آپ خط بنوا کر غسل فرماتے تھے پنجگانہ نماز اول وقت آپ نے ادا کی۔ نماز بہت اطمینان سے آپ پڑھتے تھے۔ نماز کھڑے ہو ہمیشہ آپ نے پڑھی حتیٰ کہ نماز تہجد بھی بارہ رکعت حضور کھڑے ہو کر اس اخیر زمانہ میں جبکہ ضعف حد درجہ بڑھ گیا تھا پڑھتے تھے جب سجدے سے سر مبارک حضور اُٹھاتے تو فیضو شاہ وغیرہ خدام بغلوں میں ہاتھ دیکر حضور کو کھڑا کر دیتے اور پکڑے کھڑے رہتے۔ ہر چند خدام عرض کرتے کہ حضور کو ضعف ہے بیٹھ کر نماز ادا فرمائیں۔ آپ بہت خفا ہوتے۔

چونکہ حضور کی تمامی عمر شریف سیر و سیاحت اور سفر میں گذری تین روز سے زیادہ کہیں قیام آپ نہ فرماتے۔ لہذا شرعاً نماز قصر پنجگانہ خلوت میں ادا فرماتے۔ البتہ عیدین اور جمعہ کی نماز با جماعت مسجد میں ادا فرماتے تھے۔ اکثر کور چشم اور حاسدوں نے یہ بھی مشہور کر رکھا تھا کہ حضرت صاحب نماز نہیں پڑھتے۔ چنانچہ قاسم جان صاحب انسپکٹر پولیس ساکن مرزا پور جو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین سے ہیں راوی ہیں کہ ایک مرتبہ آدھی رات سے زائد گذر گئی ہو گی کہ میں مولانا کے حضور میں تھا ایک شخص نے عرض کیا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ نماز نہیں پڑھتے۔ اتنا کہنا تھا کہ مولانا کو وہ غضب اور جلال طاری ہوا کہ کسی نے یہ جلال کبھی نہ دیکھا تھا اور فرمایا کہ دُور ہو مردُود تُو کیا جانے۔ حاجی صاحب اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ ہیں خبردار کسی نے کبھی کوئی کلمہ خلاف شان کہا تو گویا مجھ کو روحی صدمہ دیا۔

(۷)

حضرت امام الاولیا اکثر علی الصبح یا بعد نماز ظہر تلاوت کلام مجید بھی فرمایا کرتے مخصوص آپ کی تلاوت کے واسطے ایک کلام بخط جلی قاضی بخشش علی صاحب نے لکھا تھا۔ جو محمد اسمٰعیل صاحب رئیس بلچھی کو حضور نے دیدیا تھا اور قاضی صاحب موصوف کے یہ خدمت بھی تعلق تھی کہ ہر مہینہ میں حضور پاک بیس کلام مجید میرٹھ یا لکھنؤ سے انھیں سے منگوا کر تقسیم فرماتے تھے۔

(۸)

ہزارہا غریب محتاج سال میں جڑاولیں پاتے کپڑہ پاتے۔ نقد و جنس دن رات اس آستانہ پر تقسیم ہوا کرتا۔ کوئی اعلیٰ ادنیٰ اس چشمۂ فیض سے محروم نہیں جاتا تھا۔ محفل میلاد شریف میں تشریف لے جاتے اور وقت پیدائش کے قیام فرماتے۔ غرۂ محرّم سے تا اختتام عشرہ نیا تہبند، رضائی، دلائی غرضکہ نیا کپڑا آپ نہ پہنتے۔ مجلس محرّم میں آپ شرکت فرماتے اور بیان شجاعت مختصر آپ سنتے اور بعد ختم محفل قل اختصار کے ساتھ ہوتا۔ شب عاشورہ کو زیارت کے واسطے اکثر آپ چوکوں پر تشریف لے جاتے مگر پا پیادہ جاتے تھے۔ تعزیہ یا عَلَم جس وقت سامنے سے گزرتا، آپ فوراً کھڑے ہو جاتے اور جب تک رُپوش نہ ہوتا آپ نہ بیٹھتے تا عشرہ محرم آپ قصہ غزلیں قصیدہ کچھ نہیں سنتے۔ بلکہ دس روز تک یہ مرثیہ میاں رحیم شاہ و دیگر خدام وغیرہ آپ کے سامنے پڑھا کرتے اور بہت خوش ہو کر سنتے۔

جو مرثیہ پڑھا جاتا اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔

Marfat.com

"جب مشک بھر کر نہر سے عباس غازی گھر چلے"

اکثر آپ بھی اس مرثیہ کو بہت جوش اور شوق سے پڑھتے تھے۔ تا عشرہ محرم روزانہ خیر خیرات بکثرت ہوا کرتی۔

(۹)

کنور عبد الشکور خانصاحب پانچ گھڑے شربت قند سفید دودھ کے اور ایک دیگ پلاؤ مرغن اعلیٰ درجہ کی روزانہ بعد از نماز عصر حضور میں لا کر پیش کرتے جو غربا کو تقسیم ہوتی۔ ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب کی طرف سے سبیل اور تقسیم غلہ تمام دن بکثرت جاری رہتی غلہ وغیرہ دل تو آستانہ پر سالہا سال برابر تقسیم ہوتا، مگر عشرہ محرم اور رمضان المبارک میں بکثرت خیر خیرات مثل غلہ و پارچہ نقد وجنس بلا تعداد شبانہ روز تقسیم ہوتا تھا۔ شربت کی سبیل دودھ شکر کی شبانہ روز آستانہ پر رہتی جس کا جنا جی چاہتا پیتا یا گھر لے جاتا۔

(۱۰)

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضور قصبہ سہالی سے فتحپور تشریف لاتے تھے۔ لوگ قصبہ کے کچھ دور حضور کو پہنچانے کی غرض سے ہمرکاب تھے۔ میاں جیا صاحب رئیس روضہ گاؤں بھی ساتھ میں تھے۔ چونکہ آدمی بزرگ اور سن رسیدہ تھے کسی قدر خدمت میں گستاخ تھے۔ عرض کیا کہ حضور محرم کو تو لوگ بدعت کہتے ہیں پس آپ نے نہایت غضب اور جلال میں آکر فرمایا کہ یہ سب جھگڑے ہیں۔ لوگ فاتحہ، درود، خیرات بند کرانا چاہتے ہیں، یہ قیامت تک نہیں بند ہونے کا۔ پھر عرض کیا کہ حضور نماز بے حضوری قلب قبول نہیں ہوتی تو ہم لوگوں کی نماز ہی گویا بیکار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خیال ہر گز نہ کرنا چاہیے۔ نماز برابر پڑھتا رہے۔ اگر تمام عمر میں ایک سجدہ بھی قبول ہو گیا تو تمام عمر کی نماز قبول ہے۔

(۱۱)

ایک مرتبہ محرم الحرام میں حضور فتح پور میں تھے۔ عشرے کے دن صبح کو حکیم برہم صاحب سے کہا کہ ہم زیارت کو چلیں گے۔ وہ ساتھ ہو لیے۔ سرائے میں جا کر ایک دالان کے سامنے حضرت کھڑے ہو گئے حکیم برہم حضرت کے پیچھے کھڑے رہے جب عَلَم یا تعزیہ سامنے آتا تو حضرت سلام کرتے اس وقت حضرت کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے۔

طرز گفتگو

(۱)

واضح ہو کہ حضور پاک کلام بہت آہستہ اور جلد جلد کرتے۔ اکثر لوگوں کی سمجھ میں کم آتا۔ ہنگام گفتگو سامعین کو اس قدر لطف آتا کہ حضوری سے اُٹھنے کو جی نہ چاہتا۔ اشارہ اشارہ میں نقطے۔ بات بات میں رموز ہوتے۔ ایک صاحب دل ملاقات میں چند جملوں میں جو فیض حاصل کر سکتا تھا۔ وہ کسی زندہ دل عالم متبحر کے سینکڑوں برس کے وعظ سننے سے بھی مشکل ہے۔ اصل تو یہ ہے یہاں دل سے بات کہی جاتی تھی۔ بس دل کو لگتی بھی تھی۔ ذرا ذرا سے چٹکلوں میں جو بغیر کسی خیال کے اظہار کی بیخبری و معصومیت محض سے نکل جاتے تھے اس میں بھی جنیدؒ اور شبلیؒ کے کلمات اور اقوال سے زیادہ مزا آتا تھا۔ جن کو عوام کا دماغ کچھ نہیں سمجھتا۔ مگر درد کی کشش کو کیا کریں دل بے چین ہو جاتا تھا۔ آپ سے آپ فدا ہونے لگتے۔ یہاں دل ہی دل میں تو باتیں ہوتی تھیں۔ زبان کی حرکت کی ضرورت بھی

Marfat.com

نہیں ہوتی تھی۔ آئینہ دل کی صفائی اس حد تک تھی کہ دوسرے شخص کے دل کا عکس فوراً ہی جا پڑتا تھا۔ کوئی دل ہی دل میں سوچ رہا ہے یا سوچ کر آیا ہے کہ یہ کہیں گے وہ کہیں گے۔ وہاں زبان پر ہمارے اسی خیال کے متعلق گفتگو ہونے لگتی تھی۔

(۲)

ایک عقیدت کیش آیا۔ قدمبوس ہوا۔ ساکت اور خاموش بیٹھ گیا۔ ایک ساعت بعد اٹھا۔ چلا گیا۔ مگر معلوم نہیں کیا ساتھ لے گیا کہ اب اس کی کیفیت ہی اور ہوگئی وہ دل ہی نہ رہا۔ جسے وہ لے کر آیا تھا۔ وہ آنکھ ہی نہ رہی جو کور سے بدتر تھی۔ سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ کسی رمز کی پردہ داری ہے۔ کبھی کبھی یہ ہوتا تھا کہ کسی سے ایسی باتیں کر دی جاتی تھیں جو اس کی سمجھ میں مشکل سے آتی تھیں یا سمجھ میں بھی آگئیں تو ان پر عمل کرنا محال معلوم ہوتا تھا۔

مثلاً فرماتے کہ مرد اپنی بیوی کے پاس رہتا ہے تو اس کی بیوی کو ہر طرح اس پر بھروسہ رہتا ہے۔ اپنے کھانے کپڑے کی اسی کو ذمہ دار سمجھتی ہے۔ خدا نحن اقرب من حبل الورید فرماتا ہے اور پھر ہم کو اس کے اوپر بھروسہ نہ ہو اور اپنے کھانے پینے کی خود فکر کریں۔

(۳)

کبھی کوئی عالم بے عمل بلکہ عالم ناداں مولوی صاحب آگئے تو ان سے ان کے سمجھانے یا ان کے گھبرانے کی باتیں کر دیں اور فرمانے لگے جو دل کو سجدہ کرے اسے مومن کہنا اندھیر نہیں تو کیا ہے۔ ایک روز ایک عالم صاحب بخیال مباحثہ خدمت میں حاضر ہوئے۔ جیسے ہی عالم صاحب سامنے آئے اور اس ہیبت ناک شیر خدا کی نگاہ ان پر پڑی تو رنگ فق ہوگیا اور مؤدب بیٹھ گئے۔ کچھ کہتے سنتے نہ بن پڑا۔ آخر کو جناب امام الاولیا نے حسب عادت شریف دیگر حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر باتیں کرنا شروع کیں اور فرمایا علم شئے اور ہے اور عشق کچھ اور ہے حضرت عشق آئے پھر وہاں علم اور عقل کا دخل نہیں رہتا۔ عشق میں ترک ہی ترک ہے۔ ترک دنیا۔ ترک عقبےٰ۔ ترک مولیٰ۔ ترک ترک اور اپنے فراق۔ تصدیق ہونا چاہیئے۔ تصدیق ہی ایمان ہے جس کو تصدیق نہیں اس کو ایمان نہیں۔ تصدیق ہزاروں میں ایک کو ہوتی ہے ہر ایک کا حصہ نہیں۔ اس کی بھی کئی ایک صورتیں ہیں۔ زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔ منزل عشق میں ذات صفات ہو جاتی ہے اور صفت ذات۔ معرفت کسبی چیز نہیں ہے۔ محض وہبی ہے جس کو خداوند کریم اپنی معرفت بخشے کسی کا اس میں اجارہ نہیں۔ خیال ہی صورت کا نقش کرنا چاہیئے جو صورت نقش ہوگئی وہی بعد مرگ بھی قائم رہتی ہے۔ بلکہ اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔ ہنوز یہ باتیں حضور فرما ہی رہے تھے کہ مولانا صاحب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چلنا شروع ہوئے۔ حضور نے فرمایا کہ اچھا مولوی صاحب چلو بیٹھو۔ پھر ملاقات ہوگی یہاں کیا ہے ہم کچھ جانتے بوجھتے ہیں۔ تم تو عالم ہو سب کچھ جانتے ہو۔ اتنا فرمانا تھا کہ مولوی صاحب قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا کہ حضور میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ جو کچھ پڑھا تھا وہ غلط تھا اور جو کچھ سمجھا تھا وہ خبط تھا۔ اب جو دیکھا وہ تصدیق اور حق ہے اور مجھے حضور اپنی غلامی میں قبول فرمائیں۔ آپ نے گوشۂ تہبند منہ پر رکھ لیا اور حسب عادت شریف مسکرا کر مولوی صاحب کی پیٹھ پر گھونسا مار کر لپٹا لیا اور فرمایا مولوی صاحب عاشق مزاج آدمی ہیں اور شرف بیعت سے مشرف فرمایا۔

Marfat.com

(۴)

اسی طرح ایک بزرگ پاک پٹن سے بنظرِ حصول ملازمت حاضر ہوئے۔ خدام نے کہا کہ ابھی موقع نہیں ہے۔ آپ ٹھہریں وہ نہایت مضطرب ہوئے اتنے میں حضور سے طلبی ہوئی وہ حاضرِ خدمت ہوئے اور قدمبوس ہو کر علیحدہ خاموش بیٹھے۔ آپ نے فرمایا کہ نور محمد شاہ بیاض لے آؤ۔ بیاض پیش کی گئی۔ آپ نے اس بیاض سے دو چار شعر پڑھ کر سنائے وہ رونے لگے کہ آج تیس برس پر یہ نعمت ملی ہے عالم رویا میں یہ آواز سنی تھی، آج اس خواب کی تصدیق ہوئی۔ آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

نہ دارم ذوق رندی نے خیال پاک دامانی

مرا دیوانۂ خود کن بہر رنگے کہ میدانی

یہ سُن کر موصی الیہ مکیف ہوئے۔ پھر آپ نے ان کو رخصت کیا اور فرمایا کہ اگر محبت ہے تو ہم تمھارے پاس ہیں چاہے ہزار کوس پر ہو محبت چاہیئے۔

(۵)

حضور کا خلق عظیم ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اگر کوئی حاکم وقت یا عالم بزرگ آجاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے اور بہت تپاک اور محبت سے بغلگیر ہو کر ملتے اور اس کے مذاق کے موافق اس سے گفتگو فرماتے اور اکثر اوقات حکام سے فرماتے کہ صاف رہنا چاہیئے، صاف رہنا چاہیئے۔ اگر کوئی لاکھ روپیہ دے تو پیشاب کر دے لعنت کر دے۔ چنانچہ خصوصی جس وقت کوئی ملازم پولیس شرف بیعت سے مشرف ہوتا تو آپ فرماتے اب رشوت نہ لینا۔ خدا مالک ہے۔ غرض کہ رشوت سے حضور بہت ہی ناخوش ہوتے تھے یا کوئی کیمیا گر سامنے آتا تو فوراً اس کو دھتکار دیتے۔ اگر کوئی درزی مرید ہوتا تو آپ ضرور فرما دیتے کہ اب کپڑا چوری نہ کرنا۔ اگر کوئی اجازت کچھ پڑھنے کی اجازت چاہتا تو آپ درود شریف کی اجازت فرماتے۔ اور فرما دیتے کہ خدا کے واسطے پڑھنا۔ دنیا کے واسطے نہ پڑھنا۔

(۶)

ایک مرتبہ بغرض قدمبوسی ایام بقرعید میں میرے ہمراہ قاسم جان صاحب انسپکٹر پولیس بارہ بنکی و منشی محمد الیاس صاحب ٹیبن غازی پور جو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن قبلہ رح کے مرید تھے اور حضور میں تجدید بیعت کی تھی۔ مقام سیدن پور گئے۔ شب کو راقم سے کہا کہ آج عید کا دن ہے کچھ انعام حضور سے دلوادو۔ راقم اپنے ہمراہ حضور میں لے گیا اور عرض کیا۔ حضور نے تہبند دلوا دیا۔ انھوں نے اصرار کیا کہ کچھ پڑھنے کی اجازت ہو۔ حضرت نے درود شریف کی اجازت دے کر فرمایا خدا کے واسطے پڑھنا دنیا کے واسطے نہ پڑھنا۔ انسپکٹر صاحب اس زمانے میں نامزد ڈپٹی کلکٹری ہونے والے تھے۔ انھوں نے اسی واسطے شروع کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسپکٹری سے بھی معزول ہوئے۔

(۷)

ایک روز ایک شخص قوم نورباف نے (جس کا نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا) مقام مسولی میاں مظہر علی کے مکان پر عرض کیا کہ

Marfat.com

یا امام الاولیا مجھے کچھ بتا دیجیے۔آپ نے درود شریف کی اجازت فرمائی۔ اس نے اصرار کیا کہ کچھ اور بتلا دیجیے کہ اس کو پڑھ
چونکہ بوجہ خدمت قدیم کے گستاخ زیادہ تھا، نہ مانا۔آپ نے چپکے سے اس کو کچھ بتلا دیا۔ تیسرے روز روتا ہوا آیا۔ آپ نے
دھتکار دیا اور فرمایا کہ کتے کو گھی نہیں ہضم ہوتا ہے۔ جب باہر نکلا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا مجھے حضرت نے ایک
دعا بتلائی تھی میں نے اس کو پڑھنا شروع کیا۔ دو تین دفعہ پڑھا ہوگا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ میرا داہنا ہاتھ میرے جسم سے علیحدہ ہوگیا اور
بائیں بازو کی بھی یہی کیفیت ہو چلی۔ یہ دیکھ کر گھبرا اٹھا اور پڑھنا چھوڑ دیا۔ دوسری رات کو جو پڑھنا شروع کیا تو کوئی کیفیت نہ ہو
آپ نے پانچ دفعہ پڑھنے کو فرمایا تھا۔ میں نے دوسرے روز سینکڑوں مرتبہ پڑھا مگر کچھ نہ ہوا۔ آج حاضر ہوا تو نکالا گیا۔

(۸)

ہرکس وناکس کو بجز اجازت درود شریف کے اور کچھ آپ نہیں بتلاتے تھے۔ اور جس خیال وجس مشرب کا آدمی حضور میں آتا، ا
سے ویسا ہی آپ پیش آتے۔ مثلاً کوئی حافظ یا قاری حضور میں آتے تو آپ اکثر فرماتے کہ کچھ پڑھو۔ جب وہ پڑھ چکتے تو آپ بھی بعض
اوقات بہ الحان عربی وعجمی وشامی وغیرہ وغیرہ چند آیات قرآنی اس طرح پڑھتے کہ قاری صاحب دنگ ہو جاتے۔ لیکن آپ جب
ہی پڑھتے کہ جس سے بے تکلفی از حد ہوتی۔ ورنہ ہر شخص کے سامنے نہ پڑھتے۔ اگر کوئی حکیم یا ڈاکٹر خدمت میں حاضر ہوتے تو
آپ کی عادت شریف تھی کہ دست مبارک اپنا بڑھا کر فرماتے کہ حکیم جی نبض دیکھو۔ حکیم صاحب نبض دیکھ کر عرض کرتے کہ حضور
کا مزاج بہت صحیح ہے اور نبض بہت قوی ہے اور کیونکر قوی نہ ہو یہ باعث تجرّد کا ہے۔ آپ ہنس کر تہبند منہ پر رکھ لیتے اور گاہے بلفظ
تجرّد پر حسب عادت پیٹھ پر یاران پر گھونسہ مار دیتے۔

(۹)

اگر کوئی حکیم یا رئیس کوئی معجون یا جوارش یا ماء اللحم وغیرہ کتنا ہی بیش قیمت پیش کرتا تو آپ اس کی خاطر سے رکھوا لیتے
اور پھر بعد کو سب تقسیم فرما دیتے۔ دوا کبھی کسی قسم کی حضور نے استعمال نہیں فرمائی۔

(۱۰)

اگر کوئی ہندو پنڈت برہمن حضور میں آتا تو آپ اس سے اس طرح کی باتیں کرتے اور کچھ اشعار پدماوت وغیرہ کے پڑھ
کر اس کا مطلب اور معنی ایسے سمجھا دیتے کہ وہ لوگ بے اختیار ہو کر قدموں پر گر پڑتے اور اکثر مرید بھی ہو جاتے۔ چنانچہ ہزارہا ہندو،
پنڈت، برہمن، ٹھاکر، چھتری، کایستھ ہر ایک قوم کے رئیس امیر غریب آپ کے مرید ہیں اور اکثر بڑے بڑے امرا ہنود حضور کے
مرید پابند صوم صلوٰۃ ہیں۔ بعض تو دائم الصوم ہیں۔

(۱۱)

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ شہر عظیم آباد پٹنہ مکان مولوی سید شرف الدین صاحب جج ہائیکورٹ پٹنہ حضور والا رونق افروز
تھے کہ ایک بہت بڑے پنڈت قوم تہل برہمن مقام دربھنگہ سے واسطے ملازمت کے ہمراہ جناب حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب

Marfat.com

تشریف لائے حضور میں حاضر ہوئے، آپ نے اور باتیں کر کے فرمایا کہ پنڈت جی تم تو بہت بڑے پنڈت ہو یہ تو بتلاؤ کہ پرہلاد کو جب اس کے باپ نے کھمبہ میں باندھ کر قتل کرنا چاہا اور اس سے کہا کہ تو رام رام کہا کرتا ہے۔ بتا اب تیرا رام کہاں ہے؛ تو اس نے کہا۔ "آندھر ہتا تو ہے ناسو جھت، ہر گھٹ مان بیاپت رام" ہر میں، تم میں، کھرک، کھمبہ میں۔ اتنا کہا تھا کہ کھمبا پھٹا اور نرسنگھ روپ پیدا ہوا۔ پنڈت جی پرہلاد نے چار چیزیں کہیں۔ ہم اور تم، اور کھرک اور کھمبہ۔ کیا وجہ کہ کھمبہ پھٹا اور نرسنگھ روپ پیدا ہوا اور ان تین چیزوں میں سے کیوں نہیں پیدا ہوا۔ بیچارے پنڈت جی خبط ہو گئے اور جواب نہ دے سکے اور عرض کی کہ حضور میری سمجھ سے باہر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پنڈت جی جب تک پرہلاد روتی تھا روپ پیدا نہیں ہوا جب کھمبہ پر ٹھہر گیا فوراً روپ پیدا ہو گیا۔ تو سمجھے پنڈت جی انسان کا جہاں ٹھہراؤ ہے وہیں خدا ہے۔ بس چلو پھر ملاقات ہو گی۔

پنڈت جی کی عجیب حالت ہوئی۔ اس دن سے مرتے دم تک آپ ہی کا نام لیتے رہے اور اپنے مذہب کی رو سے آپ کو اوتار مانتے رہے۔

(۱۲)

الغرض جو جس خیال اور مشرب کا ہوتا اس سے ویسا ہی آپ پیش آتے۔ جو حاجت مند یا صاحب غرض آتا اور اپنے مطلب کو بوجہ رُعب اس شیر خدا کے ظاہر نہ کر سکتا لیکن وہ نامراد بھی ہرگز نہ جاتا، کوئی شخص کیسا ہی مشکل اور سخت سے سخت سوال حضور میں پیش کرتا۔ آپ مختصر جملہ میں ایسا جامع جواب دیتے کہ اس کو کامل اطمینان ہو جاتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ لکھنؤ میں تبو بھٹیاری کے کوٹھے کی چھت پر تھوڑا دن رہے حضور رونق افروز تھے کہ منشی خدا بخش صاحب متخلص بہ شائق ساکن دریاباد جو بڑے عاشق مریدوں میں حضور کے تھے خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا حضرت راجہ جیالال نے یہ سوال کیا ہے۔ عام لوگوں میں کہ یہ جو مشہور کیا جاتا ہے کہ بہتّر فرقے ہیں۔ اس میں ایک ناجی ہے اور سب ناری ہیں تو وہ ایک فرقہ ناجی کونسا ہے اس کو اختیار کروں۔ چنانچہ سب لوگوں نے اپنی اپنی سمجھ اور خیال کے موافق جواب دیتے ہیں مگر راجہ کا اطمینان نہیں ہوتا ہے، حضور اُٹھ بیٹھے اور مسکرا کر فرمایا کہ خدا بخش حسد کے کتنے عدد ہیں انھوں نے عرض کیا۔ بہتّر۔ حضور نے فرمایا بس جو اس سے علیحدہ ہے وہی ناجی ہے باقی ناری ہیں۔ بس راجہ نے جس وقت یہ جواب سنا پھڑک اُٹھا اور حاضر خدمت ہوا۔ اکثر جوش میں آکر بعض اوقات حضور فرماتے تھے کہ عاشق کے مرید کا انجام نہیں خراب ہوتا۔ مرید اگر ہزار کوس پر ہے تو وہ پاس ہے۔ چنانچہ اس مقام پر بسبیل تذکرہ ایک واقعہ چشم دید و گوش شنید عرض کرتا ہوں کہ جو اس ارشاد کا پورا پورا ثبوت ہے۔

(۱۳)

جب ۱۸۸۲ء میں ملک مصر میں وزیر ملک مصر اپنے بادشاہ سے معاملات ملکی میں خلاف ہو کر ملک پر خود قابض ہو گیا اور بادشاہ خدیو مصر کو وزیر مصر نے جس کا نام عربی پاشا تھا۔ شہر اسکندریہ میں قید کر لیا تو خدیو مصر نے سرکار انگلشیہ سے مدد چاہی۔ چنانچہ سرکار نے خدیو مصر کو مدد دینے کے واسطے ہندوستان سے فوج روانہ کی۔ رسالہ میں جناب بھائی علی محمد خاں صاحب بہادر رسالدار افواج

Marfat.com

تھے۔ ان کے رسالہ کے جانے کا بھی حکم جنگِ مصر کو ہوا اور روانگی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ چونکہ یہ حضرت صاحب قبلہ کے بہت پرانے مریدوں میں بڑے عاشق زار اور پیر پرست مرید تھے۔ اب ان کو سخت اُلجھن اور پریشانی یہ دامنگیر ہوئی کہ کاش اس اخیر وقت میں قدمبوسی ہو جاتی تو باعثِ خوش قسمتی تھا۔ ورنہ ایسی مہم عظیم سے کیا امید واپسی کی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ آرزو ان کے دل میں نہایت اضطراب و بیقراری کے ساتھ پیدا ہوئی۔ ابھی رسالہ لکھنؤ میں مقیم تھا اور یہ ہر ایک سے پوچھتے پھرتے کہ حضرت صاحب آج کل کہاں رونق افروز ہیں کہ تین دن قبل روانگی مصر کے انھوں نے سنا کہ جناب امام الاولیا امین آباد کی سرائے پختہ میں بنّو بھٹیاری کے مکان پر تشریف لائے ہیں۔ یہ خبر سن کر یہ اچھل پڑے اور افتاں و خیزاں سرائے امین آباد میں پہنچے۔ حضور کے جمال باکمال کو دیکھتے ہی رسالدار صاحب بے اختیار ہو کر رو پڑے اور حضور سے لپٹ گئے۔ حضور پاک پا دراز کیے اس وقت لیٹے تھے۔ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ علی محمد اگر تم پانی میں ہوگے تو ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ اور اگر آگ میں ہوگے تو ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ہزار کوس پر ہوگے تو ہم تمھارے پاس ہیں۔ رسالدار صاحب نے عرض کیا کہ حضور مجھ کو مصر جانے کا حکم ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا علی محمد مصر کے چاقو اچھے ہوتے ہیں۔ کیوں علی محمد اگر کوئی ہندوستانی افسر کہیں فتح کرے تو ملکہ اس کی بڑی خاطر کرتی ہوں گی۔ ولایت شہر اچھا ہے۔ یہ باتیں فرما کر علی محمد خانصاحب سے فرمایا کہ اچھا جاؤ پھر ملاقات ہوگی۔ سیر کر آؤ۔ اور حضور اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا آؤ مل لیں پھر بغل گیر ہو کر آپ نے رخصت فرمایا۔ باہر آ کر ہم لوگوں سے مل ملا کر رسالدار صاحب رخصت ہو گئے۔

رسالدار صاحب راوی ہیں کہ بعد قدمبوسی حضرت صاحب کے تیسرے دن رسالہ چار ٹرین میں ہو کر یکے بعد دیگرے بمبئی کو روانہ ہوا۔ تیسرے دن بمبئی میں رسالہ پہنچا۔ ریل سے اُتر کر چار جہازوں میں سوار ہو کر مصر کی سمت جہاز روانہ ہوئے۔ جہاز میں سخت تکلیف کا سامنا ہوا۔ ایک روز مجھے بہت چکّر آیا اور قے ہوئی۔ اسی روز شب کو میں نے حضرت پیر مرشد برحق کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں "علی محمد ہم تمھارے ساتھ ہیں، مت گھبراؤ، یہ کوئی تکلیف نہیں ہے"۔ اس کے دوسرے دن سے میری طبیعت ایسی سنبھلی کہ پھر چکر وغیرہ سے تکلیف نہیں ہوئی۔ بخیریت تمام جہاز مقام بندرگاہ اسمٰعیلیہ پہنچا، جہاز سے اتر کر سب اسباب جہاز سے اتارا گیا۔ اس وقت کثرت ہجوم سے اسباب علیحدہ علیحدہ اتارا جاتا تھا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ میرا کل سامان ایک اور رسالہ کے سامان میں جا کر مل گیا اور گم ہو گیا مجھے دفتر کا کام سپرد تھا۔ بہت سے کاغذات تیار کرنا تھے جب مجھے فرصت ہوئی تو جہاں میرے ترپ کا اسباب رکھا تھا وہاں اپنا اسباب تلاش کر کے کچھ نکالنا چاہا، تو اسباب ہی ندارد تھا۔ ہر چند تلاش کیا نہ ملا۔ اس حالت میں مَیں نے حضرت کو یاد کیا کہ یا حضرت اب تو سخت گھڑی کا سامنا ہے۔ میں وردی وغیرہ کہاں سے لاؤں گا۔ اسباب وغیرہ تو گم ہو گیا۔ خیال ہوا کہ اور رسالوں میں جا کر ان کے اسباب میں تلاش کروں۔ بس اپنی فوج کے ایک افسر کرنیل ہیگنس صاحب کو لے کر میں نے اسباب اپنا تلاش کیا۔ اسباب بہ اکُل مِل گیا۔ اس کثرت سے اسباب جمع تھا کہ ملنا بالکل ناممکن تھا۔ مگر حضرت کی توجہ سے مل گیا۔

بندرگاہ سے رسالہ سوار ہو کر جنگ گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ فوجیں پہنچ چکی تھیں اور کچھ آنے والی تھیں مگر میرا رسالہ وہاں پہنچ گیا اور فوج دشمن کے مقابلہ میں جنگ میں شامل رہا کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ دشمن کی طرف سے ہمارے رسالہ پر گولیاں بھی چلیں اور بہت سی

Marfat.com

توپوں سے گولے بھی چلے، مگر ایک آدمی تک بھی نہ ضائع ہوا۔ نہ کسی جانور خچر، گھوڑے وغیرہ کو ضرب آئی۔ جنگ کرتے کرتے شہر قاہرہ دارالسلطنت مصر میں پہنچ کر قلعہ قاہرہ پر قابض ہوگئے اور عربی پاشا کو گرفتار کرکے خدیو مصر کو شہر اسکندریہ سے لاکر تخت پر بٹھایا، پھر رسالہ نے وہاں پر ایک ہفتہ قیام کیا بعد اس کے سب فوجوں کو ہندوستان کی طرف واپس آنے کا حکم ہوا۔ بحالتِ قیام شہر قاہرہ میں نے شہر میں جاکر حضرت صاحب قبلہ کے واسطے چھری اور چاقو خرید کیے۔ یہ بھی خیال مجھ کو ضرور تھا کہ حضور فرما چکے تھے کہ لندن شہر اچھا ہے۔ اگر کوئی ہندوستانی فتح کرے تو ملکہ اس کو دیکھنے کو بلاتی ہے۔ چنانچہ رسالہ تو ہندوستان واپس آیا اور میں بموجب حکم سرکار بخوشی فتحیابی مصر معہ دو اور سرداروں کے ولایت یعنی لندن کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر ملکہ معظمہ قیصرِ ہند کوئن وکٹوریہ مرحومہ کے دستِ مبارک سے ایوانِ شاہی کہ جس کا نام "ونڈسر کاسل" ہے میں نے حاضر ہوکر تمغہ پہنا۔ اور چند روز وہاں قیام رہا۔ حضور جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند مرحومہ نے بہت بڑی خاطر کی۔ ایک خاص دعوت فرماکر اپنے دستِ مبارک سے تھالی نقرئی میوہ سے بھری عنایت فرمائی۔ ایک روز ہندوستانی کپڑوں میں بلواکر ملاقات کی۔ تمام حالات طریقہ بیاہ شادی ہندوستان کے دریافت فرماتی رہیں۔ ایک روز سلطانی رسالہ کی قواعد مجھ سے کراکر دیکھی۔ تمام ایواناتِ شاہی اور مقامات سیرگاہ کے دیکھنے کا حکم ہوا۔ ایک بگھی چوکڑی کا دو دو گھنٹہ پہرا ہماری کوٹھی پر ہر وقت رہتا تھا۔ غرضکہ بہت اعزاز کے ساتھ ہم وہاں رہے اس کے بعد ہندوستان کو واپس آئے۔ وقت روانگی لکھنؤ سے تا بہ واپسی لکھنؤ حسب الارشاد محض بطور سیر کے میں گیا اور واپس آیا اور ولایت سے بھی حضرت صاحب کے واسطے چاقو خرید کیے اور اپنے ساتھ لایا اور حضور میں حاضر ہوکر حضرت صاحب کے سامنے چھری چاقو پیش کیے۔ حضرت صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ واپس آگئے اور ایک گھونسہ اپنے دستِ مبارک سے میری پیٹھ پر لگایا۔ غرضیکہ رسالدار صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد یوماً فیوماً میری اس قدر ترقی ہوئی کہ اٹھارہ برس کی ملازمت میں بعہدہ رسالدار میجری کے ممتاز ہوا۔ پھر دو مرتبہ ولایت گیا۔ میں جب حضور میں حاضر ہوتا تو ضرور حضرت فرماتے کہ "یہ سب کے افسر رسالہ میں ہیں"۔ چنانچہ سب سے اعلیٰ عہدہ پر پہنچایا۔

(۱)

اکل وشرب

جناب امام الاولیا چودہ برس کے سن سے چالیس برس کے سن تک بعد ایک ہفتہ کے غذا تناول فرمایا کیے۔ جب سن شریف قریب پچاس برس کے پہنچا اور حسب اتفاق بمقام شکور آباد آپ سخت علیل ہوئے تو بعد حصول صحت ضعف و ناتوانی و نحافت جسم جب زیادہ ہوئی اس وقت خادموں نے باصرار تمام بلافصل غذائی کرائی۔

بائیس برس کے سن سے پچاس کے سن تک گوشت اور دودھ اور انڈا اور مچھلی وغیرہ آپ نے نہیں تناول فرمایا۔ تمام عمر آپ نے بجز چند لقموں کے کبھی آسودہ ہوکر غذا نہ کی۔ نہ مزے دار غذا سے رغبت کی نہ بدمزہ غذا سے تنفر کیا۔ جناب ممدوح نے ہنگام رضاعت تا عمر دس سال گھر میں کھانا تناول فرمایا۔ بعد ازاں تمام عمر دعوت میں گذری۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محاسبۂ غذا سے بالکل سبکدوش اور جادۂ توکل پر مستقیم رکھا۔

Marfat.com

(۲)

واضح ہو کہ سال کے تین سو ساٹھ دن میں کوئی دن ایسا نہ گذرتا کہ دسترخوان غذائے لطیف و پر تکلّف سے خالی رہتا۔ غرضکہ تمام عمر سیر و سیاحت دعوت مدارات میں حضور کی گذری۔ چنانچہ قاعدہ دوامی اس طور پر مروج تھا کہ جب جناب ممدوح سیر و سیاحت فرما کر دیوہ شریف تشریف لاتے اور چار پانچ روز قیام فرماتے تو اول روز تشریف آوری کے کھانا اندر مکان میں پکتا۔ دوسرے روز میاں گھسیٹے صاحب و شاہ فضل حسین صاحب و معروف شاہ صاحب روسائے دیوہ کے یہاں سے مع ہمراہیان حضور و آیند و روند کے باری باری کھانا پر تکلف آتا اسی طرح ایک عرصہ تک عملدرآمد رہا۔

(۳)

وصال کے چھ برس پیشتر ایک روز جناب ممدوح عازم سفر تھے کہ خفیف سا ترشح ہونے لگا۔ اور اس روز حسن اتفاق سے بادشاہ حسین خان صاحب رئیس کبرہ بھی حاضر تھے۔ انھوں نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور ایسے ابر باد میں ہم ہرگز نہ جانے دیں گے۔ حضور عزم روانگی ملتوی فرمائیں۔ بلکہ ہماری یہ تمنا ہے کہ اب حضور قطعی سیر و سیاحت موقوف فرما کر دیوہ شریف میں قیام فرمائیں۔ مشتاقان زیارت کو یہیں قدمبوسی ہوا کرے۔ ہم سب غلام اپنی جان و مال سے خدمت کے واسطے موجود ہیں۔ غرضیکہ باصرار تمام اپنے عزم روانگی ملتوی فرما کر قیام دیوہ شریف میں فرمایا۔ چونکہ بادشاہ حسین خانصاحب میرے بہت بڑے عنایت فرما تھے اور میری ہی رائے سے اس وقت حضور میں جا کر یہ التجا اپنی پیش کی تھی۔ چنانچہ بعد قبول ہونے ان کی استدعا کے میں نے کہا کہ اب اس وقت اس شکریہ میں حضور پاک کو تہبند بدلوانا چاہیئے اسی وقت تہبند بادشاہ حسین خاں نے حضور کو بدلوایا اور اول یہ خدمت دعوت قیام جناب ممدوح و انتظام خور و نوش آیند و روند بادشاہ حسین خاں کو عطا ہوا۔ بعد ازاں چند روز کے بعد چودھری لطافت حسین خاں صاحب رئیس رامدانہ و بعد چندے حاجی عباس حسین خاں صاحب رئیس بابوپور و بعد ازاں راجہ دوست محمد خانصاحب رئیس مہونا نے بھی حاضر ہو کر اس شرف خدمت کو حضور سے باصرار تمام حاصل کیا اور تین تین مہینہ کی باری جناب ممدوح و آیند و روند کرنا شروع کی۔ کچھ روز بعد راجہ اودت نرائن سنگھ صاحب تعلقدار رام نگر۔ و راجہ محمد شیر خاں صاحب رئیس رائے پور نے بھی شریک ہو کر دو دو مہینہ انتظام دعوت و مصارف خورد و نوش آیند و روند تقسیم کر لیا۔ چنانچہ جو لوگ زیارت و قدمبوسی کے لیے حاضر ہوتے ان کو سرکاری باورچی خانہ سے دو دو روٹی اور دو قسم کا سالن قورمہ و ترکاری دار اور ایک رکابی چاول اور ایک پیالہ دال کا پیش کیا جاتا۔ حضور کے واسطے بھی باورچی خانہ سے کھانا دونوں وقت دسترخوان پر آتا۔ اس کے علاوہ اور لوگ بھی بوقت نوش فرمانے خاصہ کے حسب حوصلہ اپنے عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر دسترخوان پر لا کر پیش کرتے تھے مثلاً معروف شاہ صاحب علی العموم دونوں وقت پر تکلف غذائیں مرغوب طبع جناب ممدوح کے دسترخوان پر پیش کرتے۔ علی الصبح گرم پانی منہ دھونے کو اور ناشتہ بھی لاتے۔ یہ خدمت بھی آپ کے تعلق تھی کہ گرم پانی غسل کے واسطے آپ ہی لاتے صبح و شام پھول بھی معروف شاہ صاحب لا کر پیش کرتے جو دوسرے وقت درخت پکریا کی جڑ میں ڈال دیئے جاتے۔ یہ پکریا جناب مستقیم شاہ صاحب مرحوم کی لگائی ہوئی ہے جو ہنوز مزار شریف کے سرہانے موجود ہے۔

Marfat.com

(۴)

ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب رئیس ملاواں ضلع مین پوری جو حضرت صاحب قبلہ کے بہت بڑے عاشق اور جاں نثار مریدوں میں ہیں اور بوجہ قیام فرمانے حضرت صاحب قبلہ کے انھوں نے بھی ترک وطن کر کے سکونت دیوہ شریف کی اختیار کی تھی اور اپنا ذاتی مکان دیوہ میں بنوالیا تھا اور بعد طیاری نذر حضور کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ٹھاکر صاحب بھی اپنے یہاں سے ایک سینی میں روزانہ دونوں وقت نئے نئے قسم کی چیزیں اعلیٰ اعلیٰ درجہ کی پرتکلف پکوا کر حضور میں پیش کیا کرتے اور اکثر کنور عبدالشکور خاں صاحب تعلقدار دھرم پور جو بہت بڑے رئیس وخوش لباس وخوش غذا ہیں اور حضرت صاحب قبلہ کے اوپر جان ومال سے عاشق وشیدا ہیں جب دیوہ شریف میں آکر قیام کرتے تو دونوں وقت نہایت ہی پرتکلف کھانے متعدد اقسام کے پکوا کر حضور میں پیش کرتے۔

ایک کھانا دونوں وقت مولوی فخرالدین صاحب رئیس دیوہ کے یہاں سے بھی آتا تھا جو حسب الحکم حضور ہمارے یہاں اندر زنانے میں بھیج دیا جاتا تھا۔

علیٰ ہذا القیاس اکثر لوگ مثل حافظ حسن خانصاحب وبابو کنھیا لال صاحب جب قیام پذیر ہفتہ عشرہ کے ہوتے ودیگر عشاق مثل حافظ پیاری وغیرہ مریدین بوقت نوش فرمانے خاصے کے کچھ نہ کچھ پکوا کر سامنے لاکر پیش کرتے۔

(۵)

واضح ہو کہ قیام دیوہ شریف سے قبل تمام عمر کھانا حضور نے اندر زنانے مکان میں تناول فرمایا کبھی باہر مردانہ میں آپ نوش نہیں فرماتے تھے۔ اب وصال کے دو تین برس پیشتر سے باہر تناول فرمانے لگے تھے۔ اس لیے وقت نوش فرمانے خاصہ کے اندر زنانے میں سے بھی ایک سینی غذائے مرغوب طبع با انتظام عزیزی حکیم عبدالرحمٰن خانصاحب دونوں وقت حضور میں جاتی تھی اور تا ہنگام نوش فرمانے خاصہ کے چپاتیاں گرما گرم اندر سے ہم لوگ دوڑ دوڑ کر لایا کرتے تھے اور جب حضور خاصہ نوش فرماتے ہوتے تھے تو علاوہ سینی اندرون خانہ کے باورچیخانہ سرکاری سے جو خاصہ آتا تھا وہ سینی بھی اندر بھیجی جاتی تھی اور باقی ہر ایک سینی سے خدام لوگ حسب خواہش نکال لیتے تھے اور جو کچھ بطور ادش کے خدام سے چھوٹ جاتا تھا۔ وہ لوگ لے جاتے اور تبرکاً خود کھاتے تھے۔

(۶)

علی الصبح ناشتہ باورچیخانہ سے اور معروف شاہ صاحب لاتے جس میں مونگ کی کھچڑی یا شیر برنج یا تو روغنی خستہ ٹکیاں وخاگینہ بیضہ مرغ وتلی ہوئی ٹکیاں انڈے کی ہوتی تھی۔ حضور برائے نام اس میں سے بطریق نمک چشتی کے قدا سامنہ میں کسی ایک چیز کو لگا کر دو ایک گھونٹ پانی پی لیتے اور ناشتہ کل خدام لوگ جو زندم خورندم کرتے تھے۔ بعدہٗ جب قریب دس بجے کے وقت نوش فرمانے خاصہ کا آتا تو لوگ اپنے کھانوں کی سینیاں اپنے سروں پر رکھ کر حاضر ہوتے اور دسترخوان بچھایا جاتا۔ اس پر انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے۔ پہلے ایک مٹی کے کونڈے میں دونوں ہاتھ حضور دھوتے۔ مٹی کے لوٹے سے پانی خدام ڈالتے۔ بعدہٗ حضور واسطے نوش فرمانے خاصہ کے قریب دسترخوان کے اوکڑوں سر سے تہبند اوڑھ کر جلوس فرماتے اور لوں خاصہ نوش

Marfat.com

فرمانے کہ ملائم ملائم چپاتیاں گرم سامنے رکھ دی جاتیں۔ اُن میں سے کبھی ایک چپاتی سے ذرا سا ٹکڑہ بقدر دو انگل توڑ کر شوربے یا دھوئی دال مونگ میں ڈبو کر کھا لیا کبھی دوسری چپاتی سے ذرا سا لقمہ توڑ کر کھا لیا روٹیوں کے کبھی چار چار ٹکڑے کر کے رکھ دیئے کبھی کسی نے اگر بے ریشہ بوٹی نکال کر سامنے رکھ دی تو مل کر ذرا سی زبان پر رکھ لی۔ خدام بخیال اس کے کہ کچھ حضور غذا کر لیں، باتوں میں بہلانا شروع کرتے میاں بخشش علی اور تراب علی شاہ مزاقیہ اور دلچسپ فقرہ ایک دوسرے پر اڑانا شروع کرتے۔ مگر حضور سوائے اس کے کہ کبھی بوٹی مل رہے ہیں کبھی چپاتی توڑ توڑ کر سامنے رکھ رہے ہیں کبھی ذرا سا کباب مل کر زبان پر رکھ لیتے ہیں گویا مثل بچوں کے ایک کھیل اور مشغلہ ہے کہ ہو رہا ہے غذا سے قطعی گریز ہے چاول نرم سادہ مثل گلتھی کے جس میں ایک کنارے پر شوربا ڈال کر ملا دیا جاتا۔ سامنے پیش کیے جاتے آپ بڑے اصرار سے دو انگلیوں سے ایک آدھ نوالہ برائے نام زبان پر رکھ لیتے۔ اسی طرح ہر ایک رکابی پیالہ پیش کیا جاتا کہ حضور اس میں ذرا ہاتھ لگا دیجیئے۔ حضور اس کو ذرا چکھ لیجیے۔ آپ کلمہ کی انگلی سے بطور ذائقہ چشی کے ذرا سا منہ میں لگا لیتے۔ کیسی ہی کوئی تعریف کرتا کہ حضور یہ مزعفر لذیذ ہے یہ متنجن نواب عبدالشکور خانصاحب عمدہ تعریفی پکوا کر لائے ہیں۔ یہ پڑا اٹھا ٹھاکر پنچم سنگھ کے یہاں کا ہے۔ یہ مرغ مسلّم بادشاہ حسین خاں نے پکوایا ہے۔ یہ کباب شامی معروف شاہ لائے ہیں۔ یہ مرغ پلاؤ حافظ پیاری نے پکوایا ہے یا یہ کھیر پسند ہے حضور ذرا ہاتھ لگا دیں۔ آپ ذرا سا زبان پر لگا دیتے۔ گاہے دسترخوان پر منہ سے نکال کر رکھ دیتے۔ ایک نوالہ پورا کسی چیز کا نہ کھایا۔ چونکہ یہ پابندی سنت ہر لحظہ ملحوظ خاطر تھی لہذا بخیال اس کے ایک عادت شریف دوامی یہ بھی تھی کہ ایک آدھ لقمہ ثرید کا یعنی شوربے میں ٹکڑے چپاتی کے بھگو دیئے جاتے تھے آپ ضرور نوش فرما لیتے تھے۔ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت بڑی تعریف فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ۔

ترجمہ: یعنی بزرگی عائشہ کی سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے بزرگی ثرید کی سب کھانوں پر۔ بعد تناول فرمانے کے ذرا سا ٹکڑہ روٹی کا کھا کر دو ایک گھونٹ پانی نوش فرماتے تھے اور درمیان میں بھی ذرا سا ٹکڑہ خشک روٹی کا کھا کر دو ایک گھونٹ آب پیتے تھے اور خلال اکثر بنب کی سینک کا کرکے ہاتھ دھوتے اور کلّی کرتے تھے اور کبھی رومال سے تاگا نکال کر خلال فرمایا کرتے۔ بعدہٗ چند قدم ٹہل کر جلوس فرماتے اور پھر اندر زنانے میں تشریف لے جاتے۔ اگر کسی وقت آپ سہ پہر یا صبح کو پانی نوش فرماتے تو موسم سرما میں اور گرمی میں ذرا سا بسکٹ دانت سے کھٹک کر پانی پیتے تھے اور یہ بسکٹ مخصوص علیگڈھ سے اعلی درجے کے بنکر آتے تھے۔ یہ خدمت حافظ حسن خانصاحب کی قسمت میں بھی کہ بسکٹ بنوا کر بذریعہ پارسل ماہ بماہ برابر بھیجتے تھے۔ نیز یہ بھی خدمت باصرار قبول کرائی تھی کہ کشمیر کے اعلیٰ درجہ کے چاول منگوا کر ہمیشہ حضور میں پیش کرتے تھے۔ بارش کے زمانہ میں البتہ بھُولے ہوئے مُرمُرے یعنی لائی ذرا سی چاپ کر یا تازہ دو ایک گھونٹ آپ پیتے تھے۔ آم کا آپ کو بہت شوق تھا۔ خاصہ تناول فرمانے کے وقت دو تین آم خوب ملائم کر کے دسترخوان پر لائے جاتے۔ آپ مثل معصوم بچوں کے آم کی ہینڈی کی طرف سے ذرا سا کاٹ کر دو ایک سے ذرا ذرا سا چوس کر دسترخوان پر رکھ دیتے جس روز خربوزہ آپ کھاتے اس روز چاول نہ نوش فرماتے۔

Marfat.com

(۷)

فصلی چیزیں بھی کانڈل کا ساگ گوشت میں علی الخصوص بٹیروں میں، سبز دھنیئے کی پتی یا سویا پڑا سالن، آلو یا سویا میتھی، مونگ کی بری ایک میں پکی ہوئی۔ بتھوے یا پالک کا ساگ، دھوئی دال ماش یا مونگ کی دھوئی میں۔ شروع فصل میں آلو، شلجم گوبھی۔ کدو کے پھول بیسن لگے تلے ہوئے مونگچھی۔ دہی۔ بڑے۔ بیسن کی پھلوری نرم کچنال کی کلی سالن میں یہ چیزیں اگر دسترخوان پر لائی جاتیں تو آپ ان میں سے ضرور کچھ چکھ لیتے۔ کچنال کی کلی سے حضور کو شوق تھا۔ وصال کے قبل حضور نے اندر زنانے میں تذکرۃً فرمایا کہ آج کل کچنال کی کلی ہوں گی۔ راقم ڈھونڈھ کر لایا۔ مگر افسوس کہ ان کے پکانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ حضور نے بستر علالت پر استراحت فرمائی۔ مچھلی اور گائے کے گوشت سے سخت نفرت تھی۔ حضور کے باورچی خانہ میں یہ چیزیں نہ آنے پاتی تھیں۔ مچھلی تو قطعی حضور نہیں چھوتے تھے۔ مگر گائے کے گوشت کی نہاری مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ ایک مرتبہ محمد وبا ورچی جس کی دکان لکھنؤ میں فرنگی محل کے پل کے نیچے تھی حضور میں لکا کر لایا۔ آپ نے ایک لقمہ ناشتہ کے وقت شاید کھایا تھا۔ فرمایا جناب ممدوح نے مچھلی گائے کا گوشت نہ کھانا چاہیئے۔ مخصوص فقرا کو یہ حکم تھا۔ اہل دنیا کو فرمایا کہ کسی جانور کا دل نہ کھانا چاہیئے اور او سر بھینس یا مینڈھا اس کا گوشت نہ کھانا چاہیئے۔

(۸)

جب کسی کا فاتحہ قل ہوتا تو آپ جب تک قل نہ ہو جاتا کھانا تناول نہ فرماتے۔ بروز عاشورہ محرم جب تک تعزیہ چوک سے نہ اٹھ جاتا کھانا آپ نہ کھاتے۔ آفتاب یا ماہتاب میں جب گرہن پڑتا جب تک وہ صاف نہ ہو جاتے آپ کھانا نہ کھاتے۔ پانی کے برتن بند رکھنے کو آپ اندر زنانے میں اکثر فرماتے تھے۔ شاہ فضل حسین صاحب مرحوم راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور شاہ مینا صاحبؒ کے مزار پر تشریف لے چلے ہم بھی ہمرکاب تھے جب گول دروازے کے قریب پہنچے۔ فرمایا کہ فضل حسین تھوڑے بتاشے مول لیتے آؤ۔ میں نے حسب الحکم بتاشے تو لے لیے مگر راستہ میں عرض کیا اور کوئی مٹھائی حکم ہو تو لیتا آؤں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بتاشہ اچھی چیز ہے۔ اس کے کھانے کے وقت چرچراہٹ ہوتی ہے اس سے اللہ کا نام نکلتا ہے۔ قل یا فاتحہ میں بتاشے شریک کرنا عمدہ بات ہے۔

(۹)

شبرات کے روز آپ گوشت نہیں تناول فرماتے تھے۔ مونگچھی وغیرہ نوش کرتے۔ موسم سرما میں شب کو آپ چاء نوش فرماتے تھے۔ مگر دودھ زیادہ چائے کم۔ دو ایک گھونٹ برائے نام بوقت استراحت شب کو پی لیتے تھے۔ جناب فخر الاولیا موسم گرما میں شورہ کا جھلا ہوا پانی نوش فرماتے تھے اور موسم سرما میں باسی پانی اور موسم بارش میں تازہ پانی جو ٹیڑھے محل سے فوراً تازہ بھر کر آتا تھا۔ موسم گرما کے واسطے شورہ اور خس کی ٹٹیوں کا انتظام بادشاہ حسین خانصاحب رئیس کبرہ کرتے تھے۔ موسم سرما میں انگیٹھی وغیرہ کوئلہ کا انتظام مولوی محمد یحییٰ صاحب وکیل عظیم آباد پٹنہ فرماتے تھے اور تیل بتی کا صرفہ بھی آپ ہی کے ذمہ تھا اور روغن بادام و روغن کدو کا جو حضور کے لگانے کو وکیل صاحب ہمیشہ لاتے تھے۔ نیز بہادر علی خاں صاحب روغن چمبیلی اعلیٰ درجے کا تیار کرا کے ہمیشہ حضور میں بھیجتے تھے۔ آپ رئیس باڑہ کے ہیں چمبیلی کا تیل باڑے کا یوں بھی مشہور ہے۔

Marfat.com

(۱)

سفر و قیام

چالیس برس پا پیادہ حضور سیر و سیاحت فرماتے رہے۔ بجز منزل مقصود کے ایک جگہ قیام نہیں فرمایا چنانچہ شروع زمانہ میں آپ سال میں ایک مرتبہ پچھاں کی سیر فرمایا کرتے یعنی اکبر آباد، اٹاوہ مین پوری، فرخ آباد، میرٹھ، علی گنج، علی گڈھ وغیرہ وغیرہ کے لوگ آپ کو لے جاتے تھے۔ بعد ازاں اب زمانہ آخر میں چند مرتبہ آرہ، پٹنہ، دربھنگہ، پلچھی، شیخپورہ، باڑہ وغیرہ میں اکثر معتقدین مثلاً مولوی سید شرف الدین صاحب بیرسٹر و جسٹس ہائیکورٹ و مولوی یحییٰ صاحب وکیل پٹنہ و حاجی محمد اسمٰعیل صاحب رئیس پلچھی و میر ابرار حسین صاحب شیخپورہ کلاں و مولوی لطافت حسین صاحب شیخپورہ و ہادی علی خانصاحب رئیس باڑہ۔ ڈپٹی صفدر حسین خاں صاحب بہادر رئیس گورکھپور دغیرہ وغیرہ کے اصرار سے تشریف لیجایا کیے۔ لیکن تشریف بری جناب ممدوح و شرف ملازمت بعیت اشرقی اصحاب جناب برادر حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب کے سبب سے ہوئی۔ چنانچہ مولوی سید شرف الدین صاحب و مولوی لطافت حسین اکثر مذاق میں کہا کرتے کہ حکیم صاحب ہم لوگوں کے پنڈت ہیں۔ غرضیکہ ہر ایک اعلیٰ و ادنیٰ آرزو و تمنا رکھتا تھا کہ حضور مجھ کو سرفراز فرمائیں، لیکن بہزار کوشش و اصرار و لصد تضرع و زاری جب لوگ آپ کو گھیرتے تھے۔ اس وقت بخیال دل شکنی حضور تشریف لے جاتے تھے۔ باوجودیکہ عشاق و جاں نثاراں معتقدین حسب حوصلہ اپنے حضور کی آمد کی خوشی اور جوش مسرت میں سامان جشن و سرود مثل باجہ و آتشبازی روشنی و دیگر انتظام دلبستگی وغیرہ سب کچھ کرتے تھے مگر حضور دو تین روز سے زاید کسی شہر یا قصبہ یا دیہہ میں قیام نہیں فرماتے تھے اور جس شہر میں حضور رونق افروز ہوتے ایک میلہ عظیم ہو جاتا تھا۔ اکثر پٹنہ، دربھنگہ وغیرہ میں بسبب کثرت ہجوم کے سرکاری انتظام پولیس وغیرہ کا ہو جاتا تھا تاکہ کثرت مجمع میں لوگ چوٹ نہ کھا جائیں۔ نیچے اوپر آدمی ہیں کہ گرے پڑتے ہیں۔ ہندو مسلمان، انگریز جوق جوق ہر طرف سے چلے آرہے ہیں غرضیکہ وہ اژدہام ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو نہ پہچانتا تھا۔ ہزارہا تہبند، دھوسہ، بانات، کمبل تحفہ تحائف کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔ مگر وہ سب وہیں حضور لٹا پٹا کر دوسرے یا تیسرے روز روانہ ہو جاتے تھے۔

بیک منزل چو آرامی ندارد	بجز گردند کارے نہ دارد
نگیرد خاطرش جائے قرارے	بگرد و از دیارے در دیارے
شب آمد روئے در منزل گے کرد	چو روز آمد سر بر خورہ کرد
بہر روز بکہ صبح نو دمیدے	چو مہ در منزل دیگر رسیدے

(۲)

جب سن شریف قریب ستر، پچھتر برس کے پہنچا اس وقت بخیال ضعف و نحیف جسم کے اکثر معتقدین نے آپ کو باصرار تمام سفر دور دراز سے مجبور کر کے اپنے ہی قرب و جوار میں یعنی اطراف اودھ میں سیر و سیاحت کرانا شروع کی۔

(۳)

واضح ہو کہ جناب امام الاولیا بہ نسبت امرا کے غربا پر زیادہ توجہ و عنایت رکھتے تھے اور اکثر عوام الناس جولاہے، بھنے، تیلی،

Marfat.com

کبڑے، قصائی وغیرہ وغیرہ کے یہاں نبطران کی دلجوئی کے آپ زیادہ رونق بخش ہوتے تھے اور حضور کی قدمبوسی کو بڑے بڑے رؤساو تعلقدار وراجہ بابو حکام ان غربا کے مکانوں پر آتے تھے۔ پابندی وضع کا اس درجہ خیال تھا کہ جس شہر یا قصبہ یا دیہہ میں جس راہ سے ہو کر ایک مرتبہ آپ گذر گئے پھر ہمیشہ اسی راستہ سے تشریف لیجایا کیے۔ جس مکان میں اوّل مرتبہ شب باش ہوئے پھر ہمیشہ اسی مقام پر قیام فرمایا کیے۔ بلکہ اکثر ہر ایک مقام پر حضور کی فرودگاہ کی غرض سے مکانات پختہ وخام وباغیچہ وغیرہ معتقدین امراو غربا نے حسب حوصلہ اپنے بنوائے تھے۔ اور حضور جب تشریف لے جاتے تو اسی میں رونق افروز ہوتے تھے۔ بعدہٗ وہ مکان مقفل کر دیئے جاتے تھے۔

(۴)

بادشاہ حسین خاں صاحب نے مقام کبرہ میں ایک قلم باغ سو بگیھہ کا لگایا تھا جس میں ہر قسم کا ترشا۔ لیمو۔ نارنگی وغیرہ بکثرت بٹھلائے تھے۔ درمیان باغ کے ایک کوٹھی اعلیٰ درجہ کی تیار کرائی تھی۔ سال میں دو تین مرتبہ حضور پاک کو لیجاتے تھے اور نہایت حوصلہ اور الوالعظمی سے حضور کی آمد کی دھوم دھام کرتے تھے۔ بہت بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ سب کی مہمانوازی بڑے حوصلے سے کرتے تھے۔ کوئی کھانا ایسا نہ ہوتا تھا جو باورچی خانہ میں نہ پکتا ہو۔ اور اعلیٰ ادنی غریب امیر کے دسترخوان پر نہ آئے۔ حضرت صاحب قبلہ بوجہ خلوص محبت بادشاہ حسین خاں کے چھ روز قیام کبرہ میں فرماتے تھے اور بادشاہ حسین خاں کو حضور دل سے چاہتے تھے۔ قلم باغ کی ہر ایک فصل کے میوے ٹوٹ کر ڈیوڑھ شریف آتے تھے جو تمام غربا کو تقسیم ہوتے تھے۔ غرضیکہ انتہائے پیر پرستی یہ تھی کہ ڈیوڑھ شریف کے کتّے تک کی تعظیم کرتے اور ہر طرح سے ہر ایک خادم کی خدمت کرتے۔

(۵)

چودھری لطافت حسین صاحب رئیس رامدانہ نے ایک کمرہ حضور کے واسطے بنوایا تھا۔ حضرت صاحب کو بڑے حوصلہ سے لیجاتے اور بہت کچھ دھوم دھام کرتے حضور پاک دو تین روز رامدانہ میں قیام فرماتے۔

(۶)

حاجی عباس حسین خانصاحب رئیس بابو پور نے ایک کوٹھی آراستہ کرائی تھی۔ حضور کو لے جاتے اور بڑی عالی ہمتی سے دعوت مدارات کرتے۔ ایک روز میاں ضامن حسین خانصاحب رئیس بابو پور بھی بڑی اولوالعظمی سے حضور کی دعوت اور تہبند وغیرہ کرتے۔ یہ صاحب بھی حضرت کے بڑے عاشقوں میں ہیں۔ میاں نصیرالدین صاحب رئیس بابو پور کے یہاں دعوت اور تہبند بھی ہوتا۔ میاں حسام الدین صاحب رئیس بابو پور کے یہاں دعوت اور تہبند بھی ہوتا۔ میاں حسام الدین صاحب رئیس نعمت پور اپنے یہاں حضور کو لے جاتے۔ دو مقام حضور کے یہاں بھی ہوتے۔ آیندہ روند کی دعوت مدارات بڑی عالی ہمتی سے یہ صاحب کرتے۔ میاں محمود علی صاحب رئیس مانا پور اپنے یہاں حضور کو لے جاتے۔ دو روز حضور کا قیام وہاں رہتا۔ بڑے حوصلہ سے دعوت تہبند کرتے۔ پینتے پور تراب بزقصاب نے مخصوص ایک مکان خاص حضور کے واسطے بنوایا تھا۔ حضور کو بڑے حوصلے سے لے جاتا۔ تین روز وہاں قیام فرماتے۔ ایک روز واجد علی خاں صاحب رئیس پینتے پور کے یہاں تہبند اور دعوت بڑے دھوم دھام سے ہوتی۔ شیخ عنایت اللہ خاں صاحب رئیس سیدن پور نے ایام نیابت ریاست محمود آباد کے مقام موضع سجینا میں ایک مکان حضور کے واسطے بنوایا تھا۔

Marfat.com

ایک شب حضور وہاں بھی قیام فرماتے ۔چونکہ حضور نے قصبہ محمود آباد کے اندر جانے سے عہد کر لیا تھا ۔ لہٰذا اس موضع میں رونق افروز ہوتے تھے شیخ عنایت اللہ صاحب نے مقام سیدن پور ایک کوٹھی معہ قلم باغ حضور کے واسطے طیار کرائی تھی وہاں بھی حضور تشریف لے لے جاتے تھے ، بلکہ بقرعید وہیں حضور کرتے تھے شیخ صاحب موصوف بڑی عالی ہمتی اور خوش نیتی سے جلسہ کرتے تھے ۔ راجہ دوست محمد خانصاحب رئیس مہونا ضلع سلطان پور نے مخصوص ایک گانوں جدید وارث گنج آباد کرکے اس میں علاوہ کوٹھی باغ کے ایک عید گاہ بہت وسیع تیار کرائی تھی ۔ عید حضور وہیں کرتے تھے ۔ راجہ صاحب ہزار ہا روپیہ آپ کی تشریف آوری میں صرف کرتے تھے ۔ دو تین روز بڑی دھوم دھام رہتی تھی ۔

(۷)

ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب رئیس و تعلقدار ملاواں ضلع ہردوئی نے ملاواں میں ایک قلم باغ معہ کوٹھی حضور کے نام سے بنوایا تھا جس میں حضور جا کر رونق افروز ہوتے تھے ٹھاکر صاحب حضور کی آمد کا بہت بڑا جلسہ دھوم دھام سے کرتے تھے ۔ ٹھاکر صاحب بھی حضرت کے بہت بڑے سچے اور جان نثار عاشقوں میں ہیں جس روز سے شرف بیعت سے مشرف ہوئے گھر بار تعلقہ ریاست سب کو خیرباد کہہ کر ہر وقت ہمیشہ حضور کی خدمت میں اپنا وقت گذارتے تھے حتیٰ کہ مکان تک دیوہ شریف میں بنوالیا جس میں بعد وصال حضور پاک کے سید محمد ابراہیم صاحب قیام پذیر ہوئے تھے ۔ ملاواں کے قلم باغ سرکاری ہیں جس میں فصل انبہ و ترشا کی پیداوار ہوتی وہ سب فروخت ہو کر نقد روپیہ حضور میں پیش ہوتا ۔ اسی وقت آپ غربا و مساکین کو بانٹ دینے کا حکم فرما دیتے اور سب بانٹ دیا جاتا ۔

(۸)

نواب عبدالشکور خاں صاحب رئیس دھرم پور نے اپنے یہاں کوٹھی حضور کے واسطے مخصوص بنوائی تھی ۔ جب کبھی حضور کو لے گئے تو اس حوصلہ اور اولوالعزمی سے لے جاتے کہ خارج از بیان ہے مختصر یہ ہے کہ بارہ بنکی اسٹیشن سے انتظام باورچی خانہ کا ریل میں برابر ساتھ رہتا تھا ۔ ہر ایک قسم کا کھانا ہر وقت تیار ملتا تھا ۔ میوے کے بورے بھرے ہوئے ، دودھ چاء وغیرہ کثرت سے ہر وقت موجود ۔ غرضکہ بڑی خوش نیتی سے آپ کو لیجاتے تھے اور ہزار ہا روپیہ حضور کی آمد میں صرف کرتے تھے ۔ نواب صاحب بھی حضرت پر جان دیتے تھے ۔

(۹)

جناب حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب نے خیرآباد ضلع سیتاپور میں ایک خاص مکان حضور کے واسطے بنوایا تھا ۔ سال میں ایک مرتبہ حضور تشریف لیجاتے اور تین روز قیام فرماتے ۔ بڑی دھوم دھام سے جلسہ کرتے ۔ اطراف کے لوگ دُور دُور سے آتے ۔ ان کی دعوت مدارات بڑی سیر چشمی سے آپ کرتے ۔

(۱۰)

شیخ مظہر علی صاحب نے قصبہ مسولی میں حضور کے واسطے مکان بنوایا تھا حضور وہاں تشریف لے جاتے اور سات آٹھ مقام

Marfat.com

شیخ صاحب کے یہاں حضور فرماتے ۔ چونکہ شیخ صاحب کو ایک خصوصیت خاص یہ تھی کہ آپ صغیر سنی سے حضرت کے عاشق اور فدائی تھے حتیٰ کہ آپ نے بیاہ شادی کچھ نہیں کیا ۔ جو کچھ نقد و جنس تھا سب آپ پر قربان کر دیا ۔ یہاں تک کہ تمام عمر جو کچھ کمایا سب آپ پر لٹا دیا ۔ اپنے واسطے بھی کچھ نہ رکھا ۔ یہی باعث تھا کہ حضور بھی میاں مظہر علی کو بیحد چاہتے تھے اور جب کبھی ذکر آتا حضور فرماتے کہ مظہر ہمارا عاشق ہے ۔

(۱۱)

شمس الدین شاہ صاحب اسٹیشن کچہری گونڈہ پر اسٹیشن ماسٹر تھے ۔ آپ نے مرید ہونے کے چند ہی روز کے بعد نوکری وغیرہ پر لعنت کر دی اور تارک الدنیا ہو کر حضور کے عشق و محبت میں لباس فقیرانہ یعنی وارثی بانا اختیار کر لیا اور متصل کچہری اسٹیشن کے ایک مکان حضور کے نام سے بنوا کر بیٹھ گئے ۔ حضور کو سال میں ایک مرتبہ لے جاتے اور بڑے حوصلہ اور عالی ہمتی سے دھوم دھام جلسہ دعوت مدارات کرتے ، ان کے سچے عشق اور محبّت کو یہ ثبوت کافی ہے کہ ایسی اچھی درجہ کی ملازمت چھوڑ کر حضور کے نام پر دھونی رما بیٹھ رہے تھے ۔

(۱۲)

بدنام شاہ صاحب جو زمانہ سابق میں حضوری میں رہا کرتے تھے ۔ آپ بھی قصبہ کھیولی میں ایک مکان حضور کے نام پر بنوا کر اس میں گوشہ نشین ہو گئے ۔ پچیس برس تک دروازے کے باہر قدم نہیں رکھا ۔ حتیٰ کہ اسی مقام پر انتقال ہُوا اور اسی کوٹھری میں قبر بنی جنازہ تک باہر نہ نکلا ۔ حضور سال میں دس پانچ مرتبہ وہاں جاتے تھے ۔

(۱۳)

خدا بخش نے موضع پینڈ میں ایک حجرہ حضور کے نام سے بنوایا اور اس میں گوشہ نشین ہو گئے ۔ جس دن سے حجرے کے اندر قدم رکھا تیس برس تک چوکھٹ کے باہر قدم نہیں رکھا ۔ حتیٰ کہ اسی میں قبر بنی ۔ جس روز سے حجرہ میں گوشہ نشین ہوئے ، غذا ترک کر دی ۔ صرف پھل پھلاری آلو ، گھوئیاں وغیرہ کھاتے تھے ۔ بعض اوقات درختوں کے پتوں پر اکتفا کرتے تھے ۔ حضرت صاحب قبلہ سال میں دس پانچ مرتبہ تشریف لے جاتے اور ایک شب قیام فرماتے ۔

(۱۴)

گلاب شاہ نے آگرے میں ایک پھلواری میں مکان حضور کے نام پر بنوایا تھا ۔ یہ بزرگ بھی تیس برس گوشہ نشین رہے اور کمال یہ تھا کہ تیس برس تک سیدھے ہو کر زمین پر نہیں لیٹے ۔ ایک پتھر ترچھا دیوار میں لگایا ۔ جب نیند غالب ہوتی پتھر سے پشت لگا لیتے ۔ مکان سے باہر قدم نہیں رکھا ۔ حضرت صاحب قبلہ سال میں ایک مرتبہ تشریف لے جاتے اور ہفتہ عشرہ قیام فرماتے ۔

(۱۵)

علی العموم قاعدہ تشریف بری جناب ممدوح اس طرح پر مروج تھا کہ جب ایک مقام سے دوسرے مقام کو عزم روانگی فرماتے تھے تو علی الصباح بعد تناول ناشتہ اسٹیشن کے لیے تشریف لے جاتے تھے ۔ وہاں سے آکر رومال کمر سے باندھ کر رخصت ہوتے ۔ ہمراہی میں خدام مثلاً نور محمد شاہ صاحب و حاجی فیضو شاہ صاحب وغیرہ ہوتے تھے ۔

Marfat.com

واضح ہو کہ شروع زمانہ میں مخدوم شاہ، دائم علی شاہ، بدنام شاہ، رحیم شاہ، اڑاڑو شاہ، تیم شاہ، ظہور اشرف وغیرہ خادم حضوری کے تھے۔ اب آخری زمانہ میں نور محمد شاہ اور فیضو شاہ کو خدمت حضوری نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک شخص کے پاس ایک خورجی یعنی تھیلا پارچہ کا جس میں چند ڈھیلے مٹی کے اور ایک ڈولچی آہنی اور ایک ڈوری سوتی و چند مسواکیں پیلو کی اور ایک جوڑی کھڑاؤں چوبی و چند تولہ روغن خوشبودار، ایک آبخورہ اور ایک پیالہ رکابی مٹی کا جس میں ناشتہ ہوتا تھا۔ دوسرے شخص کے پاس گلے میں تھیلی پارچہ چھوٹی سی ہوتی تھی، جس میں سرمہ دانی، آئینہ، کنگھی، چند شیشیاں عطر موتیا و عطر حنا کی اور ایک بیاض قلمی اور کچھ پیسے محتاجوں کے دینے کو اور ایک کمبل یا دھوسہ اور ایک چھاتا چوبی رہتا تھا۔ بس یہ کل کائنات تھی۔ سامان دنیا ہمیشہ جس قدر پاس تھا وہ اسی قدر تھا۔ بجز اس اور کوئی سامان حضور کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ سوائے دو تین خدام کے ہمراہی میں زیادہ لوگ نہیں رہتے تھے۔ رفتار آپ کی اس قدر تیز تھی کہ باوجود مبا بذروی کے ہمراہی کے لوگ بغیر دوڑے ہوئے برابر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ چنانچہ بعد قطع منازل جب آپ آبادی کے قریب پہنچتے تھے تو کنارے آبادی کے چند ساعت قیام فرماتے اور استنجہ کرتے اور ذرا سا ناشتہ بطور ذائقہ چشی زبان پر لگا کر دو ایک گھونٹ پانی نوش فرماتے۔ بعدہٗ اندر آبادی کے رونق افروز ہوتے۔ باشندگان آبادی کچھ دور آگے سے مع باجے گاجے کے پیشوائی کو آتے اور اپنے مکان پر بڑی دھوم دھام سے لے جاتے تھے۔ مکان پر آپ کے ہاتھ پیر منہ دھلا کر کنگھی سرمہ خدام کرتے بعدہٗ لوگ قدم بوسی کو آتے۔ جس قصبہ میں حضور تازہ وارد ہوتے تھے تو یہ قاعدہ تھا۔ کہ وہاں کے اولیاء کرام کے مزارات پر ضرور تشریف لے جاتے۔ نیز آپ اس قصبہ کے قبرستان میں بھی ضرور جاتے تھے۔ شروع زمانہ میں جب حضور کا قیام قصبہ فتحپور میں زیادہ رہا کرتا تھا تو آپ کی عادت شریف تھی کہ روزانہ صبح و شام صحبتیا باغ جو پرانا قبرستان ہے اس میں تشریف لے جاتے اور دو ایک گھنٹہ وہاں قبرستان میں قیام فرماتے غرضکہ جس قصبہ یا شہر میں آپ رونق افروز ہوتے تھے واللہ اعلم کیا بات تھی کہ اسی وقت تمام شہر نیز قرب و جوار میں خبر ہو جاتی تھی جناب فخر الاولیا آج فلاں شخص کے یہاں رونق افروز ہوئے ہیں۔ پھر تو جوق جوق لوگ جدھر سے دیکھئے جھرمٹ کیے چلے آ رہے ہیں۔ ہزارہا مخلوق تلے اوپر گری پڑتی ہے جس سمت نگاہ اٹھا کر دیکھیئے بجز مجمع اور کثرت بھیڑ آدمیوں کے کچھ نظر نہیں آتا ہے۔

(۱۶)

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ زمانہ عرس میلہ دیوہ شریف کے ایک عورت نوجوان ہندو قوم سے کسی امیر کبیر کی سر سے پاؤں تک سونے میں لدی ہوئی قدم بوسی کو آئی بوجہ کثرت مجمع اور بھیڑ کے حضور تک نہ پہنچ سکی ایک گوشہ میں مکان کے کھڑی ہو کر ٹکٹکی باندھے آپ کو دیکھا کی۔ جب لوگوں نے نکالنا چاہا کسی طرح باہر نہ گئی۔ آخر کو حضور سے عرض کیا گیا۔ آپ نے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ اب جاؤ، یہاں مردوں کی بھیڑ زیادہ ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میری تمنا ہے میری تہبند اگر حضور قبول فرما لیں اور باندھ لیں تو میں لے آؤں آپ نے فرمایا لے آؤ ہم باندھ لیں گے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ عورت مع ایک بڑے مجمع عورتوں کے ساتھ تہہ بند سر پر رکھے باجے گاجے کے ساتھ بڑی دھوم دھام کے ساتھ آئی جس وقت اندر آستانے کے داخل ہوئی تو اس وقت مخصوص وہ عورت

Marfat.com

نہایت جوش اور تعشق میں مع ہمراہیاں کے یوں بزبان حال گاتی ہوئی، اور روتی ہوئی سامنے حضور کے آئی۔ اس وقت حاضرین کا اس کی حالت دیکھ کر عجیب عالم تھا اور سب رونے تھے۔ وہ کیفیت تھی کہ خارج از بیان ہے۔ ہمراہی کی سب عورتیں اس کو ہر چہار سمت سے پکڑے ہوئے تھیں اور وہ زار وقطار رو رو کر یہ گا رہی تھی۔

تم اوڑھو رے چادر یا میں لائی تمہرے کارنا   لائی تمہرے کارنا، میں لائی تمہرے کارنا

تم اوڑھو رے چادریا میں لائی تمہرے کارنا

(۱۷)

واضح ہو کہ جناب فخر الاولیا کو کسی مذہب اور ملت سے تعرض نہ تھا۔ لاکھوں آپ کے ہندو مرید اور سینکڑوں انگریز اور کروڑوں مسلمان، ہندوستانی، افغانی، عربی، عجمی، ترکی، یہودی وغیرہ وغیرہ مرید ہیں۔ کوئی ایسا ملک یا شہر نہیں دیکھا جاتا، جہاں آپ کا کوئی مرید نہ ہو۔ آپ خاندان قادریہ اور چشتیہ دونوں میں مرید فرماتے تھے۔ طریقہ بیعت فرمانے کا اس طور پر حضور کا تھا کہ خلوت میں دو چار دس بیس عورت مرد آتے تھے تو آپ مرد کا داہنا ہاتھ پکڑ کر فرماتے تھے کہ کہو، ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا، خدا کا، رسول کا، پنجتن پاک کا، اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

اور عورت کو گوشہ تہبند پکڑا کر فرماتے تھے کہ کہو دامن پکڑتی ہوں پیر کا، خدا کا، رسول کا، پنجتن پاک کا، بی بی فاطمہ کا۔

اور جب مجمع اور کثرت بھیڑ آدمیوں کی زیادہ ہوتی تو گوشہ تہبند یا کوئی چیٹ وغیرہ بستر سے ملا کر دراز کر دی جاتی تھی اور ہم لوگ یہ کلمات مندرجہ بالا کہہ کر مرید کرتے تھے۔ بعض اوقات جب ہزارہا مخلوق کا اژدہام واسطے حصول بیعت ہوتا تو صرف اسی قدر ہم لوگ کہہ دیتے تھے کہ کہو ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا اور خدا رسول کا۔

کبھی اکثر مقامات پر یہ بھی اتفاق پیش آجاتا تھا کہ جہاں لاکھوں کا مجمع ہوا، تو حضور نے فرمایا کہ تم سب ہمارے مرید ہو، یا یہ کہ اکثر مقام پر اثنائے سفر میں پالکی میدان میں رکھوا دی گئی اور آپ نے فرمایا کہ جو پالکی چھوئے وہ ہمارا مرید ہے۔ کسی مقام پر رسی ڈال دی گئی۔ آپ نے ایک کونہ پکڑ لیا اور فرمایا کہ جو چھو لے وہ ہمارا مرید۔ ہزاروں سینکڑوں آدمی شبانہ روز مرید ہوتے تھے ہمیشہ ہر وقت یہی ہجوم رہتا تھا۔ اصل تو یہ ہے کہ سلف سے آج تک کسی بزرگ اور کسی مشائخ ذوفن کا اس قدر مرید نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ دولت بیعت کو جیسا حضرت امام الاولیا نے لٹایا ہے کسی کو یہ حاصل نہ ہوا۔ یہ خاص حضور پاک کا حصہ تھا۔ جو آپ کی ذات پر ختم ہوگیا۔

(۱۸)

واضح ہو کہ اگر کوئی شخص تارک الدنیا ہو کر حضور سے تہبند کا خواستگار ہوتا اور اس کے والدین حیات ہوتے یا متعلقین ہوتے تو آپ فرما دیتے کہ تم انھیں کی خدمت کرو، یہی تمھارے واسطے فقیری ہے۔ تم کو اگر محبت ہے تو ہم تمھارے پاس ہیں۔ تم چاہے جہاں رہو۔ اگر کوئی زیادہ اصرار بہت پیچھا کرنے سے کسی کو تہبند عطا فرماتے اور وہ فقیر ہوتا تو اس کو ہدایت فرما دیتے کہ تسلیم و رضا

Marfat.com

کے پابند رہنا کسی سے سوال نہ کرنا، نہ کسی کو دُعا بد دعا دینا، نہ گنڈا تعویذ کرنا۔ ہزاروں مسلمان صدہا ہندو اکثر انگریز آپ کے تہبند پوش ہیں، جس سے جو ارشاد فرما دیا، وہ اس کا پابند رہا۔ اگر بصراحت ہر ایک کے نام اور حالات لکھے جائیں تو ایک دفتر عظیم ہو جائے۔

سیّد شرف الدین صاحب جج پٹنہ ہائی کورٹ کی تحریر (ابتدائی بدعقیدگی)

میرے خاندان میں انگریزیت کا ایسا کچھ غلبہ ہو گیا تھا کہ پیری مریدی تو درکنار خدا کی بھی خبر کسی کو نہ تھی۔ مغربی تعلیم کی بدولت مراتب المحاوطے ہونے باقی رہ گئے تھے۔ صوبۂ بہار سے انگلستان جانے والوں میں میرا پہلا نمبر تھا۔ وہاں کی تعلیم اور طرزِ معاشرت نے مجھے اور بھی مذاہب سے بے نیاز کر دیا۔ دنیا کی دلچسپیوں نے مذہب کی جگہ لے لی۔ ۱۸۸۰ء میں پھر ہندوستان واپس آ گیا اور کلکتہ ہائی کورٹ میں نومبر کے مہینہ سے بیرسٹری شروع کی۔ اوائل عمر میں تھوڑی بہت عربی مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دیکھی تھی۔ فقہ و فرائض کا مطالعہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ دست بیع ہونا یا کسی اہل اللہ کا حلقہ بگوش ارادتمند ہونا بھی دنیا میں کوئی چیز ہے۔

ہمارے استاد مرحوم علیہ الرحمۃ کے رشتہ دار بھائی مولوی لطافت حسین صاحب اور میں دونوں ہم سبق بھی تھے اور ہم خیال بھی تھے۔ قدرتاً ان کو غایت درجہ کی محبت مجھ سے پیدا ہو گئی تھی۔ جب میں نے بیرسٹری شروع کی ہے اس وقت وہ بھی کلکتہ میں تشریف رکھتے تھے۔ قریب قریب روزانہ کا ساتھ تھا۔ لیکن اسی درمیان میں ضرورتوں نے مجبور کرکے ان کو ہم سے چند روز کے لیے علیحدہ کر دیا اور وہ اپنے وطن عظیم آباد چلے گئے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ پھر کلکتہ واپس آ گئے۔ حضرت استاذی مولانا عبدالکریم صاحب کے دست بیع ہونے کی خبر سنائی اور یہ کہا کہ نہ صرف وہ بلکہ میرا کل خاندان ایک پھم کے رہنے والے بزرگ کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ میں ان امور سے واقف ہی نہ تھا۔ خبر سنتے ہی افسوس بھی ہوا اور وحشت بھی ہوئی۔ ذہن میں یہ بات طے کر لی کہ آئندہ تعطیل کے موقع پر جب میرا وطن میں قیام ہوگا تو مولانا عبدالکریم صاحب کو مجنون قرار دے کر پاگل خانہ میں بھجوا دوں گا۔

مولوی لطافت حسین صاحب سے اس کے بعد بھی روزانہ ملاقات ہوتی رہی اور اس غیر معمولی واقعہ کا تذکرہ معمولاً ہوا کرتا تھا۔ ہم دونو چونکہ ہم خیال تھے۔ خوب مضحکے ہوا کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نہایت مقدس اور باخدا بزرگ تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند خوش مزاجی میں بھی غلط بات سے زبان آشنا ہو جائے کیا مجال۔ اتقیا طاس درجہ تھی کہ راستے میں بھی نظر اوپر کو نہ اٹھتی تھی۔ اتفاقاً کبھی راہ گیرۂ غیر محرم پر نظر بھی پڑ گئی تو وہیں آنکھیں بند کر لیں۔ امین اتنے بڑے کہ اگر بمشکل امانت قبول بھی کر لی تو کبھی امانت کی حیثیت میں فرق نہیں آنے دیا۔ زرنقد کی امانت میں کیا مجال تھی کہ کوئی سکّہ بھی بدل جائے۔ میرے گھر سے ماہانہ رقم کی صورت میں کچھ ان کی خدمت ہوا کرتی تھی۔ بس اسی پر قناعت واکتفا تھا۔ استقلال وصبر وقناعت کے درویشانہ اوصاف مولانا موصوف میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ لیکن عموماً لینے دینے والے پیروں کے ساتھ ان کو رغبت نہ تھی۔ ایسی حالت میں خود حضرت مولانا کا مرید ہو جانا تعجبات سے خالی نہ تھا۔

Marfat.com

گرمیوں کی تعطیل میں جب میں وطن آیا تو معلوم ہوا کہ مولانا علیہ الرحمۃ کی تقلید میں ہمارا بھی کل خاندان مرید ہو گیا۔ میں قدمبوسی کے
ئے خدمت والا میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ کو گودوں میں کھلایا تھا، بیحد شفقت فرماتے تھے۔ میں بھی خدمت میں بہت شوخ تھا۔ سوالی کے پیرایہ
ں کُل واقعاتِ گذشتہ کا میں مولانا سے تصدیق کا طالب ہوا۔ حضور اقدس نے نہایت شفقت سے اثبات میں جواب دیا۔ ہمّت اور بڑھی،
ں نے یہ بھی دریافت کیا کہ پیری و مریدی کے بارے میں آپ نے عربی پڑھاتے وقت مجھے تعلیم نہیں دی جس کو سنکر ارشاد ہوا کہ چیز ہی اور ہے۔
ں نے حضرت مرشدنا کے ذاتی اوصاف کے متعلق سوالات کیے۔ کرامات کا مستفسر ہوا۔ حضرت مولانا نے بس اسی قدر کہا کہ میں دو باتوں کے
لاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔ اول تلوے بچوں کے مانند نرم اور برہنہ پائی مرغوب ہے۔ دوم طمع کا وہاں دخل نہیں۔ میں نے کہا کہ برہنہ پائی
ور تلووں کی نرمی تو چنداں مشکل نہیں البتہ لاطمع ہونا بزرگی اور درویشی کی شان ہے۔

اب احباب و اعزا نے مجھے یہ صلاح دی کہ بجائے کلکتہ کے میں عظیم آباد ہی میں کام شروع کردں۔ چنانچہ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن بیعت
ا قصہ مجھ کو یاد تھا اور رہ رہ کر دل میں چٹکیاں لیتا رہا۔ حُسنِ اتفاق سے نیورہ جو میرا اصلی وطن ہے وہاں موجود تھا۔ ہمارے چچیرے بھائی
ان بہادر مولوی فضل امام صاحب حضرت صاحب کو لانے کی غرض سے دیوہ شریف گئے ہوئے تھے۔ تقریب کا دوسرا روز تھا۔ صبح صادق
ے وقت بھیرویں دھن میں رقاصہ گا رہی تھی کہ مولوی صاحب کا تار حضرت قبلہ کی تشریف آوری کی خبر کے ساتھ موصول ہوا۔ نہ تقریب کی دھوم
ھام رہی اور نہ رقاصہ کی خوش الحانی۔ یارانِ بزم فوراً ہی داناپور اسٹیشن جانے کے واسطے تیار ہوگئے۔ عجیب اتفاق کہ میں بھی اسی گاڑی سے
فر کرنے والا تھا۔ اسٹیشن پر آیا تو ضرور لیکن سب سے الگ پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا کہ مبادا میرا بھی شمار انھیں مجنونوں میں نہ ہوجائے۔ میری
غلیوں میں ایک لانبا چُرٹ دبا ہوا تھا۔ انگریزی لباس تو تھا ہی اس کی وضاحت فضول۔ گاڑی اسٹیشن پر آگئی اور میرے سامنے
ے آہستہ آہستہ گزر چلی۔ ایک نورانی چہرہ گیسوئے بد دش سر سے پاؤں تک کمل اوڑھے نظر آیا۔ قلب پر کیسے اثر نہ پڑتا اور آنکھیں کیوں نہ
ں دُر یکتا کا انتخاب کرلیتیں۔ ایک کیفیت ضرور طاری ہوئی۔ لیکن دست بیع ہونے کا دسواس بھی نہ گذرا۔ مولوی صاحب فضل امام صاحب
دوسرے خانہ سے اُترے میرے عقیدوں سے واقف تھے۔ دیکھ کر کہنے لگے کہ بھائی تمھارا موجود ہونا نہایت بہتر ہوا۔ میں نے پوچھا کہ آخر
کیوں۔ جس کے جواب میں کہا کہ بھائی جب میں حضرت صاحب کے پاس حاضر ہوا یہی استفسار ہوتا رہا کہ ڈپٹی کے بھائی اسٹیشن پر موجود ہوں گے
نہیں۔ ڈپٹی سے مراد میرے بھائی مولوی نصیرالدین صاحب وزیر بھوپال تھے۔ اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی کہ بجز میرے سارا
اندان تو مرید ہو ہی گیا ہے تعجب نہیں کہ اس وجہ سے پوچھا ہو۔

ڈاک محض دس منٹ داناپور پر ٹھہرتی ہے۔ مریدوں نے گاڑی کا حلقہ کرلیا کوئی قدم لیتا اور کوئی ہاتھ چومتا تھا۔ تقریر ختم نہیں
وئی تھی کہ بھائی نصیرالدین صاحب نے آکر مجھ سے دریافت کیا کہ حضرت صاحب سے ملنے میں تم کو عذر تو نہیں ہے اس وقت
یں نے انسانیت کا جواب ایشیائی تہذیب کے اعتبار سے دیا کہ جب وہ آپ کے بزرگ ہیں تو پہلے میرے بزرگ ہوئے ملنے میں کیا عذر
ہوسکتا ہے۔ پٹنہ میں مل لونگا۔ مگر بھائی صاحب نے کہا کہ حضرت تم کو یاد کرتے ہیں مل لو۔ میں بلا عذر چلا گیا۔ گاڑی کے سامنے اژدہام
تھا۔ لیکن مجھ مغربی وضع والے آدمی کی خاطر لوگوں نے رستہ دے دیا۔ گاڑی کے اندر داخل ہو کر سلام عرض کرکے مصافحہ کیا اور

Marfat.com

جدھر حضرت تشریف فرما تھے بیٹھ گیا۔ قدمبوسی کا کس کو خیال تھا اور کون قدم بوس ہوتا۔ داہنے ہاتھ میں چُرٹ بائیں طرف ٹوپ دبی ہ
تھی۔ حضرت نے پوچھا کہ انگریزی تم خوب جانتے تھے۔ میں نے کہا کہ حضور ہاں۔ پھر استفسار ہوا کہ انگریزی دانی تمہارے لیے باع
ثواب ہے۔ فوراً ہی دل میں خیال آیا کہ یہ بزرگ ہم کو تزویر میں پھانسنے کی فکر میں ہیں۔ یہی سنبھل جانے کا موقع ہے۔ اسی روز بانکی پور میں م
کوٹھی پر چائے کی دعوت تھی۔ دانا پور سے بانکی پور کی مسافت محض چند منٹوں کے ہے چشم زدن میں گاڑی پہنچ گئی۔ یہاں بھی خلقت ک
اژدہام تھا۔ لیکن میں بسرعت تمام گاڑی سے نکل بھاگ کھڑا ہوا۔ مولوی ظہیر الدین صاحب خان بہادر بھی میرے ہمراہ تھے۔ ہم دونوں
کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ دورانِ چائے نوشی میں خان بہادر صاحب جو میرے چچیرے بھائی تھے فرمانے لگے کہ شرف الدین تو بھی مرید
تو بہتر ہے۔ میرا ارادہ چائے پی کر خان بہادر مولوی فضل امام صاحب کے دولت کدہ پر حاضری کا تھا۔ گاڑی بھی تیار تھی۔ تاکہ وہاں پہنچ
اس نئے خبط کا تماشا دیکھوں۔ جواباً میں نے بھائی ظہیر الدین صاحب سے کہا کہ ہم تم دونوں ہم سبق رہ چکے ہیں۔ فقہ و فرائض میں تو اس کا
مذکور نہیں۔ محض ہاتھ پکڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ محبت اصل شے ہے دل دل کو پکڑے تو البتہ۔ خلاصہ یہ کہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہو
ہم دونوں مولوی فضل امام صاحب کے مکان پر پہنچے۔ خدا کی پناہ انبوہِ خلائق کی کشمکش سے دم گھٹنے لگا۔ مولانا عبدالکریم صاحب
بڑا سا عمامہ ڈھیلا ڈھالا فرغل پہنے ہوئے چادر سے کمر کس کر اہتمام میں مصروف تھے مجھ کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ میں نے حضرت کی خد
میں حاضری کے بارے میں استفسار کیا۔ مولانا فوراً اندر لے گئے۔ وہاں بستر کے داہنے جانب بھائی نصیر الدین صاحب تشریف فرما تھے
حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک بھائی داہنے جانب تو دوسرا بھائی بائیں جانب بیٹھ جائے۔ میں نے تعمیل کی۔ اوّل ہی سوال میں غضب کا
معجزہ تھا۔ استفساراً ارشاد ہوا کہ بیرسٹر تم کسی کے مرید بھی ہوئے۔ میں نے کہا کہ ابھی تک تو اس کی نوبت نہیں آئی۔ اس جواب کو سن کر حضر
نے اسی جملے کا اعادہ کیا جو ابھی دس منٹ قبل میرے منہ سے اپنی کوٹھی پر نکل چکا تھا" یعنی ہاتھ پکڑنے سے کچھ نہیں ہوتا، دل دل کو پکڑے تو ایک
بات ہے"۔ میں نے محجوب ہو کر جواب دیا کہ حضور بہت صحیح فرماتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنی سیاحت یورپ کا تذکرہ کیا کہ قریب قریب کل
یورپ روندا ہوا ہے۔ رُوم، روس، جرمن اور سرویہ سب کل مقامات دیکھے ہیں۔ انہیں ممالک کا عرصہ تک قصہ ہوتا رہا۔ اسی دوران
حضرت نے پوچھا کہ بسمارک سے واقفیت ہے؟ میں نے کہا کہ وہ بڑے آدمی ہیں دیکھا ضرور ہے لیکن ملاقات نہیں ہے۔ فرمایا میرے
وقتوں میں تو ایک معمولی آدمی تھا۔ اب بڑا آدمی ہو گیا ہو گا"۔ میں نے پوچھا کہ حضور کیسے جانتے ہیں۔ فرمایا کہ میں اس کا مہمان تھا۔ بہت
ہی اچھا آدمی ہے۔ پھر شاہزادہ مُلان کے بارہ میں استفسار فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ تصویر ضرور دیکھی ہے ملاقات نہیں ہے۔ اس کے
بعد باہر جانے کی ہدایت ہوئی۔ میں اُٹھ کر چلا آیا۔ اور مولوی فضل امام صاحب کے برآمدے میں بیٹھ گیا۔ عجیب منظر پیش نظر تھا۔ عالم
جاہل، صوفی، رند، نیکباز، گنہگار، طوائف، میراثی، بھڑوے غرض رنگ برنگ کے لوگ چلے آ رہے تھے۔ ایک نہایت نامی طوائف
حیدری بہت بڑی گانے والی بھی حاضر ہو کر قدمبوسی کے بعد جس برآمدے میں میں بیٹھا ہوا تھا آ کر بیٹھ گئی۔ بے شمار لوگ بطور ن
پیش کر رہے تھے۔ ہر آنے والے کا منہ بند بدلوا دیا جاتا تھا۔ کسی کو بسنتی چادر ملی، کسی کو پٹی رومال عطا ہوا۔ بعض نے سر پر باندھا
بہتوں نے اسی سے کمر کس لی۔ حیدری نے افسوس کے ساتھ کہا کہ مجھ کو تو کچھ ملا ہی نہیں۔ میری زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ اگر واقعی حضرت

Marfat.com

بزرگ آدمی ہیں توضرور تم کو بھی ملے گا۔ بہت دیر نہیں گذری تھی کہ حیدر شاہ بسنتی تہبند لیے ہوئے حیدری کو تلاش کرتے ہوئے پہنچے اور کہا کہ حضرت نے یہ تم کو عطا کیا ہے۔ قریب قریب تین چار گھنٹوں کے میرے وہاں بسر ہوئے اور اس اثنا میں چار بار شرف باریابی سے فائز المرام ہوا لیکن نہ اللہ کا تذکرہ تھا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر۔ صرف محبت کی ہی داستان تھی۔ رات زیادہ گزر چکی تھی اور حضرت کے خاصہ تناول فرمانے کی خبر مل گئی تھی۔ ارادہ ہوا کہ کوٹھی پر واپس چلوں، صبح پھر حاضر ہوں گا۔ چلنے کا قصد کر ہی رہا تھا کہ کسی نے کہا کہ رخصت تو ہو لو۔ میں نے کہا کہ اب چھیڑ چھاڑ کا موقع نہیں۔ کیواڑ بند ہو چکے ہیں میں اسی مقام سے رخصت ہو لیتا ہوں۔ وہ صاحب کشف ہیں معلوم ہو جائے گا۔ اتنا کہہ کر جوتی کا فیتہ باندھ رہا تھا کہ رحیم شاہ نے حضرت کی طلبی کا پیغام سنایا۔ میں حاضر خدمت ہوا فرمایا کہ محض رخصت کرنے کو تمھیں بلایا ہے۔ اچھا اپنی کوٹھی پر جاؤ صبح آ جانا۔ چنانچہ میں بھی صبحدم حاضر ہوا۔

الغرض اسی قسم کے تماشے میرے ساتھ روزانہ ہوتے رہے۔ دوسرے یا تیسرے روز جناب حضرت صاحب قبلہ کے دربھنگہ تشریف لے جانے کی خبر معلوم ہوئی۔ مگر میں پھر حاضر خدمت نہیں ہوا۔ میرے احباب کو میرے مرید نہ ہونے کا صدمہ ہوا اور میں یہی کہتا رہا کہ حضرت صاحب سے کہو کہ میرے مرید ہو جائیں۔ غرض حضرت دربھنگہ روانہ ہو گئے۔ اور واپسی میں نیورہ تشریف لانے کا حال معلوم ہوا بھائی نصیرالدین صاحب نے مجھے لکھا کہ میں بوجہ ملازمت جا نہیں سکتا۔ تم اسٹیشن پر جا کر انتظام کرو۔ میں بموجب تحریر اسٹیشن بانکی پور پر گیا۔ لیکن حضرت سے نہ بانکی پور میں اور نہ دانا پور میں ملا۔ حضرت صاحب دربھنگہ چلے گئے۔ ۱۸۸۱ء میں حضرت نیورہ تشریف لائے۔ اور میرے مردانے مکان میں فروکش ہوئے۔ مردانے مکان سے کوٹھی مراد ہے۔ یہاں مستورات کی حاضری میں تکلیف ہوتی تھی اس لیے حضرت نیورہ نے جناب مولوی عبدالحی صاحب کے مکان کا انتظام کیا تھا۔ کیونکہ یہ مکان ضرورت کے وقت کیواڑ بند کر دینے کے بعد زنانے مصرف اور کھول دینے کے بعد مردانے کام میں بخوبی آ سکتا تھا۔ اسٹیشن سے میں براہ راست گاڑی پر مکان پہنچا۔ سواری پر ہونے کی وجہ سے بہت قبل آ گیا تھا۔ میں والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہاں بھی بہت کچھ انتظام درست تھا۔ حضرت کے معمولات میں یہ امر داخل تھا کہ ایک ہی مقام پر قیام فرماتے۔ والدہ کو اس کا علم تھا وہ جدید انتظام سے نہایت ناخوش تھیں۔ میں والدہ کو مکان کی غیر موزونیت سمجھا کر کہہ رہا تھا کہ جناب حاجی صاحب خود تشریف لائیں گے۔ ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ماما نے حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع دی۔ میں باہر استقبال کرنے کے لیے آیا۔ پالکی سے اترتے ہی دریافت کیا کہ ڈپٹی صاحب کا مکان کہاں ہے۔ بستر پہلے ہی آراستہ تھا وہیں آ کر رونق افروز ہوئے اور تھوڑی سی باتوں کے بعد پوچھا کہ تم کو رنج تو نہیں ہوا۔ اور مولوی عبدالحی صاحب کے مکان پر چلے گئے۔ اس مرتبہ محض دو روز نیورہ میں قیام فرمایا۔

اب میں گرفتار ہوتا ہوں اس دلچسپ قصہ کو سنیئے۔ قیام کے دوسرے روز دن کے چار بجے ہمارے عزیز علی امام نے (جو اب سر سید علی امام ہیں) آ کر طلبی کی اطلاع دی۔ چونکہ میں دن میں پچاسوں بار طلب ہوا کرتا تھا۔ بجز سفر یورپ اور افسانۂ محبت کے کچھ دوسرا ذکر ہوتا ہی نہیں تھا۔ میں نے اس وقت کی طلبی کو معمولی ہی سمجھا۔ کہہ دیا کہ چلو میں حاضر ہوتا ہوں۔ اس وقت جس دالان میں حضرت تشریف رکھتے تھے، میں پہنچا۔ بجز میرے، رحیم شاہ اور حضرت کے وہاں کوئی دوسرا نہ تھا۔ مجھ کو اس کی خبر نہ تھی کہ میرا

Marfat.com

سر کیسے قدموں میں جا پہنچا اور حضرت میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیے ہوئے فرما رہے تھے کہ بچا تم بھاگے جا رہے تھے۔ تم تو ہمارے معشوق ہو۔ مجھ کو اس وقت معلوم ہوا کہ میں مرید ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آیا۔ باوجود موسم سرما میرا سارا جسم عرق عرق ہوگیا۔ پسینہ بدن سے جاری تھا۔ میں ایک دیوار سے بیخودی کے عالم میں ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں رحیم شاہ نے باہر آکر لوگوں سے کہا ان سے ملو۔ یہ مرید ہوگئے۔ پھر تو لوگوں سے ملتے ملتے سا بدن چور ہوگیا۔

واقعات دو برس کے بعد مجھے دیوے شریف کی حاضری کا اتفاق ہوا۔ یہ اس سال کا تذکرہ ہے جس سال تارے بہت ٹوٹے تھے۔ مولانا عبدالکریم صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب حاجی صاحب نے تم کو معشوق کا لقب دیا ہے تو خالی ہاتھ تمھاری حاضری مناسب نہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں اپنی حیثیت کے مطابق کچھ یقینی پیش کروں گا۔ میرے پہنچتے ہی سوال ہوا کہ کب جاؤ گے۔ میں نے اپنی واپسی کا تیسرا دن مقرر کیا۔ تیسرے روز پھر اسی استفسار کے لیے رحیم شاہ حضرت کی طرف سے پہنچے۔ میں نے کہا کہ بندہ بغیر کچھ لیے ہوئے تو ٹلتا نہیں۔ رحیم شاہ نے یہ پیغام جاکر عرض کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بیرسٹر کو بلا لو۔ میں حاضر ہوا۔ حضرت فوراً اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سینے سے لگا کر فرمایا کہ بیرسٹر! اس وقت سے قیامت تک اور قیامت کے بعد تک جہاں تم وہاں ہم۔ لحمك لحمى ودمك دمى۔ پھر پوچھا کہ بیرسٹر اب کیا چاہتے ہو؟ میں مطمئن ہوگیا اور عرض کیا کہ اب کچھ نہیں مانگتا۔ مجھ کو پٹنہ آنے کی اجازت ہوئی اور میں چلا آیا۔

دوسرا واقعہ ایک بار کا تذکرہ ہے کہ حضرت صاحب مریدوں کو لیے ہوئے شیخپورہ تشریف لے جا رہے تھے۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ راستہ میں ایک سیّدوں کی بستی میں شب باشی کے لیے ہم سب اقامت گزیں ہوئے اس مکان میں تین کمرے تھے دکن کے حجرے میں حضرت کا بستر لگایا۔ اُتر میں بالکل متصل دوسرا کمرہ تھا اور اسی کمرے کے شمال میں ایک کمرہ اور بھی تھا۔ میں دنیز دیگر خدامِ حضرت وہیں فرد کش ہوئے اس کمرے کے درمیان سے ایک درخت اوپر نکل گیا تھا۔ میں اس کی جڑ پر بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند ہوگئیں۔ حجاب درمیان سے جاتا رہا۔ حضرت کے کمرے میں بار بار اسی حالت تصوّر میں آگیا۔ کیا بتلاؤں ان آنکھوں نے کیا دیکھا اور قلب جگر نے کیا لذت پائی۔ دوسرے روز شیخ پور پہنچے۔

تیسرا واقعہ دربھنگہ کا مقام اور میں حضرت کے ہمرکاب ہوں۔ ایشری پرشاد کایستھ کے مکان پر ہم سب ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت کے خاص کمرے میں پنکھا لٹکا ہوا تھا۔ میں پشت کی طرف دست بستہ حاضر تھا کہ دفعتہً پنکھے کی رسی ٹوٹی۔ میں نے لپک کر فوراً ہی گردن پر روک لی۔ پنکھا الگ کر دیا گیا۔ حضرت نے پوچھا کہ تمھیں چوٹ آئی۔ میں نے عرض کیا حضور جان ہے۔ چوٹ کیا چیز ہے۔ یہ دن کے آخری حصّہ کا واقع ہے۔ اس کمرے میں بجز میرے اور حضرت مرشدنا کے کوئی دوسرا نہ تھا۔ حضرت نے پوچھا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى کے کیا معنی۔ میں نے کہا لاتقربوا امرنہی ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ جب تم نشے میں ہو تو نماز کے نزدیک نہ جاؤ۔ نشہ ایسا ہو کہ زبان سے کہنا کچھ چاہیں اور منہ سے کچھ نکلے۔ فرمایا بیشک۔ لیکن کس چیز کا نشہ۔ محبت و عشق کا شراب کا۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ کا گوشت چٹکی سے پکڑ کر کہا کہ بیرسٹر اس کو سجدہ کرو تو

Marfat.com

شرک ہے اور پھر ایک تیور بدل کر کہا کہ اس کو سجدہ کرو تو عین اسلام ہے۔ اس وقت مجھ کو ایک نور معلوم ہوا اور میں نے سجدہ کیا۔

چوتھا واقعہ بمقام بھڑائچ

میرا مذہب حُسن پرستی ہے اللہ جمیلٌ ویحبّ الجمال۔ حسن ہو، کسی میں ہو۔ خواہ انسان میں ہو یا اشیائے معدنی ہیں، اسی ذات کا پرتو ہے۔ مجھے ہمیشہ خیال ہوا کرتا تھا کہ جناب حضرت مولانا چودہ پندرہ سال کی عمر میں کیسے حسین رہے ہوں گے۔ میں بنّو بھٹیار ن اور اکثر بوڑھوں سے ملا۔ لیکن شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ بھڑائچ کا مقام، عصر کا وقت، میں خدمت میں حاضر اور شانہ دبا رہا تھا کہ حیف شباب کے زمانہ میں میں نے حضرت کو نہیں دیکھا یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ تہبند کو حضور نے روئے مبارک سے سر کا کر پھر چھپا لیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ پندرہ برس کے حسین بنے ہوئے بیٹھے ہیں۔ مجھ سے فرمایا جاؤ جاؤ چائے پیو۔

پانچواں واقعہ بمقام سیوان

سیوان کی روانگی میں مولوی فضل امام صاحب و دیگر احباب ہمراہ رکاب تھے۔ حضرت بالائے بام جلوہ فگن تھے۔ ہم لوگ نیچے کے حصے میں مقیم تھے کہ ایک فقیر قریب ہی کی گلی سے "بیچ منوا رے سیتا رام" یعنی دل میں سیتا رام کی ہے کی صدا لگاتا ہُوا نکلا۔ کل مریدوں کے کانوں میں یوں صدا آئی کہ "بیچ من وارث سیتا رام" نام پاک سنتے ہی ہم لوگ از خود رفتہ ہو گئے۔ جو کچھ دو نی چونی پاس موجود تھی نثار کر کے نیچے پھینک دیں۔ حضرت نے دریافت کیا کہ بیرسٹر یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور یہ فقیر کس کا نام لیتا ہے شاید یہ ادا میرے محبوب کو پسند آ جائے تو صلہ میں بہت کچھ مل جائے گا۔ حکیم مبارک حسین صاحب میری اہلیہ کے قریبی بھائی کی طبی لیاقت بہت اچھی تھی۔ انھوں نے سیاحت بھی بہت کی تھی شاعری سے بھی ذوق تھا حکیم بادشاہ حسین صاحب الہ آبادی سے دست بیع تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کسی کے حلقہ بگوش ہوں لیکن حاجی صاحب سے مل لیجیے۔ اور میں نے ان کو پیش بھی کر دیا۔ حضرت نے کہا کہ حکیم جی خطمی بنفشہ اور گاؤزبان کے ساتھ ہم کو بھی یاد رکھنا۔ نہیں معلوم اس جملے میں کیسی بلا کی مقناطیسی کشش تھی یا صبا دنے کہاں تاک کر تیر چپت کیا کہ حکیم جی پر معجون فلک سیر کا اثر ہو گیا بالکل از خود رفتہ ہو گئے۔

اسی زمانہ میں میرا لڑکا اور لڑکی عارضہ چیچک میں مبتلا تھے۔ میری اہلیہ مرحومہ نے کہا کہ بچوں کی یہ حالت ہے اور تم ساتھ جا رہے ہو۔ میں نے کہا حضرت نے مجھ سے فرمایا ہے کہ میرے لیے دنیا نہ چھوڑنا۔ جا کر معافی چاہوں گا۔ وہاں جب پہنچا تو عجیب قصہ تھا۔ محبت کا فلسفہ بیان ہو رہا ہے یہ کہہ رہے تھے کہ محبت عجیب چیز ہے اس سے خدا اور رسول چھوٹتا ہے۔ دنیا چھوڑنی پڑتی ہے۔ بال بچوں سے کنارہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد میری طرف خاص متوجہ ہو کر فرمایا کہ بیرسٹر چلتے ہو۔ میں نے کہا، کہ ٹھیک حاضر ہوں اور چلوں گا۔ بچوں کو چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔

اس سیوان کے سفر میں ہم لوگ چھپرہ ہوتے ہوئے یہاں آئے۔ کوٹھے پر حضرت تشریف فرما تھے۔ نیچے کے درجہ میں ہم سب لوگ تھے۔ جناب مولوی فضل امام صاحب نے حضرت مولا علی کرم اللہ وجہٗ کی شان میں منقبت خوانی شروع کی اس وقت کا میں اپنا خیال عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو تکلیف ہوئی اور خیال گذرا کہ سب تو حاجی صاحب ہیں۔ یہ شرک کیسا۔ وہاں سے اٹھ کر علیحدہ احمد شاہ

Marfat.com

کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ بیرسٹر تم متاثر ہوئے ؟ میں نے کہا خاک۔ سب کچھ یہاں ہے غیر کہاں ہے۔ اب دیکھئے اس کا کیا صلہ ملتا ہے۔ حکیم مبارک حسین صاحب میرے ساتھ تھے۔ میں نے ان کو تماشا دکھلانے کا وعدہ کیا تھا۔ شب کے وقت جب حضرت خاصہ تناول فرما چکے اور بستر استراحت پر تشریف فرما ہوئے تو دروازہ بند ہوگیا۔ لیکن عام حکم تھا کہ بیرسٹر جب آئیں اجازت ہے۔ میں حکیم مبارک حسین صاحب کو ساتھ لے کر اس تخلیہ کی حالت میں پہنچا۔ دروازہ کھلتے ہی حاضر ہوا۔ حضرت نے استفسار فرمایا۔ میں نے جواباً عرض کیا میں ہوں بیرسٹر اور دوسرے بنفشہ اور گاؤزبان والے حکیم ہیں۔ حضرت خود بھی اٹھ بیٹھے اور ہم لوگوں کو بھی بیٹھ جانے کا حکم دیا اور کہا میں ہولی گاتا ہوں تم سنو۔ ہولی شروع فرمائی۔ بھاؤ بھی تھا ادائیں بھی تھیں۔ اور ان سب کا نشانہ میں ہی تھا۔ پھر ہولی بازعم ہولی بازم فرما کر فارسی میں ہولی شروع کردی۔ اشاروں ہی میں قمقمہ پچکاری مجھ ہی پر پھینکے گئے۔ میں اپنے جامے میں نہ تھا۔ بے ساختگی میں ارشاد ہوا کہ آ بیرسٹر گلے لگ جا۔ اندھا چاہے دو آنکھیں۔ میں گلے سے جا لگا۔ کبھی میں نیچے آتا تھا اور کبھی حضرت اوپر ہوتے اور فرماتے لحمک لحمی دمک دمی کل شئی یرجع الی اصلہ۔ اب میں بالکل ہوش میں نہیں تھا۔ پھر حکیم جی کی باری آئی اور ایسا کچھ اثر پڑا اور حالت دگرگوں ہوئی کہ وہ تو فقیر ہوگئے۔ دنیا ترک کر بیٹھے مگر میں اب تک دنیا دار ہی ہوں۔ ۲۹ روز کامل مجھ کو ایسا نشہ تھا کہ برانڈی شراب میں بھی نہ ہوتا۔ غرضکہ میں اس سفر سے رخصت ہوا۔ اب قلب کی حالت ہی کچھ اور تھی۔ بیٹا بیٹی جورو جو سامنے آتا یہی خواہش ہوتی کہ یہ مرجائے تو اچھا ہے مرنے اور بیمار پڑنے کے احوال بھی مجھ پر منکشف ہونے لگے اور بات برداشت کی حد سے آگے نکل گئی۔ فوراً بستر باندھ کر دیوہ شریف پہنچا۔ وہاں حضوری میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ البتہ واپس آتے ہی پھر حالت سنبھل گئی اور سابق کی کیفیت عود کر آئی۔

چھٹا واقعہ میری اہلیہ اپریل ۱۸۸۶ء میں مرید ہوئیں۔ مجھ کو آرے میں احمد کی ولادت کا حال معلوم ہوا۔ کسی ضرورت سے میں سیوان گیا ہوا تھا۔ اسی دوران میں حضرت پٹنہ تشریف لائے۔ آرے میں مجھ سے فرمایا کہ زچہ خانے میں مرید کرانے کا ارادہ ہے۔ میں حاجی صاحب کے ہمراہ نیورہ پہنچا اور والدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ والدہ نے کہا بیٹا دیکھو۔ پردہ ہوا اور لڑکا میری گود میں دے دیا گیا۔ میں نے اپنی اہلیہ مرحومہ سے کہا کہ افسوس ہے کہ تمھارے دست بیع ہونے کا موقع نہیں انھوں نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں رات خواب میں حضرت سے بیع ہوگئی۔ ظاہرا بیعت البتہ نہیں ہوتی۔ جب دو برس کے بعد حضرت کا پھر اتفاق پٹنہ آنے کا ہوا۔ تو میری اہلیہ بیعت ظاہری کے لیے حاضر ہوئیں تو حضرت نے فرمایا دوبارہ مرید ہونا چاہتی ہو چنانچہ ظاہری بیعت کا بھی شرف بخشا۔

ساتواں واقعہ مولوی غنی حیدر صاحب میرے خالہ زاد بھائی ایک زمانہ تک ضلع گیا میں وکیل سرکار رہے۔ تھوڑے دنوں سے استعفیٰ دے کر تارک الدنیا ہو بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ صاحب سجادہ بہار شریف کے سلسلہ میں دست بیع ہوتے تھے ان کی بڑی صاحبزادی مرض طاعون میں مبتلا ہو کر مہینوں علیل رہیں۔ گلٹیوں میں متعدد نشتر ہوئے لیکن افاقہ یا صحت نہ ہوتی تھی۔ ایک فوجداری کے مقدمے میں میرا اور مولوی غنی حیدر صاحب کا دو ماہ تک متواتر ساتھ رہا۔ اتوار کو وہ مکان بغرض دریافت حال

چلے جاتے تھے۔ اس زمانۂ ہمراہی میں حضرت صاحب کا تذکرہ اکثر درمیان میں آتا تھا۔ میں نے کہا کہ سب علاج تو ہو چکے۔ محض ایک باقی رہ گیا ہے۔ تن بہ تقدیر اس کو بھی کر ڈالو۔ یعنی میں فلاں تاریخ کو دیوہ شریف جاؤں گا۔ تم بھی چلو۔ لیکن دو شرط ہیں۔ اوّل زبان سے کوئی سوال نہ کرنا۔ دوئم مرید نہ ہونا۔ کیونکہ ایک سلسلہ سے تمھارا تعلق ہے، اگر تم مرید ہوگئے تو سارے تمھارے گھر کے لوگ مجھ کو سنے دیں گے مولوی صاحب میرے ساتھ گئے اور گھر پر کسی کو اطلاع نہیں کی، لیکن یہ وہاں پہنچکر مرید ہوگئے اور ان کو شجرۂ وارثی بھی عطا ہوا۔ جب ان کے گھر پر ساری کیفیت معلوم ہوئی تو ہنگامہ برپا ہوا۔ مجھ کو بڑی گالیاں سننی پڑیں مگر لڑکی کی کیفیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ ڈاکٹروں نے دوبارہ صلاح کر کے نشتر دینا چاہا۔ لیکن لڑکی راضی نہ ہوئی۔ تمام شب میرے اور حاجی صاحب کے نام سے گالیاں دیں۔ صبح ہوتے ہی گلٹی پھوٹی چند روز میں تمام زخم مندمل ہوگئے۔ اب ماشاءاللہ وہ لڑکی بالکل اچھی اور صاحب اولاد ہے۔ مولوی غنی حیدر کے تمام لواحقین نوکر چاکر سب مرید ہوگئے۔

مختصر خاندانی احوال عائشہ بی بی صاحبہ خان بہادر مولوی سید ابو صالح کی صاحبزادی ہیں ان کا چھوٹا بھائی سیّد ظفر نواب میرا داماد ہے۔ عائشہ بی بی کی شادی مولوی سید حاجی علی امام صاحب کے والد ماجد کا نام مولوی مظہر امام صاحب تھا۔ یہ اپنے وقت کے مشہور اور نامی وکیل تھے اور ان کی صاحبزادی مولوی غنی صاحب کے نکاح میں آئیں۔ مولوی غنی حیدر صاحب کی صاحبزادی جو اچھی ہوئیں تو عائشہ بی بی نے درگاہ شریف کی مہری بنوائی اور سات آٹھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ درگاہ پر مقرر کیا۔ اور قریب پچاس ہزار ~~روپیہ کے انھوں نے مزار پر صرف کیا۔~~

آخری آمد حضرت آخری بار میرے گھر پر تشریف لائے کہ ان کے تمام ناز اٹھائے جائیں گے۔ میں ہر وقت خدمت میں حاضر رہتا اور غلامی کی خدمت بجا لاتا۔ چلتے وقت فرمایا کہ اپنی تمام چیزیں دیکھ کر ہم جاتے ہیں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھ بھال کر کہا کہ ایک چیز نہیں ملتی یعنی میرا دل گم ہوگیا۔ اتنا سن کر مجھ کو سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا کہ وہ پیروں کا حق ہے۔

وفات جناب حضرت فخر الاولیا چونکہ یہ خادم تین ماہ سے بالاستیعاب جناب مرحوم و مغفور کی خدمت بابرکت میں حسب معمول دو آدمی جیسا کہ اکثر حاضر رہتا تھا موجود تھا۔ بدیں وجہ حالات کما حقہ بے کم و کاست از زمان علالت تا بہ رحلت قلم بند کرتا گیا جو بصراحت تاریخ وار مندرج رسالہ ہذا کر کے پیش کش خدام آستانہ علیہ کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ حضور پرنور، نوراللہ مرقدہ کو چند روز سے کچھ ایسا ضعف پیدا ہوگیا تھا کہ نشست برخاست میں بلا استعانت غیر سے تکلف ہوتا تھا الّا اعضائے جسمانی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ پیدا ہوا تھا۔ بصارت چشم و استحکام دندان شریف و گنجانی گی موئے مبارک وغیرہ بدستور قائم تھی۔ اکثر دنوں میں ایسا ہوتا تھا کہ کسی وقت غذا بالکل ترک فرما دیتے تھے اگرچہ غذا آسودگی حضور نے تمام عمر نوش نہ فرمائی ذلّا اب تین چار سال سے برائے نام دو ایک لقمہ شب کو اور اسی طرح دن کو باصرار تمام تناول فرما لیتے تھے۔ لیکن اس میں بھی کسی دن کمی آجاتی تھی۔ برائے حفظِ قوت غذائے مرغن و مقوی مثل یخنی پلاؤ جو باہتمام حاجی فیضو شاہ خادم خاص پکتا تھا۔ یا بالائی جو انتظام محمود علی خانصاحب رئیس منڑکہ انسپکٹر سابق پنشنر کے روزانہ معمول سے تھی۔ یا حریرہ بادام وغیرہ کسی وقت خدام

Marfat.com

نے بنا کر پیش کیا تو بخیال دل شکنی دو ایک سال سے خلافِ عادت افعال ظہور میں آنے لگے تھے۔ مثلاً روزانہ عادت شریف تھی کہ دن میں بدفعات مکرر اندر زنانے میں تشریف لاتے تھے اور گھنٹوں نشست و آرام فرماتے تھے یا یہ کہ بعض آئندگان و روندگان سے نشست فرما کر دیر تک ہمکلام رہتے تھے۔ علی ہذا اسی طرح سب معمولات میں فرق آگیا تھا، دن میں دو ایک مرتبہ زنانے میں چند ساعت کے واسطے ہو آتے تھے اور اگر لوگ قدمبوسی کو آتے تو فرما دیتے کہ اچھا ٹھہرو پھر ملاقات ہوگی۔ بستر استراحت ایک زمانہ سے ایسی جگہ مفروش تھا کہ جہاں آج لحد انور ہے۔ اسی پر شبانہ روز آرام فرماتے رہتے تھے۔ سرہانہ بہ سمت مغرب و پائینتانہ جانب مشرق رہا کرتا تھا۔ گفت و شنید قطعی موقوف فرما دی تھی۔ بجز اس کے کہ ہر وقت عالم سکوت اور خاموشی اختیار فرمائی تھی اور کیفیت استغراق و محویت از حد بڑھ گئی تھی کہ اکثر اوقات اگر کوئی خادم و معتقد حاضر خدمت ہوتا تو حضور فرماتے "کون ہو کہاں سے آئے ہو"۔ یا یہ کہ عرض کیا گیا حضور خاصہ نوش فرمائیں تو ناخوش ہو کر فرماتے کہ ابھی تو کھا چکے ہیں۔ یا نماز وقت پر ادا فرما چکے ہیں اور پھر چند ساعت کے بعد مکرر بدفعات ادا فرما رہے ہیں۔ اگر کسی نے کہا کہ حضور نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ خیر پھر پڑھ لی تو تمہارا کیا ہرج ہوا۔ المختصر اس سانحہ الم فرسا اور واقعہ قیامت نما کے آثار و علامات حضور قبلہ عالم نے پہلے ہی سے منکشف فرمانا شروع کر دیئے تھے۔

۱۸۔ محرم الحرام یوم شنبہ ۱۳۲۳ھ ناظرین و مسترشدین تواریخ و مراثی و معتقدین و متوصلین وارثی پر مخفی نہ ہو کہ جناب امام الاولیا حضرت قبلہ عالم کی بیماری زکام اور بخار سے وصال کے تیرہ روز پیشتر شروع ہوئی جو بصراحت تاریخ وار حوالہ قلم ہے۔

اٹھارہ محرم الحرام یوم شنبہ تمام دن حضور کا مزاج عالی بہت صحیح اور تندرست رہا معمولی اوقات میں کوئی فرق نہ آیا حسب معمول دو تین مرتبہ اندر زنانے میں تشریف لے گئے۔ آج قریب چار بجے کے حضور اندر زنانے میں تشریف لائے۔ اتفاق سے اسی وقت کہیں سے سبز چنے اندر آئے تھے۔ ہمشیرہ عزیزہ اہلیہ حکیم عبد الباقی خانصاحب مرحوم نے چند دانے چھیل کر پیش کیے۔ آپ نے چبا کر پھینکنا چاہا تو ہمشیرہ نے کہا کہ ہم کو دے دیجیے۔ آپ نے وے دیئے پھر نانی صاحبہ اور راقم الحروف کی بھانجی نے یہی خواہش کی تو اُن کو بھی چند دانے چبا کر دے دیئے۔ اور آپ اٹھ کر باہر تشریف لے جانے لگے تو سامنے مسماۃ چھدنیا نادن زوجہ لبیؔ حجام اور زوجہ جہانگیر کھڑی تھیں۔ قدمبوس ہو کر آپ سے بغل گیر ہوئیں تو اس وقت اہلیہ راقم و ہمشیرہ عزیزہ نے کہا کہ ہم سے کیوں نہیں آپ ملے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا تمہارا خون ملا ہے۔ یہ فرما کر آپ باہر تشریف لے گئے۔

واضح ہو کہ یہ تشریف آوری اندر زنانے میں اس وقت آخری آمد ہے۔ افسوس کہ پھر حضور اندر نہ تشریف لائے۔ آج کنور عبد الشکور خانصاحب رئیس دھرم پورہ نے دو ہرن شکار کر کے حضور میں بھیجے۔ ان کا گوشت حضور نے تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ تھوڑا اندر زنانے میں آیا۔ کچھ معروف شاہ صاحب لے گئے۔ کسی قدر باورچیانہ سرکاری میں بھیج دیا گیا۔ باقی اور لوگوں کو تقسیم ہوا۔ معمولی غذا بقدر دو لقمہ کے جو مدت سے تھی دن کو نوش فرمائی۔ شب کو خاصہ پر کباب گوشت ہرن معروف شاہ صاحب نے پیش کیے و نیز اندر زنانے سے حسب الطلب حاجی فیضو شاہ صاحب کے ایک پیالہ قورمہ گوشت ہرن آیا۔ حضور نے برائے نام ذرا سا کباب اور ایک لقمہ قورمہ کا نوش فرمایا اور بستر راحت

Marfat.com

پر آرام فرمایا۔ قریب بارہ بجے شب کے استنجہ فرمانے کی حاجت ہوئی۔ حاجی فیضو شاہ صاحب نے ایک طرف شیشہ کا جو اکثر بخیال تکلیف کے شب کو بستر پر پیش کر دیتے تھے، حاضر کیا حضور نے استنجہ کیا۔ بعد فراغت کے بستر استراحت پر واسطے آرام فرمانے کے جب با استعانت فیضو شاہ صاحب آپ لیٹے تو خفیف سی حرارت اور کچھ آمد زکام کی سی معلوم ہوئی۔ فیضو شاہ نے عرض کیا حضور کا مزاج عالی کیسا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اچھا ہے کچھ تحریک سی معلوم ہوتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ حضور نے آج کباب ہرن جو ذرا سا چکھ لیا ہے۔ شاید خلاف مزاج عالی ہوا ہو۔ فرمایا نہیں نتھنوں میں سرسراہٹ قبل سے تھی۔ غرض کہ آدھی رات سے حرارت خفیف اور آثار آمد زکام معلوم ہوتے رہے۔ آج شب پھر حضور اکثر کچھ واقعات کربلا معلیٰ بیان فرماتے رہے۔ اور فرمایا کہ سانحہ بہت بُرا ہوا ہے۔

۱۹ محرم الحرام یوم یکشنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۰۵ء

آج علی الصباح حاجی فیضو شاہ صاحب زنانی ڈیوڑھی پر آئے اور راقم کو آواز دے کر پکارا اور یوں بیان کیا کہ رات کے بارہ بجے سے حضرت صاحب کو کچھ خفیف سی حرارت اور آمد زکام کی سی معلوم ہوتی ہے طبیعت مضمحل سی ہے راقم حضور میں حاضر ہو کر قدمبوس ہوا۔ اور بوقت دست بوسی خیال کیا تو فی الواقع حرارت ملس پر معلوم اور آواز بھاری سی پائی گئی۔ عرض کیا کہ مزاج عالی کیسا ہے، ارشاد ہوا کچھ نہیں اچھا ہے ذراسی تحریک ہے جب وقت خاصہ نوش فرمانے کا آیا۔ عرض کیا گیا کہ حضور خاصہ طیار ہے۔ آپ نے فرمایا اس وقت نہ کھائیں گے۔ چنانچہ حضور نے دن کو خاصہ نوش فرمایا اور نہ اندر سے باہر تک کسی نے کھانا کھایا۔ کچھ دیر کے بعد قریب دس بجے کے عرض کیا گیا کہ حضور اندر زنانے سے بند و ملازمہ کئی مرتبہ آچکی ہے۔ حضور آج اندر نہیں تشریف لے گئے ہیں۔ عورتیں سب مشتاق زیارت ہیں ذرا حضور اندر ہو آئیں۔ ارشاد ہوا کہ یہاں زنانہ کرا دیا جائے۔ اس وقت اندر نہ جائیں گے۔ چنانچہ مرد سب لوگ ہٹ گئے۔ زنانہ ہُوا، عورتیں باہر آکر قدمبوس ہوئیں اور عرض کیا کہ حضور کا مزاج کیسا ہے آپ نے آج نہ کھانا نوش فرمایا نہ اندر آپ تشریف لائے۔ فرمایا کچھ نہیں طبیعت اچھی ہے کچھ زکام سا معلوم ہوتا ہے۔ تم سب چلو ہم سہ پہر کو اندر آئیں گے۔ غرضکہ آج تمام دن میں دو تین مرتبہ ذرا سا بسکٹ حسب معمول بوقت آب نوشی کھا کر پانی پی لیا۔ غلبہ پیاس کی زیادتی ہوتی گئی۔ تحریک بدستور رہی۔ اندر زنانہ میں بھی تشریف نہ لائے۔

۲۰ محرم الحرام یوم دوشنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۰۵ء

آج حرارت کا غلبہ کسی قدر زیادہ ہوا اور بوجہ حبس زکام کے آواز کی گرفتگی بھی ہونے لگی۔ ضعف بھی زیادہ پایا گیا۔ دن کو غذا مونگ کی کھچڑی جو باورچی خانہ وزیر معروف شاہ صاحب لائے تھے اور اندر سے بھی پک کر آئی تھی خفیف سی ایک آدھ لقمہ نوش فرمائی تمام دن خاموش آنکھ بند کیے ہوئے بستر استراحت پر آرام فرمایا کیے۔ ریزش بدقت ہوتی تھی۔ جب کوئی مزاج پُرسی کرتا جواب میں فرما دیتے کہ کچھ نہیں زکام ہے اچھے ہیں"۔ آج بھی زنانہ میں تشریف نہیں لے گئے۔ دن رات میں کئی مرتبہ باہر ہی زنانہ کرا کر شرف زیارت سے مشرف فرمایا۔ جب عورتوں نے عرض کیا کہ حضور اندر نہیں تشریف لائے۔ فرمایا ہاں! تم سب چلو ہم اندر آئیں گے۔ جو لوگ واسطے مرید ہونے کے آتے ان کو آپ برابر مرید فرماتے رہے۔ علی مراتب شب کو بھ

Marfat.com

برائے نام خفیف سی غذا کھچڑی مونگ کی بدستور منہ میں لگا کر چھوڑ دی۔ آج مولوی فخر الدین صاحب رئیس دیوہ شریف نے آکر بعد دیکھنے نبض اور مزاج پُرسی کی ایک نسخہ مشروب جوشاندہ تجویز فرمایا، جو فوری باہتمام نعمت علی شاہ صاحب طیار ہو کر استعمال کرایا گیا۔

۲۱ محرم الحرام یوم سہ شنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۰۵ء

آج صبح کو حرارت ملس تھی۔ ریزش بند ہو جانے سے بار بار کھانسی آتی تھی مگر اخراج بلغم نہیں ہوتا تھا۔ قریب گیارہ بجے کے کسی قدر حرارت میں زیادتی ہو گئی اور نیز آواز کی گرفتگی میں بھی زیادتی پیدا ہوئی۔ دن کو غذا بدستور وہی مونگ کی کھچڑی پیش کی گئی تو یوں ہی برائے نام زبان پر لگا کر چھوڑ دی اور یوں ہی شب کو بھی غذا کچھ نہیں فرمائی۔ علی الصباح جوشاندہ مجوزہ مولوی صاحب موصوف جو اندر سے طیار ہو کر آیا تھا استعمال کرایا گیا۔ بعد بارہ بجے دن کے حرارت بہت بڑھ گئی حتیٰ کہ خفیف سی غفلت معلوم ہونے لگی۔ حاجی فیضو شاہ صاحب و رحیم شاہ صاحب وغیرہ و نیز دیگر خدام کی رائے ہوئی کہ کوئی طبیب بلانا چاہیئے۔ چنانچہ حکیم عبدالخالق صاحب مقام گدیہ سے طلب کیے گئے۔ حکیم صاحب بوجہ پیروی مقدمہ ساجد حسین صاحب مرحوم رئیس گدیہ کے جو اشتباہاً زہر خورانی میں تفتیش پولیس ہوتی تھی آج نہ حاضر ہو سکے۔

آج کئی مرتبہ حضور نے فرمایا کہ یہ مہینہ محرم کا ہے عرض کیا گیا کہ جی ہاں محرم ہے فرمایا کہ اب تو دیوہ کا محرم اچھا ہونے لگا۔ عرض کیا کہ یہ سب حضور کی بدولت رونق اور روشنی دیوہ کی ہے۔ حضور کے قدموں کی برکت سے دیوہ شریف ہو گیا۔ غرضیکہ تمام شب میں کئی مرتبہ واسطے استنجہ کرنے کے حضور اُٹھے اور غلبہ پیاس بھی زیادتی پر ہوتا رہا۔ مولوی فخر الدین صاحب کے نسخہ سے چنداں کچھ افاقہ نہ ہوا مگر استعمال رہا۔

۲۲ محرم الحرام یوم چہار شنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۰۵ء

آج صبح کو حضور کی آواز میں گرفتگی اور زور سے زائد پائی گئی۔ حرارت بھی شب سے زیادہ معلوم ہونے لگی۔ قبض کی شکایت یوں تو ہمیشہ سے رہی مگر اب زیادہ ہو گئی۔ آج حکیم عبدالخالق صاحب گدیہ سے آئے اور حضور میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے اور بعد دیکھنے نبض اور مزاج پرسی کے ایک نسخہ جوشاندہ تحریر کیا جو میاں سمیع اللہ صاحب عطار کی دکان سے بندھ کر آیا اور فوری اندر زنانے میں تیار ہوا۔

راقم نے فیضو شاہ وغیرہ سے مشورتاً پوچھا کہ اگر آپ لوگوں کی رائے ہو تو میں فتحپور سے جا کر کسی طبیب کو لاؤں اب وقت غفلت اور تساہل کا نہیں ہے۔ علاج مستعدی سے ہونا چاہیئے اور طبیبوں کا ہر وقت موجود رہنا بہت ضروری ہے چنانچہ حسب اتفاق رائے راقم فتح پور روانہ ہوا اور میاں محمد ابراہیم صاحب شیدا واسطے لانے طبیب کے روانہ ہوئے۔ راقم قریب شام کے فتحپور پہنچا۔ حکیم منصب علی صاحب سے شب کو ملاقات نہیں ہوئی۔ راقم نے آج شب کو فتح پور میں قیام کیا۔ آج قریب شام کے حکیم عبدالحی صاحب ہونہ سے آگئے۔ حضور میں حاضر ہو کر نبض دیکھی تو غلبہ حرارت شدت سے تھا اور بوجہ حبس زکام آواز میں گرفتگی اور غلبہ شدت تشنگی زیادہ پایا۔ چنانچہ ایک نسخہ حکیم صاحب نے تحریر کیا جو

Marfat.com

فوری تیار ہو کر تمام شب استعمال کرایا گیا جس کے استعمال سے شب کو ایک اجابت بھی ہوئی۔ کسی قدر سکون ہوا۔

۲۳ محرم الحرام یوم پنجشنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۰۵ء

آج علی الصباح حکیم منصب علی صاحب سے مل کر کیفیتِ ملالت حضور پاک بیان کی۔

راقم واپس دیوہ شریف آیا۔ واسطے قدم بوسی کے حضور میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ مزاج کی کیفیت وقتاً فوقتاً بدلتی جاتی ہے۔ تپ کے غلبہ اور حبس زکام کی شدت کی وجہ سے کسی قدر حالت استغراقی پائی جاتی ہے۔ ضعف از حد بڑھ گیا ہے۔ غذا آج بھی کچھ نہیں ہوئی۔ آج بادشاہ حسین خانصاحب بھی آ گئے۔ نیز اور لوگوں کی بھی آمد شروع ہو گئی۔ راقم نے قریب شام کے زنانی ڈیوڑھی پر بادشاہ حسین خانصاحب کو بلا کر یہ مشورہ کیا کہ آپ لوگ کیوں غفلت کرتے ہیں کسی طبیب کو لکھنؤ سے کیوں نہیں بلواتے۔ ایک سے ایک لائق طبیب اس وقت لکھنؤ میں موجود ہیں۔ بادشاہ حسین خانصاحب نے کہا کہ میاں شیدا لکھنؤ سے واپس آ گئے ہیں۔ وہاں کوئی طبیب اس وقت جھوائیں ٹولہ میں نہیں ملے۔ رانی صاحبہ محمود آباد علیل ہیں وہاں گئے ہیں۔ راقم نے کہا اگر آپ کی رائے ہو تو میں خود لکھنؤ جاؤں۔ جھوائی ٹولہ میں حکیم عبدالحفیظ صاحب عزیزی حکیم عبدالرحمٰن خانصاحب کے استاد ہیں جو میرے حال پر بھی بہت بڑی عنایت کرتے ہیں اور اگر مل گئے تو خیر ورنہ ڈاکٹر الٰہی بخش جو چوپٹیوں کے ہسپتال میں ہیں اور حضرت قبلہ کے قدیم خادم ہیں ان کو جا کر لاؤں۔ بادشاہ حسین خانصاحب نے یہ رائے پسند کی اور مجھ کو پانچ روپیہ سفر خرچ دے کر کہا کہ اسی وقت آپ جائیے۔ چونکہ شام ہو گئی تھی ایکہ بذریعہ چودھری ظہیر الدین صاحب منگوا کر راقم لکھنؤ روانہ ہوا۔

۲۴ محرم الحرام یوم جمعہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء

آج راقم چار بجے صبح کو لکھنؤ پہنچا۔ ریل سے اُتر کر پہلے سیدھا چوپٹیوں کے ہسپتال میں گیا۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب اجمیر شریف گئے ہیں وہاں سے اسی وقت جھوائی ٹولہ آیا۔ حکیم عبدالحفیظ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت صاحب قبلہ کی کیفیت مزاج مفصل حکیم صاحب سے بیان کی۔ فوری حکیم صاحب آمادہ روانگی ہو گئے اور مجھ سے فرمایا کہ وہاں ادویہ ملنا مشکل ہو گا لہٰذا لکھنؤ سے دوائیاں لیتے چلو۔ چنانچہ ایک فہرست ادویہ متفرق کی مجھ کو لکھ دی۔ راقم کے پاس روپیہ نہ تھا۔ تاہم فہرست ادویہ تو چوک میں محمد ذکی صاحب عطار کو دے کر تاکید کر دی کہ فوراً دوائیاں باندھ کر تیار کیجیے۔ اور میں تلاش مسمی مولائی ساکن مسولی جو حضرت صاحب قبلہ کے قدیم ارادتمندوں میں تھا اور چوک میں مقیم تھا گیا اور اس سے دس روپے دستگرداں لے کر عطار صاحب کی دکان پر آیا۔ روپیہ ان کے حوالہ کیا۔ قریب ۸ بجے کے معہ ادویات حکیم صاحب کے مکان پر آیا۔ چونکہ دوائیوں کے باندھنے میں بہت وقت گذر گیا تھا۔ حکیم صاحب نے میرے انتظار میں سخت پریشان ہو کر شکرم گاڑی جو بہ کرایہ آمد و رفت دیوہ شریف کو منگوائی تھی واپس کر دی تھی۔ اور مجھ سے فرمایا کہ اس وقت میرا جانا بے کار ہے آپ آج میرے ایک شاگرد رشید کو لے جائیے۔ کل بعد فراغ مطب انشاءاللہ میں چلوں گا۔ چنانچہ راقم مع شاگرد حکیم صاحب

Marfat.com

کے قریب آٹھ بجے شب کو ڈیوڑھی شریف پہنچا اور کل واقعہ وعدم حاضری حکیم صاحب کو بیان کیا حکیم صاحب کے شاگرد نے نبض دیکھی اور کہا کہ نسخہ تجویز کرتا ہوں۔ چنانچہ اوپر کمرہ میں ٹھہرائے گئے۔ حکیم عبدالحی صاحب اور حکیم عبدالباقی خاں صاحب اور حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب آچکے تھے اور اتفاق رائے تشخیص مرض تپ بلغمی اور حبس زکام قرار پاکر حکیم عبدالحی صاحب معالج بھی تھے اور حکیم صاحب کے علاج نے کسی قدر اپنا نفع بھی دکھلایا۔ آج حرارت میں بھی کمی رہی اور بلغم بھی بآسانی خارج ہوا۔ آج حکیم عبدالحی صاحب نے بعد دیکھنے نبض کے ایک نسخہ چٹنی کا اور دوسرا مشروب جو بروز فردا لکھا تھا بدستور قائم رکھا لیکن ایک تیسرا نسخہ روغن قیروطی کا واسطے مالش کرنے مقام صدر کے تجویز کیا جو فوری تیار ہو کر استعمال اس کا شروع ہوا۔

حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب جس وقت دربھنگہ سے آئے تو یہ حکیم صاحبان معالج تھے۔ جس وقت وہ حضور میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ یعقوب آگئے۔ اب تو برابر ہوگے۔ انھوں نے عرض کیا کہ تا بہ صحبت کامل وغسل صحت حاضر رہوں گا یہ کلمہ سنکر آپ مسکرا دیئے اور فرمایا اچھا چلو ٹھہرو۔ بھائی صاحب نے باہر آکر فرمایا کہ اس وقت حضور کا یہ جملہ فرمانا کہ برابر رہوگے اور مسکرا دینا خالی از علت نہیں۔ میرے قلب کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ دیکھئے حضور کو کیا منظور رہے۔

نواب عبدالشکور خانصاحب اور ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب اور سید محمد ابراہیم صاحب وحافظ حسن خانصاحب و بابو کنھیالال صاحب وغیرہ بھی آگئے۔ اب قرب و اطراف ونیز دور دور خبر علالت جناب ممدوح پہنچ گئی۔ لوگ ہر چہار سمت سے آنا شروع ہوگئے۔ جناب سید محمد ابراہیم صاحب نے بھی جابجا تار اور خط بھیجنا شروع کر دیئے۔

نواب عبدالشکور صاحب نے جملہ مصارف علاج اپنے ذمہ کر لیے تھے اور یہ حکم دے دیا تھا کہ ایک روپے سے لے کر ایک لاکھ تک خرچ دوا علاج میں کوئی مانگے تو برابر دیا جائے۔ ہزار روپیہ تک نسخہ اگر لکھا جائے تو فوراً تیار کرایا جائے۔ کوئی حکیم یا ڈاکٹر لاکھ روپیہ فیس مانگے تو دی جائے۔ اسی طرح جتنے حضور کے عشاق تھے سب جان و مال سے فدا تھے۔ علی الصباح روزانہ بلاناغہ دس پانچ روپے کے پیسے نقد اور غلہ بادشاہ حسین خانصاحب کی طرف سے ڈیوڑھی پر خیرات ہوتا تھا۔ اسی طرح راجہ دوست محمد خانصاحب اور نواب صاحب اور ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب کی طرف سے خیر خیرات ہوتی تھی۔ علاوہ بریں جو آتا تھا کوئی اناج کوئی بکرے کوئی کپڑے کوئی نقد روپے پیسے خیرات کرتا تھا۔ صبح سے لیکر آدھی رات تک سلسلہ خیرات بند نہ ہوتا تھا۔ کئی ہزار محتاج کا مجمع آستانہ پاک پر ہر وقت رہتا تھا۔ خاص سرکاری خیرات نقد وجنس غلّہ و پارچہ وغیرہ جو ہمیشہ روزانہ بلاناغہ ڈیوڑھی پر تقسیم ہوا کرتی تھی اس کی بھی تقسیم ہمیشہ سے زائد ہونا شروع ہوگئی۔

۲۵ محرم الحرام یوم شنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۰۵ء آج حضور کی طبیعت بدستور رہی کوئی تازہ حالت نہیں پیدا ہوئی۔ صرف ضعف کی البتہ زیادتی ہوگئی تھی۔ حکیم عبدالحی صاحب کے علاج نے ضرور نفع دکھایا۔ بلغم اکھڑتا ہے مگر بوجہ ضعف کے اخراج البتہ مشکل سے ہوتا ہے۔

Marfat.com

حکیم عبدالحفیظ صاحب کے شاگرد کا کوئی نسخہ وغیرہ نہیں دیا گیا۔ بلکہ فیضو شاہ صاحب و بادشاہ حسین خانصاحب و معروف شاہ صاحب وغیرہ کی رائے حکیم عبدالحفیظ صاحب کے معالج ہونے میں خلاف ہوئی اور یہ مشورہ قرار پایا کہ بجائے حکیم عبدالحفیظ صاحب کے اگر حکیم عبدالعزیز صاحب تشریف لائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ چنانچہ راقم معہ شاگرد حکیم صاحب و نیز بابو کنھیا لال صاحب وکیل واسطے لانے حکیم صاحب کے لکھنؤ روانہ ہوئے، قریب گیارہ بجے کے لکھنؤ پہنچ کر حکیم عبدالعزیز صاحب سے مل کر ان کو آمادہ روانگی دیوہ شریف کیا۔ اور ایک گاڑی تھکرم بطور ٹھیکہ پندرہ روپیہ یومیہ پر واسطے آمد و رفت حکیم صاحب کے مقرر کر لی۔ کیونکہ حکیم صاحب نے یہ پہلے طے کر لیا تھا کہ میں شب بھر دیوہ شریف میں قیام کروں گا۔ صبح کو اپنا مطب کرنے روزانہ چلا آؤں گا۔ غرضکہ حکیم عبدالعزیز صاحب مع اپنے داماد و پسر حکیم عبدالحفیظ صاحب کے نیز راقم و بابو کنھیا لال صاحب روانہ دیوہ شریف ہوئے۔ قریب ۹ بجے شب دیوہ شریف پہنچے حکیم صاحب حضوری میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا گیا کہ حضور حکیم عبدالعزیز صاحب حاضر ہیں۔ آپ نے رضائی چہرۂ اقدس سے ہٹا کر دیکھا حکیم صاحب نے جب نبض دیکھنا چاہی آپ نے ہاتھ اندر کر لیا۔ عرض کیا گیا کہ حضور نبض دیکھ لینے دیجیے۔ پھر آپ نے دست مبارک بڑھا دیا۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر عرض کیا کہ حضور کا مزاج عالی کیسا ہے۔ فرمایا اچھا ہے۔ عرض کیا کہ سینہ پر کچھ درد تو نہیں معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ حکیم صاحب نبض دیکھ کر اُٹھے اور فرمایا کہ ضعف از حد درجہ کا ہے۔ بلغم بھی خشک ہو گیا ہے۔ میں نسخہ تجویز کرتا ہوں۔ چنانچہ حکیم صاحب کوٹھے پر تشریف لائے اور نسخہ مشروب و لعوق و روغن مالش برائے سینہ وغیرہ اپنے خیش سے لکھوا کر حوالہ کیے اور فرمایا کہ روغن اسی وقت تیار کر کے سینہ پر مالش کی جائے۔ باقی نسخہ صبح سے استعمال ہوں۔ چونکہ مرض کا غلبہ زیادہ ہو گیا ہے اور ضعف بھی بڑھتا جاتا ہے۔ لہذا علاج بہت ہی مستعدی سے کرنا چاہیے۔ اور دوا بہت ہی مستعدی سے اب استعمال کرنا چاہیے۔

۲۶ محرم الحرام یوم یکشنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۲ / اپریل ۱۹۰۵ء

حرارت کسی قدر کمی کے ساتھ اس وقت تھی ایک اجابت بھی ہوئی جس میں کچھ مواد متعفن تھا اور دو چار سُدّے گرے۔ اُلجھن اس وقت کم ہو گئی۔ بغور دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ تپ بغیر سرد ہونے ہاتھ اور پاؤں کے آتی ہے اور اس کے دو وقت دورے کے ہیں۔ ایک تو دس بجے دن سے اور دوسرا آٹھ بجے شب سے شروع ہوتا تھا اور تین گھنٹہ کامل وہی حالت رہتی تھی۔ اسی اعتبار سے پوٹلی خاکشی و چوکر و دیگر ادویات مخلوط کر کے دست و پا پر جھانواں بھی وقتاً فوقتاً کیا جائے گا۔

حکیم صاحب قریب گیارہ بجے کے روانہ لکھنؤ ہوئے اور فرمایا کہ میں اپنے لڑکے کو کل بھیجوں گا۔ وہ دن بھر حاضر رہے گا اور پرسوں پھر میں حاضر ہوں گا۔ بوقت روانگی حکیم صاحب کو فیضو شاہ نے ایک رضائی قیمتی لا کر دی اور ایک قیمتی رضائی ریشمی حکیم صاحب کے داماد کو دی جن کو دونوں صاحبوں نے تبرکاً اپنے سر پر رکھ لیا و نیز وقت سوار ہونے حکیم صاحب کے گاڑی پر دو سو روپیہ نواب صاحب کی طرف سے معروف شاہ صاحب نے پیش کیے جس کو حکیم صاحب نے نہایت آزردہ خاطری سے چیں بجبیں ہو کر واپس کیا اور فرمایا کہ کیا آپ ہی لوگ اس آستانہ کے خادم ہیں۔ میرا حق خدمت کچھ نہیں ہے۔ حیف ہے کہ میں ایسے مقام پر خیال نفع دنیاوی کی غرض سے شریک ہوتا۔ ہر چند اصرار کیا گیا۔ مگر کسی طرح منظور نہ کیا اور روانہ لکھنؤ ہوئے۔ راقم بھی ہمراہ حکیم صاحب کے لکھنؤ گیا۔ وہاں سے

Marfat.com

ہمراہی حکیم عبدالمجید صاحب صاحبزادہ حکیم صاحب کے قریب نو بجے شب کو واپس دیوہ تشریف۔ آج تمام دن حالت مزاج وہی بدستور رہی۔ آج ڈاکٹر الٰہی بخش بھی لکھنؤ سے آ گئے ونیز دیگر اطباء قریب و بعید کے خبر علالت سنکر آنے لگے۔ آج میرٹھ سے حکیم سلطان محمود صاحب بھی آ گئے۔ حضور میں حاضر ہو کر نبض دیکھ کر بہت دیر تک عالم سکوت میں رہے اور فرمایا کہ ضعف انتہا درجہ کا ہے۔ نبض میں قرع کسی وقت رُک جاتا ہے۔ کہا گیا کہ بغور نبض دیکھیے۔ نبض غیر منتظم نہیں ہے۔ کسی وقت قوی کسی وقت ضعیف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بغور مکرر نبض دیکھنے سے انھوں نے بھی اتفاق کیا۔

۲۷ محرم الحرام یوم دوشنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۳-اپریل ۱۹۰۵ء

تمام شب الجھن اور بے چینی سے کٹ کر صبح ہوئی اور وہی حالت قائم رہی۔ آج علی الصبح وہی خیسانیدہ وغیرہ مجوزہ حکیم صاحب دیا گیا۔ ضعف بڑھتا گیا۔ قریب دس بجے کے پیر سرد ہو کر حرارت ہو گئی۔ ایک بجے تک شدت سے رہا۔ اکثر پیشاب کے واسطے بار بار آپ اُٹھ بیٹھتے۔ بلکہ جب کوئی دوا یا آب انار وغیرہ دیا جاتا فوراً حاجت پیشاب کی ہوتی۔ آپ اُٹھنے کا ارادہ فرماتے، حاضرین خدام سے بغل میں ہاتھ دے کر بٹھلا دیتے۔ بعد فراغت آپ بہ استعانت پھر لیٹ جاتے۔ بار بار راقم کو یہ خدمت نصیب ہوئی۔

واضح ہو کہ اس حالت شدت مرض اور بے چینی میں آپ نے کروٹ نہ بدلی۔ داہنی کروٹ لیٹ کر حسب عادت رومال زیر رخسارہ مبارک رکھ لیتے اور انگشت شمار بدستور چلا کرتی۔

بخلاف زمانہ گذشتہ کے بیماریوں کے کہ آپ ان بیماریوں میں کراہتے۔ لیکن اس مرتبہ اُف تک نہ فرمائی۔ بجز عالم خاموشی اور سکوت کے شدائد و تکلیف مرض کو روئے مبارک سے نہ فرمایا۔ جو کوئی مزاج پُرسی کرتا۔ فرماتے اچھے ہیں۔

اس وقت مولوی سید شرف الدین صاحب بیرسٹر جج ہائی کورٹ کلکتہ آئے۔ حضور میں حاضر ہوئے۔ قدمبوس ہو کر سرہانے سامنے حضور کے بیٹھ گئے۔ عرض کیا گیا کہ حضور بیرسٹر صاحب حاضر ہیں۔ آپ نے چادر منہ مبارک سے ہٹا کر دیکھا اور آہستہ سے فرمایا کہ "بیرسٹر آ گئے تم۔ آؤ مل لیں"۔ لیٹے لیٹے آپ نے بایاں ہاتھ اُٹھایا اور بیرسٹر صاحب سے مل کر فرمایا چلو ٹھہرو۔"

اس وقت علی محمد خانصاحب بہادر رسالدار نے تہمند اپنا لایا ہوا پیش کیا۔ فیضو شاہ نے عرض کیا کہ حضور اس کو باندھ لیں۔ آپ باستعانت اٹھ کر بیٹھے اور تہمند باندھ لیا۔ باوجودیکہ ہزارہا تہمند بیش قیمت ایک سے ایک بڑھ کر روزمرّہ تابہ وصال آئے مگر اسی تہمند رسالدار والی پر حضور کا وصال ہوا۔ حکیم عبدالعزیز صاحب کے ساتھ راقم پھر دیوہ واپس آیا۔ حکیم صاحب نے حضور میں حاضر ہو کر نبض دیکھی وہی حالت بدستور پائی۔ کوئی افاقہ معلوم نہ ہوا۔ اس وقت یہ رائے ہوئی کہ ضعف ازحد بڑھتا جاتا ہے نواب صاحب نے فرمایا کہ اس کی تدبیر معقول کرنا چاہیئے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ جواہر مہرہ میرے پاس ہے لیکن لکھنؤ میں ہے وہاں سے منگوایا جائے۔ چنانچہ اسی وقت ایک خط حکیم صاحب نے لکھنؤ کو اپنے صاحبزادے کے نام لکھا۔ جو دستی آدمی لے کر فوراً روانہ ہوا۔ نواب صاحب نے بابت قیمت جواہر مہرہ بہت کچھ اصرار کیا مگر حکیم صاحب نے منظور نہ فرمایا۔

Marfat.com

آج شب کو بخار نے بہت شدت کی اور کف کا بھی اخراج بند ہو گیا۔

۲۸ محرم الحرام یوم سہ شنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء آج تمام شب سخت الجھن اور بے چینی سے صبح ہوئی باوجودیکہ حکیم صاحب بہت ہی مستعدی سے معالج ہیں اور استعمال نسخہ جات جناب حکیم صاحب برابر وقت پر ہوتے رہے مگر صورتِ افاقہ کچھ بھی ظہور میں نہ آئی۔ آج حکیم صاحب سے کہا گیا کہ حضرت کی طبیعت زیادہ علیل ہے آپ آج واپسی کا قصد نہ فرمائیں۔ چنانچہ حکیم صاحب نہیں گئے اور تمام دن و تمام رات میں بار بار نبض دیکھا کیے اور تدابیر معقول ہر لحظہ کم و بیش ادویہ سے کرتے رہے۔ آج لکھنؤ سے عبد الصمد نورباف جواہر مہرے کر واپس آئے و نیز دوسرا نسخہ حکیم صاحب نے یہاں بھی جواہر مہرہ کا طیار کر لیا۔ اور ایک مرکب نسخہ کے ساتھ استعمال کرایا جس سے کسی قدر افاقہ اور قوت معلوم ہوئی۔

سید شرف الدین صاحب بیرسٹر حاضر ہوئے قدمبوس ہو کر جب باہر نکلے تو لوگوں سے فرمایا کہ آج بفضلہٖ مزاج عالی رو بصحت ہے اور آنکھوں میں سُرخ ڈورے بھی ظاہر ہیں۔ اب انشاء اللہ یوماً فیوماً صحت ہوتی جائے گی۔ بلکہ بیرسٹر صاحب نے اپنے مکان خط بھی روانہ کر دیا کہ حضور کی طبیعت آج بفضلہ تعالیٰ بہت سکون پذیر ہے و نیز حاضرین کو بھی مسرّت تھی کہ انشاء اللہ تعالیٰ آج شب کو دورۂ تپ نہ ہوا تو کل سے امید قوی ہے کہ طبیعت بہت درست ہو جائے گی۔ خدا کرے اب دورہ نہ ہو۔ غرضکہ تمام دن ایسا اطمینان سب حاضرین کو رہا۔ بعض لوگ رخصت ہو کر چلے گئے اور تمام دن مزاج شریف اچھا رہا۔ سات بجے شام سے پھر دست پا سرد ہو کر حرارت شروع ہوئی اس وقت تپ بہت زور سے آئی کہ جس سے حالتِ استغراق زور سے بڑھی ہوئی پیدا ہو گئی۔ دس بجے تھرما میٹر لگایا گیا تو ایک سو تین درجہ حرارت پائی گئی جھاواں وغیرہ بدستور ہوا کیا۔ آج شام سے حضور نے بالکل سکوت اختیار فرما لیا جس کو اکثر لوگوں نے غفلت اور بے ہوشی تصور کیا۔ مگر جب حاجت پیشاب کی ہوتی تو آپ ارادہ اٹھنے کا کرتے۔ باستعانت پیشاب سے فراغت کرتے پھر لیٹ جاتے۔

آج فیضو شاہ دالان کے باہر کھنبے کی آڑ میں کھڑے رو رہے تھے کہ بادشاہ حسین نے آکر تسلی و تشفی ان کی کی اور درخت پکریا کے نیچے لے گئے۔ فیضو شاہ نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ جس قدر نقد و جنس میرا ذاتی اندوختہ ہے۔ سب اس وقت میں حضرت پر سے قربان کر دوں بادشاہ حسین نے کہا کہ کس قدر تمھارا اندوختہ ہے۔ فیضو شاہ نے کہا کہ پانچ ہزار روپیہ نقد اور دو کوٹھے مکان اسباب کپڑا وغیرہ سے بھرا ہے۔ یہ ہم نے خود حضور سے خفیہ طور پر بالا بالا جمع کیا تھا۔ بادشاہ حسین نے کہا کہ اس میں ابھی عجلت نہ کرو انشاء اللہ دو ایک روز میں حضور کو صحت ہوئی جاتی ہے۔ اس وقت غسل صحت کے دن یہ سب تقسیم کرنا۔ اس وقت تھوڑا سا بے موقع ہے۔ فیضو شاہ بھی سکوت کر گئے اور کچھ کسی کو نہ دیا گیا۔

۲۹ محرم الحرام یوم چہار شنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۵۔ اپریل ۱۹۰۵ء آج حکیم صاحب نے نبض آکر دیکھی تو بدستور وہی حالت بخار کی اور خشونت سینہ جس سے بلغم صدر پر جما ہوا پایا۔ طاقت اخراج بلغم کی مطلق نہ رہی۔ سخت پریشان ہو کر حکیم صاحب نے فرمایا کہ نہیں معلوم حضور کو کیا منظور ہے

Marfat.com

جو دوا فعل تک نہیں ہونے دیتے ۔ اس کا اثر ہی بالکل اُڑا دیا ہے ۔ مجبور ہو کر پھر کچھ تبدل و تغیر نسخہ جات میں کیا اور دوسرے نسخے مشروب و لعوق وغیرہ کے تجویز کیے جو فوری طیار ہو کر استعمال ہونا شروع ہوئے ۔

آج دو بجے سخت دورہ تپ کا ہوا جس سے لوگ سب پریشان ہو گئے ۔ اس مابین میں کئی مرتبہ جابجا رحلت کی خبر بھی مشہور ہو گئی اور لوگ یہ خبر سُن کر دوڑ پڑے ۔ آج بہت بڑا مجمع آدمیوں کا ہو گیا کہ اندر باہر مرد عورت کا شمار نہ تھا ۔ قریب بارہ بجے کے حکیم عبدالعزیز صاحب رخصت ہو گئے ۔

آج آپ نے فرمایا کہ " وہ عورت چلی گئی ۔ اپنے رٹے کے بھی لے گئی مُشکی گھوڑا ہے " ۔

آج مولوی عبدالحی صاحب جگور سے آئے ہیں ۔ آپ نے بغور مولوی صاحب کی طرف دیر تک دیکھ کر فرمایا کہ اچھا اب تم چلے جاؤ ۔ مولوی صاحب جس وقت حضوری سے اُٹھ کر چلے ہیں تو تمام بدن میں لغزش تھی ۔ آنکھیں سُرخ پیر کہیں رکھتے پڑتا کہیں جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت مولوی صاحب بھی خالی نہیں جاتے ہیں ۔ چنانچہ اسی حالت سے درگاہ میں فضل حسین صاحب کے پاس آ گئے ۔

۳۰ محرم الحرام یوم پنجشنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۰۵ء

وفات حسرت آیات

آج علی الصباح وہی حالت بدستور رہی ۔ عالم استغراق ہر روز سے زائد الجھن بھی زیادتی پر ہے ۔ تھرمامیٹر اس وقت لگایا گیا تو حرارت اٹھانوے درجہ پر موجود تھی ۔ دس بجے دل کو خفیف سی الجھن پیدا ہوئی ۔ اس کی تدبیر مناسب مثل آب برگ عنب الثعلب سبز ہمراہ روغن چنبیلی و شیر گوسفند کا پھاہا سر پر رکھا گیا ۔ گل روغن و سفیدی بیضہ مرغ کا پھاہا سر پر رکھا گیا ۔ پیروں میں جھاواں شروع ہوا ۔ لخلخہ مثل عطر خس و کشنیز خشک و مٹی وغیرہ سونگھایا گیا ۔ کسی قدر اس سے افاقہ اور سکون ہوا مگر ازالہ کامل نہیں ہوا ۔ ایک بجے زنانہ ہوا ۔ تھوڑی دیر کے بعد عورتیں اندر گئیں ۔ پھر مردانہ ہو گیا ۔ اسی وقت ایک وزیری حاضر ہوا ۔ فیضو شاہ نے پھر مکرر حضور کی آواز سے پکار کر عرض کیا ۔ حضرت وہ وزیری یا جس کو آپ نے آج تہبند دینے کو فرمایا تھا حاضر ہے ۔ آپ نے آنکھ کھول دی اور با ستعانت نشست فرمائی ۔ فیضو شاہ سے تہبند منگوا کر وزیری کو بندھوائی اور اپنی زبانِ مبارک سے نفیر شاہ کا خطاب دیا ۔ اسی وقت ایک نانک شاہی فقیر حاضر ہوئے اور ان کو بھی آپ نے فقیر بنا کر تہبند بندھوائی اور رسول شاہ کا خطاب عطا فرمایا ۔ بس چلے جاؤ ۔ دونوں صاحب اسی وقت چل دیئے ۔ واللہ اعلم کیا یہ اسرار تھا ۔ اور کیا یہ بھید تھا ۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا ۔

واضح ہو کہ یہ سلسلۂ تہمند بندی خاص حضور کے دستِ مبارک سے اس وقت ختم ہو گیا ۔ یہ آخری تہبند حضور نے عطا کیا ہے جو اب ظاہرا پھر تا بہ قیامت اس دستِ کرم سے کسی کو تہبند باندھنا نصیب نہ ہو گا ۔ سبحان اللہ کیا شان تھی اور کیا استقلال تھا ۔ اصل تو یہ ہے کہ یہ حصّہ خاص ہمارے آقا کا تھا ۔ واقعی بات تو یہ ہے کہ حضور فخر الاولیا تھے ۔ اس وقت تک کوئی علامت وصال کی چہرۂ انور سے ظاہر نہ تھی اور نہ تا بہ وصال ظاہر ہوئی ۔ سلسلۂ بیعت تا بہ وصال برابر جاری رہا ۔

آج سب روز سے الجھن زیادتی پر ہوتی جاتی ہے ۔ راقم نے آج سہ پہر کو آستانہ کی ڈیوڑھی میں بھائی علی حسین صاحب

Marfat.com

نیز دیگر پیر بھائیوں سے تذکرۃً ذکر کیا کہ آج سب روز سے حضور کے مزاج کی حالت بیقراری اور اضطراری معلوم ہوتی ہے اور کل یوم جمعہ یکم ماہ سفر ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے حضور سفرِ آخری کو قبول فرما کر ہم غلاموں کو داغ جدائی دے دیں۔ تین چار روز سے حاضرین کا وہ مجمع ہے کہ لوگ ہٹانے سے نہیں ہٹتے ہیں۔ ایک کے اوپر ایک گر پڑتا ہے۔ ہر شخص کی یہ تمنّا تھی کہ میں شریک خدمت ہوں۔ اور زیارت سے شرف یابی حاصل کروں۔ اس درمیان میں چند مرتبہ خبر رحلت مشہور ہونے سے اور بھی مجمع زائد ہو گیا تھا۔ چنانچہ آج تمام دن حضور کی حالت بدستور رہی۔ سات بجے شب کو داہنے دست مبارک کی انگشتِ شہادت سے اشارہ فرما کر اس لہجہ میں جیسے کسی سے کوئی مخاطب کر کے کہتا ہے فرمایا۔ "اللہ ہے۔" دس بجے شب کو فرمایا کہ "کیا بجا ہے؟" جناب حکیم یعقوب بیگ و نیز دیگر حضار نے عرض کیا کہ حضور دس بجے ہیں۔ فرمایا "فیضو شاہ تیار ہو جاؤ چار بجے چلیں گے"۔ فیضو شاہ نے چیخ مار کر کہا حضور مجھ کو لینے چلیے گا۔ میں تیار ہوں۔ پھر ہر چند سب نے عرض کیا کہ حضور کون کہاں جائیے گا۔ کچھ جواب نہ دیا۔ اس جملہ نے سب کو خبط کر دیا اور بعض کو یقین کامل ہو گیا کہ اب حضور ضرور پردہ فرمائیں گے۔

اس وقت خود بخود حاضرین کو ایسی بے قراری اور اضطراری پیدا ہوئی کہ ایک دوسرے کو خبر کرنے لگا کہ جلد چلو۔ راقم نے جواباً بادشاہ حسین اور راجہ دوست محمد خاں صاحب کو جا کر بیدار کیا۔ نواب صاحب اور ٹھاکر صاحب کو بھی خبر دی۔ یہ لوگ سب آ گئے اور مجمع ہونا شروع ہو گیا۔ تمام قصبہ میں گھر گھر کوئی پکار آیا کہ جلد چلو۔ آدمی پر آدمی گرنے لگا۔ تمام مکان آدمیوں سے بھر گیا۔ حکیم محمد یعقوب صاحب کے ہاتھ میں نبض مبارک تھی۔ راقم حضور کے پائنتانہ دونوں پائے مبارک کے نیچے شریف یعنی قدم مبارک اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے بیٹھا تھا اور بھی صدہا آدمی بستر کے گرد کھڑے بیٹھے تھے۔ منجملہ سب کے بائیں طرف میری بغل میں ایک بزرگ بلباس دنیاوی جن کا نام شاہ سلیمان صاحب گیسو دراز ملتانی تھا بیٹھے ہوئے ذکر جلی کر رہے تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ باہر دیکھو۔ میں نے صحن مکان کی طرف درخت کے پتوں پر مثل جگنو کے کچھ روشنی ہو کر آن واحد میں غائب ہو گئی۔ مجھ کو گمان ہوا کہ جگنو ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ "یہ وقت نزول رحمت الٰہی ہے اور ورود برکت نامتناہی کا ہے یہ اسی کے تجلیات ہیں۔ یہ وقت خاص اجابت دعا کا ہے۔ جو کچھ مانگنا ہے مانگ لو۔ اور ذکر اور اشغال اپنا کیے جاؤ۔" راقم نے اپنے دل میں یہ کہا کہ خداوند کریم مولا کو صحت بخشے اور اگر مشیت ایزدی خلاف اس کے ہے اور وقتِ وصال قطعی ہے تو حضور اپنی محبت اور عشق میں انجام بخیر کریں۔ اور میرا میلاد شریف قبول ہو زیارت مدینہ طیبہ نصیب ہو۔ آمین ثم آمین۔ اس وقت پھر عورتوں نے بمنت و خوشامد اصرار کیا کہ ذرا سا پھر زیارت کر لیں۔ بدقت زنانہ کرایا گیا۔ عورتیں آئیں۔ قدمبوس ہو کر اندر چلی گئیں۔

چار بج کے ۴ منٹ پر بھائی حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب نبض دیکھتے تھے۔ دست مبارک کو ہاتھ سے پکڑے ہیں۔ ہنوز حکیم صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ حضور کا ہے اور لوگ گرد و پیش کے پوچھ رہے ہیں کہ نبض کی کیا حالت ہے۔ حکیم صاحب نے ادھر تو جواب دیا کہ نبض بہت اچھی ہے اور اس طرف ایک دم سے نبض بند ہو گئی۔ حکیم صاحب نے ہاتھ چھوڑ کر ایک نعرہ آہ بلند کیا اور کہا کہ حضور کا وصال ہو گیا۔ روح پُر فتوح نے جسم خاکی چھوڑا اور عالم بالا کی طرف پرواز کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ افسوس!

Marfat.com

صد افسوس! چراغ ولایت ہند گل ہوگیا۔ عالم پرغم کا اندھیرا چھاگیا۔

واضح ہو کہ حضور نے شام ہی کو فرمایا تھا کہ چار بجے چلیں گے۔ جس کا ظہور اس وقت ہوا کہ چار بج کے پندرہ منٹ پر حضور نے سفر آخرت قبول فرمایا اس وقت ایک تلاطم عظیم برپا ہوگیا۔ اندر سے باہر تک لوگ پچھاڑیں کھاتے تھے۔ راقم نے آنکھیں اپنی پائے مبارک سے مل کر عرض کیا یہ آخری زیارت ہے اپنے غلام کو یاد رکھیے اور اپنی غلامی میں قبول فرمایئے گا۔ شیخ مظہر علی صاحب نے آواز بلند چیخ کر کہا کہ اے یارو غم ذرا کم کرنے کے واسطے تو ہم کو چھوڑ ہی گئے ہیں۔ تمام عمر روئیں گے۔ بھلا حضور کو موافق شرع شریف پھیر تو دو۔ چنانچہ شیخ مظہر علی صاحب وغیرہ نے فوراً جنوباً وشمالاً حضور پاک کو پھیر دیا اور ایک چٹ سفید سے روئے مبارک کو اور ایک چٹ سفید سے انگوٹھے پائے شریف کے باندھ دیئے۔ چشم مبارک خود ہی بند ہوگئیں تھیں۔ اوپر ایک رضائی ڈال دی اس وقت جسم شریف ایک ایسی خوشبو مست پیدا ہوئی کہ جس نے ہاتھ لگایا جس کا کپڑا لگ گیا اس میں خوشبو آنے لگی۔

اب حاضرین کی حالت بیقراری کیا بیان ہو۔ جو حضور سے اُٹھ کر صحن مکان میں آتا تھا بیہوش ہوجاتا تھا۔ کوئی سر دیوار سے ٹکراتا تھا کوئی فرش زمین پر لوٹتا تھا۔ غرضکہ تمام ہندو مسلمان پچھاڑیں کھاتے تھے۔ قیامت صغریٰ قائم تھی۔ حفاظ نے اسی وقت سے قرآن خوانی شروع کر دی۔ کوئی کلمہ کوئی درود شریف کا ورد کرنے لگا لوگ گرداگرد بیٹھے ہیں۔ بخور اگر وغیرہ سلگ رہا ہے اس وقت مجمع اس کثرت سے ہوگیا کہ اندر باہر کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ملتی ہے۔ اور انوار وتجلیات کا ذکر کیا کیا جائے۔ ایک چادر نورانی سب کو ڈھانکے تھی جو لوگ نعش اطہر کے گرد بیٹھے تھے ان کی زبانوں سے بلاخیال درود اور کلمہ شریف جاری تھا۔ ہرگز یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہاں موت ہوئی، بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ حضور آرام فرما رہے ہیں اور اب رضائی ہٹا کر کچھ ارشاد ہوا چاہتا ہے۔ اس وقت ایک زلزلہ خفیف سا آیا۔

تجہیز وتکفین (۱)

بکم صفر المظفر یوم جمعہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۷۔ اپریل ۱۹۰۵ء

صبح کے ہونے پر جب آفتاب نکلا تو ایک عجیب حالت آفتاب کی تھی۔ کہ رنگ آفتاب زردی مائل دھندلا پن تھا اور درمیان آفتاب کے ہاتھ لانبی اور بالشت بھر چوڑی سیاہی تھی۔ حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب کی نظر پہلے آفتاب پر پڑی۔ لوگوں کو بُلا کر دکھایا صدہا آدمیوں نے دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب گرہن میں ہے آفتاب کی روشنی بہت کم تھی۔ دس بجے تک آفتاب کی یہی حالت رہی جس کو ہزارہا مرد وعورت نے بچشم خود دیکھا۔ اب مشورہ جائے مرقد شریف حضور پر نور، نور اللہ مرقدہٗ کا ہونے لگا کسی صاحب نے بذریعہ یہ کارروائی کی کہ بطور دھمکی یہ اظہار کرایا کہ اندر آبادی کے مزار نہ ہونا چاہیئے۔ مگر شیخ مظہر علی صاحب وحافظ حسن خاں صاحب وحافظ عبدالقیوم صاحب وغیرہ نے بآواز بلند ظاہر کیا کہ ہم اسی مقام پر جہاں بستر شریف حضور کا ہے لحد انور قرار دیں گے۔ اگر اس میں لوگ آمادہ فوجداری ہوں گے تو ہم حسب الارشاد حضور پاک براہ راست فتحپور اسی وقت لے جائیں گے۔ اگر اس مکان میں قبر شریف لوگ نہ ہونے دیں تو ہم دیوہ میں دوسرے مقام

Marfat.com

پر کہیں نہ منظور کریں گے۔ چنانچہ عباس حسین خانصاحب نے بھی تائید کی اور فرمایا کہ نبی اور ولی کا یہی مرقد کا مقام ہے جہاں پر وصال ہوا ہے۔ اس میں بہت دیر تک بحث مباحثہ باہمی ہوتا رہا لیکن کسی نے نہ سنا اور مقام لحد انور جگہ بستر شریف کی قرار دے کر گورکن طلب کیے گئے۔ پیر غلام کسگر مع اپنے چند اہل برادی کے غسل کر کے اور پھاوڑے قبر کھودنے کے طاہر و پاک کر کے حاضر ہوا۔

(۲)

اب حضور کو مع بستر شریف کے بیچ کے در سے اٹھا کر پورب کے در میں جنوباً و شمالاً لٹا دیا اور اوپر سے ایک رضائی گلابی نیم زری اشرفی بوٹی کی اُڑھا دی جس رضائی کو بر وقت غسل کے میاں سلاری ساکن دیوہ لے گئے اور اب ادھر تو لحد انور کھدنا شروع ہوئی اور اس طرف سامان غسل اور کفن شریف کے انتظامات ہونے لگے اور نہایت عجلت سے تجہیز و تکفین میں اس وجہ سے ہونے لگی کہ اکثر مخبروں نے یہ خبر دی کہ سیّد صاحب نے ضلع سے گارد منگوایا ہے۔ کچھ لوگ ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس بھیجے گئے ہیں۔ مزار شریف اندر اس مکان کے نہ ہونے دیں گے۔ وہ بذریعہ پولیس اس مکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ غرضکہ اسی قسم کی خبریں سنکر لوگوں نے زیادہ جلدی تجہیز و تکفین میں کرنا شروع کی۔ پہلے یہ رائے ہوئی کہ ایک صندوق چوبی بیر کا تیار کیا جائے جس میں جسد مبارک رکھ کر صندوق قبر میں رکھ دیا جائے۔ چنانچہ عبدالصمد نورباف نے بسواری یکہ اپنے مکان مسولی سے جا کر فوراً چند تختہ بیر چوبی کے لا کر حاضر کیے مگر حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب نے و نیز اکثر علما حاضر الوقت نے کتاب مسائل دیکھ کر بیان کیا کہ صندوق میں اس مقام پر اجازت شارع علیہ السلام ہے کہ جہاں زمین نرم مثل ریگ کے ہو۔ یہاں کچھ ضرورت صندوق کی نہیں ہے صرف بیر کی لکڑی کے برگے حسب ضرورت بنوائے جائیں۔ یہ مزید اغنیا طاُسی کے مجوسے بغلی سرہانے پائتانے کھڑے کر کے اس پر بنگلے بچھا دیئے جائیں۔ غرضیکہ درخت بیر متعدد کٹنا شروع ہوئے اور بنگلہ مجوسے بنگرانی مکی شاہ وغیرہ نجار لوگ طیار کرنے لگے اور اس طرف کسگروں نے ایک رہل پانچ ہاتھ عمیق اور پانچ ہاتھ طول کا کھود کر تیار کیا جس میں غفور وغیرہ معماروں نے اینٹ خام سے ایک صندوق بغلی مجوسہ لگا کر تین ہاتھ کا گہرا جوڑنا شروع کیا۔ بوجہ زیادہ ہونے عمق کے تین تہ اینٹ خام کی فرش زمین پر پہلے کر دی گئیں اس پر سے صندوق کی جوڑائی کی گئی۔

(۳)

اب دربارہ دینے کفن شریف کے بحث پیش ہوئی کہ آیا کفن دیا جائے گا یا کہ صرف تہبند شریف باندھ دی جائے۔ چنانچہ بعد بحث مباحثہ کے یہ امر قرار پایا کہ کفن شرعی کا تو ہونا ضروری ہے لیکن تہبند بھی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جس روز سے احرام شریف باندھا ہے پھر تا بہ وصال دوسرا کپڑا استعمال میں نہ آیا۔ لہذا ضرور ہونا چاہیئے۔ اسی وقت خیاط نے کفن مبارک کی قطع برید شروع کی اور ادھر سامان غسل شریف ہونے لگا۔ پہلے یہ رائے ہوئی کہ پچھم جانب دالان کے ایک در سے میں غسل شریف دیا جائے۔ راقم نے ایک پھاوڑا لے کر ایک گڑھا کھودنا شروع کیا۔ پھر رائے پلٹ گئی۔ کہ اس طرف حضور کو برائے غسل لے جانا بہت ہی

Marfat.com

امر دشوار ہے کیونکہ درمیان والان میں لحد انور بن رہی ہے اور باہر صحن مکان کثرت آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ یہیں قریب ہی والان کے پورب والے اِک درے میں انتظام غسل شریف کیا جائے۔ غرضکہ راقم نے پچھم اک درے کے گڑھے کو بند کرکے پورب اِک درے میں ڈھائی ہاتھ کا لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا دگھرا گڑھا بجنبال فراہم نے پانی غسل شریف کے کھود کر طیار کیا اور اس پر دو تختہ چوبی پیوند کرکے عبدالصمد نورباف کے لائے ہوئے بچھا دیئے۔ دو بجے دن کے قریب بنابر غسل شریف حضور پُرنور انھیں تختوں پر لائے گئے۔ اس وقت ایک عالم ٹوٹا پڑتا تھا۔ اس قدر کثرت اور بھیڑ آدمیوں کی تھی کہ اِک درے میں بالکل اندھیرا ہو گیا اور متعدد شمعدان اور لالٹینیں جلانے کی نوبت آگئی۔ چنانچہ ایک شمع مومی راقم کے ہاتھ میں سرہانے تھی اور ایک لالٹین ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب کے ہاتھ میں داہنی طرف بغل میں تھی اور ایک چادر بوجہ کثرت ہجوم کے اک درے کے در میں مثل پردے کے آڑ کر لی گئی تھی جس کو حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب وغیرہ ہاتھ سے پکڑے کھڑے تھے۔ اب غسل شریف شروع ہوا۔ اوّل چٹ ردئے مبارک اور انگوٹھے کی کھولی گئی جو راقم نے کراپنے گلے ہیں۔ اندھی اور تہ بند جو بعد وصال بدل دیا گیا تھا جسم اطہر سے اتار کر مخدوم حجام کے حوالہ کیا گیا۔ اور ایک ٹکڑا چار ہاتھ کا مثل لنگی کے نصف جسم شریف سے ڈال دیا گیا۔ واضح ہو کہ جس وقت تہبند شریف جسم اطہر سے علیحدہ کیا گیا اور جسم انور کھولا گیا اس وقت مانند آفتاب کے چہرۂ انور درخشاں تھا۔ واضح ہو کہ بحالتِ حیات جو بوجہ پیرانہ سالی و کبرسنی کے شکنیں آگئی تھیں وہ بالکل صاف و ہموار ہو کر تمام جسم اس قدر توانا وتندرست ہو گیا تھا کہ یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ آپ ضعیف العمر آدمی ہیں اور روئے مبارک مثل گلاب کے تر و تازہ تھا۔

(۴)

الغرض اب یہ مشورہ ہونے لگا کہ مجمع بہت کثرت سے ہے۔ جنازہ شریف باہر کسی صورت سے نہیں جا سکتا۔ لوگ بوسہ دینے کی غرض سے نیچے اوپر گرے پڑتے ہیں۔ اگر صحن مکان یا باہر والے دروازے کے جنازہ شریف نکلا تو ہزارہا آدمی زخمی ہو جائیں گے۔ لہٰذا اسی مقام پر نماز جنازہ شریف پڑھا دی جائے۔

پہلے سید ابراہیم صاحب عبا پہنے اور پگڑی باندھے تشریف لائے کہ خیر اس وقت تو نماز میں چل کر پڑھا دوں۔ مگر لوگوں نے نہیں منظور کیا اور سب کی رائے یہ ہوئی کہ نماز حضور کی حافظ عبدالقیوم صاحب پڑھائیں گے۔ کیونکہ حضور کی حیات میں حسب الحکم حضور والا نماز عیدین حافظ صاحب پڑھاتے تھے۔ پس اس وقت بھی سوائے حافظ صاحب کے کوئی دوسرا نہیں پڑھا سکتا ہے۔ سید ابراہیم صاحب یہ مشورہ سن کر کوٹھے پر چلے گئے۔ راقم نے دنیز دو ایک اور حضرت نے آواز بلند پکار کر کہا کہ نماز ہوتی ہے۔ چونکہ اس وقت ہجوم و اژدہام اس کثرت سے تھا کہ جماعت صف بندی کے ساتھ نہ ہو سکی۔ جو جس مقام پر کھڑا تھا وہاں سے جنبش نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے دیواروں اور درختوں پر اور کوٹھوں پر نیت نماز جنازہ باندھ لی۔ بوجہ کثرت مجمع کے نماز جنازہ چار پانچ مرتبہ مکرر پڑھائی گئی۔ بالآخر بعد فراغ نماز کے جنازۂ اطہر کو لحد انور میں لانے کو اٹھایا۔ اندر قبر شریف کے فرش زمین پر حافظ عبدالقیوم صاحب اور شیخ مظہر علی صاحب اُترے اور داہنے جناب حکیم محمد یعقوب بیگ اور بائیں فضیلت شاہ صاحب تھے اور اوپر

Marfat.com

فیضو شاہ صاحب و دیگر اشخاص نے جنازہ شریف کو اٹھایا۔ راقم نے سر اقدس اپنی گود میں لیا اور میاں رشیدا نے پائے شریف کی طرف پکڑ لے اندر لحد انور میں میاں مظہر علی صاحب اور حافظ صاحب کو دیا۔ میاں مظہر علی نے روئے مبارک کھول کر بوسہ پیشانی مبارک کا دیا۔ بعد ازاں کچھ عطر حنا اور کیوڑا لحد انور میں چھڑک کر بنگہ دینا شروع کیے۔ ایک بنگہ بچ رہا جو راقم نے لے لیا۔ بعد بنگہ دینے کے ایک چادر نین سکھ کی بزنگ بادامی بنگوں پر بچھا کر اوپر سے کچھ پتے ڈال کر مٹی دینا شروع کی۔ ایک پر ایک مٹی دینے کو گرا پڑتا تھا۔ غرضکہ پانچ بجے تک مٹی دیتے رہے۔ قبر شریف ایک بالشت بلند ہو گئی۔ سب لوگ اس کار ضروری سے فارغ ہو گئے بعد فراغت پھر تو ایک عجیب عالم پیدا ہوا کوئی شخص اپنے آپ میں نہ تھا اور ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ ہر وقت یہی گھر گھر چرچا تھا، ہر شخص کی زبان پر حضور کا ذکر تھا۔ یہ خبر قیامت زا فوراً مثل تار کے دور دور پہنچ چکی تھی۔ ہر چہار سمت سے آدمیوں کے گروہ چلے آتے تھے۔ بہت سے ایسے عاشق زار آئے کہ لحد انور دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے اور گھنٹوں ہوش نہ آیا۔ غرضکہ آمد مریدین کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ چودھری لطافت حسین صاحب کی باری کا زمانہ تھا۔ انھوں نے بہت ہی سیر چشمی سے اہل تعزیت و تیمار داروں کی مہمان نوازی کی۔

(۵)

قریب پانچ بجے کے فیضو شاہ کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ تھانہ دار صاحب کرسی کے مع گارد کے بلوائے گئے ہیں وہ آکر فیضو شاہ کو باہر کردیں گے اور کمرہ کوٹھری میں قفل ڈال دیں گے اس خبر کو سن کر پہلے تو فیضو شاہ بہت غیظ میں آئے کہ ہم کو کون نکال سکتا ہے مگر سمجھانے پر کچھ غصہ فرو ہوا۔ لیکن تاہم کچھ تہبند لوگوں کو تقسیم کرنا شروع کر دیئے اور یہ ارادہ اپنا ظاہر کیا کہ کل تہبند اور اسباب وغیرہ اندوختہ ہمارا ہے حضرت صاحب سے کیا واسطہ تھا۔ ہم انھیں کے نام پر اس وقت لٹا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک گٹھری تہبندوں کی جو جسم اطہر کے بندھے ہوئے تھے راقم کو بھی دی اور پھر قریب چالیس پچاس تہبندوں کے بانٹنے کی نوبت آئی تھی کہ تھانہ دار صاحب مع چند کانسٹیبلان و چوکیداران کے ہمراہ چودھری ظہیر الدین صاحب قریب مغرب کے پہنچے اور اسی طرح مع جوتہ وردی کے اندر کمرہ کے داخل ہو کر فیضو شاہ صاحب کو ایک بنی دو گوش صرف ایک کمل دے کر باہر کمرے کے نکال دیا اور کوٹھری کمرے کو مقفل کر کے مہر لگادی اور ایک کانسٹیبل اور دو چوکیداروں کو واسطے نگرانی کے مقرر کر کے حکم دیا کہ جس وقت کوئی مالک قرار دیا جائے گا۔ اس کو کنجی کمرے کی دی جائے گی۔ ہمارے مکان یعنی نئے دروازے کو بھی بند رہنے کا حکم دے دیا کہ کوئی اندر سے اس طرف نہ آنے پائے۔ غرضکہ اس واقعے سے اکثر لوگ بہت متاسف ہوئے کہ یہ آستانہ اس انتظام کے لائق نہ تھا۔ جو آج پولیس وغیرہ کا پہرہ چوکی ہوا ہے یہ صرف فیضو شاہ کی نحوست اور خست کا ثمرہ ہے جو یہ نوبت پہنچی کہ خلاف مزاج اس سلطان لاطمع کے خفیہ اندوختہ کیا۔ آج جس کی یہ سزا اور ذلت ان کو ہوئی کاش کہ حضور کی حیات ہی میں یہ سب پھینک پھانک لٹا پٹا دیا ہوتا۔ تو اس وقت کون فیضو شاہ کا ہاتھ پکڑنے والا تھا۔

سجادگی کا فیصلہ

(۱)

۲ صفر یوم شنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۰۵ء

جس وقت سے حضور کا وصال ہوا ہے اسی وقت سے صدہا حفاظ قرآن خوانی پر متعین ہو گئے۔ رات دن مزار پر انوار پر

Marfat.com

قرآن خوانی ہونے لگی۔ ایک سہری کارچوب کی جس کے ڈنڈے چاندی کے ہیں مزار اقدس پر لگائی گئی۔ چادریں بکثرت چڑھنا شروع ہوئیں جو مُرید یا معتقد آتا تھا بکثرت خیر خیرات کرتا تھا۔ آج بہت کثرت اور بھیڑ آدمیوں کی ہوگئی ہے۔ دُور دُور سے لوگ آنے لگے ہیں۔ شیخ عنایت اللہ صاحب تعلقدار سیدن پور بھی برائے شرکت فاتحہ سیوم آگئے و نیز میاں غلام جیلانی صاحب سجادہ نشین بانسہ شریف و شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین ردولی شریف بھی تشریف لائے۔ اب جا بجا مشورہ واسطے سجادہ نشینی کے بھی ہونے لگا۔ اکثر لوگ اتفاق رائے سیّد صاحب کی طرف کرتے تھے اور بہت سے اس کے خلاف تھے۔

(۲)

چنانچہ ایک کمیٹی بھی خاص اس معاملہ کے طے کرنے کی غرض سے ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب کے مکان میں شب کو قرار دی گئی جس میں بہت سے فقرا تہبند پوش اور اکثر رؤسا و معتقدین وغیرہ شریک تھے اول دو ایک صاحبان نے سید صاحب کی سجادگی کے واسطے اپنی رائے ظاہر کی کہ اس وقت میں سوائے سیّد صاحب کے دوسرا شخص مستحق سجادگی کا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سید صاحب حضرت قبلۂ عالم کی ہمشیرہ کے نواسے کہلاتے ہیں۔ اتنی قربت قریبہ کسی کو نہیں ہے اس رائے پر بہت سے تہبند پوش معزز اصحاب اور اہل دنیا خلاف رائے ہو کر یہ کہنے لگے کہ صاحبو یہ سجادگی کوئی جدّی میراث نہیں ہے کہ باپ کے بعد بیٹا مستحق ہے۔ یہ منزل فقر ہے حضور فخر الاولیا کو اگر گدی نشینی منظور ہوتی تو اپنی حیات میں خود وصیّت فرما دیتے جیسا کہ فقیر شاہ اور رسول شاہ کو عین وصال کے روز تہبند عطا فرما کر مرید فرمایا تھا اسی طرح حضور کسی کو سجادہ نشین بھی مقرر فرما دیتے بلکہ برعکس اس کے حضور پاک اسی دن کے خیال سے یہی فرماتے رہے کہ ہماری منزل عشق کی ہے۔ ہماری سجادگی اور گدی نشینی کچھ نہیں ہے۔ یہ پیرزادوں کے یہاں ہوتا ہے ہم سے جو محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ خواہ چمار ہو خواہ بھنگی ہو۔ بھلا یاروسوچو تو کہ جب حضور خود ہی اس سجادگی کو ناپسند فرما چکے پھر ہم کیوں خلاف مرشد پاک کے راہ اختیار کریں اور کیوں کسی کی گدّی نشینی منظور کریں۔ اب رہا ہر شخص کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔ آپ لوگ چاہے جس کو سجادہ نشین بنا دیجئے۔ آپ لوگوں کو اختیار رہے۔ ہم لوگ ہرگز خلاف حکم اپنے پیر مرشد کے اس سجادگی اور گدی نشینی کو منظور اور پسند نہیں کرتے۔ غرضکہ اس وقت کمیٹی برخاست ہوگئی اور کوئی بات طے نہ پائی۔

(۳)

خلاصہ یہ کہ بات سجادہ نشینی کے جا بجا بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ علاوہ چند رؤسا کے جو سیّد صاحب کے واسطے اتفاق رائے کرتے تھے۔ باقی عام فقرا و مریدین خاص بالکل خلاف رہے۔

(۴)

آج انتظام پخت و پز بھی کل فاتحہ سیوم کے واسطے ہونا شروع۔ بادشاہ حسین خاں صاحب اور راجہ دوست محمد خاں صاحب اور شیخ عنایت اللہ صاحب اور راجہ محمد شیر خاں صاحب وغیرہ وغیرہ نے واسطے تقسیم پخت کے پانچ سو روپیہ چودھری ظہیر الدین صاحب کو دیا کہ آپ لکھنؤ سے مائدہ و شکر و گھی و چاول وغیرہ فوراً منگوا کر انتظام پخت شروع کرا دیں۔ چنانچہ چودھری صاحب نے نہایت

Marfat.com

ہی مستعدی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ تمام جوار میں دور دور حفاظ و قرآن خوان لوگوں کو خبر فاتحہ سیوم پہنچا دی گئی تھی جو رات ہی سے آنا شروع ہو گئے تھے اور مزار شریف پر ایک مجمع کثیر ہزار ہا حفاظ کا رات ہی سے ہونے لگا۔ قرآن خوانی رات ہی سے شروع ہو گئی۔ صدہا شمعدان جابجا روشن کر دیئے گئے۔ ہزار ہا مریدین نے قرآن پاک ہدیہ لا کر حضور کے نام پر تقسیم کرنا شروع کیے۔

۳۔ صفر یوم یکشنبہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء

تہ بندی کی رسم!

(۱)

آج علی الصبح مزار شریف پر تمام صحن مکان میں و دیگر مقامات پر فرش بچھایا گیا۔ حاضرین کا مجمع صبح سے ہونا شروع ہو گیا۔ قریب دس بارہ ہزار آدمی کے اس وقت مجمع مزار شریف پر ہو گیا۔ قرآن خوانی تو تمام شب ہوا کی۔ ہزار قرآن پاک صبح ہوتے ہوتے ختم ہو گئے نو بجے صبح کو قل کا وقت مقرر کیا گیا۔ اس وقت میاں معروف شاہ صاحب کوٹھے پر سیّد صاحب کے پاس بلائے گئے اور ان سے چند معاہدات بہ حلف کیے گئے اور ان کو اس امر پر مستعد کر دیا کہ آپ بعد قل ختم ہونے کے تہمت سید صاحب کو باندھ دیں۔ معروف شاہ صاحب نے خلاف رائے شب کے اس وقت اقرار کر لیا۔ غرضکہ نو بجے قل شروع ہوا حضار مریدین و معتقدین نے اپنے حسب حوصلہ کسی نے شیرینی اور کسی نے شربت بنوا کر محفل میں حاضر کیا۔ صدہا گھڑے شربت اور منوں مٹھائی کا ڈھیر لگ گیا۔ بعد اختتام قل کے میاں بیدم شاہ اور مولوی احمد شاہ نے بہ خوش الحانی سلام پڑھا جس کے پڑھنے سے تمام محفل میں واویلا مچ گیا۔ بعد ازاں دیکھا گیا کہ ایک سینی میں تہمت کوٹھے پر سے سیّد صاحب کے واسطے آیا اور وہ سینی محفل میں رکھی گئی اور میاں غلام جیلانی صاحب و شاہ التفات احمد صاحب وغیرہ بیرزادگان صاحبان سے کہا گیا کہ آپ بھی شریک تہبندی ہوں انھوں نے فرمایا کہ ہمارے پیران طریقت میں دستار بندی کا طریقہ ہے۔ تہبند تو وہی شخص بندھوا سکتا ہے جو تہمت پوش ہو۔ چنانچہ معروف شاہ صاحب مع سید صاحب کے صحن مکان محفل سے اُٹھ کر اندر دالان میں پچھم طرف یعنی مزار شریف کے قریب داہنے طرف آ کر کھڑے ہوئے اور سینی بھی لائی گئی۔ معروف شاہ نے سید صاحب کا انگرکھا اور ٹوپی وغیرہ اُتروا کر مخدوم حجام کو حوالہ کیا اور بعد اس کے سینی سے تہ بند نکالا جو زرد رنگ کا تھا۔ تہبند کو مزار شریف پر معروف شاہ صاحب نے رکھ کر دونوں ہاتھوں سے مثل مس کرنے خوب وا ما بعدہ قبر شریف سے اُٹھا کر اپنے بائیں طرف سینۂ قلب پر دونوں ہاتھ سے خوب زور کے ساتھ دبا کر یعنی مس کر کے پھر سید صاحب کے باندھ دیا۔ اس کے بعد حاضرین محفل کو مخاطب کر کے بطریق اسپیچ در بارۂ عمل درآمد حسب اقرار باہمی جو سید صاحب نے حلف درمیان دے کر کیا تھا۔ بیان کرنا شروع کیا جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے۔

(۲)

میں نے آج تہبند سید محمد ابراہیم صاحب کو بحیال منتظم آستانہ پاک قرار دے کر بندھوایا ہے نہ یہ کہ سجادہ نشینی کے خیال سے، سجادگی کی ہماری سرکار میں وصیت نہ تھی۔ نہ مجھ کو کوئی حق اس اختیار سے بندھوانے کا حاصل ہے۔ سید صاحب بطور منتظم آستانۂ پاک کے آیندہ روند کی خاطر مدارات مثل حیات حضور کرتے رہیں گے اور دیگر انتظامات سابقہ بدستور قائم رہیں گے جس

Marfat.com

طرح حیاتِ حضور میں انتظام وخدمات خدام آستانہ پاک کو حاصل تھے بدستور رہیں گے اس میں کوئی عمل جدید نہ ہوگا۔ فیضو شاہ بدستور اپنی خدمات مزار پر مقرر رہیں گے۔ کنجی کوٹھری اور کمرے کی بذریعہ بادشاہ حسین خاں صاحب فیضو شاہ کو آج ہی دے دی جائے گی فیضو شاہ کو اختیار رہے کہ اسباب اندوختہ خود کو تقسیم کردیں یا بدستور رکھیں۔ سید صاحب کو کوئی اختیار اس کے لینے کا حاصل نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا باز پرس کرسکتا ہے مستقیم شاہ صاحبہ مرحومہ کا خاندان جو پچاس برس سے حضور پاک کی خدمت میں اپنا گھر بار چھوڑ کر مع بال بچوں کے خدمت کرتا رہا ہے اور حضور پاک نے انھیں لوگوں میں اپنی عمر کو تمام کیا اور اپنا عزیز وخون جگر سمجھا اور بارہا فرمایا کہ ہمارے اہلبیت مستقیم شاہ کا خاندان ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بدستور اسی مکان میں مقیم رہیں گے۔ بوقت تعمیر مزار شریف اگر ان کا مکان زنانہ شامل ہوتا ہوگا تو پہلے ان کے واسطے مکان دوسرا بنا دیا جائے گا۔ اس وقت اس مکان سے یہ علیحدہ ہوں گے۔ ان کے حقوق تہبند اور چادریں یا نقد وجنس جو حضور نے اپنی حیات میں مقرر فرمائے ہیں بدستور ملتی رہیں گی۔ میاں بخشش علی صاحب اور شیخ مظہر علی صاحب وحافظ عبدالقیوم صاحب اور رحیم شاہ صاحب بدستور منتظم میلہ شاہ دیس رہیں گے۔" اس پر میاں مظہر علی صاحب نے جواب دیا کہ میرا نام نکال ڈالیے میں اب تعلق میلہ وغیرہ کا نہیں رکھتا۔ غرضکہ اسی طرح تمامی انتظامات سابقہ کو بدستور قائم رہنے کا اعلان معروف شاہ صاحب نے کیا۔

(۳)

بعد ختم اس رسم کے محفل برخاست ہوئی۔ سید صاحب کوٹھے پر تشریف لے گئے اسی وقت عوام الناس مرید ہونا شروع ہوئے اور نذریں بھی گذرنا شروع ہوگئیں چھ بجے تک قریباً باون روپیہ کے نذر میں آیا جس کو سید صاحب نے فیضو شاہ کے سپرد کیا۔ واضح ہو کہ بعد وصال حضور پاک شبانہ روز مزار شریف پر صدہا قل اور میلاد شریف ہوا کیے جو خدام اور معتقدین سے آتا وہ اپنے حسب حوصلہ قرآن خوانی یا میلاد شریف کرا کے قل کراتا تھا۔ چنانچہ چودھری لطافت حسین صاحب رئیس رامدانہ جن کو خدمتِ باری خور د و نوش آیند و روند یا باورچی خانہ سرکاری میں بھی نصیب تھی ان کو سہواً لوگوں نے فاتحہ سیوم کے مصارف میں شریک نہ کیا جس کی وجہ سے سخت ملال چودھری صاحب کو ہوا اور انھوں نے علیحدہ بطور خود قل کیا۔ سو روپیہ کی شیرینی منگوا کر اور ایک چادر نیم زری کی نہایت بیش قیمت مزار پر ڈال کر فاتحہ قل کرایا۔ اسی طرح بہت سے خدام نے بطور خود علیحدہ قل کرائے۔ نام بنام کہاں تک لکھوں۔ اکثر معتقدین نے مزار شریف پر اپنی طرف سے دو دو ایک ایک حفاظ دوامی دوازدہ ماہ کے واسطے برائے ایصال ثواب روح پرفتوح کے قرآن خوانی کو مقرر کردیئے جو ہمیشہ پڑھتے رہیں گے۔ غرضکہ ہر ملّت اور مذہب کے لوگ حضور پُرنور کے وصال سے متاسف تھے اور رسم تعزیت ہر فرقے کے لوگ آتے تھے ونیز حکام وامراء یورپین کے اکثر خطوط تعزیت بنام سید صاحب ومعروف شاہ صاحب ورحیم شاہ صاحب وشاہ فضل حسین صاحب وغیرہ آنے لگے۔ غرضکہ یہ مجمع آمد ورفت مریدین ومعتقدین کا جاری رہا اور قل وقرآن خوانی ہوتی رہی۔

(۴)

حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ

ہیں زیر مزار خواب راحت میں حضور
اب بھی ہے مگر فیض سے عالم معمور

Marfat.com

یہ منزِ خفی ہے عین اعلان ظہور　　فانوس میں شمع ساری محفل میں نور

(دیگر)

تھے نور خدا نور خدا میں ہوئے شامل　　کیا مرتبۂ قرب ہوا آپ کو حاصل
کیا راہ تھی ہوتے ہی رواں ہوگئی منزل　　نقطے کی طرح دائرے میں ہوگئے داخل

ممکن نہیں اب موج جدا ہو لبِ جو سے
کیا رنگ بلا رنگ میں تو مل گئی بو سے

تعلیماتِ وارث رح

۱۔ فرمایا :- فقیر کو چاہیئے ہر حال میں خوش رہے اور زندگی کے دن کاٹ دے۔ تکلیف ہو تو شکایت نہ کرے اور آرام ہو تو شکر بجا لائے۔

۲۔ فرمایا :- فقیر کو چاہیئے نہ تکلیف سے گھبرائے اور نہ شکایت کرے۔ کیونکہ محبوب کی دی ہوئی چیز سے گھبرانا محبت کے منافی ہے اور محبوب کی شکایت مشربِ عشاق میں کفر ہے۔

۳۔ فرمایا :- بڑی فقیری یہ ہے کہ مر جائے مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔

۴۔ فرمایا :- فقیر کو چاہیئے کسی کی چیز کو خیانت کی نظر سے نہ دیکھے۔

۵۔ فرمایا :- فقیر وہ ہے جو اکتنگ رہے۔

۶۔ فرمایا :- فقیر وہ ہے جو اپنی بستی میں رہ کر خویش و اقربا کا ممنون نہ ہو۔

۷۔ فرمایا :- فقیر کو لازم ہے کہ بجز خدا کے کسی پر بھروسہ نہ کرے۔

۸۔ فرمایا :- فقیر جہاں رہے لاطمع رہے۔

۹۔ فرمایا :- بڑی بات یہ ہے کہ فقیر اپنی بستی میں نیک نام ہو۔

۱۰۔ فرمایا :- مقام فقر بہت بڑا مقام ہے۔

۱۱۔ فرمایا :- سلسلۂ فقر اہلبیت کرام علیہم السلام سے ہے۔

۱۲۔ فرمایا :- فقیری بی بی فاطمہ سے ہے اور امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے یہ فیض جاری ہوا۔

۱۳۔ فرمایا :- فقیر وہ ہے جو انتظام سے علیحدہ ہو۔

۱۴۔ فرمایا :- فقیر وہ ہے جس کے پاس بجز خدا کے کچھ نہ ہو۔

۱۵۔ فرمایا :- فقیر وہ ہے جو کسی چیز کا مالک ہو اور نہ خود کسی ملک میں ہو۔

۱۶۔ فرمایا :- فقیر کو چاہیئے نہ کسی کے لیے دعا کرے نہ گنڈا تعویذ کرے

Marfat.com

۱۷۔ فرمایا :۔فقیر وہ ہے جس کی کوئی سانس خالی نہ جائے (عرض کیا گیا کس سے سانس خالی نہ جائے) فرمایا کہ اللہ سے۔

۱۸۔ فرمایا :۔جو شخص اپنا کام آپ کرنا چاہتا ہے۔ تو اللہ میاں بھی علیحدہ ہو جاتے ہیں اور جو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے تو اس کے کام کو پورا کرتا ہے۔ لازم ہے کہ جو کام کرے اللہ کے بھروسے پر کرے۔

۱۹۔ فقیر کو لازم ہے کہ دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرے اور خدا کے واسطے جان دے دے۔

۲۰۔ فرمایا :۔یقین کے ساتھ خدا کو اپنا مددگار جانو۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا۔

۲۱۔ فرمایا :۔خدا ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ خیر و شر اسی کی جانب سے ہے مگر تصدیق اس کی مشکل ہے۔

۲۲۔ فرمایا :۔خدا تم میں ہے مگر دیکھ نہیں سکتے۔

۲۳۔ فرمایا :۔ ایمان خدا کی محبّت کا نام ہے۔

۲۴۔ فرمایا :۔من و تو کا جھگڑا جائے تو خدائی کا جلوہ نظر آئے۔

۲۵۔ فرمایا :۔اپنی ہستی کو مٹانا عین فقیری ہے۔

۲۶۔ فرمایا :۔ موحد ہونا مشکل ہے۔

۲۷۔ فرمایا :۔آج کل توحید ٹکے سیر ہے بھیک مانگتے ہیں۔ بڑی چیز یہ ہے کہ مر جائے ہاتھ نہ پھیلائے۔ توحید کی قدر آج کل نہیں ہے۔

۲۸۔ فرمایا :۔عشق وہبی ہے جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا۔

۲۹۔ فرمایا :۔ محبت کر وکسب سے کچھ نہیں ہوتا محبّت ہے تو سب کچھ ہے۔ محبت نہیں تو ریاضت بیکار ہے۔

۳۰۔ فرمایا :۔ ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ یہاں بھی رہے گی اور وہی قبر میں اور وہی حشر میں ساتھ ہو گی۔

۳۱۔ فرمایا :۔محبت میں شاہ و گدا کا فرق نہیں رہتا۔ جیسے محمود و ایاز کا واقعہ ہے۔

۳۲۔ فرمایا :۔ یار کا تصوّر عاشق کی زندگی ہے۔

۳۳۔ فرمایا :۔ رضائے یار عاشق کا ایمان ہے۔

۳۴۔ فرمایا :۔جس کو اپنی خواہشات کی خبر ہے وہ عشق سے بے خبر ہے (اور ارسطو سے بھی فرمایا) عاشق یار سے خبردار اور موجودات سے بے خبر رہتا ہے۔

۳۵۔ فرمایا :۔ معشوق کی جفا کو عاشق عطا سمجھتا ہے۔

۳۶۔ فرمایا :۔ محبّت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔

۳۷۔ فرمایا :۔ ایمان محبّت کامل کا نام ہے۔

۳۸۔ فرمایا :۔ عاشق وہ ہے جو معشوق پر جان قربان کرے۔

۳۹۔ فرمایا :۔ عشق میں سر دے تو میسر ہے۔

Marfat.com

۴۰۔ فرمایا:۔ جب تک خود بینی ہے حقیقت سے حجاب رہے گا۔ خود پرستی حجاب کو بڑھاتی ہے اور مقصود سے دُور رکھتی ہے اور بیخودی حجاب کو اُٹھاتی ہے۔

۴۱۔ فرمایا: مرید اس طرح پیر سے ملے جس طرح قطرہ دریا سے مل جاتا ہے۔ جب تک قطرہ نہیں ملتا قطرہ رہتا ہے اور جب مل جاتا ہے تو وہی قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ پھر اسے کوئی قطرہ نہیں کہتا۔

۴۲۔ فرمایا:۔ انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے۔

۴۳۔ فرمایا:۔ پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے۔ جو پیر کی شکل ہے بس یہی سب کچھ ہے۔ پیر کی ذات میں فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کا مرتبہ مل جاتا ہے اور تمثیل میں مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھا ؎

چونکہ ذاتِ پیر را کردی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

۴۴۔ فرمایا:۔ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے

۴۵۔ فرمایا:۔ جس کے تصور میں مرو گے اسی کے ساتھ حشر ہوگا۔

۴۶۔ فرمایا:۔ جس کو صدق نہیں اس کا ایمان نہیں۔

۴۷۔ فرمایا:۔ جس صورت کا خیال پختہ ہو جائے گا وہی صورت بعد مرگ بھی قائم رہے گی۔

۴۸۔ فرمایا:۔ جو مرید پیر کو دور سمجھے وہ مرید ناقص ہے جو پیر مرید سے دُور رہے وہ پیر ناقص ہے۔

۴۹۔ فرمایا:۔ کسی کو بُرا نہ کہو نہ بُرا سمجھو۔

۵۰۔ فرمایا:۔ کسی کی عداوت کو دل میں جگہ نہ دو۔

۵۱۔ فرمایا:۔ دشمن سے بدلہ نہ لو۔ دشمن کے ساتھ سلوک کرو۔ حضرت شبیر خدا کی سنت ہے۔

۵۲۔ فرمایا:۔ جس دل کو محبت سے مرکز رہتا ہے اس میں عداوت کی گنجائش نہیں ہوتی۔

۵۳۔ فرمایا:۔ ہماری منزل عشق میں خلافت و جانشینی نہیں جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا خلیفہ ہے (پھر یوں بھی فرمایا ہے) کہ ہماری منزل عشق ہے جو کوئی دعوے جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں کوئی ہو، چمار ہو یا خاکروب جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔

۵۴۔ فرمایا:۔ جس کی قسمت کا جو ہے وہ اس کو ملے گا اگر زندگی میں نہیں ملا تو مرتے وقت ضرور ملے گا اور مرتے وقت نہ ملا تو اس کی قبر میں ضرور ٹھونس دیا جائے گا۔

۵۵۔ فرمایا:۔ بھائی بھائی میں باہمی محبت ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت ہے۔

۵۶۔ فرمایا:۔ خدا محض آسمان پر نہیں ہے ہم تم میں چھپ کر سب کو دھوکے میں ڈال دیا ہے بس ایک صورت پکڑ لے خدا مل جائیگا۔

۵۷۔ دنیا داری دکانداری ہے۔

Marfat.com

۵۸- فرمایا:- ہمارے یہاں مجوسی، عیسائی سب مذہب والے برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

۵۹- فرمایا:- جو کچھ ہے لگاؤ ہے۔ باقی جھگڑا سب دکھانے کی چیز ہے۔ اگر لگاؤ نہیں تو خاک۔

۶۰- فرمایا:- عاشق کے مرید صادق کا انجام خراب نہیں ہوتا۔

۶۱- فرمایا:- عاشق کے خیال پر دین و دنیا کا انتظام ہے۔ اگر عاشق کی زبان سے کوئی بات غلط بھی نکل جائے تو اس کو بھی سچ کر دیتا ہے۔

۶۲- فرمایا:- عاشق کا گوشت درندوں پر حرام ہے اس پر نہ سانپ کا زہر اثر کر سکتا ہے اور نہ شیر کھا سکتا ہے۔

۶۳- فرمایا:- عاشق وہ ہے جس کی ایک سانس بھی یاد مطلوب سے خالی نہ جائے۔

۶۴- فرمایا:- عاشق کبھی بے ایمان نہیں مرتا۔

۶۵- فرمایا:- عشق میں انتظام نہیں۔

۶۶- فرمایا:- عاشق دین و دنیا دونوں سے بے خبر و بے نیاز ہے۔

۶۷- فرمایا:- عاشق کی سانس بلا کسب و ذکر عبادت ہے۔

۶۸- فرمایا:- عاشق غافل نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کی یہی نماز اور یہی روزہ ہے۔

۶۹- فرمایا:- جب کوئی کسی کا عاشق ہوتا ہے تو اس کی کوئی سانس معشوق کی یاد سے خالی نہیں ہوتی۔

۷۰- فرمایا:- عاشق کو خدا معشوق کی صورت میں ملتا ہے۔

۷۱- فرمایا:- محبت میں ادب اور بے ادبی کا فرق نہیں۔

۷۲- فرمایا:- محبت وہ چیز ہے جس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

۷۳- فرمایا:- محبت ہے تو ہم ہزار کوس پر بھی تمہارے ساتھ ہیں۔

۷۴- فرمایا:- محبت میں بے ادبی عین ادب ہے۔

۷۵- فرمایا:- محبت عین ایمان ہے

۷۶- فرمایا:- فقر کم مشائخ زیادہ ہوتے ہیں۔ چونکہ منزل عشق سخت و دشوار گزار ہے اس لیے طالب اس راستے کو مشکل سے پسند کرتے ہیں

۷۷- فرمایا:- جس کو سب شیطان کہتے ہیں۔ اس راہ میں وہ دوست بن جاتا ہے۔ دشمنی نہیں کرتا۔

۷۸- فرمایا:- لا الٰہ الا اللہ زبانی کہنا اور ضرب لگانا اور بات ہے۔ بے دیکھے کسی چیز کا خیال محال ہے۔ دیکھ کے عاشق ہونا ممکن ہے۔

۷۹- فرمایا:- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس چرواہے کو اپنی شریعت کی رُو سے منع کیا۔ سو وہ ناپسندیدہ ہوا اور اس کا دم خلاف شرع کرنا اس کا پسند ہوا۔ اس کو دل سے تعلق ہے۔

Marfat.com

۸۰- فرمایا:- عاشق جو کچھ معشوق کی نسبت کہے بجا و درست ہے اور جو کچھ تعظیم کرے وہ سزاوار ہے۔ اور معشوق جو کچھ عاشق کی نسبت کہے وہ مقام رضا و تسلیم ہے۔ عاشق کو چارہ نہیں اور عاشق اپنے معشوق کی تعریف ہر پہلو سے کر سکتا ہے نہ وہ گنہگار رہے نہ اس پر عذاب و ثواب ہے۔ لیلی را بچشم مجنوں باید دید پس دوسرا وہ آنکھ نہیں پا سکتا۔

۸۱- فرمایا:- مذہب عشق میں کفر و اسلام سے غرض نہیں۔ جو کچھ ہے معشوق ہے۔

۸۲- فرمایا:- زبانی پڑھنا لکھنا اور ہے اور دل سے محبت اور ہے زبانی پڑھنے لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ محبت عجب چیز ہے۔

۸۳- فرمایا:- عشق کی اُلٹی چال ہے جس کو پیار کرتا ہے اسی کو جلاتا ہے جس کو پیار نہیں کرتا اس کی باگ ڈھیلی کر دیتا ہے۔

۸۴- فرمایا:- تمام صفات عشق ذات میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس میں گم ہو جانے ہی کو وصال کہتے ہیں اور خودی میں نہ رہنا ہی کمال ہے۔ عشاق جب اس درجہ پر پہنچتے ہیں تو اپنی ہستی کو نیست کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب آفتاب فلک پر نور افشاں ہوتا ہے تو ستارے مخلوق کی نگاہ سے کالعدم ہو جاتے ہیں جس طرح کواکب کا وجود آسمان پر ہے اسی طرح عاشق کا وجود معشوق میں ہے بمصداق مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (جو اللہ کا ہوا، اللہ اس کا ہوا) عاشق و معشوق ایک ذات ہو جاتے ہیں۔ بس اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ وہ آفتاب حقیقی تمام انوار و اوصاف عشاق کو اپنے میں جذب کر لے۔

۸۵- فرمایا:- باوجود اقتدار، خدا کے واسطے ایک عضو خاص کو بیکار کر دے۔ اور کام نہ لو۔ شیطان کو بغل میں رکھ کر یاد خدا کرنا بڑا کام ہے۔ از نفس خود سفر کردن بڑی منزل ہے۔

۸۶- فرمایا:- عشاق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر حال میں ایک حال ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز سے ہر مخلوق سے جو چاہیں کرا دیں۔

۸۷- فرمایا:- لنگوٹ بند وہ ہے جو تمام عورتوں کو اپنی ماں بہن کے مثل جس طرح جانتا ہے۔ اسی طرح خواب میں بھی وہ کسی عورت کو نفسانی خواہش کے ساتھ نہ دیکھے۔

۸۸- فرمایا:- جو طمع میں گھر جائے وہ ہمارا نہیں ہے۔

۸۹- فرمایا:- بڑی فقیری یہ ہے کہ ہاتھ نہ پھیلے۔ بلا مانگے دے تو لے لے۔

۹۰- فرمایا:- فقیر کا کوئی گھر نہیں اور سب گھر فقیر کے ہیں۔

۹۱- فرمایا:- معشوق کا ترسانا اور حجاب و عتاب ہی تو رحم و فضل ہے۔

۹۲- فرمایا:- تسلیم و رضا جب ہے کہ شر کو بھی خیر سمجھے اور خیر تو خیر ہی ہے اور تکلیف بھی عاشق و معشوق کا راز و نیاز ہے۔

۹۳- فرمایا:- جو تم سے محبت کرے اس سے محبت کرو۔ نہ کسی کے حق میں دعا کرو نہ بد دعا تم رضا و تسلیم کے بندے ہو۔

۹۴- فرمایا:- تسلیم و رضا بی بی فاطمہ رضؓ اور دونوں صاحبزادوں کا حصہ ہے۔

۹۵- فرمایا:- حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک رضائے معشوق کے لیے تمام خاندان کو میدان کربلا میں شہید کرا دیا۔

Marfat.com

کوئی کیا سمجھ سکتا ہے رمز عاشقی و معشوقی نازک ہے۔

۹۶۔ فرمایا:۔ انسان جس چیز کو مضبوط پکڑے اور اس پر رک جائے۔ وہی خدا ہے۔

۹۷۔ فرمایا:۔ نفوس کو ذائقہ موت ہے اور روح کو ذائقہ موت نہیں، قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یہ نہیں فرمایا کُلُّ رُوحٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔

۹۸۔ فرمایا:۔ عشق تین حرفوں سے مرکّب ہے۔ ع۔ش۔ ق۔ عین سے عبادت الٰہی مقصود ہے۔ شین سے پابندی شرع شریف۔ قاف سے قربانی نفس۔

۹۹۔ فرمایا:۔ عاشق کی ابتدا میں عین ہے اور شرع کی آخر میں عین ہے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو کوئی شرع شریف کے درجات کو آخر تک طے نہ کرے وہ عشق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ کمال عشق یہ ہے کہ عاشق سے معشوق ہو جائے۔ عاشق وہی ہے جو ذات معشوق میں محو ہو جائے۔

۱۰۰۔ فرمایا:۔ عشق ایک بے نظیر معشوق ہے اور محبوب کی محبت کے اثرات اس میں کیمیا کی خاصیت رکھتے ہیں۔

۱۰۱۔ فرمایا:۔ جس کو معشوق چاہتا ہے عشق کی زنجیر میں جکڑ دیتا ہے۔

۱۰۲۔ فرمایا:۔ کمال عشق یہ ہے کہ عاشق سے معشوق ہو جائے۔

۱۰۳۔ فرمایا:۔ علم وہی حاصل کرنا چاہیئے جو مرنے کے وقت کام آئے اور وقت موت زبان سے نکلے۔ اگر زبان سے کلمہ ادا نہ ہو تو علم کس کام آیا۔

۱۰۴۔ فرمایا:۔ موحدین شیطان و رحمان میں فرق نہیں کرتے اور عشاق شیطان کو برا نہیں کہتے بلکہ واقعہ ابلیس خاص قسم کا ایک سبق ہے۔ لیکن شریعت کی رو سے ابلیس نے یہ غلطی ضرور کی کہ آدم کو غیر سمجھا خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کا خیال نہ کیا۔

۱۰۵۔ فرمایا:۔ ہر شخص پر پابندی شریعت اور اتباع سنت لازم ہے۔

۱۰۶۔ فرمایا:۔ شجرہ وغیرہ ایک رسمی چیز ہے۔ یہاں دل کے شجرہ سے کام ہے۔

۱۰۷۔ فرمایا:۔ محبت کرو محبت ہی سب کچھ ہے۔ بے محبّت نماز روزہ بھی سب بیکار۔ دیکھو واقعہ کربلا کو لوگ نماز پڑھتے تھے روزہ بھی رکھتے تھے۔ مگر دل میں محبّت آل عبا کی نہیں تھی۔ تب تو خاص پر کمر باندھ لینا اس ہوئے۔

۱۰۸۔ فرمایا:۔ جس پر سِرّ توحید منکشف ہو جاتا ہے وہ جانتا ہے۔ زبان سے اس کا راز ادا ہونا مشکل ہے۔

۱۰۹۔ فرمایا:۔ اگر شوق کامل اور طلب صادق ہے تو ہر ذرہ میں حبیب کی دید نصیب ہو سکتی ہے۔

۱۱۰۔ فرمایا:۔ مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی۔ جو یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہے۔

۱۱۱۔ فرمایا:۔ علماء ظاہر کی الٹی چال ہے۔ جو دیکھ کے سجدہ کرے اُسے کافر کہتے ہیں اور جو بے دیکھے سجدہ کرے اسے مومن۔

Marfat.com

۱۱۲۔ فرمایا:۔ عاشق وہی ہے جو ذاتِ معشوق میں محو ہو جائے۔

۱۱۳۔ فرمایا:۔ عاشقی ایک ملامت ہے انسان دین و دنیا سے گذر جاتا ہے اور فراق میں مرجاتا ہے۔ اسی فراق میں تو مزا آتا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔

۱۱۴۔ فرمایا:۔ عشق میں ترک ہی ترک ہے۔ ترک دنیا۔ ترک عقبیٰ۔ ترک مولیٰ۔ ترک ترک اور اپنا فراق ہے۔

۱۱۵۔ فرمایا:۔ خیال میں صورتِ معشوق نقش کرنا چاہیئے۔ جو صورت نقش ہو گئی۔ وہی بعد مرگ بھی قائم رہتی ہے بلکہ اسی کے ساتھ اس کا حشر ہو گا۔

۱۱۶۔ فرمایا:۔ عاشق جس خیال میں مرتا ہے وہی خیال اس کا حشر و نشر قیامت و دوزخ و بہشت بلکہ کثرتِ جذب میں وہ خود ہی ہو جاتا ہے۔ جس کو عشق و محبت نہیں وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ اس راہ میں چل سکتا ہے۔

۱۱۷۔ فرمایا:۔ منزل عشق میں ذات صفت ہو جاتی ہے اور صفت ذات۔

۱۱۸۔ فرمایا:۔ جس نے جان قربان نہیں کی وہ عاشق نہیں۔ لیلےٰ کے ہزاروں اور یوسف کے لاکھوں چاہنے والے تھے۔ مگر یہ مجنوں اور زلیخا ہی کا حصہ تھا۔ جس جس کا حصہ ہوتا ہے وہی پاتا ہے۔

۱۱۹۔ فرمایا:۔ علم اور چیز ہے عشق اور چیز ہے۔ جہاں حضرت عشق آئے وہاں علم اور عقل کا کام نہیں رہتا۔

۱۲۰۔ فرمایا:۔ معرفت کسبی چیز نہیں ہے محض وہبی ہے۔ جس کو خداوند کریم اپنی معرفت بخشے۔ کسی کا اجارہ نہیں۔

۱۲۱۔ فرمایا:۔ سُنا سنا آنکھ بند کرنے سے اور سانس روکنے سے اور حق حق کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ وہبی چیز ہے۔ جس کو چاہے خدائے پاک اپنی دولت معرفت دے دے۔ یہاں کسب کا کام نہیں۔

۱۲۲۔ فرمایا:۔ شریعت ایک انتظامی بات ہے اگر انتظام نہ ہوتا تو سب کام بگڑ جاتے۔ اُن بولتے کو تو سبھوں نے پوجا۔ مگر اس بولنے کو کوئی نہیں پوجتا ؎

بولتا تھا نار میں اور نُور میں — تھا انا لحق بولتا منصور میں
بولتا ہی احمد مختار تھا — بولتا ہی حیدر کرار تھا
بولتے کو بولتے کی چاہ ہے — بولتے میں دیکھو تو اللہ ہے
بولتا گر جسم سے جاتا رہا — پھر کسی سے بول کیا ناتا رہا

۱۲۳۔ فرمایا:۔ انا الحق سب پکارتے ہیں اور فنا فی اللہ بھی ہونے کو موجود ہیں۔ مگر انا الشیطان یا لا یزید کو نہیں بولتا۔ یہ بات مشکل ہے۔

۱۲۴۔ فرمایا:۔ نقل کو دیکھنے سے کیا ہوتا ہے اصل کو دیکھنا چاہیئے۔

۱۲۵۔ فرمایا:۔ جو خدا پر بھروسہ رکھتا ہے اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

۱۲۶۔ فرمایا:۔ مسجد، مندر، گرجا میں جہاں جائے سوائے ایک شان کے اور کچھ نہ دیکھے۔

۱۲۷۔ فرمایا:۔ اپنے میں جو سانس چلتی ہے یہی ذات ہے بس اس کی تصدیق مشکل ہے۔

Marfat.com

۱۲۸- فرمایا:- تصدیق ہزاروں میں ایک کو ہوتی ہے ہر شخص کا حصّہ نہیں۔ پھر اس کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔

۱۲۹- فرمایا صاحب توحید ہونا آسان ہے مگر صاحب تصدیق ہونا مشکل ہے۔

۱۳۰- فرمایا:- جس کو یہاں تصدیق نہیں وہ کعبہ جا کر کیا کرے گا۔ وہاں جا کر سوائے پتھر کے اور کیا دیکھے گا۔ خدا تو ہر جگہ ہے کعبہ توجہ

۱۳۱- فرمایا:- محبت سے کچھ نہیں جب تک دلی تصدیق نہ ہو۔

۱۳۲- فرمایا:- نماز روزہ اور ہے۔ تصدیق اور ہے۔ اگرچہ تصدیق مانع صلوٰۃ نہیں۔ مگر حالت ضرور قابل لحاظ ہے۔

۱۳۳- فرمایا:- کتابیں پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تصدیق اور چیز ہے۔

۱۳۴- فرمایا:- یقین اعتقاد کی روح ہے جس میں یقین کی کمی ہے۔ اس میں اعتقاد کی کمی ہے۔

۱۳۵- فرمایا:- جس کے دل میں یہ رہے کہ دیکھیے یہ کام ہو کہ نہ ہو وہ کام نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ دُبدھا میں پڑا ہے۔ نہیں بلکہ ضرور ہو گا۔

۱۳۶- فرمایا:- خدا پر بھروسہ ہے تو وہ خود تمہارا سامان کردے گا۔

۱۳۷- فرمایا:- جس کی نظر دوست پر ہے۔ اس کا کوئی دشمن نہیں۔

۱۳۸- فرمایا:- شرط انصاف یہی ہے کہ سونے چاندی کے ہم وزن شیرینی خریدی جائے۔

نوٹ: حضور پاک اپنی دادی صاحبہ کے پاس سے اکثر اشرفیاں لاتے اور مسمی لوکئی حلوائی کو دیتے اور اس وزن کے برابر بتاشے لے کر بچوں کو تقسیم فرماتے تھے۔

۱۳۹- فرمایا:- مال و زر فقیر کو نہیں چاہیئے۔

۱۴۰- فرمایا:- مشائخ عظام کے طریقوں کے متعلق فرماتے تھے۔ وہ طریقے انتظامی ہیں۔ اگر انتظام نہ ہو تو سب کھیل بگڑ جائے۔ سب ایک سے ہو جائیں۔

۱۴۱- فرمایا:- جو خدا کل امراض دور کر سکتا ہے۔ وہ بھوک اور پیاس کی زحمت کو بھی مٹا سکتا ہے۔

۱۴۲- فرمایا:- اہل و عیال والے کی نسبت اکثر فرمایا ہے کہ میری وجہ سے دنیا کو نہ چھوڑ۔ تیری دنیا داری عبادت ہے۔

Marfat.com

حصّۂ سوم

Marfat.com

کتاب مکمل ہو چکی تھی کہ تاریخ مشائخ چشت اور بعض دوسری کتابوں سے کچھ اور بزرگوں کے مستند اور سبق آموز حالات دستیاب ہوئے۔ انھیں بھی میں نے مناسب قطع و برید اور حذف وتلخیص کے بعد درج ذیل کر دیا ہے۔ تاکہ یہ نیا تذکرہ ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔

۲۱ر نومبر ۱۹۵۵ء

رئیس احمد جعفری

Marfat.com

حضرت ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخش رح

اسم گرامی ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الغزنوی ہجویری الجلابی اللاہوری ہے۔ ہجویر اور جلاب غزنین کے دو قریے ہیں شروع میں ان کا قیام یہیں رہا۔ اس لیے ہجویری اور جلابی کہلاتے۔ آخر زندگی لاہور میں آکر رہے۔ اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے۔ پیدائش سنہ ۴۰۰ھ میں بتائی جاتی ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ علی بن سید عثمان بن عبدالرحمن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن علی المرتضیٰ۔

ان کے ابتدائی حالات اور تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے۔ مگر کشف المحجوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی علمی استعداد غیر معمولی تھی۔ ملا جامی ان کے علمی تبحر کے معترف ہیں۔ ان کے شیخ کا نام ابوالفضل بن حسن ختلی ہے۔

روحانی کسب کمال کے لیے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، کہستان۔ آذربائیجان، طبرستان، خوزستان کرمان، خراسان، ماوراالنہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے اولیائے عظام مثلاً ابوالقاسم قشیری، ابوالقاسم گرگانی در ابوسعید ابوالخیر کی روح پر در صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے۔

اس سیر و سیاحت کے بعد لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت نظام الدین اولیا سے روایت ہے کہ وہ لاہور اپنے مرشد کے حکم سے آئے۔ ان کے آنے کے قبل ان کے پیر کے مرید شیخ حسین زنجانی لاہور میں مقیم تھے مگر جس شب کو وہ لاہور پہنچے اسی شب میں شیخ زنجانی نے انتقال فرمایا۔

آخر زندگی تک لاہور میں قیام پذیر رہے اور یہیں دفن ہوئے۔ سن وفات ۴۶۵ھ ہے انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح نے ان کی قبر پر چلہ کیا۔ اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے۔ عوام داتا گنج بخش کہتے ہیں۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی۔ جو ان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے۔ آپ کا مزار پر انوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے۔

Marfat.com

کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ (۱) منہاج الدین (اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے۔ بقیہ کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں۔ (۲) کتاب الفناء والبقاء۔ (۳) اسرار الخرق والمؤنات۔ (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ۔

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے۔ ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیا کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا۔ حضرت شرف الدین یحیٰی منیری اپنے مکتوبات کا جا بجا ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کی تصنیف لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے۔ ملا جامی رقمطراز ہیں:۔

"کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور فن است و لطائف وحقائق درآں کتاب جمع کردہ است۔"

دارا شکوہ لکھتے ہیں:۔

حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است، و ہیچ کس را بر آں سخن نیست شدی است کامل۔ در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتاب تصنیف نشدہ۔

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو شیخ ہجویر سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے اس لیے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک، مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہو۔ پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق۔ اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے۔ وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے۔ بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا۔ (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لیے صحیح نیت رکھنا۔

ہجویری کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے۔ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں:۔

۱۔ خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم، یعنی وہ ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت۔ اس کا کوئی مثل نہیں۔

۲۔ خداوند تعالیٰ کی صفات کا علم، یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم۔ وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں:۔

۱۔ کتاب۔

۲۔ سنت۔

۳۔ اجماع امت۔

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم۔ ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے۔ شیخ نے دونوں علموں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہو گیا۔

دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے اس میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے۔ نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مالدار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو۔ بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو کیونکہ فقیر جتنا تنگدست ہوگا اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا اور اسرار زیادہ منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا ہے اتنا ہی اس کی زندگی الطافِ حقیقی اور اسرارِ روشن سے وابستہ ہو جاتی ہے اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایک فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے۔ بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندے کے درمیان مشترک ہو ضرور پائی جائے گی اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں۔ شیخ ہجویریؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے۔ مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ کی صفت قدیم ہے اور خلق کی صفت حادث ہے اس لیے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں۔ غنی خدا کے منجملہ اور ناموں کے ایک نام ہے۔ یہ اسی کے لیے زیبا ہے۔ بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا، سبب سے بے نیاز ہے۔ خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس

Marfat.com

سے ماوراء ہے۔ اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں۔ وجود بشری کو حاجت لازم ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد ہجویری رحؒ نے غنا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے جو ایک بندہ کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں۔

مگر ہجویری رحؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں۔ الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے۔ اس لیے غنی باللہ فاعل ہے اور اغناہ اللہ مفعول ہے۔ فاعل بالذات تمام ہوتا ہے اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے نعمت ضرور ہے مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح آفت ہے، جس طرح فقر میں حرص اس لیے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو غافل نہ ہونا چاہیے۔ اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیے۔ ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے اس لیے فقر غنا سے بہتر ہے اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر و فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے۔ مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے اور اس کا نفس آفت سے معصوم ہو اور وہ فرائض کا پابند ہو۔ ہجویری رحؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے اس کو ظاہر نہ کرے اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں۔ اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے۔ یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوری فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے اور خرچ کے لیے بے چین ہو۔ شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے۔ ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے۔ اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا۔ مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا۔ اس لیے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے اس کو وہ دوسروں کو دے کر جلد اپنے لیے جدا کر دیتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا ہے اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا۔ اس لیے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے اس لیے اس نام سے منسوب ہوا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صفِ اول میں رہتا ہے۔ اس لیے اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ اسم صفا سے مشتق ہے۔ اسی طرح اور توجیہات بھی ہیں۔ مگر ہجویری رحؒ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں

Marfat.com

دو: اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب بنا لینا ہے اور طبیعت کی آفتوں سے پاک و صاف ہو جانا ہے۔ اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو۔ کیونکہ تصوّف باب تفعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے۔ یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوّف کے اصل معنی ہیں۔

اہل تصوف کی تین قسمیں قرار دی ہیں:۔

۱۔ صوفی جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات پر بقا حاصل کرتا ہے اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

۲۔ متصوف:۔ جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے۔

۳۔ مستصوف:۔ جو محض مال و منال اور جاہ و حشمت کے لیے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے۔

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحب اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔ دوسری فصل میں ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کیے ہیں جن سے ان کے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت حسن نوری فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو۔ یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اوّل اور درجہ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصری کا قول ہے کہ تصوّف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے۔ ہجویری نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے۔ کیونکہ دوستی میں موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے اور جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی۔ اس لیے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے۔

حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزّو جل کے سوا کوئی چیز نہ دیکھے۔ ہجویریؒ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا۔ اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا

اس بحث میں ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوّف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جس سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے۔ یعنی تصوّف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسمٰعیلؑ کی ہو۔ صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت ذکریاؑ کے ہوں، غربت حضرت یحییٰ کی ہو، سیاست حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰ کا ہو اور فقر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

تیسری فصل میں ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے۔ علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا۔ رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا۔ مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے۔ اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں۔

Marfat.com

۱۔ خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا۔

۲۔ بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف و عوض نہ چاہنا۔

۳۔ نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں پر بحث کی ہے۔ صوفی سنتِ رسولؐ کی پیروی میں کمبل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے۔ مگر گدڑی پہننے کے لیے ہجویریؒ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں۔ گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا، اللہ کا عاشق ہونا چاہیئے اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے جبکہ اس کو مشائخ پہنائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ موخر الذکر اول الذکر سے ایک سال خدا کی خدمت لیں اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں، خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو اور ان کی خدمت اپنے لیے واجب سمجھتا ہو۔ مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو۔ خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبٰے کے مزے کو ترک کر دیتا ہو اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو۔ دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو اس سے تمام غم دور ہوں اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے۔ گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

چھٹا باب ملامت پر ہے ہجویریؒ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے۔ اس کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست۔ پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو۔ لیکن وہ اس کی پروا مطلق نہ کرتا ہو۔

مثلاً شیخ ابو طاہر حرمی ایک بار بازار میں جا رہے تھے ایک شخص نے ان سے کہا "اے پیر زندیق کہا جاتا ہے"۔ ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا۔ مگر انھوں نے روک دیا۔ اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے جن میں ان کو کسی میں شیخ زکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اور فرمایا ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے۔ مگر یہ سب اسم نہیں ہیں۔ القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لیے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔ مثلاً ابو یزید رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے تو لوگوں نے بہت اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا۔ اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے۔ انھوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے اور ان سے برگشتہ ہو گئے۔ ابو یزید نے قصداً ایسا کیا تاکہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

Marfat.com

تیسری یہ کہ وہ ضلالت، گمراہی پر مبنی ہو اور اسے خلق کی ملامت لے ڈرنے بازآنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو۔ یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو۔ جو ہجویری کے نزدیک صحیح نہیں۔

شیخ ہجویری ؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لیے ایک تر وتازہ باغ دوستوں کے لیے ایک مایۂ ناز تفریح مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے سرور ہے۔ اور آخر میں خود اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزید کے مزار پر تین مہینے حاضر رہا۔ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا۔ آخر میں وہاں سے اُٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں صوفیا کی ایک جماعت نظر آئی۔ میں اس جماعت کی نگاہ میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا۔ ان میں سے کچھ کہنے لگے یہ ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انھوں نے مجھے ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے۔ کھانے کے وقت مجھ کو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد تمسخر سے خربوزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے۔ اور طنز کی باتیں کرتے تھے۔ مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے۔ اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ذلت اُٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا۔ اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔

اس کے بعد پورے سات ابواب میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام اہل بیت، اہل الصفہ، تبع تابعین، آئمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے جو دھواں باب نہایت اہم ہے۔ اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقاید پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں تفصیل غالباً مناسب نہ ہو گی۔

پہلا فرقہ محاسبیہ ہے جو عبداللہ بن حارث کی جانب منسوب ہے۔ حارث کا عقیدہ تھا کہ "رضا" مقامات میں سے نہیں، احوال سے ہے۔ ہجویری ؒ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ خداوند تعالےٰ کی رضا بندہ سے۔

۲۔ بندوں کی رضا خداوند تعالےٰ سے

بندوں سے خداوند تعالےٰ کی یہ رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے اور خداوند تعالےٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔ خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف وہیبت میں ایسے ہی لذت محسوس کرتے ہیں جیسے اس کے لطف وکرم سے حظ اٹھاتے ہیں۔ اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں رہتا ہے اور یہ محض اس لیے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں۔ بس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہو) پر راضی رہتے ہیں۔ یہ معرفت ہے۔ دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں۔ وہ دنیا والے ہیں۔ تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں۔ یہ رنج ہے۔ چوتھے

Marfat.com

ئو ان مقامات کی قید سے نکل کر صرف خدا وند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں ۔ یہ محبت ہے ۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے ۔ اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں ۔ جو خلق کی ملامت کو تزکیہ نفس کے لیے ضروری سمجھتے ۔ ملامت پر بحث پیچھے گذر چکی ہے ۔ اسی لیے ہجویری رح نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے ۔

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے ۔ اوّل الذکر کے پیشوا امام ابوالقاسم الجنید بن محمد ہیں ۔ پہلے گروہ کا عقیدہ سُکر اور دوسرے کا محو پر مبنی ہے ۔ اس سلسلہ میں ہجویری رح نے بتایا ہے کہ سُکر اور محو کیا ہیں ۔ سکر حق تعالیٰ کی محبّت کا غلبہ ہے ۔ ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے اور غایت بیخودی میں اس کے ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتے ۔ اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ محو، محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے جس میں جمالِ محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور حیبت باقی نہیں رہتی ۔ محو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے ۔ لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے تو وہ کشف ہے ۔ محو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے اور سُکر محبت کے قریب ہو تو محو ہے ۔ جب دونوں کی اصل صحیح ہوں تو سُکر محو اور محو سُکر ہے ۔ اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں ۔ لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہوں تو دونوں بے فائدہ ہیں ۔ ہجویری رح خود جنیدی مسلک کے پابند تھے اور محو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے ۔

پانچواں گروہ نوریہ کا ہے ، جس کے پیشوا ابن الحسن نوری رح ہیں ۔ وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اصحاب صحبت کے لیے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں ۔ ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے رسمی ایثار رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے ۔ ہجویری رح نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسند کیا ہے ۔

چھٹا گروہ سہلیہ کا ہے ۔ اس کے پیشوا امام حضرت سہل بن عبداللہ تستری ہیں ۔ ان کی تعلیم اجتہاد ، مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے ۔ اجتہاد مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے ۔ اس لیے ہجویری رح نے نفس کی تصریح واضح طور سے کی ہے ۔

فرماتے ہیں نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے ۔ نفس کو نہ پہچاننا اپنے آپ کو نہ پہچاننا ہے ۔ جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچانتا وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا ۔ نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے ۔ اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے ۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رح نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ قرار دیتے ہیں ۔ سہل تستری رح کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے ۔ مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہو سکتا ۔ ممکن ہے کہ ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو ، پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو ۔ گنہگار رہو اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو ۔ ہجویری رح نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے ۔

Marfat.com

دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو۔ مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں۔ اس رائے کے باوجود ہجویری رح مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے۔ بلکہ اس کو وصلِ حق کا طریق اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے۔ ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشوں کا۔ جو عقل کا متبع ہوتا ہے۔ وہ ایمان کی طرف جاتا ہے اور جو خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے وہ کفر گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے۔ حضرت جنید رح سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے۔ فرمایا "خواہشات نفس کا ترک کرنا" ہجویری رح نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت خواہشات نفس کا ترک کرنا ہے۔ گو اس کا ترک کرنا ناخن سے کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

ہجویری نے خواہشاتِ نفس کی دو قسمیں بتائی ہیں:۔

۱۔ لذت اور شہوت۔

۲۔ جاہ طلبی۔

اول الذکر کے فتنے سے خلق محفوظ رہتی ہے۔ لیکن موخرالذکر سے خلق کے درمیان فتنہ ہوتا ہے۔ خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔

ساتواں گروہ فرقہ حکیمیہ کا ہے۔ یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے۔ اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے۔ جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہجویری رح نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے۔ ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر صرف ذاتِ خداوندی سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہوتے ہیں۔ جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے۔ اور جب دوسرے غم زدہ ہوتے ہیں تو یہ نہیں ہوتے اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائے گی۔ معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالےٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں۔ کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا۔ اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے۔ ہجویری نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے۔

فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے۔ مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور، مگر اب نہیں ہیں۔ لیکن ہجویری رح کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور ان کی قسمیں بتائی ہیں۔

اخیار۔ ابدال۔ ابرار۔ اوتاد۔ نقباء۔ قطب یا غوث۔

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بیخوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے لیکن ہجویری رح

Marfat.com

نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدہ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو۔ وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے۔ کیونکہ شہرت باعث فساد و رعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال اور نہ اصول شریعت کے خلاف ہے۔ کرامت محض "مقدور خداوندی" ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے۔ ابویزید ذوالنون مصری اور محمد بن خفیف وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے اور صحو کے حال میں ہو تو وہ نبی کا معجزہ ہے۔ ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے وہ محجوب رہتا ہے۔ اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہوجاتا ہے تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہوجاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور ابوالعباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے۔ ولی خدا کے ملک کا، مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے۔ اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں۔ اس لیے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے۔ مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں، اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہوجاتے ہیں تو ولی برحق ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے۔ پھر دو فصلوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء اولیا سے افضل تر ہیں اور انبیاء و اولیاء فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فرقہ خرازی:۔ یہ فرقہ حضرت ابوسعید خراز کی جانب منسوب ہے جنھوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے۔ اس لیے اس فصل میں ہجویری رح نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہوکر اس میں حلول کرجانا ہے لیکن ہجویری رح نے ان دونوں کی تردید کی ہے۔ ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہوکر خدا میں حلول کرنا محال ہے۔ کیونکہ حادث قدیم سے مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہوسکتا۔ ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کرکے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہوجانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بُعد، وصل و فراق اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے۔ اور جب یہ مقصود حاصل ہوجائے تو یہی بقا ہے۔ اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے۔ یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے اور خدا کا جلال دیکھنا بقا۔ اس غلبہ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کردیتا ہے۔ حال و مقام

Marfat.com

سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہوجاتی ہے۔

فرقہ خفیفی: یہ فرقہ حضرت ابوعبداللہ بن خفیف کی جانب منسوب ہے اس کا مذہب تصوّف "غیبت وحضور" ہے۔ غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے۔ اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے۔ یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو۔ اس کی صفات بشری ختم ہوگئی ہوں اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیائے کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے یا حضور غیبت پر۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے۔ ہجویری کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے جو اپنے سے غائب نہیں ہے وہ حق سے حاضر نہیں ہے اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنید کے حال سے واضح ہوجاتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ گذرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے۔ پھر خدا نے ایسا کردیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے نہ زمین کی اور نہ خود اپنی۔

اس کے بعد مختلف ابواب میں ہجویری نے سالک کے طریق آداب پر بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سالک ہر حال میں حق تعالیٰ کے احکام کا اتباع کرتا ہے۔ بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو۔ اس کے لیے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے۔ کیونکہ تنہائی اس کے لیے آفت ہے۔ جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال کرے۔ سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے۔ یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت ہو۔ اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور حلال ہو۔ وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے۔ چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے۔ رعونت اور تکبّر اختیار نہ کرے، اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو۔ خاموش رہے کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے۔ لیکن اس کی گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے۔ کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے۔ تجرّد کی زندگی سنت کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ تجرّد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے۔ لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرّد رہنا اس کے لیے زینت ہے۔

آخر میں سماع پر بحث ہے۔ ہجویری کے نزدیک سماع مباح ہے مگر اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ہیں۔ سالک سماع بلاضرورت نہ سُنے اور طویل وقفہ کے بعد سُنے تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے۔ محفل سماع میں مرشد موجود ہو۔ عوام شریک نہ ہوں، قوّال فاسق نہ ہوں۔ سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو۔ طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو۔ اگر وجد کی کیفیت طاری ہوجائے تو اس کو تکلّف کے ساتھ نہ روکے۔ اور یہ کیفیت جاتی رہے تو تکلّف کے ساتھ اس کو جذب کرنے

Marfat.com

کی کوشش نہ کرے۔ وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے۔ قوال کے گانے کی اچھائی اور بُرائی کا اظہار نہ کرے۔ محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں۔

ہجویریؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں پسند نہیں کیا ہے۔

Marfat.com

حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی رح

خلفائے شیخ جلال الدین پانی پتی کے محبوب ترین خلفا سے تھے شانِ عظیم حال منتقم رکھتے تھے۔ قہر و لطف سے جو کچھ آپ کے خیال میں آتا۔ اسی وقت اس کا ظہور ہوتا، ریاضت اور مجاہدہ ایسا کیا کہ چھ ماہ ایک قبر میں پوشیدہ یادِ حق میں رہے آپ کو بھی ہر وقت استغراق رہتا تھا کہ نماز جمعہ کو جماعتی خادم حق حق کہتا ہوا آگے چلتا تھا تب آپ آگے قدم رکھتے تھے، اگر وہ کبھی چُپ ہو جاتا آپ بھی کھڑے رہ جاتے تھے، شیخ عبدالرحمٰن چشتی کہ مصنف مرأۃ الاسرار اور چشتیہ میں نقل کرتے ہیں کہ اسم حق میں ان حضرت مخدوم شیخ احمد عبدالحق و مریدان شیخ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی سانس بغیر ذکر حق کے خالی نہ آتا تھا، ہر موقع ہر محل ہر کاروبار میں حق کہتے تھے۔ چنانچہ اسمِ حق اور جمالِ حق میں مستغرق رہتے تھے، چنانچہ آج تک آپ کے سلسلہ میں ذکرِ حق جاری ہے۔ جاننا چاہیئے کہ جب رُوح عارف کی دریائے توحید میں غوطہ زن ہوتی ہے تو انانیت گم ہو کر تنہا لفظ حق حق کہنے لگتا ہے اور حقیقت توحید معائنہ کر کے حقیقت اشیائے ہیزدہ ہزار عالم کو ایک وجود جانتا ہے اس سبب سے حق بحقیقت پہنچ جاتا ہے سلسلۂ نسب حضرت چند واسطوں سے امیر المومنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ سے منتہی ہوتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے دادا شیخ داؤد مع چند مردانِ قبیلہ کے حادثہ ہلاکو خاں میں بلخ سے نکل کر واردِ ہندوستان ہوئے اور بعد سلطان علاؤ الدین خلجی اودھ میں اہلِ مد ہوئے اور قصبۂ ردولی کی سکونت اختیار کی شیخ داؤد مردِ عظیم القدر تھے اور مرید حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کے تھے۔ اپنے حال و جمال باطنی کو کسوت اہلِ ظاہر میں پوشید رکھتے تھے۔ مزاران کا ردولی سے جنوب میں نہایت غریبانہ واقع ہے۔ بعد انتقال ایک پسر شیخ عمر کو چھوڑا۔ یہ بھی مشائخ سیرت اور متقی تھے اُن کا مزار بھی اپنے والد کے پاس ہے۔ شیخ عمر کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک شیخ تقی الدین دوسرے حضرت شیخ احمد عبدالحق شیخ تقی دہلی میں آ رہے تھے اور حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولی میں والد کے پاس تھے۔ صاحب انوار نور العیون تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ احمد قدس سرہٗ سات برس کے تھے ہمیشہ اپنی والدہ کے ہمراہ نماز تہجد ادا کرتے۔ ایک روز آپ کی والدہ نے شفقت مادری سے کہا کہ عبدالحق ابھی تم پر نماز فرض نہیں، تم تقویٰ میں اتنی کوشش کرتے ہو۔ چونکہ آپ عاشق الٰہی تھے، گھر سے بے سروسامان نکل کر چل دیئے۔ مگر زبان پر لفظ حق جاری ہو گیا اور بعد ڈیڑھ دو ماہ کے اپنے بھائی شیخ تقی الدین کے پاس دہلی آئے۔ انھوں نے ان پر بہت شفقت کی اور ان کو ایک مولوی کے پاس لے گئے کہ تعلیم حاصل کریں۔ انھوں نے ان کو میزان الصرف شروع کرائی۔ جب سبق ضَرَبَ ضربًا اس کے معنے پڑھے استاد سے کہنے لگے کہ راہِ حق میں زدن اور زدہ شدن کا کیا کام مجھ کو ایسا علم پڑھاؤ جس سے معرفت حاصل ہو کہ سوائے اس کے میں اور کو دوست نہیں رکھتا، مولوی صاحب یہ سنکر متحیر ہوئے اور ان کی طلب صادق پر روئے اور عذر کیا ان کے بھائی سے کہا کہ اس عزیز کا مطلب دوسرا ہے۔ ہم تم کو اس امر میں کچھ

Marfat.com

دخل نہیں اور اوّل سے ایسا استغراق تھا کہ ایک روز زوجہ شیخ تقی الدین نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم اس کو کیوں نہیں پڑھاتے۔ کہیں آپ پڑھنے بٹھا کر علم جوہر انسان ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ کچھ اور ہی پڑھا ہوا ہے۔ دیکھو میں تمھیں دکھائے دیتا ہوں۔ پھر ایک بٹوہ میں پانچ روپے ڈال کر اُن کو دیئے اور انھوں نے کہا کہ ان کو بحفاظت تمام رکھنا۔ آپ نے وہ بٹوہ لے کر دروازہ کی دہلیز میں گاڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کی بھاوج نے پوچھا کہ بھائی عبدالحق وہ بٹوہ روپیہ کا کہاں ہے۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ کیسا بٹوہ میں کیا جانوں۔ انھوں نے کہا ابھی جو تمھارے بھائی نے دیا ہے۔ رونے لگے کہ مجھ کو بہتان لگاتی ہو، مجھ کو بٹوہ نہیں دیا۔ انھوں نے وہ جگہ بتائی جہاں آپ نے بٹوہ گاڑا تھا۔ اس وقت یاد آیا اور فرمایا کہ میں بھول گیا تھا۔ آخر آپ کو صحبت دنیا داران خوش نہ آئی۔ دہلی سے نکل کر اور بزرگوں سے بھی ملے۔ آپ کے درد کو کسی نے نہ تشخیص کیا۔ ایک مدت جنگل میں عبادت میں مشغول رہے اور ریاضت اور مجاہدہ بحد کمال کو پہنچایا، بعد الہام غیبی پانی پت میں وارد ہو کر شیخ جلال الدین پانی پتی سے مل کر عارف حق ہوئے۔ اس کی کیفیت اس طرح پر ہے کہ شیخ جلال الدین نے شیخ عبدالحق کا آنا نور باطن سے معلوم کر کے چند گھوڑے با ساز زرّین کسوا کر در خانقاہ پر استادہ کرائے اور خادم کو حکم دیا کہ آج دستر خوان نہایت تکلف سے تیار ہو۔ الغرض جب شیخ عبدالحق دروازہ پر آئے۔ گھوڑے اور آرائش مکان اور تزک احتشام دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگے کہ جو شخص ایسا باحشمت اور دنیا دار ہو، محبت الٰہی سے اس کو کیا ذوق ہوگا جب اندر آئے تو دستر خوان کو دیکھ کر اور بھی حیران ہوئے اور وہاں سے نکل کر چل دیئے۔ تمام دن چلے شام کو قریب ایک آبادی کے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ پانی پت ہے، یہ سن کر بہت ہی حیران ہوئے، وہ شب باہر بسر کر کے صبح پھر راہی ہوئے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ راہ گم کر گئے۔ دیکھا کہ ایک خشک درخت پر ایک شخص کلاہ سر پر رکھے بیٹھا ہے۔ انھوں نے اس سے راستہ دریافت کیا اس نے کہا اے گمراہ اصلی راستہ دروازہ شیخ جلال الدین سے گم کر آیا ہے اگر یقین نہیں تو دو شخص اور آتے ہیں ان سے پوچھ لے جب یہ چند قدم اور آگے بڑھے، دیکھا کہ دو شخص بشکل مشائخ آتے ہیں ان کے نزدیک پہنچ کر راستہ دریافت کیا۔ انھوں نے بھی کہا تو دروازہ شیخ جلال الدین سے راہ گم کر کے آتا ہے۔ تیرا راستہ دروازہ شیخ پر ہے۔ اب تو ان کو یقین ہوا کہ یہ ہدایت غیبی پس اعتقاد تمام وہاں سے واپس ہوئے اور دل میں کہا کہ اگر وہ اپنی کلاہ مزار خواجہ شمس الدین سے مس کر کے میرے سر پر رکھیں اور حلوا دیں تو کیا خوب ہو۔ جب یہ قریب خانقاہ کے پہنچے، ان کے آنے کا حال نور باطن سے معلوم کر کے روضۂ پیر و مرشد میں تشریف لے گئے۔ خانقاہ پیران کو معلوم ہوا کہ شیخ روضۂ خواجہ شمس الدین میں ہیں۔ یہ بھی نہایت اشتیاق سے وہاں پہنچے اور اندر روضہ کے جا کر شیخ کی قدمبوسی کی۔ شیخ نے اپنی کلاہ روضۂ شیخ سے مس کر کے ان کے سر پر رکھی۔ اسی وقت برائے نذر ایک شخص حلوا لایا۔ شیخ نے فاتحہ دے کر ان کو اور دیگر حاضرین کو تقسیم فرمایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ کل حلوہ ان کے حوالے فرمایا کہا کہ یہ تمھاری آرزو تھی۔ یہ حلوہ لے کر خوش ہوئے اور تین بار دونوں نے حق حق کہا اور شیخ نے ان کو مرید فرمایا بعد جب کار تکمیل پہنچا، خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ میرا سلسلہ تجھ سے جاری ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہزاروں خلفائے نامدار توجہ حضرت سے مقتدائے روزگار اور برتبۂ ولایت کے پہنچے کوئی جگہ ایسی

Marfat.com

نہیں ہے کہ جہاں یہ سلسلہ نہ ہو۔ بعض نے لکھا ہے کہ جب شیخ احمد دوبارہ آئے ہیں تو شیخ ان کے شوق میں درِ خانقاہ پر استادہ تھے اور صاحبِ اقتباس الانوار حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ نقل کرتے ہیں کہ جب شیخ احمد عبدالحق آئے اور مرید ہوئے تو خدمت شیخ میں رہنے لگے مگر ان کے دل میں بوجہ اسباب معیشت تنفر تھا۔ کیونکہ ان کو تجرید سے الفت تھی۔

ایک شب آپ کا گذر ایک شہر میں ہُوا اور مسجد جامع میں جا ٹھہرے۔ بعد نماز عشا کے دیکھا کہ تمام لوگ شہر کے مسجد میں آکر اذانیں کہنے لگے۔ آپ نے پوچھا کہ اذانیں کیوں کہتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس شہر پر بلا نازل ہوئی ہے اس کے دفع کرنے کو اذانیں کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا تم بھی درویش ہو اذان کہو۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے ہرگز نہ ہوسکے گا کہ اللہ کی طرف سے بلا نازل ہو اور میں اس کے دفع کی کوشش کروں۔ حق کی طرف سے جو ہے وہ رحمت ہے اور زار زار روتے ہوئے اسی وقت وہاں سے اُٹھ کر راہی ہوئے۔ آخر قصبہ سنام میں پہنچ کر ایک ضعیفہ کے مکان پر قیام پذیر ہوئے اور ریاضت میں مشغول ہوئے وہ بی بی بھی اس قدر ریاضت کرتی تھی کہ حضرت اس سے سبقت نہ لے جاتے تھے۔ نام اس ضعیفہ کا فاطمہ تھا اور سنام میں ایک مجذوب تھے۔ ان سے حضرت کو کمال محبت ہوگئی تھی۔ ان کے واسطے کھانا لے کر جاتے وہ فرماتے کہ یہ رحمت حق ہے اور کھا لیتے۔

ایک روز اس ضعیفہ نے خواب میں دیکھا کہ حوض میں سے مچھلیاں ماری جاتی ہیں اور صبح حضرت سے بیان کیا اور تعبیر چاہی آپ نے فرمایا میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ تیرے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ سنام خراب ہو اور میرے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ دہلی خراب ہو۔ چنانچہ اسی عرصہ میں امیر تیمور وارد ہندوستان ہوئے۔ آپ نے اس مجذوب سے کہا کہ اب کیا رائے ہے اس نے کہا کہ میں بھی یہاں سے جاتا ہوں، تم بھی چلے جاؤ۔ چنانچہ آپ کے چلے آنے کے بعد سنام تاراج ہوا، جب آپ پانی پت میں آئے دیکھا کہ شیخ بھی سفر کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی ایک طباق چاولوں کا مرحمت فرما کر کہا یہاں رہنا بہتر نہیں۔ شیخ تو کوہستان شمالی کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت طرف بدایوں کے آئے۔ چندے قیام فرما کر عازم بنگالہ ہوئے۔ بمقام پنڈوہ شیخ علاء الدین بنگالی سے ملے وہاں سے چل کر بہار شریف میں آئے۔ وہاں دو مجذوبوں سے ملے۔ انھوں نے آپ کے حق میں دعائیں کیں وہاں سے چل کر ایک قبرستان میں رہے، عجائبات دیکھے۔ اہلِ قبور کی کرامات معائنہ فرمائیں۔ آخر ایک اہلِ خیر کی نصیحت سے وطن میں آکر مسندِ ہدایت پر متمکن ہوکر مریدوں میں مشغول ہوئے اور اہلِ برادری نے نکاح کرایا، پہلے آپ کے ہاں شیخ عزیز پیدا ہوئے۔ انھوں نے پیدا ہوتے ہی حق کہا کہ تمام اہلِ خانہ نے سُنا۔ اسی طرح ان سے خوارق ظاہر ہوتے۔ ایک دن غل مچا آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا غل ہے۔ لوگوں نے کہا کہ چناں اور چنیں خوارق صاحبزادہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ نے گھر میں جاکر فرمایا کہ میرے گھر میں ایسا غل نہ چاہیئے اور گھر سے نکل کر گور غریباں میں آئے اور فرمایا کہ اس جگہ قبر عزیز کی ہے۔ اسی وقت وہ فوت ہوئے۔ بعدہٗ دوسرے صاحبزادہ تولد ہوئے۔ انھوں نے بھی حق کہا، اور خوارق ظاہر ہوئے۔ آپ نے ان کے واسطے بھی دعا کی، وہ بھی فوت ہوئے۔ آخر جب شیخ عارف پسر سوم تولد ہوئے، وہ زندہ رہے۔

Marfat.com

حضرت شیخ بُو علی قلندر رح

نام شیخ شرف الدین اور لقب بُو علی قلندر تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رح کی اولاد سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ شیخ شرف الدین بو علی قلندر بن سالار۔ فخر الدین بن سالار، حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم بن محمد بن دانک بن امام اعظم ابو حنیفہ رح۔

آپ کے والد ماجد ۶۰۰ ہجری میں عراق سے ہندوستان آئے وہ بڑے متبحر اور جیّد عالم تھے۔ ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کی دختر نیک اختر سے ہوئی، لیکن وہ لاولد فوت ہوگئیں۔ ان کے بعد مولانا سیّد نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر رح کی ماں تھیں شیخ بو علی قلندر رح پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کیے اور بیس برس تک، دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ دہلی کے اکابر علماء مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پائلی، قاضی ظہور الدین بخاری قاضی حمید الدین، صدر شریعت مولانا فخر الدین پائلی وغیرہ ان کے علمی تبحّر اور فضیلت کے معترف تھے۔

لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے تو جذب و سلوک کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑہ میں آخر وقت تک مقیم رہے۔ خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف بھی منسوب ہے۔

سُکر اور مستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں حدودِ شرعی سے بہت بڑھ گئی تھیں۔ کسی کو تراشنے کی ہمّت نہ ہوتی تھی۔ ان کے ہمعصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا۔ انھوں نے شیخ کی ریش مبارک پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے۔ تو شیخ بو علی قلندر رح اپنی داڑھی پکڑ کر بار بار فرماتے تھے کہ یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی۔

شیخ بو علی قلندر کے قیام پانی پت کے زمانہ میں شمس الدین ترک اپنے مرشد تاج الاولیا حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے یہاں آکر قیام پذیر ہوئے۔

حضرت خواجہ شمس الدین رح ترکستان کے سادات میں اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے فرزند تھے جن کا سلسلۂ نسب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے ملتا ہے، خواجہ شمس الدین علوم نقلی و عقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے مگر جب کہیں تشنگی نہ بجھی، تو مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کی طرف چل

Marfat.com

کھڑے ہوئے ہوئے۔ ملتان پہنچ کر بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت پاتے کے بعد وہاں سے بابا فرید گنج شکرؒ کی ہدایت کے مطابق شیخ علاؤالدینؒ کی خدمت میں کلیر پہنچے۔

شیخ نے اپنی چہار ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھ دی۔ وہ گیارہ سال تک پیردستگیر کی خدمت میں رہے۔ مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلانے اور وضو کرانے۔ ان کے لیے جنگلوں سے لکڑیاں لا کر کھانا پکانے۔ اور خود فقر و فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے اور مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا۔ لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اُٹھانے صلاحیت نہیں پائی، اس لیے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا حکومت تھا۔ دہلی آ کر اس کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں داخل ہوگئے۔ کچھ دنوں میں ان کے پاس کافی دولت ہوگئی۔ لن امارت کی کسی چیز سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ شب و روز ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

سیرالاقطاب کے مولف کا بیان ہے:-

ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، ایک زمانہ اسی حالت میں گذر گیا، اور قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ اسی دوران ایک رات ایسی سخت آندھی آئی اور بارش ہوئی کہ سپاہیوں اور امرائے اسلام کے خیمے گر پڑے بارش تیزی سے جاری رہی۔ سخت سردی پڑنے لگی ———— شاہی سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لیے آگ کی تلاش میں نکلا۔ دفعتہً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ جل رہا ہے اور وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدین ترک کا تھا، سقہ دوڑا ہوا خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے۔ حضرت نے سر اُٹھایا اور فرمایا کہ اے بھائی آؤ اور جتنی آگ چاہتے ہو لے جاؤ۔ وہ سامنے آیا، اور ایک لکڑی آگ سے جلائی اور لوٹا لے کر لوٹ گیا۔ اس واقعہ سے سقہ کو بیقراری تھی، صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا اور جب وہاں پہنچا تو حضرت کو اس میں نہ پا کر حیران ہوا۔ اور وہاں سے واپس آ کر ایک تالاب پر جو لشکر گاہ کے پاس تھا، وہاں دیکھا کہ ایک بزرگ وضو کر رہے ہیں۔ غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی جن کے چراغ سے رات کو آگ جلا کر لے گیا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ سقہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھر لیا۔ باوجودیکہ جاڑے کا زمانہ تھا اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا۔ لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا، وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے، اس کو لے کر اپنے کارخانہ میں گیا اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مرد خدا کی عظمت و برکت کے سبب سے ہوا ہے، لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہیں کیا۔ دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی تالاب پر پہنچا اور پانی کو دیکھا کہ جما ہوا ہے۔ قریب ہی ایک درخت تھا اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے۔ ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا حضرت نے وضو کیا اور نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہوگئے

Marfat.com

سقّہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا اور سلطان غیاث بلبن کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس وقت سلطان دربار عام میں بیٹھا تھا۔ سقہ نے فریاد کی، سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا۔ اس نے عرض کی اگر جہاں پناہ میرے راز کو خلوت میں سنیں تو گذارش کروں، سلطان نے اس کو موقع دیا۔ سقہ نے حضرت کا تمام حال بیان کیا۔ سلطان سن کر متحیّر ہوا۔ اور اپنی خوابگاہ میں اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جب رات ہوئی تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالہ کر دی۔ جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو سقّہ نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا۔ سلطان مسلّح ہو کر باہر نکلا اور سقہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے۔ ان کے پہنچتے ہی حسب معمول پانی جوش میں آ گیا، جس کو سلطان نے خود دیکھا۔ حضرت نے وضو کر کے نماز ادا کی اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ سلطان نے پانی دیکھا تو گرم تھا، وہ متحیر ہوا اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا۔ حضرت خیمہ میں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ سلطان دست بستہ وہیں کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہو چکے، تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ سلطان نے اظہار ادب کر کے عرض کیا کہ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکا۔ حضرت نے ہر چند اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن بے سود تھا۔ مجبوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان جب مسرّت سے معمور اپنے فتحمند لشکر میں پہنچا تو دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت نے اپنے نورِ باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا۔ اپنے گھوڑے کو طلب کر کے فرمایا کہ یہاں سے قریب ایک بیوہ عورت رہتی ہے، اس کی ایک لڑکی جوان ہے، مگر وہ اس کی کتخدائی کرنے سے معذور ہے، تو اس کے پاس جا اور اپنی قیمت اس عورت کو پیش کر۔ گھوڑا حسب ارشاد بیوہ کے پاس گیا۔ بیوہ نے غیب سے آواز سنی کہ بوڑھی عورت اس گھوڑے کو بیچ کر اس کی قیمت اپنی لڑکی کے کارِ خیر میں صرف کر۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے اپنا بقیہ تمام اسباب و مال متاع فقراء کو دے دیا اور کمبل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے اور اپنے پیر دستگیر کی خدمت میں پہنچے۔ کچھ دنوں وہاں رہ چکے، تو پانی پت میں مامور کیے گئے۔

جب حضرت شمس الدین ترک رح پانی پتی کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا، تو دودھ سے بھرا ہوا پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بوعلی قلندر رح کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ بوعلی قلندر خادم کو دیکھ کر مسکرائے، چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے شمس الدین ترک کے پاس واپس کر دیا۔ وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر متبسّم ہوئے۔ حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا کہ شیخ بوعلی قلندر کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے۔ جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے۔ شیخ بوعلی قلندر نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ واپس کر دیا، تو اس سے مراد یہ ہے

Marfat.com

کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ شیخ بوعلی قلندر سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا، چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک خلاص اور محبّت قائم رہی۔

کبیر الاولیا حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی رح شیخ بوعلی قلندر ہی کے فیض نظر سے راہِ طریقت پر گامزن ہوئے۔ ایک دن شیخ بوعلی قلندر رح سرراہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کم سنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گذرے۔ ان کو دیکھ کر شیخ بوعلی قلندر نے فرمایا: ع

زہے اسپ وزہے سوار

کانوں میں آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہو گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور اسی وقت گریباں چاک کرکے جنگل کی راہ لی اور چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے اس درمیان میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے تو شیخ بوعلی قلندر سے بیعت کے لیے مُصر ہوئے۔ شیخ نے فرمایا:

"اے فرزند عزیز کشائش تو موقوف بر مرد دیگر است۔"

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترک رح پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بوعلی قلندر نے شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے پاس ارادت کے لیے بھیجا، جو آگے چل کر ان کے خلیفہ ہوئے۔

سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بوعلی قلندر رح سے بڑی عقیدت تھی، وہ ان کے حلقہ ارادت میں بھی شامل ہو گیا تھا اور بزرگان دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا، اس میں حلم، نرمی اور خدا ترسی کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔

مگر ان خوبیوں کے باوجود حضرت سیدی مولاتی کا خون اس کے سر پر ہے، گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوگی، اس لیے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

سیّدی مولاتی ایک درویش تھے، جو سلطان بلبن کے عہد میں ولایت ملک بالا سے شہر (یعنی دہلی) میں آئے، وہ عجیب طریقے رکھتے تھے، خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے، لیکن جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے۔ گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے، جس کی پابندی تمام بزرگان دین نے کی ہے۔ وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے۔ جامہ اور چادر پہنتے اور چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے۔ ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور خدمت گار نہ تھا اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے۔ کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے، لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، عام کا خیال تھا کہ وہ علم کیمیا جانتے ہیں۔ اپنے دروازہ کے سامنے میدان میں انھوں نے خانقاہ بنوائی تھی۔ اس کی تعمیر میں ہزاروں روپے خرچ کیے تھے۔ اس خانقاہ میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا تھا۔ بری و بحری سفر کرنے والے مسافر یہاں مقیم ہوتے تھے اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا۔ اور کھانا ایسا ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے خوانین و ملوک کو میسر نہ تھا۔ خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا۔ پانچ سو جانور ذبح کیے جاتے دو تین سو من شکر اور ۲۰۰۰ - ۳۰۰ من نبات خریدی جاتی تھی۔ خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ہجوم رہتا تھا، ان کے پاس (یعنی حضرت

Marfat.com

سیدی مولائی) نہ کوئی کاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے۔ جب کسی سے کوئی چیز خریدتے یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے، تو کہتے کہ جاؤ فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جاکر اتنے نقرئی ٹکے لے لو۔ وہ جاتا تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق میں طلائی یا نقرئی سکّے مل جاتے۔ یہ سکے ایسے ہوتے جیسے دار الضرب سے بالکل نئے نکلے ہوں۔" آگے چل کر مولانا ضیاالدین برنی لکھتے ہیں :—

حضرت سیدی مولائی کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے۔ سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خانخاناں ان کا معتقد ہوگیا تھا۔ وہ اپنے کو حضرت سیدی مولائی کا بیٹا کہتا تھا۔ امراء اور حکام کی آمد و رفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی۔ قاضی جلال الدین کاشانی نے جو اس زمانہ کا بڑا قاضی تھا، لیکن فتنہ انگیز تھا، سیدی سے تعلقات پیدا کیے۔ دو دو تین راتیں خانقاہ میں بسر کرتا، اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا۔ بلبن کے عہد کے مولازادے جو امراء اور ملوک کی اولاد سے تھے اس گفتگو میں شریک رہتے۔ یہ سب عہد جلالی میں بالکل بے سر و سامان بے اقطاع اور بے حشم ہو گئے تھے۔ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ جیتل وظیفہ پاتے تھے، بے وظیفہ ہوگئے تھے اور بعض دوسرے اکابر جو عہدوں سے معزول کر دیئے گئے تھے سیدی کی خانقاہ میں آکر رات کو سوتے اور ان سے کچھ چیزیں پاتے، لوگ سمجھتے کہ ان اکابر کی آمد و رفت محض حصول برکت کے لیے ہوتی ہے لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خانزادے، ملک زادے برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے روز جب نماز کے لیے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان کا نکاح سلطان ناصرالدین کی لڑکی سے کر دیا جائے اور قاضی جلال کو قاضی خاں کے عہدہ اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ ان بیکار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مشورے میں شریک تھا، ان سے منحرف ہوکر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچا دیں، سیدی اور ان کے ساتھی متہم ہوکر سلطان کے سامنے لائے گئے۔ سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا۔ اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعے اقرار کرایا جاتا، چنانچہ "دب" کے لیے حکم جاری کیا گیا۔ سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا، لیکن سازش کرنے والے منکر تھے۔ دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا اور ان پر کوئی حکم نافذ نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے بہار پور کے میدان میں آگ روشن کی گئی، سلطان ملوک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہنچا، ایک کوشک خاص نصب کیا گیا، سلطان نے شہر کے تمام اکابر علماء و مشائخ کا محضر طلب کیا۔ اس میدان میں شہر کے خواص و عوام بھی جمع ہوئے سلطان نے حکم دیا کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے۔ لیکن اس کے بارے میں جب علماء سے استفتاء کیا گیا تو متدین علماء نے کہا کہ 'دب' نامشروع ہے اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں کی جاسکتی ہے۔ سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے اور ایسے جرم میں ایک شخص کی شہادت قابل

Marfat.com

سماعت نہیں، اس لیے سلطان نے 'دب' کا ارادہ ترک کردیا اور قاضی جلال کو جو فتنہ کا سرغنہ تھا، بدایوں کا قاضی بنا کر وہاں بھیج دیا۔ خان زادوں اور ملک زادوں کو جلاوطن کردیا اور ان کی املاک ضبط کرلی۔ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال کو سزادی، اس کے بعد سیّدی مولائی کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا۔ سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا معاً بحری نامی ایک حیدری نے بڑھ کر سیدی کو استرے سے زخمی کردیا اور کلی خاں نے کوشک کے اوپر سے فیلبانوں کو اشارہ کیا۔ ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا اور ان کو پاؤں تلے مسل ڈالا"۔ اس کے بعد مولانا ضیاءالدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"ایسا حلیم وبردبار بادشاہ اس معاملہ میں مشوروں کو سننے کی طاقت نہ پیدا کرسکا۔ اور ایسا حکم صادر کردیا، جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی، مجھ کو یاد ہے کہ جس روز سیدی مولائی کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا اور تاریکی چھاگئی۔ سیدی مولائی کے قتل کے بعد اس سال بارش نہیں ہوئی، دہلی میں قحط پڑگیا، اور غلّہ ایک جیتل میں ایک سیر ملنے لگا۔ سوالک کے علاقہ میں ایک قطرہ بھی بارش نہ ہوئی، اس زمین کے ہندو عورتوں اور بچوں کے ساتھ دہلی چلے آئے، بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے اور بھوک سے بیتاب ہو کر اپنے کو جمنا میں غرق کردیتے تھے۔ ادنیٰ لوگ سلطان اور امرا کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے۔

اخبار الاخیار۔ کے مصنف کا بیان ہے :۔

"جس روز سیدی مولائی کا قتل ہوا، بے اندازہ باد وغبار فضا میں اٹھا، دنیا تاریک ہوگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولائی سے اس کو اعتقاد پیدا ہوگیا، جو پہلے نہ تھا"۔

۱۳۔ رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تاریخ وفات' یا شرف الدین ابدال" سے نکلتی ہے، کرنال میں مدفون ہوئے، لیکن کہا جاتا ہے کہ اعزہ واقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت میں لے جاکر دفن کردیا، چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑہ اور باگھونی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے۔

حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں۔

مکتوبات بنام اختیار الدین، حکم نامہ شرف الدین، مثنوی، کنز الاسرار۔ رسالہ عشقیہ

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا۔ شاید یہ مکتوبات اسی کے نام ہوں، بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

"اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت شروع ہوجائے، تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے اور تم کو تم سے دور کیا جائے تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہوگیا۔ اور جب تم کو حسن کا مشاہدہ ہوجائے تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہوجاؤ اور جب عاشق بن کر معشوق ہوگئے تو اسی طرح کام کرو، معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو۔ اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لوگے"۔

"اے برادر! معشوق کو تمھاری ہی صورت میں پیدا کرکے تمھارے درمیان بھیجا گیا ہے۔ تاکہ براہ راست تم کو دو

Marfat.com

دعوت دے۔"

"اے برادر! خدائے عزوجل نے بہشت و دوزخ پیدا کیا اور اس کا حکم ہے کہ دونوں پُر کیے جائیں۔ معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت میں جگہ دی جائے گی، اور شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوزخ کو پُر کرے گا۔ بہشت و دوزخ میں عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔ دونوں عاشق ہیں کہ حسن سے پیدا ہوئے ہیں اور دونوں مقام غیریت ہوں گے، بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے۔ دوزخ دشمنوں کے لیے جائے فراق ہے۔ یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہوگا اور وصال محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور دوستوں کو نصیب ہوگا۔"

"اے برادر! چشم دل کو کھولو، اور اچھی طرح سے دیکھو اور یہ جانو! کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمھارے لیے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کیے ہیں۔ اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا ہے اور گوناگوں میوے پیدا کیے، ہر میوہ میں علیحدہ مزہ رکھا اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول کی خبر اور نہ اپنے میوہ کی خبر ہے۔ گنا تمھارے لیے پیدا کیا ہے اور اس کو شکر کی خبر نہیں۔ مشک کو ہرن کی ناف میں رکھا، جو تمھارے لیے ہے۔ ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہیں، گائے سے عنبر کو تمھارے لیے پیدا کیا، اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں، زباد کو بلّی سے تمھارے لیے پیدا کیا اور بلّی کو زباد کی خبر نہیں۔ کافور کو تمھارے لیے درخت سے پیدا کیا، اور درخت کو کافور کی خبر نہیں۔"

"اے برادر! عاشق ہو جاؤ اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو، عاشق نے اپنے عشق سے تمھارے وجود کا ملک بنایا، تاکہ اپنے حسن و جمال کو تمھارے آئینے میں دیکھے، اور تم کو محرم اسرار جانے اور الانسان سرّی (انسان میرا بھید ہے) تمھاری شان میں آیا ہے، عاشق ہو جاؤ تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو، اور دنیا و عقبیٰ کو پہچانو، عقبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک ہے اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے، دونوں میں معلوم کرو کہ تمھارے لیے کس کو پیدا کیا ہے۔ اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچانو، جب تم نفس کو پہچان لوگے تو دنیا کو بھی پہچان سکو گے اور اگر روح کو پہچان لوگے تو عقبیٰ کو بھی پہچان لوگے۔"

"اے برادر دنیا! کفر میں جو حسن رکھا گیا ہے عاشق جانتے ہیں کہ اس نے (یعنی حسن نے) کفر کو اپنے عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کر دیا ہے، جو دنیا کا عاشق ہے اس کا معشوق کفر کا حسن ہے۔"

"اے برادر! تم جانتے ہو کہ حسن کا جو غمزہ کفر میں رکھا گیا ہے، اس نے کس قدر پر لطف تیر دنیا والوں پر مارا ہے اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے۔"

"اے برادر! اپنی جستجو میں رہو، اور اپنے کو پہچانو، جب تم اپنے نفس کو پہچان لوگے، تو عشق کو بھی جان سکو گے اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھو گے تو کل الانسان کی کیفیت اپنے میں پاؤ گے۔ عاشق ہو جاؤ اور معشوق کو اپنی گود میں دیکھو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ میں معائنہ کرو۔"

Marfat.com

"اے برادر! قند کا ایک گولہ لاؤ، اور اس سے سو گولے بنا لو اور ہر گولہ سے ایک صورت بناؤ، اور ہر صورت کا ایک نام رکھو، بعض کو گھوڑا اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہے گا، اور صرف وہ صورت باقی رہے گی، جب کل صورتوں کو توڑ کر قند کا گولہ بنا لو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا۔"

"اے برادر! یہ نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لیے پیدا کیا گیا، اور ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہو گا، لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کر دیتی ہے اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے اور عاشق کا وہ حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطالعہ میں بجا لاتی ہے، عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور رکھتی ہے اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے، اور اپنے باطن کے تماشہ میں مصروف ہو جاتا ہے، تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، نافذ ہو جائے۔"

اے برادر! کبھی خیال نفس کا دوست ہو جاتا ہے اور جال خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی روزی کی طرف لے آتا ہے خیال دنیا کی آرائش نفس کو دکھلاتا ہے اور اس کے شوق میں اس کو پریشان کرتا ہے اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے، ہر دروازہ ذلیل کرتا ہے اور (نفس) شوق اور آرائش کی آسائش کی وجہ سے اس ذلت سے واقف نہیں ہوتا اور باز نہیں آتا اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی ہے اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو (نفس کو) موت کی فکر ہوتی ہے، کہ دفعتہً آ کر اس کو فنا کر دے گی، دنیا کی آرائش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق سے ایسا بے خبر کر دیتا ہے، کہ نہ اسکو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے، جس کو انھوں نے معشوق بنایا ہے، اس کی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی کہ دنیا اگر ختم ہو جائے گی، تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے اور نہ عقبیٰ کی خبر ان کو ہوتی ہے کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے۔"

"اے برادر! سوچو کہ تمھارے سامنے ایک مہم درپیش ہے اور تم نے خیال اور فکر کو اپنا مونس بنایا ہے، خیال کی نسبت ہوش رکھو کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے۔"

"اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں، اور مجھ سے کون سا کام بن پڑے گا۔ اور نہ کیا میری زبان سے نکلے گا۔ زبان خدا کی قدرت میں ہے۔ اگر تم پر خدا کا فضل ہوا تو تمھاری زبان سے وہ بات نکلے گی جو دونوں جہان کو پسند ہو گی۔"

اے برادر! اس قدر معلوم ہوا ہے کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا، اور اپنی مشیت سے باقی رکھنا ہے۔ **یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ** (یعنی جو کچھ اس نے چاہا، اس کو کیا اور جو کچھ چاہتا ہے، کرتا ہے۔ کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں۔

Marfat.com

حضرت بہاء الدین زکریا سہروردیؒ

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ العزیز کے جدّ بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے، آپ مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں اُن کے فرزند وجیہہ الدین محمد تولّد ہوئے، جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی، مولانا حسام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کو در میں متوطن تھے، مولانا وجیہہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کو در ہی میں رہنے لگے اور یہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت باسعادت ہوئی۔

بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک کا حفظ شروع کیا۔ ساتوں قرأتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لیے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگانِ دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ وہاں سے بخارا جاکر علم میں کمال حاصل کیا۔ ان کے اوصافِ پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ ان کو بہاؤالدین فرشتہ کہا کرتے تھے، یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے۔ پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے، وہاں سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پانچ سال جوارِ رسول میں زندگی بسر کی۔ اس مدت میں مولانا کمال الدین محمد سے جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدّث تھے، حدیث پڑھی۔ مولانا کمال الدین محمد نے ترپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی کی خدمت کی، حضرت بہاؤالدین زکریا رح نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کے پاس تزکیۂ قلب اور تصفیہ باطن کے لیے مجاہدہ شروع کیا۔ پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد تشریف لے گئے۔

بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ العزیز کی صحبت سے فیضیاب ہو کر خرقۂ خلافت پایا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز قیام فرمایا تھا کہ ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔ اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا اور شیخ سے شکوہ بھی کیا مگر شیخ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا، کہ تم تر لکڑیوں کے مانند ہو، جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگ سکتی ہے۔ بہاؤالدین زکریا خشک لکڑی کے مانند تھے، جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے۔

خرقۂ خلافت پانے کے بعد حکم ملا کہ ملتان واپس جاکر قیام کرو، اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ، حضرت جلال الدین تبریزی بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے۔ جب حضرت بہاؤالدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے تو غایت محبت میں وہ بھی

Marfat.com

اپنے پیر سے اجازت لے کر ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ فریدالدین عطّار کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ان سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا؟ بولے شیخ فریدالدین عطار کو، حضرت بہاؤالدین زکریا نے پوچھا کہ ان سے کیا کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ مجھے کو دیکھتے ہی انھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا۔ میں نے عرض کیا خطۂ بغداد سے آتا ہوں۔ پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویش مشغول بحق ہے۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا نے حضرت جلال الدین تبریزی سے پوچھا کہ اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا ذکر کیوں نہ کیا۔ جواب دیا کہ شیخ فریدالدین کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا۔ یہ سن کر شیخ بہاؤالدین زکریا کو بہت ملال ہوا اور وہ حضرت جلال الدین تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جا کر مقیم ہوئے۔

ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا، یہاں تک کہ ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے۔

شیخ محمد نور بخش مولف سلسلۃ الذہب میں رقمطراز ہیں:۔

"حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے، علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات ومشاہدات کے مقامات واحوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلہ سے منشعب ہوئے لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف معصیت سے طاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے اور ان کی شان بڑی تھی۔"

رشد و ہدایت عوام وخواص دونوں کے لیے تھی اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے، اس وقت ملتان کا حکمران ناصرالدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا۔ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا۔ کیونکہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے وہ اپنے زہد وتقویٰ، دینداری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے: ناصرالدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی۔ اس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے پسند نہ کیا، قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے۔ انہوں نے دین کی فلاح اسی میں سمجھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کریں۔ شیخ بہاءالدین زکریاؒ نے بھی ان کی حمایت کی اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے۔ مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا۔ جب وہ دونوں مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاءالدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

اور ان کا خط ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی، قباچہ نے غصہ میں جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ تہ تیغ کر دیئے جائیں۔ جلاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا۔ جب شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا، تو انھوں نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ بے شک یہ خط میرا ہے، مگر میں نے حق تعالےٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے یہ سُن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاء الدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

مگر خلق اللہ کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی، جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو اس کے انبار سے نقرئی سکے کے سات کوزے بھی نکلے۔ والی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی۔ انھوں نے فرمایا، ہم کو پہلے سے معلوم تھا، لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، مگر شیخ کو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی تھی جب وہ مہمانوں مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ جو شخص کھانا رغبت سے کھاتا تھا اس کو بہت دوست رکھتے تھے ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمہ نے ہر فقیر کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا ایک فقیر کو دیکھا تو کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا تھا۔ فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے۔ کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نانِ تر کو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو فضیلت مجھ کو تمام انبیاء پر ہے اور عائشہ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے۔

شیخ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے۔ ایک روز خادم سے فرمایا کہ جاؤ جس صندوقچہ میں پانچہزار دینار سُرخ رکھے ہیں، اس کو اٹھا لاؤ، خادم نے ہر چند تلاش کیا مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا وہ مایوس ہو کر واپس آیا اور شیخ کو اطلاع دی، کچھ تامل کے بعد فرمایا الحمد للہ۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا اور صندوقچہ کے مل جانے کی اطلاع دی پھر الحمد للہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت نے صندوقچہ کے گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا اور ملجانے پر بھی۔ اس میں کیا حکمت تھی، ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لیے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے اور اس کے جانے کا غم ہوتا ہے اور پانچوں ہزار دینار حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیئے۔

مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی۔ ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی۔ انھوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی اور پتھر سے ان کو مارنے لگے۔ حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ جب دروازہ بند ہو گیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کیے۔ حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو۔ میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے فعل

Marfat.com

معافی چاہی۔

غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے، ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان کے پاس پہنچ گئے۔ مریدوں نے وضو ختم نہیں کیا تھا کہ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کر کے مراسم تعظیم ادا کیے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا، تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے اور ملتان آکر ٹھہرے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان سے تعظیم و محبت اور شفقت سے ملے اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے۔ یہاں ان ہی کا تعلق ہے یہاں ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا گنج شکرؒ کی بھی بہت عزت کرتے تھے بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے اور باہم بڑی محبّت اور مودّت تھی حضرت شیخ بہاء الدین نے ایک موقعہ پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا،

"میانِ ما و شما عشق بازی است"

بابا گنج شکر نے اس کا جواب دیا :۔

"میانِ ما و شما عشق است، بازی نیست"

ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے عزّت و احترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا اس کا ذکر بادۂ تصوّف کے سرشاروں کے لیے بہت ہی خمار آگیں ہے۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نیشاپور میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے، سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا، چنانچہ جب وہ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو پسند نہ آئی، ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزی اس کی (نجم الدین صغری) قیامگاہ کے قریب ہی فروکش ہوں اور قیام کے لیے ایک مکان تجویز کیا جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا، مگر نجم الدین صغری نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کامل درویش ہوں گے تو مکان خود جنات سے پاک ہو جائے گا اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنی فریب دہی کی سزا پا جائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدہ ہوئی تھی کہ حضرت جلال الدین تبریزی نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا۔ جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات

Marfat.com

سے پاک ہوگیا اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکی رحۃ کی ملاقات کے لیے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے۔ حضرت بختیار کاکی کو کشف ہوا کہ حضرت خواجہ جلال الدین تبریزی ان سے ملنے آرہے ہیں، تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے۔ راستہ میں قران السعدین واقع ہوا، جس وقت حضرت خواجہ جلال الدین خواجہ بختیار کے ہمراہ ان کی خانقاہ میں پہنچے اس وقت یہاں مجلس سماع ہو رہی تھی، فقراء جمع تھے، اس بیت پر خواجہ صاحب کو وجد آگیا۔

درمیکدۂ وحدت اثبار نمی گنجد　　　　درعالم یک رنگی اغیار نمی گنجد

سلطان التمش حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی معتقد ہوگیا اس سے نجم الدین صغری کا حسد اور زیادہ بڑھا۔ ایک روز موسم بہار میں سلطان التمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغری کو اپنے محل میں بلایا اور ان کو امام بنایا۔ نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی۔ چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزی کی قیام گاہ تھی۔ وہ صبح کی نماز سے فراغت کے لیے صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے، اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ نجم الدین کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزی رح نماز سے غافل ہو کر محوِ استراحت ہیں، اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں۔ یہ سونے کا کون سا وقت ہے۔ اور ایک صاحبِ جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے۔ حضرت جلال الدین تبریزی رح کو نور باطن سے نجم الدین صغری کی بدگمانی معلوم ہوگئی، تو اسی وقت اُٹھے اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا، سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغری سے کہنے لگا کہ تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہیں۔ مگر نجم الدین صغری شرمندہ ہونے کی بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے اور حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ پرخاش بہت زیادہ بڑھ گئی اور شہر کی ایک حسین وجمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگائے۔ مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزی کو متہم کیا، سلطان سن کر ششدر رہ گیا، وہ سمجھتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے اور مطربہ کو اس کی دروغ گوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا۔ لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا۔ مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعذیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر حضرت جلال الدین تبریزی پر بغیر شہادت کے تہمتِ زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا، لیکن اس کا مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی۔ اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے بھی اس دعوت کو قبول کیا اور دہلی تشریف لائے، اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے۔ محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا اور حضرت جلال الدین تبریزی کی کشیدگی کا علم تھا، چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی سے ناراضی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، شیخ الاسلام کی حیثیت سے انھوں نے شیخ بہاء الدین زکریا ہی کو حکم مقرر کیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب

Marfat.com

کیا گیا، جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے، سارے علماء و اولیاء ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور جب حضرت جلال الدین تبریزی رح نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان التمش بہت متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین تبریزی کے معصوم ہونے کی دلیل ہے۔ اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہی۔ مگر شیخ بہاؤ الدین زکریا نے فرمایا۔

"میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدین رح سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل مبینّہ کا اظہار ضروری ہے۔ اس لیے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔"

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے سامنے لائی گئی، مگر اس پر ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا۔ کہ نجم الدین صغری نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر الزام رکھنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ اس سازش کے افشاء پر نجم الدین صغری ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے کہ مجلس ہی میں ان کو غش آگیا اور حضرت جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ سلطان التمش نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر کے حضرت بہاؤ الدین زکریا سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی، انھوں نے قبول کیا اور ایک مدّتِ مدید تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں جاری رہا۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رح کے صحیفہ کمال میں جود و سخا کی بھی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں۔ ایک بار ان کے معتقدین اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا۔ غایت اضطراب میں انھوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رح سے روحانی استمداد کی، اللہ جل شانہٗ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا۔ جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر سوار تھے، جب جہاز ساحل پر پہنچا تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی نقد و جواہرات لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوتے تھے۔ شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حقداروں، محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرادی، خواجہ فخر الدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسی وقت اپنا تمام مال اسباب فقراء میں بانٹ دیا اور فقیری اختیار کر لی۔ پانچ برس شیخ کی خدمت میں گذار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے۔ مگر جدہ پہنچ کر جنت کی راہ لی۔

سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال ملتان وارد ہوا، اور خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ اس کا گانا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے شوق کے ساتھ سنا ہے اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہا ہے شیخ نے

Marfat.com

فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو زکریا بھی سنتے تھا۔ چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا، عشا کی نماز کے بعد ایک پہر رات گزر ہو گی کہ خود حجرہ میں تشریف لائے دو پارے کلام پاک تلاوت کرکے قوال کو سنانے کا حکم دیا، اور حجرے کے دروازہ میں زنجیر لگا دی قوال نے گانا شروع کیا۔

مستان کہ شراب ناب خوردند   از پہلوئے خود کباب خوردند

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا وجد میں کھڑے ہو گئے اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا، قوال کا بیان ہے کہ اسے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے، صرف دامن معلوم ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے تشریف لے گئے اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقوں کے ساتھ حجرہ ہی میں رہا۔ جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوا دیئے۔

عبادت و ریاضت میں کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ ایک بار اپنے خلفا کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں نماز کے درمیان کلام پاک ختم کرے۔ حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر خود ہی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور دو رکعت نماز کی نیت کرکے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا اور چار پارے اور پڑھے۔ دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی۔ بار بار فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو فیض پہنچا ہے اللہ تعالےٰ نے اس کو عمل میں لانے کی بھی توفیق فرمائی ہے اور جس کام کے لیے حوصلہ کیا، وہ پورا ہوا۔ لیکن ایک کام اب تک پورا نہیں ہو سکا۔ ایک بزرگ آغاز صبح سے ... ... طلوع آفتاب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں، میں نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہیں ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں۔ مگر سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر دستگیر شیخ سماء الحق والدین سے سنا تھا، کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک کا آغاز کرتے، اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا ختم کر لیتے تھے۔

وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے اور حضرت شیخ صدر الدین کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دیا، حضرت شیخ صدر الدین خط کا عنوان دیکھ کر متحیر ہوئے ...... والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کرکے باہر آئے تو قاصد کو نہ پایا۔ خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آواز بلند ہوئی۔

"دوست بدوست رسید"

یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدر الدین دوڑے ہوئے حجرے میں آ گئے، تو دیکھا آواز حقیقت بن چکی تھی۔ سن وفات میں اختلاف ہے، اخبار الاخیار میں سال وفات ۶۶۱ھ ہے سفینۃ الاولیاء اور فرشتہ میں ۶۶۶ھ اور مراۃ الاسرار میں ۶۶۵ھ ہے سفینۃ الاولیاء میں پیدائش کا سن ۵۶۵ھ لکھا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی عمر سو سال سے زیادہ ہوتی ہے، مزار شریف ملتان میں ہے۔

Marfat.com

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی نہ کسی تصنیف کا پتہ ہے، اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے۔ مگر انھوں نے اپنے مریدوں کے لیے جو دعائیں اور خطوط لکھے تھے ان کو اخبار الاخیار نے نقل کیا ہے، ان سے ان کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے، اس لیے ان کے اقتباسات ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، .... اور اس کے عبادات و اذکار میں غیر اللہ کی نفی ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست اور اقوال و افعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے اور نہ کوئی کام انجام دے۔ ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کی توفیق کی مدد چاہے۔ دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ ذکر ہی سے طالب محبت تک پہنچتا ہے، محبت ایسی آگ ہے، جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہو جاتا ہے، یہی وہ ذکر کثیر ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے۔ ماسوائے اللہ کو دل سے دور کردے۔ دنیا کے لوگوں کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کرلے اور حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے۔ اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے موانست نہ ہو گی تو خدائے تعالیٰ کی محبت کی بو بھی وہ نہ سونگھ سکے گا۔

ایک نصیحت میں ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلتِ طعام میں اور روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا مریدوں میں شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے۔ گو آپ ان پڑھ تھے۔ مگر ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا۔ ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ دی گئیں جن میں ایک کلام پاک کی آیت تھی، ایک حدیث شریف اور ایک میں کسی شیخ کا قول منقول تھا، یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغان سے پوچھا کہ کونسی سطر میں کیا چیز ہے؟ شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے اس کا نور مجھے زمین سے عرش معلیٰ تک نظر آرہا ہے، حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا یہ حدیث مقدس کی سطر ہے۔ اس کا نور ساتویں آسمان تک دکھائی دیتا ہے۔ پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہوں۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں مجھ سے پوچھا جائے گا کہ ہماری بارگاہ میں کیا کمائی لایا ہے تو میں عرض کرونگا کہ میری کمائی حسن افغان ہے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ باقی باللہؒ

آپ مقتدائے روزگار امام زمانہ قطب عہد کمالاتِ ظاہری اور باطنی سے آراستہ پیراستہ اور والبستہ محبّتِ الٰہی، صاحبِ تقو[ی] غرق بحرِ معرفت تھے۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی سے آپ کو نسبت تھی اور خواجہ احرار سے بھی فیضان حاصل کیا تھا۔ کابل سے سمرقند میں تشریف لے جاکر تحصیل علوم ظاہری کی خواجہ مکنگی کے مرید ہو کر چندے ریاضت شاقہ میں مصروف رہ کر درویشی تکمیل کو [پہنچ] کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ کم سوتے۔ کم کھاتے، کم بولتے اور عشا کے بعد سے تا نماز تہجد دو قرآن ختم کرتے۔ بعد نماز تہجد اکی[س] بیس بار سورہ یٰسین پڑھتے، بعد اس کے ذکر اسم ذات میں مصروف ہوتے۔ جب آغاز صبح کا ہوتا، عرض کرتے کہ الٰہی رات کو کیا [ہوا] جو جلدی سے گزر گئی۔ تھوڑی دیر نہ رُکی۔ بعدہٗ نیا وضو کرکے درمیان سنت اور نفل صبح کے اکتالیس بار سورہ مزمل پڑھ کر نماز صب[ح] باجماعت ادا کرکے تا وقت اشراق وظائف میں مشغول رہتے۔ بعد اشراق کے ڈیڑھ پہر دن چڑھے تک تلاوت قرآن میں مصروف رہتے اس کے بعد حاجتمندوں کی کاربرآری فرماکر بوقت دوپہر بعد نماز چاشت قدرے قیلولہ فرماکر نماز ظہر ادا کرکے عصر تک ادائے نوافل میں مشغول رہتے۔ عصر سے تھوڑی دیر پہلے حاضرین سے ہمکلام ہوتے۔ بعد عصر کے مغرب تک درود شریف پڑھتے بعد ادائے نماز مغرب نوافل، ہمیشہ عشا تک طالبانِ خدا کی تربیت فرماتے۔ اکثر روضہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پر حاضر ہوا کرتے تھے آخر روحانیت خواجہ سے فیضان حاصل کیا۔

نقل ہے کہ ایک روز آپ کے پسر خواجہ محمد عبداللہ حاضر ہوئے، ان کے ہاتھ میں آرسی تھی، فرمایا اس کو دیکھ لو، جب انھوں نے آئینہ پر نظر کی خواجہ کی ریش مبارک کو سفید دیکھا۔ حالانکہ آپ کی ڈاڑھی سیاہ تھی، یہ دیکھ کر پسر متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا، کہ جائے تعجب نہیں کہ یہ نورِ الٰہی ہے کہ میری ریش پر نمودار ہوا۔

مولانا بدرالدین سرہندی خلیفۂ امام ربّانی مجدد الف ثانی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ مَیں ایک بار دہلی آکر مزار حضرت خواجہ باقی باللہ پر حاضر ہوا، روبرو مزار کے بیٹھ کر متوجہ ہوا۔ حضرت نے نہایت عنایت سے اپنی نسبت خاص سے کچھ بندہ کو عطا کیا۔ وہاں سے چل کر مزار حضرت خواجہ قطب الدین کی زیارت کی۔ مجھ کو حکم ہوا کہ آج جو نسبت خواجہ باقی باللہ نے تجھ کو عطا کی ہے وہ عاشقی اور نیازمندی سے خلق ہے اور میری نسبت میں محبوبیت غالب ہے، تجھ کو وہی نسبت کافی ہے، دہلی سے چل کر میں اجمیر شریف آیا جب روضۂ حضرت خواجہ بزرگ کی زیارت سے مشرف ہُوا اور مَیں متوجہ ہوا، فرمایا کہ وہ نسبت جو تجھ کو خواجہ باقی باللہ سے حاصل ہوئی ہے وہ مجھ سے ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ خواجہ باقی باللہ نے کبھی نہیں فرمایا کہ مجھ کو نسبت خواجگان چشت سے ہے، حضرت نے فرمایا کہ جب مَیں نے خدمتِ خواجہ یوسف ہمدانی سے نسبت پائی، وہ نسبت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو حاصل ہوئی۔ اور خواجہ قطب الدین کی

Marfat.com

روحانیت سے وہ نسبت خواجہ باقی باللہ کو حاصل ہوئی، آخر حق بہ حق دار رسید۔ وفات حضرت کی دوشنبہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ میں ہوئی مزار پُرانوار بیرون فصیل شاہ جہان آباد نہر جدید سے پار متصل درگاہ قدم شریف زیارت گاہِ خلائق ہے۔ حضرت غلام علی شاہ دہلوی سے روایت ہے۔ بندہ برائے زیارت روضہ خواجہ باقی باللہ پر حاضر ہوا اور توجہ کی۔ دیکھا کہ حضرت مزار سے باہر تشریف لائے (موسم گرما میں وقت دوپہر کا تھا) چونکہ حضرت کے مزار پر سایہ نہیں ہے بسبب گرمی کے میں پریشان ہو گیا اور اُٹھ کر چلا آیا۔ اس روز سے نہایت افسوس کرتا ہوں کہ حضرت کی ذراسی توجہ سے اپنے میں بہت ترقی دیکھتا ہوں اگر زیادہ نصیب ہوتی تو اور زیادہ ترقی ہوتی، ایک طالب فیض مدت سے آپ کے مزار پر مشغول تھا۔ ایک روز اس سے فرمایا کہ تو یہاں کیوں پڑا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ طالب خدا نیز طالبانِ حضور ہوں۔ آپ نے ارشاد کیا کہ ہمارے مرید شہر میں ہیں تو ان کے پاس جا، تیری مطلب براری ہو گی۔ چنانچہ وہ شخص حضرت شاہ ابوسعید کے پاس آ کر مرید ہوا اور کل کیفیت بیان کی۔

Marfat.com

حضرت شیخ پیر محمد لکھنوی رح

آپ کا وطن جونپور تھا، آپ شیخ کامل اور متوکل تھے اور حج بھی فرما چکے تھے۔ علم کی تحصیل آپ نے دہلی میں کی اور کچھ قنوج میں بھی پڑھا۔ وہاں سے لکھنو آکر قاضی شیخ عبدالقادر سے بقیہ تحصیل کی، حضرت شاہ عبداللہ سیاح چشتی کے مرید ہو کر سلسلہ عالیہ چشتیہ و دیگر سلسلوں کی اجازت حاصل کی اور کنارہ گومتی قیام فرما کر ہدایت خلق میں مصروف ہوئے اور فتوح بھی بہت تھا مگر سوائے خرچ ایک روزہ کے اور زیادہ نہ رکھتے تھے۔ مہمان نوازی بہت کرتے تھے۔ سماع سے نہایت ذوق تھا اور جب چاہتے مع ہمراہیاں پانی پر سے گذر جایا کرتے تھے، کسی کا پَیر تر نہ ہوتا تھا۔ دونوں وقت قوال حاضر ہوا کرتے تھے۔

صاحب معارج الولایت لکھتے ہیں کہ جب میں بنگالہ سے لکھنؤ آیا، شیخ پیر محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، نہایت شفقت سے پیش آئے۔ مَیں نے اپنی تصنیفات میں سے بحر الفراست شرح دیوان حافظ پیش کی اس کو ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے اور بعض اشغال چشتیہ کی بندہ کو اجازت دی اور رخصت فرمایا۔ حضرت کی تصانیف میں شرح حکمت شرح ہدایۃ الحکمۃ و فتوے فقہ میں اور مکتوبات تصوّف میں اربع منازل سلوک ہیں۔

وفات حضرت کی سنہ ۱۰۸۵ھ میں بمقام لکھنؤ ہوئی۔

Marfat.com

حضرت میر سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رح

آپ سید جلال سُرخ اوچی کے پوتے تھے اور سید احمد کبیر کے بیٹے تھے۔ ولی مادر زاد تھے۔ لڑکپن سے آثار بزرگی کے جلوہ نما تھے، کہتے ہیں اُن کی سات برس کی عمر تھی کہ اُن کے والدین اُن کو شیخ جمال الدین خنداں کے رُوبرُو لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ایک طباق کھجوروں کا بھرا رکھا تھا۔ فرمایا کہ حاضرین کو تقسیم کردو۔ مخدوم جہانیاں نے اپنا حصہ مع گٹھلیوں کے کھانا شروع کیا۔ شیخ جمال نے یہ دیکھ کر تبسّم فرمایا کہ سید مع گٹھلیوں کے کیوں کھاتے ہو؟ مخدوم نے باوجود خورد سالی کے جواب دیا کہ یہ کھجوریں آپ کے ہاتھ سے نصیب ہوتی ہیں۔ ان کی گٹھلیاں بھی فیض سے خالی نہیں اس واسطے نہیں پھینکتا۔ یہ سنکر شیخ جمال بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعا کی۔ لکھا ہے کہ مخدوم نے پہلے بیعت سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے کی، بعدہٗ اپنے چچا شیخ صدرالدین محمد غوث سے خرقہ تبرک حاصل کیا اس کے بعد شیخ رکن الدین ملتانی سے خرقۂ خلافت پایا، بعد اس کے شیخ الاسلام شیخ عفیف الدین عبداللہ مطہروی سے مکہ معظمہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا اور دو برس ان کی خدمت میں رہ کر عوارف اور دوسری کتابیں سلوک میں پڑھیں۔ شیخ عفیف نے ان کو گازرون میں جانے کا حکم دیا، جب یہ گازرون میں پہنچے تو شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین گازرونی نے فرمایا کہ تمھارے دادا نے مجھ سے ملنے کا قصد کیا تھا۔ مگر شیطان نے میرے مرنے کی جھوٹی خبر اُن کو دی اور مکہ معظمہ کو چلے گئے اب تو میرا سجادہ ہے۔ اور مقراض ان کو دے کر فرمایا کہ یہ حق تیرا ہے۔ پس ان سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے چندے ان کی خدمت میں رہ کر مصر اور شام عراق بلخ اور خراسان وغیرہ ممالک کا سفر کرتے ہوئے اور چھ حج کر کے ہندوستان میں آئے اور بیت اللہ شریف میں امام عبداللہ یافعی کی خدمت میں رہے اور بحکم امام دہلی میں آکر حضرت مخدوم نصیرالدین چراغ دہلی کے مرید ہو کر چندے ان کی خدمت میں رہے اور فیضان چشتیہ حاصل کیا۔ جاننا چاہیئے کہ مخدوم جہانیاں چودہ خانوادوں کے خلیفہ ہیں اور تمام اولیائے وقت سے ملے ہیں اور حضرت غوث پاک سے نہایت عقیدت تھی۔ سید اشرف جہانگیری تحریر فرماتے ہیں کہ جس قدر خوارق اور کرامت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے صادر ہوئے۔ اولیائے متاخرین میں سے ایک کو بھی حاصل نہیں ہوئے۔ چنانچہ جس روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اسی روز اطوار قطبیت وغوثیت سے مشرف ہوا۔ چنانچہ شیخ علاء الدین چشتی رح قطب بنگالی نے انتقال فرمایا تھا، انتقال کے وقت فرمایا کہ میرے جنازہ کی نماز مخدوم جہانیاں پڑھائیں گے۔ اور کوئی نہ پڑھائے۔ یہ سنکر تمام مرید حیران تھے کہ مخدوم اوچ میں ہیں کیونکر آپ کے جنازہ کی نماز کے وقت حاضر ہوں گے۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں نے مخدوم جہانیاں کو وہاں حاضر دیکھا۔ اور جنازہ کی نماز پڑھائی۔ اور چند روز رہ کر نور قطب عالم کو تربیت کیا اور سجادہ پر بٹھایا۔ وہاں پر بہت سے اکابر حضرت کے مرید ہوئے۔

Marfat.com

انوارِ عظمیہ سے نقل ہے کہ ایک روز مخدوم اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے کہ یکایک، گھاس کی گٹھڑی میں آگ لگی اور اس میں سے شعلہ اٹھا۔ مخدوم نے ایک چٹکی خاک کی اٹھا کر یا شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی با آواز بلند پڑھ کر اس طرف پھینکی، معاً آگ بجھ گئی۔ ایک روز خان جہاں مرزا وزیر سلطان فیروز شاہ حضرت کی خدمت میں آیا۔ اس نے ایک منشی لڑکے کو قید کیا تھا۔ اس لڑکے نے آپ کی طرف توجہ کی۔ آپ نے نور باطن سے معلوم فرما کر وزیر سے فرمایا کہ اس مظلوم کو چھوڑ دے۔ اس میں تیری خیر ہوگی۔ وزیر نے بموجب حکم عالی رہا کیا۔

اخبار الاولیا سے نقل ہے کہ شب عید کو مخدوم جہانیاں روضہ شیخ الاسلام بہاء الدین پر جا کر مستدعی عیدی کے ہوتے۔ مزار سے آواز آئی کہ تیری عیدی یہی ہے کہ خداوند تعالے نے تجھ کو مخدوم جہانیاں کیا۔ بعد اس کے شیخ صدرالدین عارف کے مزار پر عیدی کی التجا کی۔ وہاں سے بھی جواب با صواب پایا، خزینہ جلالی میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ ابوالفتح ملتانی زینہ سے اترتے تھے۔ مخدوم نے دوڑ کر اپنے کو زینہ پر ڈالا، اس لیے کہ قدم پیر کا سینہ پر پڑے۔ یہ دیکھ کر شیخ نے کہا یا سید مرتبہ ولایت تمھارا اپنے مرتبہ کو پہنچ چکا ہے، تم مخدوم جہانیاں ہو گئے اور اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سینہ سے لگایا اور بہت نعمتیں عطا کیں۔ اس روز سے مخاطب بہ خطاب مخدوم جہانیاں ہوئے۔

ایک بار مخدوم جامع مسجد اوچ میں مع چند علماء درویشوں کے معتکف تھے۔ حاکم اوچ حضرت کی زیارت کے لیے آیا۔ حضرت کے گرد ہجوم درویشوں کا دیکھ کر کئی درویشوں کو جھڑک کر مسجد سے باہر نکالا، مخدوم نے یہ حال دیکھ کر فرمایا۔ کہ اے بدبخت تو دیوانہ ہوا ہے کہ درویشوں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ یہ فرماتے ہی حاکم دیوانہ ہو گیا۔ کپڑے پھاڑ کے مسجد سے نکل کر لوگوں کو پتھر مارتا ہوا باہر پھرنے لگا۔ آخر بمشکل اس کو پابہ زنجیر کر کے اس کا بوڑھا باپ حضرت کی خدمت میں آیا اور اس کی معافی چاہی۔ آپ نے ازراہ رحم فرمایا کہ اس کو غسل دو اور نئے کپڑے پہناؤ اور زیارت مزار شیخ جمال الدین خندہ رُو کرا کے میرے پاس لاؤ۔ پس بعد زیارت مزار وہ حضرت کے پاس آتے ہی اچھا ہو گیا اور مرید ہو کر داصلان حق سے ہوا۔

مولانا شمس الدین اوچی سے نقل ہے کہ آپ کے سفر آخری حرمین میں مخدوم کے ہمراہ میں بھی تھا۔ جب جہاز پر سوار ہوئے درویشوں کے دل میں آیا کہ مچھلی ہاتھ آجائے تو اس کے کباب کھائیں۔ مخدوم نے نور باطن سے معلوم کر کے فرمایا کہ مچھلی انشاءاللہ تمھارے پاس آوے گی۔ اسی وقت ایک مچھلی بہت بڑی کود کر جہاز میں آپڑی۔ اس کے کباب تیار ہوئے سب کو تقسیم کیے گئے۔

جب جدّہ میں آئے۔ مزار حضرت حوّا علیہ السلام پر زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ قضا را اسی روز ایک تابوت دفن کرنے کے لیے لائے۔ مخدوم نے پوچھا کہ یہ جنازہ کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ شیخ بدرالدین یمنی جو تیس برس سے کعبہ میں تھے اور اب جدّہ میں آئے تھے۔ بعد نماز عصر دوران تلاوت قرآن مجید انتقال کیا۔ یہ سنکر مخدوم نے فکر کیا اور فرمایا کہ ان بزرگ کو ابھی دفن نہ کرو۔ شاید ابھی زندہ ہوں۔

چنانچہ جنازہ کو شہر میں لا کر کنارہ دریا کے ایک مسجد میں رکھا۔ نعش کو تابوت میں سے نکال کر بوریے پر لٹایا۔ مخدوم نے تمام آدمیوں کو نکال کر مسجد کا دروازہ بند کر کے پہلے دوگانہ ادا کیا۔ بعد اس کے تلاوت قرآن میں مصروف ہوتے۔ جب آیت

Marfat.com

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

پر پہنچے تو شیخ بدرالدین کی نعش کو حرکت ہوئی اور اٹھ کر مخدوم کے دست و پا چومے۔ مخدوم نے اپنے کپڑے ان کو عطا کیے اور دروازہ مسجد کا کھول دیا۔ شیخ بدرالدین نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ یہ کرامت دیکھ کر اہل جدّہ مرید ہوئے۔ پھر وہاں سے آکر حج کیا۔ کتب تواریخ صوفیہ سے ثابت ہے کہ حضرت مخدوم کو خرقۂ خلافت حضرت شاہ بدیع الدین مدراسی سے بھی پہنچا تھا۔ ولادت حضرت کی ۷۰۷ھ میں اور وفات ۱۸۷ھ میں ہوئی۔ مزار اوچ میں ہے۔

حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری

اسم گرامی محمد تھا، مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے والد ماجد عطاء اللہ محمود البخاری۔ سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ کو "ناگور" کی قضاۃ تفویض ہوئی۔ اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے۔ اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہو کر سفر کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بغداد پہنچے اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رح سے شرف بیعت حاصل کیا۔ ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے، اسی زمانہ میں یہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار بھی تشریف فرما تھے۔ ان سے گہرے روابط و مراسم قائم کیے، جو آخر وقت تک استوار رہے۔

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدین مدینہ منورہ آئے اور ایک برس دو مہینہ سات روز تک روضہ نبوی کے مجاور رہے۔ وہاں سے بیت اللہ شریف پہنچے۔ یہاں تین سال تک قیام کر کے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کیے۔ مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی میں تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکی رح کے ساتھ قیام کیا اور وفات کے بعد ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ سن وفات ۶۷۸ھ ہے۔

آپ کی بیعت اگرچہ سلسلہ سہروردیہ سے تھی مگر بختیار کاکی رح سے گہرے تعلقات کی بنا پر آپ چشتی ہی سمجھے جاتے رہے۔ چنانچہ حضرت سید اشرف جہانگیر رح لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکی نے آپ کو خرقہ خلافت بھی عطا کیا تھا۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے خلفا میں سے تھے۔

سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے اور اس ذوق کی وجہ سے علمائے ظاہر نے آپ کے خلاف فتوے بھی دیئے۔ مگر آپ نے کسی کی پروانہ کی اور اس سے اپنا عشق بدستور قائم رکھا۔ صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک اور اسرار میں آپ کی تصانیف بہ کثرت ہیں مگر ہم کو آپ کی صرف ایک کتاب "طوالع الشموس" کا پتہ چلا ہے اس میں باری تعالیٰ کے ننانوے نام کی شرح درج کی گئی ہے۔

Marfat.com

حضرت بابا شیخ سلیم چشتی رح

حضرت بابا صاحب کی اولاد میں تھے، ہندوستان میں آپ کو شیخ سلیم چشتی اور عرب میں شیخ الہند کہتے تھے اور آپ کی والدہ کا نام بی بی احد تھا۔ آپ کے آبائے کرام کسی زمانہ میں اجودھن سے آ کر لدھیانہ میں مقیم ہوئے پھر بحکم الٰہی دہلی میں تشریف لاکر سرائے علاءالدین زندہ پیر میں (یہ اس وقت ایک محلہ تھا) قیام پذیر ہوئے اور ۸۸۴ھ میں شیخ سلیم تولد ہوئے۔ آپ کی عمر کئی ماہ کی تھی کہ آپ کے والدین دہلی سے نقل مکانی کرکے قصبہ فتح پور میں متوطن ہوئے۔ وہاں آپ کے والدین نے انتقال کیا اور شیخ موسیٰ برادر کلاں حضرت نے آپ کی پرورش کی اور چونکہ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لیے انھیں کو بیٹا بنایا۔ جب آپ سنِ بلوغ کو پہنچے تو آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ بڑے بھائی نے رد کیا اور کہا میرے اولاد نہیں ہے، میں بجائے اولاد کے تم کو دیکھ کر جیتا ہوں تمھاری مفارقت گوارا نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو فرزند دے گا، چنانچہ بعد نو ماہ کے ان کے گھر فرزند تولد ہوا۔ آپ فتح پور سے سرہند میں آئے مولانا شیخ مجدالدین ملک العلماء سرہندی سے علوم ظاہری حاصل کیے اور کبھی کبھی قصبہ بھدالی میں کہ متصل سرہند کے ہے شیخ بدرالدین کے مزار پر جاکر مشغول رہا کرتے تھے اور ۹۳۱ھ میں مکہ معظمہ جاکر کئی حج کیے اور ایک مدت مجاور روضہ طیبہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام رہے۔ بعدہٗ عرب اور عجم اور خراسان اور شام وغیرہ کی سیر کی اور بزرگوں کی صحبت سے فیض حاصل کیے۔ اس سیر و سفر میں قطب العارفین شیخ ابراہیم چشتی کے مرید ہوکر خرقہ خلافت حاصل کیا، پھر عرب شریف میں آئے اور سید محمد مولیٰ و شیخ رجب علی کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور ہزاروں شرفائے عرب مرید ہوئے بعدہٗ پھر ہندوستان میں تشریف لاکر پہاڑی سیکری پر ریاضت اور مجاہدہ شاقہ میں مشغول ہوئے اور نکاح کیا، اولاد پیدا ہوئی اور عمارت اعلیٰ باغ و چاہ بنائے۔ بعدہٗ سنہ ۹۶۰ھ میں بوجہ مفسدہ ہمیوں بقال عازم حرمین شریفین ہوئے جب بیت اللہ میں پہنچے، یاروں سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترک طعام کروں یا سکوت دوام اختیار کردوں، یاروں نے عرض کی کہ سکوت سے دروازۂ فیض بند ہو جائے گا۔ آخر آپ نے ترکِ طعام کیا۔ بعد ہفتہ عشرہ کے قدرے بے گوشت کے طعام سے افطار فرماتے۔

نقل ہے کہ قاضی غیاث الدین جو قاضی ابراہیم کے آبا اور آپ کے خلیفہ تھے۔ انھوں نے ایک روز عرض کیا کہ سلطان محمد عادل شاہ سے اور بندہ سے ملاقات ہے میں برائے ملازمت جاتا ہوں امید وار ہوں کہ اسپ عراقی جو طویلہ خاص میں ہے مرحمت ہو کہ میں اس کو بادشاہ کی نذر کروں۔ آپ نے فرمایا کہ اس شرط پہ دیتا ہوں کہ بادشاہ اس کو جدا نہ کرے اگر کسی کو دے دیا تو موجب زوالِ دولت و اقبال کا ہوگا۔ قاضی نے محکم وعدہ کیا اور گھوڑے کو لے بادشاہ کے پاس گیا اُسے نذر کیا۔ نیز وعدہ شیخ بیان کیا۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ آخر ایک خاصانِ بارگاہ سلطان نے وہ گھوڑا ایک امیر کو دے دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنی دولت کو برباد کردیا۔ چنانچہ چند روز

Marfat.com

کے بعد اس کے تمام ملک میں فتنہ وفساد برپا ہوا کہ ابراہیم خاں سور نے جو سالار محمد عادل شاہ کا تھا بادشاہ سے بغاوت کی۔ آخر بادشاہ تاب اقامت نہ لاکر کالینجر کے قلعہ میں چلا گیا۔ بعدہٗ احمد خاں سور کو جو عدلی کا بہنوئی تھا اس نے یورش کر کے ابراہیم کو سندھ نواح دہلی سے نکال کر گنگا تک تسلط کیا چاہتا ہے کہ آگے بڑھے ۹۶۲ھ میں حضرت ہمایوں نے آکر بار دیگر عنانِ سلطنت ہند اپنے ہاتھ میں لی

معارج الولایت سے نقل ہے کہ پہلے بننے محلاتِ سلطانی کے تمام اہلِ فتح پور سے آپ نے فرمایا تھا کہ پندرہ برس کے بعد یہاں عماراتِ عالی تیار ہوں گی تم کو چاہیئے کہ اپنے اپنے مکان کشادہ بنالو۔ ورنہ پھر گز بھر زمین کا ملنا بھی دشوار ہو گا، آخر حضرت اکبر اعظم کو ذات بابرکات سے اعتقاد ہوا۔ آپ کی دعا سے شہزادہ سلیم یعنی جہانگیر بادشاہ تولّد ہوئے اور شاہزادہ کو بادشاہ نے برائے تربیت و پرورش حوالہ شیخ کیا اور تمام رعایائے فتحپور موردِ عنایت سلطانی ہوئے، محلاتِ شاہی اور دیگر عماراتِ عالی تیار ہوئیں اور عظیم الشان شہر تیار کیا گیا، لکھا ہے کہ ایک روز شیخ محل شاہی میں تشریف لے گئے۔ اس محل کو دیکھ کر فرمایا، کہ جو عمارتیں میں نے دیکھی ہے خلاف اس کے ہے۔ اسی وقت نقشہ نویس حاضر ہوئے اور حسب ایمائے نقشہ تیار ہوا۔ بادشاہ نے صرف زر کثیر مسجد اور خانقاہ برائے شیخ تیار کرائی تاریخ ثانی مسجد الحرام ہے اور تاریخ خانقاہ اکبر ہے۔ سبحان اللہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسی خانقاہ دوسری روئے زمین پر نہیں ہے۔ شہزادہ سلیم کے پیدا ہونے کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شہنشاہ اکبر اعظم کو اولاد نرینہ کی بہت خواہش تھی۔ ایک روز شیخ سے عرض کی کہ دعا کیجیئے اللہ تعالیٰ مجھ کو بیٹا دے۔ آپ نے مراقبہ کیا۔ بعدہٗ سر اٹھایا اور فرمایا کہ تیری تقدیر میں بیٹا نہیں ہے۔ عالم مجبوری ہے۔ سلطان نے پھر عرض کیا، کہ حضرت اگر میری تقدیر میں ہوتا تو میں آپ سے دعا کا کیوں خواہاں ہوتا۔ آپ نے تھوڑا سکوت فرمایا بعدہٗ ارشاد فرمایا کہ اس ملک میں راجپوتوں کی بہت بہت دنوں سلطنت رہی، بہتر ہے کہ کل بادشاہ بیگم دختر راجہ بہاڑامل کچھواہا بی بی سے ملنے آوے۔ بموجب ارشاد بادشاہ کے رانی موصوفہ دوسرے روز آپ کے زنانہ مکان میں آئیں۔ جب ان کے آنے کی خبر آپ کو ہوئی آپ بھی گھر میں تشریف لائے اور اپنی بی بی سے ارشاد فرمایا کہ رانی صاحبہ کی پشت سے پشت ملا کر بیٹھو اور اوپر سے اپنی چادر مبارک دونوں صاحبوں پر ڈال کر اپنی بی بی سے ارشاد فرمایا کہ یہ بچہ اس کو دے دو۔ وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ بعد تھوڑی دیر کے رانی موصوفہ سوار ہو کر محلسرائے میں داخل ہوئیں، قدرت خدا سے دوسرے روز آثار حمل کے نمودار ہوئے۔ بعد اس کے بادشاہ جب آپ کی زیارت کو آئے آپ نے فرمایا کہ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تجھ کو فرزند عطا کیا۔ مگر اس کا نام میرے پر رکھنا۔ چنانچہ ۹۷۷ھ میں شاہزادہ سلیم پیدا ہوئے بادشاہ نے بہت کچھ مساکین کو دیا یعنی تین کروڑ نقد اور تین لاکھ بیگھہ پختہ زمین اور تین سو گاؤں خیرات کیے اور شاہزادہ کو ایک بار موتیوں اور ایک بار زمرد، ایک بار ہیرے اور ایک بار نیلم، ایک بار فیروزہ، ایک بار لعل بدخشانی کے ہمراہ تول کر خیرات کیے اور پاپیادہ بارہ منزلیں کر کے حضرت خواجہ بزرگ کی زیارت کی اور وہاں بھی بہت کچھ چڑھایا اور خیر و خیرات کی وہاں سے آکر شہزادہ کو شیخ کی خدمت میں رکھا۔ چنانچہ شہزادہ سلیم کے خوارق اور کرامات کہ جو بعض مواقع پر ظاہر ہوئے تواریخ دیکھنے سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

نقل کرتے ہیں کہ ایک بار شیخ حجرہ میں معتکف تھے نماز کے واسطے مسجد میں جاتے تھے۔ دیکھا کہ ایک فقیر سوتا ہے۔ آپ نے اس کے سرہانے جا کر جگایا اور فرمایا کہ فقیروں کو کسی سے لڑنا نہیں چاہیئے۔ اور فقیر شرمندہ ہوا۔ عرض کی کہ بے شک میں خواب میں لڑ

Marfat.com

رہا تھا۔ ایک روز ایک شخص نے آپ کے روبرو بیان کیا کہ دختر نایک گوپال نے جو ایک گویا مشہور ہے بادشاہ دہلی سے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو ہندی دکن جا کر اپنے پتا یعنی باپ کی ہڈیاں لے آئے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تیرے باپ کی ہڈیاں کس طرح شناخت ہوں گی۔ اس نے عرض کیا کہ ہمارے خاندان میں ہڈی میں سوراخ ہوتا ہے۔ یہ عمل راگ کا ہے۔ شیخ نے سنکر فرمایا کہ گویئے جو فقط آواز کرتے ہیں ایک سوراخ ہڈیوں میں رکھتے ہیں اور درویشوں کی ہڈیوں میں تمام سوراخ ہیں یہ فرما کر ان کو چیرا اور ہڈی دکھائی، حاضرین نے دیکھا کہ اس قدر چھید تھے کہ خانۂ زنبور معلوم ہوتے تھے۔ پھر فرمایا کہ قدر سرود کی فقیر جانتے ہیں۔ گویوں پر کیا موقوف ہے۔

نقل معارج الولایت سے ہے کہ آپ کے چھوٹے بیٹے کا نام تاج الدین تھا۔ جب ان کی عمر سال بھر کی ہوئی آثار کرامت ظاہر ہونے لگے تھے۔ ایک روز نظر اہل خانہ سے غائب ہو گئے جب تلاش کیا تو بالاخانہ پر شیخ کے پاس پایا۔ آخر ڈھائی برس کی عمر میں فوت ہوئے اور وفات شیخ احمد و شیخ بدرالدین آپ نے بروقت انتقال فرمایا۔ کہ باباصاحب نے بدرالدین کو صاحب سجادہ کیا تھا میں بھی بدرالدین کو صاحب سجادہ کرتا ہوں۔ سب کو اس کی طاعت چاہیئے اور خلیفہ حضرت کے دیگر ممالک میں بے شمار ہیں۔ مگر ہندوستان میں جو چند حضرات مشہور ہوئے ہیں یہ ہیں:۔

شیخ عبدالوحد متوطن اکبرآباد۔ شیخ امام سرہندی۔ شیخ سدھاری۔ شیخ جلال حافظ، امام سید حسین۔ شیخ حاجی حسین بکھاری۔ شیخ رکن الدین، شیخ یعقوب کشمیری، شیخ ولی ساکن قصبہ میوا۔ شیخ بدوانی۔ شیخ حماد گوالیاری۔ شیخ محمد غوری۔ شیخ کبیر سارنگ پوری شیخ محمد بخاری۔ شیخ پیارا مانڈوی۔ شیخ تقی چابک۔ شیخ سید جیو دہلوی۔ شیخ محمد مردالی۔ شیخ کمال الدین۔ شیخ فتح اللہ سنبھلی وغیرہ قدس اللہ اسرارہما۔

Marfat.com

حضرت شیخ سعد اللّٰہ بن خیر آبادیؒ

یہ حضرت درویش خاندان نظامیہ کے اور خلیفہ شیخ مینا شاہ ولایت لکھنؤ کے ترک اور تجرد میں پیر کے قدم بہ قدم تھے، اور مشتاق سماع اور وجد تھے اور صاحب تصانیف بھی تھے۔ شرح مصباح وکافیہ اور مجمع السلوک جن میں حالات شیخ مینا کے مفصّل درج کیے ہیں۔

علوم ظاہری کی تکمیل مولانا اعظم سے کی۔

آپ کے مریدوں میں سے بہت سے باکمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ شیخ مبارک اور شیخ صفی یہ دونوں بزرگ کامل گزرے ہیں۔
وفات شیخ سعد الدین کی ۸۸۲ھ میں ہوئی۔ مزار شریف خیر آباد میں ہے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رح

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رح خواجہ تونسوی رح کے محبوب ترین خلفاء میں تھے۔ انھوں نے چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت میں جو مسلسل اور پرخلوص جد و جہد کی، اسی کے نتیجے کے طور پر جلال پور اور گولڑہ کی خانقاہیں وجود میں آئیں۔

خواجہ صاحب رح ۱۲۱۴ھ کو سیال میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا اور ان کا اقتدار تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ ان حالات میں ان کو طرح طرح کی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ ان کے والد ماجد میاں محمد یار کو سکھوں نے گرفتار کر لیا تھا اور ان کے خاندان کو ہوش رُبا تکالیف برداشت کرنی پڑی تھیں۔

خواجہ سیالوی کے والد ماجد نے ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی۔ سات سال کی عمر میں انھوں نے قرآن پاک ختم کر لیا۔ اس کے بعد اپنے ماموں میاں احمد الدین کے ساتھ موضع میکی ڈھوک علاقہ پنڈی گھیب تشریف لے گئے اور وہاں کے مدرسہ میں چند ماہ رہ کر نام حق اور کریما پڑھا۔ پھر مکھڈ چلے گئے اور وہاں تیرہ سال رہ کر تحصیل علم کی۔

مکھڈ میں مولوی علی محمد صاحب علمی دنیا کے صدر نشین تھے۔ ان کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ خواجہ سیالوی رح عقیدت مندانہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے علم حاصل کرنے لگے۔ مولوی صاحب ان کے انہماک اور خلوص سے متاثر ہوئے اور ان پر خاص الطاف و کرم فرمانے لگے۔ اکثر اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلاتے اور علمی مسائل پر ان سے گفتگو کرتے۔ مولوی صاحب کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ خواجہ سیالوی رح کی وہ صلاحیتیں جو شاید ناساز گار حالات میں کملا کر رہ جاتیں، بیدار ہو گئیں اور انھوں نے علوم ظاہر میں مولوی صاحب سے وہ فیض حاصل کیا جس کا اعتراف وہ آخر عمر تک کرتے رہے۔

اسی زمانہ میں شیخ سیالوی رح کو کابل جانے کا موقع مل گیا۔ میاں محمد امین ایک نامور تاجر تھے۔ درویشوں سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں افغانستان جانے کا ارادہ کیا تو برکت کے لیے مولوی علی محمد صاحب کی اجازت سے شیخ شمس الدین رح کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ خواجہ صاحب نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور کابل کے ایک متبحر عالم حافظ دراز صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث و فقہ کا درس لیا۔ پہلے ہدایہ مکمل پڑھی۔ پھر حدیث کی سند لی۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد مکھڈ واپس آ گئے اور مولوی علی محمد صاحب کی صحبت میں رہنے لگے۔

مولوی علی محمد صاحب ان دنوں حقیقت و معرفت کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ با طناً درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے لیکن محبت الٰہی کے جوش سے رات دن اشک باری میں گذارتے تھے اور ایک ایسے رہبر کامل کی تلاش میں سرگرداں تھے جو ان کے مضطرب قلب کے لیے سکون کا سامان مہیا کر سکے۔ ایک دن انھوں نے خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح کی ایک شخص سے تعریف سنی اور ان سے ملنے کا اشتیاق

Marfat.com

دل میں پیدا ہوگیا۔ چنانچہ مولوی صاحب خواجہ سیالوی رح کو اپنے ساتھ لے کر خواجہ تونسوی رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اس وقت خواجہ شمس الدین رح اٹھارہ سال کے تھے۔ علم حدیث وفقہ حاصل کر چکے تھے۔ اور باطنی تعلیم کا ذوق بھی دل میں تھا۔ جب خواجہ تونسوی رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو ان کے قدموں میں ایسی کشش محسوس کی کہ پھر وہاں سے سر نہ اُٹھایا۔ خواجہ صاحب نے دونوں کو مرید کر لیا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد شاگرد اور استاد دونوں مکھڈ واپس آ گئے۔

مولوی علی محمد صاحب کے اولاد نہ تھی۔ خواجہ سیالوی رح کو وہ بیٹے کی طرح رکھتے تھے اور ان کی علمی ترقی کے لیے دل وجان سے کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا سارا مال ومتاع خواجہ صاحب کے سپرد کر دیا۔ اور مدرسہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ خواجہ صاحب رح کے والدین ان کی شادی کے لیے مصر ہوئے۔ لیکن وہ مکھڈ چھوڑنے اور ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ مجبوراً ان کے والد صاحب نے خواجہ تونسوی سے امداد کی درخواست کی۔ خواجہ تونسوی رح نے مولوی صاحب کو لکھا "مولویا! تو نے اس فقیر کو کیوں اسیر کر رکھا ہے۔ اس کو باپ کے پاس بھیجدے" اور ساتھ ہی خواجہ شمس الدین کو ہدایت کی کہ وہ والدین کے پاس جائیں اور نکاح سے فراغت حاصل کریں۔

۲۴ سال کی عمر میں خواجہ شمس الدین کا نکاح ان کے چچا میاں احمد یار کی دختر کے ساتھ پڑھا یا گیا۔ اس زمانہ میں خواجہ صاحب کے والد نہایت عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اکثر فاقے ہوتے تھے اور بیشتر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان حالات میں خواجہ شمس الدین نے وطن میں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا اور درس وتدریس کے کام میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ عبادت وریاضت کی طرف بھی توجہ تھی سال میں کئی کئی بار تونسہ شریف جاتے تھے اور فیوض باطنی سے مالا مال ہو کر واپس آتے تھے۔ خواجہ سیالوی کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کے ہمراہ ۴ مرتبہ بہار شریف کا سفر کیا تھا۔ اور ان کا سامان اپنے کاندھوں پر رکھ کر ان کی سواری کے آگے آگے چلتے تھے۔ تقریباً ۳۶ سال کی عمر میں خواجہ تونسوی رح نے ان کو خلافت سے نوازا اور ہدایت کی کہ بیعت کا کام بڑے اہتمام سے کرنا، اپنے اشغال میں مصروف ہو کر اس کو نظر انداز نہ کر دینا۔ خواجہ صاحب نے سب سے پہلے اپنے والدین اور پھر ان چار بزرگوں کو مرید کیا۔

۱۔ میاں چھیٹہ کسب دار

۲۔ شیخ عبد الجلیل قریشی

۳۔ عبد اللہ دین دار

۴۔ میاں فضل احمد قریشی۔

ان بزرگوں کا مختصر حال انوار شمسیہ میں درج ہے۔

شیخ شمس الدین نے سیال شریف میں اپنا خانقاہی نظام اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا تھا۔ ان کے یہاں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔ تمام زائرین اور مسافروں کو کھانا لنگر خانہ سے ملتا تھا۔ شہر کے مفلسوں اور مسکینوں کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔ قیام کا انتظام بہت اچھا تھا۔ چارپائی اور بستر ہر آنے والے کے لیے مہیا کیے جاتے تھے جو لوگ مستقلاً خانقاہ میں رہتے تھے ان کو کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔

Marfat.com

شیخ سیالوی کا اخلاق بہت اعلیٰ تھا۔ اجنبی اور ملاقاتی سے ایک طرح ملتے تھے۔ ہر آنے والے سے خلوص اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ہمدردی سے ہر ایک کے دکھ درد کی داستان سنتے تھے اور مناسب حال علاج کرتے تھے۔ شریعت کے معاملہ میں بہت سخت گیر تھے اور اس سلسلہ میں مریدین پر سختی کو ضروری سمجھتے تھے۔ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ سماع بالمزامیر سے اجتناب کلی کرتے تھے۔

۲۱۔ صفر ۱۳۰۰ھ کو شیخ سیالوی واصل بحق ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ وفات کہی ؎

درلیغا صد درلیغا صد درلیغا — کہ شمس الدین امام العارفین رفت
ہزار افسوس کیں مہرِ جہاں تاب — بہ اوجِ عرش از فرشِ زمیں رفت
چو سرور جست تاریخش زہاتف — بگفتا شمس اوجِ علم دیں رفت

۱۳۰۰ھ

خواجہ سیالوی کے تین فرزند تھے:۔

۱۔ خواجہ محمد الدین

۲۔ خواجہ فضل الدین

۳۔ خواجہ شجاع الدین

وصال کے بعد خواجہ محمد الدین سجادہ پر بیٹھے۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی نے خرقہ پہنایا۔ انھوں نے اپنے باپ کی روایات کو جاری رکھا۔ ان کے چار فرزند تھے۔

۱۔ محمد امین رح

۲۔ محمد ضیاء الدین رح

۳۔ محمد عبداللہ رح

۴۔ محمد سعداللہ رح

خواجہ محمد الدین نے ۲۔ رجب ۱۳۲۷ھ کو وصال فرمایا۔ خواجہ محمد امین ان کی حیات ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس لیے صاحبزادہ محمد ضیاء الدین صاحب رح سجادہ پر بیٹھے۔

خلفا: خواجہ سیالوی رح کے خلفاء میں مندرجہ ذیل ۳۵ بزرگ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ خواجہ محمد الدین رح

۲۔ صاحبزادہ فضل الدین رح

۳۔ صاحبزادہ شجاع الدین رح

۴۔ پیر غلام حیدر شاہ صاحب جلال پور رح

Marfat.com

۵۔ پیر مہر علی شاہ صاحب رح گولڑہ

۶۔ مولوی فضل الدین ساکن چاچڑ، تحصیل شاہ پور

۷۔ مولوی معظم الدین ساکن مرولہ والا تحصیل بھیرہ۔

۸۔ مولوی محمد امین ساکن چکوڑی ضلع گجرات۔

۹۔ شیخ عبدالجلیل ساکن تحصیل شاہ پور

۱۰۔ مولوی حفیظ ماہی صاحب

۱۱۔ سید محمد شاہ صاحب غزنوی ساکن کٹا واڑہ علاقہ بوبک خیل خراسان۔

۱۲۔ سید اکرام شاہ ساکن سلہو کے علاقہ رسول نگر۔

۱۳۔ سید نوبہار شاہ ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خان۔

۱۴۔ سید صالح شاہ صاحب ساکن سلطان پور ضلع جھنگ۔

۱۵۔ سید حسن شاہ ساکن سنجر ڈیرہ غازی خاں۔

۱۶۔ میاں پیر بخش قریشی ساکن خواجہ آباد۔ میاں والی۔

۱۷۔ سید جنڈوڈا شاہ صاحب ساکن عیسےٰ خیل۔ میاں والی۔

۱۸۔ میاں علی حیدر صاحب ساکن خاص میاں والی۔

۱۹۔ مولوی سلطان محمود صاحب ناڑیوالہ ساکن چھپر تحصیل خوشاب۔

۲۰۔ مولوی احمد الدین صاحب صوفی ساکن کلور ضلع میانوالی۔

۲۱۔ ملا خوشنود صاحب یوسف زئی۔ ساکن کابل۔

۲۲۔ سید حیات شاہ صاحب نارگ والہ۔

۲۳۔ مولوی غلام محمد صاحب ساکن لالہتی تحصیل خوشاب۔

۲۴۔ سید رستم علی شاہ ساکن علاقہ پنچھ کشمیر۔

۲۵۔ سید محمد سعید شاہ صاحب ساکن بہرتنہ متصل شہر لاہور مصنف مراۃ العاشقین۔

۲۶۔ سید مبارک شاہ چھانا آبادی علاقہ راولپنڈی۔

۲۷۔ سید گلاب شاہ صاحب اورنگ آبادی ضلع کیمبل پور

۲۸۔ سید غلام شاہ ساکن ہرن پور ضلع جہلم۔

۲۹۔ سید شاہ اللہ بخش ساکن حاجی پور ضلع ڈیرہ غازی خاں۔

Marfat.com

۳۰۔ سید شاہ خدا بخش صاحب ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خاں۔

۳۱۔ مولوی محمد صاحب ساکن کوٹ کالا ضلع شاہ پور

۳۲۔ مولوی فتح محمد صاحب ساکن سلہیانہ ضلع جھنگ۔

۳۳۔ حافظ صاحب سموکے والہ ضلع کیمل پور

۳۴۔ سید فیض شاہ ساکن جھابن علاقہ جھنگ

۳۵۔ میاں محمد طیب ساکن بلبل ٹڑی معروف بہ جالندھری۔

پیر سیّد غلام حیدر علی شاہ جلالپوری

دریائے جہلم سے پار ہونے کے بعد ایک کوہستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہیں پہاڑوں کے دامن میں جلال پور واقع ہے۔ ایک طرف دریائے جہلم موجیں مار رہا ہے دوسری طرف سبزہ زار کیف افزائے نظر بنا ہوا ہے۔ تیسری طرف وادیوں کا مستحکم سلسلہ حجازی وادیوں کی یاد دلاتا ہے۔ جلال پور کے اس جنت نظیر خطہ میں خواجہ سیالوی رح کے ایک عزیز خلیفہ سیّد غلام حیدر علی شاہ رح نے ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی کہ تمام فضائیں روح پرور نغمات سے گونج اٹھیں۔

پیر سیّد حیدر شاہ صاحب رح کی ولادت باسعادت ۴ر صفر ۱۲۵۴ھ مطابق ۲۶ر اپریل ۱۸۳۸ء کو ہوئی تھی۔ دسویں پشت میں ان کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاں رح سے جاملتا ہے۔ پیر سید حیدر شاہ صاحب کے والد ماجد سید جمعہ شاہ نہایت عابد، منکسر المزاج اور متوکّل بزرگ تھے۔ والدہ ماجدہ سجادہ بیگم موضع کھیوہ ضلع گجرات (پنجاب) کے ایک مشہور بزرگ سیّد غلام شاہ کی صاحبزادی تھیں۔ پیر حیدر شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت میں ان کا خاص حصّہ تھا۔ وہ بڑی عبادت گذار اور صالح خاتون تھیں۔ گو افلاس کی زندگی بسر کرتی تھیں، لیکن توکل کی دولت سے مالا مال تھیں۔ کبھی کسی کا سوال ردّ نہ کرتی تھیں۔ ماں کے زہد و تقدس نے بیٹے کے ہر ہر رگ و ریشہ کو متاثر کیا۔ شاہ صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ ہماری والدہ بابا فرید گنج شکر رح کی والدہ کی مانند تھیں جنھوں نے ابتدا ہی سے اپنے لختِ جگر کو نماز کا پابند بنا دیا تھا۔ وہ شاہ صاحب کو رات کو سوتے وقت سونے سے جگا دیتی تھیں۔ ۵۔ ۶ سال کی عمر میں شاہ صاحب میں ارکانِ دین کی پابندی اس قدر تھی کہ جلیٹھ اور اساڑھ کی گرمی میں انھوں نے روزے رکھے۔

جب شاہ صاحب نے ہوش سنبھالا تو ان کو میاں خان محمد اعظم پوری کے زیرِ تعلیم کیا گیا۔ انھوں نے کلام پاک پڑھنا شروع کیا۔ جس کی تکمیل آپ کے چچا سیّد امام شاہ رح نے فرمائی۔ اس کے بعد میاں عبد اللہ مکہ ودی سے فارسی اور اُردو کی درسی کتابیں پڑھیں، پھر جلالپور سے پانچ کوس کے فاصلہ پر بمقام نین وال تشریف لے گئے اور وہاں قاضی محمد کامل سے کتبِ فقہ کا درس لیا۔ مفتی غلام محی الدین صاحب سے جو علمی اعتبار سے گرد و نواح میں جواب نہ رکھتے تھے۔ استفادہ کیا اور کنز الدقائق اُن سے پڑھی۔ اس سے زیادہ ظاہری علم شاہ صاحب نے باقاعدہ حاصل نہیں کیا، لیکن طبیعت کی افتاد اور ماحول کے اثر نے ان میں وہ عالمانہ انداز پیدا کر دیا تھا جس سے بہت سے عالم بھی محروم تھے۔

Marfat.com

خواجہ سیالوی رح کی خدمت میں انھوں نے مرقع اور کشکول کا درس لیا۔

پیر حیدر شاہ صاحب رح کی عمر ۷ سال کی تھی کہ ان کے والد ماجد نے وصال فرمایا۔ رحلت کے وقت وصیت فرمائی کہ کسی کو خالی ہاتھ جانے دینا۔ بڑوں کا ادب ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا۔ چھوٹوں سے محبّت سے پیش آنا اور اقربا کے ساتھ صلہ رحمی کا زرّین اصول یاد رکھنا۔

شاہ صاحب رح مرشد کی تلاش میں ہرن پور[1] پہنچے اور وہاں سیّد غلام شاہ صاحب رح سے بیعت کرنے کی درخواست کی۔ انھوں نے سیال جانے کا مشورہ دیا۔ بلکہ ساتھ لے گئے۔ خواجہ سیالوی رح نے جب اُن کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ مزاج پوچھا۔ اور بیٹھنے کا حکم دیا۔

۷۔ رجب ۱۲۷۱ھ کو ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ بیعت کے بعد آپ کا یہ دستور تھا کہ ہر دسویں دن پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جب چھٹی مرتبہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔

پیر حیدر شاہ صاحب رح کو اپنے شیخ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ ان کے سامنے بولنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ خط لکھا اور اس میں صرف یہ نظم لکھی، لیکن پاس ادب سے شیخ کی خدمت میں پیش نہ کر سکے ؎

میں ہاں خادم تو ہے مخدوم میرا | تُساں کو حال سب معلوم میرا
کرو خادم اُتّے انعام سائیں، | جو ہر جا فیض تیرا عام سائیں
کیتا دل درد تیرے پارہ پارہ | جو دارُو درد میرے کا نظارہ
نظارہ جے کرو جد جیندیاں میں | وگرنہ جام زہروں پیندیاں میں
نظر کر دیکھ چہرے زار میرے | جو میں بیمار کیتے درد تیرے
دوا کر مہرباں بیماریاں دا | وفا کر دلبرا دلداریاں دا!
میں تیرے دیکھنے کی باولی ہوں | دکھا مکھ کھول کے میں باولی ہوں!

مرشد ان کا اس قدر خیال کرتے تھے کہ جب وہ سیال آتے تو خود تھوڑی دور تک استقبال کے لیے جاتے تھے۔ ایک دن شیخ عبد الجلیل خادم شیخ کی وساطت سے عرض کیا کہ حضور میں اس قدر تعظیم و تکریم سے بہت نادم اور محجوب ہوں اور میرے قلب پر ایک قسم کی اضطرابی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سوئے ادبی ہے۔ خواجہ سیالوی رح نے جواب دیا۔ شاہ صاحب ہم اپنی خوشی کے خود مختار ہیں۔ آپ اس معاملہ میں خاموش رہیں۔

ایک مرتبہ پیر سید حیدر شاہ علیل ہوئے۔ پیر و مرشد کو حال معلوم ہوا تو بے قرار ہو گئے۔ روتے جاتے تھے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا

---

[1] جلال پور سے دس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

Marfat.com

جانتے تھے۔

"یا ارحم الراحمین! میری ساری عمر دی ایہا کھٹی پونجھی ہے۔ اسے برباد نہ کرنا۔"

(یعنی عمر بھر کی کمائی یہی ہے)

پیر حیدر شاہ صاحب کا اخلاق نہایت اعلیٰ اور وسیع تھا۔ منکسر المزاجی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی۔ ایک مرتبہ چند آدمیوں کے ساتھ سیال شریف کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ پانی پینے کے لیے رُکے ایک شخص جو انتہائی بدشکل اور کریہہ المنظر تھا پانی پی رہا تھا اس نے بچا ہوا پانی پھینکنا چاہا۔ شاہ صاحب نے ہاتھ روک کر وہ پانی خود پی لیا۔

خود پسندی ان کو چھو کر بھی نہ گذری تھی۔ فطرتاً نہایت نرم دل تھے۔ کسی شخص سے بہت زیادہ ناراض ہوتے تو صرف اتنا فرماتے۔ "نیک بختا تو نے یہ کیا کیا" یہ کہنے کے بعد اس کو آزردہ نہ ہونے دیتے اور جس طرح ہوتا اُسے خوش کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے ؎

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کُن

کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

غریبوں کی دلجوئی کی طرف خاص توجہ کرتے تھے۔ کبھی کسی کے لیے بد دعا نہ کرتے تھے۔ ایک شخص مرزا خاں بے حد مخالفت کیا کرتا تھا جب اس کے فتنہ و فساد کی حد نہ رہی اور لوگوں نے اس کی طرف رجوع کیا تو صرف اتنا فرمایا: "دعا کرو خداوند کریم اس پر رحم کرے اور کسی اچھے شغل میں لگا دے تاکہ اسے ہماری مخالفت کی فرصت ہی نہ ملے۔"

شاہ صاحبؒ شرع کے بہت پابند تھے۔ ان کے سوانح نگار کا بیان ہے۔ "آپ فقہا کی طرح محتاط اور عامل بالشرع رہتے تھے[1]۔"

ایک دن فرمانے لگے۔

"مناقب المحبوبین میں بہت سی سندوں کے ساتھ استاد، والدین، بادشاہ اسلام اور پیر کے لیے سجدۂ تعظیم کرنا جائز ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن طریقۂ شریعت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے[2]۔"

شاہ صاحب نہایت حسین و جمیل انسان تھے۔ لمبا قد۔ خوبصورت آنکھیں۔ شانوں پر زلفیں، کلاہ چہار ترکی سر پر۔ موسم سرما میں باناٹ کا کوٹ۔ گرمیوں میں ململ کا کرتا۔ پاؤں میں جلی طرز کا سادہ جوتا پہنے ہوئے وہ حسنِ مجسّم معلوم ہوتے تھے۔

۶۔ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو شاہ صاحب نے وصال فرمایا۔ علامہ اقبال نے تاریخ وفات کہی ہے ؎

ہر کہ بر خاک مزار پیر حیدر شاہ رفت

تربت او را امین جلوہ ہائے طور گفت

---

[1] ذکر حبیب حصہ اول ص۴؎ ۔ [2] ذکر حبیب۔ ملفوظات ص۲۶۵

Marfat.com

ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سال وفاتِ او بگو مغفور گفت
۱۳۲۶ھ

خواجہ صاحب کے چار صاحبزادے تھے۔ سید بدیع الزماں شاہ۔ سید مظفر علی شاہ۔ محمد رسول شاہ۔ قائم الدین شاہ۔
سید بدیع الزمان خواجہ سیالوی سے بیعت تھے۔ ۲۱ سال کی عمر میں، ۷۔ شعبان ۱۲۹۵ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ قائم الدین شاہ، خواجہ اللہ بخش تونسوی رح سے بیعت تھے۔ ۲۱۔ رجب ۱۳۱۶ھ کو ۲۱ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ رسول شاہ کا انتقال ایام شیر خوارگی میں ہوگیا تھا۔ وصال کے بعد سید محمد مظفر علی شاہ رح سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بھی خواجہ سیالوی سے بیعت تھے۔ صرف مسندِ خلافت والد سے ملی تھی۔

۱۹۔ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ کو انھوں نے وصال فرمایا۔ ان کے صاحبزادے ابوالبرکات مولانا سید محمد فضل شاہ صاحب آج کل صاحب سجادہ ہیں۔ بلند اخلاق پاک سیرت، عالم و فاضل اور وسیع النظر بزرگ ہیں۔

اسلامی ممالک مثلاً بیروت، دمشق، اسکندریہ، مصر، بیت المقدس کی سیاحت نے نگاہ میں وسعت اور اسلامی مسائل سے واقفیت پیدا کردی ہے۔

پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑی

خواجہ سیالوی کے خلفا میں پیر سید مہر علی شاہ صاحب ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ انھوں نے موجودہ دور میں نہ صرف احیاءِ تصوّف کی کوشش کی، بلکہ بہت سے عقاید باطلہ کی تردید میں بھی سرگرم رہے۔

خواجہ صاحب کا سلسلۂ نسب ۲۴ ویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔ ان کی نانی حضرت مخدوم جہانیاں کی اولاد سے تھیں۔ خواجہ صاحب کے والد ماجد سید نظیر الدین شاہ نے اپنے بیٹے کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت ہی جگر سوزی کے ساتھ کی تھی۔ خواجہ صاحب خود بہت ذہین اور باہوش تھے۔ تھوڑی ہی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہوگئے اور درس و تدریس کا کام شروع کردیا۔ پھر حجاز چلے گئے۔ وہاں ایک عرصہ تک رہنے کے بعد وطن واپس آئے اور اصلاح و تربیت کا ہنگامہ برپا کردیا۔

مکۂ معظمہ میں ایک دن وہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی کی خدمت میں حاضر تھے۔ حاجی صاحب نے نہایت اصرار اور تاکید سے ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا:

"در ہندوستان عنقریب یک فتنہ ظہور کند، شما ضرور در ملک خود واپس بروید، واگر بالفرض شما در ہند خاموش نشستہ باشید تاہم آں فتنہ ترقی نہ کند و در ملک آرام ظاہر نشود۔"[1]	ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا، تم ضرور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بیٹھے رہے تو وہ فتنہ ترقی نہ کرے گا اور ملک میں سکون رہے گا۔

---

[1] ملفوظات طیبہ ص ۱۲۰

Marfat.com

خواجہ صاحب رحؒ حاجی صاحب کے اس کشف کو فتنۂ قادیانی سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں آن کو اس فتنہ کی مخالفت کا حکم دیا تھا[1] چنانچہ خواجہ صاحب نے اپنی زبان اور قلم دونوں سے قادیانیوں کے عقاید باطلہ کی پرزور تردید کی۔

خواجہ صاحب بڑے متبحر عالم تھے۔ ان کے ملفوظات ان کی بلندئ فکر اور وسعت معلومات کے بہترین آئینہ دار ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔

"کمالات شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم بحد غایت کمال رسیدہ اند در علم ظاہر و باطن نظیر خود خود گذشتہ اند"[2]

شیخ اکبر رحؒ کے نظریۂ وحدت وجود پر جو عبور ان کو حاصل تھا۔ اس کی اس صدی میں نظیر نہیں ملتی۔ فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے اور اس کے اسرار و رموز کو خوب سمجھتے تھے۔ علامہ اقبال نے ایک مرتبہ شیخ اکبر کے فلسفہ کے متعلق ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان سے عقیدت و ارادت کا اظہار اس طرح کیا تھا۔

لاہور۔ ۸۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ، السلام علیکم۔

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے، تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہرحال جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحؒ پر ایک تقریر کی تھی۔ جو وہاں کے ادا شناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر ادھر جانے کا مقصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زماں کے متعلق کیا کہا ہے اور آئمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں، اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کرسکوں۔

---

[1] ملفوظات صد ۱۲۷-۱۲۶۔ [2] ملفوظات صد ۱۴۲

Marfat.com

(۳) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زماں پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کا نام تھا درایۃ الزماں۔ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے، اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرما دیا ہے۔ اس لیے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامل تھا۔ لیکن مقصود چونکہ خدمت اسلام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔ باقی التماس دعا۔

مخلص: "محمد اقبال[1]"

غیر شرعی رسومات سے خواجہ صاحب کو بڑی نفرت تھی۔ ان کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباعِ سنتِ نبوی کی تلقین ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے شریعتِ نبوی کے اتباع سے بڑھ کر کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔[2]

خواجہ صاحب کو شعر و سخن سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، لیکن پھر بھی خوب شعر کہہ لیتے تھے۔ ان کی ایک فارسی غزل ملاحظہ ہو۔

صبا زطرّہ شبرنگ مہوشِ طناز — کشود نافۂ مشکیں بروئے اہلِ نیاز
کیم گدائے درِ مفلسی کوتاہ دست — کجا ایں غالیہ عطری و قصّہ ہائے دراز
توی کہ ذرہ صفت را بآسماں بردی — چگونہ شکر تو گویم کہ بندہ نواز
غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست — کمالِ حشمتِ محمود را بعجزِ ایاز
رہینِ ساقیِ چشمم کہ جرعہ بخشاند — زجام چہرۂ ترکان و مہوشانِ حجاز
بہ بزمِ بادہ فروشان بہ نیم جو نہ خرند — متاعِ زاہد طماع چہ حج وصوم و نماز
مراز پیرِ مغاں راز ہائے سربستہ ست — فغاں ز زاعظِ خود بیں کجا است محرمِ راز

اگرچہ حسنِ تو از مہرِ غیر مستغنی است
من آں نیم کہ از ایمانِ خویش آیم باز

---

[1] اقبال نامہ جلد اول ص ۴۴۴ - ۴۴۲ - [2] ملفوظات ص ۱۴۴

Marfat.com

حضرت شیخ صدر الدین عارف رح

حضرت شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نور اللہ مضجعہ کے فرزند ارجمند تھے۔ والد بزرگوار ہی کی صحبت میں عقلی و روحانی تعلیم پائی۔ اسی تعلیم کی بدولت اپنے زمانہ کے سرحلقۂ اولیا سمجھے جاتے تھے۔ وہ عام طور سے شیخ صدر الدین عارف کے نام سے مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب کلام پاک پڑھنے یا ختم کرتے تو معرفت کے نئے نئے اسرار و رموز ان پر عیاں ہوتے۔ اس لیے وہ عارف کے لقب سے مشہور ہوئے۔

والد بزرگوار کے وصال کے بعد جب رشد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے، تو ترکہ میں سات لاکھ نقد ملے مگر آپ نے یہ ساری رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کرادی اور اپنے لیے ایک درم بھی نہ رکھا۔ کسی نے عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوار اپنے خزانے میں نقد و جنس جمع رکھتے تھے اور اس کو تھوڑا تھوڑا صرف کرنا پسند کرتے تھے۔ آپ کا عمل بھی ان ہی کی روش کے مطابق ہونا چاہیئے تھا۔ شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بابا دنیا پر غالب تھے اس لیے دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی تو ان کو علائق دنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ اور وہ دولت کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے تھے، مگر مجھ میں یہ وصف نہیں، اس لیے اندیشہ رہتا ہے کہ دنیا کے مال کے سبب سے دنیا کے فریب میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اس لیے میں نے ساری دولت علیحدہ کر دی۔

مگر اس فیاضی اور جود و سخا کے باوجود ان کے یہاں دولت کی فراوانی رہتی تھی، ایک بار شیخ رکن الدین فردوسی دہلی سے ملتان تشریف لے گئے، تو حضرت شیخ صدر الدین سے بھی ملنے آئے۔ اس وقت ان کے یہاں علماء و فقرا کی بڑی تعداد موجود تھی۔ شیخ رکن الدین فردوسی کا بیان ہے کہ کھانے کا وقت آیا تو الیسا پرتکلف دسترخوان بچھایا گیا، جیسا بادشاہوں کے ہوا کرتا ہے۔ خود شیخ صدر الدین کے سامنے طرح طرح کے کھانے اور حلوے تھے۔ شیخ رکن الدین فردوسی ایام بیض کے روزے سے تھے، مگر تبرکاً و تیمناً کھانے میں شریک ہو گئے۔ اور شیخ صدر الدین کے قریب ہی دسترخوان پر بیٹھے۔ شیخ رکن الدین نے اپنے میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کر لیا، مگر سوچنے لگے، کہ صرف افطار پر ہی اکتفا کیا جائے یا کچھ اور کھایا جائے۔ شیخ صدر الدین نے اپنے نور باطن سے ان کی اس کشمکش کو محسوس کر کے فرمایا۔ کہ جو شخص باطن سے طعام کو نور بنا کر حق تک پہنچا سکے، اس کے لیے تقلیل طعام کی پابندی لازم نہیں۔

چونکہ لقمہ می شود بر تو کہن   تن مزن ہر چند بتوانی بخور

مہمانوں کی خاطر سے شیخ دسترخوان پر ہاتھ نہ روکتے تھے کہ ان کے ہاتھ روک لینے سے مہمان بھی تکلف میں بھوکے نہ رہ جائیں۔

حضرت شیخ صدر الدین عارف رح کے خوارق و کرامات کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک کچھ غور طلب ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کی یورش روکنے کے لیے ملتان بھیجا۔

Marfat.com

شہزادہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی جو سلطان رکن الدین ابراہیم ابن شمس الدین التمش کی لڑکی تھی، یہ شہزادی اپنی نیکی، حیا اور حسن کے لیے مشہور تھی، مگر شہزادے کی شراب خوری اور بدمستی سے عاجز تھی۔ ملتان پہنچ کر ایک روز شہزادہ نے شراب کے نشہ میں بیوی کو طلاق دے دی اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ مگر نشہ کی حالت کے بعد بیوی کی مفارقت گوارا نہ ہوئی اور علماء کو جمع کر کے مسئلہ پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ شہزادی اس کی زوجیت میں اس وقت تک نہیں آسکتی، جب تک کہ حلالہ نہ کرے۔ شہزادے کی تنک مزاجی اور حمیّت نے اس کو گوارا نہ کیا، اور وہ غصہ میں اٹھ کر خلوت میں چلا گیا اور قاضی امیرالدین خوارزمی کو بلا کر کہا کہ میں باپ کے غیظ وغضب اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہوں، لیکن اس کی (یعنی شہزادی) کی مفارقت اور دوری بھی گوارا نہیں۔ قاضی امیرالدین خوارزمی نے رائے دی کہ شیخ صدرالدین عارف نیک اور اچھے بزرگ ہیں، پوشیدہ طور پر ان سے شہزادی کا نکاح کر کے طلاق دلا دی جائے۔ شہزادہ اس پر راضی ہوگیا۔ جب نکاح ہو چکا تو شہزادی نے حضرت شیخ صدرالدین عارف کے پاؤں پر گر کر کہا کہ اگر آپ مجھ کو پھر اس ظالم اور فاسق فاجر کے حوالہ کر دیں گے تو قیامت کے روز آپ کی دامن گیر ہوں گی۔ شیخ صدرالدین عارف کو اس کی عجز وزاری پر رحم آگیا اور انھوں نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ شہزادہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی، اور اس نے فوج کو حکم دیا کہ دوسرے دن شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے۔ شیخ کو اس حکم کی خبر دی گئی تو ان میں کوئی تغیّر نہ ہوا اور وہ ارادہ پر قائم رہے، اسی دوران میں اچانک مغل حملہ آور ہو گئے۔ شہزادہ کی فوج پسپا ہوئی اور وہ خود ان کے ہاتھوں قتل ہوا۔

فرشتہ نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ فرشتہ نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر اپنی تاریخ میں کس طرح قلمبند کیا۔ اس نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ذکر میں شہزادہ محمد سلطان کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی جو تصویر کھینچی ہے۔ اس سے اس واقعہ کی تکذیب ہوتی ہے۔

فرشتہ لکھتا ہے۔

> بلبن کے فرزندوں میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان شہید ہے۔ یہ شہزادہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا پیارا اور محبوب ترین فرزند تھا۔ تمام عمدہ صفتیں اور پسندیدہ عادتیں جو ایک شہزادہ میں ہونی چاہئیں سب حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو مرحمت کی تھیں۔ یہ شہزادہ اپنی فضیلت، دانش اور ہنر میں بے مثل تھا۔ اس کی مجلس ہمیشہ بڑے بڑے فاضلوں اور شاعروں سے آراستہ رہتی تھی اور وہ ان کو ہر طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کرتا رہتا تھا۔ زمانہ اس کے جود وکرم کی وجہ سے بہار اور چمن بنا ہوا تھا اور اس کی (یعنی زمانہ کی) جیب اور دامن نسرین اور نسترن سے پُر تھا۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے لوگ ملتان میں اس کے ندیم خاص رہے۔ وہ دوسرے درباریوں سے زیادہ ان دونوں کی عزت کرتا تھا اور ان کی نظم ونثر سے محظوظ ہوتا تھا۔ وہ اس قدر مہذب اور شائستہ تھا کہ اگر کسی مجلس میں تمام دن اور رات بیٹھنا پڑتا تو کبھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا تھا، قسم کے وقت صرف خفا کا لفظ اس کی زبان پر ہوتا۔ شراب کی مجلس اور غفلت وبدمستی میں اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہ نکلتا۔

Marfat.com

اس کی خوش گوار علمی مجلس میں شاہنامہ، دیوان خاقانی، انوری، خمسۂ نظامی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے ارباب فہم و دانش اس کی شعر فہمی کے معترف تھے۔ امیر خسرو فرماتے تھے کہ میں نے سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کی یادداشت میں سلطان محمدؒ کے جیسا کسی کو نہ پایا۔ اس کے پاس ایک بیاض تھی، جس میں مشہور شعراء کے منتخب اشعار خوشخط منقول تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن اشعار کے انتخاب کی خوبی اور اس کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جامدار کو دی۔ جس کے بعد امیر خسرو کو ملی اس زمانہ کے تمام شعراء نے اس بیاض کو دیکھا اور منتخب اشعار کو اپنی اپنی بیاض میں نقل کیا اور ایسے نوجوان شہزادہ کی وفات پر رنجیدہ ہوئے۔ جس زمانہ میں سلطان محمد ملتان میں مقیم تھا شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ وہاں تشریف لائے اس نے ان کی بڑی تعظیم اور خاطر داری کی، ان کی خدمت میں نذر اور ہدیہ پیش کیا اور بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں اور ان کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے اور اس کے مصارف کے لیے گاؤں وقف کیے جائیں۔ مگر شیخ عثمان ترمذی نے اس کو قبول نہ کیا اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ ایک روز شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے شیخ صدر الدین شہزادہ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے، مجلس میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے۔ کسی شعر کو سن کر ان بزرگوں اور مجلس کے تمام درویشوں پر وجد طاری ہو گیا اور وہ رقص کرنے لگے، محمد خاں سلطان شہید اُن کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا اور برابر زار و قطار روتا رہا، اگر کوئی شخص اس کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑھتا تو وہ دنیا کو دل سے بھلا کر اس کو بڑے شوق سے سنتا اور اس پر رقت طاری ہو جاتی۔"

فرشتہ کے مندرجہ بالا بیان کی لفظ بلفظ تصدیق مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے، جو بلبن کے عہد کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے۔ مولانا ضیاء الدین برنی نے شہزادہ محمد سلطان کی بیوی کے طلاق اور پھر شیخ صدر الدین کے نکاح کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے، بلکہ وہ شہزادہ کے ان تمام محاسن و اوصاف کو لکھ کر جن کا فرشتہ نے ذکر کیا ہے۔ ان الفاظ میں شہزادہ کی وفات کا ماتم کرتے ہیں۔

"میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا اور بلبن تخت پر متمکن ہوتا اور ہم اور تمام ارباب روپیوں میں غرق ہو جاتے۔ لیکن ارباب فضل و کمال کی قسمت کھوٹی تھی، زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت واستطاعت دیکھ سکتا ہے۔ غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا۔ فلک کے کام میں یہی نشتر گری ہے کہ زمانہ کی بے نظیر و عدیم المثال شخصیتوں کو حاجت مند اور ضرورت مند بنائے رکھتا ہے اور گمنام اور ناکام لوگوں کو جن کے حلق میں گندہ پانی اور ناپاک چیزیں ہونی چاہئیں، ہزار ناز و نعمت کے ساتھ پرورش کرتا ہے۔ ریچھ اور سور کو تو مرصع اور مکمل اور عندلیب

Marfat.com

بلبل کو قفس میں ذلت کے ساتھ مہجور و محبوس اور پابوس رکھتا ہے۔"

خواجہ امیر خسرو نے شہزادہ کی شہادت پر ایک خونچکاں مرثیہ بھی کہا ہے۔ مگر کہیں اس کی بیوی کے طلاق و نکاح کا ذکر نہیں کیا ہے۔ میر حسن نے بھی نثر میں شہزادہ کی وفات حسرت آیات پر آنسو بہائے ہیں، مگر اس میں بھی شہزادہ کی بیوی کے طلاق کا کہیں ذکر نہیں۔ امیر خسرو اور امیر حسن کے مراثی و ماتم نامے اس قدر مقبول ہوئے کہ لوگ شہزادہ کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے ان کو برابر اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے، چنانچہ تیموری دور کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے میر حسن اور امیر خسرو کے مراثی کو اپنی منتخب التواریخ میں ۱۴ صفحوں میں نقل کیا ہے۔ مگر شہزادہ محمد سلطان اور شیخ صدر الدین کی کشیدگی اور ناگواری کا کہیں اشارہ بھی نہیں ہے، البتہ طبقات اکبری میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے۔ مگر مؤلف کو خود اس کی صحت میں شک ہے۔ اس لیے اس روایت کی ابتدا گویند سے کی ہے یعنی یہ کہ عوام کی روایت ہے۔ راقم السطور کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ واقعہ محض غیر مستند عوام کی روایت ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

حضرت شیخ صدر الدین کی کیمیا اثر صحبت اور تربیت سے بہت سے ارباب کمال پیدا ہوئے، جو مختلف مقامات میں مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول تھے۔ شیخ جمال خنداں اور ان سے تربیت پانے کے بعد اوچھ میں قیام پذیر ہوئے، اور وہاں کی مخلوق کو فیضیاب کرنے کے بعد اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں، ایک دوسرے خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کو بدایوں میں رہنے کا حکم ملا تھا چنانچہ وہ آخر وقت تک وہیں رہے اور وہیں ان کا مزار ہے۔ ایک اور خلیفہ مولانا علاؤ الدین خجندی حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں چودہ سال تک رہے، ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ روزمرہ دو مرتبہ کلام پاک ختم کرتے تھے، ان کے مرشد ان کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے۔ ان خلفا میں سے شیخ احمد بن قندھاری المعروف بہ شیخ احمد معشوق پر سب سے زیادہ جذب و سکر کی کیفیت طاری رہتی، اس کوچہ میں آنے سے پہلے وہ گھوڑوں اور دوسری چیزوں کے تاجر تھے، دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے۔ محفل نشاط میں شراب سے بھی شغل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں قندھار سے ملتان آئے، تو حضرت شیخ صدر الدین کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوئے۔ شیخ نے اپنا جھوٹا ایک لقمہ ان کو کھانے کو دیا۔ اس کو کھاتے ہی ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، اسی وقت تجارت کا سارا سامان فقرا و مساکین میں تقسیم کردیا اور مرشد کی خانقاہ میں عزلت نشین ہوگئے اور سات سال تک تربیت پاتے رہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ:

"ایک بار چلہ کے جاڑے میں آدھی رات کو وہ باہر آئے، اور پاس ہی بہتے ہوئے پانی میں جا کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے کہ الٰہی میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلوں گا، جب تک کہ مجھ کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں کیا ہوں۔ ان کے کان میں آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمھاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہیں گے۔ شیخ احمد نے کہا صرف اس بات پر اکتفا نہیں کرسکتا، پھر آواز سنی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمھاری عنایت کی وجہ سے لوگ بہشت میں جائیں گے۔ شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں، آواز آئی ہم نے حکم کردیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں، مگر تم ہمارے معشوق ہو۔ یہ سنکر خواجہ احمد پانی سے نکل کر

Marfat.com

شہر کی طرف گئے۔ راستہ میں جو شخص ان سے ملتا، "السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق" کہتا۔

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا واقعہ بیان کر کے زار و قطار رونے لگے۔ کسی نے اس مجلس میں کہا کہ شیخ احمد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے، تو کہتے تھے کہ نماز پڑھوں گا، مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھوں گا۔ اس پر اعتراض ہوتا، کہ یہ نماز درست نہ ہو گی، اور جب ان سے اور اصرار کیا جاتا تو کہتے کہ سورہ فاتحہ پڑھوں گا مگر اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو چھوڑ دوں گا۔ پھر ان سے کہا جاتا کہ اس آیت کو بھی پڑھنا ہو گا۔ اس ردّ و قدح کے بعد وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ مگر سورہ فاتحہ پڑھتے وقت جب مذکورہ بالا آیت زبان سے نکالتے، تو ان کے ہر بن مو سے خون جاری ہو جاتا، وہ نماز توڑ دیتے، اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت شیخ صدرالدین نے ان روحانی یادگاروں کے علاوہ ایک علمی یادگار کنوز الفوائد بھی چھوڑی ہے۔ یہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا تھا۔ راقم السطور کی نظر سے یہ کتاب نہیں گذری۔ مگر اخبار الاخیار میں اس کے طویل اقتباسات ہیں، .... ان اقتباسات کی مدد سے ہم شیخ صدرالدین کی صوفیہ تعلیمات کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِی فَمَنْ دَخَلَهٗ اٰمِنَ عَذَابِیْ۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ (حصن) ہے، جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا۔ وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ اس قلعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلعہ کی تین قسمیں ہیں، ظاہر، باطن اور حقیقت۔ حصن ظاہر یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ خوفزدہ ہو اور نہ کسی سے کوئی امید رکھے۔ اگر تمام دنیا کے لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے خوف نہ ہو، کیونکہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع و ضرر اور خیر و شر کا ظہور نہیں ہوتا۔ حصن باطن یہ ہے کہ یقین یہ ہو کہ موت سے پہلے جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ بالکل عارضی اور آنی و فانی ہے اور دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں۔ اس لیے اس کے وجود کی ہستی و نیستی قابل التفات نہیں۔ حصن حقیقت یہ ہے، کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو اور نہ دوزخ کا خوف ہو۔ صرف اللہ ہی اللہ ہو۔ دل میں جب یہ سچائی راسخ ہو جاتی ہے، تو بہشت خود بخود پیچھے چلی آتی ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس پر آپ ایمان لائے ...... یہ ایمان لا کر بندہ ثابت قدم رہے اور شک و شبہ کی بجائے، رغبت، محبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے، وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے۔ اسماء صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے۔ اوہام و افہام کے ادراک سے بالاتر ہے، حدوث، عوارض اور اجسام کی علامتوں سے پاک ہے۔ تمام عالم اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اسی کی ذات و صفات میں چون و چرا کرنا جائز نہیں۔ نہ وہ خود کسی سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہ ہے۔ تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں، اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے صحیح اور درست ہے۔

Marfat.com

اوراس میں کوئی تفاوت نہیں، خواہ یہ عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔ اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کرلینا چاہیئے، تاکہ اعتقاد درست رہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کو جانا، اس کی کیفیت اور کنہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی۔ اگر خداوند تعالےٰ کے حکم کی تاویل آیات واحادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے، ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو خوشی محسوس ہو اور اگر اس سے بُرائی سرزد ہو اس کو بُرائی بُرائی معلوم ہو، بندہ کے ایمان کے استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ علم کے بجائے ذوق حال کی بنا پر اللہ اور رسول کو محبوب رکھے۔

ایک دوسرے موقع پر مریدوں کو نصیحت کی، کہ کوئی سانس ذکر سے باہر نہ نکلنا چاہیئے۔ کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس لیتا ہے وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے، ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیث نفس سے گریز کرنا چاہیئے اور جب یہ صفت پیدا ہو جائے گی، تو وسوسے اور حدیث نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے۔ اور دل میں نور ذکر اُترتا جائے گا اور اس میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو جائے گی، پھر ذکر مشاہدہ کے ساتھ ہوگا۔ اور دل نُور کے یقین سے منور ہو جائے گا۔ اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں کو تلقین کی کہ اللہ تعالےٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو بندۂ سعید لکھ دیتا ہے اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کی موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے، تو قلب خاموش نہیں ہوتا۔ یہی ذکر کثیر ہے، اور اس ذکر تک بندہ اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ نفاق سے بری نہ ہو۔ جس کا ارشاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے کہ میری اُمت کے اکثر منافق اس کے قاری ہیں۔ اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور تعلق باطن ہے۔ اس سے پرہیز ضروری ہے باطن کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے، پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے اور وہ بُرے وساوس اور اخلاقِ مذمومہ سے پاک وصاف ہو کر تفرید باطن سے معزز ہوتا ہے تو قریب ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں نور کا متجلی ہو جائے اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات اس سے دُور ہو جائیں۔ اور اس کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر نمایاں ہو جائے یہاں تک کہ اس کا ذکر مشاہدہ مذکور کو متجلی کر دے اور یہ وہ مرتبہ بلند اور عطیہ عظمےٰ ہے جس کے حصول کے لیے امت کے اصحاب ہمت اور ارباب بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں۔

حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہٗ کا وصال ۳۔ ماہ ذالحجہ کو ظہر وعصر کے درمیان ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں سن وفات ۶۷۶ھ ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ سفینۃ الاولیا اور مرأۃ الاسرار میں ۶۸۴ھ درج ہے۔

حضرت بہاءالدین زکریا کے سن وفات کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی ہے، اگر ۶۶۶ھ تسلیم کرلیا جائے تو حضرت شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کا سن وصال ۶۸۴ھ ہو سکتا ہے۔ مرأۃ الاسرار کے مؤلف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت عمر شریف اکہتر سال کی تھی۔ مگر بعض تذکروں میں تہتر سال بھی بتائی جاتی ہے۔ اس لیئے تاریخ ولادت کی بھی تعیین مشکل ہے، مگر بعض روایتوں کے مطابق شب جمعہ ۱۲ بتائی گئی ہے۔ مرقد مبارک ملتان ہی میں حضرت بہاءالدین زکریا کے پہلو میں ہے۔

Marfat.com

حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیری رح

سلسلۂ نسب: حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر ابن سید شاہ عبدالرحیم بن سید عبدالسلام بن سید سیف الدین بن عبدالوہاب ابن حضرت غوث الاعظم میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رحؒ۔ آپ کی والدہ ماجدہ ہمشیرہ جناب بابا صاحب فرید الملت والدین گنج شکر اجودھنی کی تھیں۔

۱۹۔ ماہ ربیع الاول ۵۹۲ھ لشب پنجشنبہ بعد از نماز تہجد کہ ایک پہر رات باقی تھی حضرت تولد ہوئے، صاحب انوار الشہود تحریر کرتے ہیں کہ حضرت کی دایہ کا بیان ہے کہ جس وقت شکم مادر سے باہر ہوئے تو سر مبارک قبلہ کی طرف تھا اور میری یہ مجال نہ ہوئی کہ بے وضو غسل کراتی۔ مورخان معتبر کی تحریر سے واضح ہے کہ آثار تہجد صبر و قناعت روز ازل ہی سے شروع تھے کہ بجائے سوا دو سال کے حضرت نے کل چھ ماہ چالیس یوم شیر مادر نوش فرمایا، ایام شیر خواری اور لڑکپن کے خوارق و کرامت اگر مفصل تحریر کیے جائیں تو ایک اور کتاب تیار ہو جائے۔ چوتھے سال حضرت کی زبان کھلی پہلا لفظ جو زبانِ حق بیان سے صادر ہوا وہ یہ تھا لاموجود الا اللہ۔

۵۹۷ھ میں آپ یتیم ہوئے۔ ایک سال کامل خاموش رہے۔ بعد اس کے جذبۂ حق دامنگیر ہوا۔ حضرت کے مجاہدہ اور مشاغل اور ترکِ طعام رات کا قیام اور لنگر تقسیم کرنے کی کیفیت کتابوں میں بالتصریح درج ہے۔ بتاریخ ۱۷ محرم الحرام بروز پنجشنبہ بعد نماز اشراق ۶۲۳ھ میں حضرت بابا صاحب نے آپ کو اپنا مرید بنا لیا۔ دو سال آپ نے حجرہ سے باہر قدم نہ رکھا۔ حضرت کا حجرہ مبارک پاک پٹن شریف میں آج تک موجود ہے۔ اب تک اس حجرہ میں ایسے ویسے کا کام نہیں کہ ٹھہر سکے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ بعد عطائے خرقہ خلافت حضرت بابا صاحب نے آپ کو ولایت کی سند تحریر فرمادی، چونکہ مُہر بابا صاحب کی حضرت قطب جمال ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہتی تھی، حکم تھا کہ ہانسی جاکر مہر کرا لینا۔ ولایت کلیر مرحمت ہوئی اور حسب الحکم پیر روشن ضمیر اجودھن سے چل کر ۱۵ ماہ ذی الحجہ ۶۵۰ھ بروز سہ شنبہ قریب کلیر شریف پہنچکر نزول اجلال فرمایا۔ دوسرے روز شہر میں داخل ہوئے۔ حضرت نے شہر کے حدود میں ایک درخت گولر کے نیچے جاکر قیام فرمایا۔ اس شہر میں جو لوگ آپ کی ولایت کے منکر تھے یک لخت ان پر مسجد کی چھت گری اور سب دب کر مر گئے۔ معارج الولایت میں لکھا ہے کہ ولایت حضرت کی ولایت موسوی تھی اور قلب حضرت کا قلب اسرافیل پر واقع ہوا تھا۔ خیر و شر میں جو کچھ زبان معجز بیان سے صادر ہوتا۔ فوراً اس کا ویسا ہی ظہور ہوتا تھا۔ حضرت اوقات مبارک کو قلندر مشرب اور ابدال و غوث گزارتے تھے۔ اوّل اوّل آراستگی باطن ہیں اس قدر متغرق رہتے تھے کہ اسم اللہ ہر کبھی التفات نہ رکھتے تھے۔ آخر میں باسوا کونین سے بے پرواہ ہو کر متغرق بحر مشہودات ہو گئے تھے۔ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف آتے تھے۔ ہر وقت ہر لحظہ

Marfat.com

محوِ ذات وحدت رہتے تھے۔ ذات مبارک مظہر جلال حضرت صمدیت تھی۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس کسی کو عشق الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ تو اس عشق کی آگ سالک کے دل سے ماسوا اللہ کو جلا دیتی ہے تو پس حضرت کا اعلیٰ مرتبہ تھا جس طرح حضرت بابا صاحب آپ سے پیش آتے تھے۔ اس سے آپ کا مرتبہ اعلیٰ ظاہر ہے۔

سیر الاقطاب سے نقل ہے کہ بعد ویرانی کلیر شریف کے ہر روز حضرت کی زیارت کرنے اس قدر خلقت آتی تھی کہ وہ جنگل آبادی شہر سے بھی بہتر معلوم ہوا کرتا تھا۔ ایک نقل مشہور ہے کہ حسن قوال بابا صاحب کا اجودھن سے واسطے کچھ حاصل کرنے زر کے عازم ہندوستان ہوا۔ جس مرید کے پاس گیا۔ اس نے بہت کچھ دیا۔ اس کو یہ خیال ہوا کہ اب کلیر چلیئے کہ سید علاؤ الدین علی احمد صابر اعظم خلیفہ اور بابا صاحب کے بھانجے اور کلیر کے شاہ ولایت ہیں۔ بہت کچھ ملے گا۔ الغرض جب یہ کلیر میں آیا، اس کو ویران دیکھا آس پاس کے گاؤں والوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ صابر کس جگہ ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ایک ٹیلہ پر ایک گولر کے درخت کے نیچے ایک پھونس کی جھونپڑی ہے، وہاں رہتے ہیں۔ الغرض قوال اسی تپہ پر آیا۔ جھونپڑی کو خالی پایا۔ سمجھا کہ کسی حاجت ضروری کو گئے ہوں گے۔ جب بہت دیر گزری اس نے جھونپڑی کے گرد دیکھنا شروع کیا۔ دیکھا کہ گولر کا ٹہنا پکڑے بے خود کھڑے ہیں۔ یہ باادب کھڑا رہا۔ بہت دیر کے بعد آنکھ کھولی اور فرمایا کہ تو کیستی؟ اس نے عرض کیا کہ فریدالدین کا قوال۔ آپ نے فرمایا کون فرید؟ اس نے جل کر جواب دیا کہ تمھارے شیخ! اس وقت آپ نے تبسم کر کے فرمایا کہ میرے شیخ اچھے ہیں؟ اور اس قوال کو ہمراہ لے کر جھونپڑی میں آئے چولھے پر مٹی کی ایک ہانڈی رکھی ہوئی تھی۔ اس میں چند گولر تھے وہ اس قوال کو مرحمت فرما کر رخصت کیا، قوال اپنے دل میں بہت جلا اور کہا کہ میں بھی یہ گولر بابا صاحب کو دکھاؤں گا۔ اور کہوں گا کہ آپ کے پیارے مرید نے یہ دانا ری کی۔ یہ سمجھ کر اجودھن آیا۔ جب بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، آداب بجا لایا۔ بعد قدمبوسی ہر ایک مرید کی خیریت عرض کی۔ آپ ہر ایک کا حال استفسار فرماتے رہے۔ آخر آپ نے پوچھا کہ میرے صابر کو بھی دیکھا۔ اس نے عرض کیا کہ میں تو ان تک بہت کچھ امید کر کے گیا تھا، مگر وہاں جھونپڑی ثابت بھی نہیں اور بڑے مغرور ہیں۔ بڑی دیر تک کھڑا رہا۔ آپ حالت استغراق میں رہے۔ جب آنکھ کھولی میں نے سلام کیا۔ پوچھا تو کون ہے میں نے کہا کہ بابا فریدالدین کا قوال، اس پر انجان ہو کر پوچھا کون فرید؟ میں نے کہا کہ تمھارے پیر، اس وقت کہا کہ ہمارے شیخ اچھے ہیں اور یہ گولر دانا ری کے ہیں۔ کمر سے نکال کر پیش کیے۔ آپ نے دو نوش فرمائے، باقی حاضرین کو دیئے اور دوگانہ ادا کی کہ آج میں شیخ ہوا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ پہلے شیخ نہیں تھے؟ فرمایا کہ وہ صابر نہ تھا وہ کھنے والا اور تھا، جس نے ان گولروں میں سے قدرے کھایا اس کے نور باطن میں ترقی ہوئی۔ صاحب سیر الاقطاب کہتے ہیں کہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ شیر اپنی دم سے جاروب کشی کرتا ہے۔

حضرت نے آخر عمر میں خرقہ خلافت حضرت شیخ شمس الدین ترک کو عطا فرما کر پانی پت کا صاحب ولایت فرمایا۔ بوقت رخصت انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ اس جگہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر صاحب ولایت ہیں۔ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ وقت ان کا آخر ہوا، وفات حضرت کی ۱۳۔ ربیع الاول سنہ ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ عین حالت سماع میں بعہد سلطان جلال الدین خلجی اور بروایت ثانی آپ کی

Marfat.com

تاریخ وفات "جان گنج شکر" ہے۔ صاحب مرآۃ الاسرار راوی ہیں کہ حضرت ہم عصر حضرت سلطان المشائخ تھے اور دونوں بزرگوں میں کمال محبت اور اتحاد تھا۔ چند سال پہلے حضرت سلطان المشائخ سے انتقال ہوا۔ مزید پاک بمقام کلیر قبلہ حاجات خلائق ہے اور تصرفات جاری ہیں۔ سیرالاقطاب نے لکھا ہے کہ بعد وفات مجاورانِ درگاہ بخوف آمد شیراں دور جا رہے تھے، بعد ایک مدت کے اہلِ ہنود نے روضہ عالیہ کے قریب دیبی کا مندر تیار کرایا، قریب تھا کہ روضہ مطہرہ منہدم ہو مگر شیر اسی وقت آن پہنچا اور بہت سے ہندو کو ہلاک کیا باقی فرار ہوئے اور پھر اس طرف منہ نہ کیا۔ ایک روز ایک ہندو فقیر اس جگہ آگیا۔ نورانی جگہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ کسی اصل بہ حق کا مزار ہے۔ مگر بسبب خصومت قدیم مذہبی کے اندر روضہ کے آیا اور تربت کو مسمار کرنا چاہا۔ اور اپنی کلہاڑی سے مزار کو ڈھانے لگا، چند اینٹیں نکالی تھیں اور چاہتا تھا کہ اندر سے قبر کو دیکھے، کہ اس میں کیا ہے، اسی وقت غضب الٰہی میں گرفتار ہوا دم اس کا بند ہو کر ہلاک ہوا، جب رات ہوئی، خدام آستانہ کو خواب ہوا کہ گویا شیخ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ ایک شخص بے ادبی مزار کے لیے آیا تھا، اپنی سزا کو پہنچا ہے ابھی تک گرفتار ہے جاؤ اور اس کو نکالو صبح جلدی سے مجاور پہنچے اور اس فقیر کے مردہ کو گھسیٹ کر دور ڈالا۔ اس روز سے پھر کچھ آبادی ہوئی۔ بہت روز تک یہی کیفیت رہی، عرس شریف میں بھی رات کو کوئی مزار شریف کے قریب نہ ٹھہر سکتا تھا۔ اب ہزارہا آدمی جمع ہوتے ہیں نہ وہاں چوکی نہ کسی قسم کا پہرہ نہ پولیس نہ تحعیل کوئی محافظ ہوتا مگر چوری حرامکاری نہیں ہوتی اور حاضرین کو علیٰ قدر مراتب اور سرور رہتا ہے۔

راقم الحروف (مرزا احمد اختر مقیم حال قصبہ کرانا ضلع مظفرنگر) اپنی بیتی عرض کرتا ہے۔ اس ناچیز نے سترہ برس سیر سیاحت کر کے بزرگانِ عہد کو دیکھا، بعض کے انفاس متبرکہ سے فیض پایا۔ ہندوستان کے اولیا کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت کی زیارت کا اشتیاق تھا مگر عمداً کئی سال تک حاضر نہ ہوا تا وقتیکہ خود نہ بلائیں اور پہلے اپنی زیارت سے مشرف نہ فرمائیں۔ آخر ایک شب بعد نماز تہجد کے میں ذکر کر رہا تھا۔ حجرہ میں اندھیرا تھا، یکایک برق کی ایسی چمک معلوم ہوئی کہ میں ڈر گیا۔ سمجھا کہ بجلی گری بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ تعجب نہ تھا کہ قالب سے روح پرواز کر جاتی کہ ناک میں خوشبو آئی ذرا فرحت ہوئی، دیکھا کہ تمام حجرہ بوئے عنبر سے معطر تھا اور ایک شخص نورانی دکھائی دیا۔ مگر اس کے منہ پر ایسی روشنی تھی کہ جس کی جوت زمین پر پڑتی تھی۔ میری تاب نہ تھی کہ میں روئے انور کو دیکھ سکتا۔ ایک نظر پڑتے ہی آنکھوں کو چوندہ لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کیفیت جلالی ہٹی اور میرے جسم کو ہوا سرد لگی۔ مگر مجھ میں حس و حرکت کی قوت نہ تھی، کان میں آواز آئی کہ تو میری ولایت میں قنات کے نیچے رہتا ہے اور میرے سلام کو نہ آیا۔ مجھ ہی کو تکلیف دی یہ سنتے ہی میں تو بے ہوش ہو گیا اور اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ صبح کی نماز بمشکل ادا کی گئی اور حجرہ کئی دن تک معطر رہا۔ فرزند میرا سخت علیل تھا، اطبّا جواب دے چکے تھے، اسی وقت اس کو کلّی صحت ہوئی اس روز سے تصرف اور عنایت ہے کہ جب کبھی کوئی مشکل پیش آئی اور حضور کی روح پاک کی طرف رجوع کی، اسی روز بحالت خواب زیارت سے مشرف ہوا۔ اور وہ مشکل حل ہوئی۔ بے شک ذات بابرکات مشکل کشا ہے۔ بعد انتقال حضرت کے سلاطین دہلی نے چاہا کہ کلیر کو از سر نو آباد کریں۔ مگر تصرف ولایت حضرت سے میسّر نہ ہوا۔ صاحب اقتباس الانوار تحریر فرماتے ہیں

Marfat.com

کہ بعد انتقال حضرت کے قریب مزار پُرانوار حضرت کے کوئی نہ جاسکتا تھا کس واسطے کہ جہاں کسی نے قریب مزار شریف کے قدم رکھا ایک برق مزار معلیٰ سے پیدا ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ جب حضرت قطب عالم بندگی عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ بقصدِ زیارت جانب کلیر روانہ ہوئے اور مزار مبارک سے ایک کوس کا فاصلہ رہا، یکایک برق چمک کر ان کے نزدیک آتی ہی تھی کہ آپ نے بصد عجز عرض کیا کہ غلام مشتاق زیارت آگے جیسے مرضی، اسی وقت وہ برق غائب ہوگئی۔ جب قریب روضہ کے پہنچے پھر برق بدستور چمکی۔ حضرت نے پھر بصد نیاز عرض کیا کہ بندہ زیارت حاضر ہوا ہے۔ سر دینے کو تیار رہے۔ اسی وقت برق غائب ہوگئی۔ جب آپ قریب تربت اقدس کے گئے، پھر بدستور برق چمکی ان پر گرے مگر یہ نہ ٹلے استقلال سے عرض حال کیا برق غائب ہوگئی اور روحانیت حضور کی مجسم ہو کر مزار سے باہر آئی اور بندگی حضرت کو بغل میں لیا اور مہربانی سے فرمایا کہ تو میرے سلسلہ میں ہے اس وجہ سے بچ گیا۔ ورنہ اس جگہ پہنچنے کی کسی کو مجال نہیں ہے حضرت قطب عالم نے عرض کی اپنی برق جلال کو نیام میں کیجیے اور سر جمال آئیے خلق اللہ کو اپنی زیارت سے مشرف کیجیے، کہ عالم آپ کی برکات سے فیض حاصل کرے۔ حضرت نے فرمایا کہ عبدالقدوس تیری خاطر سے برق ذاتی کو عالم لامکاں میں مستور کیا اور اپنی صفات جمالیہ سے بقدر ایک ذرہ کے اس تربت پر جلوہ دیتا ہوں۔ اسی روز سے تقریب عرس شروع ہوئی اور خوان فیوضات کا عام طور پر عالم کے واسطے کشادہ ہوا۔

Marfat.com

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

یہ حضرت منتشانِ روزگار و عارفان صاحب اسرار تھے، نیز صاحب کرامت و خوارق تھے۔ اوّل خرقہ درویشی اپنے پیر شیخ محمدؒ صاحب صابر سے حاصل کیا۔ بعدہٗ شیخ الاسلام شیخ درویش محمد بن قاسم لودھی سے خرقہ خلافت پہنچا اور سلسلۂ مداریہ سہروردیہ و نظامیہ میں اجازت یافتہ ہوئے۔ نظامیہ سلسلہ تین طرح پر عطا ہوا ایک شیخ صدرالدین طبیب سے مل کر حضرت سلطان سے ملتا ہے۔ دوسرے سید محمد گیسو دراز سے مل کر شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے ملتا ہے۔ تیسرا مخدوم جہانیاں سے مل کر مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی سے ملتا ہے۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ شیخ صفی الدین حنفی جد شیخ عبدالقدوسؒ میر سید اشرف سمنانی کے مرید تھے قیام ان کا ردولی میں تھا، ایک بار سید صاحب کچھ سے تشریف لائے، آپ نے ان کو پیار کیا اور فرمایا کہ یہ بھی میرا مرید ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ فرزند عطا کرے گا، جو قطب عالم ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ بعد انتقال شیخ احمد عبدالحق کے پیدا ہوئے۔ جب ذرا سیانے ہوئے جاروب کشی روضہ شیخ کا شوق پیدا ہوا۔ ایک روز کتاب کافیہ لیے روضہ کے اندر گئے۔ اندر سے حق حق کی آواز آئی اور ایسی کیفیت پیش آئی کہ یہ بے ہوش ہو گئے زیارت روضہ روحانیت حضرت سے مشرف ہوئے، فرمان ہوا کہ مطالعہ علم ظاہری حجاب اکبر ہے۔ اس روز سے پڑھنا لکھنا چھوڑ کر کار باطنی میں مشغول ہوئے، تمام شب طاعت حق میں بسر کرتے اگر کبھی نیند آ بھی جاتی تو شیخ کھڑے ہوئے جگاتے معلوم ہوتے اور دن کو شیخ پیارے سے صحبت رہتی۔ لطائف قدسی میں لکھا ہے کہ جب قصہ اپنے دادا بھائی شیخ فخر الدین کا سنا کہ پچاس برس انھوں نے پانی نہیں پیا۔ آپ نے بھی پانی پینا ترک کر دیا۔ اور خورد سالی میں یہ کیفیت تھی کہ اوّل وقت نماز کے مسجد میں جا کر اوّل صف میں بیٹھتے، جوں جوں نمازی آتے جاتے آپ پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سب سے پیچھے ہو جاتے۔ بعد فراغ نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھتے۔ سبحان اللہ کیا انکسار تھا۔ لطائف قدسی سے نقل ہے کہ جب آپ نے پڑھنا ترک کیا تو آپ کے والد نے آپ کے ماموں قاضی دانیال سے کہا کہ بھانجے کی خبر لے اس نے پڑھنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے ان کو بلا کر بہت تاکید کی، اسی عرصہ میں ایک مراثن دائرہ لیے گاتی نکلی۔ اس پر آپ کو وجد ہوا۔ انھوں نے یہ کیفیت دیکھ کر آپ کے والد سے کہا کچھ اندیشہ نہ کرو، یہ نیک ہوگا اس کو معلم دوسری طرح کا چاہیے کہ جو علم باطن پڑھا ہے اس وقت مخدوم شیخ خواجگی کہ خلیفہ شیخ صیدھا کے تھے اور وہ خلیفہ شیخ شمس الدین اودھی کے اور وہ خلیفہ میر سید اشرف سمنانی کے تھے اور ساڈھورہ میں مقیم تھے۔ آپ کی خدمت میں ساڈھورہ آئے اور کہا میں نے علم نہیں پڑھا۔ شیخ نے فرمایا کہ شغل باطن کر جب علم ہوا ہو گا، زیادات اب جیب ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس قسم کا مسئلہ حضرت کے روبرو پیش ہوتا کہ آپ اس کو حل فرماتے۔ لطائف قدسی سے نقل ہے کہ حضرت کے مجاہدہ اور ریاضت کی نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ اکل و شرب مطلق چھوٹ گیا تھا اور آتش روحانی میں ایسے افروختہ

Marfat.com

ہوئے تھے کہ سانس کے ساتھ بوئے کباب آتی تھی، کبھی سانس میں سے عود و عنبر کی خوشبو آتی تھی۔ یعنی عشق الٰہی میں اپنے کو سوختہ کر دیا تھا جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

تانسوزد برنیاید بوئے خود   ورنہ او ہم چوب مثل دیگر است

اور سر اور کاکل میں سے دھواں اٹھتا معلوم ہوتا تھا، جب شیخ محمد صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ آتش عشق اور مجاہدہ میں جل چکا ہے ارشاد فرمایا کہ اس کے سر پر باسی پانی روز ڈالا کریں اور کثرت درود شریف کے واسطے حکم دیا کہ ترویح قلب ہو۔ اوّل اوّل آپ کو خلق سے نہایت نفور تھا۔ مرشد کے گھر کے کاروبار تمام بجالاتے تھے اور ہمیشہ پوشاک درویشی زیب تن رکھتے۔ ایک بار شیخ جواجگی نے بہت اصرار سے دوسرے کپڑے پہنوائے۔ لبعد ان کے پھر لباس درویشی اختیار کیا۔ بعد نماز عشاء کے ذکر جہر شروع کر کے صبح کرتے۔ اقتباس الانوار سے روایت ہے کہ جس وقت حضرت گنگوہ میں آئے وہاں ایک سنیاسی کا مٹھ نہایت دلکشا تھا۔ آپ کو پسند آیا۔ چاہا کہ اسی جگہ قیام ہو۔ اندر جا کر چیلوں سے پوچھا کہ گوروجی کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ایک برس گذرا کہ گپھا میں ہیں، فقط ایک روزن دیوار میں ہوا کے واسطے رکھا ہے کسی کی مجال نہیں کہ ان کے پاس جاسکے۔ الغرض اس روزن کو معلوم فرما کر قریب اس کے بیٹھ کر مراقبہ فرمایا۔ روحانیت کی صفت نے جسد مبارک پر غلبہ پایا۔ اور ذات کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ جسد رنگ لطافت پر آیا۔ اس روزن سے گذر کر گپھا کے اندر آئے دیکھا کہ فقیر حبس دم کیے ہوئے اپنے کام میں مشغول ہے، پھر مراقبہ فرما کر اپنی روح سے اس کی روح کو حرکت دی۔ معاً ہوشیار ہوا۔ اور حضرت سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہاں کیوں کر آیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور اسی کی قدرت سے یہاں آگیا۔ مگر تو نے اپنا کام کہاں تک پہنچایا۔ اس نے جواب دیا کہ دیکھو ابھی پانی ہوا جاتا ہوں اور پانی ہوگیا حضرت نے اس پانی سے قدرے پارچہ تر کر لیا۔ جب وہ ہیئت اصلی پر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھی پانی ہوتا ہوں تو اس میں کپڑا تر کر لیجیو۔ چنانچہ جب حضرت پانی ہوئے اس نے بھی کپڑا تر کیا۔ جب آپ ہیئت پر آئے اور فرمایا کہ اپنے پارچہ کو سونگھو، اور پھر میرے پارچہ کو سونگھو۔ پہلے اس نے اپنے پانی کا پارچہ سونگھا جس سے دماغ اس کا پریشان ہوا۔ پھر حضرت کے پانی کے پارچہ کو سونگھا، دماغ معطر ہوگیا۔ اسی وقت معتقد ہوا اور کہا میں تو اپنے فن میں کامل ہوں مگر تم بھی کامل نکلے۔ البتہ بدبو اور خوشبو کا تفاوت رہا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خوشبو اسلام کی ہے اور وہ بدبو کفر کی تھی۔ اس فقیر نے کہا کہ مجھ کو بھی اسلام سے مشرف کیجیے۔ آپ نے اس کو کلمہ پڑھایا اور وہ صدق دل سے مسلمان ہوا اور حضرت سے بیعت کی اور اس جوگی کو لبعد تکمیل مذہب مع اس کے چیلوں کے برائے ہدایت خلق مقرر فرمایا۔ روضہ حضرت کا اور آبادی آپ کی اولاد کی اسی فقیر کی جگہ ہے۔ وہ اب سرائے شیخ مشہور ہے کہ شیخ حمید الدین صاحبزادہ کلاں ردولی میں تولد ہوئے۔ ان کی گیارہ برس کی عمر تھی کہ شاہ آباد میں آئے وہاں شیخ رکن الدین مصنف لطائف قدسی پیدا ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک بار میں نے برائے تعلیم عرض کیا۔ کچھ تلقین نہ فرمایا۔ میں نے بے اجازت حضرت کتب خانہ سے ایک کتاب نکالی اور اس کی تحریر کے موافق نماز چاشت اور اشراق ادا کرنے لگا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا فرمایا کہ ابھی شغل اور اد نہ کر، جو میں کہوں اسی طرح مشغول ہو۔ سبحان اللہ کیا کشف باطن تھا۔

ایک بار حضرت نے خود فرمایا کہ میرا ارادہ خلق میں مخلوط ہونے کا نہ تھا۔ بلکہ ارادہ تھا کہ پہاڑوں میں عمر بسر کروں۔ مگر مجبور رہوں۔ کہ

Marfat.com

مشائخ وقت نے حیات میں کوشش تمام خرقہ خلافت دے کر مجھ فقیر کو سجادہ پر بٹھایا خاص کر روح حضرت شیخ احمد عبدالحق و روحانیت حضرت سلطان المشائخ و حضرت گنج شکر و دیگر مشائخان قدس اللہ اسرارہم نے بجبر اس فقیر کو سجادہ پر بٹھایا خلق اللہ کو بیعت دینی پڑی۔

لطائف قدسی سے نقل ہے کہ انتقال سے تین برس پہلے آپ خاموش ہو گئے تھے۔ ہمیشہ احدیت میں مستغرق رہتے تھے، کسی سے بات نہ کرتے تھے۔ شیخ احمد نے ایک روز عرض کیا، سکوت کس وجہ سے ہے۔ فرمایا کہ وجود میرا دریائے ذکر ہو گیا ہے، ہر وقت بحر فنا کی موجیں آتی رہتی ہیں اور غرق کر کے شہود حق میں لے جاتی ہیں۔ اس طرف آنے نہیں دیتیں۔ لکھا ہے کہ ۱۵ جمادی الآخر روز دوشنبہ کو عرس مخدوم شیخ احمد عبدالحق تھا۔ اسی روز حضرت کو تپ لرزہ آیا اور روز جمعہ کو پانچواں روز تھا، قدرے صحت ہوئی، نماز جمعہ ادا کی، بعد نماز کے پھر تپ شروع ہوئی اور چار روز اور تپ آئی، بروز سہ شنبہ وقت نماز چاشت ۲۳ ماہ جمادی الآخر ۹۴۵ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار شریف گنگوہ شریف میں فیض بخش عالم ہے۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں۔ تادم مرگ عبادت میں فرق نہیں آیا۔ قبل از انتقال تجدید وضو کیا اور دوگانہ ادا کر کے بے ہوش ہوئے اور حق حق کہتے ہوئے انتقال کیا۔ عمر شریف ۸۴ برس کی ہوئی۔ جس میں ۲۵ برس ردولی میں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہے۔ ۲۵ سال شاہ آباد میں قیام فرمایا اور ۱۴ سال گنگوہ میں بسر فرمائے۔

شیخ رکن الدین کہتے ہیں جب کفن پہنا چکے میں نے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا تو قلب کو حرکت تھی۔ ذکر جاری تھا۔ آپ کے سات لڑکے تھے سب کے سب عالم اور عارف ہوئے۔

کیفیت شیخ عبدالکبیر پر متذکرہ بالا کی یہ ہے کہ آپ مرید و فرزند شیخ عبدالقدوس کے تھے، ذوق اور شوق سخاوت اور شجاعت خوارق و کرامت میں بے مثل تھے۔ ایک بار سلطان وقت آپ کی زیارت کو چلا۔ دو وزیر اس کے ہمراہ تھے۔ تینوں نے اپنے واسطے ایک ایک کھانا مقرر کیا کہ اگر ہم کو ہماری خواہش کے موافق شیخ نے کھانا دیا تو ضرور شیخ اہل کمال ہیں۔ جب بادشاہ نزدیک آیا، حضرت نے ہرن کے گوشت کے بھرے ہوئے سموسے سلطان کے روبرو رکھے۔ نان یخنی میاں بڈھا کے آگے۔ ملک محمد کے آگے حلوہ رکھا۔ یہ کشف دیکھ کر تینوں صاحب حیران رہے۔ آپ نے فرمایا کہ یا حیرت کی کیا بات ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنے دوستوں کو اہل دنیا کے سامنے شرمندہ نہیں کرتا۔ جو وہ چاہتے ہیں مرحمت فرما دیتا ہے۔

بعد وفات والد دو برس زندہ رہے ۹۴۷ھ میں وفات پائی اور ایک کتاب کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ آپ کے پانچ سو خلیفہ ہوئے مگر جو صاحب ارشاد اور مشہور ہوئے ہیں اول شیخ جلال الدین محمود الفاروق تھانیسری ہیں ان کا ذکر آگے آئے گا۔ دوسرے شیخ عبدالغفور اعظم پوری عالم اور کامل سیاح تھے اور مرید اپنے نانا کے بھی تھے۔

ایک بار آپ کو جن اٹھا کر لے گئے۔ ایک مدت ان کے ملک میں رہے۔ ان کی زبان کے ماہر تھے۔ ان کے ملک کی کیفیت بیان فرمایا کرتے تھے۔ مگر بوجہ اختلاف آب و ہوا کے ہیئت میں کسی قدر فرق آ گیا تھا۔ ہندوستانی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شیخ ہمارے قبیلہ سے تھے۔

وفات حضرت کی ۹۹۸ھ میں ہوئی اور یہ بھی لکھا ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے آپ کو بحالت خواب یہ درود تعلیم فرمایا تھا:

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ بَعْدَ اَسْمَآءِ کَ الْحُسْنٰی۔ اوران کے خلفا سے چند صاحب باکمال ہوئے۔ شیخ ابو اسحاق فرزند شیخ عبدالغفور دبندگی شیخ احمد میر سید علاء الدین ساکن کنتانہ جب ان کا انتقال ہوا ہے تو مزار میں سے تین بار کلمۂ حق کی آواز آئی اور ایک شعلۂ نور سرہانے سے ایک پائینتی سے پیدا ہو کر دونوں باہم مل کر قبر میں سما گئے۔ تیسرے خلیفہ شیخ عبدالقدوس کے شیخ بھولا نوربافت سہارن پور کے درویش کامل گزرے ہیں۔ ایک باران کو جنون ہو گیا تھا۔ اس حالت میں غیب کی باتیں کرتے تھے۔ ان کا مشاہدہ ہونے لگا۔ چوتھے شیخ بھورو کہ پہلے یہ دائم الخمر تھے۔ جب جذبۂ الٰہی دامنگیر ہوا ایک روز حضرت سے ملے۔ روئے مبارک پر نظر پڑتے ہی توبہ کی اور مرید ہو کر کار فقر کو انجام پہنچا کر اولیاء ہوئے۔ پانچویں خلیفہ حضرت کے شیخ بہاء الدین کہ اعلیٰ درجہ کے پیر پرست تھے۔ چھٹے خلیفہ شیخ عبدالستار سہارنپوری، ساتویں خلیفہ شیخ عبدالاحد پدر حضرت شیخ احمد مجدّد الف ثانی سرہندی۔ آٹھویں خلیفہ میر سید رفیع الدین اکبرآبادی، نویں خلیفہ شیخ عبدالرحمٰن اکثر مکتوب ان کے نام صادر ہوئے۔ دسویں شیخ عبدالنبی اور ازروئے تحریر تذکرۃ العارفین ہمایوں بادشاہ نے دوسرے جشن جلوس میں حضرت سے بیعت کی۔ گیارھویں بندگی شیخ جامن مسطور کہ تربیت بارگاہ مرشد تھے اور آپ کو مقام فنافی الرسول حاصل تھا۔ یہ ہمدم شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ کے اور محرم اسرار تھے۔ حضرت کی اکثر روایات آپ سے سند ہوئی ہیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی شیخ محمد ردولوی کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے۔ وہ صابریہ سلسلہ کے پہلے بزرگ ہیں جن کے حالات معاصر تذکروں اور تاریخوں میں ملتے ہیں جو شہرت اور عظمت ان کو حاصل ہوئی وہ اس سے پہلے صابریہ سلسلہ کے کسی بزرگ کو حاصل نہیں ہوتی تھی۔

شیخ عبدالقدوسؒ ابتدائے حال میں ردولی میں مقیم رہے ۱۴۹۱-۹۰ء میں ردولی کے حالات خراب ہوئے اور وہ ترک وطن کرکے شاہ آباد آگئے۔ جہاں ۳۸ سال تک انھوں نے ارشاد وتلقین کا ہنگامہ برپا رکھا۔ آخری عمر میں گنگوہ (ضلع سہارنپور) تشریف لے گئے اور وہیں ۱۵۳۷ء میں وفات پائی۔

جن حالات وگردوپیش میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو سلسلہ کی تبلیغ واشاعت کا کام کرنا پڑا۔ وہ بڑے ہوشربا تھے۔ ہندوستان کی سیاسی فضا غیر یقینی تھی مستحکم مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا سلطنت دہلی سانس توڑ رہی تھی۔ اس کا سیاسی اور سماجی ڈھانچہ بے جان ہو چکا تھا۔ صوبوں میں خود مختار حکومتیں تھیں۔ اور دارالسلطنت کے چاروں طرف ہنگامہ آرائی اور فتنہ وفساد ہندوستان کی ان تمام سیاسی طاقتوں میں جو اس وقت اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ راجپوت سب سے زیادہ منظم اور سیاسی بصیرت رکھنے والے تھے۔ پروفیسر رشبورک ولیمس نے لکھا ہے کہ اگر بابر ہندوستان نہ آتا، تو راجپوت یقیناً اپنا اقتدار

لہ لطائف قدوسی میں لکھا ہے، طرف ہندوستان غلبۂ کافراں برد۔ در پرگنہ ردولی عمل کافراں شد۔ شعائر اسلام مندرس شدند، در بازار گوشت خوک فروختہ می شد، حضرت قطبی دلگیر شدہ بیروں آمدند" (ص ۳۱، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ)

Marfat.com

قائم کرلیے[1]۔ چنانچہ بیری ، ناگور ، اجمیر ، رودولی وغیرہ مقامات پر حالات ایسے نازک ہوگئے تھے کہ مسلمان ان علاقوں کو خیرباد کہہ کر دوسری جگہ بسنے لگے تھے۔ ان حالات گرد وپیش میں سانس لینے والے بزرگ کا سیاست سے علیحدہ رہنا ممکن نہ تھا۔ سیاست اور سلاطین سے علیحدہ بھی اسی وقت رہا جا سکتا ہے۔ جب کم از کم سماجی توازن تو درست ہو۔ سماجی انتشار کی صورت میں سیاست سے بچنا تقریباً ناممکن تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ، ابتدائے حال میں مشائخ چشت کے قدیم اصول کے مطابق سیاست وسلطان سے علیحدہ رہتے تھے۔ چنانچہ لطائف ق۔ دوسی میں ایک واقعہ لکھا ہے :

"قاضی محمود تھانیسری داروغہ رودولی بود۔ چوں بجہت ملاقات می آید حضرت قطبی گریختہ در ویرانے می رفتند کہ نبری از اہلِ دنیا بر کمال بود۔ اختلاط با ایشاں زہر قاتل میدانستند دمی فرمودند کہ از اہلِ دنیا بوئے کہ بہ می آید لاچار می گریزم"[2]

لیکن بعد کو انھیں سیاست میں حصّہ لینا پڑا اور سلاطین سے ربط کرنا پڑا[3]۔ ایک طویل مکتوب[4] میں انھوں نے سکندر لودی کو غم خواری خلق بالخصوص آئمہ اور علماء کی تیمار داری پر خاص طور سے توجہ دلائی ہے اور بتایا ہے کہ حالات کی بہت کچھ درستگی ان کے ذریعے ممکن ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب بابر کا تسلط ہو گیا تو انھوں نے مغل شہنشاہ کو بھی خط لکھا اور ہدایت کی۔

"باید در سزد کہ برائے شکر نعمت منعم سایہ عدل بر عالمیاں چناں کنند ہیچ کس بر ہیچ کس ظلم نکند وہمہ خلق وہمہ سپاہ باد امر و نواہی شرع مستقیم و مستدیم بودند نماز با جماعت بگذارند و علم علماء را دوست و در بازار ہر شہرے محتسبان بگویند تا شہر و بازار را جمال عدل شرع محمدی بیارانید و روشن و منور گردانند ..... چنانکہ در عہد سلف و خلفاء راشدین با جمیع شرائط بے شبہ بود"[5]

---

[1] ملاحظہ ہو ANEMPIRE BILDER OF INDIA INTHE SIXTEENTH CENTURY RWILLIAMS - باب اوّل۔

[2] لطائف قدوسی ص ۱۹-۱۸۔

[3] آئین اکبری (ص ۲۱۴ مرتبہ سر سید احمد خاں) میں لکھا ہے "دانش صوری و معنوی اندوختہ و در ایزدی شناسی والا پایہ شد ، خرداں حقائق از وبر گوئید ، جنت آشیانی با برخی کار آگہاں بزادیاد و در شدے دالجمن آگہی گو سے پذیرفتے "۔ نیز ملاحظہ ہو گلزار ابرار ص ۲۴۳۔

[4] مکتوبات قدوسی (مکتوبات قدوسی مطبوعہ ، مطبع احمدی ، دہلی) مکتوب ۳۴ ص ۴۶-۴۴۔

[5] مکتوبات قدوسی ۳۶۔

Marfat.com

افغانوں اور مغلوں سے ان کے تعلقات پر تفصیلی بحث کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے معاصر تذکروں، ملفوظات اور تاریخوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔[۱]

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ ان کی تصانیف سے ان کے مطالعہ کی وسعت اور نگاہ کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے عوارف کی شرح لکھی تھی[۲] اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف فصوص الحکم پر حاشیہ تیار کیا تھا۔ ان کی دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں:-

۱- رسالہ قدسیہ
۲- غرائب الفوائد[۳]
۳- رشد نامہ
۴- مظہر العجائب
۵- مکتوبات قدوسیہ۔

انھوں نے اپنی تصانیف میں وحدت الوجود پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ رشد نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی پر اچھا عبور رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں ہندی دوہرے بہت کثرت سے ملتے ہیں۔

اتباع شریعت و سنت کا ان کو خاص خیال رہتا تھا۔ شیخ رکن الدین نے رشد نامہ[۵] کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

> حضرت ایشاں چناں در شرع محمدی و در عقیدہ اہل سنت و جماعت راسخ القدم بودند کہ ذرہ از شرع تجاوز نبود"

ان کے مکتوبات میں بھی اس جذبہ کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے بعض امراء کو خاص طور سے

---

[۱] اس سلسلہ میں لطائف قدوسی کا مطالعہ خاص طور پر مفید ثابت ہوگا۔

[۲] لطائف قدوسی میں لکھا ہے "اما بعلم لدنی و فیض الٰہی چنداں استعداد بود کہ در ہر علمے بحثہاء غریب کردند و تصانیف بسیار کردند و می فرمودند کہ در ابتداء حال نسخہ عوارف بحبت برکت در حجرہ می بود، دراں نسخہ خنداں دخل نبود عاقبت الامر کار تا بحدے رسید کہ نسخہ عوارف را بشرح عربی کردند و نکات و اسرار غریب نوشتند چنانچہ مشہور و معروف است" ص ۸۰

[۳] گلزار ابرار ص ۲۳۹

[۴] مختصر رسالہ ہے مولوی غلام احمد بریاں نے مسلم پریس جھجر سے شائع کیا تھا۔

[۵] رشد نامہ، شیخ عبدالقدوس کے ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہے۔ شیخ رکن الدین پسر شیخ نے اس پر ایک حاشیہ لکھا تھا، اس میں لکھتے ہیں "در ابتداء حال تصنیف کردہ بودند"۔ خاکسار کے پیش نظر رشد نامہ کا ایک قدیمی قلمی نسخہ ہے جس پر شیخ رکن الدین کا حاشیہ بھی موجود ہے۔

Marfat.com

اتباعِ شریعت کی تلقین ہے۔ خواص خاں، ہیبت خاں شیروانی، ابراہیم خاں شیروانی۔ نزدی بیگ وغیرہ کے نام ان کے مکتوبات بہت اہم ہیں[1] اور اس زمانے کے حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

جہاں تک صابریہ سلسلہ کا تعلق ہے اس کے نظام کو ترتیب دینا اور پھیلانا شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح ہی کا کام تھا مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف ان کی خاص توجہ تھی۔ مریدوں کے نام ان کے یہ خطوط بتاتے ہیں کہ وہ ان کی روحانی تعلیم کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی حال میں ان کی طرف سے غفلت نہ برتی جائے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کے تین فرزند تھے:۔

شیخ حمیدالدین۔

شیخ عبدالمجید

اور شیخ رکن الدین

شیخ رکن الدین کے بیٹے شیخ احمد تھے۔ اور ان کے بیٹے شیخ عبدالنبی جو اکبر کے صدرالصدور بھی رہے تھے۔

حکومتِ وقت سے تعلق صوفیہ کے لیے ہمیشہ مہلک رہا ہے۔ غالباً اسی بنا پر مشائخ متقدمین نے ہمیشہ اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی ہے اگر کوئی بزرگ کسی ضرورت اور مصلحتِ وقت سے مجبور ہو کر حکومت سے ذرا بھی رابطہ پیدا کر لیتا ہے۔ تو اس کے بعد اس کے متعلقین اسی میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا اور شیخ رکن الدین ملتانی نے حکومت سے وابستگی رکھی، لیکن اپنے روحانی پروگرام کو نظرانداز نہیں کیا۔ ان کی مثال سے ان کی اولاد نے غلط فائدہ اٹھایا اور سہروردیہ سلسلہ کا سارا نظام درہم برہم کر دیا۔ یہ ہی حال حضرت گنگوہی کی اولاد کا ہوا۔ شیخ عبدالقدوس نے اصلاح و تربیت کی خاطر حکومت سے رابطہ پیدا کیا تھا۔ ان کی اولاد نے حُبِ جاہ و زر کی خاطر شاہانِ مغلیہ کے آستانوں پر اپنی جبینوں کو جھکا دیا۔ شیخ عبدالنبی کے حالات عہدِ اکبری کی تاریخوں میں تفصیل سے درج ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حب جاہ و زر نے ان کی دینی جذبے کو بالکل ختم کر دیا تھا اور وہ مشائخ سلسلہ کے اصولوں کا قطعاً احترام نہ کرتے تھے[2]

حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبدالقدوس کی اولاد ان کے کام کو جاری نہ رکھ سکی۔ مگر ان کے کچھ خلفا ایسے عظیم المرتبت

---

[1] شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور دیگر مشائخ ہند کے مکتوبات کو میں نے ایک علیحدہ کتاب "مشائخ کے خطوط امراؤ سلاطین کے نام" میں مع حواشی کے ترتیب دیا ہے۔

[2] ملاحظہ ہو:۔

منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی، مولانا ابوالکلام آزاد نے تذکرہ میں اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔

(تذکرہ نیا ایڈیشن ص۲۵-۳۷)

Marfat.com

اور عالی حوصلہ تھے کہ انھوں نے سلسلہ کی نشر و اشاعت کی طرف خاص توجہ کی۔ شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ عبد الغفور اعظم پوری[2] شیخ عبد العزیز کھیرانوی رح، شیخ عبد اللہ (سہارنپور)، شیخ عبد الاحد پدر حضرت مجدد الف ثانی رح نے ارشاد و تلقین کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد قرار دے کر سلسلے کے اثرات کو دور دور پھیلا دیا۔

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۲۴۸، ۲۷۷۔

[2] شیخ محدث لکھتے ہیں: "واز جملہ خلفائے وے شیخ عبد الغفور اعظم پوری بود، بزرگ بود و صاحب واقعات۔ اخبار الاخیار صفحہ ۲۱۶۔

Marfat.com

حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ

پورا نام شیخ فخر الدین ابراہیم ہے۔ تاریخ گزیدہ میں سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

فخر الدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبدالغفار الجوالقی، تذکرہ دولت شاہ، مرأۃ الخیال، سیر العارفین، مخزن الغرائب بلوز برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شہریار مرقوم ہے، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ:

"شیخ فخر الدین محمد شہریار بہاء الدین زکریا کی بہن کے بیٹے یعنی بھانجے تھے۔"

مگر بعض تذکروں میں ان کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا بھانجہ بتایا جاتا ہے۔ ہمدان کے نواح میں قریہ کمجان (کوکنجان) میں پیدا ہوئے، صغر سنی میں کلام پاک حفظ کیا، ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر شیفتہ تھے۔

سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے معقولات ومنقولات پڑھ کر فارغ ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، ان کے پاس رہ کر برسوں عبادت وریاضت کرتے رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اسی مدت میں ان کو عراقی کا تخلّص عطا فرمایا۔ اور ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں ملتان آئے اور ان کے فیض صحبت میں روحانی اور باطنی دولت سے مالا مال ہوئے

ایک دوسری روایت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہو کر ہمدان کے مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت پہنچی، اور مندرجہ ذیل غزل پڑھنے لگی :۔

ما رخت ز مسجد بخرابات کشیدیم — خط بر ورقِ زہد و کرامات کشیدیم
در کوئے مغاں در صفِ عشاق نشستیم — جام از کفِ رندان خرابات کشیدیم
از زہد و مقامات گذشتیم که بسیار — کأس تعب از زہد و مقامات کشیدیم

ان اشعار کو سن کر شیخ فخر الدین ابراہیم بے تاب ہو گئے۔ اور ان پر ایک وجد طاری ہو گیا۔ قلندروں میں سے ایک قلندر اپنے حسن وجمال میں بے نظیر تھا۔ اس کے حسنِ فانی کو دیکھ کر ان کے دل میں عشقِ حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور عمامہ سر سے اتار پھینکا اور اسی وقت فرمایا۔

چہ خوش باشد که دل دارم تو باشی — ندیم و مونس و یارم تو باشی!

اور پھر ان قلندروں کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے۔ اور عراق وعرب وعجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ جب

Marfat.com

ملتان آئے تو قلندروں کے ساتھ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کی خانقاہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا رح کی نظر ان پر پڑی تو ان کو صورت آشنا پایا۔ شیخ فخرالدین عراقی نے بھی شیخ بہاءالدین زکریا رح کی طرف کشش محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ شیخ کی جانب مقناطیس کی طرح کھنچا جا رہا ہوں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے مجھے قید کر لیا ہے۔

چنانچہ ملتان سے دہلی چلے آئے اور دہلی سے سومنات کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں سخت آندھی آئی، آندھی میں قلندر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ شیخ فخرالدین عراقی ساتھیوں سے چھوٹ کر ادھر اُدھر پریشان خاطر پھرتے رہے، بالآخر ملتان کی طرف مراجعت کرنے کا تہیہ کیا۔ وہاں پہنچے تو شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھتے ہی فرمایا:۔

"عراقی! ازما گریختی!"

شیخ فخرالدین نے جواب میں کہا۔

از تو نہ گریزد دل من یک زماں! کالبد را گہے بود از جانِ گزیر

دایۂ لطف مرا در بر گرفت! داد بیش از مادرم صد گونہ شیر

شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنی خلوت میں لے گئے، جہاں وہ دس روز تک چلّہ میں بیٹھے۔ گیارہویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، وہ روتے تھے اور یہ غزل پڑھتے تھے۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند

چو بے خود خواستند اہلِ طرب را شراب بے خودی در کام کردند

برائے صید مرغ جانِ عاشق ز زلف فتنہ جویاں دام کردند

بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود بہم بردند و عشقش نام کردند

چو خود کردند راز خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں نے چلّہ میں شیخ فخرالدین عراقی کو نغمہ سرائی کرتے دیکھا تو مرشد کو اطلاع دی کہ ان چیزوں کی تو ممانعت ہے، پھر شیخ فخرالدین عراقی اس کے کیسے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مرشد نے فرمایا کہ،

"شمارا ازیں چیزہا منع است او را منع نیست۔"

اس کے کچھ دنوں کے بعد شیخ عمادالدین شہر نکلے تو ایک خرابات سے گذر رہے تھے، کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ پڑھتے سنا، شہر سے واپس ہوئے تو اپنے مرشد شیخ بہاءالدین زکریا رح کو یہ واقعہ سنایا۔ مرشد نے یہ سنکر شیخ فخرالدین عراقی کے متعلق فرمایا کہ

"کار او تمام شد"

اور پھر شیخ فخرالدین عراقی کے پاس خلوت میں پہنچ کر ارشاد فرمایا:۔

Marfat.com

"عراقی! مناجات درخرابات می کنی، بیرون آئی!"

شیخ عراقی باہر آئے، مرشد کے قدموں پر سر رکھ دیا، اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ مرشد نے اپنے دستِ مبارک سے ان کا سر اٹھایا اور سینہ سے لگایا۔ شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے:۔

درکوئے خرابات کسے را کہ نیاز است　　　　ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

مرشد نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر ان کو پہنا دیا، اور اسی مجلس میں اپنی صاحبزادی کو ان کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں پچیس سال رہے، اسی اثناء میں ان کے فرزند ارجمند شیخ کبیر الدین کی پیدائش ہوئی۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخر الدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا۔ مگر شیخ فخر الدین عراقی نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی۔ وہ مغلوب الحال ہو کر اپنے جذبات کا اظہار شعر و شاعری کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے، جس کو شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اور دوسرے مرید اپنے مرشد کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے۔ شیخ فخر الدین نے یہ محسوس کیا تو اس منصب سے علیحدہ ہو کر عدن کی طرف روانہ ہو گئے، عدن کا سلطان ان کی شہرت سن چکا تھا۔ اور ان کی شاعری کا معتقد تھا۔ چنانچہ وہ عدن پہنچے تو علماء و صلحا کی معیت میں ان کا شاندار استقبال کیا اور شاہی خانقاہ میں ٹھہرایا اور ہر قسم کی خاطر و تواضع کی حج کا موسم آیا تو شیخ فخر الدین عراقی نے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سلطان اُن کا اس قدر گرویدہ ہو گیا تھا کہ ان کی مفارقت گوارا نہ کی۔ مگر وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے اشتیاق میں سلطان کی اجازت کے بغیر چپ چاپ عدن سے چل کھڑے ہوئے۔ سلطان کو ان کے جانے کی خبر ملی تو ان کی علیحدگی سے بے تاب ہو کر خود بھی عازم حج ہوا۔ مگر پھر لوٹ آیا، اور بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ ان کی خدمت میں اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کے خادموں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

شیخ فخر الدین عراقی رحمت و سرشار مکہ معظمہ پہنچے، احرام باندھتے وقت انھوں نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا جس کا مطلع یہ تھا:۔

اے جلالت فرشِ عزت جاو داں انداختہ

گوئے درمیدانِ وحدت کامراں انداختہ

اور جب خانہ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو اس کے انوار و تجلیات سے مسحور ہو کر ایک دوسرا قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں:۔

تَعَالیٰ مَنْ تَوحّد بالکمالِ　　　　تَقَدَّسَ مَنْ تَفَرَّدَ بِالْجَلَالِ

حبذا صفۂ بہشت مثال　　　　کہ بود آسمانش صف نعال!

مدینہ منورہ پہنچے تو ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور ایک رات میں پانچ قصیدے کہے، ان قصیدوں کے صرف مطلعے ملاحظہ ہوں:۔

(۱)

عاشقاں چوں بر در دل حلقۂ سودا زنند　　　　آتش سودائے جاناں در دل شیدا زنند

Marfat.com

(۲)

شہبازم و چو صید جہاں نیست در خورم ناگہ بود کہ از کفِ ایام بر پرم

(۳)

اے رخت مجمعِ خیال شدہ مطلعِ نورِ ذو الجلال شدہ

(۴)

راہ باریکست و شب تاریک و مرکب لنگ و پیر اے سعادت رخ نمائی و اے عنایت دستگیر

(۵)

دل ترا دوست تر ز جاں دارد! جاں ز مہر تو درمیاں دارد

مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تو اقصائے روم کی سیاحت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قونیہ پہنچ کر وہاں حضرت شیخ محی الدین عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدرالدین کی خدمت میں پہنچے، ان کی صحبت میں روحانی دلچسپی ہوئی تو ایک عرصہ تک قونیہ میں قیام پذیر رہے اور حضرت شیخ صدرالدین کی صحبت میں فصوص الحکم کا مطالعہ کیا جس کے بعد اپنی مشہور کتاب لمعات تصنیف کی۔ حضرت شیخ صدرالدین نے اس کو پڑھ کر فرمایا، کہ

"اے فخرالدین عراقی سرِ سخن مرداں آشکارا کردی"

چنانچہ یہ کتاب ارباب تصوف کے حلقہ میں برابر مقبول رہی۔ ملا نورالدین عبدالرحمٰن جامی نے اشعۃ اللمعات اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے ضوء اللمعات کے نام سے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ سیرالعارفین کے مولف کا بیان ہے کہ صدر قادری نے بھی اس کی شرح تحریر کی ہے اور خود سیرالعارفین کے مولف نے لمعات کی مدح ان الفاظ میں کی ہے۔

"ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ لمعات ایک قطرہ سحاب فیض کا ہے، جو دریائے معرفت سے شیخ بہاءالدین زکریا قدس اللہ سرہٗ العزیز کے فخرالدین کی زبان پر ٹپکا"

یہ کتاب فصوص الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے اور اس میں بھی فصوص کی طرح اٹھائیس فصلیں ہیں۔ میخانہ کے مولف کا خیال ہے کہ

"لمعات بحقیقت لُبِ فصوص است"

یہاں کے قیام کے زمانہ میں امیر معین الدین شیخ فخرالدین عراقی کا بے حد معتقد ہو گیا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ کوئی جگہ انتخاب کر کے اپنے لیے خانقاہ بنائیں، پہلے تو انھوں نے اس کو پسند نہ کیا، لیکن پھر توقات میں خانقاہ بنوائی۔ ایک بار امیر معین الدین کچھ نقد رقم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ امیر معین الدین نے شکستہ خاطر ہو کر کہا کہ آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہیں، اور نہ میری طرف التفات فرماتے ہیں شیخ نے ہنس کر جواب دیا کہ

"اے امیر! مارا نمی تواں فریفت!"

Marfat.com

طبیعت میں وارفتگی تھی، اوراس وارفتگی کے عالم میں بعض اوقات ان کے حرکات واعمال ارباب ظاہر کے لیے ناپسندیدہ ہوجاتے تھے ۔ایک روز معین الدین ان کی قیامگاہ پر آیا، تو اُن کو وہاں نہ پایا، ان کی تلاش میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے گلے میں رسّی ڈال کر ان کو ادھر اُدھر دوڑا رہے ہیں، بعض لوگوں نے شیخ عراقی کی اس حرکت پر طنز بھی کیا، لیکن امیر معین الدین نے طنز و تشنیع پر توجہ نہ کی اور شیخ کی معیت میں ان کی قیامگاہ پر واپس آیا۔

اسی طرح ایک روز شیخ اپنی قیامگاہ سے باہر گئے تو دو دن تک واپس نہ آئے، امیر معین الدین نے ہر طرف آدمی دوڑائے، لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا، تیسرے روز خبر ملی کہ وہ پہاڑ کے دامن میں مقیم ہیں، امیر معین الدین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچا تو شیخ کی عجیب کیفیت دیکھی۔ وہ برہنہ پا و برہنہ سر برف کے تودوں میں رقص کر رہے تھے۔ ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا۔ بڑی مشکل سے شہر کی طرف مراجعت کرنے کے لیے رضامند ہوئے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امیر معین الدین کے بُرے دن آگئے، ارباب سلطنت اُس سے برگشتہ ہوگئے، اور حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئی، اس کو اپنی زندگی کی خاطر شہر کو بھی خاموشی سے چھوڑ دینا پڑا، مگر جب وہ شہر سے باہر جانے لگا تو رات کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جواہرات کا ایک ذخیرہ پیش کر کے گذارش کی، کہ ان جواہرات کو جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ مگر میرا لڑکا مصر میں مقید ہے۔ اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کی کوشش کریں، اس کو رہا کر کے اپنے پاس رکھیں، اور اس کو ایک لمحہ کے لیے اپنے سے جُدا نہ کریں، اُس کو اپنا پُرانا خرقہ بھی پہنائیں اور اس کو موقع نہ دیں کہ وہ اس خرقہ کو ضائع کرے۔ امیر یہ باتیں کہتے وقت اشکبار ہو رہا تھا، خود شیخ پر بھی گریہ طاری تھا، بالآخر شیخ کے پاؤں کا بوسہ دے کر وہ رخصت ہوگیا۔ شیخ نے جواہرات کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیا۔

امیر معین الدین کی معزولی کے بعد اس علاقہ کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد کی گئی۔ اس کی معیت میں مولانا امین الدین بھی تشریف لائے تو قات میں پہنچ کر مولانا امین الدین شیخ فخر الدین عراقی سے بھی ملنے آئے، دونوں بڑی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ملے، اور جب سیر و سلوک پر گفتگو شروع ہوئی تو دونوں ایسے محو ہوئے کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا، پھر بھی دونوں کی تشنگی باقی رہی۔ یہاں تک کہ تین دن گذر گئے، چوتھے روز مولانا امین الدین خواجہ شمس الدین سے ملے تو مؤخر الذکر نے تین دن کی مفارقت کی شکایت کر کے اپنے ملال کا اظہار کیا۔ مولانا امین الدین نے خواجہ شمس الدین کی دلجوئی کر کے فرمایا شیخ فخر الدین عراقی کی صحبت میں تھا، اور ان سے ایسی باتیں سُنیں جو کبھی سے عمر بھر نہ سُنی تھیں، ان کی صحبت میں تین سال رہتا یا تمام زندگی رہنے کا موقع مل جاتا۔ تو بھی ان کی مفارقت گوارا نہ کرتا مولانا امین الدین کی اس عقیدت مندی کو سُن کر خواجہ شمس الدین کو بھی شیخ فخر الدین عراقی سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ اور ان کو لانے کے لیے خلعت کے ساتھ ایک اونٹ بھیجا۔ شیخ فخر الدین عراقیؒ جب قریب پہنچے تو خواجہ شمس الدین معزز لوگوں کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے گیا۔ شیخ نے مولینا امین الدین کو دیکھ کر کہا "اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ" یعنی یہ کہ یہاں بلا بھیجنے میں تمہارا ہی فتنہ ہے، خواجہ شمس الدین ان سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیا، اور جب سلوک پر گفتگو شروع ہوئی شیخ کی گفتگو میں اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین کی آنکھوں سے بہت دیر تک بے اختیار آنسو جاری رہے۔

Marfat.com

کچھ ہی عرصہ کے بعد حاسدوں نے ارباب حکومت کے پاس مخبری کی کہ امیر معین الدین کی ساری دولت شیخ فخر الدین عراقی کے پاس جمع ہے، مگر ان کی گرفتاری سے پہلے خواجہ شمس الدین نے ان کو اس کا موقع دیا کہ وہ توقات چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہوجائیں چنانچہ وہ امیر معین الدین کی امانت کو لے کر دو آدمیوں کے ساتھ یثرب کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور وہاں سے مصر پہنچے، یہاں خانقاہ صالحیہ میں قیام کرکے امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیریں کیں۔ جب کوئی صورت کارگر نہیں ہوئی تو سلطان مصر کے دربار کے دروازے پر پہنچے۔ نابیوں نے پہلے تو روکا، مگر پھر اندر جانے کی اجازت دے دی، سلطان کو دیکھ کر سلام کیا، اور امیر معین الدین کی امانت اُس کے سامنے رکھ کر کھڑے ہوگئے۔ سلطان نے ان کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ کوئی اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں، چنانچہ اس نے ان کو عزت سے بٹھایا۔ اور جواہرات کی گٹھڑی کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ اس میں کیا ہے۔ شیخ فخر الدین عراقی نے جواب دیا کہ یہ امانت ہے۔ سلطان نے اُس کو کھولنے کا حکم دیا اور بیش بہا جواہرات دیکھ کر متحیّر ہوا، مزید تفصیل پوچھی تو شیخ فخر الدین عراقی نے ساری باتیں بتائیں۔ سلطان کو تعجّب تھا کہ اس شخص نے جواہرات کو میرے سامنے لاکر تحفہ کے طور پر حاضر کیا ہے، اور اپنے لیے اس کو پسند نہیں کیا۔ شیخ کو نورِ باطن سے سلطان کے اس تعجّب کا کشف ہوگیا، چنانچہ اسی وقت کلام پاک کی اس آیت قل مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیلٌ وَالآخِرَۃُ لِمَنِ اتَّقیٰ وَلَا تُظلَمُونَ فَتِیلاً ط کی تفسیر بیان فرمائی، سلطان ان کی تقریر سے متاثر ہوکر اپنی مسند سے نیچے اُتر آیا اور شیخ کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گیا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔

اسی روز سلطان نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کیا، اور اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم کے ساتھ پیش آیا۔ نہایت عقیدت میں اس نے شیخ فخر الدین عراقی کو سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ دوسرے دن اس منصب کے عطا کرنے کی تقریب میں تمام صوفیہ و علماء اور اکابر سلطنت کو مدعو کیا۔ اس دعوت پر دربار میں چھ ہزار صوفیہ جمع ہوئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ شیخ فخر الدین عراقیؒ کو خلعت اور طیلسان پہنایا گیا اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا جس میں صرف شیخ فخر الدین عراقیؒ گھوڑے پر سوار تھے، اور باقی تمام صوفیہ علماء اور امراء ان کے رکاب میں پا پیادہ تھے۔ شیخ نے اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو انھوں نے اپنے میں نفس کا استیلا اور غلبہ محسوس کیا۔ اس لئے اضطراراً طیلسان اور دستار کو اُتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لیا۔ کچھ دیر کھڑے رہ کر پھر دستار کو سر پر رکھ لیا، حاضرین یہ دیکھ کر ہنسے، اور آپس میں کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ شیخ الشیوخ کے منصب کے لیے کیوں کر موزوں ہوسکتا ہے۔ وزیر نے شیخ سے پوچھا یا شیخ لِمَا فعلتَ ھذا (اے شیخ آپ نے ایسا کیوں کیا) شیخ نے جواب دیا۔ وَانْتَ مَا تَعرِفُ الحَالَ (آپ کو حال سے واقفیت نہیں)، اور جب سلطان کو اس کی خبر ملی تو شیخ کو بلا کر اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا۔ شیخ نے جواب دیا کہ

"میں اپنے نفس کا استیلا و غلبہ محسوس کر رہا تھا اور اگر ایسا نہ کرتا تو عقبےٰ سے غافل ہوجاتا۔"

اس جواب کو سن کر سلطان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا اور شیخ کے وظیفے میں مزید اضافہ کر دیا۔ مگر شیخ کی طبیعت کی بیقراری اور مزاج کی آشفتگی بدستور سابق قائم رہی۔ وہ بازاروں، سڑکوں اور گلیوں میں بلاتکلف گھومتے نظر آتے تھے اور اس بے تکلفی میں ان کے

Marfat.com

ایسی باتیں سرزد ہو جاتیں، جو درویشی اور شیخیت کے لیے ناموزوں ہوتیں، پھر بھی ان سے لوگوں کی عقیدت مندی قائم رہی۔ سلطان نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ اس کے پاس جس وقت بھی تشریف لانا چاہیں، اُن کی مزاحمت نہ کی جائے۔ چنانچہ اگر وہ حرم یا خواب گاہ میں بھی ہوتا تو فوراً قدموسی کے لیے حاضر ہو جاتا، کچھ روز بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی تو دمشق کی طرف جانے کا قصد کیا۔ سلطان نے روکنا چاہا، مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے جس کے بعد سلطان نے شام کے ملک الامراء کو ان کے استقبال اور پذیرائی کے لیے لکھا۔ چنانچہ اس نے تمام علماء و مشائخ کے ساتھ ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ یہاں اُن کے قیام کے چھ مہینے کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیرالدین ہندوستان سے ملنے آئے۔ بیٹے کے آنے کے کچھ دنوں بعد ان کے چہرے پر دموی ورم ظاہر ہوا، جس سے وہ پانچ روز تک نہ سو سکے اور یہی عارضہ ان کے لیے مرض الموت ثابت ہوا، موت کے وقت اپنے بیٹے کبیرالدین کو پاس بلایا اور یہ آیت پڑھی:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (مجلس-۱)

(جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔)

اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھارے، وفات کے وقت سن شریف اٹھاسی سال تھا۔ میخانہ اور نفحات الانس میں سن وفات ۶۸۸ھ ہے، تاریخ گزیدہ میں ۶۸۶ھ اور تذکرہ دولت شاہ میں ۷۰۹ھ مرقوم ہے۔ مگر اول الذکر سن ہی صحیح سمجھا گیا۔

"قبر اُن کی برابر مزار شیخ محی الدین عربی کے ہے، چنانچہ یہ فقیر جمالی بھی وہاں جاکر زیارت سے فیضیاب ہوا ہے۔ محلہ مشہور صالحیہ میں مزار اُن کا واقع ہے، اور اس دیار کے زائر دونوں مزاروں کی نسبت الفاظ سے یوں کہتے ہیں کہ ہذا بحر العرب یعنی یہ قبر شیخ محی الدین عربی کی سمندر پرفیض عرب شریف کا ہے اور بہ نسبت قبر شیخ مولانا فخرالدین کی کہتے ہیں۔ ہذا بحر العجم یعنی یہ سمندر عجم کا ہے۔ بڑا فیض پہنچانے والا اور قبر شیخ اوحدالدین کرمانی کی بھی اسی متبرک جگہ پر ہے"

شیخ فخرالدین عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے۔ مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں عشاق نامہ درج ہے۔ میخانہ میں مثنوی کا نام مرقوم نہیں ہے۔ کہیں کہیں اس کا ذکر آیا ہے۔

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ

جہاں سرہند شہر آباد ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں جنگل تھا اور شیروں کا مسکن تھا۔ جب یہاں شہر آباد ہوا تو اسی نسبت سے اس کا نام "شیر ہند" رکھا گیا جو آج کل "سرہند شریف" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک گاؤں بروس نامی مشہور ہے جہاں کہ انبیاء علیہ السلام کی قبریں ہیں

فیروز شاہ تغلق جب پنجاب کا خزانہ لے کر دہلی جا رہا تھا، تو اس مقام پر پہنچا۔ لشکر میں ایک ولی اللہ بھی تھے۔ انہیں کشف سے معلوم ہوا کہ اس جگہ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزار سال بعد ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو اپنے کمالات کے باعث وحید الامت ہوگا۔ چنانچہ فیروز شاہ نے اس کی بنیا داسی وجہ سے رکھائی۔ اس کی بنیاد حضرت امام رفیع الدین جو حضرت امام ربّانی کے اسلاف سے نہایت باورع اور ولی اللہ ہیں اور حضرت شاہ بو علی قلندر کے ہاتھوں سے رکھی گئی۔

سرہند شریف کی بنیا د رکھا جانا اس واقعہ کی یاد تازہ کر دیتا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خضر علیہ السلام نے ایک ٹوٹی ہوئی یتیموں کی دیوار کو از سرِ نو تعمیر کیا تھا' اور حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا ارشاد فرمایا تھا۔ جیسے ظاہر و باطن کے جامع کمالات کے حضرات نے اس مبارک کام کو سرانجام دیا تھا۔ اسی طرح سرہند کی بنیاد بھی امام رفیع الدین اور حضرت بوعلی شاہ قلندر کے ہاتھوں رکھی گئی اور پھر حضرت امام ربّانی سے بڑھ کر کونسا خزانہ ہندوستان کو میسّر آسکتا ہے۔

اسی سرہند شریف میں فاروقی مشائخ کے خاندان میں ایک بزرگ جناب مولانا شیخ عبدالاحد جو سیدنا عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ اور سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے صاحب نسبت اور طریقۂ قادریہ میں بھی آپ کو اجازت حاصل تھی۔ ایک رات خواب دیکھتے ہیں:-

"کہ تمام جہان میں تاریکی پھیلی ہوئی ہے، سُور، بندر، ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یکایک میرے سینے سے ایک نور نکلا جس میں سے ایک تخت نمودار ہوا اور اس پر ایک بزرگ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے تمام ظالم بے دین اور ملحد ذبح کئے جا رہے ہیں اور کوئی ندا دینے والا ندا دیتا ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

Marfat.com

حضرت شیخ نے بیدار ہو کر اس مسرت آمیز خواب کی تعبیر اپنے مرشدِ کامل قطبِ دَوراں حضرت شاہ کمال کیتھلی سے دریافت کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، جس سے الحاد اور بدعت دُور ہوگی۔ چنانچہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ جمعہ کی شب میں اس مبارک خواب کی تعبیر صادق ہوئی اور تجدّد و تنوّر کا آفتاب صبح صادق سے پیشتر اس جہان پر طلوع ہوا۔

آپ کا نام "احمد" تجویز ہوا، بچپن ہی سے وہ سعادتیں جو رب العالمین نے آپ کو عطا کی تھیں آپ سے ظہور میں آنے لگیں اور عام بچوں کی سی کوئی بھی عادت آپ میں نہ پائی گئی۔

حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی نے اکثر کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں اور کچھ سرہند شریف کے دوسرے علماء سے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور سترہ برس کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہو گئے اور پھر تھوڑا زمانہ درس و تدریس دینے کے بعد آپ آگرہ تشریف لے گئے اور ابوالفضل اور فیضی سے ملاقات کی۔ ان دونوں نے آپ کے تبحّرِ علمی اور بے پایاں قابلیت کا اعتراف کیا۔

شروع میں آپ سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور ان سے تعلیم باطنی حاصل کی اور خلافت حضرت شاہ سکندر کیتھلی سے حاصل ہوئی۔ حضرت شاہ سکندر ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کے بہت بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی آپ نے باطنی تعلیم حاصل کی اور ترقی فرماتے رہے۔ غرضیکہ صرف سترہ سال کی عمر میں آپ ظاہری و باطنی کمالات کے جامع حاوی ہو چکے تھے۔

قدِ مبارک متوسط، چہرہ انور باوجاہت، رنگ گندمی بہ مائل سفیدی، پیشانی کشادہ، ڈاڑھی گھنی اور آنکھیں بڑی بڑی۔ صورت اقدس انوارِ ولایت سے تاباں، خوبصورتی اور ملاحت کے آثارِ رعب و ہیبت نمایاں۔ جو کوئی آپ کی زیارت کرتا بے اختیار کہتا:
فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں ایک شخص پیدا ہوگا۔ جس کو صلہ کہیں گے (معنی دو چیزوں کو ملانے والا) یہ حدیث شریف حضرت امام ربّانی پر پوری صادق آتی ہے اور آپ ہی کے طفیل ظاہر و باطن جس کو زمانے نے الگ الگ سمجھ رکھا تھا۔ ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔

سیدنا غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے ایک جنگل میں ایک مراقبہ کے دوران میں ساعت بساعت بڑھنے والے نور کا مشاہدہ فرمایا۔ اِلقا ہوا کہ اس نور کا صاحب وہ عزیزِ امّت ہے جو پانچ سو سال بعد ہمارے پیغمبر کی تجدید کرے گا۔ اور اس کے فرزند و خلفا بارگاہِ احدیت کے صدر نشینوں میں سے ہوں گے۔ حضرت غوث پاک قدس سرہٗ نے اس مشاہدہ کے بعد اپنا ایک خرقہ اپنے خلیفۂ اکبر کے سپرد کیا اور کہا کہ یہ خرقہ امانت ہے اس شخص کی جس کے متعلق یہ القا ہوا، چنانچہ وہ خرقہ حضرت امام ربّانی کو حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کی وساطت سے پہنچا، ان کے علاوہ اور بھی بزرگانِ دین سے اس قسم کی بہت سی پیش گوئیاں حضرت امام ربّانی کے متعلق منقول ہیں۔

Marfat.com

والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت امام ربانی حج کے ارادے کے لیے دہلی تشریف لائے وہاں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے کمالات کی شہرت سن کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت خواجہ باقی اللہ علیہ الرحمۃ ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی ہیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ بڑی شفقت سے پیش آئے اور رہنے کی فرمائش کی، چنانچہ حضرت امام ربانی حضرت خواجہ صاحب کی فرمائش پر ٹھہر گئے۔ اور خواجہ صاحب سے بیعت ہو گئے۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنے ایک مرید کو حضرت امام ربانی کی آمد پر تحریر فرمایا:

"شیخ احمد نامی ایک عالم باعمل سرہند سے آئے ہیں۔ چند دن اس فقیر کے ساتھ اٹھے بیٹھے۔ عجیب وغریب حالات ان کے دیکھنے میں آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک چراغ ہوں گے جس سے سارا عالم روشن ہو جائے گا۔"

حضرت امام ربانیؒ نے اڑھائی ماہ دہلی میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ حضرت خواجہ باقی اللہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو خلعتِ خلافت عطا کی گئی اور خاص خاص اصحاب کو تعلیم کے لیے حضرت خواجہ صاحبؒ نے حضرت امام ربانی کے سپرد کر دیا۔ تیسری مرتبہ حضرت نے چند قدم چل کر حضرت امام ربانی کا استقبال فرمایا اور بڑی بڑی بشارتیں سنائیں اور بہت کچھ اعزاز واکرام کیا۔ چوتھی مرتبہ جب حضرت امام ربانیؒ اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں ہندوستان آنے سے قبل استخارہ کیا۔ جس میں پہلے معلوم ہوا کہ ایک شیریں نغمہ خوبصورت طوطا میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا ہے۔ میں اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ اپنی چونچ سے میرے منہ میں شکر ڈال رہا ہے۔ میں نے یہ استخارہ اپنے مرشد حضرت شیخ خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص ہوگا جس سے ایک عالم منور ہوگا۔ اور تم کو بھی اس سے حصّہ ملے گا۔ خواجہ صاحب نے اس کا مصداق حضرت امام ربانی کو فرمایا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد (حضرت امام ربانی) ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہو جائیں۔ آسمان کے نیچے ان کی نظیر نہیں ہے اور ان جیسے اس امت میں چند ہی آدمی گزرے ہیں۔

ایک بار حضرت خواجہؒ نے حضرت امام ربانی سے فرمایا کہ ہم نے یہاں (سرہند میں) ایک بہت بڑا چراغ روشن کیا۔ اس کی روشنی آناً فاناً بڑھنے لگی۔ پھر ہمارے جلائے ہوئے چراغ سے بیسیوں چراغ جل گئے۔ اس سے مراد تم ہو۔

ادھر مغل بادشاہ اکبر تختِ سلطنت پر تھا۔ بے دینی اور شرک کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ کفار نے بے خوف وخطر کئی مساجد شہید کر کے وہاں مندر بنا لیے۔ کاد شی کے دن جو کہ ہندوؤں کے برت کا دن ہے اس کے لیے اکبر نے یہ اہتمام کیا تھا کہ اس دن شہروں میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے۔ برعکس اس کے رمضان شریف میں کھلے بندوں کھانا پکایا جاتا اور فروخت کیا جاتا اور اہل اسلام کی بے بسی کے سبب کوئی مزاحم نہ ہو سکتا تھا۔ علماء اور فقراء کے ہاتھ میں عوام کی اصلاح ہوتی ہے۔ علماء تو آپس کے حسد کا شکار ہو گئے تھے جو اس فتنہ سے بچے تھے ان کے پاس اقتدار نہ تھا۔ اور جن کا نام نہاد فقرا کو خطابات اور نوازشات سے نوازا جاتا تھا۔ ان میں سلوک کے عروج ونزول کی خبر تک کسی کو نہ تھی اور عیش پسندی اور ہوا پرستی کے خار دار صحرا میں بھٹک رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ نام

Marfat.com

اشخاص کو مرشد اور ولی اللہ اور قطب جیسے جلیل الشان خطابات سے نوازا گیا۔ اور ان تن آسان اور اغراض پرستوں نے عوام کے خیالات سے شریعت کی پیروی کی اہمیت مٹا دی اور سُنتِ نبوی کا احیا مشکل ترین ہوگیا۔

ایسے تاریک دور میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز ہی ایک ایسی شخصیت تھی جو اعلاے کلمۃ الحق میں مشغول تھی۔ چنانچہ آپ سرہند سے آگرہ پہنچے۔ ان دنوں اس کا نام اکبر آباد تھا اور اکبر کے مقربین کو بلوا کر ارشاد فرمایا:

"بادشاہ اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہوگیا ہے۔ جاؤ میری طرف سے اسے کہہ دو کہ اس کی بادشاہی، اس کی طاقت، اس کی فوج سب، کچھ ایک دن مٹ جانے والی ہے۔ وہ توبہ کرکے خدا اور رسول کا تابعدار بنے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے۔"

ان لوگوں نے جا کر بادشاہ سے کہا۔ لیکن اکبر جو اپنے نئے دین کے خواب دیکھ رہا تھا اس نے حضرت امام ربانی کے اس پیغام کی کچھ پروانہ کی۔ اور اپنے فتنہ کی کامیابی کے اظہار کے لیے خاص دن مقرر کرکے دربار اکبری سجایا۔ دوسری طرف بارگاہ محمدی بنایا اکبر کا خیال تھا کہ میری بادشاہت اور سلطنت کے مقابلہ میں پرانے اور بوسیدہ مذہب کے پیرو کہاں باہر نکلیں گے اور اس طریق سے ہی فخر الاولین والآخرین سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے مقابلہ میں اپنے شیطانی مسلک کو سرفراز کرسکوں گا اور آنے والی نسلیں میرے رعب و داب کا سکہ مانیں گی۔ اسے کیا خبر تھی کہ امام ربانی مجدد الف ثانی جیسا ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع اس دُنیا کو اپنی آمد سے منور کرچکے ہیں۔ چنانچہ اکبر نے اپنے دربار میں بوالہوسوں کی چرب زبانی کے لیے نہایت پرتکلف کھانے تیار کروائے تاکہ شکم کے بندوں کا گروہ گِدھوں کی طرح اس مُردار دُنیا کی طلب میں اکٹھا ہو جائے۔ اور ایسا ہی ہوا کہ اکبر اور اس کے حاشیہ نشین خوشامدی، چاپلوس اور ڈپلومیٹک لوگ جن کے نفس نے انہیں شرعی احکام کی تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے دین سے باغی ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ اس دربار میں اکٹھے ہوگئے۔

دوسری طرف دربار محمدی لگایا گیا جو ان تمام تکلفات سے بری تھا۔ لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی غیرت اسلامی کب گوارا کرسکتی تھی کہ اکبر ایسا ملحد آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی تذلیل کرے۔ چنانچہ حضرت مجدد اپنے چند غریب دوستوں کے ساتھ اس دربار میں جلوہ افروز ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری کہ ہوا کا ایک سخت طوفان آیا کہ اکبری دربار تہ و بالا ہوگیا۔ خیموں کی چوبیں اس زور سے اکھڑیں کہ ہزار حفاظتوں کے باوجود اکبر بھی ان کی زد سے نہ بچ سکا اور زخمی ہوگیا۔ لیکن مجدد صاحب کی قیام گاہ بالکل محفوظ رہی اور ذرا سا بھی نقصان نہ ہوا۔

اکبر کی موت کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت کا وارث ہوا۔ اتفاق سے جہانگیر کی بیوی نور جہاں شیعہ مذہب رکھتی تھی مگر نہایت خوبصورت تھی۔ اس وجہ سے جہانگیر نور جہاں کے حسن کا متوالا ہو گیا اور امور سلطنت قریباً قریباً نور جہاں ہی کے سپرد کر دیئے اور یہاں تک وارفتہ ہوگیا کہ اکثر کہا کرتا تھا۔ میں نے سلطنت نور جہاں کو بخش دی۔ ایک سیر شراب اور آدھ سیر گوشت کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔

Marfat.com

حضرت امام ربانیؒ احیاءِ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوشاں تھے اور آپ نے تبلیغ حق کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر شروع کر دیا۔ بوالہوس لوگ آپ سے جلنے لگے اور آپ کے خلاف غلط شہرت پھیلانی شروع کر دی۔ آپ کے مکتوبات میں طرح طرح کی بے بنیاد اور غلط عبارتیں شامل کر کے علماء کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور بادشاہ کے کان بھی آپ کے خلاف بھر دیئے۔

سب سے پہلے نورجہاں کا شیعہ ہونا اس بات کا مقتضی تھا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کہیں جہانگیر اختیار نہ کرے اور اس میں ایک سیاسی پہلو بھی تھا کہ نورجہاں اپنے داماد کو تخت و تاج کا وارث بنانے میں کوشاں تھی اور حضرت امام ربانی کی روافض کے رَد میں بے باکانہ جرأت نورجہاں کو سیخ پا کر رہی تھی اور مجدد صاحب اور آپ کے ساتھی نورجہان کی نگاہ میں معتوب و مقہور ہو چکے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ رقص و سرود کی محفلوں کے شیدائیوں کے لیے طریقۂ نقشبندیہ جس میں اتباعِ سنت کی تاکید تھی برافروختہ کر رہا تھا۔ مکتوبات شریف کی دو جلدیں اس وقت مرتب ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ایک شخص حسن خاں نامی کابل کا رہنے والا حضرت مجدد صاحبؒ کی بیعت ہوا۔ چند دن بعد آپ کے ایک متوسّل سے اس کی آزردگی ہو گئی۔ تھوڑے ہی دن اسے حلقۂ ارادت میں آئے ہوئے تھے۔ طبیعت کی کجی اور نفس کی شرارت میں مبتلا ہو کر اس نے ناراضگی کا بدلہ حضرت امام ربانی سے لینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ اس نے مکتوبات شریف میں تحریف کر کے کفریہ اور زندیقانہ عبارتوں کے اضافہ کے ساتھ بیس نقلیں مرتب کیں اور ہندوستان و افغانستان کے مشہور علماء اور مشائخ کے پاس وہ نقلیں بھیج کر ان سے فتاوے طلب کیے۔

یہ ایک زبردست فتنہ تھا۔ ہندوستان کے جلیل القدر اور صاحب علم و فضل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور آپ نے حضرت مجدد کی تردید میں چند رسالے اور مضامین لکھ ڈالے۔

حضرت امام ربانیؒ کی مخالفت میں اچھا خاصہ محاذ بن گیا۔ جہانگیر نے آپ کو دربار میں طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے اور چند سوالات و جوابات کے بعد بادشاہ کو تسلی ہو گئی اور آپ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

حضرت امام ربانیؒ کی مخالفت میں ذاتی اقتدار، حسد اور غلط فہمیاں تینوں اپنی اپنی جگہ کام کر رہی تھیں۔ جس کے نتیجہ کے طور پر حضرت امام ربانی کو دربار میں طلب کیا گیا تھا۔ مگر دشمنوں کی چال کارگر نہ ہوئی۔

مخالفین نے جب یہ دیکھا کہ ہمارا کیا کرایا سب بے کار ہو گیا اور بادشاہ امام ربانی کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہے تو انہوں نے جہانگیر کو حضرت مجددؒ کے خلاف سیاسی رنگ میں بھڑکانا شروع کر دیا اور اسے خائف کرنا شروع کر دیا کہ:۔

"احمد سرہندی حکومت کا باغی ہے، بڑا سرکش اور خطرناک آدمی ہے۔ دربار میں سجدہ کا رواج جو شاہ اکبر کے وقت سے آ رہا ہے اس کے خلاف فتویٰ بھی دے چکا ہے اور اس کے پاس ایک لاکھ زرہ پوش سوار موجود ہیں۔ یہ کسی نہ کسی وقت بغاوت کر دے گا۔"

جہانگیر کے لیے یہ سیاسی خطرہ مذہبی خطرہ سے بھی زیادہ تشویشناک تھا۔ مکتوبات کی تحریف شدہ عبارتیں اور حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے تردیدی مضامین بھی حاسدوں نے بادشاہ کی نظروں سے گزارے ہوئے تھے۔ جہانگیر نے امراء و اراکین کو جمع

Marfat.com

اورحضرت امام ربانی کے متعلق مشورہ کیا۔مختلف رائوں کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیر آصف جاہ (جوکہ شیعہ تھا) کی رائے سے اتفاق کیا کہ جو امراء حضرت امام ربانی کے حلقۂ بیعت میں آچکے ہیں انہیں بے خبر دُور دُور علاقوں پر تنخواہیں بڑھاکر تبدیل کردیا جائے اور اس کے بعد جو کارروائی کی جائے بہتر رہے گی ۔ چنانچہ خانخاناں کو ملک دکن پر، سید صدر جہاں کو مشرقی ممالک پر، خان جہان لودھی کو مالوہ پر اور مہابت خاں کو کابل پر تعینات کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی اُمراء اسی طرح الگ الگ علاقوں کی گورنری پر مقرر کر کے روانگی کا حکم دے دیا اور پھر دوسری بار حضرت امام ربانیؒ کو بادشاہ نے طلب کیا اور آداب شاہانہ یعنی سجدہ کا مطالبہ کیا ۔ مگر خدائے قدوس کی بارگاہ میں جھکنے والا سر دنیوی بادشاہوں کے دربار میں کب جھک سکتا ہے ۔حضرت امام ربانی نے اس غیر شرعی تعظیم سے سختی سے انکار کردیا اور ارشاد فرمایا کہ:

"سوائے خدا کے کسی کو سجدہ جائز نہیں" اور اے جہانگیر! کیا یہ کھلی ہوئی حماقت نہیں کہ میں اپنے ہی جیسے ایک بے بس اور مجبور انسان کو سجدہ کروں"۔

جہانگیر یہ الفاظ سُن کر غیظ و غضب سے بھر گیا۔ وہ کبھی یہ باور ہی نہیں کرسکتا تھا کہ میرے پُرہیبت دربار میں کسی کو جرأت ہوسکے گی کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرے اور اتنی بے باکی اور بے خوفی سے گفتگو کرے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ آج تک سچی بات کہنے والا اس کے پاس آیا ہی کون تھا۔ جو لوگ اس وقت اسلام کے پاسبان اور نگہبان ہونے کے مدعی تھے وہ صرف بادشاہ جہانگیر کی خوشی کے خواہاں تھے ۔ انہیں احکم الحاکمین کی رضا سے کیا واسطہ تھا، لیکن خدا کی زمین پرستارانِ توحید اور شمع نبوت کے پروانوں سے کبھی خالی نہیں ہوئی اور پھر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم البرکت انسان جو محبوبیت کے گہوارے میں پلا ہو اور اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا صحیح مصداق ہو اور جہانگیر ایسے سرکش بادشاہوں کے دماغ ٹھیک کرنے کے لیے پروردگارِ عالم نے جسے قبولیت کی خلعت سے نوازا ہو جاہ و جلال رعب و داب سے کیسے مرعوب ہوسکتا تھا ؟

دشمنوں نے اپنی چال کامیاب ہوتے دیکھ کر بغلیں بجانی شروع کیں اور وہ اسی تاک میں تھے کہ اگر امام ربانی سجدہ تعظیمی سے انکار کریں گے تو بادشاہ کے معتوب ہوں گے ۔ اور اگر سجدہ کرگئے تو مریدین کی نظروں سے گر جائیں گے اور عوام المسلمین بھی انہیں ساقط الاعتبار سمجھیں گے ۔

علماء نے ان امراء کی پاسِ خاطر حضرت امام ربانی کے قتل کا فتوے دے دیا۔ جن میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی بھی شامل تھے۔ لیکن بعد میں اپنے کئے پر پچھتائے اور حضرت امام ربانی کے کمالات کے معترف ہوگئے۔ قدرت کاملہ نے اس عظیم المرتبت جامع کمالات ہستی کو ایک جہان کی ہدایت و رشد کا ذریعہ بنایا تھا۔ جہانگیر نے بھی موت کا حکم تو دے دیا مگر تھوڑی دیر کے بعد مقلب القلوب نے اس کے دل کو اس حکم سے لوٹنے کی توفیق دی اور کچھ سوچ کے بعد حضرت امام ربانی کو جیل بھیج دینے پر اکتفا کی۔

قدرتِ الٰہی کا کرشمہ سمجھئے کہ جہاں نورجہاں کی شیعت کی وجہ سے بعض افسر اس فتنہ میں مبتلا تھے۔ وہیں اکثر امراء سلطنت حضرت

Marfat.com

امام ربانی کی عقیدت اور محبت دل میں رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ شہزادہ خرم جو بعد میں شاہجہان کے نام سے موسوم ہوا آپ سے خاص عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے خاص الخاص دو معتمد افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں بھیجا اور فقہ کی کتابیں جن میں سجدہ تعظیمی کی اباحت بتائی گئی تھی ساتھ کیں اور کہلا بھیجا۔ اگر جناب بادشاہ سے ملاقات کے وقت سجدہ کریں تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ سکے گا۔

اس پیغام کے جواب میں حضرت امام ربانی نے جو ارشاد فرمایا وہ یہ ہے :-

"جان بچانے کے لیے یہ بھی جائز ہے۔ مگر عزیمت اسی میں ہے کہ غیراللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔"

جہانگیر نے آپ کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالنے کے حکم کے علاوہ آپ کے دولت کدہ کو بھی لوٹنے کا حکم دیا۔ مگر صبر و تسلیم کے اس مجسمہ نے اُف تک بھی زبان سے نہ نکالی۔ پروردگار حقیقی پر کامل ایمان رکھنے والے پیکر نور اور اخلاق محمدی کی زندہ تصویر نے تکلیف دینے والوں کے حق میں بددعا تک نہ کی۔ بلکہ اپنے متوسلین کو اسی اخلاق محمدی کا مظہر بننے کی تلقین کی۔

قید خانہ سے پہلے حضرت امام ربانیؒ اپنے دوستوں سے فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ہم پر ایک بلا نازل ہوگی جو ہمارے لیے مقاماتِ ولایت کی ترقی کا باعث ہوگی۔ کیونکہ امتحانات کی کڑی منزلیں گزرنے کے بغیر ان ترقیوں کا حصول ممکن نہیں۔

حضور امام ربانی کا یہ ارشاد حضور اکرم فداہ امی وابی کے اس ارشاد کے معنی سمجھا رہا ہے کہ

اِتَّقُوا عن فِرَاسَتِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ

المختصر یہ کہ حضرت امام ربانیؒ کو اجین (ریاست گوالیار) کے قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ گوالیار کا یہ قید خانہ ان لوگوں کے لیے مخصوص تھا جن کو حکومت کا باغی قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت امام ربانی جب وہاں پہنچے تو کئی ہزار نفوس کو وہاں پایا جن میں ہزارہا غیر مسلم بھی تھے۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم اس جیل خانہ کے قیدیوں کے لیے رشد و ہدایت کا باعث ہوئے۔ غیر مسلم اسلام کی لازوال دولت سے مالامال ہوئے اور باقیوں نے حسبِ استعداد ظاہری و باطنی کمالات کے خزائن سے جھولیاں بھر بھر کر اپنے سینوں کو مالامال کیا اور جیل خانہ میں کوئی قیدی ایسا نہ رہا جسے امام ربانی کے دستِ سخا نے علم کی دولت اور کمالاتِ روحانی سے محروم رکھا ہو۔ وہ قیدی جو قید خانہ کی غیر مانوس زندگی کو اپنے لیے ایک لعنت کا طوق سمجھتے تھے۔ حضرت امام ربانی کی موجودگی کے باعث اسی قید خانہ کو جنتِ ارضی کا واحد مقصد عیش و طرب کی محفلیں سمجھے ہوئے تھے اور قید خانہ کی دیواریں ان کے راستے میں حائل تھیں۔ حضرت امام ربانی کے فیوض و برکات کی بدولت عشقِ الٰہی کی سرمدی نعمت کو دلوں میں سمیٹ کر رات کی تاریکیوں میں خدائے لم یزل کی بارگاہ میں سر جھکانے کے مشتاق بن گئے۔ مجدد الف ثانیؒ ایسے مسیحا نے چشم زدن میں ان کی کایا پلٹ دی اور انہیں تانبے سے کندن بنا دیا۔

جہانگیری سلطنت کے عمائدین جو کہ حضرت امام ربانی سے عقیدت رکھتے تھے۔ انہیں پہلے ہی دُور مقامات پر تعینات کروا دیا تھا۔ یہ بھی نورجہاں کی ایک سیاسی چال تھی تاکہ امام ربانیؒ سے عقیدت رکھنے والے یہ صاحب اقتدار کوئی ایسا قدم نہ اٹھا سکیں جس سے سلطنت جہانگیری دھڑام سے نیچے آگرے۔ اور یہ حقیقت بھی تھی۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت امام ربانیؒ کی قید کی خبر سُن کر خانخاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خاں، مہابت خاں، مرتضیٰ خاں، تربیت خاں، خان جہاں لودھی، سکندر خاں، حیات خاں، دریا خاں جو سلطنت جہانگیری کے مختار رکن تھے سخت بے چین ہو گئے اور بغاوت پر تیار ہوئے۔ آپس میں خط و کتابت کی اور سب نے متفق ہو کر مہابت خاں کو جو کابل کی گورنری پر متعین تھا اپنا سرگروہ تسلیم کر لیا۔ اور اسے فوج و خزانہ سے مدد دی۔ مہابت خاں نے بادشاہ کی اطاعت سے سر پھیر دیا اور بادشاہانِ بدخشاں و خراساں اور توران سے امداد لے کر جہانگیر پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ خطبہ اور سکہ سے بادشاہ کا نام نکال دیا۔ جہانگیر بھی اپنا لاؤ لشکر لے کر مہابت خاں کے مقابلہ کو کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہانگیر کے کابل کی طرف جانے کے بعد باقی امرار بادشاہ کے باغی ہو گئے۔ انھوں نے بھی انحراف کر کے ملک پر قبضہ کر لیا اور شاہی طرفداروں کو جو کہ نور جہاں کے معتمد تھے برطرف کر دیا۔

اب معاملہ صاف تھا۔ بادشاہ کے باغی امراء نے حضرت امام ربانی سے استدعا کی کہ ہماری شاہی مسند کو رونق بخشی جائے اور اس کے ساتھ ہی اپنے سرانجام دیے ہوئے کام کی تفصیل آپ تک پہنچائی۔ مگر حضرت امام ربانی نے اس کے جواب میں تمام اُمرار کو تحریر فرمایا:-

"مجھے سلطنت کی ہوس نہیں اور میں تمہارے فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے جو قید کی تکلیف اٹھائی وہ اور کام کے لیے ہے۔ جب وہ کام پورا ہو جائے گا میں خود بخود تمہاری کوشش کے بغیر ہی قید سے رہا ہو جاؤں گا۔ یہ فساد میرے کام کے لیے رکاوٹ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بغاوت سے باز آجاؤ اور فوراً اپنے بادشاہ کی اطاعت قبول کرو۔ میں بھی انشاء اللہ جلد ہی قید سے آزاد ہو جاؤں گا۔"

ادھر مہابت خاں بادشاہ جہانگیر کے مقابلہ پر تھا۔ اسی اثنا میں جہانگیر کی فوج میں سے بہت سے آدمی مہابت خاں کے ساتھ جا ملے اور بادشاہ محصور ہو گیا۔ آصف جاہ کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور اس کی اچھی خاصی درگت کی گئی۔ تمام شرارتوں کی جڑ بھی یہی تھا اور اسی کے پڑھائے ہوئے سبق نور جہاں کی معرفت جہانگیر کی اصلاح میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

جہانگیر اور آصف جاہ کی گرفتاری کی خبر نور جہاں کو ملی تو وہ بھی امداد کے لیے پہنچی۔ مہابت خاں نے اسے بھی قید کر لیا اور چاہتا تھا کہ ان تینوں کو حضرت امام ربانیؒ کے قید کرنے کا مزہ چکھائے کہ عین اسی وقت حضرت امام ربانیؒ کا وہ مکتوب جو آپ نے اُمرار کو لکھا تھا مہابت خاں کو پہنچا اور اپنے ساتھی امراء کی طرف سے بھی حضرت امام ربانیؒ کے مکتوب سے مشرف ہوئے اور اس کے مضمون کے متعلق خطوط ملے۔ مہابت خاں حضرت امام ربانیؒ کا حکم پڑھ کر جہانگیر کے پاس آیا اور کہا میں حضرت کے حکم سے آپ کو رہا کرتا ہوں اور جہانگیر کو تخت پر بٹھا کر سوائے سجدہ کے تمام شاہی آداب بجالایا۔

بڑے بڑے افسرانِ فوج، حکام اور عہدیداران حضرت امام ربانی کے متوسلین میں شامل تھے۔ جن میں شیخ فرید۔ مہابت خاں اسلام خاں۔ سکندر خاں۔ حکیم فتح اللہ خاں، شیخ عبدالوہاب۔ سید محمود واختر۔ سید احمد۔ خضر خاں لودھی۔ مرزا بدیع الزماں جہانگی خاں خان جہان۔ تسبیح خاں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

Marfat.com

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی اصلاح کے لیے کس کس طبقہ کو چنا۔ یہ چیز آج بھی مسلمانوں کی رہنمائی کرے گی۔

سب سے اوّل آپ نے ان غربا و فقراء کی جماعت تیار کی جو عملی نمونہ بن کر لوگوں کے سامنے اسلامی روایات پیش کر سکیں۔ اس کے لیے آپ نے روحانی کمالات سے کام لیا۔

دوسرے درجہ پر آپ نے اہل علم اور سنجیدہ طبقہ کے ذہنوں میں انقلاب پیدا کیا اور صحیح عقائد اسلامیہ ان تک پہنچانے کے لیے آپ علم و استدلال کی طاقت حرکت میں لائے۔

تیسرے درجہ پر اُن اُمراء کو جو خالص سُنّی المذہب تھے اور با اختیار تھے اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنے کی تلقین کی اور ان کی عزت کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں اپنے مکتوبات شریف سے نوازا اور ان کی تسلّی و تشفّی فرماتے رہے۔

چوتھے طبقہ پر بادشاہ جو کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ با اختیار تھا اس کی اصلاح کے لیے آپ کو مختلف قسم کی صعوبتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ ایک نفیس نکتہ تھا جس کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ ہے پہلے تینوں درجوں میں حضرت امام ربّانیؒ بہترین کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ اب صرف آخری درجہ باقی تھا اور اس میں کامیابی کے لیے آپ نے قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں۔

حقیقت میں اصلاح کے لیے قدم اٹھانا بوالہوسوں کی نظر میں ایک سیاسی شغل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور وہ لوگ عمداً یا سہواً اس نیک نیتی کو سیاست میں کھینچ کرلے جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت عرب کی زمین میں خدا کا نام بلند کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تو بد باطن لوگوں نے یہی اتہام آپؐ پر لگایا کہ آپؐ بادشاہی چاہتے ہیں یا مال۔ جس چیز کی آپ کو تمنّا ہو لیجئے۔ مگر ہماری اصنام پرستی میں دخل نہ دیجئے۔ اس وقت آپؐ نے کفار سے فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کی خواہش نہیں۔ میں تو احکم الحاکمین کی وحدانیت کا سبق پڑھانے آیا ہوں۔ بالکل یہی طریقہ حضرت امام ربّانیؒ کے متعلق مخالفین نے اختیار کیا۔ حضرت امام ربّانیؒ کو ایک سیاسی مہرہ ثابت کرنے کی کوشش کی اصلاح کا کام جب ایک منظم طور پر ہو رہا ہو تو یقیناً تخت نشین خائف ہوتے ہیں اور درپئے آزار ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام ربّانیؒ کا طریقِ اصلاح اس طور سے بے غرض اور ریا سے پاک تھا کہ بادشاہ باوجود اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں کے کوئی ایسی چیز اخذ نہ کر سکا جس میں سوائے خدا کا نام بلند کرنے اور شریعتِ محمدی کے اجراء، زہد و تقوٰے اور کفر و طغیان سے بیزاری کے اور کچھ نہ مل سکا اور سب سے بڑھ کر یہ چیز کہ جن متوسلین نے جوشِ محبت میں آکر بادشاہ سے بغاوت کی تھی انہیں حضرت امام ربّانیؒ نے اس کام سے روک دیا اور وہ بدستور بادشاہ کو بادشاہ کی حیثیت سے دیکھنے لگے۔ اس سے بڑھ کر اخلاص کا امتحان جہانگیر کو کیا چاہیئے تھا۔ طبیعت کچھ پلٹی اور حضرت امام ربّانی کے متعلق سیاسی شکوک رفع ہو گئے اور آپ کی رہائی کے احکام جاری کر دیے۔

حضرت امام ربّانیؒ کے ساتھ جہانگیر کو جو عقیدت ہو گئی تھی اس کا ذکر کتابوں میں یوں لکھا ہے:۔

کشمیر سے آتے جاتے دو دفعہ بادشاہ نے حضرت امام ربّانیؒ کے لنگر یا باورچی خانہ سے کھانا کھانے کا

Marfat.com

شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا آج تک نہیں کھایا۔
نیز یہ بھی لکھا ہے کہ جہانگیر آخر عمر میں کہا کرتا تھا:
"میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو۔ البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے۔ اس کو اللہ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ مجھ سے ایک روز شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالےٰ ہمیں جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔"
امام ربانیؒ کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:۔
(۱) مکتوبات شریف (۲) مبدأ و معاد (۳) معارف لدنیہ (۴) مکاشفات غیبیہ (۵) شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی رحمۃ اللہ علیہ (۶) رسالہ تہلیلیہ (۷) رسالہ فی اثبات النبوۃ (۸) رسالہ بسلسلہ حدیث وغیرہ۔
اب ہم آپ کی بلند پایہ تصنیف مکتوبات شریف سے چند مکتوب پیش کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کی تعلیمات کا صحیح مرقع ذہن میں آ جائے۔

توحید

چاہیے کہ پہلے باطل خداؤں کی نفی کر کے معبود برحق جل شانہ کا اثبات کرے اور جو کچھ چُونی و چندی کے داغ سے موسوم ہو۔ اس کو لا کے نیچے داخل کر کے خدائے بیچون کے ساتھ ایمان لائے۔ سب سے بڑھ کر عبادت کا کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی نفی و اثبات میں ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ اگر میرے سوا سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک پلّہ میں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کو دوسرے پلّہ میں رکھا جائے تو کلمہ والا پلّہ بھاری ہو گا۔ کیوں افضل و راجح نہ ہو جبکہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں، زمینوں اور عرش و کرسی و لوح و قلم و علم و آدم کی نفی کرتا ہے اور اس کا دوسرا کلمہ معبودِ برحق کا اثبات کرتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ نفس و آفاق میں ہے۔ سب چُونی و چندی کے داغ سے لتھڑا ہوا ہے۔ پس جو کچھ انفس و آفاق کے آئینوں میں جلوہ گر ہوا بطریقِ اولیٰ چند و چوں ہو گا جو نفی کے لائق ہے۔
حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اَتَعْبُدُوْنَ مَا تُنْحِتُوْنَ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (کیا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے)
ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل و وہم کے ساتھ سب حق تعالےٰ کی مخلوق ہے اور عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق وہی خدائے بیچوں و بیچگوں ہے جس کے دامنِ ادراک سے ہماری عقل و وہم

Marfat.com

کا ہاتھ کوتاہ ہے اور ہماری کشف و شہود کی آنکھ اس کی عظمت و جلال کے مشاہدہ سے خیرہ اور تباہ ہے۔ ایسے خدائے بیچون و بیچگون کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا ایمان میسر نہیں آتا۔ کیونکہ ایمان شہودی حق تعالٰے کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ اپنی تراشیدہ اور بنائی ہوئی چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالٰے کی مخلوق ہے۔ گویا ایمان شہودی وغیرہ کے ایمان کو حق تعالٰے کے ایمان کے ساتھ شریک کرنا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ذَالِکَ

ردِّ شرک

حق تعالٰے کے ساتھ شریک نہ بنایا جائے۔ نہ ہی وجوب وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں جس شخص کے اعمال ریا و سُمعہ سے پاک ہوں اور حق تعالٰے کے سوا کسی اور سے ابر طلب کرنے کے فتنہ سے صاف نہ ہوں۔ اگرچہ وہ طلب قول اور ذکر جمیل سے ہو وہ شخص دائرۂ شرک سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی وہ موحّد و مخلص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ شرک میری اُمّت میں اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک اصغر سے بچو۔ یاروں نے عرض کیا کہ شرک اصغر کیا ہے۔ فرمایا کہ ریا۔ شرک و کفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہلِ شرک میں سے ہے اور اسلام و کفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا ہے۔ کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان۔ دُکھ۔ درد اور بیماریوں کو دُور کرنے کے لیے اصنام اور طاغوت یعنی بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے عین شرک و گمراہی ہے اور تراشیدہ اور ناتراشیدہ پتھروں سے حاجتوں کا طلب کرنا یہ واجب الوجود جل شانہٗ کا محض کفر و انکار ہے۔ اللہ تعالٰے بعض گمراہوں کے حال کی شکایت بیان فرماتا ہے۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ط وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں۔ حالانکہ ان کو حکم ہے کہ اس کا انکار کریں لیکن شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کرے) اکثر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس قسم کی ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمّٰی اسموں سے آفات مصیبت کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں۔ اور شرک اور اہلِ شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خاص کر مرض چیچک کے وقت نیک و بد عورتوں سے یہ بات مشہور و محسوس ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو (مگر جس کو اللہ تعالٰے بچائے) ہندوؤں کے بڑے دن کی تعظیم کرتی اور ان کی مشہور رسموں کو بجالاتی ہیں اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ اپنی بیٹیوں، بہنوں کو بھیجتی ہیں اور اس موسم میں اپنے برتنوں کو رنگ کرکے ان کو سُرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بناتی ہیں۔ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ مُشْرِکُوْنَ (ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے بلکہ شرک کرتے ہیں) اور حیوانات کو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جاکر ذبح کرتے ہیں۔ روایات فقہیہ میں اس کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جن کے ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے جو ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ اس میں بھی شرک کی بُو پائی جاتی ہے نذرانہ اور منّت کے وجوہ اور بہت ہیں۔ کیا حاجت ہے کہ حیوان کے ذبح کی منّت و نذر مانیں اور جن کے ذبیحوں سے ملائیں اور جن کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔ اسی طرح وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں اور اکثر ان کے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر ان کے نام پر روزے کی نیت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے لیے خاص اہتمام کرتی ہیں اور خاص طور پر افطار کرتی ہیں اور روزوں کے لیے دنوں کا تعیّن بھی کرتی ہیں اور اپنے مطلبوں اور مقصدوں کو ان روزوں پر موقوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتی ہیں۔ یہ سب عبادت میں شرک ہے اور غیر کی عبادت کے ذریعے اس غیر سے اپنی حاجتوں کا طلب کرنا ہے۔

(مکتوب ۴۱ جلد ثالث)

اتباعِ سُنّت

وظائف بندگی کو ادا کرنا اور حضرت جل مجدہٗ کی جانب ہمیشہ اور ہر وقت متوجہ رہنا پیدائش انسان کا مقصود ہے۔ یہ بات صرف اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے کہ سنت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلّم کی ظاہراً و باطناً ہر طرح سے پوری پوری اتباع کی جائے۔ (مکتوب ۴۱ جلد ثالث)

اُخروی نجات اور ابدی فلاح سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے۔ اس لیے ایک مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت سے ہی درجۂ محبوبیت پر فائز ہوتا ہے اور آپ کی متابعت کے ذریعہ سے ہی مرتبہ عبدیت پر مشرف ہوسکتا ہے جو تمام مراتب کمال سے بالا ہے اور مقامِ محبوبیت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے جو حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت میں کامل تر ہوتے ہیں ان کو انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی اولوالعزم انبیاء مرسلین بھی اتباع خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کرتے رہے بلاشبہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کرنی پڑتی۔

آپ کی اتباع افضلیت کے باعث ہے آپ کی اُمّت تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ اسی سبب سے تمام امتوں میں سب سے زیادہ اور سب سے پہلے یہ امت داخلِ جنّت ہوگی اور خداوند عالم کی اعلیٰ ترین نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوگی۔

(مکتوب ۲۴۱ جلد اوّل)

سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلّم کے عمل دو قسم پر ہوتے تھے۔ ایک بطریقِ عبادت۔ دوم بر سبیل عادت۔ رسول اللہ کے

Marfat.com

جو عمل عبادت کے طور پر ہوتے تھے ان کے مخالف عمل کو بدعت منکر سمجھتا ہوں اور اس کی ممانعت اور بندش میں بہت زیادہ جد و جہد کرتا ہوں۔ کیونکہ دین میں ایجاد یہی ہے جو مردود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو افعال بر سبیل عرف و عادات ہوتے تھے ان کے مخالف عمل کو بدعتِ منکر نہیں سمجھتا۔ اور نہ ان کی ممانعت اور بندش میں ضرورت سے زیادہ جد و جہد کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ عمل دین سے متعلق نہیں۔ ان کا وجود و عدم عرف کے سبب سے تھا۔ دین اور ملّت کے سبب سے نہیں اور عرف اور رواج سے مختلف ہوا کرتا ہے اور ایک شہر میں بھی زمانوں کے تفاوت سے عرف و عادات میں تفاوت واقع ہو جایا کرتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس قسم کی سنت کی پاسداری اور ایسی سنتوں پر عمل بھی بہترین نتیجہ پیدا کرتا ہے اور منتج سعادت ہے۔

(مکتوبات ۲۳۱ جلد اوّل)

فرزندا! قیامت کو کام آنے والی چیز اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ صوفیا کے حال، وجد، عدم، معارف، رموز و اشارات اگر اس متابعت اور اتباع کے مطابق ہوں تو بہت بہتر، ورنہ سراسر خسروین اور عتاب ربّانی کا سرمایہ ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ ان کی حالت دریافت کی تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سارے رموز و اشارات ختم ہو گئے۔ جملہ علوم و معارف ہیچ ثابت ہوئے۔ صرف ان چند رکعتوں نے کام دیا جو درمیانِ شب پڑھ لیا کرتا تھا۔" لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے خلفائے راشدین کے نقشِ قدم پر چلنے کو ضروری سمجھو۔ کیونکہ یہ برکت اور سراسر برکت ہے اور شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت سے پوری پوری احتیاط برتو۔ نہ تو قولاً مخالفت اور نہ عملاً نہ اعتقاداً "کیونکہ یہ مخالفت سراسر نحوست اور بربادی ہے۔

مکتوب ۱۸۵۔ جلد اوّل)

اس مبارک اور پسندیدہ متابعت کا ایک ذرّہ دنیا کی تمام لذّتوں اور آخرت کی تمام سختیوں سے بہتر ہے۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے اور ہر ایک عظمت کی صرف یہی ایک صورت ہے۔ قیلولہ (دوپہر کو آرام کرنا) جو متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے ہو ان کروڑوں شب بیداریوں سے افضل ہے جو متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہوں۔ عید الفطر کا افطار جس کا شریعت نے حکم دیا ہے ابدالآباد روزے رکھنے سے افضل ہے۔ اہل ریاضت بہت کچھ مجاہدے کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ شریعتِ مطہرہ کے مطابق نہ ہوں تو بیکار ہیں اور بے سُود۔ اگر ان اعمال شاقہ پر کوئی اجر مرتب بھی ہوتا ہے تو وہ صرف دنیا وی۔

(مکتوبات ۱۱۴ جلد اوّل)

انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور تکلیفات شرعی کا مقصود اور حکمت نفسِ امّارہ کی تعجیز و تخریب ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کو مٹانے اور دفع کرنے کے لیے احکامِ شرع وارد ہوئے ہیں۔ تقاضا۔ شریعت پر جس قدر عمل کیا جائے اسی قدر

Marfat.com

خواہش نفسانی ہیں زوال ہوتا ہے۔ لہذا خواہش نفس کے ازالہ میں کسی ایک حکم شرعی پر عمل کرنا ان ہزار سالہ مجاہدوں اور ریاضتوں سے بہتر ہے جو اپنی رائے سے ہوں بلکہ یہ تمام مجاہدے اور ریاضتیں جو شریعتِ غرا کے بموجب نہ ہوں خواہش نفسانی کے لیے مؤید و مقوی ہیں۔ (مکتوبات ۵۲ جلد اوّل)

درستی عقیدہ

حکماء اور اطبا کے نزدیک مسلّم ہے کہ جب تک مریض کا مرض زائل نہ ہو، کوئی غذا مفید نہیں بلکہ مقوی مرض ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے مرض کا ازالہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ مناسب غذا دیتے ہیں۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص قلبی امراض میں مبتلا ہے کوئی عبادت یا کوئی اطاعت نفع نہیں دے سکتی بلکہ مضر ہے۔

(مکتوب ۱۵ جلد اوّل)

قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب جس طرح علماء اہل حق نے عقائد کو سمجھا ہے اسی کے بموجب اپنے عقائد کو صحیح کرنا ہمارے اوپر لازم ہے۔ ہماری اور آپ کی سمجھ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ جب تک ان بزرگوں کی توضیح اور تفسیر کے بموجب نہ ہو ہر بدعتی اور گمراہ اپنے عقائد باطلہ کے لیے کتاب اور سنت ہی کی آڑ لیا کرتا ہے۔ حالانکہ قطعاً بے سود اور بے معنی۔ لہذا سب سے پہلے عقائد کو صحیح کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد حلال۔ حرام۔ فرض۔ واجب وغیرہ شرعی احکام کا علم۔ پھر اس کے بموجب عمل۔ اس کے بعد تزکیہ اور تصفیہ کا نمبر ہے۔ جب تک عقائد صحیح نہ ہوں احکامِ شریعت کی واقفیت فائدہ مند نہیں اور جب تک یہ دونوں نہ ہوں صفائی قلب ناممکن۔ (مکتوب ۲۵ جلد اوّل)

ختم نبوت

تمام انبیاء علیہم السلام کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ آپ کا دین گزشتہ دینوں کا ناسخ ہے۔ اور آپ کی کتاب تمام گزشتہ کتابوں سے بہتر ہے۔ آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک باقی رہے گی۔ حضرت عیسےٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرما کر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ کے اُمتی ہو کر رہیں گے۔

(مکتوب ۲۷ جلد ثانی)

شفاعت برحق ہے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام و صالحین کی شفاعت برحق ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے اذن سے اوّل پیغمبر گناہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے پھر صالحین شفاعت کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے بھی ہوگی۔

(مکتوبات ۶۷ جلد ثانی)

Marfat.com

فضائل صحابہ وحُبِّ اہلبیتؓ

حضرت شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی افضلیت صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو ائمہ بزرگوار ان کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ جن میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کے رئیس ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضیلت باقی امت پر قطعی ہے سوائے جاہل یا متعصب کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ (مکتوب ۶۷ جلد ثانی)

شیخینؓ کی فضیلت اور حسنینؓ کی محبت اہل سنت والجماعت کی علامتوں میں سے ہے یعنی شیخین کی فضیلت حب حسنین کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ امر اہل سنت والجماعت کے خاصوں میں سے ہے۔ شیخینؓ کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجتماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے۔

عبدالرزاق نے جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ جب انکار کی مجال نہ دیکھی تو بے اختیار شیخین کی فضیلت کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب حضرت علی شیخین کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد کے بموجب شیخینؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ حضرت علیؓ کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر اُن کی مخالفت کروں۔ چونکہ حضرت حسنینؓ کے خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان بہت فتنہ اور فساد ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت اور کینہ غالب آگیا تھا۔ اس لیے حسنینؓ کی محبت کو بھی اہل سنت والجماعت کی شرائط میں سے شمار کیا گیا۔ تاکہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلواۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور آپ کے جانشینوں کے ساتھ بغض وعداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت علی امیر المؤمنیں رضی اللہ عنہ کی محبت کو بھی اہل سنت وجماعت کی شرائط میں شمار کیا گیا تاکہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلواۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور آپ کے جانشینوں کے ساتھ بغض وعداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت علی امیر المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی محبت اہل سنت وجماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا وہ اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کا نام خارجی ہے اور جس نے حضرت علی امیر المومنینؓ کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا اور جس قدر کہ مناسب ہے اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب وطعن کرتا ہے اور صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے۔ پس حضرت علی امیر المومنینؓ کی محبت میں افراط وتفریط کے درمیان جن کو روافض اور خارج نے اختیار کیا ہے اہل سنت وجماعت متوسط ہیں۔ اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط وتفریط دونوں مذموم ہیں۔

چنانچہ حضرت امام حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت علی امیر المومنینؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی امیر المومنین رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے کہا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اے علی تجھ میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی مثال ہے جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ اس کی ماں پر بہتان لگایا۔ اور عیسائیوں نے یہاں تک دوست رکھا۔ کہ اس کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھا یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے۔ اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے مطابق۔ کہ دونوں حق وسط سے برطرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت جاہل ہے۔ جو اہل سنت وجماعت کو حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کے محبوں سے نہیں جانتا۔ اور حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفاء ثلاثہ سے تبرّی اور بیزاری رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر آلِ محمدؐ کی محبت رفض ہے تو جن وانس گواہ رہیں میں رافضی ہوں۔

اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا۔ اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک ایمان کی جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔

اہل بیت کی محبت اہلِ سنت وجماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس معنی سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔

رام اور رحمٰن۔

خوب سمجھ لو کہ نہ صرف ہمارا اور تمہارا بلکہ ساری ارضی وسمائی کائنات کا رب ایک ایسا خداوند ہے جو سب سے نرالا ہے جہاں توالد وتناسل کفاوت وتماثل کو کبھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور موجوداتِ علم کا کوئی شعبہ نہ تو اس کے ساتھ کیفیت اتحاد پیدا کر سکتا ہے اور نہ اُسے اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔

بارگاہِ قدس اس سے کہیں بلند وبرتر ہے کہ کائنات کا کوئی فرد شانِ صمدیت کو اپنے وجود میں پنہاں کرلے، یا کوئی ہستی بعینہٖ ذاتِ احدیت کا ظہور ذاتی ہو۔ زمان ومکان کے تقیدات سے قطعاً بے نیاز ہے۔ اس لیے کہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں ہستی ازلی کی نہ کوئی ابتداء اور بقائے ابدی کی نہ کوئی انتہا ہے۔ پس پرستش کا حق دار وہی اور صرف وہی۔

ہندو جس رام وکرشن کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ تو ماں باپ کے ذریعے پیدا ہوئے ہیں۔ رام دسترتھ کا بیٹا وچھمن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔ رام جب سیتا کو بچا نہ سکا تو پھر کسی اور کی کیا امداد کرے گا۔ درحقیقت اس تمام لغزش کی ذمہ دار تقلید محض ہے۔

پس یہ کہنا کہ رام ورحمٰن ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں کسی طرح بھی ٹھیک نہیں۔ ایک شے خود ہی خالق اور خود ہی مخلوق ہے۔ جو جسمی مشابہت سے واحد نہ ہو، پھر وہ بے شبہ وبے مثال کس طرح ہو سکے۔ رام وکرشن کی پیدائش تک خدائے قدوس کو کسی نے رام وکرشن نہ کہا۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد ذاتِ احدیت پر رام وکرشن کا اطلاق کیا۔ اور

Marfat.com

دعویٰ کی روشن دلیل نہیں کہ ان ناموں کے پردے میں خداتعالیٰ کے عوض رام وکرشن کی پرستش کی جاتی ہے (مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ الخ اللہ کے ماسوا جن کی پرستش کرتے ہو یہ تو ایسے نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے از خود رکھ لیے۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہ فرمائی۔

اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں مبعوث ہوئے۔ یہ سب خلقت کو عبادت خالق کی ہدایت فرماتے رہے۔ انہوں نے لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا اور خود ایک بانیاز بندے کی طرح عظمت و جلال بے نیاز سے لرزہ براندام رہے اور ہندوؤں کے اوتار مخلوقِ خدا کو اپنی پرستش کی ترغیب دلاتے رہے اور یہ بات اور بھی عجیب ہے کہ پروردگار عالم کا وجود تسلیم کر لینے کے باوجود ساتھ ساتھ اس اعتقاد پر بھی قائم ہیں کہ احدیت مطلقہ ہمارے جسم میں نزول فرما کر مقیّد ہو کر رہ گئی ہے اور ان کی یہ رفیق ذہنی اختراع ان کے استحقاق عبادت کا جائز ذریعہ بنی رہی اور اسی بنا پر کہ معبودیت ولادیت کا دائرہ تصرف محدود نہیں ہے۔ ان کے کردار میں محرمات کو بھی حلّت کا درجہ حاصل ہو گیا۔

اس کے برعکس انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کے کردار ان کے گفتار کا آئینہ دار ہیں۔ انہوں نے جس چیز کو اوروں کے لیے ناجائز کہا۔ اس سے وہ خود پوری پابندی سے مجتنب رہے اور ترکیب بشریت کو اپنے اور اپنے ماسوا سب لوگوں کے لیے مساویہ درجہ کی شے قرار دیا۔ (مکتوب ۶۷ جلد اول)

خدا کے دشمنوں سے دوستی کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرمایا ہے: یَا اَیُّہَا النَّبِیُّ جَاہِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْہِمْ۔ پس اپنے پیغمبر کو جو خلقِ عظیم سے موصوف ہیں۔ کفار سے جہاد اور ان پر غلظت کا حکم فرمایا معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ غلظت خلق عظیم میں داخل ہے (کفار کے ساتھ خلق عظیم جیسا کہ ابنائے زماں گمان کرتے ہیں کہ ملاطفت اور شیریں زبانی مروّت اور اخلاقِ حسنہ کا تقاضا ہے) اہل اسلام کی عزّت کفر اور اہلِ کفر کی ذلت میں ہے۔ جو شخص کافروں کو عزیز رکھتا ہے۔ اس نے اہل اسلام کو ذلیل کیا۔ کفّار کو عزیز رکھنا صرف یہی نہیں کہ ان کی تعظیم کرنا۔ صدر نشین بنانا۔ بلکہ اپنی مجالس میں جگہ دینا اور ان سے مصاحبت و ہمزبانی بھی اعزاز میں داخل ہے انہیں دُور ہی رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی دنیوی غرض ان کے ساتھ مربوط ہو جو ان کے بغیر حاصل نہ ہو سکے۔ تو شیوۂ بے اعتباری کی رعایت رکھتے ہوئے بقدر ضرورت ان سے مشغول ہو اور کمال اسلام یہ ہے کہ اس دنیوی غرض کو چھوڑ دیا جائے۔ جو کفّار کے ساتھ وابستہ ہو۔

خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی۔ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کی طرف کھینچتی ہے، کفّار کا کام اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑانا ہے۔ اور وہ اس بات کے منتظر ہوتے ہیں کہ قابو پانے پر مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں، یا کافر بنالیں، پس

Marfat.com

اہلِ اسلام کو بھی شرم چاہیئے الحیاء من الایمان

اہلِ کفار سے جزیہ جو ہندوستان سے اُٹھایا گیا ہے۔ یہ صرف اہلِ کفار کے ساتھ یہاں کے سلاطین کا مقرب ہونے کی وجہ سے ہے۔ جزیہ کا مقصود کفار کی ذلت ہے کہ یہ جزیہ کے خوف سے صاحب تجمل نہ ہوں گے۔ بادشاہ کو کیا حق ہے کہ ان سے جزیہ معاف کرے۔ جو خداوند کریم نے ان کی خواری کے لیے وضع کیا۔ اور انہیں نجس فرمایا۔ مسلمانوں کی نظر میں اہلِ کفار نجس و پلید ہونے چاہییں اور جب مسلمان اُنہیں اس طرح محسوس کریں گے تو لازمی طور پر ان کی مصاحبت سے پرہیز کریں گے۔ کفار سے پوچھ کر ان کی مرضی کے مطابق عمل کرنا ان کی کمال عزت کرنا ہے۔ جس سے ان کی امداد طلب کی یا ان کے توسط سے دُعا چاہی اُس نے کیا چاہا۔ جب کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَمَا دُعَاءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ط

کفار کی دُعا باطل و لاوصل ہے۔ اس کی قبولیت کا کیا احتمال ہے۔ ہاں اس طریق سے کفار کی عزت افزائی ہوتی ہے یہ تو اگر دعا بھی کریں تو اپنے بتوں کو وسیلہ ٹھہراتے ہیں۔ ایک عزیز نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی دیوانہ نہ ہوگا۔ مسلمانی کو نہ پہنچے گا۔ دیوانہ ہونا اس مقصود میں ہے کہ اسلام کے بقا کی خاطر اپنے نفع و ضرر سے درگذر کیا جائے۔

(مکتوب ۱۶۳ جلد اول)

حقوق اللہ و حقوق العباد۔

اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ کے حقوق کے ساتھ ہے جیسے کہ زنا اور شراب پینا۔ اور سرود اور ملاہی کا سننا اور غیر محرم کی طرف نظرِ شہوت دیکھنا اور بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ تو ان کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت افسوس اور بارگاہِ الٰہی میں عذر خواہی کرنے سے ہے۔ اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا ہو تو توبہ میں اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں پر مظالم اور ان کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق کار یہ ہے۔ کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کیے جائیں ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دُعا کریں۔ اور اگر مال و اسباب والا شخص مر گیا ہو تو اس کے لیے استغفار کریں۔ اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کو دے دیں اور اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال و جنایت کے برابر صاحبِ مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو۔ فقراء و مساکین پر صدقہ خیرات کر دیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی کا پھیر دینا اللہ تعالےٰ کے نزدیک چھ سو حج قبول سے افضل ہے۔

بعض علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اُوپر فرض نہ کرے کامل روح حاصل

Marfat.com

نہیں ہوتی۔

۱۔ زبان کو غیبت سے بچائے۔

۲۔ بدظنی سے بچائے۔

۳۔ مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے۔

۴۔ حرام سے آنکھ بند کرے۔

۵۔ سچ بولے۔

۶۔ ہر حال میں اللہ تعالےٰ ہی کا احسان جانے تاکہ اُس کا نفس مغرور نہ ہو۔

۷۔ اپنا مال راہ حق میں خرچ کرے اور باطل میں خرچ کرنے سے بچے۔

۸۔ اپنے نفس کے لیے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔

۹۔ نماز کی محافظت کرے۔

۱۰۔ اہل سنت وجماعت پر استقامت اختیار کرے۔

(مکتوب ۶۶ جلد ثانی)

ولایت کا نشان اتباع شریعت ہے۔

وہ علامت جس سے اس گروہ کا سچا یا جھوٹا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالےٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے۔ وہ شخص سچا ہے۔ اور درجات کے اختلاف کے بموجب اولیأ کے شمار میں ہے۔ مگر یہ بھی ان لوگوں کے لیے ہے جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں وہ محروم مطلق ہیں

(مکتوب ۹۲ جلد ثانی)

حق تعالےٰ کی طرف پہنچانے کے دو راستے

وہ راہ جو جناب قدس جل شانہٗ کی طرف لے جانے والے ہیں دو ہیں۔ ایک وہ راستہ ہے جو قرب نبوّت سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔ اس راستے کے پہنچنے والے بالا صالت انبیار علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب ہیں اور اُمتوں میں سے بھی جس کسی کو چاہیں اس دولت سے سرفراز کرتے ہیں۔

مگر یہ لوگ قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ نہیں۔ ان واصلوں میں سے جو کوئی فیض حاصل کرتا ہے کسی کے واسطہ کے بغیر حاصل کرتا ہے۔ اور کوئی ایک دوسرے کا حائل نہیں ہوتا۔

دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ قطب اوتار اور ابدال ونجیب اور عام اولیأ اللہ سب

Marfat.com

اسی راستے سے واصل ہوئے ہیں۔ راہ سلوک۔ اسی راہ سے مراد ہے بلکہ جذبۂ متعارضہ بھی اسی میں داخل ہے، اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے۔ اس راہ کے واصلوں کے پیشوا اور ان کے گروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہ رض اور حضرات حسنین رض بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے۔ انہی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس راہ کا آخری نقطہ یہی ہے اور اس مقام کا مرکز انہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا دورہ تمام ہوا۔ یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا، اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب و تفصیل وار قرار پایا۔ ان بزرگوں کے زمانہ میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا رہا۔ انہی بزرگوں کے واسطہ اور حیلولہ سے ہی پہنچتا رہا۔ گو اپنے زمانہ کے اقطاب و نجبار ہی ہوئے ہیں، لیکن سب کا ملجاؤ ماویٰ یہی بزرگوار ہوئے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نوبت آپہنچی۔ اور منصب مذکور اس بزرگ قدس سرہٗ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کے درمیان کوئی شخص اس مرکز پر مشہور نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں تمام اقطاب و نجبار کا فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہٗ ہی کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہٗ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔

(مکتوب ۱۲۳ جلد ثالث)

باطن کی صفائی بھی ضروری ہے :-

غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے، کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعی سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء فتوے دیتے ہیں اور اہل اللہ باطن کا کام کرتے ہیں۔ باطن میں کوشش کو ناظاہر کی کوشش کو متلزم ہے۔ اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا ہے اور ظاہر کی پروانہ کرے۔ وہ ملحد ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔

(مکتوب ۴۷ جلد ثانی)

اتباع شریعت ہی کرامت ہے۔

جب خوارق کا ظاہر ہونا ولایت میں شرط نہیں۔ ولی اور غیر ولی میں امتیاز کس طرح ہوگا۔ اور حق مبطل سے کس طرح جدا ہوگا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گو متمیز نہ ہو اور گو حق بجانب اور مبطل ملا جلا ہے۔ حق و باطل کا ملا جلا رہنا

Marfat.com

اس دُنیا میں لازم ہے اور ولی کی ولایت کا علم کچھ ضروری نہیں، بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ ان کو خود اپنی ولایت کا علم نہیں۔ پس دُوسرے کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ضروری ہو سکتا ہے۔ نبی میں خوارق کا ظہور ضروری ہے تاکہ نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو جائے۔ کیونکہ نبی کی نبوّت کا علم واجب ہے اور ولی چونکہ لوگوں کو اپنے نبی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ نبی کا معجزہ اس کے لیے کافی ہے۔ اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے سوا کی دعوت دیتا۔ تو اُس کے لیے خوارق کا ہونا ضروری تھا۔ چونکہ اس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے خوارق کی کچھ ضرورت نہیں۔ علماء ظاہر شریعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اولیاء ظاہر شریعت اور باطن شریعت کی بھی۔ وہ پہلے مریدوں اور طالبانِ خدا کو توبہ وانابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکام شریعت کی بجا آوری کی ترغیب دیتے ہیں۔ پھر ذکرِ حق سبحانہ، کی راہ دکھاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے تمام اوقات کو ذکر حق سبحانہ، سے ایسا معمور رکھے کہ ذکر غلبہ پائے اور مذکور کے سوا کسی چیز کو دل میں نہ رہنے دے۔ یہاں تک کہ مذکور کے سوا تمام سے ایسی فراموشی حاصل ہو جائے۔ کہ اگر تکلّف سے اشیا کو یاد کرے تو یاد نہ آئیں۔ یقینی امر ہے کہ ولی کے لیے اس دعوت کے واسطے کو جس کا تعلق ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے ہے۔ خوارق کی ضرورت نہیں۔ پیری و مریدی سے مراد یہی دعوت ہے۔ جو خوارق سے سروکار اور کرامت سے تعلق نہیں رکھتی۔ باوجود اس کے کہ ہم کہتے ہیں کہ مرید رشید اور طالب مستعد سلوک کے طریق میں ہر گھڑی اپنے پیر کے خوارق و کرامات کا احساس کرتا ہے اور معاملہ غیبی میں ہر وقت اُس سے مدد مانگتا اور پاتا ہے۔ اور دوسروں کے لیے ظہور خوارق ضروری نہیں۔ مگر مریدوں کے لیے خوارق پر خوارق اور کرامات پر کرامات ہیں۔ مرید اپنے پیر کی خوارق کا احساس کس طرح نہ کرے کہ پیر نے مرید کے مردہ دل کو زندہ کیا ہے اور مشاہدہ و کاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک ایک مردہ جسم کا زندہ کرنا بڑی بات ہے۔ اور خواص کے نزدیک قلب و روح کا زندہ کرنا بڑی قاطع دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ چونکہ مردہ جسم کا زندہ کرنا اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اچھا کام سمجھا جاتا تھا۔ اہل اللہ ایسے زندہ کرنے سے منہ پھیر کر رُوح کے زندہ کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں مردہ جسم کو زندہ کرنا قلب کے زندہ کرنے کے مقابلہ میں اس چیز کی مثل ہے جو راستے میں پھینک دی گئی ہو۔ کیونکہ جسم کا زندہ کرنا چند روزہ ہی زندگی کا سبب ہے اور قلب کا زندہ کرنا ہمیشہ کی زندگی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اہل اللہ کا وجُود حقیقت میں کرامات میں سے ایک کرامت ہے اور لوگوں کو حق سبحانہ، کی طرف ان کی دعوت حق تعالےٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دِلوں کا زندہ کرنا بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اہل اللہ زمین والوں کے لیے امان اور زمانہ کے لیے مغتنمت ہیں۔ ان کی شان میں ہے۔ کہ ان کے طفیل سے لوگوں کے لیے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کے طفیل سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے۔ وہ اللہ کے ہم نشین ہیں۔ اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان ہمنشیں

Marfat.com

بدبخت نہیں رہتا اور ان کا محب زیاں کار نہیں ہوتا وہ علامت کہ جس سے اس گروہ کا محق مبطل سے ممتاز ہو جائے۔ یہ ہے کہ اگر ایسا شخص ہو جو شریعت پر ثابت قدم ہو اور اس کی صحبت میں دل کو حق سبحانہ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہوتی ہو اور ماسوائے حق سے بے توجہی مفہوم ہوتی ہو۔ وہ شخص حق بجانب ہے اور حسب تفاوت درجات اولیاء کے شمار میں ہے، یہ علامت امتیاز بھی مناسبت والوں کے لیے ہے۔ جو شخص محض بے مناسبت ہو وہ بالکل محروم ہے

(مکتوب ۸۲ جلد ثانی)

ایک زبردست غلط فہمی کا ازالہ

مشائخ میں سے جس بزرگ نے شطحیات زبان سے نکالی ہیں۔ اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہیں ہیں وہ سب کفر طریقت کے مقام میں ہوا ہے۔ جو مستی و بے تمیزی کا مقام ہے۔ جو بزرگ کہ اسلام حقیقت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ اس قسم کی باتوں سے پاک و بری ہیں۔ اور ظاہر و باطن میں پیغمبروں کا اقتدار کرتے ہیں اور ان کے تابع ہیں، علیہم الصلوات والتسلیمات۔ پس جو شخص شطحیات بولتا ہے اور سب سے مقام صلح میں ہے اور سب کو راہ راست پر سمجھتا ہے اور خالق و مخلوق میں تمیز نہیں کرتا۔ اور ورئی کے وجود کا قائل نہیں۔ اگر ایسا شخص مقام جمع میں پہنچا ہوا ہے۔ اور کفر طریقت سے متصف ہو گیا ہے اور ماسوا کو بھول گیا ہے تو مقبول ہے اور اس کی باتیں مستی سے پیدا ہوئی ہیں اور ظاہر معنی سے مصارف ہیں اور اگر اس حال کے حاصل ہونے کے بغیر اور درجہ اولی پر پہنچنے کے بغیر ایسی شطحیات زبان پر لاتا ہے اور سب کو حق پر اور راہ راست پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا۔ تو وہ بے دین و ملحدوں میں سے ہے۔ جس کا مقصود شریعت کا ابطال ہے اور اس کا مطلوب دعوت انبیاء کا اٹھا دینا ہے۔ جو جہانوں کے لیے رحمت ہے علیہم الصلوات والتحیات، پس یہ کلمات محق سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ اور مبطل سے بھی۔ محق کے لیے آب حیات ہیں اور مبطل کے لیے زہر قاتل۔ مثل آب نیل کے جو بنی اسرائیل کے لیے خوشگوار اور قبطی کے لیے خون ناگوار تھا۔ یہ قدموں کے لغزش کی جگہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کثیرہ کا اکابر ارباب سکر کی باتوں کی تقلید سے سیدھے راستے سے منحرف ہو کر گمراہی اور زیاں کاری کے کوچوں کے پیچھے گری ہوئی ہے اور اپنے دین کو برباد کرتی ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ایسی باتوں کا قبول کرنا شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ جو ارباب سکر میں موجود اور ان میں مفقود ہیں ان شرطوں میں سے بڑی شرط سوائے حق سبحانہ کی فراموشی ہے۔ جو اس قبول کی دہلیز ہے اور محق و مبطل میں امتیاز کی علامت شریعت پر استقامت اور عدم استقامت ہے۔ جو محق ہے وہ باوجود مستی اور بے تمیزی کے بال برابر خلاف شریعت کا مرتکب نہ ہوگا۔ منصور باوجود انا الحق کہنے کے ہر رات قید خانہ میں بھاری زنجیر کے ساتھ پانسو رکعت ادا کرتا تھا۔ اور ظالموں کے ہاتھ سے جو کھانا اسے ملتا تھا۔ اگرچہ وجہ حلال سے تھا مگر وہ نہ کھاتا تھا۔ اور جو شخص مبطل ہے احکام شرعیہ کی بجا آوری اس پر کوہ قاف کی طرح گراں ہے۔ آیہ کریمہ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (وشعار ہے مشرکوں پر وہ کہ جس کی

Marfat.com

طرف تو اُن کو بُلاتا ہے) اُن کے حال پر صادق آتی ہے رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ط وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

(جلد ثانی مکتوب ۹۵)

پیر کی ایذا کیا ہے؟

جاننا چاہیئے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے زیادہ ہیں بلکہ پیر کے حقوق حق سبحانہ کے انعامات اور اس کے رسول علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات کے احسانات کے بعد دوسروں کے حقوق سے نسبت نہیں رکھتے، بلکہ سب کے پیر حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ ظاہری ولادت والدین سے ہے۔ مگر ولادت معنوی پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہے اور ولادت معنوی کی زندگی ابدی ہے۔ پیر ہے جو مرید کی نجاسات معنویہ کو اپنے قلب و روح سے صاف کرتا ہے اور اس کے معدہ کو پاک کرتا ہے۔ ان توجہات میں جو بعض طالبوں کی نسبت وقوع میں آتی ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کے پاک کرنے میں صاحب توجہ کو بھی کچھ آلودگی پہنچتی ہے اور کچھ دیر تک مکدر رکھتی ہے۔ پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے خدائے عزّ و جل تک پہنچتے ہیں۔ جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے نفس امّارہ جو بذاتِ خود خبیث ہے پاک ہو جاتا ہے اور امّارگی سے اطمینان تک پہنچتا ہے اور کفرِ ذاتی سے اسلامِ حقیقی میں آجاتا ہے۔ مصرعہ

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

پس اپنی سعادت کو پیر کے قبول کرنے میں جاننا چاہیئے اور اپنی بدبختی کو پیر کے رد کرنے میں العیاذ باللہ حق سبحانہٗ کی رضا کو پیر کی رضا کے پردے کے پیچھے رکھا ہے۔ جب تک مرید اپنے تئیں اپنے پیر کی پسندیدہ چیزوں میں گم نہ کرے حق سبحانہٗ کی مرضیات میں نہیں پہنچتا۔ مرید کی آفت پیر کی ایذا میں ہے۔ اس کے سوا جو لغزش ہو اس کا علاج ممکن ہے لیکن ایذائے پیر کا علاج کسی چیز سے نہیں کر سکتے کیونکہ مرید کے لیے آزارِ پیر بدبختی کی جڑ ہے العیاذ باللہ۔ اعتقاداتِ اسلامیہ میں خلل اور احکام شرعیہ کی بجاآوری میں سستی آزارِ پیر کے نتائج و ثمرات میں سے ہے۔ احوال و مواجید کہ جن کا تعلق باطن سے ہے ان میں جس قدر خلل اور سستی واقع ہوتی ہے اسے کیا ذکر کروں۔ اگر باوجود آزارِ پیر کے احوال میں کچھ اثر باقی رہے تو اسے استدراج سمجھنا چاہیئے کیونکہ انجام خراب ہوگا اور سوائے ضرر کے اور نتیجہ نہ ہوگا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

(رسالہ مبدا و معاد)

بیعت کا مقصد

نور محمد انبالوی کو تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے جو دریافت کیا ہے کہ اگر کوئی طالب اپنے پیر کی زندگی میں دوسرے کے پاس جائے اور طلبِ خدا کرے تو جائز ہے یا نہیں، سو معلوم رہے کہ مقصود حق سبحانہ ہے اور پیر وصول الی اللہ کا

Marfat.com

وسیلہ ہے۔ اگر طالب اپنا رشد دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں بغیر اجازت کے اس کے پاس جائے اور اس سے طلب رشد کرے لیکن اسے چاہیئے کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے اور اسے بجز نیکی یاد نہ کرے۔ خصوصاً آج کل کی پیری مریدی جو صرف رسم و عادت رہ گئی ہے۔ اس وقت کے پیر جو اپنے آپ سے بے خبر ہیں اور ایمان و کفر میں تمیز نہیں کر سکتے۔ وہ خدا جل شانہ' کی کیا خبر دیں گے۔ اور مرید کو کونسا راہ دکھلائیں گے۔

اگر از خویشتن چو نیست چنیں کے خبر دار واز چنا، وچنیں

افسوس اس مرید پر ہے جو اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور خدا جل شانہ' کا راستہ معلوم نہ کرے۔ یہ خطرات شیطانی ہیں جو پیر ناقص کی حیات کے سبب سے طالب حق سبحانہ' سے روکتے ہیں اُسے چاہیئے کہ جس جگہ رشد و جمعیتِ دل پائے بغیر توقف کے رجوع کرے اور وساوس شیطانی سے پناہ ڈھونڈے۔

(مکتوب ۱۳ جلد ثانی)

دنیاوی کاروبار بھی ذکرِ الٰہی ہیں:

جاننا چاہیئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دُور کرنا ہے۔ جس طرح کہ ہو سکے نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی و اثبات کے تکرار یا اسم ذات کے تکرار میں منحصر ہے جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔ پس اوامر شرعیہ کی بجا آوری اور نواہی شرعیہ کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ کیونکہ رعایت مذکورہ کے ساتھ ان کاموں کے کرنے کے وقت امر کرنے والا اور منع کرنے والا (اللہ جلّ شانہ') ان کے کرنے والے کے مدِنظر ہوتا ہے۔ پس غفلت کی گنجائش نہیں۔ لیکن وہ ذکر جو مذکور (یعنی حق سبحانہ') کے اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو۔ جلدی اثر کرنے والا اور مذکور کی محبت بخشنے والا اور مذکور تک جلد پہنچانے والا۔ بخلاف اس ذکر کے جو اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ واقع ہو۔ وہ ان اوصاف سے چنداں بہرہ ور نہیں۔ اگرچہ بعضے افراد میں کہ جن کا ذکر اوامر کی بجا آوری اور نہی سے باز رہنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ اوصاف کمی کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا تابیادی قدس سرہٗ علم کی راہ سے خدا تعالیٰ تک پہنچے ہیں۔ اور نیز وہ ذکر جو اسم اور صفت کے ساتھ واقع ہو وسیلہ ہے اس کا ذکر جو حدودِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حاصل ہو۔ کیونکہ سب کاموں میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی ناصب شرع کی محبت کے بغیر میسر نہیں اور یہ کامل محبت اللہ تعالیٰ کے اسم و صفت کے ذکر سے وابستہ ہے۔ لیکن پہلے وہ ذکر چاہیئے تا کہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہو جائے۔

(مکتوب ۶ جلد ثانی)

خلاف شرع کشف

جاننا چاہیئے کہ صوفیوں کے اعتقادات آخر کار یعنی منازل سلوک کے پُورا ہونے اور ولایت کے درجوں کی نہایت کو

Marfat.com

پہنچنے کے بعد وہی ہیں جو علمائے اہلِ حق کے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ علماء کو نقل یا استدلال سے حاصل ہوئے ہیں اور صوفیوں کو کشف یا الہام سے اگرچہ صوفیائے کرام سے بعض کو اثنائے راہ میں سکر و غلبہ حال کے سبب سے ان اعتقادات کے خلاف امور ظاہر ہوتے ہیں لیکن اگر اس کو ان مقامات سے گزار کر نہایت کار کو پہنچا دیں تو وہ امور نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ ورنہ وہ اسی مخالفت پر باقی رہتے ہیں۔ پس سالک کو چاہیے کہ حقیقت کار پر پہنچنے سے پہلے باوجود اپنے کشف و الہام کی مخالفت کے علماء اہلِ حق کی تقلید کو لازم جانے۔ اور علماء کو حق بجانب اور اپنے تئیں خطاب کرنے والا خیال کرے۔ کیونکہ علماء کی دلیل انبیاء علیہم الصلوات والسلام کی تقلید ہے۔ جو قطعی وحی کے ساتھ مؤید اور خطاء اور غلط سے معصوم ہیں۔ اور سالک کا کشف و الہام جو وحی کے ساتھ ثابت شدہ احکام کا مخالف ہو خطا اور غلط ہے۔ پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم رکھنا حقیقت میں احکام قطعیہ منزلہ پر مقدم رکھنا ہے اور یہ عین گمراہی اور محض خسارہ ہے۔ اور نیز جس طرح کتاب و سنت کے بموجب اعتقاد ضروری ہے اسی طرح ان مقتضاء پر عمل کرنا اس طریق پر کہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے۔ اور ان سے احکام نکالے ہیں، یعنی حلال و حرام و فرض و واجب و سنت و مستحب و مکروہ و مشتبہ اور ان احکام کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مقصد کے لیے جائز نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔ اُسے چاہیئے کہ عمل میں اس مجتہد کے مذہب سے جس کا یہ مقلد ہے۔ قولِ مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچ کر عزیمت پر عمل کرے۔

(مبداء و معاد)

پیر کا ادب

اور اگر خدا جل شانہٗ اپنی عنایت سے کسی طالب کو اس طرح کے پیر کامل کی طرف رہنمائی کر دیں تو چاہیئے کہ اس کے وجود شریف کو غنیمت سمجھے اور اپنے تئیں بالکلیہ اس کے حوالے کر دے اور اپنی سعادت کو اس کی مرضیات میں جانے اور اپنی بدبختی کو اس کی مرضیات کے خلاف میں سمجھے۔ حاصل کلام یہ کہ اپنی نفسانی خواہش کو اس کی رضا کے تابع کرے۔ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان نہیں لاتا۔ یہاں تک کہ اس کی نفسانی خواہش میرے دین و شریعت کے تابع ہو۔ اور جان لے کہ آداب صحبت کی رعایت اس راہ کی ضروریات سے ہے تاکہ فائدہ اُٹھانے اور فائدہ پہنچانے کا راستہ کھل جائے۔ اور بغیر ان کی محبت کے کوئی نتیجہ نہیں اور نہ مجلس کا کوئی ثمرہ ہے۔

جان لے کہ طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کی توجہ تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف کرے اور باوجود پیر کے اس کی اجازت کے بغیر نوافل و اذکار میں مشغول نہ ہووے۔ اور اس کے حضور میں سوائے نماز فرض و سنت کے نہ پڑھے اور جہاں تک ہو سکے مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا پیر کے سایہ پر پڑے۔ اور پیر کے

Marfat.com

مصلّا پر پاؤں نہ رکھے - اور اس کے وضو کی جگہ میں وضو نہ کرے اور اس کے برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے سامنے پانی نہ پیئے اور کھانا نہ کھائے، اور کسی کے ساتھ بات نہ کرے - بلکہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے - اور پیر کی غیر حاضری میں جس طرف کہ وہ ہو اس طرف پاؤں دراز نہ کرے - اور لعاب دہن اس جگہ نہ پھینکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اُسے درست سمجھے - خواہ ظاہر میں درست معلوم نہ دے - پیر جو کچھ کرتا ہے - الہام سے کرتا ہے اور باذن الٰہی کرتا ہے - اس صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں - اگر بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا واقع ہو جائے تو یہ الہامی خطا مثل خطا اجتہادی کے ہے - اس پر ملامت و اعتراض کرنا جائز نہیں - اور نیز چونکہ مرید کو پیر سے محبت پیدا ہو جاتی ہے محب کی نظر میں محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے - محبوب معلوم ہوتا ہے - پس اعتراض کی گنجائش نہیں اور کلی و جزئی امور کھانے پینے اور سونے اور اطاعت کرنے میں پیروی کرے - پیر کی طرز پر نماز کو ادا کرنا چاہیئے - اور فقہ کو اس کے عمل سے سیکھنا چاہیئے -

پیر کی حرکات و سکنات میں کسی اعتراض کو دخل نہ دے - خواہ وہ اعتراض رائی کے دانے کی مقدار ہو - کیونکہ اعتراض کا نتیجہ سوائے محرومی کے نہیں ہے - اور تمام مخلوقات میں سب سے بدبخت اس طائفہ عالیہ کا عیب بین ہے حق سبحانہ، ہم اس بڑی بلا سے نجات دے اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے، اگر طلب بطریق خطرہ و وسوسہ دل میں آئے - کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو - کُفّار و منکر ہی معجزے کے طالب ہوا کرتے ہیں

اگر دل میں شبہ پیدا ہو تو بغیر توقف کے عرض کرے اگر حل نہ ہو تو اپنا قصور سمجھے اور نقصان پیر کی طرف عاید نہ کرے اور جو واقعہ پیش آئے - پیر سے پوشیدہ نہ رکھے - اور واقعات کی تعبیر اسی سے طلب کرے اور جو تعبیر کہ طالب پر ظاہر ہو اُسے بھی عرض کر دے اور صواب و خطا کو اس سے دریافت کرے اور اپنے مکاشفات پر ہرگز اعتماد نہ کرے - کیونکہ اس دنیا میں حق و باطل اور صواب و خطا ملے جلے ہیں - اور بغیر ضرورت اور اذن کے پیر سے جدا نہ ہووے - کیونکہ غیر کو اس پر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے اور اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند نہ کرے - اور بلند آواز سے بات نہ کرے - کیونکہ یہ بے ادبی ہے - اور جو فیوض و فتوحات حاصل ہوں ان کو پیر کی وساطت سے تصوّر کرے اور اگر واقعہ میں دیکھے کہ کوئی فیض دُوسرے مشائخ سے پہنچا ہے - تو اس کو بھی پیر ہی سے سمجھے اور جان لے کہ چونکہ پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے وہ خاص فیض پیر سے مرید کی خاص استعداد کے مناسب مشائخ میں سے ایک شیخ کے کمال کے موافق کہ جس سے ظاہرا فاصنہ ظہور میں آیا ہے - مرید کو پہنچا ہے اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے - لیکن مرید نے بسبب ابتلا کے اس لطیفہ کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے - اور فیض کو اس کی طرف سے سمجھا ہے - یہ بڑی غلطی کھانے کی جگہ ہے - حق سبحانہٗ قدم کی لغزش سے بچائے اور پیر کے اعتقاد و محبت

Marfat.com

پر قائم رکھے۔ بحرمت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات حاصل کلام الطریق کلہ ادب مثل مشہور ہے۔ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا۔ اور اگر مرید آداب میں سے بعض کی رعایت میں اپنے تئیں کوتاہ جانے اور اسے کما حقہٗ ادا نہ کرے۔ اگر کوشش سے بھی اسے پورا نہ کر سکے تو معاف ہے۔ لیکن کوتاہی کا اقرار ضروری ہے۔ اگر پناہ بخدا آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنے تئیں کوتاہ بھی نہ جانے تو ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم ہے۔

(مکتوب ۲۹۲ جلد اوّل)

حضرت امام ربّانی رحؒ نے وفات سے چند ماہ پہلے اکثر دوستوں سے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ سال کی معلوم ہوتی ہے اور یقیناً ایسا ہونا تھا۔ آفتاب نبوت سے ضیاء حاصل کرنے والا بدر منیر بھی اتباع نبوت سے کیسے غفلت کرے، اختیاری معالات میں جب اُس کا یہ حال ہو گا تو غیر اختیاری معالات میں من جانب اللہ سنت کی اتباع اسے حاصل ہو گی۔

چنانچہ حضرت امام ربّانی رحؒ ایام مرض میں تنہائی بہت پسند کرتے تھے۔ ایک روز حرام سرا کی دہلیز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ فرمایا کہ اس موسم سرما میں جو دو مہینے تک آئے گا ہم اس گھر میں نہ سوئیں گے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ شاید خلوت گاہ میں آرام فرمائیگے فرمایا نہیں ان گھروں میں سے کسی میں بھی نہیں۔ حاضرین نے عرض کی کہ پھر کس جگہ۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں جو کچھ ہونیوالا ہے اس کے بعد آپ نے ارشاد وہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد فرمایا۔ اور اپنا تمام وقت تلاوتِ قرآن مجید اور افکار و اشغال میں مصروف فرمانے لگے۔ سوائے نماز کے خلوت سے باہر نہ آتے۔ نوافل اور صدقات وخیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی، اور درویشوں کو کپڑے بھی تقسیم فرمائے۔ ذوالحجہ میں آپ کو ضیق النفس کا دورہ ہو گیا۔ اگرچہ آپ پر ضعف غالب آگیا تھا، لیکن عبادات و وظائف کے اوقات میں سرِ مو فرق نہ آیا۔ بدستور نماز با جماعت ادا فرماتے رہے۔

وصال سے پہلی رات آپ نے اپنے خادموں کو ارشاد فرمایا کہ تم نے بہت محنت کی، صرف آج کی رات اور محنت ہے۔ اس رات آپ نے کئی دفعہ پنجابی مصرعہ پڑھا۔

آج ملاوا کونت سوں سکھی سب جگہ دیواں وار

اسی رات آپ نے وہ تمام دعائیں پڑھیں جن کا صحیحین میں ذکر ہے۔ رات کے آخری حصّہ میں وضو فرمایا۔ اور تہجّد کھڑے ہو کر ادا کی اور فرمایا یہ ہماری آخری تہجّد ہے۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ حسبِ عادت مراقبہ اور اشغال بھی فرمایا۔ نماز اشراق اور ادعیہ ماثورہ بھی پڑھیں۔ اور اسی دن یعنی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں اپنے محبوبِ حقیقی کو یاد کرتے کرتے خدا کے یہ سچے عاشق حقائق کے دریا میں تیرنے والے وصول الی اللہ کے زینہ حکمت کے دفینہ۔ رحمت کے خزانہ کاملین کی محبّت، طریقت کے نُور، علماءؑ کے سردار اور اہل جہان کی زینت اس دارِ فانی سے رفیق اعلےٰ سے جا واصل ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

Marfat.com

حضرت شاہ مینا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ حضرت خلیفہ شیخ قوام الدین خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے تھے۔ اخبار الاخیار سے نقل ہے کہ شیخ مینا دلی مادر زاد تھے، جب یہ پانچ برس کے ہوئے ان کو پڑھنے بٹھایا۔ استاد نے کہا اُلف کہو آپ نے کہا الف پھر اُستاد نے کہا ب کہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے الف پڑھ لیا اب (ب) کی کچھ حاجت نہیں، میری محبت صرف الف الٰہی سے ہے اور کئی معنے الف کے بیان فرمائے۔ آپ ہمیشہ مجرد رہے دُنیا اور اہل دُنیا سے متنفر اور ریاضتِ شاقہ کرتے تھے یعنی دیوار پر بیٹھ کر عبادت فرماتے جب نیند غلبہ کرتی دیوار پر سے گر کر ہوشیار ہو کر پھر عبادت میں مشغول ہوتے اور اپنے پہلو میں کانٹے رکھتے تھے کہ ان کی اذیت سے نیند نہ آوے۔ اور موسم سرما میں کپڑے تر کر کے صحنِ خانقاہ میں بیٹھ کر عبادت کرتے وجہ تسمیہ ان کے نام کی یوں بیان کرتے ہیں کہ شیخ قوام الدین کے پسر نظام الدین محمد مینا ایام جوانی میں سلطان محمد بن فیروز شاہ کی نوکری کر کے اعلےٰ مرتبہ پر پہنچے۔ اس وجہ سے شیخ ان سے ناخوش تھے شیخ نظام الدین نے نہایت کوشش کی مگر شیخ ان سے خوش نہ ہوئے۔ ایک بار یہ گھوڑے پر سوار خانقاہ میں گھس آئے، شیخ نے دیکھ کر فرمایا کہ مجھ فقیر کے گھر بے باکی سے سوار ہو کر آیا اے نالائق تجھ کو شرم نہ آئی۔ یہ سنکر اُنھوں نے گھوڑے کی باگ پھیری ایکایک گھوڑے کا قدم بگڑا اور یہ گھوڑے سے گر کر فوت ہوئے۔ شیخ نے اپنے مرید قطب الدین سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو خدا فرزند دے اور وہ موسوم باسم شیخ محمد مینا ہو بجائے فرزند متوفی حکم نعم البدل رکھتا ہو آخر دعائے حضرت سے آپ پیدا ہوئے اور شیخ کی زیر تربیت پرورش پا کر بعد تکمیل ترتیب صاحبِ سجادہ ہو کر لکھنؤ کے شاہ ولایت ہوئے۔

وفات حضرت کی ۸۷۰ھ میں ہوئی، مزار شریف لکھنؤ میں ہے۔

Marfat.com

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی ؒ

پنجاب میں حضرت شاہ فخر الدین صاحب ؒ کا فیض اور چشتیہ نظامیہ سلسلہ کا نام شاہ نور محمد صاحب مہاروی ؒ کے ذریعہ پہنچا اور شاہ محمد سلیمان تونسوی ؒ کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی۔ شاہ محمد سلیمان ؒ بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ ان کے ارشاد و تلقین سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں گمراہانِ بادیہ ضلالت نے ہدایت پائی ان کے خلفا ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ ایک بار پھر صوفیۂ متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے پھر گئے وہ سلسلۂ نظامیہ کے آخری عظیم الشان بزرگ تھے۔ ان کا تبحر، تقدس، اسلامی سوسائٹی کی اصلاح کیلئے اور جد و جہد اپنی نظیر آپ تھی۔

شاہ محمد سلیمان صاحب ؒ نے جس وقت پنجاب میں مسندِ ارشاد بچھائی تھی۔ اس وقت سارا صوبہ سکھوں کے تسلط میں تھا سلطنت مغلیہ کی تجہیز و تکفین کے آخری منازل طے ہو چکے تھے۔ انگریزوں کا اقتدار سرعت کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔

ہندوستان کی تاریخ کا یہ عبوری دور تھا۔ ایک حکومت ختم ہو رہی تھی۔ دوسری حکومت کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ مسلمانوں پر مغلوبیت اور افسردگی طاری تھی، قوائے عمل شل ہو رہے تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت شاہ سید احمد شہید ؒ اپنی عظیم الشان تحریک کو چلانے میں مصروف تھے سکھوں کے مظالم اور چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر وہ جہاد پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور مسلمانوں کی عسکری اصلاح و تنظیم کی کوشش میں منہمک تھے۔ شاہ محمد سلیمان ؒ بھی اسی ماحول میں سانس لے رہے تھے۔ انہوں نے گو عملی جہاد میں حصہ نہیں لیا، لیکن شریعت و سنت کی تلقین میں برابر سرگرم رہے۔ وہ سلطنت کے واپس لے لینے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کی نظر میں "اسلامی شعائر" کے احیاء کی ضرورت سب سے زیادہ مقدم تھی کہ اس کے بغیر حکومت اگر حاصل بھی کر لی جاتی تو اس کا قائم رکھنا ناممکن تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ؎

دین جڑ ہے یہ کٹی تو نخل دُنیا پھل چکا

چنانچہ انہوں نے صاف صاف بتا دیا کہ جب تک اتباعِ سنت و شریعت کا التزام نہ ہو گا، حکومت کا خواب منت کشِ تعبیر نہ ہو سکے گا اور مسلمانوں کی پریشانیاں کم نہ ہوں گی۔ بار بار سمجھاتے ہیں۔

Marfat.com

چوں مسلماناں اعمالِ حسنہ را ترک کردہ اند — مسلمانوں نے اچھے اعمال چھوڑ دیئے ہیں اس
حق تعالیٰ برایشاں کافراں را مسلط کردہ است[1] — لیے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان پر مسلط کر دیا ہے

وہ مسلمانوں کے تمام آلام و مصائب، ابتلا و پریشانی، دُکھ اور درد کا علاج درستیٔ اعمال میں پاتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی کوشش کا مرکز بھی اعمال کی درستی کو قرار دیا تھا وہ مسلمانوں کو صحیح طور پر اخلاقِ محمدی کا نمونہ دیکھنا چاہتے تھے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عادات و کردار کی درستی کو وہ سب چیزوں سے مقدم تصوّر کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کوشش اور جدوجہد میں صرف کیا۔ جب حکومت و سلطنت جاتی ہے تو قوموں کے اخلاق و اطوار اور کردار بگڑ جاتے ہیں۔ ان کا اجتماعی شیرازہ منتشر ہونے لگتا ہے اور انتشار و ابتری جسمانی انتشار سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔ حضرت شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اِن حالاتِ گردوپیش میں جس طرح سرمایۂ ملّت کی حفاظت کی وہ اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، انہوں نے حضرت شاہ سید احمد بریلویؒ کی تحریک کو ناکامیاب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس لیے اب انہوں نے اس تحریک سے قطع نظر حوادث کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا نیا پروگرام بنایا ان کی کوششوں کا محور مختلف تھا۔ انہوں نے کسی موقع پر بھی جنگ و جہاد کی صراحتاً تلقین نہیں کی کہ وقت کا تقاضا وہ نہ تھا۔ لیکن اُنہوں نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں ان صلاحیتوں کو اُبھارنے اور بیدار کرنے کی کوشش کی جن میں مستقبل کے تشکیل و تجدید کا سامان موجود تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو شریعت و سنت پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرمائی کہ اسی میں ان کے درد کا درماں اور مصائب کا علاج تھا۔ شاہ صاحبؒ کی جلائی ہوئی اس شرع و سنت کی شمع کے گرد دُور دُور سے پروانے جمع ہوئے۔ ان کے خرمنِ کمال سے ہزاروں نے فیض حاصل کیا۔ سنگھڑ اور تونسہ کا غیر آباد اور غیر معروف علاقہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا۔ جہاں سے ہزاروں عقیدتمند تربیت پاکر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ سیال۔ گولڑہ۔ جلال پور۔ حیدر آباد، شیخا دائی۔ راجپوتانہ میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوگئیں اور ایک بار پھر پرانی محفلوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ خاتم سلیمانی کا مصنف لکھتا ہے "اس نقارہ کی آواز پنجاب، ممالک متحدہ، راجپوتانہ سے گذر کر جزیرہ سراندیپ اور عدن تک پہنچی اور افغانستان، بلوچستان، ترکستان سب اس نقارہ کی آواز سے چونک اٹھے اور ہزاروں طالبانِ حق، سینکڑوں کوس طے کر کے تحصیلِ فیض کے واسطے سنگھڑ پہنچے۔ یہ نام ہی کچھ غیر موزوں تھا مگر ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد ! — فی الفور بصورتِ طلا شد[2]"

پیدائش اور خاندان

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کی ولادت باسعادت ۱۱۸۴ھ میں بمقام گڑگوجی[3] ہوئی۔ شاہ صاحبؒ کے والد کا اسم گرامی زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خاں تھا۔ یہ خاندان افغان قوم کے جعفر یہ قبیلہ سے متعلق تھا[4] آپ چونکہ

---

[1] نافع السالکین ص ۱۰۹ [2] خاتم سلیمانی۔ ص ۹ [3] خانۂ خود کہ درکوہ است و اسم آں گرگوجی است کہ مسافت از تونسہ سہ کروہ باشود" نافع لسالکین۔ص ۱۱

[4] خاتم سلیمانی۔ ص ۱۵۔ جعفر یہ قبیلہ، رمدانی و رحیم زانی) قبیلہ کی شاخ تھا۔

Marfat.com

افغان تھے اس لیے اس علاقہ میں روہیلہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

شاہ صاحب کے والد کا وصال ان کے شیر خوارگی کے زمانہ میں ہوگیا تھا۔ والدہ نے بچے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ ان کو اپنے بچے کی اقبال مندی کا یقین ایک خواب سے ہوگیا تھا۔ ولادت سے پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آفتاب آسمان سے اُتر کر ان کی گود میں آگیا ہے۔ اور تمام گھر منوّر ہوگیا ہے اور سینکڑوں آدمی مبارک باد دے رہے ہیں[۱]

شاہ سلیمان صاحبؒ کے ایک بھائی خواجہ یوسف اور چار بہنیں تھیں۔ خواجہ یوسف جوانی میں انتقال کر گئے تھے بہنوں کی شادیاں ہوئیں اور ان سے کثیر اولاد ہوئی[۲]

تعلیم و تربیت

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ نے ملّا یوسف جعفر کے پاس قرآن پاک پڑھنے کے لیے بھیجا۔ ان سے پندرہ پارے پڑھنے کے بعد وہ اپنے ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پڑھنے لگے۔ حاجی صاحب کی بیوی بہت تیز مزاج اور بدخو تھی۔ وہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے اور حاجی صاحب کے ارشاد کے مطابق وہ تونسہ میں میاں حسن علی کے پاس چلے گئے۔ وہاں کی مسجد میں (جو تونسہ کے بازار کے پاس تھی) پڑھنا شروع کیا[۳]۔ میاں حسن علی کا اصول تھا کہ مدرسہ کے طلبا کو گدائی یا مزدوری پر مجبور کرتے تھے۔ خواجہ محمد سلیمان صاحب کو گداگری کر کے پیٹ پالنے کا حکم ہوا۔ خواجہ صاحب اس حکم سے بہت گھبرائے لیکن بجز تعمیل چارہ نہ تھا۔ بھیک مانگنے کے لیے نکلے۔ ایک ہندو بقال کو روٹی پکاتے ہوئے دیکھا اور اس کے چوکے سے بغیر اجازت روٹی اُٹھا لائے۔ بقال نے آکر میاں حسن علی سے شکایت کی۔ میاں صاحب نے بازپُرس کی اور بالآخر ان کو گداگری کے قابل نہ پاکر مزدوری کا حکم دیا تاکہ کپڑوں، روٹی اور کتابوں کا خرچ چل جائے۔ دوسرے دن ۲/ یومیہ پر ایک جگہ مزدوری پر لگ گئے۔ دن بھر آپ پتھر پر بیٹھے رہے۔ مزدوروں نے مالک سے شکایت کی۔ لیکن مالک نے آپ کو پوری مزدوری دے دی، میاں حسن علی کو یہ حال معلوم ہوا تو کہا کہ اب تم میرے گھر سے کھا لیا کرو[۴]۔

شاہ صاحب میاں حسن علی کے پاس رہنے لگے اور علم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن وہ تونسہ شریف سے دو کوس جنوب کی طرف ایک موضع سوکڑ میں ایک کتاب خریدنے کے لیے گئے۔ وہاں مولوی نور محمد نارووالہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب نے ان کی بہت تعظیم کی اور باوجود پیرانہ سالی خود پیدل چلے اور شاہ صاحب کو گھوڑے پر سوار کرایا[۵]۔ میاں حسن علی سے خواجہ صاحبؒ نے قرآن پاک پورا کیا۔ خود ایک مجلس میں فرمانے لگے۔

"...... در تونسہ شریف پیش میاں حسن علی قرآن مجید می خواندیم[۶]"

اس کے علاوہ پند نامہ حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ، گلستان سعدی، بوستان سعدی وغیرہ کتابیں بھی ان ہی سے پڑھیں[۷]

---

[۱] خاتم سلیمانی ص ۱۷ [۲] خاتم سلیمانی ص ۱۵ [۳] یہ مسجد ۱۲۷۸ھ میں رود سنگھڑ سے منہدم ہوگئی۔ خاتم سلیمانی، ص ۲۰ [۴] خاتم سلیمانی ص ۲۲-۲۱

[۵] خاتم سلیمانی ص ۲۶-۲۵ [۶] نافع السالکین ص ۱۴۳ [۷] خاتم سلیمانی۔ ص ،،

Marfat.com

میاں حسن علی سے پڑھ چکنے کے بعد آپ لانگھ پہنچے[۱]۔ یہاں ایک عمدہ گنبد دار مسجد تھی[۲]۔ جس میں مولوی ولی محمد درس دیتے تھے خواجہ صاحب نے ان ہی سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کوٹ مٹھن تشریف لے گئے اور وہاں قاضی محمد عاقل رح کے مدرسہ میں عربی کی تحصیل شروع کی۔ خواجہ اللہ بخش رح کے شجرہ میں جو ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا ہے، خواجہ محمد سلیمان کے متعلق لکھا ہے۔

" درمبادی حال درکوٹ مٹھن بہ مدرسہ قاضی محمد عاقل صاحب

بہ تحصیل علم کتب درسیہ توجہ می فرمودند"[۳]

یہاں آپ نے منطق کی مشہور کتاب قطبی پڑھی اور فقہ پر پورا عبور حاصل کیا[۴]۔ کوٹ مٹھن ہی میں قیام کے زمانہ میں آپ کو خواجہ نور محمد صاحب مہاروی رح کے اوچ تشریف لانے کی خبر ملی۔ اس زمانہ میں آپ کو امر معروف کی تلقین کا بڑا خیال تھا[۵]۔ شاہ نور محمد صاحب سے سماع پر بحث کرنے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ لیکن ان کی خدمت میں پہنچکر دنیا ہی بدل گئی اس قدر مبہوت ہو گئے کہ فوراً ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ اپنے پیر سے انہوں نے آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرہ کاملہ فصوص الحکم وغیرہ کا درس لیا[۶]۔

بیعت

مشہور ہے کہ حضرت شاہ فخر صاحب رح نے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح کو ایک شہباز کے مقید کرنے کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ اس سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ و اشاعت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ چنانچہ شاہ نور محمد صاحب ہر سال اوچ اور کوٹ مٹھن اس باز کی تلاش میں آتے تھے[۷]۔ آخری بار جب اوچ آئے تو اپنے ایک عزیز محمد حسین سے فرمانے لگے "اے محمد حسین آپ کو معلوم ہے کہ میں ہر سال اس ملک میں کیوں آتا ہوں؟" عرض کیا "آپ خود ارشاد فرمائیں" اس پر خواجہ نور محمد صاحب نے فرمایا کہ میں ایک شہباز کے شکار کرنے کے لیے آتا ہوں اور یہ شاہ فخر صاحب کا حکم ہے[۸]۔

جب شاہ محمد سلیمان صاحب شاہ نور محمد کی خدمت میں پہنچے تو ان کا عالم ہی بدل گیا۔ فوراً مرید ہونے کی درخواست کی۔ شاہ نور محمد صاحب نے ان کو حضرت سید جلال رح کے مزار کے سرہانے لے جا کر مرید کر لیا[۹]۔ یہ شاہ محمد سلیمان رح کی نوعمری کا زمانہ تھا لیکن وہ اپنے پیر سے عقیدت اور ان کے احکام کی بجا آوری میں کہنہ سال مریدوں سے بازی لے گئے۔

---

[۱] یہ مقام تونسہ سے پانچ کوس مشرق کی جانب دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا۔ [۲] یہ مسجد ۱۲۷۰ھ تک تھی، اس کے بعد دریا کی طغیانی سے برباد ہو گئی۔ خاتم سلیمانی ص ۲۸ [۳] شجرہ خواجہ اللہ بخش ص ۹ [۴] خاتم سلیمانی ص ۲۹ [۵] خود ایک مجلس میں فرمانے لگے، جب میں کوٹ مٹھن میں تحصیل علم کرتا تھا تو اس وقت مجھے قدرتی طور پر دینیات کی طرف زیادہ خیال تھا اور امر معروف کے لیے گرد اس کے مواضعات میں چلا جایا کرتا تھا۔ مناقب سلیمانیہ بحوالہ خاتم سلیمانی صفحہ ۱۲۰ [۶] خاتم سلیمانی ص ۴۲ [۷] تحقیق ہے کہ اس کے بعد شاہ نور محمد صاحب رح پھر کبھی سنگھڑ میں نہیں گئے۔" خاتم سلیمانی ص ۳۳

[۸] خاتم سلیمانی ص ۳۰ [۹] خاتم سلیمانی ص ۲۱-۲۲-۲۳-۲۴

Marfat.com

دہلی کا سفر

شاہ نور محمد صاحبؒ نے اس نوعمر طالب علم کو مرید کرنے کے بعد شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں حاضری کا حکم دیا۔ جس شہباز کو دام میں لانے کی بشارت انہوں نے دی تھی وہ مقیّد ہو چکا تھا۔ شاہ محمد سلیمان نے تعمیل حکم میں دہلی کا ارادہ کر لیا۔ دلاور، جودھ پور، اجمیر، جے پور، ریواڑی ہوتے ہوئے ۱۱۹۹ھ میں وہ دہلی پہنچے [1] یہ گرمی کا زمانہ تھا۔ آفتاب کی وہ تمازت کہ پرندوں نے درختوں میں پناہ لے لی۔ ریگستان کا یہ عالم کہ میلوں تک پانی ندارد، نہ کوئی سواری، نہ کوئی دوست، لیکن یہ محبوب سبحانی، سلیمان ثانی کمال ذوق وشوق سے قبلۂ عالم کا حکم بجا لا رہا تھا اور سفر کی صعوبتوں اور راستے کی تکلیفوں کی کچھ پروا نہیں کرتا تھا [2] عشق و محبت کا یہ متوالا، سفر کی صعوبتیں ذوق وشوق کے ساتھ طے کرتا ہوا دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ شاہ فخر صاحبؒ وصال فرما چکے ہیں۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

والدہ کی تشویش

جب عرصہ تک شاہ محمد سلیمانؒ کی کچھ خبر نہ ملی تو والدہ کو فکر لاحق ہوئی، بیٹے کی تلاش میں گڑگوجی سے سوکڑ تشریف لائیں۔ جب یہاں بھی بیٹے کا پتہ نہ ملا تو اپنے داماد کو تلاش کرنے کے لیے آگے بھیجا وہ تلاش کرتے کرتے آخر شاہ صاحب سے جا ملے اور والدہ کے اضطراب اور بے چینی کی داستان سنائی۔ شاہ محمد سلیمان صاحبؒ پیر سے اجازت لے کر والدہ کے پاس گئے۔ پیر سے دُور ہٹ کر عشق کی آگ بھڑک اُٹھی اور وہ مفارقت کی تاب نہ لا سکے۔ ماں کا یہ عالم تھا کہ بیٹے کی جدائی کے خیال سے بھی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ محبتِ مادری اور عشقِ مرشد میں کشمکش شروع ہوئی۔ والدہ نے ان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پہرے دار بٹھائے۔ کانٹوں کا حصار کیا۔ لیکن وہ عشق جو بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے کے لیے تیار ہو، اس کی نظر میں یہ تدابیر سب بے معنی تھیں۔ جب عشق نے زور مارا تو یہ سب بندشیں چشم زدن میں ٹوٹ گئیں اور وہ دیوانہ وار پیر کی طرف دوڑ پڑے۔ ابتدائی زمانہ کا یہ واقعہ خود ایک مجلس میں انہوں نے اس طرح بیان فرمایا۔

"در اوائل والدہ شریفہ مارا ممانعت نمودے از رفتن درخدمت قبلۂ عالم رضی اللہ تعالےٰ عنہ، یک شب میاں یاراں کہ از قوم جعفر بود برمن پاسباں گماشتند، چوں دیدم کہ او را خواب غلبہ کردہ است از خواب گاہ برخاستم و بر دیوار حصار آمدہ از آنجا جستہ در خار رخنی افتادم بگرد حصار بود۔ پاجامہ دریدہ شد و ہر دو پائے بہ زخم خار مجروح شدہ و خوں رواں شد،

. . . . . . بخدمت حضرت قبلۂ عالم مشرف شدم [3]

اس کے بعد آپ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ایک مہینہ مہار شریف قیام کرتے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے لیے گھر آ جاتے تھے، والدہ کو ان کا یہ حال دیکھ کر بہت خیال ہوا۔ اس سلسلہ میں تعویذ وغیرہ بھی کرائے۔ ملفوظ میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۳۱-۳۲-۳۳ [2] مشاہیر اسلام جلد اول ص ۸۹ [3] نافع السالکین ص ۱۴۴

Marfat.com

"ہرگاہ ایں فقیر در حضور حضرت قبلہ عالم بشرفِ بیعت مشرّف شد۔ مرا در خانۂ خود ہرگز قرار نیامدے، چنانچہ یک ماہ در حضور می بودم و چندروز در خانۂ بریں نمط می گذشت تا وصالِ مبارک حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ و مادر صاحبہ مرحومہ گفتے کہ پسر مرا خیال بدشدہ است کہ در خانۂ خود ارام نمی گیرد۔ از علماء و فقراء چنداں تعویذہا گرفتہ کہ آوند پر ساختہ بودند چونکہ فقیر از کمال جذبۂ عشق مستولی شدہ بود، لاچار بے قراری حاصل بود۔ بیت

مجتبے ست کہ دل را نمی دہد آرام ۔ وگرنہ کیست کہ آسودگی نمی خواہد[1]"

مرشد سے عشق

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کو اپنے پیر و مرشد خواجہ مہارویؒ سے عشق تھا۔ ان سے جب جدا ہوتے پریشان اور بے چین رہتے، فرقت میں ذوق و شوق کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ اکثر پیدل ہی مہار شریف کو روانہ ہو جاتے تھے۔ اور راستے کی تمام صعوبتیں نہایت خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میاں غلام حیدر اور میاں عیسیٰ جعفر کو ساتھ لے کر مہار شریف کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں پیروں سے خون جاری ہو گیا اور

"ہر دہ ناخن از ہر دو پائے من جدا شدند"[2] ۔ پاؤں کے دسوں ناخن انگلیوں سے جدا ہو گئے

لیکن اسی استقلال اور ہمت کے ساتھ ۴۰ کوس کا سفر طے کیا۔ سفر میں دو، دو تین تین دن کے فاقے بھی ہوئے، لیکن عقیدت و ارادت کا یہ متوالا والہانہ انداز میں یہ سب مصیبتیں جھیلتا ہوا اپنے مرشد کے قدموں میں پہنچ گیا۔ غلام حیدر کا بیان ہے۔

"من بارہا معائنہ نمودم کہ کفش ایشاں بخون پا پُر شد و قطرات ازاں برآمد و ایشاں از خود ہم چناں بے خبر و قدم مبارک مردانہ در سیر شل معتاد می نہادند و ہرگز از جریانِ خون و زخمی شدنِ پا خبر نداشتند، من بخدمت عرض داشتہ نمودم کہ درایں جا بنشینیم ہرگز اختیار نکردند چوں در بلدۂ ملتان رسیدیم بظن ایں کہ نقش تنگ است کفش دیگر فراخ خرید نمایم، چوں بغیر یک چادر نو قیمت دیگر موجود نبود، خواستم کہ آنرا فروختہ قیمت کفش ادا نمایم ہر چند سعی نمودم جائز نہ داشتند، و بعد از گفتگوئے بسیار فرمودند کہ ما را ز خود ہیچ خبر نیست، غم مدار کہ در قطع منزل تفاوت نخواہد شد"[3]

شاہ صاحبؒ اپنے پیر کی اطاعت اور تابعداری میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پیر مشاطہ کی مانند ہوتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

---

[1] نافع السالکین ص ۱۷، [2] نافع السالکین ص ۱۱ [3] نافع السالکین ص ۱۸

Marfat.com

"شیخ مشاطۂ مرید است یعنی چنانچہ مشاطہ عروس را آراستہ سزاوار صحبت شوئے خود سازد، مانند این شیخ ظاہر و باطن را بہ شریعت پیراستہ مستحق صحبت محبوب حقیقی گرداند۔"[1]

ایک مرتبہ مہار شریف میں دیوانِ حافظ کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً شیخ صاحب کا بھی اِدھر سے گذر ہُوا۔ پُوچھا کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا، خواجہ حافظ اور ساتھ ہی یہ شعر پڑھا ؎

کمالِ صنعتِ مشاطہ باید که روئے زشت راز یبا نماید[2]

شاہ محمد سلیمان صاحب کا عقیدہ تھا کہ

" صحبت شیخ باعقیدہ باید کرد کہ بے عقیدہ از صحبت او ہیچ فائدہ نیست"[3]	شیخ کی صحبت میں عقیدہ کے ساتھ حاضر ہونا چاہیئے بے عقیدہ صحبت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

جب بھی وہ اپنے مرشد کی صحبت میں رہے اسی عقیدہ سے رہے اور اپنا سارا وقت باطنی اصلاح میں صرف کیا۔ شیخ بھی ان پر دوسرے مریدوں کی نسبت زیادہ توجہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ سلیمانؒ مہار میں مقیم تھے زیادہ وقت میاں خدا بخش ولد حافظ محمد مسعود کی مسجد میں گزارتے تھے اور ذکر و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ مجلس کے وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر کتب تصوف کا درس لے لیا کرتے تھے۔ قبلۂ عالم کو ان کا اس قدر خیال تھا کہ خود مسجد میں جاکر ان سے ملتے تھے[4]

خلافت

پندرہ سولہ برس کی عمر میں خواجہ محمد سلیمانؒ خواجہ مہارویؒ سے بیعت ہوئے تھے[5]۔ شیخ کی صحبت کا فیض کل ۶ سال تک اُٹھایا۔ خود ایک جگہ فرماتے ہیں:

" مارا صحبتِ ظاہری حضرت قبلۂ عالم شش سال یا کم بود،،[6]	ہمیں حضرت قبلۂ عالم کی ظاہری صحبت چھ سال یا کچھ کم حاصل رہی ہے۔

۲۱ - ۲۲ سال کی عمر میں پیر و مرشد نے خلافت عطا فرمائی اور تونسہ میں قیام کی ہدایت کی ۶۰ سال تک بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ وہ تونسہ شریف میں تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت میں مصروف رہے۔

تونسہ میں قیام خانقاہ

تونسہ ڈیرہ غازی خان سے ۳۰ کوس کے فاصلہ پر ایک غیر معروف گاؤں تھا، پیر مرشد نے حکم دیا کہ اپنا وطن چھوڑ کر وہاں آباد ہو جاؤ۔ شاہ محمد سلیمان نے فوراً گڑگوجی کو الوداع کہا اور تونسہ پہنچ گئے وہاں بقول پیر حیدر علی شاہ صاحب جلالپوری آپ سرکنڈوں کی ایک جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے[7] جب اس علاقہ کا رئیس

---

[1] نافع السالکین ص ۶۹ [2] نافع السالکین ص ۴۴ [3] نافع السالکین ص ۵۰ [4] خاتم سلیمانی ص ۴۲-۴۱ [5] ۱۱۹۹ھ میں آپ بیعت ہوئے ۱۲۰۵ھ شاہ نور محمد صاحب کا وصال ہوا [6] نافع السالکین ص ۱۴۰-۱۴۱ [7] ملفوظات حضرت پیر صدر شاہ جلالپوری (ذکرِ حبیب) ص ۲۸۲-۹۳

Marfat.com

ف خاں حلقۂ مریدین میں شامل ہوا تو اس نے شاہ صاحبؒ کی اجازت سے ایک مکان بنوا دیا۔ جب آپ کی شہرت بڑھی اور لوگ ر دُور سے شرف بیعت کے لیے حاضر ہونے لگے تو نواب بہاول خاں والئ ریاست بہاولپور بھی سلسلۂ خدام میں داخل ہو گئے اور مسجد کے لیے چند ہزار روپے خدمتِ اقدس میں پیش کیے۔ حضرت نے وہ روپیہ حسب دستور لنگر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ بجا دہ مسکینوں اور درویشوں کو بانٹ دیا۔ نواب بہاولپور نے پھر روپے بھیجے وہ بھی ضرورتمندوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ آخرالامر اب صاحب نے حضرت خواجہ الہ بخشؒ کو روپے بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسجد تعمیر کرا دیں۔ صاحبزادہ صاحب نے جب بیابان بنیا گیا تو خواجہ صاحب کو معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا:

"واہ او بھیڑیا جے میرے کول گھل دوں تے کتیاں مسجداں تیار کرا دیندا" [۱]

اس طرح رفتہ رفتہ تونسہ با رونق اور پُر فضا مقام بن گیا اور دُور دُور سے لوگ وہاں آنے لگے۔ فاربس نے اپنے فیصلہ بس قیام تونسہ کے متعلق لکھا ہے۔

"خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ کے زمانہ میں، جو حالات تونسہ کے تھے، ان سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اور ان کے خلفا ہی نے اس کو آباد کیا تھا" [۲]

مدارس کا اجرا

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے تونسہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد سب سے پہلا کام اجرار مدارس کا کیا۔ ان کے مدارس کے متعلق تفصیلی معلومات کسی کتاب میں نہیں ملتے ۱۹۱۱ھ میں خواجہ حامد اور خواجہ محمود کے درمیان ایک مقدمہ ڈسٹرکٹ جج ملتان کی عدالت میں ہوا تھا۔ اس میں بعض پُرانے گواہوں کے بیانات اور عمارتوں کے معائنہ سے ان مدرسوں کے تفصیلی حالات معلوم ہوئے۔ جج نے اپنے فیصلہ میں ان مدارس کی تفصیل دی تھی۔ مناسب ہے کہ یہاں اس فیصلہ کے اہم اقتباسات درج کیے جائیں۔

"انہوں نے (یعنی خواجہ محمد سلیمانؒ نے اغراضِ مذہبی کے لیے مدارس جاری کیے تھے اور وہاں جو لوگ زیارت کرنے و مرید بننے کے لیے آتے، ان کو مذہبی تعلیم دیتے تھے اور ان کے لیے سہولتیں مہیا کرتے تھے۔ یہ تمام کاروائی زیرِ نگرانی شاہ محمد سلیمان صاحب ہوتی تھی۔ امداد کنندگان ان کے خلفار تھے۔ بڑے بڑے خلفار کے نام سے اب تک وہ مکانات جو مسجد کے ارد گرد ہیں موسوم ہیں۔ گو اصلی مکانات سب شہید ہو چکے

---

[۱] ملفوظات حضرت پیر حیدر شاہ جلالپوری (ذکر حبیب) ص ۲۸۲ - ۲۸۳ [۲] ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی منفصلہ ۲۷ اپریل فاربس صاحب بہادر ڈسٹرکٹ جج ملتان مقدمہ ۱۰۹ ۱۹۱۱ھ

Marfat.com

ہیں۔ احمد یہ بیان کرتا ہے کہ خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمین خالی تھی اور وہاں فقیروں کی جھنگیاں تھیں۔ کھڈی بنگلہ، محمد علی شاہ کا بنگلہ اور نیز اور بہت سے ناموں سے مکانات نامزد ہیں۔ مثلاً مدرسہ مولوی محمد عمر۔ مولوی احمد صاحب کا بنگلہ مدرسہ مولوی الٰہی بخش یہ تمام صاحب خواجہ سلیمان صاحب کے خلفاء تھے پھر ملاحظہ ہو بیان نور محمد کا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دادا یہاں آیا اور پندرہ سال خواجہ محمد سلیمان صاحب اور ۱۵ سال خواجہ اللہ بخش صاحب کی خدمت کرتا رہا۔ اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے اس کا ایک مدرسہ تھا۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ کے زمانہ میں پچاس اُستاد تھے۔ ان کے مکانات تھے اور بعض مکانات میں کئی اُستاد اکٹھے رہتے تھے خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا تھا"[1]

اس فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے تونسہ کو دارالعلوم بنا دیا تھا۔ ان کے دولت کدہ کے چاروں طرف متعدد مدرسے تھے۔ پچاس اُستاد وہاں رہتے تھے تعلیم و تربیت کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھا۔ علوم دینیہ کی ترقی و ترویج میں بے حد کوشش کی جا رہی تھی۔ مدرسوں کا اجرا شاہ صاحب کے مقصد کے حصول کا بہترین ذریعہ تھا۔ صرف اسی طرح سے اسلامی اشعار کی ترویج ممکن تھی۔ تونسہ جیسی بستی میں پچاس مدرسین کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تونسہ اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا اور دُور دُور سے شائقین علم وہاں جمع ہونے لگے تھے۔

درس و تدریس

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کو خود درس دینے کا بڑا شوق تھا۔ وہ اپنے خاص شاگردوں اور مریدوں کو سلوک و احسان کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں بعض جگہ ان کتابوں کا ذکر آگیا ہے۔ جن کو وہ اکثر پڑھایا کرتے تھے۔ ایک جگہ جامع ملفوظ لکھتا ہے۔

"حضرت قبلہ من قدس سرہٗ العزیز در اثنا تعلیم کتاب احیا ءالعلوم ایں عبارت را بر زبان در افشاں راندند"[2]

پھر ایک موقع پر لکھتا ہے:

"کاتب حروف بپیش شیخ خود قاری کتاب فتوحات کی بود"[3]

احیاءالعلوم اور فتوحات کے علاوہ شاہ صاحب نے اپنے کچھ مریدوں کو کنز اور کافیہ بھی پڑھایا تھا۔ چنانچہ حاجی چراغ دین نے کنز اور کافیہ ان ہی سے پڑھا تھا[4]

---

[1] ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی اپیل ایف فاربس صفحہ ۱۲-۱۱ [2] نافع السالکین ص ۱۶ [3] نافع السالکین ص ۱۶۳ [4] خاتم سلیمانی ص ۳۹-۲۴۵

Marfat.com

شاہ صاحبؒ کا علمی تبحر

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ قرآن حدیث اور فقہ پران کو پورا عبور تھا۔ ملفوظات میں جگہ جگہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی نقل کرتے ہیں۔ تصوّف کی اعلیٰ کتابوں کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ نوک زبان پر تھیں اور شیخ سہروردیؒ اور امام اکبرؒ کے بنیادی خیالات پر کافی غور وفکر کیا کرتے تھے۔

حدیث وفقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔ ایک مرتبہ قبلہ عالم کے عُرس میں تشریف فرما تھے۔ ایک عالم نے کچھ مسائل دریافت کیے۔ آپ نے برجستہ ان کا شافی وکافی جواب عنایت فرمایا۔ اس مجلس میں مولوی خدابخش صاحبؒ (خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ) بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنے برادر زادہ اور شاگرد مولوی عبدالغفار سے فوراً کہا کہ ان ارشادات کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ لو۔ چنانچہ وہ سوالات اور جوابات جمع کر لیے گئے۔ خاتم سلیمانی میں اس رسالہ کا کچھ حصّہ نقل کیا گیا ہے[1]۔ اس سے شاہ صاحبؒ کی دقّتِ نظر، وسعتِ معلومات اور تبحرّ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ فقہ حنفیہ پر خاص زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حدیث بغیر مجتہد کے نہیں سمجھی جاسکتی۔ فرماتے ہیں:۔

"فہم حدیث بغیر مجتہد کسی را نیست مارا عمل برقول مجتہد است موافق حدیث"[2]

وہ ائمہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ جامیؒ کے یہ اشعار وردِ زبان رہتے تھے ؎

آں اماما نے کہ کردند اجتہاد — رحمتِ حق برروانِ جملہ باد

بوحنیفہ بُد امام باصفا — آں سراجِ اُمتانِ مصطفیٰ[3]

عُسرت کی زندگی

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنا ابتدائی زمانہ بڑی عُسرت اور تنگی میں بسر کیا تھا۔ جب تونسہ میں وہ ایک طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے تو اُن کے خورد ونوش کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ایک شخص رحم کھا کر ان کو کھانا دینے لگا۔ اس میں بھی یہ مصیبت تھی کہ اس کے دروازہ پر ایک کُتّا رہتا تھا۔ خواجہ صاحب کھانا لینے جاتے تو اس انتظار میں کھڑے رہتے کہ کتّا ہٹے تو اندر جائیں۔ اگر کتّا وہیں رہتا تو دن بھر بھوکے رہتے[4]۔ جب خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے وہ تونسہ شریف پہنچے تو عسرت کا یہ عالم تھا کہ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں اپنا سر چھپاتے تھے۔ اور فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گڑگوجی میں ان کی کچھ زمین تھی۔ لیکن خواجہ نور محمد صاحب کے ارشاد کے بموجب اسے ویسے ہی چھوڑ آئے تھے[5]۔ کچھ عرصہ بعد فتوح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دُنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں آ گئی۔ لیکن استغنا کا وہی عالم رہا اور انہوں نے کبھی

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۱۳۹-۱۳۲ [2] نافع السالکین ص ۱۱۲ [3] نافع السالکین صفحہ ۱۶۹ [4] نافع السالکین ص ۶۹
[5] نافع السالکین ص ۱۰۵

Marfat.com

فارغ البالی کی زندگی بسر نہیں کی۔ جو کچھ ان کی خانقاہ میں پہنچتا تھا فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔ لکھا ہے

"حضرت قبلہ من قدس سرہٗ العزیز، سلطان التارکین بود، ہزاران نقود و اسپاں و
شتران و دیگر چیز ہا از امتعہ و اقمشہ کہ مریدان در نذر آوردندے ہماں لحظہ عطا
می نمودند، ہیچ چیز با خود نمی داشتند"[1]

ایک مرتبہ ایک شخص محمد واصل جس نے عرب عجم کی سیر کی تھی، حضرت کے اس عطا و کرم کی تعریف کرکے فرمانے لگے "میاں واصل میں تو وہی ہوں جو تونسہ میں کتے والے مکان سے کھانا لے کر کھاتا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے"[2]
شاہ صاحبؒ کی طبیعت میں قناعت اور توکل کا جذبہ بہ حد درجہ تھا۔ ہر قسم کی فتوح ان کے دروازے پر آتی تھی، لیکن وہ ایک ہاتھ سے لیتے تھے اور دوسرے سے تقسیم کر دیتے تھے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے۔ "ترک و تجرید میں حضرت شیخ اکبرؒ کا کوئی مثل نہ تھا بجز ایک لنگی کوئی چیز شیخ اکبر کے پاس نہ تھی خواہ سفر ہو یا حضر، گرمی ہو یا سردی، حجرۂ مبارک میں صرف ایک بوریا تھا، اسی پر نماز نوافل پڑھتے تھے۔ اور اسی کو سونے کے وقت تخت پر بچھا لیتے تھے۔ گرمیوں میں وہی لنگی سرہانے رکھ کر استراحت فرماتے تھے۔ جاڑوں میں اسی لنگی کو استراحت کے وقت جسم مبارک پر ڈال لیتے تھے"[3]
شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ صابر و شاکر و قانع نہیں[4]

لنگر حضرت شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا لنگر نہایت وسیع اور باقاعدہ تھا۔ کھانے کے علاوہ درویشوں اور طلبار کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں، لنگر کے اہتمام کے لیے ایک پورا محکمہ تھا۔ پیارا نامی بنیہ مودی مقرر کیا گیا تھا۔ میاں علی محمد ہوتانی لانگری تھے۔ مستوفی حساب برخوردار خاں چاکی تھے۔ نور خاں گرمانی، وکیل اور صلاح کار کا کام انجام دیتے تھے۔ منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسبی کو ملا تھا[5] یہ پورا محکمہ لنگر کا انتظام کرتا تھا۔
لنگر میں کھانے کے علاوہ، ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ حجام، لوہار، موچی، دھوبی، آب کش وغیرہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے اور وہاں موجود رہتے تھے اور بقول مصنف خاتم سلیمانی "درویشوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور احتیاج باقی نہ رہی تھی"[6] بیمار ہوتے تو دوائیں لنگر سے مفت ملتی تھیں۔ مودی کو حکم تھا کہ جو شخص نسخہ لائے بغیر پوچھے اس کو دوا دیدی جائے۔ ایک مرتبہ خدا بخش لانگری نے عرض کیا "غریب نواز اس مہینہ میں مودی نے پانچ سو روپیہ درویشوں کی دواؤں کے سلسلہ میں درج کیا ہے" آپ کو یہ سُنکر سخت غصہ آیا فرمایا اگر پانچ ہزار بھی دوا پر خرچ ہو تو مجھے اطلاع نہ کی جائے کیا درویشوں کی جان کے مقابلہ میں روپیہ کی کچھ حقیقت ہے؟[7]
لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل

---

[1] نافع السالکین ص ۱۷۵ [2] نافع السالکین ص ۱۲۹ [3] مناقب حافظیہ ص ۱۵-۱۴ [4] نافع السالکین ص ۹۵
[5] خاتم سلیمانی ص ۶۶ [6] خاتم سلیمانی ص ۶۷ [7] خاتم سلیمانی ص ۶۶

Marfat.com

اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ اور ان مدرسین کے لیے جو رات دن درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، ان کو اس کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا۔ اس لئے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ، سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا، لیکن ایک سفید لنگی اور ایک گوسفند بھی عطا ہوتا تھا[1]

خواجہ صاحبؒ کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء و مدرسین شامل تھے خواجہ صاحبؒ نے ان کو تمام ضروریاتِ زندگی سے بے فکر کر کے پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس و تدریس کے کام کے لائق بنا دیا تھا علماء کی ایک کثیر تعداد اس طرح دینی کام کے لئے تیار ہو جاتی تھی۔ آج ہم اس عظیم الشان لنگری نظام کے دُور رس اثرات اور نتائج پر معلومات کی کمی کی بناء پر تفصیلی بحث کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اس کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ویسے تو اس زمانہ میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر قائم تھے اور سینکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ میں پان پانسو فقیر رہتے تھے اور ان کے خورد و نوش کا انتظام ہوتا تھا[2] خواجہ محمد عاقلؒ کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا[3]۔ لیکن جو باقاعدگی اور جو مقصد شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ شاہ محمد سلیمانؒ کا یہ کل نظام ایک مقصد کے تحت تھا وہ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماء کو درس و تدریس اور مشائخ کو تبلیغ و اصلاح کے لئے تیار کرتے تھے۔ شائقین علم و فضل جگہ جگہ سے تونسہ میں آکر جمع ہوتے تھے اور شاہ صاحب ان کی صلاحیتوں کو کارآمد بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کی مقبولیت

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ نہایت ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ عقیدتمندوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ مکان کے شمال اور جنوبی دروازے کھول دیئے جاتے تھے۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے رہتے تھے[4]۔ جب شاہ صاحب تونسہ سے باہر جاتے تو اسٹیشنوں پر معتقدین کے ہجوم لگ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ بھٹنڈے کے اسٹیشن پر اس قدر خلقت جمع ہوگئی کہ گاڑی کو بہت دیر تک رُکنا پڑا[5]

شاہ صاحبؒ کی خانقاہ میں جگہ جگہ سے لوگ آتے تھے۔ قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیردار اُن کے آستانہ پر اپنی حاضری کو باعثِ فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ افغانستان سے شاہ شجاع ان کی خانقاہ میں عقیدت و ارادت کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔ جاگیرداروں اور والیانِ ریاست کا تو یہ معمول تھا کہ گدی پر بیٹھتے وقت ان ہی کے دستِ مبارک سے پگڑی بندھواتے تھے۔ اور ان کی دعاؤں کو اپنے لیے سعادت دارین تصور کرتے تھے۔ سرسید نے (جو اُن کے ہمعصر تھے) لکھا ہے کہ ان کی شہرت قاف سے قاف تک ہے[6]۔ دہلی سے جو اپنے انحطاط کے زمانہ میں بھی علم و فضل کا مرکز تھا، علماء اور صوفیاء فیض حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مولوی حیات علی دہلوی[7] اور صاحبزادہ نظام الدین پسر کالے صاحب[8] کو اپنی روحانی پیاس بجھانے کا سامان تونسہ ہی میں ملا تھا۔

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۶۶ [2] آثار الصنادید۔ سرسید احمد خاں [3] تکملہ سیر الاولیاء [4] خاتم سلیمانی ص ۱ [5] خاتم سلیمانی ص ۶۳ [6] [7] آثار الصنادید [8] خاتم سلیمانی ص ۱۴۸

Marfat.com

شاہ صاحبؒ کا نظامِ اوقات

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ اپنے اوقات اور معمولات کے بہت پابند تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد ایک پہر ذکر جہر میں مشغول رہتے تھے۔ ذکر سے فراغت کے بعد ہر شخص کو حاضری کی اجازت ہوتی تھی۔ جب اس سے فرصت ملتی تو رات کا کھانا نوش فرماتے، پھر عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد حجرہ میں چلے جاتے تھے۔ تہجد کے بعد ذکر جہر کرتے تھے۔ اس وقت ایک مخصوص محفلِ سماع[۱] ہوتی تھی۔ جس میں کسی شخص کو حاضری کی اجازت نہ ہوتی تھی میاں احمد قوال[۲] کچھ سُناتا تھا۔ نماز فجر سے قبل اپنے تخت پر آرام فرماتے تھے۔ جب اذان ہوتی مسجد میں تشریف لاتے نماز کے بعد پھر حجرہ میں چلے جاتے۔ ایک پہر دن گذرنے پر پھر عام مجلس شروع ہو جاتی۔ اس کے بعد کھانا کھاتے اور کسی قدر قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کرتے۔ پھر عصر تک کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے، عصر سے مغرب تک مسجد میں قیام فرماتے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ شیخ کے ان معمولات میں خواہ حضر ہو یا سفر فرق نہیں ہوتا تھا[۳]۔

تعلیمِ اخلاق

جب کسی قوم کا سیاسی زوال شروع ہوتا ہے تو اس کے افکار و اعمال، عادات و اطوار بھی انحطاط پذیر ہونے لگتے ہیں۔ یہ قومی زوال کی آخری منزل ہوتی ہے۔ اخلاقی زوال کے اثرات سیاسی زوال سے کہیں زیادہ مہلک ہوتے ہیں اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے تجدید و احیاء کی سب راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ شاہ محمد سلیمان نے جس وقت ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کیا تھا اس وقت مسلمانوں پر سیاسی ادبار کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس زوال کو سب دیکھ رہے تھے لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی حقیقت بیں نگاہیں سیاسی زوال کے پیچھے ایک خطرناک اخلاقی زوال کے اثرات کو بھی دیکھتی ہوں۔ ایسے لوگوں نے سلطنت کا ماتم کرنے میں اپنا وقت صرف نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلامی اخلاق و شعائر کی نگہبانی کی۔ شاہ محمد سلیمان صاحبؒ بھی ان ہی چند بزرگوں میں سے تھے جن کی کوششوں کا محور اخلاق و عادات کی درستی تھا۔

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحبؒ چاہتے تھے کہ مسلمان، رسولِ عربیؐ کے آئینہ میں اپنے اخلاق و عادات کو سنواریں، ان کا عقیدہ تھا کہ اچھے فضائل اور عادات صرف متابعت رسُول سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"خوب خصائل و حمیدہ افعال بغیر متابعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم حاصل نہ شود[۴]"

متابعت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

متابعت عبارت از دو چیز است	متابعت سے مراد دو چیزیں ہیں۔ جو کچھ
آنچہ خدا و رسُولِ خدا اوامر کردہ اند،	خُدا اور رسول خُدا نے حکم دیا ہے اُسے کرنا

---

[۱] نافع السالکین میں لکھا ہے "سماع را بعد از نماز تہجد بسیار عزیز داشتند" ص ۱۴۷ [۲] خاتم سلیمانی میں لکھا ہے "میاں احمد قوال صاحب کا خاص غلام تھا۔ بچپن سے لیکر آخیر عمر تک حضور پُر نور کی صحبت میں رہا" ص ۸۶ آپ کا ایک اور قوال پیر بخش تھا۔ نافع السالکین ص ۱۲۵
[۳] مناقب حافظیہ ص ۱۶ - ۱۵ [۴] نافع السالکین ص ۹۷

Marfat.com

باید کرد و آنچہ منع فرمودہ اند نباید کرد"[1]   اور جس چیز سے منع کیا ہے اُس سے بچنا چاہیے

شاہ صاحبؒ کی اخلاقی کوششوں کا مرکزی نکتہ یہ ہی تھا۔ انھوں نے ہمیشہ اسی جدوجہد میں وقت گذارا کہ عوام کے اعمال درست کئے جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں آدمی بہت ہیں لیکن آدمیت نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"آدمی کم موجود شوند کہ اکثر صورت آدمی دارند و خصال آدمی ندارند، آدمیت عبارت از خوب خصال و حمیدہ افعال است"[2]

فرمایا کرتے تھے کہ آدمی ہونا بہت مشکل ہے "آدمی شدن بسیار مشکل است"[3]، انتہا یہ تھی کہ کہا کرتے تھے کہ سلک السلوک[4] میں آدمی کی جو صفات لکھی ہیں۔ خود میرے اندر بھی نہیں ہیں[5]

ملفوظات میں جگہ جگہ بُری صحبت، غیبت، غرور، عیب جوئی، شراب خواری، عشق بازی اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت ہے۔ اور بار بار ادب، مہمان نوازی، نیکی عجز و انکسار اور ایمان داری کا درس دیا گیا ہے۔ نافع السالکین میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جہاں اصلاح اخلاق پر زور نہ دیا گیا ہو۔ ان سب اصلاحی مشوروں کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ بُری صحبت سے بچو۔ اس کے اثرات بہت خطرناک ہوتے ہیں اور جلدی اثر کرتے ہیں جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند   صحبتِ طالع ترا طالع کند[6]

صحبت کے اثرات بتانے کے سلسلہ میں وہ نہایت نصیحت آموز حکائتیں اور قصّے بیان کرتے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثیں نقل کرتے تھے۔ بار بار یہ شعر پڑھتے تھے ؎

نار خنداں باغ را خنداں کند   صحبتِ مرداں ترا مرداں کند

یک ساعت صحبتِ با اولیا   بہتر از صد سال طاعتِ بے ریا[7]

بُری صحبت کے اثرات بیان کرتے ہوئے، عوارف المعارف کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے وہ سوختہ ہو جاتا ہے۔ جب حیوان کے یہ اثرات ہیں تو انسان کے اثرات کا کیا کہنا[8]

۲۔ غرور و تکبّر سے بچو[9] کسی کو حقارت سے نہ دیکھو[10] عجز سے رہو۔ اپنے آپ کو سب سے بدتر اور کمتر سمجھو[11] فرماتے ہیں :۔

---

[1] قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا شاہ صاحبؒ کی یہ تلقین بالکل اسی آیت کا ترجمہ ہے
[2] نافع السالکین ص ۹۷-۱۰۹ [3] نافع السالکین ص ۱۶۱ [4] ضیا نخشبیؒ کی مشہور کتاب ہے [5] نافع السالکین ص ۱۶۱ [6] نافع السالکین ص ۷
[7] نافع السالکین ص ۷، [8] نافع السالکین ص ۵۲ [9] نافع السالکین ص ۲۵ [10] نافع السالکین ص ۲۵ [11] نافع السالکین ص ۱۶۶، ۱۶۸ ۔

Marfat.com

ہرکہ خود را از ہمہ کس کم داند او	مقبول و محبوب حق تعالٰے باشد[1]

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی سی انکساری پیدا کرنی چاہیے، ایک مرتبہ بارش کی کمی ہوئی نماز استسقاء کے باوجود جب بارانِ رحمت نازل نہیں ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ بُرے لوگوں کی شامتِ اعمال سے یہ ہوا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی نے جب یہ سُنا تو فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے کہ سب سے بُرا تو میں ہی ہوں[2]

شاہ صاحبؒ چاہتے تھے کہ ان کے مریدوں میں عجز و انکسار کا مادہ پیدا ہو اور وہ شفقت و مہربانی کے ساتھ خلقت سے پیش آئیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"سالک را باید کہ ہمہ خلق را چہ شریف و چہ خسیس بہ شفقت و رحمت ناظر باشد تا حق تعالٰے بروئے رحمت کند"[3]

غرور نخوت سے نہ صرف دینی کام میں رکاوٹ پڑتی ہے بلکہ خود انسان کے اندر روحانی ترقی کی صلاحیتیں مُردہ ہو جاتی ہیں۔

۳۔ حسد و کبر سے بچو۔ فرماتے ہیں :

"گل توحید نہ روید بہ زمینے کہ در د،	توحید کا پھول اس زمین میں نہیں اُگتا
خارِ شرک و حسد و کبر و ریا است"[4]	جہاں شرک، حسد اور ریا کے کانٹے موجود ہوں

۴۔ عیب جوئی سے بچو[5] فرماتے تھے کہ اپنے عیوب کی تلاش مقدم ہے۔

"سالک را باید کہ بہ سبب عیب بینی خویش از عیب خلق چشم بہ بندد کہ عین سعادت و رضامندی حق سبحانہ، دریں مندرج است، چنانچہ در حدیث وارد است، طوبٰی لمن شغل علیہ من عیوب الناس"[6]

۵۔ غیبت سے بچو۔ قرآن پاک کا حکم ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ

یاد رکھو ——

"غیبت از سرقہ بتر است زیرا کہ در سرقہ سارق چیزے دزدے می خورد و در غیبت ہیچ سود نیست بلکہ اعمال غیبت کنندہ خاکستر شود"[7]

---

[1] نافع السالکین ص ۱۱۰ [2] نافع السالکین ص ۱۱۰ [3] نافع السالکین ص ۲۲ [4] نافع السالکین ص ۱ [5] ۲۹ نافع السالکین ص ۲۹
[6] نافع السالکین ص ۴۲ [7] نافع السالکین ص ۸۴-۸۳۔

Marfat.com

پھر یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

آں کس کہ بسوئے غیبت افروختہ است ٭ اُو از تن مُردگاں غذا ساختہ است
وآنکس کہ بعیبِ خلق پرداختہ است ، ٭ ازاں ست کہ عیب خویش نشناختہ است[1]

وہ اپنی نصیحت کو پُرزور اور زود اثر بنانے کے لیے آیاتِ قرآنی، احادیث اور اشعار برمحل استعمال کرتے تھے جب اخلاقی درس دیتے ہیں تو اُن کے لہجے میں اصولی سختی اور تبلیغی نرمی کا نہایت ہی حیرت انگیز امتزاج ہوتا ہے۔ نصیحت کرنے کا جو موقع ملتا ہے، اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جس قسم کے لوگ آتے، جس قسم کا مسئلہ زیرِبحث ہوتا۔ وہ اخلاقی درس کو نہ بھولتے، وہ چاہتے تھے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاقی اصول کارفرما ہوں۔ کسی قسم کی گفتگو ہوتی وہ اس کا اخلاقی پہلو ضرور نمایاں کر دیتے تھے۔ ایک دن تجارت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی تو ارشاد فرمایا :

"اگر کسے سوداگری دانہ گندم کند بریں نیت	اگر کوئی اس نیت سے گیہوں کی تجارت کرے
کہ غلہ را بہ قیمت گراں خواہم فروخت ایں امر در	کہ اس کو گراں بیچوں گا تو یہ امر شریعت
شریعت ممنوع است بلکہ ہر کہ ایں نیت کند	میں ممنوع ہے بلکہ جو کوئی ایسی نیت کرتا
عاقبت الامر خوار شدہ بمیرد"[2]	ہے۔ اس کی عاقبت خراب ہوتی ہے۔

جانوروں کے پالنے کے متعلق گفتگو ہوتی ہے تو فوراً ہدایت فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص جانوروں کو پالتا ہے لیکن ان کی خبرگیری نہیں رکھتا اس سے قیامت کے دن پرستش کی جائے گی[3]

یہ معمولی معمولی باتیں ہیں لیکن اپنے اخلاقی درس کو وہ یہاں بھی نہیں بھولتے۔ مریدوں کے لیے اُن کی اخلاقی تعلیم کے مرکزی نکتے یہ تھے :

۱۔ عمل صالح۔

"سالک را باید کہ در اعمالِ صالحہ مداومت نماید"[4]

۲۔ نیکی۔

"کار ما بہ بداں ہم نیکی کردن است"[5]

۳۔ ادب۔

از خدا خواہم توفیق ادب ٭ بے ادب محروم ماند از فضل رب[6]

---

[1] نافع السالکین ص ۸۲-۸۴ [2] نافع السالکین ص ۱۵۸ [3] نافع السالکین ص ۱۰۰ [4] نافع السالکین ص ۶۲
[5] نافع السالکین ص ۱۱۹ [6] نافع السالکین ص ۱۱۴

Marfat.com

مریدوں کی اخلاقی درستی میں وہ ان ہی تین چیزوں پر زور دیتے تھے۔ ملفوظات میں متعدد جگہ ان ہی کو مختلف انداز سے بیان کرکے دل نشین کرایا گیا ہے۔

ارکانِ اسلام کا تحفظ

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کو ارکانِ اسلام کے تحفظ کا بڑا خیال تھا۔ جس وقت انہوں نے اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا تھا، اس وقت لوگوں میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا تھا۔ خود شکایت کرتے ہیں۔

"دریں زمانہ مردماں فسق و فجور می کنند"[1]　　اس زمانہ میں لوگ فسق و فجور کرتے ہیں

دین سے بے اعتنائی عام تھی۔ بدعت کے کاموں میں سینکڑوں جمع ہوجاتے تھے لیکن کارِ خیر میں حصّہ لینے کے لیے کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں:

"ہر جاکہ بدعت و بازی باشد خلق بسیار جمع شود، و ہر جا کہ کار نیک باشد خلق کم رود"[2]　　جہاں کہیں بدعت یا کھیل ہوتے ہیں بیشمار لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ جہاں نیک کام ہوتا ہے وہاں کم آتے ہیں۔

ایک شخص جس نے بڑی سیاحت کی تھی۔ شاہ صاحب سے عرض کیا۔

"من مُلکِ خراسان و ہندوستان را دیدہ ام کہ ہیچ جا دین داری نیست، مثلِ بخارا و دیگر در تونسہ مبارک کہ از سبب برکت آں صاحب بسیار دین داریست"[3]　　میں نے خراسان اور ہندوستان میں گشت کیا ہے کہیں ایسی دینداری نہیں ہے جیسے بخارا اور تونسہ میں، تونسہ میں آں صاحب کی وجہ سے بڑی دینداری ہے۔

تونسہ کی یہ حالت تو شاہ صاحب کی مسلسل کوشش اور تلقین پیہم کے بعد ہوئی تھی، ورنہ اور جگہ حالت یہ تھی کہ عوام ارکانِ اسلام سے نابلد تھے اور طرح طرح کے حیلے بہانے بناکر فرائض سے بچتے تھے۔ نماز اور روزہ لوگوں نے ترک کر دیا تھا۔ اسلام کے یہ ستون غفلت اور بے توجہی کے باعث کمزور ہوتے جارہے تھے۔ شاہ صاحب کو ارکانِ اسلام سے یہ غفلت دیکھکر حد درجہ رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ ملفوظات میں جگہ بجگہ عوام کی اس بے اعتنائی پر غم و غصّہ کا اظہار کیا گیا ہے[4]۔ ایسے زمانہ میں صرف نماز ہی جو لوگ پڑھ لیتے ہیں وہ بہت کافی عبادت کرلیتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کی کہ میں علاوہ پانچ وقت نماز کے کوئی کارِ خیر نہیں کرتا۔ ارشاد ہوا۔

"ہر کہ دریں زمانہ نماز پنج وقت باجماعت بخواند او ولی است کہ دریں زمانہ بے دینی تمام است"[5]　　جو شخص اس زمانہ میں پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھ لیتا ہے وہ ولی ہے کہ اس زمانہ میں بے دینی بہت ہے۔

---

[1] نافع السالکین ص ۱۷۰ [2] نافع السالکین ص ۱۱۲ [3] نافع السالکین ص ۱۷۰ [4] نافع السالکین ص ۱۶۶
[5] نافع السالکین ص ۱۶۸۔

Marfat.com

روزہ سے لوگ بچتے تھے[1] اور طرح طرح کے عذر پیش کرتے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ روزہ رکھنے سے خشکی ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے سلسل ان خیالات کے خلاف جہاد کیا اور بتایا کہ ایسا خیال کرنا گمراہی نفس پر مبنی ہے۔ فرماتے ہیں:

"دنیا داراں در ماہ رمضان شریف	دنیا دار رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھتے
روزہ ندارند وگویند کہ مارا خشکی می شود	بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں خشکی ہوتی ہے یہ بات
ایں سخن از گمراہی نفس وشیطان است[2]	نفس کی گمراہی اور شیطان کے غلبہ کی بنا پر ہے

صوفیہ کی اصلاح اس زمانہ کے صوفیہ مختلف قسم کی بداعتقادیوں کا شکار تھے۔ روحانی ترقی اس لئے چاہتے تھے کہ دنیاوی دشواریاں حل ہوسکیں اور—

مقصود من خستہ زکونین توئی
از بہر تو میرم زبرائے تو زیم

کی صدا اب کسی حجرہ سے سنائی نہ دیتی تھی[3] اعمال ووظائف میں حد سے زیادہ اعتقاد تھا۔ اور سارا وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے اس گمراہی کو محسوس کر لیا اور فرمایا:

"سالک را باید کہ در عملیات تضیع وقت	سالک کو چاہیئے کہ عملیات میں وقت کو ضائع
نہ کند کہ ایں رہزن ومانع راہ فقر است	نہ کرے ایسے مشغلے راہ فقر کے ڈاکو اور کاوٹیں
ومقصود اصلی یاد کردن حق است"[4]	ہیں۔ اصلی مقصود خدا کا یاد کرنا ہے۔

ان وظائف کی جگہ جن کا مقصد کسی دنیاوی مشکل کا حل کرنا ہوتا تھا، شاہ صاحبؒ نے ذکر جہر پر زور دیا۔ اور فرمایا۔

"ذکر جہر بہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ از ہمہ اوراد	ذکر جہر بہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ سب اوراد و وظائف
ووظائف بہتر است چنانچہ در حدیث	سے بہتر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا
شریف وارد است افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ"	ہے سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے

شاہ صاحبؒ کی کوشش تھی کہ صوفیہ میں اطاعتِ حق کا صحیح جذبہ اور دین کا غم پیدا ہو۔ وہ اس دینی طبقہ کو مادی الجھنوں میں پھنسا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بار بار ہدایت ہوتی ہے۔ کہ صوفیہ کو غم دین چاہیے۔ فرماتے ہیں۔

"سالک را باید کہ غم دین خورد کہ مقصود فوز دارین است"[5]	سالک کو چاہیے کہ غم دین کھائے کہ مقصود کامیابی دارین یہی ہے

غم دنیا مخور کہ بے ہودہ است
ہیچ کس در جہاں نیا سوداست

---

[1] نافع السالکین ص ۱۰۹، ۱۵۴، ۱۶۶ وغیرہ [2] نافع السالکین ص ۱۰۹ [3] حضرت بابا فرید گنج شکر اکثر اپنے حجرہ میں سربسجود خلوت میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے [4] نافع السالکین ص ۲۵ [5] نافع السالکین ص ۱۲۱

Marfat.com

غمِ دیں خور کہ غم غمِ دین است　　　ہمہ غم ہا فرو تراز یں است [1]

وہ صوفیہ کو دنیا داری سے دین داری کی طرف بلاتے تھے اوران کو بتاتے تھے کہ کل تم کیا تھے آج کیا ہو گئے ؟ تمہاری کوششوں اور عبادتوں کے مرکز کیوں تبدیل ہو گئے ۔ تم نے دین کے بجائے دُنیا سے کیوں دِل لگا لیا ۔ تم نے اپنے اعتقادات میں فساد پیدا کر لیا ۔ صیحح مذہبی جذبہ پیدا کرو کہ وہی سعادتِ دارین کا باعث ہو گا ۔

شاہ صاحب کی بالغ نظر ہر گمراہی روش کو دیکھ لیتی تھی اور وہ اس کے خطرناک اثرات سے فوراً آگاہ ہو جاتے تھے ۔ انہوں نے محسوس کیا کہ لوگ اپنے شیخ پر بے جا اعتقاد اور اس کی رُوحانی امداد پر بے جا اعتماد رکھتے ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے صاف طور سے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ تم اپنے پیر سے جس قدر امداد چاہتے ہو اور کائنات کے کاموں میں اس کا جس قدر دخل خیال کرتے ہو یہ باتیں اس کے احاطۂ اختیار سے باہر ہیں ۔ اللہ پر صیحح بھروسہ رکھو ، سوائے اس کے کسی سے التجا نہ کرو ، اسی سے عرض ، و اور اسی پر اعتماد رکھو ۔

" التجا و تکیہ بہ حضرت حق سبحانہ ، وتعالےٰ باید کرد نہ بغیر او " [2]

لوگوں کا اعتقاد تھا کہ " چونکہ ایں چنیں شیخ کامل و مکمّل می داریم ہر کار و عمل کہ می کنم مرا غم نیست [3] " شاہ صاحب نے ایسے غلط اعتقادات کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا کہ کارخانۂ قدرت میں کسی چیز کو دخل نہیں ۔ وہاں انسانی اعمال کے نتائج مرتب ہوتے ہیں [4] حق تعالےٰ کا ہر کام حکمت سے ہوتا ہے ۔ انسان کو اس سے واقفیت نہیں ۔

" ہمگی کارِ حق تعالےٰ بغیر حکمت نیست	اللہ تعالےٰ کا کوئی کام بغیر حکمت نہیں
کہ ہیچ کس نداند "	ہوتا لیکن وہ حکمت کسی کو معلوم نہیں ہوتی

ایک جگہ ان ہی گمراہیوں کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :

" سالک را باید کہ ہر فعل ایزد تعالےٰ	سالک کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کا ہر فعل
را عین حکمت پندارد اگرچہ برآں اطلاع	عین حکمت سمجھے ۔ اگرچہ اس حکمت سے واقف
نداشتہ باشد و بروے اعتراض نکند	نہ ہو ۔ اس پر اعتراض نہ کرے جس نے
و ہر کہ اعتراض کند فہو مردود فی الدارین	اعتراض کیا وہ دارین میں مردود ہو گیا ۔

عُلماء کو تنبیہ

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب قدس سرہٗ العزیز نے اسلامی سوسائٹی کے جس طبقہ کو بھی غلط راستے پر دیکھا اس کی طرف فوراً توجہ کی ۔ علماء کی بے راہ روی دیکھی تو وہ کانپ اُٹھے ، اور فرمایا ،

فساد العالِم فساد العالَم " [5]

---

[1] نافع السالکین ص ۳۰ [2] نافع السالکین ص ۴ ، [3] ایضاً ص ۵۸ [4] ایضاً ص ۴ ، [5] ایضاً ، ۲۰

وہ علماء کی گمراہی کو ساری قوم کی گمراہی کے مترادف سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ علماء کی گمراہی خود ان ہی تک محدود نہیں رہتی۔ عوام بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک عامی کی گمراہی خود اسی تک رہتی ہے۔ لیکن عالم کی بے راہ روی سے عوام بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔

"نہ در جنت تنہا می روند، و نہ در دوزخ بلکہ ہر دو طرف با جماعت کثیر روانہ می شوند"[۱]	وہ نہ تو جنت میں تنہا جاتے ہیں نہ دوزخ میں دونوں جگہ کثیر جماعت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

چنانچہ علماء کو ہدایت فرماتے ہیں:

"عالم را باید بر علم عمل کردن

والا کمثل الحمار یحمل اسفارا"[۲]

علم کا مقصد شاہ صاحب کی نظر میں یہ تھا۔

مقصود از علم عمل و ہدایت و محبت باری تعالےٰ حاصل کردن است"[۳]	علم سے مقصود عمل، ہدایت اور حق تعالےٰ کی محبت حاصل کرنا ہے

اگر یہ مقصد پورا نہ ہو تو سب علم گمراہی ہے اور اس کا حاصل کرنا عبث

شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے نصاب تعلیم کے خلاف بھی آواز بلند کی، فرمایا کہ علماء کو فقہ اور تفسیر پر زور دینا چاہیئے ان ہی کے مطالعہ سے مذہبی زندگی سنورتی ہے۔ فرماتے ہیں:

"علم فقہ و تفسیر ضروریہ است کہ دانستن فرض و واجب و سنت و مستحب و مکروہ موقوف بر علم فقہ است و باقی ہمہ علوم سر دردی است"[۴]	علم فقہ اور تفسیر لازمی ہیں، فرض واجب، سنت، مستحب اور مکروہ کا علم علم فقہ پر ہے۔ باقی سب علوم سر دردی ہیں۔

---

[۱] نافع السالکین ص ۲۰ [۲] نافع السالکین ص ۲۲ [۳] نافع السالکین ص ۱۲۲

"سلاصۃ اقبال[۳] کا خیال ہے "مسلمان کے لیے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان مکمل کرنے بولہب را حیدر کرار کُن۔ اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہیے کہ اگر اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسان کے لیے سراسر رحمت ہے

JQBAL -S EDUCATIONAL PHILOSOP P.119

[۴] نافع السالکین ص ۱۳۵

Marfat.com

ایک جگہ فرماتے ہیں :

علم بغیر عمل، و عمل بغیر عقیدہ صاف کہ اہلِ سنت و جماعت است فائدہ ندہد[1]	علم بغیر عمل اور عمل بغیر عقیدہ اہلِ سنت و جماعت کے فائدہ نہیں پہنچاتا۔

اگر ایسا نہیں ہے تو سب فضول ہے ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی   چوں عمل در تو نیست نادانی[2]

سماج

زوال و انحطاط کے زمانہ میں سینکڑوں سماجی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان کی ابتدا ء گھر کی چار دیواری سے ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ ساری قوم مجموعی حیثیت سے ان میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں سوسائٹی کی وہ حالت نہ رہی تھی جو مہذب اور تربیت یافتہ سوسائٹی کے افراد کی ہونی چاہیئے گھر کی چار دیواری مدنی زندگی کا گہوارہ ہے جب گھر میں اخلاقی خرابیاں رونما ہونے لگتی ہیں تو مدنی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم ہو جاتے ہیں۔ نافع السالکین میں ایسے متعدد واقعات درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کا ادب و احترام بالکل جاتا رہا تھا۔ ایک شخص نے آکر خدمتِ اقدس میں عرض کیا، حضرت میرے عیال و اطفال مجھے گالیاں دیتے ہیں اور میری خدمت نہیں کرتے" شاہ صاحب کو یہ سُنکر بے حد رنج ہوا، لیکن وہ انسانی نفسیات سے واقف تھے۔ اس شخص کو تو یہ کہہ کر تسلی دے دی :

"تکیہ حق بکار آید و تکیہ غیر بکار نیاید واگر کسے تکیہ بر عیال و اطفال کُند کہ مرا خدمت کنند، ہیچ فائدہ نمی دہد"[3]	اللہ پر اعتماد و بھروسہ تو کام آتا ہے ورنہ غیر پر بھروسہ کب کام آسکتا ہے اگر کوئی اپنے بال بچوں پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ میری خدمت کریں گے تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا

لیکن پھر ایک موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا :

از علامات قیامت است کہ پسر با پدر در جنگ و نزاع باشد[4]	قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ بیٹا باپ سے جھگڑا کرے گا

اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر   پسراں را ہمہ بدخواہ پدری بینم[5]

جب کوئی اخلاقی یا سماجی کمزوری شاہ صاحبؒ کے علم میں آجاتی تھی تو وہ اس کے دُور کرنے کی بے حد کوشش کرتے تھے چنانچہ جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو مختلف طریقوں سے والدین اور اولاد کے تعلقات میں شگفتگی، اطاعت اور معقولیت پیدا کرنے کی سعی فرمائی

---

[1] نافع السالکین ص ۵ [2] نافع السالکین ص ۸۵ [3] نافع السالکین ص ۱۱۲ [4] نافع السالکین ص ۱۱۲ [5] نافع السالکین ص ۱۱۷

Marfat.com

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :

"خدمت و فرمانبرداری والدین از دل وجان باید کرد کہ در حدیث آمدہ کہ والدین مثل مثل کعبۃ اللہ اند اگر کسے والدین را رد کند ہرگز مقبول نہ شود ہ[1]	والدین کی خدمت اور فرمانبرداری دل اور جان سے کرنی چاہیے، حدیث میں آیا ہے کہ والدین کعبۃ اللہ کی مانند ہیں جو والدین کو رد کرتا ہے وہ خود کبھی مقبول نہیں ہوگا :

اس طرح ڈرانے کے بعد ایک جگہ نہایت خوشی کے ساتھ فرماتے ہیں

اگر پسر باپدر خوشدل شدہ تکلم نماید، آنرا مبارکبادی نمایند"[2]

شاہ صاحبؒ نے سوسائٹی کی اور بہت سی خرابیوں کی مذمت کی ہے ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ، پہلے زمانہ میں قاضی صاحبِ نسبت ہوتے تھے ۔ اب رشوت خور ہوتے ہیں[3] ۔ رشوت خوری کی مذمت اس طرح کرتے ہیں :

"ہر کہ حرام خورد، رزق او تنگ شود، عاجز باشد چنانچہ دزداں ہمیشہ خوار باشند"[4]	جو کوئی حرام کھاتا ہے، اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور وہ عاجز ہو جاتا ہے چنانچہ چور ہمیشہ خوار ہوتے ہیں ۔

اہلِ کاروں کی مذمت ایک سلسلہ میں اس طرح کرتے ہیں :

"ہر اہلِ کار دریں زماں کہ می آید از سابق بدتر باشد"[5]	اس زمانہ میں ہر اہل کار جو آتا ہے پہلے سے بدتر ہوتا ہے ۔

ایک جگہ شراب خواری کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ کسی کے نفس پر شیطان کو غالب کرتا ہے تو وہ شراب خواری وغیرہ کا ارتکاب کرنے لگتا ہے[6] ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ عشق بازی سے بچنا چاہیے ۔

"عشق ورزیدن باکودکان و زنان بلائیست ازیں دور باید بود"[7]	عورتوں اور لڑکوں سے عشق کرنا ایک بلا ہے اس سے دُور رہنا چاہیئے ۔

اتباعِ شریعت کی تلقین شاہ محمد سلیمان صاحبؒ شریعت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے ۔ فرمایا کرتے تھے ۔

"ہر کہ خواہد مقبول و محبوب حق سبحانہٗ	جو شخص چاہتا ہے کہ حق تعالےٰ کا محبوب بن جائے

---

[1] نافع السالکین ص ۱۵۲ [2] نافع السالکین ص ۶۰ [3] نافع السالکین ص ۱۰۴ [4] نافع السالکین ص ۱۰۴

[5] نافع السالکین ص ۶۱ [6] نافع السالکین ص ۱۶۵ [7] نافع السالکین ص ۴۵

Marfat.com

تعالیٰ گردد باید کہ در متابعت شریعت ظاہراً و باطناً کوشش نماید چنانچہ نص دریں باب وارد است۔ اِن کُنتُم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ[۱]	اسے چاہیے کہ ظاہر اور باطن میں شریعت کی متابعت کرے۔ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللہَ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللہُ

بار بار ارشاد ہوتا ہے:

"از امر غیر مشروع دُور باشید"[۲]	غیر شرعی چیزوں سے دُور رہو۔

ان کو سوائے قرآن و حدیث کے کوئی گفتگو پسند نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے:

"بغیر ذکر خدا و رسول ہمہ سر دردی است"[۳]

شاہ صاحب کا خیال تھا کہ انسانیت کا کمال بغیر متابعتِ دشوار ہے۔

"وحصولِ کمال انسانی بغیر متابعت شریعت ظاہری و باطنی از قبیل محالات است"[۴]

فرمایا کرتے تھے کہ صفائی قلب جو روحانی ترقی کے لیے ازبس ضروری ہے، بغیر اتباع شریعت کے حاصل نہیں ہوتی[۵] اگر کوئی ولی بھی خلافِ شرع عمل کرتا ہے تو اس کی ولایت اور روحانیت کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔

"یک فعل غیر مشروع بندہ را از مرتبۂ ولایت بیفگند"[۶]	ایک غیر شرعی فعل بندے کو مرتبۂ ولایت سے نیچے پھینک دیتا ہے۔

شاہ صاحبؒ تصوّر و سلوک کی مستند کتابوں کے حوالے دے کر یہ ثابت کرتے تھے کہ صراطِ مستقیم سے مقصود راہِ شریعت ہے حضرت ابنِ عربیؒ نے فتوحاتِ مکیہ میں اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں یہ ہی بتایا ہے کہ شریعت کی مدد کے بغیر روحانیت کی دُشوار گزار راہیں طے نہیں کی جاسکتیں[۷]

شاہ صاحبؒ جب لوگوں کو شریعت سے بے اعتنائی برتتے ہوئے پاتے تھے تو ان کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ اگر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالفرض اس وقت موجود ہوتے تو اس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے۔ اس لیے کہ انھوں نے شریعت کا اتباع چھوڑ دیا ہے۔ اور مخلوق ان کو دیوانہ کہتی اس لیے کہ ان کے افعال و اخلاق شریعت کے مطابق ہوتے[۸]

متابعت رسُول کی ہدایت

شاہ صاحبؒ متابعت رسولِ صلی اللہ علیہ وسلّم پر بے حد زور دیتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے تمام مصائب اور مشکلات کا سبب اتباعِ رسولؐ نہ کرنے میں پاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں

---

[۱] نافع السالکین ص ۴۵ [۲] نافع السالکین ص ۱۵۵ [۳] نافع السالکین ص ۱۰۹ [۴] نافع السالکین ص ۴۹ نیز ص ۱۲۸
[۵] نافع السالکین ص ۱۲۸ [۶] نافع السالکین ص ۱۲۸ [۷] نافع السالکین ص ۱۲۸ [۸] نافع السالکین ص ۱۹

Marfat.com

کے ہاتھ سے حکومت بھی اس لیئے نکلی ہے کہ انہوں نے متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے ۔فرماتے ہیں:

"دریں زماں چوں مسلمانان متابعت نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم گذاشتہ اند حق سبحانہ وتعالےٰ کفّار را برایشاں مسلط کردہ است"[1]

وہ اکثر ایک قصہ سُنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ جب سکھوں نے ملتان کا محاصرہ کیا تو ایک بزرگ حضور رسول مقبول صلعم کی خدمت میں امداد کے طالب ہوئے خواب میں رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا:

"امتِ من متابعتِ من گذاشتہ اند"[2]

فرمایا کرتے تھے کہ دین اور دُنیا دونوں میں کامیابی کا انحصار رسول اللہ کے اتباع پر ہے[3]، بے متابعت حصولِ مقصد ناممکن ہے[4]۔ حکومت بھی اسی وقت مِل سکتی ہے ۔جب زندگی کے ہر شعبہ میں اس "اکمل ترین انسان" کا اتباع ہو اور رُوح کی کمالیت بھی اس وقت ممکن ہے ۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر گامزن ہو[6]۔ سلوک و معرفت کی راہیں بغیر اتباع رسول کے طے نہیں کی جاسکتیں۔

دریں رہ بجز مردِ راعی نرفت ۔۔۔ گم آں شد کہ دنبال داعی نرفت ،

محال است سعدی کی راہِ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ[۸]

مذہبی و رُوحانی تعلیم شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں میں صحیح مذہبی جذبات پیدا کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو صحیح راستہ پر لگانے کے لیے بے چین رہتے تھے ۔ان کی نظر میں پیر کا کام، مشاطہ کی طرح ، اپنے مُرید کے رُوحانی خط و خال سنوارنا تھا۔جس وقت حضرت خواجہ مہاروی ؒ نے اُن کو خلیفہ بنانا چاہا تھا تو انہوں نے یہ عذر کیا تھا۔قبلہ! زمانہ کی حالت دگرگوں ہے ۔لوگ بہت گمراہ ہو گئے ہیں۔یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔مجھ میں استطاعت نہیں کہ اس کام کی ذمہ داری قبول کروں[۹]۔ لیکن جب پیر و مرشد نے اصرار کیا تو انہوں نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی ۔اور ساٹھ سال اسی ذمہ داری کو اس طرح پُورا کیا کہ ان کی دُور رس نگاہ زندگی کے ہر شعبہ تک پہنچی اور ان کے اصلاحی ہاتھ کا اثر دُور دُور محسوس کیا گیا۔ ان کے آخری زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ ملفوظات میں مندرج ہے ۔ایک عورت نے سوال کیا "غریب نواز لکھو کھا آدمی، کیا مرد کیا عورتیں، آپ کے دست پر بیعت ہوتی ہیں اور یہ حال ہے کہ آپ کسی کو زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیتے اور دن ہو کیا رات بیعت کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک کا بھروسہ ہے کہ قیامت کے دِن آپ کام آئیں گے اور امداد کریں گے۔مگر حیرانی ہے کہ کروڑوں مخلوق میں سے آپ اپنے مرید کس طرح پہچان سکیں گے" جواب میں ارشاد فرمایا "رات کا وقت ہوتا ہے اور چھ سات چرواہے اپنی اپنی بھیڑیں ملا دیتے ہیں، اور پھر جب چاہتے ہیں

---

[1] نافع السالکین ص ۵ [2] نافع السالکین ص ۴۰ - ۱۰۶ - ۱۵۸ [3] کمال روح موقوف است بر متابعت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم" نافع السالکین ص ۱۲۸ [4] ایضاً [5] نافع السالکین ص ۱۵ [6] خاتم سلیمانی ص ۹۸

Marfat.com

ہر ایک اپنے ریوڑ کو جُدا کر لیتا ہے۔ حالانکہ سب بھیڑیں ہم رنگ ہوتی ہیں اور حالانکہ سب چرواہوں کو احمق اور بے وقوف کہا کرتے ہیں تو کیا میں اپنے مریدوں کو شناخت نہ کر سکوں گا[1]

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کی مذہبی و روحانی تعلیم کے ..... بعض اہم پہلو یہ ہیں:

عبادت شاہ صاحبؒ اپنے مُریدوں اور معتقدوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ انسان کی زندگی کا مقصد خدا کی عبادت ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیت اکثر پڑھتے تھے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ[2] کبھی یہ شعر پڑھتے تھے ؎

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی[3]

شاہ صاحبؒ کی حیثیت ایک روحانی طبیب کی سی تھی۔ وہ ہر شخص کو اس کی طاقت، استعداد، اور صلاحیت کے مطابق عبادت کا حکم دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ریاضت بقدر استطاعت کرنی چاہیے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شروع میں انتہا سے زیادہ ریاضت کر لی جاتی ہے بعد کو ناتوانی اور ضعف کے باعث فرائض کی ادائگی میں بھی کوتاہی ہونے لگتی ہے[4]

اللہ پر صحیح اعتقاد و اعتماد شاہ صاحبؒ اپنے مُریدوں کو اللہ پر صحیح اعتماد اور کامل بھروسہ کا درس دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی تعلیمات إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ التجا و تکیہ بہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالےٰ باید کرد نہ بغیر او[5]

۲۔ سالک را باید کہ سوائے جناب حق عزوجل تکیہ گاہ خود نہ بیند"[6]

غیر اللہ پر تکیہ کرنا حادث ہے[7] حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے خدا پر بھروسہ کیا اور آگ گلزار بن گئی[8] حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ پر بھروسہ کیا اور زنداں میں رہے[9]

حبِّ دُنیا سے پرہیز:۔ شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ دُنیا کی محبت[10] اور دُنیا داروں کی صحبت[11] سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد گوشہ نشینی یا رہبانیت نہ تھی۔ خود اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

" سالک از چند چیز در دُنیا چارہ نیست سالک کو دُنیا کی چند چیزوں کے بغیر
و آں را صوفیۂ کرام از دُنیا نمی شمارند چارہ نہیں اور ان کو صوفیۂ کرام دُنیا میں شمار

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۷۷، [2] نافع السالکین ص ۱۴، [3] نافع السالکین ص ۱۴، [4] نافع السالکین ص ۱۴، [5] نافع السالکین ص ۱۰۵، [6] نافع السالکین ص ۱۴،
[7] نافع السالکین ص ۵۹ [8] نافع السالکین ص ۵، [9] نافع السالکین ص ۱۱۹ [10] نافع السالکین ص ۱۲۹ [11] نافع السالکین ص ۱۱۱
[12] نافع السالکین ص ۲۸۔

Marfat.com

بلکہ از امورِ دینیہ انگارند۔ چنانچہ قوتِ ضروری برائے عبادت وجامۂ ضروری بنا بر سترِ عورت، و آب ضروری بہ جہتِ بقار حیات ومسکن ضروری برائے عبادت وعلم ضروری برائے عمل[1]	نہیں کرتے بلکہ ان کو امورِ دینیہ میں گنتے ہیں۔ چنانچہ غذا جو عبادت کے لیے ضروری ہو، اور کپڑا جو ستر کے چھپانے کیلئے درکار ہو اور پانی جو بقارِ حیات کیلئے ہو اور مسکن ضروری برائے عبادت اور علم برائے عمل وہ چیزیں ہیں جو دُنیا میں شمار نہیں۔

حکومت کے متعلق شاہ صاحبؒ کا نظریہ

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے جب مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اسباب کا تجربہ کیا تو ان کو مسلمانوں کے سب آلام ومصائب کا صرف ایک سبب نظر آیا اور وہ مذہب سے بے گانگی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ظالموں کے ظلم سے تنگ آ گئے ہیں۔ جواب میں فرمانے لگے

"اگر کسے بدی کند برخود کردہ باشد"[2]

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ظالم حکمران کا مسلط ہونا لوگوں کی بداعمالی کی دلیل ہے"۔ اعمالکم عمالکم" پر ان کا اعتقاد تھا[3] اور اپنی مجلسوں میں اسی پر اصرار کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ جب خدائے تعالےٰ کسی مُلک کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو ظالم حاکموں کے قبضہ میں دے دیتا ہے۔ یہ شعر ان کے وردِ زبان رہتے تھے ؎

چو خواھد کہ ویراں کند عالمے — نہد مُلک در پنجۂ ظالمے
بقومے کہ نیکی پسند وخدائے — دہد خسروِ عادل ونیک رائے[4]

جب لاہور پر سکھوں کا قبضہ ہُوا تو شاہ صاحبؒ نے کہا:

ان اللہ یتجلی علےٰ استعداد متجلی لہٗ
یعنی کار ما مسلماناں در ناشائستگی از حد گذشتہ کہ ایشاں در مُلک غلبہ کردہ اند[5]

پھر یہ شعر پڑھا ؎

چشمِ عبرت برکشا وقدرتِ حق را ببیں — شامتِ اعمال ما ایں صورتِ نادر گرفت

وہ حاکم کو بُرا کہنے اور غیر ضروری طور پر بدامنی اور ہنگامہ آرائی کے بجائے درستیٔ اعمال کا مشورہ دیتے تھے کہ اسی میں نفع وکامرانی

---

[1] نافع السالکین ص ۱۵ ۳۱[2] نافع السالکین ص ۱۴۶-۱۴۵ [3] ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز رح [4] نافع السالکین ص ،
[5] نافع السالکین ص ، [6] نافع السالکین ص ۴۴ ۔

کا راز تھا۔ فرماتے ہیں

" سالک را باید کہ در حق حاکم وقت دُعائے بد نہ کند، خواہ مسلمان باشند خواہ مشرک خواہ ظالم باشد، خواہ عادل، بلکہ برائے او دُعا کند تا در حکم آں سستی نباشد زیرا کہ در سستی حکم نقصان خلق اللہ است و در قوّتِ آں عین مصلحت [1]

سالک کو چاہیے کہ حاکم وقت کے حق میں بد دُعا نہ کرے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا مشرک ظالم ہو یا عادل۔ اس کے لیے دُعا کرے تاکہ اس کے حکم میں سستی نہ ہو۔ اس لیے کہ سستی میں خلق اللہ کا نقصان ہوتا ہے اور قوّت میں عین مصلحت ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دُعا فرمائیے کہ مسلمان کی حکومت ہو۔ ہم کفّار کی حکومت سے تنگ آ گئے ہیں۔ جواب دیا

"حاکم حق تعالےٰ است
اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ" [2]

شاہ صاحبؒ کی مستقل رائے یہ تھی کہ حکومت سے پہلے درستیٔ اعمال ازبس ضروری ہے فرماتے ہیں :-

" ہر بلا و مصیبت کہ بر مرداں منزل شود از جہت صدورِ اعمال ناشائستہ باشد۔ چنانچہ در حدیث شریف وارد است اعمالکم عمالکم یعنی کردار ہائے شما حاکمان شما اند۔ اگر اعمال شما نیک باشند پس حاکم شما اہل اسلام و عادل باشند و اگر بالعکس باشند پس حاکم شما نیز کافر و جابر باشند"

ہر بلا اور مصیبت جو انسانوں پر نازل ہوتی ہے ان کے اعمالِ ناشائستہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے اعمالکم عمالکم۔ یعنی تمہارے کردار تمہارے حاکم ہیں۔ اگر تمہارے اعمال نیک ہوں گے تو تمہارے حاکم بھی اہلِ اسلام میں سے اور عادل ہوں گے اگر اس کے برعکس ہونگے تو حاکم بھی کافر اور جابر ہوں گے۔

غیر مُسلموں سے تعلقات

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ نہایت وسیع المشرب، وسیع الخیال اور وسیع النظر بزرگ تھے، چشتیہ سلسلہ کے دیگر اکابر کی طرح ان کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ ہندوؤں سے شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ وہ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مذہب، اپنے تمدّن، اپنی شریعت پر قائم رہو۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ

---

[1] [2] [3] نافع السالکین ص ۲۳۔ ۳۲۔ ۴۰

Marfat.com

ہو دوسرے مذہب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اپنے تعلقات میں کبھی بدمزگی پیدا نہ ہونے دو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں

" سالک را باید کہ ہیچ کس رنج نہ دہد	سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے
بلکہ بہ ہمہ مخلوق صلح کند، [1]	بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے۔

شاہ صاحبؒ ہمیشہ محبت امن اور صلح کا درس دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں کی ہدایت ہے کہ ہندؤں اور مسلمانوں میں صلح رکھی جائے۔ جامع ملفوظات نے لکھا ہے۔

" حضرت قبلۂ من قدس سرہٗ فرمودند	حضرت قبلۂ من قدس سرہٗ نے فرمایا کہ
کہ در طریق ماہست کہ با مسلمان وہنود	ہمارے طریقہ میں ہے، ہندو اور مسلمان
صلح باید داشت واین بیت شاہد	سے صلح رکھی جائے اور اس بیت کو شہادت
آوردند ؎	کے طور پر پیش کرتے تھے

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رامؔ "

یہ واضح رہے کہ شاہ صاحبؒ کا یہ برتاؤ اور یہ سلوک صرف غیر مسلموں کے ساتھ تھا۔ بدمذہبوں کے معاملہ میں وہ نہایت سخت گیر تھے۔ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ہمیشہ بدمذہبوں سے بچنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

" سالک را باید کہ از صحبت بدمذہبان	سالک کو چاہیے کہ بدمذہبوں کی صحبت
خود را دور دارد، اگرچہ درصحبت ایشاں	سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ چاہے ان کی
نعیم دنیاوی موجود شوند، ہرگز اختیار	صحبت میں دنیاوی فوائد ہی موجود ہوں
نکند، بلکہ بہ گرسنگی و برہنگی گذران	ہرگز ان سے میل جول نہ رکھے۔ بلکہ بھوکا
بہتر است"، [2]	اور ننگا رہنا ان کی صحبت سے بہتر ہے

وہ بدمذہبوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کو بھی پسند نہ کرتے تھے کہ حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ نے اپنے بیٹے کو ایک ایسی کتاب بھی نہ پڑھنے دی تھی۔ جس کا مصنف ایک معتزلی تھا [3]

عیسائی اور شاہ صاحب

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کے زمانہ میں برطانوی اقتدار نہایت سرعت کے ساتھ قائم ہو رہا تھا۔ مختلف مقامات پر عیسائی مبلغ اپنے مذہب کی تبلیغ و تلقین کرتے پھر رہے تھے۔ بعض لوگوں کو وہ ملازمتوں کا لالچ دیتے تھے۔ بعض کو خاموش تبلیغ کے ذریعہ اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے۔ ایک طرف یہ کوششیں جاری تھیں کہ دوسری

---

[1] نافع السالکین ص ۵۵ [2] نافع السالکین ص ۱۷۶ [3] نافع السالکین ص ۱۶ [4] نافع السالکین ص ۱۶۲ [5] ایضاً

Marfat.com

بلوف لارڈ میکالے نے اس طریقۂ تعلیم کا سنگِ بنیاد رکھا تھا جس کے ذریعہ مغربی اثرات کا پھیلنا یقینی امر تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس جب عیسائی مشنریوں کے ہنگاموں کی خبریں پہنچتی تھیں تو ان کو سخت تکلیف ہوتی تھی اور وہ اپنی بساط اور اپنے مقدور کے مطابق مسلمانوں کو ان مغربی اثرات سے بچانے کی جدوجہد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی محمد حیات صاحبؒ[1] دہلوی نے عرض کیا تھا کہ:

"بسیار مسلماناں را فرنگیاں از دین،	بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں نے دین
محمدیؐ گردانیدہ از ایمان خارج کردہ اند	محمدی سے گمراہ کر دیا ہے اور ایمان سے
کہ ایشاں دین مسیحا از جہت صحبت	خارج کر دیا ہے۔ اور انہوں نے دین مسیحی
اختیار کردہ اند"[2]	صحبت کی وجہ سے اختیار کر لیا ہے۔

شاہ صاحبؒ کو یہ خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا اور فرمایا کہ ایسی نوکری سے جس میں ایمان کا خطرہ ہو بھوکا مرجانا بہتر ہے جب ملتان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور شاہ صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے وہاں کے مقابر کی بے حرمتی کی ہے تو سخت پریشانی میں یہ شعر پڑھا[3]

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنۂ پاکاں برد[4]

ایک مرتبہ ایک شخص سے فرمانے لگے:

"فرنگیاں را تیر نمی زنی"[5]

اس نے عرض کی "قدرت نہیں رکھتا"، "آپ مدد فرمائیے" آپ نے شعر پڑھا اور خاموش ہو گئے ؎

کماں نرم باید کماندار چست   بوقتِ کشیدن در آید درست[6]

سرکاری ملازمت اور شاہ صاحبؒ

متقدمین صوفیہ، سلسلۂ چشت اپنے خلفا اور مریدین کو "شغل"[7] سے اجتناب کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سرکاری ملازم ہونے کے بعد انسان میں دینی کام انجام دینے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ شغل کو روحانی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ ایک شخص نے اطلاع دی مولوی علی الدین بہاولپوری احمد پور کے قاضی ہو گئے ہیں۔ فرمانے لگے۔

"مولوی مذکور پیش ازیں خوش بود اکنوں،	مولوی مذکور اس سے پہلے خوش تھے، اب
در بلا افتاد کہ معاملۂ قضا اختیار کردہ	بلا میں گرفتار ہو گئے کہ قضا کا جھگڑا اپنے

---

[1] مولوی محمد حیات صاحب دہلویؒ بڑے جید عالم تھے وہ دہلی سے شاہ صاحب کی صحبت کا فیض حاصل کرنے کے لیے تونسہ شریف گئے تھے ان کے مختصر حال کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون ۱۸۵۷ء سے پہلے کی دہلی (برہان، جولائی ۱۹۴۹ء) [2] نافع السالکین ص ۱۶ [3] نافع السالکین ص ۱۶۷ [4] نافع السالکین ص ۱۶۷ [5] نافع السالکین ص ۵ [6] شغل سے مراد سرکاری ملازمت تھی۔

Marfat.com

"کہ معاملہ قضا نزد پیرانِ ما ممنوع است کہ بسیار مریداں را ازیں معاملہ منع کردہ اند"[1]

ذمہ لے لیا۔ قضا کا معاملہ ہمارے پیروں کے نزدیک ممنوع ہے اور انہوں نے بہت سے مریدوں کو اس سے منع کیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا واقعہ سنایا کہ ابتدائی زمانہ میں انہوں نے قاضی ہونا چاہا تھا لیکن شیخ نجیب الدین متوکل رح نے منع کر دیا تھا[2]

ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید مولوی علی محمد جراح نے عرض کیا کہ غریب نواز مجھے ڈیرہ غازی خاں کی قضا مل رہی ہے لیکن میں بہت ڈرتا ہوں۔" فرمایا مُرِیدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ اور خاموش ہو گئے[3]

شاہ صاحب رح اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی نوکری کرنی چاہیئے[4] سرکاری معاملہ سے دُور رہنا بہتر ہے۔ اس میں پڑکر فرشتہ بھی شیطان ہو جاتا ہے۔

"اگر فرشتہ باشد چوں در معاملۂ سرکار افتد دیو شود"[5]

ملفوظات میں متعدد جگہ انہوں نے اپنے اعلیٰ مریدوں کو سرکاری ملازمت سے منع کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک جگہ تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

"نوکری و ملازمت نمودن بہ اہلِ دُنیا بد است و داخل شدن در معاملۂ اہلِ دنیا ازاں بدتر کیکہ حاکم شود از جانب اہلِ دنیا بر مخلوقات چوں بر مخلوقات حکم کُند و پاسِ خاطر اہلِ دُنیا نماید و رعایت امر اللہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم فراموش کردہ بر خلق اللہ ظلم و تعدی کُند و مال خلق اللہ را بہ ظلم و جبر بگیرد"[6]

اُمرائے سے بے تعلقی

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب رح قدس سرہٗ اُمراء اور دنیادار لوگوں سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔ ایسے لوگوں کے پاس آنا جانا رُوحانی ترقی میں ایک رکاوٹ تصوّر فرماتے تھے۔ مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ ایسے لوگوں سے بچا جائے۔ ان کی صحبت سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

۱۔ "سالک را باید کہ از صحبتِ اہلِ دُنیا دُور باشد"[7]

۲۔ "قربِ ایشاں ہلاکت جان است، قربِ سلطان آتش سوزاں بود"[8]

۳۔ صحبت الاغنیاء تموت القلب ولو کانت ساعۃ"[9]

---

[1] نافع السالکین ص ۵ [2] نافع السالکین ص ۱۰۳ [3] نافع السالکین ص ۸۳ [4] نافع السالکین ص ۸۳ [5] نافع السالکین ص ۸۴
[6] نافع السالکین ص ۸۳ [7] نافع السالکین ص ۲۸ [8] نافع السالکین ص ۱۰۶ [9] نافع السالکین ص ۲۹۔

Marfat.com

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ دُنیا "سفید چشم" اور "بے وفا" ہوتے ہیں[1]۔ جب اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پیر و فقیر کی تلاش میں پھرتے ہیں اور آہ و زاری کرتے ہیں لیکن ویسے بلا مطلب وہ کبھی فقراء کی طرف متوجہ نہیں ہوتے[2]۔

اُمراء سے علیٰحدہ رہنے کے سلسلہ میں وہ ایک بہت دلچسپ حکایت سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ سعدیؒ حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ سے مُلاقات کے لیے گئے۔ شیخ عطار نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا۔

"تو با توانگراں دوستی داری با تو ملاقات نکنم"

تو امیروں سے دوستی رکھتا ہے میں تجھ سے نہیں ملتا۔

شیخ سعدیؒ کو سخت صدمہ ہوا۔ ۶ ماہ تک وہاں رہے۔ پھر حضرت شیخ فریدالدین عطار نے ان کو بُلایا اور "آستین خود دراز کرد تا حضرت سعدیؒ برآں بوسہ داد و رفت"[3]

شاہ صاحبؒ نے جاگیر کے معاملہ میں بھی اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کیا۔ ایک مرتبہ عبدالجبار خاں نواب ڈیرہ غازیخاں نے درویشوں کے خرچ کے لیے جاگیر پیش کی جواب میں فرمایا۔

"ما ایں جاگیر نہ گیریم کہ خلافِ سنت پیران و شیخان ما ہرگز نہ خواہیم نمود کہ ایشاں قبول نہ کردہ اند"[4]

کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ گل محمد کے لیے جاگیر قبول فرما لیجئے جواب دیا۔

"گل محمد را نیز حاجت جاگیر نیست اگر نعلین درویشاں راست کند برائے خدمت او مقربان خدمت گار شوند"[5]

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا مہمان ہو کر زندگی بسر کرنی چاہیئے تاکہ دینی کام پوری مرکزیت کے ساتھ انجام پا سکیں

نواب بہاول خاں اوّل اور شاہ صاحب

نواب بہاول خاں اوّل، خواجہ مہارویؒ کا مرید اور معتقد تھا۔ خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ سے بھی اس کو بڑی عقیدت تھی۔ خواجہ صاحب کا یہ مسلک تھا کہ امراء و روساء سے علیحدہ رہتے تھے لیکن اگر کبھی ملنا پڑ جاتا تو نہایت خود داری اور استغنا سے ملتے تھے۔ اگر کوئی بات خلاف قاعدہ دیکھتے تو سختی کے ساتھ زجر و تنبیہہ فرماتے اور اپنی ناراضگی کا اظہار صاف طور پر کر دیتے۔

خواجہ مہارویؒ کے وصال کے بعد نواب بہاول خاں نے صاحبزادگانِ مہار اور متعلقین کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ خواجہ مہارویؒ کے عُرس کے موقع پر شاہ محمد سلیمان صاحبؒ وہاں تشریف لے گئے تو قاضی عاقل محمد صاحب اور حافظ محمد جمال صاحبؒ نے اُس کا

---

[1] نافع السالکین ص ۸۲ [2] نافع السالکین ص ۸۲ [3] نافع السالکین ص ۴۴ [4] نافع السالکین ص ۱۶۸
[5] نافع السالکین ص ۱۶۱۔

Marfat.com

ذکر کیا اور تمام واقعات شاہ صاحبؒ کو بتائے کہ نواب صاحب کے پاس جا کر سفارش کرنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا " دیکھئے صاحبان! ہم تو پہاڑی آدمی ہیں۔ منّت اور خوشامد کرنی تو ہم جانتے ہی نہیں۔ مجھے نواب صاحب کے پاس جانے سے گریز نہیں ہے۔ مگر طریقہ لجاجت کی اُمید نہ رکھیئے۔

ٹھلہ الاونٹرا تین ٹھلہ کہاونٹر

یعنی موٹا کھانا، موٹا پہننا اور سخت کلام کرنا ہمارا کام ہے۔ جانے کو تو میں جاتا ہوں، مگر پھر مجھ سے یہ شکایت نہ کرنا کہ کام خراب کر آیا۔ یا مٹی واگھبکا ریا کھلیں وا پٹکار، ادھر یا اُدھر[1] غرض خواجہ صاحب مرشد زادوں کے احترام کے باعث منع نہ کر سکے۔ اور نواب صاحب کے پاس پہنچے۔ نواب نہایت عجز و انکسار سے ملا۔ خواجہ صاحب نے اس کو انتہائی غصہ میں ڈانٹا اور کامیاب واپس ہوئے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نواب محمد صادق خاں پسر بہاول خاں نے خواجہ مہارویؒ کے صاحبزادوں سے کچھ جرمانہ وصول کیا۔ شاہ محمد سلیمانؒ کو اس کا علم ہوا تو سخت ناگواری ہوئی، نواب صادق خاں سے خط و کتابت کا سلسلہ بند کر دیا۔ نواب نے عذر تقصیر کے لئے سید غلام شاہ اور دیگر اشخاص کو خدمتِ عالی میں بھیجا۔ اتفاق سے ان دنوں صاحبزادہ نور احمد صاحب بھی احمد پور مقیم تھے۔ نواب نے ان سے بھی شاہ صاحب کی خدمت میں جانے کی درخواست کی۔ صاحبزادہ نور احمد صاحب معہ سید غلام شاہ وغیرہ، خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ہمراہ چلنے کی درخواست کی۔ خواجہ صاحبؒ نے اوّل تو ٹالا۔ لیکن جب صاحبزادے صاحب نے اصرار کیا تو فرمانے لگے۔ صاحبزادے صاحب آپ کو اس کام کے لیے یہاں تشریف لانا ہرگز ہرگز مناسب نہ تھا۔ آپ کی خاطر تو میں نواب صاحب سے ناراض ہوا تھا۔ اب آپ ہی خود تشریف لائے ہیں" صاحبزادہ صاحب نے جواب دیا۔ قبلہ! کیا کریں مجبور اور لاچار ہو کر آئے ہیں۔ ہماری گذران اس ملک میں ہے" خواجہ صاحب نے فرمایا۔ نہیں نہیں وہ تمہارے ملک میں ہے اور اس کی گذران تمہارے ملک میں ہے۔ خدا وند کریم کا بھی لحاظ چاہیے۔ آپ کے والد صاحب قطب الاقطاب تھے۔ آپ خدا کا دروازہ چھوڑ کر اہلِ دُنیا کے پاس التجا لے جاتے ہیں" مجبوراً خواجہ تونسویؒ سلطان پور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب حاضر ہوئے تو خواجہ صاحبؒ نے نہایت سخت سُست کہا اُس نے نذر پیش کی۔ خواجہؒ نے فرمایا۔ اس کو دیوار کے باہر پھینک دو کہ اس بلا کے واسطے ہم ساری رات پہرہ چوکی کیوں دیں[2]

بہاول خاں ثانی جب تخت نشین ہوا تو اس نے شاہ صاحبؒ کے ساتھ انتہائی عقیدت و ارادت کا سلوک کیا۔ تخت نشینی کے موقع پر شاہ صاحب کی خدمت میں ۸ ہزار روپیہ نذر کے بھیجے۔ خواجہؒ نے یہ روپے مساکین و یتامیٰ پر تقسیم کر دیئے[3]۔ اس کے

---

[1] نافع السالکین ص ۷۶، ۸۱ و خاتم سلیمانی ص ۸۰، ۸۱۔ [2] خاتم سلیمانی ص ۸۳، ۸۰ و نافع السالکین ص ۱۵۶۔
[3] نافع السالکین ص ۶۲۔

Marfat.com

بعد آپ کے لیے ایک مسجد بنوائی[1] فارسن نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں نواب بہاول خاں والیٔ ریاست بہاولپور نے خواجہ سلیمان صاحب کی یادگار میں ایک مسجد اور ایک روضہ تیار کرا دیا[2] فارسن نے اسی فیصلے میں لکھا ہے۔ بہاولپور کا ہر نواب ثانی پیر تونسہ کا مرید ہوتا ہے[3]

ریاستیں اور شاہ صاحبؒ

پنجاب اور سرحد کی چھوٹی بڑی ریاستیں شاہ صاحبؒ سے عقیدت[4] ارادت کو اپنے لیے باعثِ فخر و مباہات تصوّر کرتی تھیں۔ اکثر اوقات پگڑی باندھنے کی درخواست شاہ صاحب ہی سے کی جاتی تھی۔ جب نواب صادق محمد خاں کا انتقال ہوا اور نواب رحیم یار خاں۔ نواب بہاول خاں ثالث کے نام سے گدی پر بیٹھے تو شاہ صاحب احمد پور تشریف لے گئے اور اپنے دستِ مبارک سے دستار باندھی[4] جب لعل خاں شکانی حاکم سنگھڑ کا دَورِ حکومت ختم ہوا تو شاہ صاحب نے نوابی کی دستار اسد خاں کے سر پر باندھی[5]

جب شاہ صاحبؒ ان والیانِ ریاست کو کسی گمراہی میں مبتلا پاتے تھے تو نہایت سختی سے تنبیہہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لعل خاں شکانی حاکم سنگھڑ نے ایک بلوچ لڑکی سے جبراً نکاح کر لیا مسلمانان سنگھڑ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ قاضی سنگھڑ اور دیگر ذمہ دار اشخاص نے شاہ صاحب سے پورا واقعہ بیان کیا۔ شاہ صاحب نے لعل خاں کے پاس کہلا بھیجا" مسلمانوں پر اس قدر ظلم نہ کر اور کچھ خدا سے ڈر" لعل خاں نے جواب لکھا، شاہ صاحب نے وہ عریضہ پڑھ کر غصّہ سے دُور پھینک دیا[6]

لعل خاں کے بعد اس کا ایک عزیز اسد خاں حاکم ہوا۔ اس نے عدل و انصاف سے کام نہیں لیا تو شاہ صاحب نے اس کو تنبیہہ کی " اسد خاں ظلم ترک کر دے۔ تیری حکومت میں اگر ہمیں فائدہ ہے تو یہ کہ اذان سننے میں آتی ہے۔ ورنہ میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑے دنوں میں ہی اس شمالی ریجھ (تودۂ ریگ) پر سکھوں کی فوج آنے والی ہے"[7]

ایک مرتبہ نواب عبدالصمد خاں والیٔ ڈیرہ غازی خاں نے قلعہ اختیار خاں کا محاصرہ کیا۔ اہالیانِ شہر گڑھی کے خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نواب قلعہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو شاہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں بھیجا کہ امداد کی درخواست دے۔ شاہ صاحبؒ نواب عبدالصمد خاں کے پاس جانے کے لیے خود تیار ہو ے۔ میاں محمد صالح نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کا تشریف لے جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ نواب متکبّر آدمی ہے۔" شاہ صاحبؒ نے جو ہر کام خالصاً للہ کیا کرتے فرمایا" میں بندۂ خدا ہوں نہ کہ بندۂ نفس۔ اگر وہ کہنا نہ مانے گا تو آخر میرا کیا بگڑے گا"[8] یہ الفاظ شاہ صاحب کی بلند حوصلگی، عالی ہمتّی اور بے نفسی کے بہترین شاہد ہیں۔ وہ اسلامی کام میں ذاتی عزّت و افتخار کا جذبہ بالکل شامل نہ ہونے دیتے تھے۔

---

[1] نافع السالکین ص ۶۸ [2] فیصلہ فارسن ص ۷۰ [3] فیصلہ فارسن ص ۲۴۴ [4] خاتم سلیمانی ص ۹۴

[5] خاتم سلیمانی ص ۹۶ [6] خاتم سلیمانی ص ۹۷ [7] خاتم سلیمانی ص ۹۹

[8] خاتم سلیمانی ص ۱۰۱

Marfat.com

شاہ شجاع اور خواجہ تونسوی

جس زمانہ میں شاہ محمد سلیمان صاحب تونسہ میں رونق افروز تھے اس وقت مشرق وسطیٰ کی سیاست بہت خطرناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ نپولین کی جنگوں کے بعد سے روس مسلسل مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۸۲۶ء میں روسیوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر اس ملک پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ برطانیہ کو روس کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار سے سخت خطرات پیدا ہو گئے تھے۔

چنانچہ اس نے افغانستان میں اپنی طاقت کا استحکام کرنا چاہا کہ برطانوی ہند اور روس کے درمیان ایک طاقتور ریاست مقابلہ کے لیے موجود رہے۔ لیکن افغانستان میں اس وقت اندرونی گڑبڑ ہو رہی تھی۔ دُرّانی خاندان کو دوست محمد نے کابل اور غزنی سے نکال دیا تھا۔ دُرّانی خاندان کے اُمیدوارِ تخت و تاج شاہ شجاع نے بالآخر ہندوستان میں پناہ لی تھی اور انگریز شاہ شجاع کی حمایت میں تھے۔ شاہ سلیمان تونسوی ؒ کی رُوحانی شہرت کو سُنکر شاہ شجاع ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خاتم سلیمانی میں کئی ایسے واقعات درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کو حضور خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت اور ارادت پیدا ہو گئی تھی۔

جب شاہ شجاع دُوسری بار انگریزی امداد لے کر افغانستان جا رہا تھا تو تونسہ شریف سے اس کا گزر ہوا۔ رات کو وہیں قیام کیا صبح کو خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحب نے اپنے مصلے پر اس کو بٹھالیا اور ساری سرگذشت سُنی۔ اس کے بعد پُوچھا، افغانستان کی تسخیر کا ارادہ ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ کس کی پناہ میں جا رہے ہو۔" فوراً جواب دیا، "کہن دل خاں اور پردل خاں کی حمایت میں جا رہا ہوں۔" اس کے بعد شاہ شجاع چلا گیا۔ شاہ صاحب اپنی مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اس کا بخت برگشتہ معلوم ہوتا ہے وہ اللہ کے بجائے کہن دل خاں اور پردل خاں پر اعتماد رکھتا ہے۔" لیکن شاہ صاحب بڑے مردم شناس بزرگ تھے اگر ایک طرف شاہ شجاع کی اس بات پر ان کو اعتراض تھا۔ تو دُوسری طرف وہ اس کی ہمت و مردانگی کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب شاہ شجاع کے قتل کی خبر سنی تو فرمانے لگے: "شاہ شجاع بڑی ہمت والا جوان تھا۔ حصولِ مطلب کی خاطر اپنی جان تک نذر کر دی"[1]

امیر دوست محمد خاں اور شاہ صاحب ؒ

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب ؒ کی شہرت ہندوستان اور افغانستان میں دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ جس زمانہ میں شاہ شجاع اور دوست محمد خاں میں افغانستان کی حکومت کے لیے کشمکش ہو رہی تھی اور سکھوں اور انگریزوں نے شاہ شجاع کو امداد دینی شروع کر دی تھی۔ اس وقت دوست محمد خاں نے شاہ صاحب سے رُوحانی امداد کی درخواست کی۔ اور لکھا کہ میں نے خالصاً للہ جہاد پر کمر باندھی ہے تاکہ یہ اسلامی علاقہ کفار کے صدمات اور تصرفات سے محفوظ رہے۔ دُعا فرمایئے کہ خدا مجھے فتح و نصرت عطا فرمائے" شاہ صاحب ؒ نے یہ خط سُنکر منشی محمد واصل سے کہا کہ جواب میں یہ شعر لکھ دو ؎

ہر آں کہ استعانت بدرویش بُرد   اگر بر فریدون زد پیش برد[2]

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۹۴   [2] خاتم سلیمانی ص ۹۰

Marfat.com

وصال ماہ صفر ۱۲۶۷ھ کا چاند دیکھ کر خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ ہمارے "سفر" کا مہینہ ہے۔ خدا خیر کرے" کچھ دن بعد زکام کی شکایت ہوئی، اور ۶ صفر کو جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ نواب بہاولپور نے ۰ ہزار روپیہ کے صرفہ سے سنگِ مرمر کا عالی شان روضہ تیار کرایا۔ مولوی حسین علی فتح پوری نے تاریخ وصال کہی ؎

سلیمانِ زماں رحلت چو فرمودہ
یکایک در جہاں ظلمت بیفزود
پئے سالِ وفاتش ہاتف غیب
بگفت او آفتاب چشتیاں بود[۱]
۱۲۶۷ھ

حاجی نجم الدین صاحبؒ نے ایک نظم میں شاہ صاحبؒ کی زندگی کے کل اہم واقعات کی تاریخیں دی ہیں۔

دردا کہ غوث الاعظم راہی سوئے جناں شد
از ہجر او دو عالم پُر شور و پُر فغاں شُد
از سالِ انتقالش ہاتف مرا بگفتہ
محبوب ذات حق بود اندر زمیں نہاں شُد
سالِ ولادت آنرا از من اگر بپرسی
گر ہائے ودر سازی خورشید دو جہاں شُد
لفظ حبیب اللہ بے ہائے عمرِ اوداں
من کردہ ام شماری ہشتا دو چار آں شد
تاریخ بعیت او ہم رفتنش بدھلے
خورشید دو جہانی می خواں دریں عیاں شُد
وقتِ وصال مرشد بست دو سالہ بودہ
از نجم دین عاصی در نظم ایں بیاں شد

اولاد خواجہ محمد سلیمانؒ کے دو فرزند تھے۔ (۱) خواجہ گل محمد (۲) خواجہ درویش محمد دونوں شاہ صاحب کی حیات ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس لیے شاہ صاحبؒ کے بعد ان کے پوتے خواجہ اللہ بخش مسند نشین ہوئے

---

[۱] شجرہ خواجہ اللہ بخش ص ۲۰ ۔ خاتم سلیمانی ص ۱۵ [۲] نافع السالکین ص ۱۱۹ ان کی مہر کا سجع تھا [۳] سلیمان سرافراز نور محمد است

Marfat.com

خلفاء شاہ محمد سلیمانؒ ۲۲ سال کی عمر میں سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے تھے اور ۸۴ سال کی عمر تک وہ تلقین و ارشاد میں مصروف رہے۔ اس مدت میں ہزاروں تشنگانِ معرفت ہندوستان اور دیگر بلادِ اسلامیہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے جہاں جوہر قابل پایا اس کی قدر کی اور خلافت سے سرفراز کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوریؒ نے لکھا ہے:

"خلفاء ایشاں در ہندوستان و لایت خراساں صاحبِ ارشاد ند"[1]

مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ آپ نے کم و بیش ۷۰ بزرگوں کو خرقۂ خلافت عنایت فرمایا تھا[2] بعض خلفاء کے نام یہ ہیں:-

۱۔ مولوی محمد باراں کلاچویؒ
۲۔ مولوی محمد علی لکھوڈیؒ
۳۔ مولوی محمد علی خیر آبادیؒ
۴۔ مولانا احمد تونسویؒ
۵۔ صاحبزادہ نور بخش نبیرہ قبلۂ عالم
۶۔ قطب الدین برادر حقیقی صاحبزادہ نور بخش
۷۔ مولوی نور جہانیاں صاحب بہاول پوری
۸۔ مولوی شہسوار صاحب سکنہ نواحی مہار
۹۔ حاجی بختاور
۱۰۔ حاجی برخوردار
۱۱۔ مولوی سرفراز چشتی فریدی ڈیرہ اسمٰعیل خاں
۱۲۔ میاں عبدالشکور خیر آبادی
۱۳۔ سردار خاں ولایتی
۱۴۔ حسن شاہ قندھاری
۱۵۔ ولی اللہ خراسانی
۱۶۔ ولی اللہ المشہور بہ منبر والا
۱۷۔ مولوی محمد حیات دہلوی
۱۸۔ میاں حسن عسکری دہلوی
۱۹۔ میر فضل علی جھجری
۲۰۔ مولوی قیام الدین دہلوی
۲۱۔ مولوی شرف الدین سونزی
۲۲۔ شیخ احمد مدنی
۲۳۔ مولوی صالح محمد تونسویؒ
۲۴۔ علی محمد امام
۲۵۔ میاں عبداللطیف چنیا پٹنی
۲۶۔ صاحبزادہ غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب
۲۷۔ مولوی نور محمد ملتانی امام مسجد حمام
۲۸۔ حافظ نور الدین ڈھنڈھی سکنہ نواحی مہار
۲۹۔ مولوی امام الدین ڈھڈی۔ لاہور
۳۰۔ نور احمد سندھی
۳۱۔ غلام محمد شیرانی
۳۲۔ نور عالم سکنہ مکھند
۳۳۔ فاضل شاہ کشمیری
۳۴۔ سید شیر شاہ پاک پٹنی نبیرہ مولانا بدر الدین
۳۵۔ ابوالحسن لانگھوی سکنہ سنگھڑ
۳۶۔ تقی محمد لانگوی

---

[1] تکملہ سیر الاولیا ص ۱۳۵ [2] مناقب حافظیہ ص ۱۴

۳۷ - مولوی قادر بخش

۳۸ - حافظ عظمت علی طیفروی نواحی مہار

۳۹ - مولوی غلام رسول طیفروی

۴۰ - فیض اللہ شاہ جھجوی

۴۱ - مولوی نظام الدین

۴۲ - حافظ گوہر اوچا

۴۳ - میاں دلیل خان پوری

۴۴ - مولوی محمد حسین چوہان

۴۵ - مولوی محمد یار جھناری

۴۶ - غلام محمد اوجینی

۴۷ - حافظ غلام رسول

۴۸ - مولوی نور محمد نارووالہ

۴۹ - سجل خاں سکنہ پھنڈی

۵۰ - غلام محمد ملغانی

۵۱ - غلام رسول خاں، کوافغان

۵۲ - محمد اکرم

۵۳ - مولوی شمس الدین سکنہ مسابیوال

۵۴ - مولوی عبدالرحمٰن مودی

۵۵ - مولوی امام الدین مصنف نافع السالکین

۵۶ - مولوی محبوب عالم

۵۷ - میاں نظام الدین لمبئی

۵۸ - شرف دین گردستانی

۵۹ - غلام محمد رسولپوری

۶۰ - غلام محمد ٹبنی

۶۱ - حاجی نجم الدین

مصنف مناقب المحبوبین

ان خلفاء میں حاجی نجم الدین صاحبؒ، حافظ محمد علی خیرآبادی، مولوی شمس الدین سیالویؒ نے سلسلہ کی ترویج و تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا۔ ان کی خانقاہیں آج تک عقیدت و ارادت کا مرکز ہیں۔

Marfat.com

حافظ محمد علی خیرآبادی

حافظ سیّد محمد علی صاحب خیرآبادیؒ خواجہ تونسویؒ کے اوّلین خلفاء میں سے تھے۔ خیرآباد میں ان کا خانوادہ علم و فضل کا مرکز اور فیوض و برکات کا منبع تھی، اودھ اور دکن میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت کا کام اسی خانقاہ میں بیٹھ کر کیا گیا تھا۔ وہ بے پناہ عزم و استقلال کے مالک تھے۔ نامساعد حالات سے بالکل متاثر نہ ہوتے تھے۔

ولادت اور نسب

حافظ صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۱۱۹۲ھ کو ہوئی تھی[1] ان کے والد ماجد مولوی شمس الدین ایک علمی خاندان کے فرد تھے۔ ان کے اجداد میں ایک بزرگ حضرت شیخ سعد خیرآبادیؒ حضرت شاہ مینا لکھنوی کے خلیفہ تھے اور ان کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ حافظ صاحب کا خاندان بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علم و فضل میں اس گھرانے کو ایک امتیازی رتبہ حاصل تھا۔

ایامِ طفلی

بچپن ہی سے حافظ صاحب کی طبیعت عبادت کی طرف راغب تھی۔ رات کے آخری حصہ میں اُٹھ کر وہ یادِ حق میں مشغول ہو جاتے تھے۔[2] شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں بیر کے درخت ملے۔ سب لڑکوں نے ان درختوں سے پھل توڑ کر کھایا۔ حافظ صاحب سے کھانے کے لیے کہا گیا تو فرمایا "یہ درخت غیر کی ملک ہیں بغیر مالک کی اجازت کے کیوں کر کھاؤں؟"[3]

تعلیم

سب سے پہلے سیّد محمد علی صاحب نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد خیرآباد میں مولانا عبدالوالی صاحب سے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم تھے شرح وقایہ تک علم حاصل کیا۔ پھر شاہ جہان پور تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ تک تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ یہاں شہر کے باہر ایک مسجد میں ان کا قیام رہا۔ شاہ جہان پور کی علمی دنیا جب ان کی تشنگی علم کو نہ بجھا سکی تو دہلی کا رخ کیا کہ وہی ہندوستان میں علم و ادب، احسان و سلوک کا آخری مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت شاہ ولی اللہ صاحب کے گھرانے نے علم کی وہ

---

[1] تذکرہ اولیائے دکن جلد اوّل۔ ص ۳۰۸ [2] مناقب حافظیہ۔ ص ۹۳-۹۴ [3] مناقب حافظیہ۔ ص ۹۳-۹۴

Marfat.com

شمع روشن کر رکھی تھی۔ جس کے گرد دُور دُور سے علمی پروانے جمع ہو رہے تھے۔ دہلی میں مشکوٰۃ کا سبق انہوں نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے لیا۔ پھر حرمین شریف میں صحیح بخاری کی سماعت فرمائی۔ جب شاہ سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صحیح مسلم کی سماعت[۲] کی۔ دہلی میں شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں فصوص الحکم کا کچھ حصہ پڑھا۔[۳]

مجاہدات حافظ صاحبؒ نے ابتدائی زمانہ میں سخت مجاہدات کئے تھے۔ سب سے پہلے وہ حضرت سید محمد مشتاق عرف چھیدا میاں[۴] کے مزار پر چلّہ کش ہوئے۔ پھر شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار متبرکہ پر ریاضاتِ شاقہ پر مشغول ہو گئے۔ نمازیوں کے لیے پانی بھر بھر کر لاتے۔ باقی وقت میں عبادت کرتے۔ اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا۔ پھر حضرت قطب صاحبؒ کے مزار پر دہلی میں حاضر ہوئے اور حسب معمول مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ چند مکانوں میں اجرت پر پانی بھر کر اپنی گزر اوقات کرتے تھے اور اکثر روزہ رکھتے تھے۔ تمام رات قرآن پاک کی تلاوت میں گزرتا تھا۔ دہلی سے اجمیر شریف پہنچے اور وہاں بارہ سال تک ایک مسجد میں مقیم رہے[۵] یہاں سے پاک پٹن کا ارادہ کر دیا۔ پاک پٹن میں خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و بزرگی کی شہرت سُن کر دل اس طرف متوجہ ہو گیا۔ یہاں ان کو عقیدت و ارادت کا الہام کر مل گیا۔ جس نے ان کے مجاہدوں اور ریاضتوں کو صحیح راستے پر لگا دیا۔ شاہ محمد سلیمانؒ کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، فطرت کی ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں ابھر آئیں اور ان کو چمکنے کا موقع مل گیا۔

بیعت حافظ صاحبؒ انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ پاک پٹن سے تونسہ روانہ ہوئے۔ شاہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں پہنچ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی خواہش کا بھی اظہار نہ کر سکے۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک دن حافظ صاحبؒ کے دل میں خیال آیا کہ افسوس حضرت شاہ صاحبؒ میرے حال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا "جس شخص سے مجھے تعلق ہوتا ہے۔ بظاہر میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا ہوں"۔ یہ سن کر حافظ صاحب کے بےچین قلب کو اطمینان ہوا۔ شاہ صاحب نے پہاڑ پر پاؤں رسّی میں باندھ کر عبادت کرنے کی ہدایت کی۔ عرصہ تک حافظ صاحب اس طرح کے مجاہدے کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حافظ صاحب نے کچھ عرصہ تک کسی شخص کو مرید نہیں کیا۔ شیخ کو علم ہوا تو وجہ پوچھی۔ عرض کیا "اہل ہند نہایت درجہ معاصی میں مبتلا ہیں۔ اسی وجہ سے سلسلہ میں داخل نہیں کیا"۔ شاہ صاحب نے فرمایا "تم کو اس سے کیا کام۔ میں نے اجازت دی ہے نیک خواہ بد جو کچھ ہوں گے مجھ سے ہوں گے"[۶] شیخ کا یہ حکم سننے کے بعد حافظ صاحب نے بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اودھ۔ پنجاب اور حیدرآباد کے ہزاروں باشندوں نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ پھر حافظ صاحب حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ وہاں دس سال تک مقیم رہے اور کچھ لوگوں کو مرید بھی کیا۔[۷]

---

[۱] [۲] [۳] مناقب حافظیہ ص ۹۳ - ۹۴ [۴] مناقب حافظیہ - ص ۹۶ [۵] مناقب حافظیہ - ص ۹۶ [۶] مناقب حافظیہ ص ۹۹

[۷] مناقب حافظیہ ص ۱۰۰ -

Marfat.com

پیرومرشد سے عقیدت

حافظ صاحب کو اپنے پیرومرشد سے بڑی عقیدت تھی۔ شیخ کے نوکروں تک کی عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب کا سائیس لکھنؤ میں مل گیا۔ اس کی بے حد تعظیم کی[1] حافظ صاحب جب اپنے شیخ کی خدمت میں جاتے تھے تو کئی کوس پہلے سے پا پیادہ چلنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مرید نے سوار ہونے کی درخواست کی تو فرمایا ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتشِ شوق تیز تر گردد[2]

شاہ صاحبؒ ان کی صحبت اور خلوص کی بے حد قدر کرتے تھے اور انتہائے تعلق میں ان کو شاہ ہوری کہتے تھے[3]

بُری رسموں کو دُور کرنے کی کوشش

حافظ صاحبؒ کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کی سوسائٹی کا نشوونما اسلامی اصول پر ہو۔ وہ ہمیشہ اسلامی رسم و رواج اور طرزِ زندگی پر زور دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بُری رسموں کو دُور کرنے کی جدوجہد کرنا سب سے زیادہ اہم کام ہے۔ خود ان کے متعلق مناقب کے مصنف کا بیان ہے: "ہمیشہ سنتِ نبویہ کے زندہ رکھنے اور اہلِ ہند کی باطل رسومات کو مٹانے کے واسطے مستعد اور آمادہ رہتے تھے[4]"

حافظ صاحب کی اصلاحی کوششوں کی ابتدا خود اُن کے گھر سے ہوئی۔ انھوں نے اپنے گھر میں ان تمام رسومات اور توہمات کو ختم کیا جن کو وہ غیر شرعی سمجھتے تھے۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ان کو قصبہ موہان کا سفر پیش آیا۔ حاضرین نے کہا "کیا حضرت بی بی صاحبہ کی رسومات نہیں کریں گے؟" فرمایا "جہاں ہوگا وہاں فاتحہ کر دوں گا۔ کیونکہ اس سے غرض ایصالِ ثواب ہے اور وہ ہر جگہ ممکن ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ اسی جگہ سیوم کی فاتحہ کروں[5]"

شادی کے معاملے میں وہ غیر ضروری رسومات کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک دن اچانک صاحبزادے حافظ جمال الدین کو دُلہن کے مکان پر لے گئے اور نکاح کے لیے کہا، دلہن کے گھر والوں نے بے سروسامانی کا عذر کیا تو فرمایا: "جو کچھ اللہ اور رسول کا حکم ہے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔" چنانچہ قواعدِ شرعیہ کے مطابق نکاح ہوگیا اور کوئی غیر شرعی رسم ادا نہیں کی گئی۔

حافظ صاحب کے برادرزادے حافظ تراب علی صاحب کی شادی میں کاغذ کے پھول تیار کیے گئے تھے۔ حافظ صاحبؒ کی نظر پڑی تو سخت رنج ہوا۔ فرمایا "یہ بزرگ زادے ہیں اور ایسے مراسم قبیحہ کرتے ہیں" یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے[6] وہ ایسی شادیوں میں جن میں اسلامی شعار کی پابندی نہیں ہوتی تھی شرکت نہ کرتے تھے۔ ایک شخص واجد علی خاں نے شادی میں

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۱۱۷ [2] مناقب حافظیہ ص ۱۲۱ [3] ص ۱۰۶ [4] مناقب حافظیہ ص ۱۰۶
[5] مناقب حافظیہ ۱۰۷ [6] مناقب حافظیہ ص ۱۰۷

Marfat.com

شرکت کی درخواست کی۔ فرمایا:" اس زمانہ میں اس قدر مہر قرار دیا جاتا ہے کہ اس کا ادا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ یہ امر ناروا ہے۔ پس ایسی تقریب نکاح میں میں شریک نہیں ہوا کرتا۔"[1] خاں صاحب کے اس یقین دلانے پر کہ جو مہر قرار پائے گا وہ اسی وقت ادا کیا جائے گا، آپ شادی میں تشریف لے گئے۔

تقاریب میں رنڈیوں کے ناچ سے سخت نفرت تھی[2]

اگر کہیں رنڈیوں کا ناچ ہوتا تو ہرگز شریک نہ ہوتے[3] ایک مرتبہ حیدرآباد میں حضرت شاہ یوسف کے مزار پر حاضری کا اتفاق ہوا تو دیکھا وہاں طوائفوں کا ناچ ہو رہا ہے۔ آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ محفل میں پہنچ کر مشائخ کو للکارا:

" یہ بال تمہاری داڑھی کے نہیں ہیں۔ بلکہ زنار کے تار ہیں۔ اولیاء اللہ کے مزاروں پر ایسا فسق و فجور ہوتا ہے اور تم دیکھتے ہو۔"[4]

حافظ صاحب مشرکانہ تہواروں میں شرکت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ کہتے تھے:

" جس مسلمان نے رسم کفر کو رغبت دل سے مشاہدہ کیا اس کے ایمان میں خلل پڑا۔"[5]

جب کسی قوم کے قوائے عمل مضمحل ہوتے ہیں تو ان علوم اور شعبدوں میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو بغیر ہاتھ پاؤں کو جنبش دیئے آسائش کی زندگی کا دلکش خواب دکھاتے ہوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں عام لوگوں کو کیمیا بنانے کی فکر رہتی تھی۔ ہر شخص اسی دھن میں وقت گزارتا تھا۔ حافظ صاحب نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے[6]

اخلاق حافظ محمد علی صاحب اخلاق محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ انسانی مساوات و اخوت پر ان کا ایمان تھا۔ اپنے عمل سے اس کی تائید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ نظر پڑی تو دیکھا ایک موچی میاں اسلم کے جوتے سی رہا ہے۔ فرمایا:۔ اپنے ہاتھ دھو کر آ اور کھانا کھا۔ اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا[7]۔ جاڑے کے موسم میں ایک جولاہا ان کے پاس آکر ٹھیرا۔ اس کے پاس جاڑے کا لباس نہ تھا۔ حافظ صاحب نے اس کو اپنے بستر میں اپنے پاس سلایا[8]

حافظ صاحب جب محفل میں مدعو کیے جاتے تو کبھی ممتاز جگہ پر نہ بیٹھتے[9] سفر و حضر میں خادموں کے ساتھ کام میں شریک رہتے تھے۔ بعض اوقات روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکا لیتے تھے[10] اظہار شیخیت سے نفرت تھی۔ بلکہ اس قسم کا تواضع جس سے ترک تجرید کا اظہار ہو پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیے[11]

اتباع سنت حافظ صاحب اتباع سنت پر بہت زور دیتے تھے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے:

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۱۰۷ [2] مناقب حافظیہ ص ۱۵۳ [3] مناقب حافظیہ ص ۱۰۸ [4] مناقب حافظیہ ص ۱۳۱
[5] 〃 〃 ۱۷ [6] 〃 〃 ۱۰۹ [7] 〃 〃 ۲۰۴ [8] 〃 〃 ۱۰۰
[9] 〃 〃 ۱۱۰ [10] 〃 〃 ۱۱۲ [11] 〃 〃 ۸۵

Marfat.com

حضرت شیخ الاسلام کو چونکہ اتباع نبوی میں بہت کدوکوشش تھی۔ ہمیشہ سنت نبویہ کے زندہ رکھنے اور اہل ہند کی باطل رسومات کو مٹانے کے واسطے مستعد اور آمادہ رہتے تھے۔"[1]

اُن کی مجلسوں میں مسائل شریعت اور سنت کے علاوہ کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔[2] اپنے مریدوں کو سنتِ نبوی پر عمل کرنے کی برابر تاکید کرتے تھے۔ ایک شخص ہر روز صبح کو آکر قدم بوسی کرتا تھا۔ ایک روز فرمایا "کیا یہ ڈنڈوت ہے کہ فجر کو اٹھ کر ہندوؤں کی طرح ایسا کرتا ہے۔ السلام علیکم کہہ کر بیٹھ جانا چاہیئے۔"[3] حافظ صاحب اپنے مریدوں کو بتایا کرتے تھے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اور محبت الٰہی کا دعویٰ بغیر اتباع نبوی جھوٹا دعویٰ ہے۔"[4]

حافظ صاحب اپنے مریدوں کو احسان وسلوک کی صرف ان کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے تھے جن میں شریعت پر خاص زور دیا گیا ہو۔ عوارف المعارف ان کو بہت پسند تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں ہر مسئلہ حدیث شریف سے لکھا گیا ہے۔"[5]

مریدوں کی تربیت

حافظ صاحب اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "مرشد دل کو مریدوں کا اس طرح خیال رہتا ہے جس طرح ماں کو اپنے لڑکوں کا خیال رہتا ہے۔"[6]

حافظ صاحب اظہارِ شیخت سے ناراض ہوتے تھے۔ ان کا حکم تھا کہ ہر چیز کا اخفا کیا جائے۔ ایک دن ان کے ایک مرید میر محمد علی ان لکڑیوں پر جن سے کپڑا بُنا جاتا ہے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حافظ صاحب کی نظر ان پر پڑ گئی۔ فرمایا۔ ایسا فعل نہیں کرنا چاہیئے جس سے لوگ یہ سمجھیں کہ یہ شخص نہایت متواضع اور منکسر ہے۔[7] ایک مرید نے اپنی رضائی ایک مسکین کو دے دی تو سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا اس فعل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص ایسا باخدا ہے کہ ایک رضائی اس کے پاس تھی وہ بھی خدا کی راہ میں دے دی۔[8] فرمایا کرتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیئے۔ مریدوں کے بال رکھنے کو اس وجہ سے ناپسند کرتے تھے کہ اس سے اظہارِ شیخت ہوتا ہے۔[9]

حافظ صاحب اپنے مریدوں کی ظاہری وباطنی زندگی کی اصلاح میں بڑے جدوجہد کرتے تھے۔ مرید کرتے وقت ہدایتیں فرماتے تھے

۱۔ شریعت پر قائم رہو۔

۲۔ اللہ کی محبت میں دل کو ثابت رکھو۔

۳۔ جب تک تحصیلِ علم سے فارغ نہ ہو ذکر نہ کرو۔

۴۔ دُنیا کی محبت میں مت بیٹھو۔ اس سے محبت الٰہی کی لذت سلب ہو جاتی ہے۔[10]

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۱۰۶ [2] مناقب حافظیہ ص ۱۳۶ [3] مناقب حافظیہ ص ۱۴۸ [4] مناقب حافظیہ ص ۱۱۱

[5] " " ۲۱۲ [6] " " ۱۸۶ [7] " " ۱۱۵ [8] " " ۵

[9] " " ۱۹۳ [10] " " ۲۱۹

Marfat.com

تعویذ و عملیات سے اجتناب

جب مذہبی ذہن پریشان ہوتا ہے تو عملیات میں غیر معمولی اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں اور اوہام کا تار و پود زندگی کے سرچشموں کو خشک کر دیتا ہے۔
حافظ صاحب کے زمانہ میں اسلامی سوسائٹی انحطاط پذیر تھی۔ عملیات، تعویذ اور گنڈوں میں انتہا سے زیادہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ حافظ صاحب کو یہ چیز سخت ناپسند تھی۔ مناقب میں لکھا ہے۔

"شیخ الاسلام عملیات سے نفرت رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے منع فرماتے ہیں"[1]

آپ نے کبھی کسی کو تعویذ نہیں دیا۔ ایک شخص بے حد مصر ہوا تو مولانا روم کا یہ شعر کاغذ پر لکھ دیا۔

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو ٭ ایمنی از تو مہابت ہم ز تو[2]

مثنوی مولانا روم

حافظ صاحبؒ کو مثنوی مولانا روم پر بڑا عبور تھا۔ انہوں نے عارف روم کے معارف ربانیہ کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ اور ان کو نہایت ہی بلیغ اور دل نشین انداز میں بیان کرتے تھے۔
مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

"گویند مثنوی را مثل ایشاں کسے نمی خوانند"[3]

اشراق کی نماز کے بعد وہ مثنوی کا درس دیتے تھے[4] مرتب مناقب حافظیہ کا بیان ہے:

"اس کتاب شریف کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام کو کمال تعلق اور محبت تھی اور اس کے معانی و مطالب اس زمانہ میں آنحضرت کی مانند کوئی نہیں بیان کرتا تھا"[5]

حافظ صاحب اپنے اعلیٰ مریدوں کو مثنوی کے مطالعہ کی ہدایت فرمایا کرتے تھے[6] وہ مثنوی کو حقائق و معارف، اسرار و رموز کا ناپیدا کنار سمندر سمجھتے تھے، اس لیے اس کی شرح لکھنے کو کبھی اچھا نہ سمجھا۔ ایک روز مجلس میں فرمانے لگے کہ مولانا جامی نے مثنوی کی شرح لکھنی شروع کی۔ اس کے دو تین اشعار کی شرح لکھنے پائے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب تمہارے شرح لکھنے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اسرار کو در پردہ کہا ہے اور تم اس کو ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ یہ سن کر مولانا جامی نے شرح لکھنی بند کر دی[7]
حافظ صاحب کے درسِ مثنوی میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے[8]

درس و تدریس

حافظ صاحبؒ کی خانقاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ مولانا رومؒ۔ حضرت ابن عربیؒ

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۔ [2] مناقب حافظیہ ص ۔ [3] مناقب محبوبین ص ۳۵۷ [4] مناقب حافظیہ ص ۱۱۵
[5] " " ۱۱۶ [6] " " ۲۱۴ [7] مناقب حافظیہ ص ۲۱۵ [8] " " ۵۶

Marfat.com

اور مولانا جامیؒ کی تصانیف کا درس وہ خود دیتے تھے اور اس انداز میں دیتے تھے کہ بڑے بڑے عالم ان سے استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی جو خود بڑے جیّد عالم تھے، فصوص کا درس لینے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے[1]

حافظ صاحب معاصرین کی نظر میں

حافظ صاحبؒ ان مخصوص بزرگوں میں تھے۔ جن کی روحانی عظمت اور علمی تبحر کی تعریف کرنے پر خود ان کے معاصر علماء و مشائخ مجبور ہو گئے تھے۔ مولانا انوار الحق صاحب قدس سرہٗ لکھنؤ کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔ حافظ صاحب کو وہ ہمیشہ "شبلی وقت" کہا کرتے تھے[2] ایک مرتبہ حافظ صاحب ان کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے آکر مولانا سے مصافحہ کیا۔ مولانا نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "ان کے ہاتھ پر بوسہ دو۔ یہ شیرِ حق ہیں"[3] ایک مرتبہ مولانا انوار الحق صاحب نے اپنی مجلس میں فرمایا "حافظ صاحب دولہا ہیں اور ہم سب براتی"[4]

لکھنؤ کے ایک دوسرے عظیم المرتبت بزرگ مولانا عبد الرحمٰن صاحب، ان کی بے حد عزّت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے "حافظ صاحب اپنے عہد کے سلطان المشائخ ہیں"[5]، حافظ صاحب جب تشریف لائے تھے تو شاہ غلام علی صاحبؒ اور شاہ عبد القادر صاحبؒ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی تھی[6] حاجی نجم الدین صاحبؒ ان کے متعلق پیر بلانی میں لکھتے ہیں:

اور محمد علی شاہ ساکن خیر آباد ۔۔۔ کرے جوانی خرچ جن پیچ خدا کی یاد
یہ ہیں صاحب سلسلہ صد ہا لوگ مرید ۔۔۔ دن دن شہرا جگ اندر ان کا ہوا مزید[7]

امراء سے اجتناب

حافظ صاحب کا "صُحبت الاغنیاء للفقراء سمّ قاتل" پر راسخ اعتقاد تھا۔ وہ کسی امیر کے پاس جانا اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی صحبت سے اجتناب کرتے تھے لیکن اگر کوئی آجاتا تو سُنّتِ نبویؐ کے مطابق اخلاق سے پیش آتے، حیدر آباد کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ محی الدولہ احمد یار خاں نے عرض کیا کہ حضور یہاں کے رئیس کو آپ سے ملنے کا بیحد شوق ہے۔ فرمایا۔ تم اور وہ دونوں جھوٹے ہو اگر اس کو ملاقات کا اشتیاق ہوتا تو میرے پاس نہ آنا اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ میرے دروازے پر نہ نواب ہیں نہ حجاب ہیں"[8]

بہادر شاہ ظفر اور حافظ صاحب

بہادر شاہ ظفر نے چند مرتبہ حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی اور ملاقات کا شوق ظاہر کیا، لیکن حافظ صاحب نے ہمیشہ یہ فرمایا کہ ملاقات کی حاجت نہیں ہے۔ شوق کا دل ہی میں رہنا اچھا ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے اصرار کیا۔ لیکن حافظ صاحب راضی نہ ہوئے۔ بالآخر بہادر شاہ نے کالے صاحب کی وساطت سے ملنے کی کوشش کی۔ کالے صاحب وقت کے منتظر رہے۔ قطب صاحب کے عرس کے دنوں میں خط

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۱۱۶ [2] مناقب حافظیہ ص ۱۰۲ [3] مناقب حافظیہ ص ۱۰۲ [4] مناقب حافظیہ ص ۱۰۳
[5] ؍؍ ؍؍ ص ۱۰۳ [6] ؍؍ ص ۱۰۰ [7] پیر بلانی ص ۵ [8] مناقب حافظیہ ص ۱۰۵

Marfat.com

صاحب آستانہ شریف کی مسجد میں رونق افروز تھے۔ کابے صاحب نے فرمایا۔ حافظ صاحب ایک ضرورت سے جاتا ہوں۔ جب تک میں حاضر نہ ہوں آپ یہیں تشریف رکھیں۔ یہ کہہ کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو لے آئے۔ حاضرین نے شور کیا کہ بادشاہ مسجد کی طرف آتے ہیں۔ جب یہ آواز حافظ صاحب کے کانوں میں پہنچی فوراً دیوار پھاند کر چلے گئے[1]

وہ کلمۂ حق کے کہنے میں بے باک تھے اور کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قطب صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ مزار شریف کے قریب چھتوں پر قناتیں لگی ہوئی ہیں اور اُن کی رسیاں مزار مبارک کی طرف ہیں۔ پوچھا کہ یہ قناتیں کس کی ہیں۔ کہا گیا کہ بادشاہ دہلی کے محلات کے واسطے ہیں۔ حافظ صاحب نے غصہ ہو کر فرمایا۔ یہ انتہائی بے ادبی ہے۔ ان رسیوں کو کاٹ دو تاکہ یہ قناتیں گر پڑیں[2]

نواب بہاول خاں اور حافظ صاحبؒ

نواب بہاول خاں ثانی خواجہ تونسوی کا مُرید تھا۔ حافظ صاحب سے ملاقات کی تمنّا رکھتا تھا، مگر کبھی اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ ایک دن شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں اپنی اس تمنّا کا اظہار کیا۔ شیخ نے حافظ صاحب کو طلب کیا۔ حافظ صاحب حاضر ہوئے تو سلام عرض کرنے کے بعد شیخ کے روبرو بیٹھ گئے۔ خان موصوف کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ تھوڑی دیر کے بعد پیر و مرشد کی اجازت سے اپنے مقام پر واپس آ گئے[3]

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ حافظ صاحب ایک مرتبہ احمد پور تشریف لے گئے تھے۔ نواب بہاول خاں کو جب تشریف آوری کا علم ہُوا تو ملاقات کا ارادہ کیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو فوراً تونسہ شریف کے لیے روانہ ہو گئے[4]

انگریزوں سے تنفّر

حافظ صاحب کے زمانہ میں انگریزوں کا اقتدار ہندوستان میں پُوری طرح سے قائم ہو گیا تھا۔ انگریزی معاشرت کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ حافظ صاحب کو انگریزی طور و طریقہ اور طرزِ معاشرت سے سخت نفرت تھی۔ اگر کوئی انگریزی وضع اختیار کرتا تھا تو طبیعت پر گراں گزرتا تھا، بوٹ پہن کر کوئی شخص آتا تو ناخوش ہوتے اور فرماتے۔ یہ نصاریٰ کی وضع ہے[5] مصنّف "مناقب حافظیہ" کے چچا واجد علی خاں نے ایک کوٹھی بنائی اور حافظ صاحب کو برکت کے لئے مکان میں لائے، حافظ صاحب نے معائنہ کے بعد فرمایا کہ واجد علی خاں نے خوب مکان بنایا ہے، مگر مجھ کو پسند نہیں آیا، کیوں کہ اس میں دروازے انگریزی وضع کے ہیں[6] ایک مرتبہ ایک صاحب کے نام کے ساتھ انگریزی لفظ سُن کر اس قدر ناراض ہوئے کہ اُس کا خط تک نہ پڑھا[7]

وحدتِ وجود

وحدتِ وجود پر وہ عوام میں گفتگو کرنے کو بُرا سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے پوچھا کہ عوام جو وحدتِ وجود پر گفتگو کرتے ہیں اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے فرمایا "یہ الحاد و زندقہ ہے"[8]

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۱۲۵ — [2] مناقب حافظیہ ص ۱۲۸ — [3] مناقب حافظیہ ص ۱۳۵
[4] " " ص ۵۵-۳۵۴ — [5] " " ص ۱۳۷ — [6] " " ص ۱۳۷
[7] " " ص ۱۳۷ — [8] " " ص ۱۵۵

Marfat.com

سماع سماع کے معاملہ میں بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ زماں و مکان اخوانؔ کی شرطیں جب تک پوری نہ ہوں مجلس منعقد نہیں کرنی چاہیئے، قوال ہمیشہ باشرع ہونا چاہیئے [۱]

ہندوؤں کو عقیدت ہندوؤں کو بھی حافظ صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ مثنوی رومیؒ کے درس میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔ حیدر آباد کے راجہ چندو لال کو آپ سے بے حد عقیدت تھی [۲] اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ دہلی کا ایک کایستھ ہندو اُن کی خدمت میں حاضر ہوکر اس قدر متاثر ہوا تھا کہ مع اہل و عیال مسلمان ہوگیا [۳]، شاہ صاحب کا اخلاق بیحد اچھا تھا۔ ہر ملنے والا اُن سے مل کر خوش ہوتا تھا اور اُن کی محبت کا نہ مٹنے والا نقش لے کر اُن کی مجلس سے جاتا تھا۔

واجد علی شاہ اور حافظ صاحب واجد علی شاہ کے ہنگامہ ہائے ناؤنوش اور حکومت کے کاموں سے بے تعلقی کو دیکھ کر حافظ صاحب کو سخت صدمہ ہوا۔ انھوں نے متعدد بار واجد علی شاہ سے شکایت کی اور اس کے فرائض سے آگاہ کیا۔ جب تمام نصیحتیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں تو حافظ صاحب لکھنؤ تشریف لائے اور واجد علی شاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم جنگ کے واسطے آئے ہیں اگر تجھ کو زور اور بہادری کا دعویٰ ہو تو مقابلہ کر" اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ تلواریں ہمراہ لاؤ ہم جنگ کریں گے۔ مصنف "مناقب حافظیہ" کو بھی تلوار لانے کا حکم ہوا۔ متفکر ہوکر کئی بار فرمایا:

"میرے دل میں آتا ہے اس رئیس سے تخت خالی کرا دوں"۔ [۵]

ایک رات شاہ مینا صاحبؒ کی درگاہ میں بیٹھے تھے فرمانے لگے "یہ تختہ کا تختہ اُلٹے"۔ ایک پیر مرد ان کے قریب بیٹھے تھے۔ باربار عرض کرتے تھے ایسا نہ فرمایئے آخر مسلمان ہے، حافظ صاحب اور زیادہ جوش میں آجاتے اور فرماتے:

"اگر نصاریٰ کی عمل داری ہو تو اس حکومت سے بہتر ہے"۔

حافظ صاحب بہ حیثیت شاعر حضرت حافظ صاحب کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ غزلیں اور رباعیاں بہت اچھی کہتے تھے۔ مشتاق تخلص تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو: [۶]

دلم بر بود جانانے کہ آنی دلستاں دارد — شکر لب خندہ نمکینی خمار میکشاں دارد
چو گل رُخ نرگسیں چشمے بروئش سنبلی زلفے — لب نازک تر از لالہ قد سرو رواں دارد
کہ از ہمکیس نمی پُرسد زحال زار من دلبر — خدایا مہرباں سازش کہ دل سنگیں چناں دارد
ازیں نامہرباں شوخی چہ آسائش دہد وستم — کہ باکم التفاتی ہا زمن خاطر گراں دارد

---

[۱] مناقب حافظیہ ص ۱۵۵ [۲] مناقب حافظیہ ص ۱۵۷ [۳] مناقب المحبوبین ص ۲۵۷ [۴] مناقب المحبوبین ص ۲۵۸
[۵] " ص ۲۶۰ [۶] " " ص ۲۶۰

Marfat.com

بکیش دلبری شاید روا دارد دل آزاری ۔ کہ از مژگاں زند پیکاں و از ابرو کماں دارد
متاعِ صبر از دلہا کند غارت بیک لمحہ ۔ نگر در گوشۂ چشمے چنیں ہا مرد ماں دارد
بیا مشتاق زیں بگذر تو خاکِ پائے سلیماں شو
کہ ہر کس از جمال او کمال بے کراں دارد

وصال حافظ صاحبؒ کو آخر عمر میں فالج کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ مرض اس قدر بڑھ گیا کہ ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے۔ عبادت میں بھی جب دقت ہونے لگی تو فرمایا "جسم بھاڑے کا ٹٹو تھا آخر ساتھ نہ دیا"۔[1] ماہ ذی قعدہ ۱۲۶۶ھ کو وصال فرمایا۔ کھیری میں سپردِ خاک کئے گئے۔

خلفاء حضرت حافظ صاحب کے تین خلیفہ صاحبِ سلسلہ اور صاحبِ ارشاد ہوئے۔

(۱) مرزا سردار بیگؒ
(۲) شاہ حبیب شاہؒ
(۳) مولانا احسن الزماںؒ

یہ تینوں بزرگ حیدرآباد میں رہے اور وہیں سلسلہ کی اشاعت اور توسیع کا کام کیا۔ مولانا احسن الزماں صاحب جیّد عالم بڑے پایہ کے محدّث تھے۔ انھوں نے شاہ فخرالدین صاحبؒ کی مشہور کتاب فخرالحسن کی ضخیم شرح عربی زبان میں "القول المستحسن فی شرح فخرالحسن" کے نام سے لکھی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے علوم اہلِ بیت کے نام سے ایک کتاب چوبیس جلدوں میں تصنیف فرمائی تھی اس میں انھوں نے اہلِ سنّت کا اثبات روایاتِ اہلِ بیت سے کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا بندوبست نواب محبوب علی خاں نے کیا تھا۔ لیکن صرف ایک جلد طبع ہونے پائی تھی کہ نظام کا انتقال ہو گیا اور کام نامکمل رہ گیا۔[2]

سجادہ نشین حضرت حافظ صاحب کے بعد مولانا حافظ محمد اسلم صاحب سجادہ نشین ہوئے وہ حافظ صاحب کے حقیقی برادرزادے تھے انھوں نے ۴۵ سال تک حافظ صاحبؒ کے سجادہ کو رونق بخشی ٭

حافظ محمد اسلم صاحبؒ نہایت سادہ مزاج بزرگ تھے آستانہ حافظ صاحبؒ پر صفائی تک کی خدمات انجام دیتے تھے[3] رؤسا اور امراسے بے تعلق رہتے تھے[4] حافظ محمد عبدالصمد صاحب موروی نے اپنے روزنامچہ میں اُن کے متعلق لکھا ہے:
"عبادت و ریاضت میں وہ مشائخ متقدمین کا نمونہ ہیں۔ شریعت و طریقت کے جامع ہیں۔ ساٹھ سال کی عمر

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۲۹۱ [2] مکتوبات مولانا مصباح الحسن صاحب بنام مصنف [3] احترام الاصفیاء ص ۲۹
[4] احترام الاصفیاء ص ۴۰

Marfat.com

چکی ہے، لیکن انھوں نے نکاح نہیں کیا [1]

حافظ اسلم صاحب نے ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کے بعد میاں خادم حسین صاحب برادر زادہ حافظ صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ اُن کا وصال ۹ ماہ بعد ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت حافظ صاحب کے سجادہ پر میاں خادم حسین صاحب کے صاحبزادے میاں امتیاز حسین صاحب بیٹھے اور خواجہ محمد اسلم رح کے سجادہ نشین میاں محمد حسین صاحب ہوئے [2] میاں امتیاز حسین صاحب کی وفات کے بعد میاں سید ماجد حسین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔

حافظ محمد اسلم صاحب رح کے خلفا میں حافظ عبدالصمد صاحب مودودی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ وہ بڑے عالم تھے حیواۃ العلما میں لکھا ہے کہ ان کو صحیح بخاری کے کئی پارے ازبر یاد تھے [3]، ار جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ کو وصال فرمایا۔ اُن کے سجادہ نشین مولانا مصباح الحسن صاحب ہیں۔ وہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رام پوری اور مولانا وصی احمد صاحب محدث پانی پتی کے شاگرد ہیں علم و فضل، اخلاق و مروت میں بے مثل ہیں:۔

---

[1] روزنامچہ حافظ سید عبدالصمد صاحب رح بحوالہ احترام الاصفیا، ص ۲۷۔ [2] مکتوب مولوی مصباح الحسن صاحب بنام مصنف [3] حیواۃ العلما، ص ۔

Marfat.com

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کبائر میں بڑے عابد و زاہد، حالاتِ عالیہ و مکاشفاتِ جلیلہ رکھتے تھے طریقہ آپ کا صبر و شکر، فقر و فاقہ رضا و تسلیم تھا۔ آپ حسنی سید تھے، سید عبداللطیف واردِ ہندوستان ہو کر لاہور میں قیام پذیر ہوئے اور آپ کے والد سید یحییٰ لاہور میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد اودھ آکر قیام پذیر ہوئے۔ چونکہ صحیح النسب سادات سے تھے۔ تمام شہر باعظمت پیش آتا تھا۔ حضرت کی پیدائش اودھ میں ہوئی۔ جب عمر حضرت کی نو برس کی ہوئی تو آپ کے والد صاحب نے قضا کی اور پھر آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کی تربیت اور تحصیل علم میں بہت کوشش فرمائی۔ چنانچہ پہلے مولانا عبدالکریم شیروانی کے زیر تعلیم رہے۔ اُن کے انتقال کے بعد مولانا افتخار الدین گیلانی سے علوم ظاہری حاصل کئے۔ مگر عالم طفلی سے آثار ترک و تجدید و نفس کشی کے حضرت کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ ہمیشہ صائم رہتے تھے۔ کبھی نماز باجماعت فوت نہیں ہوئی۔ اکثر سنبھالو سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ سات برس متواتر ایک درویش کامل کے ساتھ نماز جماعت سے ادا کی، بعدہٗ ریاضت اور مجاہدہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب چالیس برس کا سن ہوا، دہلی میں تشریف لائے۔ زیارت اور خدمتِ حضرت سلطان المشائخ سے مشرف ہوئے اور خدمات شائستہ بجا لاکر بخطاب محمود گنج شرف سے مخاطب ہوئے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ شب و روز کمر بستہ خدمت پیر و مرشد میں حاضر رہتے تھے، حضرت سلطان المشائخ اس وقت کیلو کھڑی میں تشریف فرما تھے اور دریا کے کنارے ایک بالاخانہ تھا۔ اس میں عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس جگہ سوائے حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرا نہ جا سکتا تھا۔ یہ بھی اسی بالاخانہ میں عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک بار چند درویش خاندان شیخ بہاؤ الدین کے آکر شب باش ہوئے۔ صبح ان میں سے ایک درویش دریا پر غسل کرنے لگا۔ کوئی اُچکا آیا اور اس کے کپڑے اُچک کر لے گیا۔ وہ بے چارہ ننگا غل مچاتا آیا۔ حضرت اس جگہ آئے اور اپنے کپڑے اس کو دے کر فرمایا کہ غل نہ مچا۔ یہ لے جا۔ اس میں مقصد کیا تھا ایسا نہ ہو کہ اس کے غل سے پیر کی مشغولیت میں فرق آئے۔ حضرت سلطان المشائخ نے یہ معاملہ اپنے کشف سے معلوم فرما کر بعد نماز چاشت آپ کو بلایا اور نہایت مہربانی سے اپنی پوشاک میں سے اُن کو پوشاک عطا کی۔ اخبار الاخیار سے نقل ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کبھی کبھی حسب اجازت پیر و مرشد اپنی بڑی بہن سے ملنے اودھ جایا کرتے تھے۔ آپ کے ہمشیرہ زادہ ایک روز حضرت

Marfat.com

مخدوم نصیر الدین نے امیر خسرو قدس سرہٗ سے کہا کہ تم سفارش کرو کہ جب میں اودھ میں ہوتا ہوں تا بہ سبب مزاحمتِ خلق مشغول نہیں رہ سکتا۔ اگر شیخ کا حکم ہو تو جنگل میں رہ کر عبادتِ حق میں مشغول رہا کروں، امیر صاحب یہ سُن کر وقتِ معینہ پر بعد نماز عشاء جب خدمت حضرت سلطان المشائخ میں عرض معروض کے لیے حاضر ہوئے تو جو انھوں نے کہا تھا، عرض کیا، اس پر حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے کہو تجھے درمیان خلق کے رہنا ہے ان کے جور و جفا اٹھاتے ہوں گے اس کے بدلے میں عطا کرنی ہوگی اور پھر حضرت شیخ نصیر الدین کو حجرہ شریف میں طلب فرما کر ارشاد کیا کہ تیرے دل میں کیا ہے اور جنگل میں رہنے سے تیرا مقصود کیا ہے۔ تیرا باپ کیا کام کرتا تھا۔ آپ نے عرض کیا کہ مقصود میرا مُدّعا مزید حیاتِ خواجہ ہے اور کفش برداری درویشوں کی۔ میرے والد روئی کے سوداگر تھے۔ اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں اجودھن میں بابا صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ میرا ایک دوست اور ہم سبق آگیا۔ میرے رنگین کپڑے اور وہ بھی پھٹے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ تمہارا یہ حال ہو گیا اگر اس شہر میں معلّمی کرتے تو اسباب معیشت سے انفراغ رہتا۔ میں نے یہ سُن کر کچھ جواب نہ دیا لیکن جب خدمتِ بابا صاحب میں گیا تو مجھ کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ نظام الدین اگر کوئی تیرا دوست آکر کہے کہ تو نے اپنا کیا حال کر رکھا ہے معلّمی ہی کر جو فراغت حاصل ہو تو کیا جواب دے گا۔ میں نے عرض کیا جو حکم عالی ہو، فرمایا کہ کہو

نہ ہمسری تو مرا خویش گیر در برو　　ترا سعادت بادا مرا نگونساری

بعدہٗ فرمایا کہ کھانے کا خوان لا، جب میں لایا تو ارشاد فرمایا کہ اس کو سر پر رکھ جہاں تیرا دوست ٹھہرا ہوا ہے لے جا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب اُس دوست کے روبرو گیا۔ اُس نے کہا مبارک باد۔ تجھ کو یہ صحبت حضرت شیخ نصیر الدین فرماتے ہیں کہ اس طرح بندہ کو تلقین فرمایا کہ بعدہٗ ریاضت اور مجاہدہ فرمایا۔ کبھی مجھ کو دس دس روز یونہی گذر جاتے تھے۔ جب بُرا حال ہوتا تو تُرشی کھاتا۔ نقل ہے کہ ایک روز ان کے کسی پیر بھائی کے گھر میں مجلس تھی، اور آپ بھی اس مجلس میں موجود تھے کہ باجے کے ساتھ سماع شروع ہُوا۔ آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے۔ دوستوں نے کہا۔ بیٹھو، آپ نے فرمایا میں نہ ٹھہروں گا۔ یہ امر خلاف سُنّت ہے لوگوں نے کہا کیا سماع سے منہ ہوا اور ہم مشرب پیروں سے پھر گئے ہو۔ آپ نے فرمایا یہ کوئی حجت نہیں۔ دلیل تو کتاب و حدیث سے چاہیے۔ آخر بعض نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ اُن کا اتقا بڑھا ہوا ہے۔ سیر الاولیا سے نقل ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کی مجلس سماع میں مزامیر نہیں ہوتا تھا، اگر کوئی ذکر بھی کرتا تھا کہ فلاں صاحب کے یہاں سماع مزامیر کے ساتھ ہوا تو آپ منع فرماتے تھے۔ نقل ہے کہ شیخ برہان الدین غریب کو حضرت مخدوم صاحب کے ہم مجلس تھے، ان کے پاس سے وہ کلاہ نمدی کہ جو عطیۂ شیخ تھی گم ہو گئی۔ یہ بہت غمگین ہو گئے۔ ان کی تشویش دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس سے عمدہ تحفہ عطیہ تم کو آج بخشش ہوگا اور کلاہ گم کردہ بھی ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت پیر روشن ضمیر نے مولانا کو مصلّی مرحمت کیا اور گٹھڑی میں سے کلاہ بھی مل گئی۔ لکھا ہے کہ آپ کے یہاں سماع میں مزامیر نہ ہوتا تھا، ایک روز اس بیت پر حالت ہوئی۔ بیت

نظر از دیدہ ما ناقص فتاد است　　وگر نہ یار ما از کس نہاں نیست

Marfat.com

ایک بار کوئی آپ کی پوشاک چُرالے گیا۔ آپ نے دم نہ مارا بوصیتِ مرشد پابند رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن بعد نماز ظہر حضرت حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے اور مراقبہ میں سر جھکائے ہوئے تھے۔ تواب نام ایک قلندر بے باک کہ برسوں سے آپ کا دشمن تھا۔ خالی موقع پاکر حجرہ میں گھس آیا اور گیارہ زخم چھرے سے جسم مبارک پر لگائے۔ سمجھا کہ کام پورا کرچکا، اور وہاں سے بھاگا۔ مریدوں نے دیکھ کر اسے گرفتار کرلیا اور حضرت کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کوئی اُسے مزاحمت نہ کرے اور شیخ صدرالدین حکیم اور شیخ زین الدین کو قسم دی کہ ہرگز اس کو ایذا نہ دیں اور اس قلندر کو نزدیک طلب فرماکر بہت کچھ دے کر رخصت فرمایا اور دوستوں سے کہا کہ اگر اس کو ایذا دی جاتی تو خلاف وصیت شیخ ہوتا۔ کیا عجب ہے اس کا دل دُکھا ہو، بعد اس واقعے کے تین برس اور بقید حیات رہے۔ سیرالاصفیا سے نقل ہے کہ سلطان محمد تغلق جو عمر سمر قندی و علی قندھاری کے ورغلانے سے ناخوش ہو رہا تھا۔ ایک روز دعوت کے حیلہ سے شیخ کو بلایا اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا سامنے رکھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر شیخ نے ان برتنوں میں کھایا تو بحیلہ شرعی پکڑ لیں گے، اگر نہ کھایا تو توہینِ سلطان میں پکڑ لیں گے۔ حضرت شیخ نے نور باطن سے دریافت فرماکر تھوڑا کھانا ہاتھ پرلے کر پہلے زبان پر رکھا، پھر اس کو نوش کیا حاسد مجبور اور شرمندہ ہوکر رہ گئے۔ بعدہٗ سلطان نے دو توڑے زر سرخ، دو تھان پارچہ شیخ کو پیش کئے، آپ نے اُن کی طرف التفات نہ فرمایا اور کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں خواجہ نظام الدین وزیر بادشاہ نے دیکھا۔ یہ خواجہ بادشاہ کا عزیز اور حضرت سلطان المشائخ کا مرید صادق تھا۔ اُس نے اُٹھ کر تھان اور دونوں توڑے اٹھا کر خدام شیخ کے حوالہ کیے اور کفش حضرت کی اپنے رومال سے جھاڑ کر سامنے رکھی اور دروازے تک ہمراہ آیا۔ جب وہ واپس سلطان کے پاس آیا۔ سلطان نے دست بقبضہ ہوکر خفگی سے کہا کہ تم نے عطیہ سلطانی کیوں ہاتھ سے اٹھایا، کیوں پاپوش جھاڑیں اور کیوں اُن کے آگے رکھیں۔ خواجہ نظام الدین نے جواب دیا کہ میرا فخر ہے کہ ان کی جوتی کو اپنا تاج سر بناؤں کہ میں غلام نظام الدین اولیا کا ہوں اور میری جانِ ناتوان ان کی خاکِ پا پر فدا ہے۔ یہ سُن کر سلطان کو بہت غصہ آیا مگر حضرت کی توجہ کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا۔

صاحب جوامع الکلم راوی ہیں کہ حضرت شیخ نصیرالدین کو خانقاہ میں اس بیت پر وجد ہوا:

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد وہم کردی
قلم بر بےدلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ لکھا اور اس مجلس کی تمام کیفیت لکھی، اور لکھا کہ شیخ کو اس بیت پر حالت ہوئی کہ جس میں خداوند تعالیٰ کی نسبت جور و جفا سے اشارہ کرتے ہیں۔ اس میں کفر لازم آتا ہے۔ اس میں چند کلمہ ایسے ہی جمع کر کے مولانا معین الدین عمرانی کے پاس بھیج دیئے۔ انھوں نے دیکھ کر حضرت کی خدمت میں ارسال کی۔ آپ نے مولانا عمرانی کو طلب فرمایا۔ وہ کتاب ان کو واپس دے کر دستار خلافت عطا کی، دوسرے روز پھر سماع تھا، حضرت کو اس رباعی پر اضطراب ہوا۔ رُباعی

باطبل مغانہ دوش بے باک زدیم ۔۔۔ عالی علمش برسر افلاک نودیم
از بہر یکے بلغچہ ئے خوارہ ۔۔۔ صد بار کلاہ توبہ برخاک زدیم

Marfat.com

بعد اضطراب بسیار بالائے بام تشریف لاکر بیٹھے اور مولانا مغیث کو طلب کیا۔ جب وہ روبرو آئے تو فرمایا کہ مولانا لکھئے کہ اسجگہ کیا جہل ہے پھر فرمایا کہ باہر کردو دوچار روز کے بعد مولانا مغیث نے انتقال کیا، اخبار الاخیار سے نقل ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخی کروں۔ آج

مسلمانا مسلمانا مسلمانی مسلمانی ازیں آئین بے دینیا پشیمانی پشیمانی

فرمایا کہ ایمان کا غم کھانا چاہیے۔ درپے کرامت نہ ہونا چاہیے حیران ہوں کہ خلق بے مشاہدہ کیونکر جیتی ہے حضرت سید محمد گیسو دراز سے نقل ہے کہ خواجہ نے فرمایا کہ میں بچہ تھا ایک مسجد میں قرآن پڑھتا تھا۔ اس مسجد میں ایک درخت تھا۔ ایک کوا آکر اس پر بیٹھا، جو کچھ اس نے باواز بلند کہا میں نے اس کو سمجھا، خیر المجالس سے نقل ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہوکر حضرت سے سوال کیا کہ کچھ فقیروں کے حال کے متعلق ارشاد فرمائیں کہ یہ کیوں ہوتا ہے۔ فرمایا کہ حال نتیجۂ صحبت و اعمال ہے اور عمل کی دو قسمیں ہیں، اول عمل جوارح وہ ظاہر ہے اور دوم عمل قلب اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اول انوار عالم علوی سے روحوں پر نازل ہوئے ہیں اس کے بعد اس کا اثر قلب پر ہوتا ہے، بعدہٗ جوارح پر، جوارح تابع قلب ہیں۔ جب قلب متحرک ہوتا ہے۔ جوارح بھی حرکت میں آتے ہیں۔

وفات حضرت کی ۱۷ یا ۱۸ رمضان شب جمعہ ۷۵۷ھ میں ہوئی۔ مزار قریب شاہجہان آباد درگاہ چراغ دہلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ کاتب الحروف کے والد کا بھی مزار آستانہ فیض نشانہ، حضرت میں مزار حضرت شیخ کمال الدین علامہ سے جانب شرق سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ ان کو حضرت سے بہت عقیدت تھی، اس وجہ سے وہاں مدفون ہوئے۔ اور مولانا مظہر کرمانی نے یہ مرثیہ لکھا ہے۔

مرثیہ

زر دار محنت این نہ سپہر زنگاری — کدام دل کہ نہ خون گشت از جگر خواری
کجا بجام طربت مجلسے بنا کردند — کہ سپہر بنا رید سنگ قہاری
وفا ز عالم فانی مجو کہ مشہور اند — فلک بخیرہ کشی اختران بغداری
خزینہ ایست سپہر از نفوس انسانی — دفینہ ایست زمین از بنان فرخاری
تو اے عزیز کہ در ملک مغروری — مباش ایمن اگر عاقلی و ہوشیاری
چہ دانی آنکہ در اوراق کارخانہ غیب — قضا چہ نقش بر آرد ز کلک جباری
زمانہ صلح کند باول تو یا خصمی — فلک بدشمنی آید بہ پیش یا یاری
چو وقت آں برسد ہیچ کس نگیر دوست — نہ ملک نے ملکی نے سپہ سالاری
بقا: بقا خدا ایست و ملک ملک خدائے — کہ نیست قائم و دائم کے مجز باری

Marfat.com

زدست چرخ ندانم کجا کنم فریاد ـ | کہ بر گذشت بما جور روز بسیاری
جہاں بہ ماتم خواجہ نصیر الدین محمود، | ہزار گونہ فغاں کرد نوحہ و زاری
بقیہ سلف و یادگار اہل کرم | کہ کرد ختم خلافت بہ ملک دینداری
مہیمنا ملک منعما خداوند | بحق نعمت قرآن و دولتِ قاری
برحمتِ تو کہ عام است در جہاں باقی | لعزتِ تو خاص است در جہاں داری
کہ روحِ اعظم آں شیخ پیشوائے کرم | کہ مقتدائے جہاں بودہ است زاخیاری
ندیم قربت خود کن غریق رحمتِ خویش | ہوا ور رسل وانبیا ز مختاری
بساط صحن واز حل ہا فند دوسی | خلافت قبر کن از پردہ ہائے غفاری

خلفاء حضرت کے حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ حضرت شیخ کمال الدین
۲۔ علامہ میر سید محمود گیسو دراز دہلوی
۳۔ میر سید محمد ابن جعفر مکی
۴۔ ملک زادہ احمد
۵۔ مولانا معین الدین عمرانی
۶۔ میر سید علاء الدین برادرزادہ مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
۷۔ شیخ یوسف تحفۃ النصائح
۸۔ محمد وحید الدین ادب
۹۔ سید جلال الدین کشوری
۱۰۔ قاضی محمد سعدی فاضل ۔
۱۱۔ شیخ سلیمان لودھی
۱۲۔ شیخ محمد متوکل کشوری ۔
۱۳۔ شیخ دانیال رح
۱۴۔ شیخ مقدم الدین
۱۵۔ قاضی عبد المقتدر
۱۶۔ مولانا خواجگی
۱۷۔ مولانا احمد تھانیسری
۱۸۔ شیخ زین الدین ہمشیرزادہ حضرت شیخ صدر الدین
۱۹۔ حکیم شیخ سعد اللہ گیسو دراز

نقل ہے کہ جس زمانہ میں جواہر سنگھ جاٹ نے دہلی کو لوٹا اور اس کے اطراف میں جو قریہ اور موضع تھے، سب کو تاراج کیا، چراغ دہلی میں ایک برہمن رہتا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ملک لُٹ رہا ہے ہم بھی تباہ ہوں گے۔ مزار شیخ پر چل کر عرض کیجئے کہ یہ بستی کسی طرح بچے مراد والے دُور دُور سے آتے ہیں اور اس مزار کے صدقہ میں دلی مراد پاتے ہیں ۔ یہ سوچ کر اُس نے اپنا لوٹا برنجی مانجھا غسل کیا، لوٹا پانی سے بھر کر مزار معلٰی پر آیا، لوٹا رکھ کر عرض کیا کہ میں برہمن ہوں میری نذر قبول ہو اور آپ پر روشن ہے کہ تمام علاقہ برباد ہو رہا ہے ۔ ہم لوگ جو اس چار دیواری کے اندر بستے ہیں آپ کی رعایا ہیں ۔ اور سوائے آپ کے دوسرا وسیلہ نہیں رکھتے ۔ یہ وقت مدد کا ہے یہ عرض کر کے اپنے مکان پر آیا۔ تمام دن حضرت سے لو لگائے رہا۔ شب کو جب وہ سویا خواب میں دیکھا کہ حضرت

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ تم دروازہ بند کئے دلجمعی سے بیٹھے رہو، اگر تمہاری طرف وہ آویں گے تو اندھے ہو جاویں گے۔ چنانچہ جاٹ چراغ دہلی کے لوٹنے کو آتے تھے احاطہ چراغ دہلی ان کو نظر نہ آتا تھا۔ تمام جنگل میں پھر کر چلے جاتے تھے۔ جب کئی بار انہوں نے حملے کیے اور ناکام رہے تو اطراف کے لوگوں سے پوچھا کہ احاطہ چراغ دہلی نہیں ملتا۔ ان لوگوں نے کہا دیکھو یہ سامنے دکھائی دیتا ہے وہ پھر گئے جب قریب پہنچے حصار چراغ دہلی پھر نہ دکھائی دیا۔ انہوں نے تجسس کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جو ہم قریب جاتے ہیں حصار چراغ دہلی نظر نہیں آتا، لوگوں نے کہا کہ وہاں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا مزار ہے۔ وہ بستی ان کے نام پر مشہور ہے۔ وہ اپنی بستی پر بہت مہربان ہیں اور بستی والے ان کے بہت معتقد ہیں یہ ان حضرات کا تصرف ہے یہ سنکر وہ معتقد ہوئے اور خلوص ارادہ سے واسطے زیارت کے آئے شیرینی عطر پھول اور چادر چڑھائی اور اپنی تمام کیفیت تمام اہل بستی سے بیان کی۔ چنانچہ گورنمنٹ انگریزی نے جب دہلی پر تسلط پایا تو مسلمانان شہر جہاں ملتے گرفتار کیے جاتے، پھانسی دیئے جاتے۔ ہر ایک قریہ اور قصبہ ۵۷ء میں مصیبت زدہ پناہ گزین تھے چنانچہ چراغ دہلی میں بھی بہت سے آدمی تھے۔ بعضے فوجی زخمی بھی تھے۔ مٹکاف صاحب سوار لیئے ہر طرف گھومتے لوٹتے مارتے گرفتار کرتے پھرتے اہل شہر کے ساتھ بعض اہل دیہہ بھی برباد ہوئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر خدام آستانہ شریف اور دیگر اہل بستی نے اسی برہمن کی اولاد سے ایک شخص تھا کہا: کہ تیرے دادا نے پہلے بھی حضرت سے عرض کیا ہے۔ اور وہ عرض قبول ہوئی اور لٹنے سے بستی بچی، ہماری رائے یہ ہے کہ جس طرح تیرا دادا گیا تھا تو بھی اسی طرح مزار حضرت پر جاکر عرض کرتا کہ اس آفت سے بستی بچے یا جیسا حکم ہو عمل میں لائیں۔ وہ برہمن بدستور نہا دھو کر لوٹا پانی کا لے کر مزار پر انوار پر آیا اور بہت دیر تک گریہ وزاری کرتا رہا اسی شب کو اس کو خواب ہوا کیوں گھبراتا ہے بستی والوں سے کہہ دے کہ جو آ گئے ان کو نہ نکالو نہ اب اور کسی کو اپنی بستی میں آنے دو۔ یہاں سے کوئی گرفتار نہ ہوگا۔ نہ اور ہر آئی آفت آوے گی۔ چنانچہ ایک متنفس بھی چراغ دہلی سے گرفتار نہیں ہوا۔

صاحب معدن المعانی نے لکھا ہے کہ جب وقت نزع کے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا نزدیک پہنچا۔ شیخ رکن الدین برادر شیخ کمال الدین (اپنے ہمشیرزادہ) کو بلا کر فرمایا کہ خواجگان چشت کی نعمتوں میں سے جتنا جس کو نصیب تھا وہ میں نے مریدوں کو دیدیا تم کو چاہیے۔ کہ جب مجھ کو قبر میں رکھو تو خرقہ میرے سینے پر اور کاسہ چوبیں سر کے نیچے اور یہ تسبیح زیر انگشت اور ایک طرف نعلین اور ایک طرف عصا رکھنا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعد فاتحہ سوم میر سید گیسو دراز کو دہلی میں رہنا اور خرقہ کا نہ ملنا شاق گذرا۔ آخر جس چارپائی پر حضرت کو غسل دیا تھا اس کے بان کو نکال کر وہ جھلنگا اپنے گلے میں ڈالا، اور کہا میرا یہی خرقہ ہے اور دکن کی طرف کوچ کیا، کہتے ہیں کہ راستہ میں جس کسی پر اس جھلنگے میں سے نکال کر ذرا سا بان ڈال دیا، وہی اولیا ہو گیا صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں، کہ بار دوم جب میں دہلی شریف میں روز پنجشنبہ اور شب جمعہ روضہ اقدس حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی پر گزرا تمام شب بیدار اور مشغول رہا، انواع سعادت حاصل کیں۔ جب حضور بار وحانیت پاک بیدار ہوئے، بندہ نے گستاخی سے عرض کیا کہ اکثر خلفائے حضرت کے صاحب مقامات اور کرامات ہوئے مگر خرقہ خلافت کسی کو بھی مرحمت نہیں ہوا، فرمایا کہ سچ ہے۔ بعض میرے مرید صاحب مقامات عالی ہوتے ہیں مگر اس وقت جن میں تھوڑا سا تعصب کا اثر باقی تھا اس واسطے مقتضائے دیانت وامانت نہ تھا کہ خرقہ اپنے

Marfat.com

اپنے پیر کا اُس شخص کو دوں جو قیدِ تعصّب سے باہر نہ ہو۔ اسوجہ سے خرقہ پیر کسی کو نہیں دیا گیا۔ مگر بعض مریدوں کو میں نے اپنا خرقہ دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ سلسلہ پیران چشت اُن سے جاری رہے گا۔ کہ اب وہ قیدِ تعصب سے باہر ہوئے اور حجاب تعصب اُٹھ گیا۔ بمرتبہ توحید مطلق کے پہنچے کہتے ہیں کہ بعد اس کے میرے اوپر تجلّی ہوئی۔ ایسی کیفیت میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ پس میں سجدۂ شکر بجا لایا اور تصرفاتِ روحانیّت حضور پر متحیّر ہوا ؛

Marfat.com

حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی رح

حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحبؒ شاہ فخر صاحبؒ کے مشہور ترین خلفاء میں تھے۔ علم وفضل میں یکتائے عصر تھے۔ زہد و تقوے کا دُور دُور شہرہ تھا۔ بریلی میں ان کی خانقاہ تھی۔ ہزاروں عقیدت مندوں کا وہاں ہجوم لگا رہتا تھا۔ تشنگانِ معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے دُور دُور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مولانا غلام سرور کا بیان ہے۔

خلق بے شمار بہ حلقۂ ارادت دے درآمد	بے شمار خلق ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھی،
ومرداں از اقالیم دورو دراز یعنی از قابل وقندھا	اور لوگ دُور دراز ملکوں سے یعنی کابل، قندھار،
وشیراز وبدخشاں بہ خدمت بابرکت دے حاضر آمدہ	شیراز اور بدخشاں سے ان کی خدمت میں حاضر ہوکر
مستفید ومستفیض شدند[1]"	فیض اُٹھاتے اور فائدہ حاصل کرتے تھے۔

خود شاہ صاحب کا عالم یہ تھا کہ عشقِ حقیقی کے نشے میں چور رہتے تھے۔ دردِ عشق ان کا سرمایہ حیات تھا۔ یہ آگ ہر وقت ان کے سینے میں سلگتی تھی۔ کبھی کبھی اس کے شرارے شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ وہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن جب کبھی کہتے تھے۔ اپنا دل نکال کر رکھ دیتے تھے۔ ان کے لفظ لفظ سے اثر ٹپکتا تھا۔ ان کا شعر اعماقِ روح سے نکلتا اور سننے والے کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا کلام اس زمانہ کے صوفیہ میں بہت مقبول ہوا، صاحب خزینۃ الاصفیا نے لکھا ہے۔

حضرت شاہ دل آگاہ بہ شعر رغبت تمام داشت	حضرت شاہ صاحب شعر کی جانب بڑی رغبت
واشعار آب دار متضمن حقائق ومعارف گفتے	رکھتے تھے اور نہایت آبدار اشعار جن میں حقایق
چنانچہ۔ دیوانِ نیاز کہ از تصانیف آں حضرت	ومعارف کا ذکر ہوتا تھا۔ کہتے تھے۔ چنانچہ دیوان نیاز

---

[1] خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول۔ ص

Marfat.com

است بسیار مرغوب و مطبوع طبع جماعت اصفیا[1] جماعتِ اصفیا میں بے حد مرغوب ہے۔
است"

ولادت اور ابتدائی حالات
شاہ نیاز احمد صاحبؒ ۱۱۷۵ھ میں بہ مقام سرہند پیدا ہوئے[2] والد ماجد حکیم شاہ رحمت صاحب کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ والدۂ ماجدہ نے پرورش کی اور تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام کیا۔ جب سرہند کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو دہلی میں شاہ فخر الدین صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں علومِ ظاہری کی تکمیل کے لیے حاضر ہوئے۔ شاہ نیاز احمد صاحبؒ نہایت ذکی اور ذہین اللسان تھے۔ ۱۶ سال کی عمر میں معقول و منقول، فروع و اصول، حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کر لیا۔ علومِ ظاہری سے فراغت ہوئی تو شاہ فخر الدین دہلویؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ اور علومِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۹ سال تھی، آپ کی لیاقت، استعداد اور سعیٔ پیہم سے پیر بہت متاثر ہوئے اور اپنا خلیفۂ راستین مقرر کیا۔ اور بریلی میں اقامت کی ہدایت فرمائی۔ بریلی پہنچ کر شاہ نیاز احمد صاحب نے اپنی خانقاہ قائم کی، جو بہت جلد بقول مولانا غلام سرور "معدنِ فیوضِ ربّانی اور مطلع انوارِ سبحانی" بن گئی۔ جگہ جگہ سے لوگ آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو ہندوستان میں جو کچھ فروغ ہوا، وہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب دہلویؒ کے دو مریدوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ شاہ نور محمد صاحب نے پنجاب میں اور شاہ نیاز احمد صاحب نے یو پی میں اس سلسلے کو خوب پروان چڑھایا۔

دہلی میں درس و تدریس
اس زمانہ کے صوفیہ نے درس و تدریس کا کام اپنے پروگرام کا ایک لازمی جزو بنا لیا تھا۔ چنانچہ شاہ نیاز احمد صاحب نے بھی کافی عرصہ تک دہلی میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ مصحفی نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کی "شانِ علم" اور "وجاہت" دیکھی تھی، ریاض الفصحا کے ایک بیان سے دہلی میں ان کی تعلیمی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے[3]

مصحفی اور شاہ صاحبؒ
مصحفی نے دہلی میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب سے تلمذ کیا تھا۔ ریاض الفصحا میں لکھتے ہیں۔
"چند روز میزان ہم از ایشاں در شاہ جہاں آباد خواندہ بود"[4]
جب مصحفی لکھنؤ چلے گئے اور ان کے شاعرانہ کمالات کا شہرہ شاہ صاحب کے کانوں تک پہنچا تو اپنی ایک غزل مصحفی کو لکھ کر بھیجی۔

کسے کہ سرِ نہاں است ہمہ اوست | عروسِ خلوت و ہم شمعِ انجمن ہمہ اوست
زمصحفِ رخِ خوباں ہمیں نمود رقم | کہ خط و خال و رخ و زلفِ پرشکن ہمہ اوست

---

[1] جلد اول۔ ص [2] مناقب فریدی۔ ص ۸۴ [3] ریاض الفصحا ص ۳۴۹ [4] ریاض الفصحا صفحہ ۳۴۹ (مطبوعہ انجمن ترقی اردو)

Marfat.com

نظر بہ عیب مکن ورظہور باغِ وجود ! | کہ طوطیان چمن زاغ و ہم زغن ہمہ اوست
از سرِ عشق چو واقف شوی یقیں دانی | کہ قیس و لیلےٰ و شیریں و کوہ کن ہمہ اوست
شنیدہ ام بہ صنم خانہ از زبانِ صنم | صنم پرست و صنم گر صنم شکن ہمہ اوست

رساند مسطرب خوش گو ہمیں ندا در گوش !
کہ چوب و تار صدائے تنن تنن ہمہ اوست

شاہ صاحب بہ حیثیت شاعرِ اردو

شاہ نیاز احمد صاحبؒ کو سوز و گداز سے بھری ہوئی طبیعت ودیعت کی گئی تھی عشق ان کے خمیر میں تھا۔ جذباتِ عشق و محبت کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ شاہ صاحب شعر بہت کم کہتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے اُردو اور فارسی دونوں دیوان بہت مختصر ہیں۔ لیکن جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جامعیت اور افادیت میں کم نہیں ان کی فکرِ رسا نے تصوّف کے نہایت باریک نکات کو انتہائی حسن اور دل کشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں آورد نہیں۔ وہ قلبی واردات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سوز و گداز، درد، علوِ معانی کے علاوہ نفاست، سلاست اور روانی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ حضرتِ نیازؔ نے فکرِ رسا پائی تھی اور اس پر خود حضرت نیاز کو ناز تھا۔ کہتے ہیں ؎

رکھتے ہیں نیازؔ یہ اہلِ دل ترے شعر سننے کا اشتیاق | غزل ایک دوسری اور کہہ تجھے حق نے فکرِ رسا دیا

ایک جگہ اپنی فصیح البیانی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں ؎

بھلا ایک غزل اور بھی ایسی کہیو | تجھے میں فصیح البیان دیکھتا ہوں

سلاست اور روانی حضرتِ نیازؔ کے کلام کے خاص جوہر ہیں وہ نہایت بلند خیالات کو انتہائی سادگی، نفاست اور دل کشی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اس سادگی میں ادبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ یہاں آمد ہی آمد ہے، آورد کا نام نہیں، چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

رواں آنکھوں سے ہے سیلاب گلگوں | الٰہی چشم ہے یا چشمۂ خوں !

اک تو ہی نہیں میں بھی ہوں ان آنکھوں کا مارا | اے اہلِ نظر نرگسِ بیمار سے کہہ دو

کروں کیا بیاں میں ہم نشیں اثر اس کے لطفِ نگاہ کا | کہ تعینات کی قید سے مجھے ایک دم میں چھڑا دیا

فرشِ زمیں ہے خاک نشینوں کا بسترا | بے خانمانِ عشق کا تکیہ ہے خشت و سنگ

Marfat.com

مجھ سے مریض کو طبیب ہاتھ تو اپنا مت لگا ‎ ‎ اس کو خدا پہ چھوڑ دے پھر خدا جو ہو سو ہو

غمِ جدائی کو ہم جانیں یا خدا جانے ‎ ‎ بلاکشوں پہ جو گذری تری بلا جانے

بعض چھوٹی بحر کی غزلیں اپنی روانی، سادگی اور شگفتگی میں بے نظیر ہیں ۔

ستارے نہیں یہ شبِ تار کے ‎ ‎ شرارے ہیں آہ شرربار کے
مبارک رہے تجھ کو واعظ بہشت ‎ ‎ میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے
جو دیکھے تجھے بلبل اے رشکِ گل ‎ ‎ نہ پھٹکے کبھی گرد گلزار کے
صفائی ترے سلک دنداں کی دیکھ ‎ ‎ ہوئے غرق دریا گہر بار کے
کہاں فصلِ گل ہے کہاں وہ بہار ‎ ‎ چلو مل کے رو دیں گلے خار کے
غزل اور ایسی ہی کہیو نیاز
کہ مشتاق ہیں تیرے اشعار کے

حضرتِ نیاز کو زبان پر بڑی قدرت تھی۔ وہ نہایت ہی سنگلاخ زمین میں بہت ہی بے تکلف شعر کہتے تھے اور کمال یہ ہے کہ ان اشعار میں بھی آورد کا شبہ نہیں ہوتا۔ ایک غزل کا مطلع ہے ۔

لشکرِ غم آپڑا اقلیم دل پر ٹُوٹ ٹُوٹ ‎ ‎ یاں ندائے الاماں تھی واں صدائے لوٹ لوٹ

اس زمین پر تقریباً ۲۸ شعر کہے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

چشمِ بد سے دُور رہیو کیا ہی آب و تاب ہے ‎ ‎ ہوں گی یہ آنکھیں بنائی موتیوں سے کُوٹ کُوٹ
دیکھ میرا خونِ اشک اُس نے کہا شب مجھ کو دیکھ ‎ ‎ تیری آنکھوں میں گئی میری حنا سب چھُوٹ چھُوٹ

شیفتہ نے گلشن بے خار میں ان کے یہ اشعار منتخب کیے ہیں۔[1]

وہ جو نقشِ پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی ‎ ‎ سو کشش نے دامنِ ناز کی اُسے بھی زمیں سے مٹا دیا
مجھے چین خوابِ عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال ‎ ‎ یہ جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا
صبر و قرار و شکیب طاقت و تاب و تواں ‎ ‎ اور تو سب چل بسے رہ گئی اک جان تو
ہجر کی جو مصیبتیں عرض کیں اُس کے رو برو ‎ ‎ ناز و ادا سے مسکرا کہنے لگا جو ہو سو ہوئے

وحدتِ وجود

شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے دیوان کا اصل موضوع وحدتِ وجود ہے۔ انہوں نے اٹھارویں صدی میں اس نظریہ کی اشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصّہ لیا۔ ان کا سارا کلام اسی سے لبریز ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

---

[1] گلشن بے خار، ص ۲۳۳ (نول کشور سنہ ۱۹۱۰ء)

Marfat.com

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگار کثرت — گر سِرِ معرفت کو پاوے شعور تیرا

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا — از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا

عالم کہے جس کو جہان یعنی جہان جسم و جان — شانیں ہیں سب اس ذات کی جسکو کہے سنسار ایک

بے امتیاز بیش و کم دانے میں ہیں یہ سب بہم — بیخ و درخت و شاخ و گل ابنوہ برگ و بار ایک

طوطی ہو جب دستاں سرا سو سو طرح سے دے نوا — ہر دم نئی بولے صدا اور ہے وہاں منقار ایک

نیرنگیوں سے یار کی حیراں نہ ہو جیو — ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا!

جسے ذات بے رنگ و بے چوں کہیں ہیں — بہ ہر رنگ جلوہ کناں دیکھتا ہوں

صورتِ گل میں کھلکھلا کے ہنسا — شکل بلبل میں چہچہا دیکھا
شمع ہو کر کے اور پروانہ — آپ میں آپ کو جلا دیکھا
کر کے دعوا کہیں انا الحق کا — بر سرِ دار وہ کھینچا دیکھا

کائنات ان کے نزدیک ایک بحرِ رواں ہے مسلسل اور متواتر۔

اگر کوئی جانے جہاں غیرِ حق ہے — سو میں اس کو دھوکا گماں دیکھتا ہوں
یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عینِ حق ہے — کہ اک بحرِ ہستی رواں دیکھتا ہوں
ازل سے لے کے ابد تک وہی جو ہی سو ہے — یہ رنگ بحرِ رواں جس میں ہے نہ توڑ نہ جوڑ

اسی مسئلے کو ریاضی سے بھی ثابت کرتے ہیں۔ جو رشتہ ایک (مبتدا الاعداد) اور دوسرے اعداد میں ہے وہی رشتہ خدا اور کائنات کے درمیان ہے۔

تعینات کے نقطوں سے ہے کثیر احد — وہی ہے ایک یہ دس سو ہزار لاکھ کروڑ

Marfat.com

ہیں دیدۂ بینا میں ہم سارے کم و بسیار ایک — کثرت نمایاں اپنی ہو جتنا کرے تکرار ایک

وحدتِ اَدیان

شاہ نیاز احمد صاحبؒ وحدتِ ادیان کے قائل تھے۔ ان کی حریتِ فکر و ضمیر کا یہ عالم ہے، کہتے ہیں :

یہ سب ادیان و ملل ہیں شاخہائے یک درخت — ایک جڑ سے ہیں یہ نکلی ڈالیاں سب پھوٹ پھوٹ

گر بادۂ توحید پئیں اہلِ مشارب — ہفتاد و دو ملت کی ہو تکرار فراموش

جو ربّ الحرم ہے صنم بھی وہی ہے — حرم و دَیر میں ایکساں دیکھتا ہوں

اسے برہمن اور اُسے شیخ مانے — یہ آپس کا جھگڑا یہاں دیکھتا ہوں

عشقِ حقیقی

شاہ نیاز احمد صاحبؒ صوفی تھے عشقِ الٰہی اُن کے خمیر میں تھا۔ وہ عشق کے بندے تھے۔ عشق کی دنیا میں رہتے تھے عارف رومؒ کی طرح ان کے قلب کی دھڑکنوں میں یہ آواز پوشیدہ تھی ؎

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما — اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

عشق کے اُن پر اتنے احسان ہیں کہ کہتے ہیں ؎

کہاں تک کہوں لطف و احسانِ عشق — کہ جوں جوں اُٹھا میں پڑھایا مجھے

یہاں تک دیا مجھ کو حُسنِ عروج — کہ بندے سے مولا بنایا مجھے

عشق کی دُنیا میں پہنچ کر وہ عقل و ہوش کو الوداع کہتے ہیں ؎

جو نہیں آمد آمد عشق کا مجھے دل نے مژدہ سنا دیا — خرد و حواس و شکیب نے وہیں کوس کوچ بجا دیا

جب بر در دل حضرت عشق آن پکارے — گوشے ہوئی عقل اور ہوئے اوسان کنارے

جب شاہ فخر الدین صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ؎

جبھی جا کے مکتبِ عشق میں سبق مقام فنا لیا — جو کچھ لکھا پڑھا تھا نیازؔ نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

علوم ظاہری کو خیرباد کہہ کر وہ اس شان سے میدان میں قدم رکھتے ہیں ؎

عشق کے میدان میں آ صورتِ انسان بنا — عاشقِ مولا ہوا چاند کا جیسے چکور

جذباتِ عشق ان کے سینے میں متلاطم ہوتے ہیں بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں ؎

جوش زن ہے عشق کی مے اب خم دل میں نیازؔ — گہہ ابل کر وہ گرے گہہ خم سے نکلے پھوٹ پھوٹ

کیا جوش میں ہے اب مئے وحدت خم دل میں — ابلے ہی پڑی رومی و عطار سے کہہ دو

آتشِ عشق ان کے سینے کو جلا دیتی ہے ؎

کہیں عاشق نیازؔ کی صورت — سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

Marfat.com

طوفانِ اشک اُمنڈ تا ہے ۔ بے اختیار نیاز کے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھتے ہیں ؎

یا الٰہی زورقِ گردوں سنبھال بے طرح اُنڈا ہے یہ طوفانِ اشک

ایک لمحہ رکتا ہے ۔ سوچتا ہے کہ حقیقتاً یہ اس کی یاوری کی ہے ؎

پھک چکے تھے ہم تو اے یارو ابھی گر نہ ہوتا اس گھڑی احسانِ اشک

عشق نے شاہ صاحب کی شاعری میں ایک درد، سوز اور گرمی پیدا کر دی ہے ۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ محسوس بھی کرتے ہیں اس لیے اس کی آتش انگیزی بھی بے پناہ ہوتی ہے ۔ ہر لفظ جو ان کی زبان سے نکلتا ہے ، گرمی اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے ۔

تبحرِ علمی اور تصانیف

شاہ نیاز احمد صاحب بڑے جید عالم تھے ۔ ان کی تصانیف ان کی علمیت کی شاہد ہیں حضرت عزیز میاں صاحب خاکسار مصنّف کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ـــ " حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں :۔

شمس العین شریف

رسالہ راز و نیاز

تحفہ نیازیہ حضرت بے نیاز

رسالہ تسمیہ المراتب

مجموعہ قصائد عربیہ

حاشیہ شرح چغمینی [1]

حضرت شاہ صاحبؒ کے اشعار سے بھی تبحرِ علمی کا پتہ چلتا ہے ۔ فلسفہ و منطق وغیرہ کی اصطلاحات جگہ جگہ اپنے اشعار میں استعمال کرتے ہیں [2]

خلفاء و مریدین

حضرت شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی ۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ان کے سلسلہ کی خانقاہیں قائم تھیں حضرت عزیز میاں صاحب نے خاکسار مصنّف کی گذارش پر ان کے خلفاء کی مندرجہ ذیل فہرست ارسال فرمائی ہے ۔

(۱) تاج الاولیا شاہ نظام الدین صاحب

(۲) مولوی عبد اللطیف صاحب سمرقندی

(۳) مولوی نعمت اللہ خاں بخاری کابل

(۴) حافظ وزیر خواجہ کابل

---

[1] مکتوب حضرت عزیز میاں بنام مصنّف [2] ملاحظہ ہو مصنّف کا مضمون حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی بحیثیت اردو شاعر مطبوعہ رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۴۵ء ، ص ۸۰۰

Marfat.com

(۵) مولوی محمد حسین مکہ معظمہ
(۶) میر محمد سمیع صاحب بدخشانی
(۷) مسکین شاہ صاحب ولائتی
(۸) مُلاّ عیوض محمد بدخشانی
(۹) مولوی یار محمد کابلی
(۱۰) محمد عثمان خاں وزیرخیلی کابل
(۱۱) ملاجان محمد خاں اخون کابل
(۱۲) مخدوم عبدالشہید صاحب یارقندی
(۱۳) حاجی ہاشم صاحب
(۱۴) محمد فخر عالم شاہ جہان پوری
(۱۵) سید احمد علی شاہ آبادی
(۱۶) سید حشمت علی " "
(۱۷) میاں فخرالدین صاحب
(۱۸) خلیفہ وجیہہ الدین
(۱۹) مرزا اسد اللہ بیگ بریلوی
(۲۰) حاجی شرف الدین رودولی
(۲۱) سید صاحب شاہزادہ کیڑ دراجمیر شریف
(۲۲) سید ضیاء الدین
(۲۳) محمد عبداللہ خاں صاحب شاہجہان پور
(۲۴) مولاداد خاں شاہ جہان پوری
(۲۵) مولوی محمود عالم بچھرایونی
(۲۶) بخش اللہ شاہ آبادی
(۲۷) حکیم رحیم اللہ بچھرایونی
(۲۸) مولوی عبدالرحمان جاورہ
(۲۹) غلام مولیٰ اکبرآبادی
(۳۰) محمد کفایت اللہ
(۳۱) مولوی عبید اللہ جی پھپلی
(۳۲) مولوی عبدالرحمٰن
(۳۳) شاہ شمس الحق لکھنؤ
(۳۴) شاہ نورالدین بریلوی
(۳۵) مولوی مستان خاں شاہ جہاں پور
(۳۶) خلیفہ عبدالرسول کابل
(۳۷) مخدوم جی بدخشانی

سجادہ نشین

حضرت شاہ نیاز احمد صاحبؒ نے ۶ رجمادی الثانی ۱۲۵۰ھ کو بمقام بریلی وصال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے خلیفہ اکبر حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی شاہ نصیرالدین بدایوں تشریف لے گئے تھے۔ اور وہیں لاولد وصال فرمایا۔ وہ مجرّد زندگی بسر کرتے تھے۔ شاہ نظام الدین بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ہزاروں عقیدتمند ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کے مریدوں میں دو بزرگ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں (۱) مولٰنا عبدالسلام صاحب نیازی دہلوی اور (۲) مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم بچھرایونی، مولانا عبدالسلام صاحب نہایت جید عالم ہیں۔ فلسفہ ریاضی اور الٰہیات پر خاص عبور ہے۔ وحدتِ وجود پر ان کی گفتگو بڑی دلچسپ اور عالمانہ ہوتی ہے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم بزرگوں کی دیرینہ روایات کے حامل تھے۔ اور اپنے سلسلہ کے مشائخ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔

شاہ نظام الدینؒ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ محی الدین صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔

Marfat.com

پاکستان کے تیس سال!

روشن کتابوں کی ایک مثالی پیش کش

ماہ جنوری سے ماہ دسمبر کے آئینے میں پاکستان کے بارے میں تیس سال کے تاریخی واقعات کا مکمل انسائیکلوپیڈیا۔ یہ جریدے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۷۷ء تک کے تاریخی واقعات پر مبنی ہیں اور ہر ماہ یکم تاریخ سے ماہ آخر تک کے واقعات ترتیب وار درج ہیں۔ پاکستان کے بارے میں اس ترتیب سے مکمل انسائیکلوپیڈیا آج تک شائع نہیں ہوا۔ یہ ۱۳ حصص پر مشتمل ہے۔

ترتیب: زاہد حسین انجم • قامت ۱/۲ ۷ × ۱۰ • کاغذ سفید • طباعت فوٹو آفسٹ

- قسط ۱ : یکم جنوری ۱۹۴۸ء سے ۳۱ جنوری ۱۹۷۷ء تک کے تاریخی واقعات۔
- قسط ۲ : یکم فروری ۱۹۴۸ء سے ۲۹ فروری ۱۹۷۷ء تک کے تاریخی و جغرافیائی واقعات۔
- قسط ۳ : یکم مارچ ۱۹۴۸ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء تک کے واقعات اسی ماہ کے آئینے میں۔
- قسط ۴ : یکم اپریل ۱۹۴۸ء سے ۳۰۔ اپریل ۱۹۷۷ء تک کے واقعات پر مبنی مکمل معلومات۔
- قسط ۵ : یکم مئی ۱۹۴۸ء سے ۳۱۔ مئی ۱۹۷۷ء تک کے اہم واقعات تاریخ وار۔
- قسط ۶ : یکم جون ۱۹۴۸ء سے ۳۰۔ جون ۱۹۷۷ء تک رُونما ہونے والے تاریخی واقعات۔
- قسط ۷ : یکم جولائی ۱۹۴۸ء سے ۳۱۔ جولائی ۱۹۷۷ء تک کا ایک ایک تاریخی واقعہ تاریخ وار۔
- قسط ۸ : یکم اگست ۱۹۴۸ء سے ۳۱۔ اگست ۱۹۷۷ء تک کے واقعات تاریخ کے آئینے میں۔
- قسط ۹ : یکم ستمبر ۱۹۴۸ء سے ۳۰۔ ستمبر ۱۹۷۷ء تک کے تاریخی اہم واقعات تاریخ بہ تاریخ۔
- قسط ۱۰ : یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء سے ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء تک کے اہم اور تاریخی واقعات کے آئینے میں۔
- قسط ۱۱ : یکم نومبر ۱۹۴۸ء سے ۳۰۔ نومبر ۱۹۷۷ء تک کے تاریخی واقعات کا مکمل تفصیلی جائزہ۔
- قسط ۱۲ : یکم دسمبر ۱۹۴۸ء سے ۳۱۔ دسمبر ۱۹۷۷ء تک کے واقعات ماہ دسمبر کے آئینے میں۔
- قسط ۱۳ : یکم جنوری ۱۹۷۸ء سے ۳۱۔ دسمبر ۱۹۷۸ء پورے ایک سال کے تاریخی واقعات کا انسائیکلوپیڈیا۔

ان تاریخی واقعات پر مبنی انسائیکلوپیڈیا کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے مکمل ۱۳ حصص کو بہت عمدہ رکسین جلد میں یکجا کر کے سنہری حروف سے کندہ کرا کر تیار کیا ہے۔ پاکستان کی عہد بہ عہد مکمل تاریخ۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز، چوک انارکلی۔ لاہور

Marfat.com

انبیائے قرآن

محمد جمیل احمد ایم، اے — تقطیع ۱/۲ ۶" × ۱۰"

قرآن کریم کے ان تمام انبیائے کرام (جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے) کے مفصل، جامع، مستند، معیاری احوال اور واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ نہ صرف تاریخی اور علمی نقطہ نظر سے بے حد نفع بخش ہے، بلکہ بقول مولانا احتشام الحق تھانوی فہم قرآن میں بھی کافی ممد و معاون ثابت ہوگا۔

حصہ اوّل — ضخامت ۳۸۸ صفحات — زیر طبع

حضرت آدمؑ سے حضرت یوسفؑ تک کے حالات اور سوانح (از ابتدا تا ۱۸۱۷ء ق م) ۲۲ نقشے اور طغرے بھی شامل ہیں)

حصہ دوم — ضخامت ۳۴۰ صفحات — زیر طبع

حضرت ایوبؑ سے حضرت یوشع علیہ السلام تک کے حالات کا جائزہ (سولہویں صدی قبل مسیح سے چودھویں صدی قبل مسیح تک) ۲۲ نقشوں اور طغروں سے مزیّن

حصہ سوم — ضخامت ۵۹۶ صفحات — قیمت -/۲۵ روپے

حضرت شموئیلؑ سے حضرت عیسےٰ تک کے حالات (گیارھویں صدی قبل مسیح تا ۳۳ء) ۳۲ نقشے اور طغرے بھی شامل ہیں۔

انوارِ اصفیا

ادارۂ تصنیف و تالیف — تقطیع ۱/۲ ۷" × ۱۰"

ضخامت ۶۵۰ صفحات

دنیائے اسلام کے ۹۰ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے مکمل و جامع حالات کا حسین مرقع۔ ہر ایک بزرگ کے بیان میں ولادت اور رحلت کی صحیح صحیح تاریخیں، سلسلہ طریقت، تصوف کے درجات اور ان کی نجی زندگی کا مکمل جائزہ۔

حکمائے عالم

تصنیف:۔ القفطی — ترجمہ:۔ غلام جیلانی برق — تقطیع ۱/۲ ۵" × ۹"

ضخامت ۶۱۲ صفحات — زیر طبع

اس کتاب میں اہم فلسفیوں، طبیبوں، ریاضی دانوں اور منجموں کے مفصل اور مکمل حالات درج ہیں۔ ان حکماء کا زمانہ حضرت ادریس علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے ان میں کم و بیش ایک سو یونانی اور شامی حکماء ہیں جو ظہور اسلام سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ دراصل اسلامی و یونانی علوم و فنون کا مطالعہ ہے۔

الفاروق

علامہ شبلی نعمانی — تقطیع ۱/۲ ۵" × ۷"

حضرت عمر فاروقؓ اعظم کی عظیم المرتبت شخصیت کے مستند و جامع حالات، جس میں عہد حاضر کے متلاشیان نظام حکومت کے لیے واضح اٹل اور تجربہ شدہ قوانین کا ذخیرہ بھی موجود ہے۔ مولانا شبلی کی "الفاروق" کا نام نہ صرف برصغیر ہند و پاک ہی میں مشہور ہے، بلکہ بعض مصری مؤرخین بھی اس کے مطالعے سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ کاغذ سفید، عمدہ طباعت

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔ ادبی مارکیٹ۔ چوک انارکلی۔ لاہور

Marfat.com

انوارِ اولیا (کامل)

رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین

جس کا پہلا حصہ تذکرۃ الاولیاء مصنفہ حضرت فریدالدین عطار سے
ماخوذ ہے اور دوسرے و تیسرے حصے میں پاکستان و ہندوستان کے تمام مشہور
اولیاء اللہ و صوفیائے کرام کے حالات و تعلیمات بالتفصیل درج ہیں۔

مرتبہ و مؤلفہ

(سید) رئیس احمد جعفری (ندوی)

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲/ ۵۴۰۰۰

Marfat.com